پندرہ روزہ تعمیر حیات، لکھنؤ

جلد ۳۳

شمارہ ۱۱، ۱۰، ۸، ۷، ٦، ۴، ۳، ۱ اور ۱۳ تا ۱۸

۱۰/نومبر ۱۹۹۵ء تا ۲۵/جولائی ۱۹۹٦ء

(بیچ میں کئی شمارے غائب ہیں۔)

Tameer e Hayat, Lucknow Vol. 33 Issue

1, 3, 4, 6, 7, 8, 10,11 and 13 to 18

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

اسلام کا پیغام پوری انسانی برادری کے لئے ہے

اسلام ایک پیغام الٰہی، اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف سے نہ صرف عام مسلمان بلکہ مسلمان علماء اور مشائخ تک نے اُس سے اعراض اور تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے کو انھیں معنوں میں قوم سمجھنے لگے، جن معنوں میں دنیا کی قومیں اپنے کو قوم سمجھتی ہیں، ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا اور اُن میں سے جو سمجھ رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر قوم ہے حالانکہ حقیقت اس سے بھی آگے ہے اور وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لیکر دنیا میں آئی ہے اس پیغام کو قائم رکھنا اور اسکو پھیلانا اور اسکی طرف لوگوں کو دعوت دینا اسکی زندگی کا تنہا فریضہ ہے۔ اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک برادری ہے، جس کے حقوق ہیں اور یہی انکی قومیت ہے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت اس کی بجا آوری، اس کی تعلیم، اس کی دعوت اور اس کی اشاعت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اُس کے حقوق کو بجالانا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

Rs. 5 : ۵ روپے

۱۰ نومبر ۱۹۹۶ء

سالانہ چندہ سو روپے

درس حدیث

رزق کے معاملہ میں اللہ پر توکل

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز ٹیچرز ٹریننگ کالج حائل السعودیہ
(۴)
ترجمہ: شمس الحق ندوی

ابن قیم کی رائے :- ابن قیمؒ توکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ توکل کئی باتوں سے ملی جلی کیفیت ہے ان باتوں کے بغیر حقیقت توکل نہیں حاصل ہو سکتی، اور سبھی بزرگوں نے ان میں سے ایک دو سے زائد باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات کی معرفت یعنی اس کا قادر مطلق ہونا، ہر چیز میں اس کا خود کفیل ہونا کسی کا کسی حال میں محتاج نہ ہونا، پورے نظام عالم کو ٹھیک ٹھیک چلانے کی قدرت یعنی قیوم ہونا، ساری باتوں کا اس کو علم ہونا، ان کا اس کی قدرت و ارادہ سے پیش آنا ان چیزوں کی معرفت ہی وہ پہلا زینہ ہے کہ جس سے توکل کی راہ کھلتی ہے[1]

اس وسیع مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسہ بڑی سعادت و خوش بختی ہے۔ جس سے بندۂ مومن زندگی میں سکون نفس کی دولت سے بہرہ یاب ہوتا ہے اس کو شرح صدر اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں بلاشبہ آمدنی اور کمائی پر اچھا اثر پڑتا ہے جو آدمی پریشان اور کھویا کھویا سا رہتا ہے، بے چینی و مایوسی کا شکار رہتا ہے وہ اس کام کو جو اس کے حوالہ کیا جاتا ہے کبھی صحیح طریقہ پر انجام دے پاتا ہے، اپنے مقصد میں اتنی کامیابی حاصل کر پائے کہ جس سے وہ مطمئن ہو سکے ناممکن سا ہوتا ہے۔ توکل کی ایک علامت اور پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو اور جتنی روزی عطا فرما رکھی ہے اس پر راضی رہے اور جو صلاحیت اور قوت عمل دے رکھی ہے اس پر قناعت کرے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنے لطف سے مقدر فرما دیا ہے اس پر شکر گزار رہے، اس لئے بندۂ مومن کا یہ ایمان و عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو رزق اور صلاحیت عطا فرمایا ہے اس میں عدل و حکمت سے کام لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توکل پر ابھارا اور آمادہ کیا ہے اس توکل کے یہی معنی ہیں۔

انسان اپنی ساخت و مزاج کے اعتبار سے بڑا لالچی واقع ہوا ہے۔ اس کے دل میں دنیا کی ایسی حرص رکھدی گئی ہے کہ کسی حد پر جا کر اس کا دل بھرتا ہی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ذریعہ حصول مال و غنیٰ کے سلسلہ میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے اور حصول رزق کے لئے محنت و کد و کاوش کا حکم دیا ہے اور اس رہنمائی کے ذریعہ اس کے نفس و زندگی میں توازن قائم فرماتا ہے اور اس کو غلو اور کوتاہی سے دور رکھتا ہے جس کی وجہ سے انسان کا دل اور بدن دونوں ہی مشکل و پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔

اگر انسان کو اس کی حرص و لالچ کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اس کو اس کے حال پر رہنے دیا جائے تو وہ خود اپنے اور اپنی جماعت کے لئے مصیبت بن جائے، لہٰذا ضروری تھا کہ اس کی چاہت و خواہش کو بلند اقدار و کردار کی طرف موڑا جائے اور اس کی رہنمائی کی جائے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

" وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ [1]

اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تاکہ ان کی آزمائش کریں ان پر نگاہ نہ کرنا اور تمہارے پروردگار کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

حدیث کا فقہی پہلو :- یمن کے لوگ حج کو آتے تو زاد راہ کا اہتمام نہ کرتے بلکہ کہتے تھے کہ بس ہم تو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں اور جب مکہ پہنچتے تو مجبور ہو کر لوگوں سے مانگتے اور سوال کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ [2]

اور زاد راہ (یعنی راستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زاد راہ کا پرہیزگاری ہے۔

یہی بات۔ مجاہدؒ، عکرمہؒ، نخعیؒ اور دیگر بہت سے سلف نے فرمائی ہے۔ یہ حضرات اسباب اختیار کرنے کو بالکل ہی چھوڑ دینے کی اجازت نہیں دیتے، سوائے اللہ کے ان خاص الخاص بندوں کو جو رجوع و انابت اور محبت خداوندی کے اس مرتبہ کو پہنچ گئے ہوں کہ مخلوق سے کوئی امید و لالچ دل میں باقی نہ رہی ہو (دل اشراف سے بالکل پاک ہو چکا ہو) اور جس حال میں بھی ہوں اس پر راضی و صابر ہوں کسی قسم کا کوئی شکوہ و شکایت زبان پر نہ آتا ہو بلکہ "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے وہ بہتر و پسندیدہ ہے۔ ہر ادا محبوب کی محبوب ہے یہ ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہو۔ بہت سے لوگ ان خواص کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی نقل میں دینی زندگی کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں، توکل کے نام پر دوسروں کے دست نگر بنے رہتے ہیں، یہ اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ توکل کے بیان میں یہ واضح کیا گیا

(باقی ص ۳۰ پر)

[1] مدارج السالکین۔

[1] طہٰ ۱۳۱، [2] بقرہ ۔ ۱۹۷



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۱۰/ نومبر ۱۹۹۵ء - مطابق - ۱۶/ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ | شمارہ نمبر ۱

زرتعاون
سالانہ ـــــ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ـــــ پانچ روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک:۔
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
ـــــ ۲۵ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک:۔
بحری ڈاک جملہ ـــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــ منیجر

خط و کتابت کا پتہ
مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کالم فی سینٹی میٹر R.25/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TH - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)



ناظرِ کتب خانہ

مولانا سیّد محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری کا حادثۂ وفات

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ شبلی (مرکزی کتب خانہ) کے ناظر (لائبریرین) مولانا سید محمد مرتضیٰ مظاہری نے جمعہ وشنبہ ۹؍رجمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ کی درمیانی شب میں لکھنؤ میڈیکل کالج کے ایمرجنسی وارڈ میں چالیس گھنٹے کی علالت کے بعد انتقال کیا۔ ان کے انتقال سے دارالعلوم ندوۃ العلماء اپنے ایک قدیم مخلص اور کارگذار فرد سے محروم ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کی ذمہ داری میں چار دہائیاں گذاریں۔ وہ کتب خانہ کے ناظر ہونے سے قبل دارالعلوم کے معہد میں کئی سال تدریس کا کام بھی کرتے رہے تھے۔ وہ کتب خانہ کی ترقی، اس میں کتابوں کے اضافہ کے لئے بہت فکر و توجہ کا ثبوت دیتے تھے اور اس کو بالکل ذاتی کام کی طرح ذوق و دلچسپی سے کرتے تھے حتیٰ کہ وہ کتابوں کی جگہوں اور ان کی موجودگی کا پتہ اپنی یادداشت سے بھی دینے لگے تھے، ان کی وفات ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کے لئے بڑا خسارہ ہے۔

مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور تذکرہ نگار مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی کے خاندان کے فرد تھے، مولانا سید جعفر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہید کے بعد دعوت و قیام مدارس کا کام بہت توجہ کے ساتھ شمال مشرقی یوپی سے لے کر شمال مغربی بہار تک کے متعدد خطوں میں کیا ان کے ذریعہ اصلاح عوام کو جو فائدہ پہونچا وہ تو پہونچا ہی، متعدد موجودہ مدارس اسلامیہ بھی انہی کی یادگار ہیں جن سے ان کی کوششوں کا فیض تا حال پھیل رہا ہے۔ مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کو اپنے ان جد امجد کے جذبہ و تعلق کا احساس ایک مخلصانہ جذبہ کی صورت میں رہا کرتا تھا اسی کی وجہ سے وہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے بزرگ فرد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء سے اپنے آغاز جوانی سے قریب ہوگئے تھے اور صرف انہی سے نہیں بلکہ ان کے خاندان کے دوسرے افراد سے بھی محبت و تعلق رکھتے تھے ان میں سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے مرحوم بھانجے مولانا سید محمد ثانی حسنی کے ساتھ تو ان کو مظاہر العلوم میں رفاقت درس کا تعلق بھی رہا جس کی بنا پر وہ ان سے بہت دوستانہ اور مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اس طرح مرحوم نے اپنی زندگی حضرت مولانا کے قریب رہ کر مخلصانہ دینی و اجتماعی کاموں میں لگادی۔ ندوۃ العلماء میں انھوں نے پچاس سال کی مدت گذاری۔ ادارہ کی خدمت کے ساتھ اجتماعی زندگی میں بھی انھوں نے نمایاں حصہ لیا۔ وہ ایک بڑے ہمدرد، ہر شخص کے خیر خواہ، ہر ضرورت پر تعاون اور ہمدردی کرنے والے انسان تھے۔ صلاح و عبادت کے ساتھ ساتھ تمام دوستوں اور اہل تعلق کے ساتھ نیک خدمات اور تعلق کے نبھانے میں بہت ممتاز تھے ـــ ان کے اخلاق و ہمدردی کا ان سے واقفیت رکھنے والے ہر شخص کو تجربہ ہے۔

مولانا مرحوم نے اپنے پیچھے اہلیہ اور پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ بڑے صاحبزادے مولوی سید عبیداللہ اسعدی جامعہ اسلامیہ ہتھورا میں استاد ہیں، ان سے چھوٹے مولوی سعید ندوی ریاض کی ایک درسگاہ میں استاد ہیں ان سے چھوٹے مولوی عمیر ندوی کتابوں کے کاروبار میں مشغول ہیں، ان سے چھوٹے دو بھائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ان کی وفات ان کے پورے حلقہ کے لئے ایک محب و خیر خواہ اور صالح مرد کا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے خاص قرب میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر و رضا کی توفیق عطا فرمائے۔ ادارہ تعمیر حیات ان کے پسماندگان کے غم میں جو صرف ندوہ کے فرزندان علمی ہیں شریک ہے۔

(ادارہ)

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف سلیمانیؒ کی رحلت

سید الطائفہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ محمد اشرف سلیمانی قدس سرہٗ نے ۱۹ر ستمبر ۱۹۹۵ء کو اسلام آباد کے میڈیکل کمپلکس میں وفات پائی، آپ پشاور یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے، اور ایک زاہد و عابد، عالم و درویش بزرگ تھے، آپ کی تحریروں میں سوز و گداز تھا، تقریروں میں بلا کی جاذبیت اور کشش تھی اور سراپا سوز و درد تھا آپ کے دم سے پورے علاقہ میں اخلاص و للہیت کا نور پھیلا ہوا تھا، اپنے مرشد حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی وارث اور ان کی تعلیمات کے امین تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ہزاروں لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائی، آپ کے خلفاء و مجازین پورے پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کی تعداد خاصی طویل ہے، آپ کا ایک اپنا مدرسہ بھی تھا جس کو ان کے خلفاء نے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

حضرت ممدوحؒ کے ایک خلیفہ حاجی عبد المنان صاحب حرم بیت اللہ الحرام کی توسیع میں ایک انجینیر کی حیثیت سے کام کرتے ہے اور اب بھی اس کی تعمیری دیکھ بھال پر مامور ہیں، انھوں نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا محمد اشرف خانصاحبؒ کے خدام و خلفاء نے یہ تجویز کی ہے کہ حضرت کی ذاتی کتابیں اور مواعظ عام مطالعہ کے دار المطالعہ میں رکھی جائیں جہاں طالبان علم روزانہ وقت مقررہ پر آکر استفادہ کرسکیں۔

الحاج عبد المنان صاحب موصوف کو ان کے ایک پیر بھائی عبد القدوس خاں صاحب نے مطلع کیا کہ حضرت کے جنازہ میں ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا اور جنازہ کے ساتھ بے شمار مسترشدین ذکر میں مشغول تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو اپنے قرب و رضا کا مقام بخشے، اور ان کے ورثا، اہل تعلق، خلفاء و مریدین کو دین پر ثبات نصیب فرمائے۔

مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کا حادثۂ وفات

۲ر نومبر کو پانچ بجے صبح برین ہیمبرج کا حملہ ہوا اور ۳ر اور ۴ر نومبر کی درمیانی شب میں ساڑھے بارہ بجے میڈیکل کالج میں انتقال فرمایا، اور ۴ر نومبر کو بعد نماز ظہر ۲ بجے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز رہی ہوگی۔ ڈالی گنج قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

مغرب کی نماز کے بعد دار العلوم کی مسجد میں تعزیتی جلسہ ہوا جس میں قاری مولوی عبد اللہ ندوی کی تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا عبد اللہ عباس صاحب معتمد تعلیمات اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دار العلوم نے تقریر کی، اخیر میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے مولانا جعفر علی صاحب خلیفہ حضرت سید احمد شہید کا تذکرہ فرماتے ہوئے مفصل تقریر فرمائی۔ ان تقریروں میں مولانا مرحوم کی خاندانی شرافت، تواضع و سادگی ایثار اور دوسروں کی خدمت کے جذبہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ کتب خانہ ندوۃ العلماء سے ان کی غیر معمولی دلچسپی، اس کو ہمہ ترقی دینے اور مفید تر بنانے کا تذکرہ کیا گیا۔

حمد

وہ دوا عشق محمدؐ کی پلا دے ہم کو

مشتاق رامپوری

ہے دعا تجھ سے یہ توفیق خدا دے ہم کو
اپنے محبوب سی جینے کی ادا دے ہم کو

خواب غفلت میں ہیں بد مست جگا دے ہم کو
بغض و نفرت سے جہالت سے چھڑا دے ہم کو

ہم گنہگار سہی پھر بھی ہیں بندے تیرے
بھٹکے ہیں راہ سے منزل پہ لگا دے ہم کو

پینے سے جس کے مسیحا بھی شفایاب ہوئے
وہ دوا عشق محمدؐ کی پلا دے ہم کو

ملک و ملت بھی ہے تفریق کی لعنت کا شکار
بھائی چارے و محبت کی فضا دے ہم کو

صحابۂ کرام جیسی دو رکعت نماز پڑھنا سکھا دیجئے

مولانا عبدالحیؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیلؒ کی حضرت سید احمد شہیدؒ سے ارادت و بیعت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اسمٰعیلؒ خاندانِ ولی اللٰہی کے چشم و چراغ تھے اور شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے بعد ہندوستان کے ممتاز ترین علماء میں ان کا شمار تھا، علمی تبحر، رشد و صلاحیت اور تقویٰ و للٰہیت میں اپنے ہم عمروں اور اقران و امثال میں ممتاز تھے۔ ان کی علمی عظمت اور صحیح منزلت کا اندازہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اس خط سے ہوگا جو آپ نے منشی خیرالدین کو لکھنؤ کے متعلق لکھا ہے اس میں آپ نے مولانا عبدالحیؒ کو شیخ الاسلام اور مولانا اسمٰعیلؒ کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، اور دونوں کو تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمدِ علمائے محققین کا خطاب دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جنابِ باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شاملِ حال ہے، اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا، ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہوں ان کے سامنے پیش کرو۔ بظاہر ان کلمات سے اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امرِ حق کا اظہار واقفوں پر واجب ہے۔

ایک روز مولانا عبدالحیؒ نے اور ان کے بعد مولانا اسمٰعیل نے سید صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی اور دونوں حلقۂ ارادت اور سلکِ بیعت میں منسلک ہوگئے، ان کی بیعت کا واقعہ اور اس کا سبب مختلف کتابوں میں مختلف طریقے پر بیان ہوا ہے، اس سلسلے میں سب سے مستند اور مفصل روایت وہ ہے جو مولانا کرامت علی جونپوری نے خود مولانا عبدالحیؒ کے حوالے سے بیان کی ہے، رسالہ "نور علی نور" میں لکھتے ہیں:۔

"اس حکایت کو سننے سے پہلے یاد رکھو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ، حضرت سید احمد صاحبؒ کو ان کے ابتدائے وقت سے "میر صاحب" کہا کرتے تھے اور حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ اور ہم سب معتقد لوگ "میاں صاحب" کہا کرتے تھے۔ اور مولانا عبدالحیؒ، مولانا محمد اسمٰعیلؒ کو میاں محمد اسمٰعیلؒ کہا کرتے تھے چونکہ اس حکایت کو ہم بجنسہٖ لفظ بہ لفظ بیان کریں گے اور یہ الفاظ اس میں آئیں گے اس واسطے ان الفاظ کے یاد رکھنے کو کہا، اب وہ حکایت سنو۔

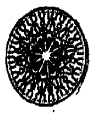
ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں اور روپئے پیسے کپڑے وغیرہ دنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کئے ہیں اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا ابھی نہیں اور آپ جب میاں صاحب کے روبرو بات کرتے ہیں، تو ترساں و لرزاں رہا کرتے ہیں، تو للہ آپ ہم سے سچ بیان کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا جو اپنا حال ایسا بنایا۔

تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں سچ بیان کروں گا، سنو، میرا یہ حال تھا کہ میں سلوک الی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا تب میں نے مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ مجھ کو آپ سلوک الی اللہ کی تعلیم کیجئے اور اس سے قبل میں بہت سے ہندی اور ولایتی مرشدوں سے توجہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا تھا۔ تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کے پاس بھیجا وہاں بھی چند روز توجہ لیتا رہا مگر میرا مقصد حاصل نہ ہوا۔ تب میں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا کہ یہ خادم حضور کی توجہ کا محتاج ہے اور حضور دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں، ہم کو آپ خود تعلیم کیجئے تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں، میں بہت بڈھا اور کمزور ہوا۔ اور مجھ میں بہت دیر بیٹھنے کی طاقت نہیں یہ مقصد تمہارا میر احمد صاحب سے حاصل ہوگا، تم ان سے بیعت کرو، تب اس جناب کا یہ فرمانا مجھ کو بہت شاق گزرا اور میں ناراض ہو کر چپ کر رہا، پھر کئی بار اور بھی عرض کیا وہی جواب پایا۔ آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ درپیش ہوا کہ میں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسمٰعیل مدرسے کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے، ایک شب کو بعد عشاء کے جب ہم تینوں علیحدہ پلنگ پر سوئے تب میاں صاحب نے فرمایا کہ "مولانا، مجھ کو حضرت رب العالمین نے محض اپنے فضل و کرم سے بطور الہام کے خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں تو جائے گا فلانے مقام میں یہ ہوگا۔ فلانے مقام میں وہ ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے وعلیٰ ہذا القیاس سب باتیں بیان کیا، پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب و غریب باتیں بیان کیا۔ اسی طرح سے کئی روز تک مکہ معظمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بہ تفصیل تمام فرمایا،

تب ہم نے اور میاں محمد اسمٰعیل نے مشورہ کیا کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں، ان سے کچھ فیض لینا بہت ضروری ہے، سو آؤ، کسی بات میں ان کا امتحان

پس تب میاں محمد اسمٰعیل نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں آپ ہی تجویز کر سکے کسی بات میں امتحان لیجئے، آخر کو جب پھر رات کو میاں صاحب نے پکارا کہ مولانا! تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی بزرگی میں کچھ شبہ نہیں مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ کچھ ہم کو عنایت کیجئے، تب فرمایا کہ مولانا کیا مانگتے ہو؟ تب ہم نے کہا کہ حضرت ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابہ کرامؓ ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو، یہ کہا اور میاں صاحب ایک بارگی خاموش ہو گئے اور اس روز پھر کچھ نہ بولے، تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں، مگر ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مروت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دنیا کیا ضرور، اور چپ کر کے سو رہے، پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا: "مولانا! اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ[1] ہوا اور بدن پر روئیں کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ کو بڑا اعتقاد آگیا تب میں نے جواب میں کہا: "حضرت"! تب فرمایا کہ "جاؤ اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو"۔ تب میرے بدن پر قشعریرہ ہوا اور میں نے کہا کہ بہت خوب! دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا! "مولانا سن لو!" میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہوا، فرمایا "تم نے خوب سمجھا، میں نے کیا کہا؟ میں نے کہا کہ اللہ کے واسطے وضو کرو"۔ پھر میں نے کہا: "بہت خوب" اور چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا، اسی طرح تین بار کیا۔ اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا تو ایسا حضور دل اور حق سبحانہٗ کے خوف سے میں نے ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا۔ پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا، فرمایا کہ: "جاؤ، اللہ رب العالمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو" تب میرے بدن پہ قشعریرہ ہوا۔ اور نماز کے واسطے چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا اور فرمایا کہ "تم نے خوب سمجھا یا نہیں؟ میں نے کہا کہ جاؤ اس وقت اللہ رب العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو میں نے کہا کہ: "بہت خوب!" اور نماز کے واسطے چلا، پھر تیسری بار بلایا اور ویسا ہی سمجھا دیا، تب میں نے ایک گوشے میں نماز شروع کیا تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش نہ باقی رہا اور اس قدر رویا کہ آنسو سے داڑھی تر ہو گئی اور اس قدر نماز میں غرق ہو گیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی، جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھا تھا۔ پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورۃ کو ضم نہ کیا تھا، پھر شروع کیا اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا۔ واللہ اعلم، سو رکعت یا زیادہ کم پڑھا ہوگا، کہ صبح صادق کا وقت قریب ہوا۔ پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضور دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا، اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا؟ میں تو حضورِ دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے ویسا دو رکعت بھی نہ پڑھ سکا۔ اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہٗ کے خوف سے استغفر اللہ! استغفر اللہ کہنا شروع کیا، جب اذان ہوئی تب مجھ کو ہوش آیا۔ اور یاد پڑا کہ صحابۂ کرامؓ کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے، ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ" اور سوچا کہ بلاشبہ یہ بڑے کامل مرشد ہیں کہ ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوا اور جو نعمت مدتِ دراز کی محنت سے حاصل نہ ہوئی تھی، سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہوئی پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے میں نے حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمد اسمٰعیل سے میں نے رات کا قصہ پورا بیان کیا، کیونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے، انھوں نے بھی حضرت صاحب سے بیعت کیا۔

پھر میں دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا اور رات کا قصہ بیان کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا! "بارک اللہ! بارک اللہ! خوب کیا! میاں، میں تم سے اسی واسطے کہا کرتا تھا، کیوں میاں، تم نے میر صاحب کا کمال دیکھا؟ تب میں نے عرض کیا کہ "حضرت میں نے بہت درویشوں کی خدمت کی اور بہت طریقوں کے موافق میں نے شغل اور مراقبہ کیا۔ میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا۔ حضرت سید صاحبؒ نے ایک بات زبان سے کہدیا اور میں اپنا دلی مقصد پا گیا حضرت یہ کون طریقہ کہلاتا ہے؟" تب فرمایا کہ: "میاں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے! ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ طریقہ نکالتے ہیں" حضرت مولانا کے فرمانے سے اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مرشد صاحب طریقت ہونے کا یقین ہوا۔ اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا۔ اس سبب سے میں میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور ان کی غلامی کے قابل بھی میں اپنے تئیں نہیں پاتا۔



[1] لرزہ اور رونگٹے کھڑے ہو جانا۔

شریعت اسلامی

انسانی زندگی کا معتدل ترین اور مطابق فطرت ضابطۂ حیات

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہمارے حضور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر کام میں اعتدال کا طریقہ اختیار کرنے کو پسند فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا " خَیْرُالْاُمُوْرِ اَوْسَطُہَا " معاملات میں بہترین وہ ہیں جو درمیانی ہوں، چنانچہ آپؐ نے متعدد موقعوں پر از خود اپنے عمل سے اس کو بتایا اور توجہ دلائی، آپؐ کے پاس تین صحابی بڑے ایمانی جذبہ کے ساتھ آئے۔ ایک نے کہا کہ رات رات بھر میں عبادت کیا کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ہر روز روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہ کروں گا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اپنی مثال دی فرمایا کہ میں رات میں عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزے رکھتا ہوں اور روزے سے خالی دن بھی چھوڑتا ہوں، شادی کرتا ہوں، کیا تم ہم سے بھی زیادہ عبادت گزار اور تقویٰ والے بنوگے، اسی طرح حج کے موقع پر ایک صحابیؓ نے جو مکہ میں بیمار ہو گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میں سوچتا ہوں کہ اپنا سارا مال متاع اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سارا مال صدقہ نہ کرو تو انہوں نے کہا کہ نصف کر دوں۔ فرمایا نصف بھی نہ کرو۔ انہوں نے کہا ایک تہائی صدقہ کر دوں، فرمایا کہ ایک تہائی کر سکتے ہو اگرچہ وہ بھی زیادہ ہے۔ دیکھو، تم اپنے بچوں کے لئے مال کو اتنا چھوڑ جاؤ کہ وہ اس سے اپنا کام چلا سکیں یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تم ان کو فقیر کی طرح چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

اسی طرح ایک صاحب اپنی ضرورتیں مانگ کر پوری کر رہے تھے آپؐ نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ سامان ہے۔ انہوں نے ایک پیالہ بتایا اور ایک چادر، آپ نے کہا لاؤ! آپؐ نے اس کا نیلام فرمایا وہ دو درہم میں فروخت ہوا آپؐ نے ایک درہم ان کو دیا کہ اس سے تم اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خریدی اس میں دستہ لکڑی سے کاٹ کر خود لگایا اور ان صاحب کو دیا کہ اس سے لکڑی کاٹ کر لایا کرو اور اس طرح اپنی کمائی سے کام چلایا کرو۔

ایک طرف آپؐ کا یہ انداز تھا دوسری طرف یہ تھا کہ دو بھائی تھے ایک، بھائی کام کاج ...... اور محنت کرتے، دوسرے بھائی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین سیکھنے کے لئے حاضر رہتے تھے تو ایک روز کام کرنے والے بھائی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ یہ میرے بھائی ہیں، ہاتھ نہیں بٹاتے اپنا سارا وقت آپ کی خدمت میں ہی رہ کر گزار دیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا تم کو کام سے جو آمدنی ہوتی ہے کیا عجب ہے کہ تمہارے ان بھائی کے دین سیکھنے کی فکر کرنے کی برکت ہی سے ہو رہی ہو۔ یعنی آپؐ نے یہ محسوس کر لیا کہ وسیلہ اختیار کرنے کے باوجود رزق اللہ دیتا ہے اس کی مرضی کا کام ہو تو برکت ہوتی ہے ورنہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہے۔ حضرات انصار رضی اللہ عنہم زراعتی کاموں کے کرنے والے تھے۔ جہاد اور دوسرے دینی کاموں کے تسلسل سے وہ کاشتکاری اور باغبانی کو ایک عرصہ تک کوئی زیادہ وقت نہ دے سکے ایک موقع پر وہ محسوس کرکے ہم آپ اپنی کاشتکاری وغیرہ میں مسلسل لگ سکتے ہیں ادھر متوجہ ہوئے تو ان کے کمائی کے کام میں لگ جانے سے اسلام کے بڑھتے ہوئے قافلہ کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا اس لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا " وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ " اپنے کو تباہی میں نہ ڈالو۔ یعنی اگر تم دنیا کی طرف اگرچہ وہ جائز ہو دین کا کام چھوڑ کر لگ گئے تو یہ تمہارے لئے تباہی کی بات ہوگی (البقرہ ۱۹۵)

یہ تھا وہ اعتدال اور درمیان کی راہ جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کو ڈالا تھا اور اس کی تربیت دی تھی کہ اپنی دنیاوی زندگی کی حسب ضرورت فکر رکھو اور اپنے دین کے حق کو بھی پوری طرح ادا کرو، آپؐ نے فرمایا " اَلدِّیْنُ یُسْرٌ " یعنی کہ مذہب آسان ہے، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے مذہب کو آسان بنا دیا ہے اسی پر پوری طرح عمل کرنا آسان ہے، دین پر پورا عمل کرنے سے برکت ہوتی ہے اور اللہ کی اجرت کے وعدے پورے ہوتے ہیں، امت محمدیہ کیلئے اس میں آسانی ہے اور یہی اسکے علاج کی راہ ہے

اسلام میں دین و دنیا دونوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس میں آسانی کے ساتھ اعتدال بھی ہے اسی طرح دین پر عمل آسانی و خوبی کے ساتھ ہوتا ہے، آدمی کو ایسے مجاہدے نہیں کرنا پڑتے کہ اسکی طاقت سے باہر ہوں، یہ ایسی نعمت ہے کہ کسی دوسرے مذہب میں نہ ملے گی، اس کے بعد مسلمانوں کے اپنے دین پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنا بہت عجیب بات بھی ہے اور افسوس کی بات بھی ہے۔

اس سے وہ صرف خدا کی ناراضی اور اپنے رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہی نہیں کرتے بلکہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ ان کی بے عملی کی وجہ سے غیر لوگ اس غلط فہمی میں پڑتے ہیں کہ اسلام پر عمل کرنا مشکل ہے۔

پھر مستزاد یہ کہ وہ غیر قوموں کے طریقے اختیار کرتے ہیں، دکھاوے پر بے تحاشہ دولت صرف کرتے ہیں۔ اور شریعت نے جو طریقے مقرر کئے ہیں اور وہ آسان ہیں اور ان میں صرفہ بھی کم ہوتا ہے ان کو ادا نہیں کرتے، شریعت میں شادی کرنے کا صاف ستھرا اور پسندیدہ طریقہ بتایا ہے لیکن وہ اس کو مشکل بناکر اور دولت لٹاکر کرتے ہیں پھر بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور لحاظ کا حکم دیا ہے لیکن ذرا سی بات میں ناراض ہوکر اس کو اذیت پہونچاتے ہیں۔ اور طلاق کی نوبت آجائے تو اس کو بری طرح اور گنوارپن کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر اگر قربت ہو تو اس کو دور کرنے کے ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں حالانکہ اس کے لئے جائز طریقے بتائے گئے ہیں اور ناجائز طریقوں سے منع کیا گیا ہے اور اگر امارت ہو تو پھر کہنا کیا، خرچ کرنے پر آئیں تو جا بیجا کی پرواہ کئے بغیر صرف خواہش کی بنا پر مال کو ضائع کرتے ہیں اور دوسری طرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ جابرانہ طریقے سے پیش آتے ہیں، مال کے حصول کے لئے رشوت لیتے ہیں جوا کھیلتے ہیں اور دھوکہ دھڑی جو بھی سمجھ میں آئے اس کو اختیار کرتے ہیں، یہ باتیں سماج میں پھیلتی جارہی ہیں اور واقعات کی صورت میں ہم کو ہر طرف اور ہر جگہ نظر آتی رہتی ہیں۔

شریعت میں ہے کہ نکاح کو آسان بناؤ، اس میں سادگی اختیار کرو، بیوی کو دینے کے لئے مہر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کو یا تو فوراً ادا کرو یا ادا کرنے کی پکی نیت رکھو، اگر مہر کی ادائیگی کی نیت صحیح نہیں ہے تو جو نکاح ہوگا وہ شرعی طور پر مشکوک ہوگا، مہر نہ اتنا کم رکھا جائے کہ اس سے بیوی کی بے وقعتی ہوتی ہو اور نہ اتنا زیادہ کہ ادا کرنے کی سکت ہی نہ ہو اور آدمی یہ سمجھے کہ ادا کرنا ہی نہیں ہے اس طرح کا نکاح ہی مشکوک ہوجائے گا۔

لیکن ہو یہ رہا ہے کہ شادی میں دھوم دھڑکا بے دردی بے حساب، پیسے کا خرچہ اور وہ بھی صرف نام ونمود کے لئے اور مہر کے معاملہ میں صرف زبانی جمع و خرچ بلکہ مہر ادا کرنے کی فکر کے بجائے الٹا بیوی والوں سے رقم اینٹھنے کا چکر اور اگر اس سے مطلوبہ رقم نہ ملی تو بیوی کی جان اجیرن بلکہ اسکی جان کیلئے بھی خطرہ۔

کیا یہ باتیں اللہ کو ناراض کرنے والی نہیں ہیں کیا مذہب کے خانہ میں اپنے کو مسلمان لکھا لینا اور مسلمان نام رکھ لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے، پھر مصیبتیں آتی ہیں تو آدمی کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہیں کرتا۔ شکر کرنا چاہئے کہ اتنی نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ دنیاوی عذاب نہیں دے رہا ہے۔

پھر بیوی کے ساتھ شوہر کا سلوک اور شوہر کے ساتھ بیوی کا سلوک دونوں شریعت اسلامی کے حکم کے بالکل مطابق نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناخوش ہوتے ہیں اور بتدریج زندگی جہنم بننے لگتی ہے اور پھر غصہ میں طلاق دی جاتی ہے۔ اور اس طرح کہ جیسے توپ چلادی۔ پھر جب ہوش آتا ہے تو افسوس کرتے ہیں مفتیوں کے پاس دوڑتے ہیں، کہ حل بتاؤ۔

یہ سب شریعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ شریعت ایسی اچھی کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی اسمیں رعایت رکھی گئی ہے، زحمت و پریشانی میں نہیں ڈالا گیا، لیکن اس کے خلاف کرکے اس کو بدنام کرتے ہیں۔ پھر مزید یہ ہے کہ غیروں کی عادتوں اور طریقوں کی اتنی زیادہ نقل شروع کردی ہے کہ ان کے طریقے دیکھ کر کوئی ان کے مسلمان ہونے کا یقین نہیں کرسکتا، شادی ہو یا میاں بیوی کا آپسی طریقہ ہو یا اولاد کی تربیت وتعلیم ہو کسی میں بھی مسلمان کی مسلمانی ظاہر نہیں ہو رہی ہے نشے کی عادتیں، جوئے کی لتیں جو خواہ لاٹری کی شکل میں ہوں یا دوسرے طریقے سے ہوں، ایسی بڑھتی جارہی ہیں کہ وہ ان کی اخلاقی، دینی، سماجی، اقتصادی زندگی کو دیمک کی طرح چاٹے ڈال رہی ہیں، نشے کی لت سے گھر کے افراد مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں، لاٹری کی وجہ سے آمدنی کا بیشتر حصہ اسی کی نذر ہوجانے پر گھر والوں کا کھانا بھی پوری طرح حاصل ہونا مشکل ہو رہا ہے بیوی سے ناچاقیاں بڑھ رہی ہیں، لڑکے آوارہ گردی اور جہالت میں پل رہے ہیں، ایسے میں آپس کی کشمکش اور طلاق جیسی باتیں کوئی تعجب کی باتیں نہیں ہیں۔

شریعت پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنے کا ایک بڑا اہم گوشہ مرنے والے کے مال کی وراثت کی تقسیم کا صحیح نہ ہونا ہے، باپ کی جائداد پر کوئی ایک قوی یا کئی وارث قبضہ کرکے کمزور وارثوں کو محروم کردیتے ہیں۔ اور بہنوں کا حق تو عام طور سے مارا ہی جاتا ہے۔

کسی نے بہت نیکی کی تو بہن سے کہلوا لیا کہ ہم کو بھائی سے بہت محبت ہے ہم معاف کرتے ہیں، حالانکہ وراثت کی تقسیم کا حکم قرآن مجید میں تفصیل سے بتایا گیا ہے اور سخت تاکید کی گئی ہے اور اس کے نہ کرنے پر سخت وعید آئی ہے، اصلاً شرعی اصول سے تقسیم کرکے قبضہ دیدینا چاہئے پھر کوئی بہن واپس کرے تو خوشی سے لیا جائے۔

مسلمانوں کے لئے اس دنیا میں بھی فلاح اسی میں ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر چلیں ورنہ پروردگار کی نصرت ومدد کے وہ ہرگز مستحق نہیں ہوسکتے ان کے اسلاف کے ساتھ نصرت خداوندی کے واقعات ان کی فرمانبرداری کی زندگی کی بنا پر ہے۔ دنیا کی زندگی میں بداعمالی اختیار کرنے پر دنیاوی صرف کافروں کو کمتر ملتی کیونکہ ان کیلئے اصل سزا آخرت میں رکھی گئی ہے، لیکن مسلمان کی دنیا بھی اسی وقت کامیاب ہوتی ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بجاآوری کرتے ہوں، شریعت پر

عمل نہ کرنے کی صورت میں ہم غیروں سے کس منھ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری شریعت کے خلاف کوئی قانون نہ بنایا جائے، ہماری شریعت کے خلاف کوئی رویہ نہ اختیار کیا جائے۔ ہم کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ اسلام کی تعلیمات کے برعکس زندگی گزارنا بڑی فکر و تشویش کی بات ہے۔ اس کو درست کرنے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ہے، اس کے لئے مسلمانوں کو سمجھانا اور ان کو شریعت پر عمل کرنے پر آمادہ کرنا بھی اہم کام ہے۔ اس کو کرنے کی بھی فکر کرنا چاہئے، کیونکہ ہم اسی معاشرہ میں رہتے ہیں اس میں کوئی غلط کام کرتا ہے تو اس کا اثر ہم پر بھی پڑے گا اگر ملت کا خود اپنا نظام حکومت ہوتا تو اس کی اولین ذمہ داری اسی پر ہوتی اور کام آپ کے ذریعہ انجام پاتا لیکن جب ایسا نہیں ہے یا ایسا نہیں ہوتا ہے تو پھر بھی مسلمانوں کے با صلاحیت طبقہ کو اس میں اپنی حد تک حصہ لینا چاہئے، خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ اس کی فکر رکھتے تھے کہ لوگ آسائش کی زندگی مسرفانہ طریقہ سے تو نہیں اختیار کرتے، اخلاقیات اور طور و طریق اسلام کی تعلیمات کے خلاف تو نہیں اختیار کرتے، غلط کار افراد کو سختی کے ساتھ غلط کاری سے باز رکھتے تھے اور باہمت اور باعزت قوم کا فرد بنانے کی فکر کرتے تھے۔

وہ تو ایک مثالی اور اعلیٰ درجہ کے شریف اور اقتدار والے حاکم تھے۔ ان کے علاوہ دیگر حکمرانوں میں بھی جو سنجیدہ مزاج رکھتے ہیں اپنی قوم کی اخلاقیات کو قوم کی امنگوں اور جذبوں کے ساتھ قائم رکھنے کی کوشش کی مثالیں ملتی ہیں، کافروں کے یہاں مثلاً یورپ و امریکہ جیسے اخلاقیات کے بگڑے ہوئے ماحول میں بھی وہ اپنی اپنی قوموں کی تعمیر کرنے اور کمزوریوں سے بچنے کی عادت ڈالنے کی فکر اور جس بات کو اپنی قوم کے لئے مناسب سمجھتے ہیں اس کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ قومیں جن کو حکومت کی طاقت و ذرائع حاصل نہیں ہیں وہ اگر زندگی کی توانائی رکھتی ہیں اور ان میں سمجھدار اور سنجیدہ افراد ہوتے ہیں تو یہ کام وہ اپنے سمجھدار اور سنجیدہ افراد کے ذریعہ انجام دیتی ہیں، مسلمانوں کو ہندوستان میں اپنی اخلاقیات کی حفاظت اپنی ملت کی سنجیدہ و ٹھوس تعمیر خود کرنا ہے، یہ کام ان کے تمام پڑھے لکھے لوگوں اور ان کے ملی و تعمیری اداروں کی خصوصی توجہ کا ہے ہم جس طرح مختلف دینی، مذہبی و سیاسی حلقوں کی فکر کرتے ہیں ہم کو سماجی و اصلاحی اور صحیح معاشرتی اخلاق کی اصلاح و تعمیر کی فکر بھی کرنا ہے اور اس کام میں غفلت قوم و ملت کو ایک بگڑی ہوئی اور ناقابل عزت قوم و ملت بنا دے گی، جس کے جستہ جستہ نمونے مسلمانوں کے ملکوں میں نظر آنے ہیں، ایک صبر و محنت طلب کام ہے لیکن اسکی اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہم سب کو فکرمندی و توجہ سے اس کو انجام دینا ہے۔

(بقیہ)
یہ ہے عورت کا مقام

اور خاص بے پردگی کا شکار ہوتی ہیں انھیں اپنی عزت و ناموس کا خیال رکھنا چاہئے ان چیزوں سے توبہ کر کے اور جاہلیت کے طور طریقوں کو چھوڑ کر ایمان و اسلام کے پاکیزہ طریقہ کو لازم پکڑنا چاہیئے۔

غیر مرد سے بات کرنے کا مناسب طریقہ

کسی خاتون کو کسی مرد سے بات چیت کرنے کا موقع پڑ جائے تو اس تعلق سے بھی قرآن مجید میں واضح حکم موجود ہے: "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا" بات کرنے میں نازک لہجہ اختیار نہ کرو ورنہ جس کے دل میں کھوٹ ہو اسے غلط گمان آسکتا ہے بات کرو تو بھلے کام کرنے کے حکم کے انداز میں کہنا" (۳۳ الاحزاب آیت ۳۲) یعنی کسی سے بات کرنی ہو تو بات بھی بھلے اور معروف طریقہ سے کرے اور رعب سے بات کرے جھکے کھا کر کسی سے بات نہ کرے دبے دبے اور ترنم کے لہجے میں عورت بات کرے گی تو کوئی روگی دل والا ہوگا تو اس کے دل میں کوئی اور تمنا آنے لگے گی کہ کس طرح یہ خاتون بات کر رہی ہے۔ بعض عورتوں نے سوال کیا کہ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کا کیا مطلب کہ عورتیں دب دب کر بات نہ کریں ہم نے جواب میں عرض کیا کہ مثال کے طور پر کسی کا فون آیا اور شوہر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ محمد اسماعیل صاحب کہاں ہیں اگر وہ گھر میں نہ ہوں تو جواب دے کہ نہیں ہیں۔ پوچھیں کہ کہاں گئے تو جواب دے نہیں معلوم۔ کیا رات کو آئیں گے؟ جواب دے ۸ بجے فون کیجیے۔ یہ ہو گیا رعب و دبدبہ والا انداز گفتگو، ایک یہ ہوا کہ پوچھا گیا محمد اسمٰعیل صاحب کہاں ہیں تو بولے کہ ہاں وہ ابھی ابھی آتے ہی ہوں گے آپ تشریف لے آیئے وہ بھی آ ہی جائیں گے، یہ نرمی کی بات ہوئی۔ اور ایک طرح کا لچکدار انداز ہوا۔

بقیہ:- اقوام متحدہ

۱۹۹۱ء میں اس مالی بدعنوانی کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا تھا لیکن پراسرار طریقوں سے فائیل ہمیشہ کے لئے بند کر دی گئی۔

۱۹ر ستمبر ۱۹۹۳ء کو امریکی ٹیلی ویژن نے اپنی ایک رپورٹ میں بتلایا تھا کہ اقوام متحدہ کے بجٹ سے سالانہ کئی ملین ڈالر بدنظمی، بدعنوانی میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کمبوڈیا میں بھی اقوام متحدہ کا فنڈ خرد برد کیا گیا تھا۔ اقوام متحدہ کے مالیاتی حساب کتاب دیکھنے والے ایک افسر کا کہنا ہے کہ سب سے زیادہ بدعنوانی اقوام متحدہ کے اس فنڈ میں ہوتی ہے جو پناہ گزینوں اور قحط زدہ عوام کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ کیوں نہ اقبال کی زبان میں کہئے ؎

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

مولانا سید واضح رشید ندوی

آزاد ممالک کے غلام عوام

ترجمہ: سید جاوید احمد

اگر یہ کہا جائے کہ چند با اقتدار ممالک کے سوا پورا عالم سامراجیت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے جس میں عالم اسلام بھی ہے، تو لوگ تمسخر و مزاح سے زیادہ اہمیت نہ دیں گے یا تو پھر اس کا صریح انکار کریں گے اور یہ سیاسی ناواقفیت بلکہ جہالت ولاعلمی کی بات سمجھی جائے گی۔ اور دنیا کے سیاسی نقشہ کی بنیاد پر اس دعوے کے خلاف مثالیں بھی پیش کی جائیں گی اور ان ممالک کے نام گنائے جائیں گے جو کہ گذشتہ نصف صدی کے دوران آزاد ہوئے اور ان ملکوں میں قومی حکومتیں قائم ہیں، اقوام متحدہ کے ممبر ممالک خود مختار اور آزاد ممالک سمجھے جاتے ہیں جن کے اپنے پرچم، اپنی پارلیمنٹ، اور اپنے سفارتخانے ہیں۔ ان ملکوں کی فہرست پیش کی جائے گی جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ آزاد ہیں، اور وہ آزاد ممالک میں شمار کیئے جاتے ہیں، ان کی اپنی فوج اور پولیس ہے۔ اور ترقیاتی منصوبوں اور حکمرانوں کے انتخاب کا نظام ہے اور وہاں کے حکام اپنے کو عوام کا نمائندہ بھی کہتے ہیں، مسلمان بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی تعداد پورے عالم میں ایک ارب سے متجاوز ہے اور وہ تقریباً پچاس ملکوں میں اکثریت میں ہیں اور ان کے بہت سے ممالک اسلامی جمہوریہ کہلاتے ہیں۔

آزاد ممالک کی یہ طویل فہرست اور انکا عددی تناسب اس کا متقاضی تھا کہ وہ دنیا میں اپنا وزن رکھتے، داخلی آزادی کے ساتھ ساتھ خارجی معلومات میں بھی ان کی اپنی حیثیت اور مقام ہوتا لیکن اس عظیم تناسب کے باوجود صورتحال یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے باشندے مختلف النوع مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں اور ان کی مجبوریاں اور پریشانیاں برابر بڑھتی جارہی ہیں۔ انھیں اپنے حقوق استعمال کرنے اور آزادی کے ساتھ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ملک کی تعلیم، اقتصادیات ذرائع ابلاغ میں ان کی مصلحتوں کی کچھ بھی رعایت نہیں عالمی برادری میں ان کی کوئی قوت نہیں سو ممالک ایک بڑے ملک کی رائے نہیں بدلوا سکتے، وہ اقتصادیات، سیاسیات اور تعلیم و ثقافت میں دوسروں کے پابند ہیں۔

خاص طور پر عالم اسلام کی موجودہ صورتحال کا جو شخص بنظر غائر مطالعہ کرے گا تو اس کے سامنے ایک عجیب وغریب منظر ہوگا جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی اور اسے یہ معلوم ہوگا کہ مسلم اکثریت اپنے ملک کی سیاست سے الگ زندگی گذار رہی ہے جیسے زندگی کے کسی گوشہ میں نمائندگی کرنے کا کوئی حق نہیں اور ملک کی سیاست میں اثر انداز ہونے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کا کوئی اختیار نہیں، اس کے برخلاف ان کے ملک کی سیاست پر اقلیت کا فکری ذہن غالب ہے اور وہی حکمرانی کر رہا ہے، جو قومی لحاظ سے تو اس اکثریت کا فرد ہے لیکن فکری اور ثقافتی لحاظ سے اس کا اس اکثریت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔

مسلم عوام کا مزاج اور سیاسی قیادتوں کے مزاج کے درمیان واضح اور بین فرق پایا جاتا ہے اور ان دونوں متضاد گروہوں کے درمیان دوری میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ دوری کچھ عرصہ سے عداوت میں تبدیل ہو رہی ہے جو نظروں کے سامنے ہے کیونکہ مسلم عوام اسلام اور ثقافت اسلام کو اختیار کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور فکر و تدبر، تعلیم و تعلّم اور عبادت واقتصادیات سے لیکر زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تشخص کو نمایاں حیثیت دینا چاہتے ہیں تاکہ ان کا اپنا معاشرہ اسلامی زندگی کا ایک اچھا نمونہ اور مرد مسلم کے اغراض و مقاصد کا ایک صحیح پر تو ہو جو طویل سامراجی عہد کے بعد پردۂ ظلمت میں چھپا رہا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود مغربی مبصرین اور سیاستدانوں کو ہے جو عالم اسلام کے اس عوامی رجحان کا بڑی گہرائی کے ساتھ جائزہ لے رہے ہیں اور اس رجحان کو اپنے مفادات کے لیے خطرناک قرار دے رہے ہیں۔ اور اس کو روکنے کے لیے تدبیریں اور سازشیں کر رہے ہیں نیز مغربی میڈیا یہ تأثر دے رہا ہے کہ اس رجحان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس میں قوت آرہی ہے۔ مسلم ملکوں کی حکومتوں کو اس رجحان وخیال کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ اکسا رہے ہیں اور اس کے لیے تدبیریں تجویز کر رہے ہیں۔

مسلم ملکوں کے قائدین جو سیاسی وسائل یا فوجی قوت کے بل بوتے پر حکومت کر رہے ہیں اور جو بڑے اور طاقتور ممالک کے اشاروں پر عمل کرتے ہیں اور جن کی نشو ونما مغربی تربیتی مراکز اور علمی اداروں میں ہوئی ہے ایسا موقف اختیار کر رہے ہیں جو ان کے عوام کے مفاد و مقاصد کے یکسر خلاف ہے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں عوام اور نظام حکومت کے درمیان ایک قسم کا تصادم پیدا ہو رہا ہے۔ اور دونوں فریق ایک دوسرے کے سلسلہ میں عدم اعتماد کے شکار ہوگئے ہیں۔ اور ایسے حالات پیدا کیئے جارہے ہیں جو مقابلہ آرائی اور محاذ آرائی کے

اسباب فراہم کرتے ہیں۔ دینی غیرت رکھنے والے مسلمان اپنے وطن میں رہتے ہوئے بھی اجنبیت محسوس کر رہے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ جو طبقہ ان کی قیادت میں نمائندگی کر رہا ہے وہ ان کے دین کا حامل نہیں نیز ان دینی واخلاقی قدروں کا وہ قائل نہیں جن کے یہ حامل ہیں اور انہیں اپنے ملک میں ایسے مناظر کا مشاہدہ کرنا پڑ رہا ہے جن کو ان کا ضمیر گوارا نہیں کرتا اور جو چیزیں انہیں پڑھنے اور سننے کو مل رہی ہیں اور ان کا ملک جس راہ پر گامزن ہے اس سے انہیں ایک طرح کی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔

اور اسی بنا پر حریت پسند شہریوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہا اور بخوشی و رضا اپنے دینی تشخص کے ساتھ جلا وطنی کی زندگی گذارنے کو انھوں نے ترجیح دی، ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ اور ان میں ایسے ذی صلاحیت لوگ شامل ہیں جن کی ضرورت خود ان کے ممالک کو بھی ہے، انھوں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ ان کے کان ایسے نامانوس کلمات نہ سنیں، اور ان کی آنکھیں ایسی چیزیں مشاہدے میں نہ لائیں جن سے ان کو فطری نفرت وبغض ہے کیونکہ انھیں وہ طاقت حاصل نہیں جس کے ذریعہ وہ حالات کا رُخ موڑ سکیں اور نہ ہی وہ آزادیٔ رائے اور حریت فکر ہے جس کے اظہار و بیان سے دل و دماغ کو راحت بہم پہونچا سکیں۔

ان دونوں متضاد ومخالف رجحانات کے نتیجہ میں دونوں فریقوں کے درمیان عدم اعتماد اور شک وشبہ کی ایک خاص ذہنیت پروان چڑھ رہی ہے۔ آپسی اختلافات رونما ہو رہے ہیں چنانچہ حکام ورہنما اپنے عوام سے پریشان ہیں اور عوام اپنی حکومتوں سے بیزار، ایک کی فکر دوسرے کی فکر سے متصادم ہے، اس خوف سے سیاسی، شہری، سرکاری، فوجی، تنظیمی اور تعلیمی قیادت میں مسلسل تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں کہ کہیں یہ لوگ اقتدار پر قابض نہ ہو جائیں اس کے لئے سازشیں کی جا رہی ہیں جن کے نتیجہ میں ہزاروں عوام خیانت کی تہمت سے قید خانوں اور جیل خانوں کی نذر ہو رہے ہیں۔ انھیں آزادی کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی ایک خوف و ہراس کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، اور یہاں تک کہ انھیں اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں پر بھی کامل اعتماد نہیں! یہی آج ایشیا و افریقہ کے بیشتر عربی و عجمی مسلم ممالک کی صورتحال ہے۔

مسلمانوں پر خود ان کے ملکوں میں اس نام نہاد دور آزادی میں ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور انھیں ذلت ورسوائی، قتل وغارت گری، آبرو ریزی وعصمت دری، عقائد کی پامالی اور ذہنی کشمکش کا ایسا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جیسا کہ حقیقی سامراجیت کے دور میں بھی نہ کرنا پڑا تھا۔ اور حریت پسند، صاحب ضمیر لوگوں کو ان آزمائشوں سے گزرنا پڑ رہا ہے جن سے غلامی کے عہد میں بھی گذرنا نہیں پڑا تھا۔ حق پرست، حق گو، اور اصلاح کے داعیوں کو اپنی راست گوئی کی وجہ سے سزائیں دی جا رہی ہیں اور ملک بدر کیا جا رہا ہے۔ اور حق کے دشمنوں کی پشت پناہی کی جا رہی ہے ان حق پرستوں نے یہ سمجھا تھا کہ انکا اپنا ملک ہے اور وہاں مسلم باشندوں کی اکثریت ہے لہٰذا وہاں اسلامی طور وطریق ہونا چاہئے۔ اسلام کی آواز بلند ہونی چاہئے۔ اور ملک کی سیاست میں اسلام اور مسلمانوں کا قول، قول فیصل سمجھا جانا چاہئے اور ملک میں اسلامی تشخص کو بالادستی حاصل ہونی چاہئے۔

ان حق پرستوں کو حق بات کہنے سے روکا جاتا ہے اور ان پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں اور اسلام اور مسلم دشمنوں کو موقع فراہم کیا جا رہا ہے اور یہ آزادی بہم پہونچائی جا رہی ہے کہ وہ جس مسئلہ کو چاہیں موضوع بحث بنائیں، اور اسلام کی معزز شخصیات پر الزام تراشی کریں، تاریخ اسلام پر کیچڑ اچھالیں اور حقائق کی پامالی کریں۔ ان زیادتیوں پر اگر مسلمانوں کو ناگواری ہو تو ان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اور ان حملوں کا جواب دیں، اور اسلامی غیرت وحمیت کا اظہار کریں اور اگر خطرہ مول لیتے ہیں اور اظہار کرتے ہیں تو ان پر بنیاد پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے اس طرح اکثریت اقلیت کی تابع بنی ہوئی ہے ایسی صورت میں یہ کہنا کہ وہ آزاد ہیں اور ان کے ملک آزاد ممالک ہیں، ان کی اپنی قیادت وسیادت ہے کیسے صحیح اور درست ہو سکتا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب موجودہ سیاسی قیادتوں کو دینا چاہئے۔ اور خاص طور سے ان قیادتوں کو دینا چاہئے جو اپنے کو عوامی جمہوریت کے نام سے موسوم کرتی ہیں اور آزادیٔ رائے کا نعرہ بلند کرتی ہیں۔

اکثر مسلم ملکوں کی یہی پوزیشن ہے اور اس غیر عوامی نظام کو یورپ کی طرف سے سرپرستی حاصل ہے اور وہ اس پوزیشن کو اسی خطرہ کے پیش نظر بدلنا نہیں چاہتا کہ عوام کو اختیارات دینے سے اسلامی رجحان کو غلبہ حاصل ہوگا، لیکن بندشوں میں جکڑا ہوا یہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں رہ سکتا، کیونکہ جس ملک کے عوام عملی زندگی سے جدا ہو کر زندگی گذار رہے ہوں وہ ملک ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتا اور ترقی یافتہ ممالک کی صفوں میں کبھی نہیں شامل ہو سکتا اور اس کے مقاصد و اغراض کسی طرح بارآور نہیں ہو سکتے، یہ تو مسلمانوں کا اپنا قانونی حق ہے۔

آج جو اکثر مسلم ممالک میں کشت وخون قید وگرفت اور آواز حریت کی سرکوبی کے واقعات سرزد ہو رہے ہیں اور یہ ممالک جس بدامنی اور انارکی کے شکار ہیں یہ سب مغربی ممالک اور وہاں کے حکام کے سامنے سرنگوں رہنے اور ان کے رہنماؤں سے دوستانہ و یارانہ تعلق رکھنے کا لازمی نتیجہ ہے، اور یہ کشمکش ایک بہت ہی زبردست خسارہ ونقصان کا پیش خیمہ ہے جس کا خمیازہ مسلمانوں کو ہی بھگتنا پڑے گا خواہ وہ لیڈر کی حیثیت سے بھگتیں یا عام پبلک کی حیثیت سے، مسلم ملکوں میں پسماندگی اور

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

احکام خداوندی کی خلاف ورزی کا عبرتناک انجام

ایڈز اور ایبولا کے بعد ہاگ وائرس، جس کا شکار چند روز میں خنزیر نظر آنے لگا!

کولمبیا اور برازیل کا سچا واقعہ

> حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانے میں کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے فرمایا۔ ہاں! وہ (برائے نام) نماز روزہ اور حج بھی کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا وہ آلات موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ و سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے۔ اور شرابیں پیا کریں گے! (بالآخر) وہ رات بھر مصروف لہو رہیں گے اور صبح ہو گی تو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ معاذاللہ!

ایڈز اور ایبولا جیسے خطرناک وائرس کے بعد دنیا کو اب ایک اور خطرناک اور عجیب و غریب وائرس کا سامنا ہے، یہ وائرس جسے "ہاگ" یا "کوچینو" کا نام دیا گیا ہے کولمبیا اور برازیل میں نمودار ہوا ہے اس وائرس کا شکار انسان یا تو مر جاتا ہے یا پھر چند روز میں اس کا چہرہ سُور نما ہو جاتا ہے، سائنس داں سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسی ویکسین تیار کی جائے جو اس خطرناک وائرس کو ختم کر سکے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس وائرس کا ابتدائی ہدف کولمبیا اور برازیل ماہرین کے مطابق ایڈز اور ایبولا کی طرح اس وائرس نے بھی سب سے پہلے منطقہ حارہ بارانی جنگلات میں کام کرنے والے محنت کشوں کو نشانہ بنایا، سائنس داں کہتے ہیں کہ یہ وائرس سب سے پہلے پائے ایمزن کے طاس میں پائے جانے والے جنگلی سُوروں اور تاپیر وسطی اور جنوبی امریکہ میں پایا جانے والا ایک سم دار جانور جو تین فٹ اونچا اور چھ فٹ لمبا ہوتا ہے" میں پھیلا اور اس کے بعد یہ انسانوں کو منتقل ہوا واضح رہے کہ ہاگ وائرس کھانسنے چھینکنے اور جسمانی رطوبتوں کے ملاپ سے ایک سے دوسرے شخص کو منتقل ہو جاتا ہے۔ ماہرین اس بیماری کو طاعون کے مماثل قرار دے رہے ہیں۔

اس وائرس کا شکار بد قسمت شخص شروع میں تیز بخار میں مبتلا ہوتا ہے اس کے بعد اسے جوڑوں میں شدید درد اور سوجن کی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے ان ابتدائی علامات کے بعد مریض کے اندرونی اعضاء سے جسم کے اندر ہی خون رسنے لگتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ناک، آنکھوں اور مسوڑھوں سے خون بہنے لگتا ہے عام طور پر اس وائرس کا نشانہ بننے والے ۴۰ فیصد افراد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور جو بد قسمت یا خوش قسمت زندہ بچ جاتے ہیں وہ کسی عفریت سے کم نظر نہیں آتے کیوں کہ انسان کم، سُور زیادہ نظر آتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اب تک کم از کم ۳۲۷ افراد اس وائرس کا شکار ہو چکے ہیں۔ زندہ بچ جانے والے مریضوں کی جلد موٹی ہو جاتی ہے۔ ناک اور کان کی لمبائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

خصوصاً اس حد تک موٹی لمبی اور بہیئت ہو جاتی ہے کہ اس میں اور سُور کی تھوتھنی میں کوئی فرق نہیں رہتا اس کے علاوہ وہ بال کھردرے اور موٹے ہو جاتے ہیں ان کی رنگت بھی بدل جاتی ہے جلد میں نوکیلے ابھار بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو چھوٹے سینگوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ہیرن کاز کے مطابق انسانی جسم میں آنے والی یہ خوفناک تبدیلی محض چند روز میں مکمل ہو جاتی ہے اور مریض خواہ مرد ہو یا عورت اس کی شکل سوّر جیسی ہو جاتی ہے۔ اس مرض یا وائرس کا یہ پہلو انتہائی دردناک ہے کہ اس کا شکار ایک قابل نفرت انسان بن جاتا ہے، میں نے کئی واقعات دیکھے ہیں کہ ایک شخص جو سب کو پیارا تھا اس بیماری میں مبتلا ہو کر سب کا پیار اور محبت کھو بیٹھا لوگ ایسے شخص سے دور بھاگتے ہیں یہاں تک کہ ڈاکٹر بھی اس کے قریب آنے سے گریز کرتے ہیں۔ میں نے اس طرح کی خوفناک بیماری اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی ہاگ وائرس سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۱۷۸ ہو چکی ہے۔

جو زندہ بچ گئے ہیں وہ موت سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں، کولمبیا کی پبلک ہیلتھ ایجنسی نے اس وائرس سے متاثرہ افراد کی مختلف اقسام کی رطوبتیں ملک کی اعلیٰ یونیورسٹیوں اور لیبارٹریوں کو بھجوائی ہیں اس ضمن میں امریکہ کے ماہرین سے بھی رجوع کیا گیا ہے، سائنسداں اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ پہلے اس کا تعین کیا جانا چاہیے کہ یہ وائرس کس طرح عمل کرتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی اس وائرس کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے کوئی دوا یا ویکسین تیار کی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر ہیرن کاز کا کہنا ہے کہ "ہمیں اس وائرس پر انتہائی سرعت سے قابو پانا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

قسط (۲)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

ان نامور اہلِ کمال اور مسیحا نفس شیوخ کاملین کی موجودگی میں بھی مسلم معاشرہ اور خاص طور پر طبقۂ امرا اخلاقی زوال کے نقطۂ عروج پر پہونچ گیا تھا اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور تھا۔ جہلا کا خیال یہ ہوگیا تھا کہ گو اللہ کائنات کا حقیقی خالق اور صانع ہے اور معبود ہے مگر اس نے اپنی سلطنت کے بہت سے شعبے اور محکمے اپنے مقبول بندوں کے سپرد کر دیے ہیں جو ان کے مالک مختار ہیں اور سیاہ سپید کرتے رہتے ہیں۔ اس عہد میں اسلام کے افق پر ستارۂ یمانی حضرت شاہ ولی اللہ کی شکل میں طلوع ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کا نسب نامہ ۲۹ سلسلوں سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہونچتا ہے۔ ان کے خاندان کے پہلے بزرگ جو ہندوستان آئے اور جنھوں نے رہتک میں قیام کیا۔ وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے۔ قضا و احتساب کا عہدہ ان کے خاندان میں رہا۔ شاہ صاحب نے اپنے دادا شیخ وجیہ الدین شہید کا تذکرہ اپنے والد جناب شاہ عبدالرحیم کی روایت سے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کی شجاعت و تقویٰ اور استغنا کے قصے بہت درج کئے ہیں (مآثر الاجداد)۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالحکیم۔ شاہ صاحب کے نانا حضرت شیخ محمد پھلتی تھے۔ وہ زمانہ کے صلحا اور اہلِ دل کے منظورِ نظر تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ شاہ صاحب نے ان کے حالات کمالات و کرامات میں خود ایک مکمل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا مشہور نام "انفاس العارفین" ہے۔

شاہ عبدالرحیم کی بچپن ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل اور دنیا کی دولت و عزت سے اچاٹ تھی۔ وہ حضرت خواجہ باقی اللہ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ مشہور بہ خواجہ خورد کی خدمت میں بیعت کے لئے گئے انھوں نے حافظ سید عبداللہ جو سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے ان سے بیعت کا مشورہ دیا۔ انھوں نے پہلی درخواست پر قبول کر لیا۔ شاہ صاحب نے زیادہ تر کتابیں میر زاہد ہروی سے پڑھیں۔ شاہ عبدالرحیم نے اپنے زمانہ کے مشائخ و اولیا، اور مجاذیب سے بہت تعلق رکھا اور ان حضرات نے شاہ صاحب پر بڑی توجہ فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم توحید وجودی کا ذوق رکھتے تھے اور شیخ اکبر سے عقیدت مگر شریعت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

شاہ عبدالرحیم کا پہلا نکاح اپنے والد کی زندگی میں ہوا تھا۔ ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جو بڑے ہوکر فوت ہوگئے دوسرا نکاح کبر سنی میں شیخ محمد پھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا۔ دو صاحبزادے ہوئے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ، ۷۷ سال کی عمر میں فجر کی نماز وقت سے ذرا پہلے پڑھ کر واصل بہ حق ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت

حضرت کی ولادت چہار شنبہ کے دن ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ طلوعِ آفتاب اپنے ننہیال قصبہ پھلت (ضلع مظفر نگر) میں ہوئی۔ حضرت کے والد شاہ عبدالرحیم کی عمر اس وقت ۶۰ برس کی تھی۔ شاہ ولی اللہ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے۔ سات سال کی عمر میں حفظ سے فراغت ہوئی پھر مختلف درسی کتابیں پڑھتے رہے۔ پندرہ برس کی عمر میں والد صاحب سے مشکوٰۃ کا درس لیا۔ اپنے محترم والد ہی سے صحیح بخاری کتاب الطہارت تک، شمائل ترمذی مکمل، تفسیر مدارک و بیضاوی کا کچھ کچھ حصہ پڑھا اور والد صاحب کے درس قرآن میں شریک ہوئے۔

شاہ صاحب نے جو نصاب پڑھا اس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ شہادت دیتی ہیں کہ ان کو عربی کی تحریر و انشا پر نہ صرف قدرت تھی بلکہ وہ ایک طرز اور اسلوب کے بانی ہیں جو علمی مضامین کے شرح و بیان کے لئے موزوں ترین اسلوب ہے اور جس میں علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر نظر نہیں آتا۔ والد صاحب کی وفات کے بعد ۱۲ سال تک دینی کتب اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ پھلتی کی صاحبزادی سے کر دی۔ ان سے آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے۔ دوسرا عقد پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا۔ ان سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی تولد ہوئے جو ہندوستان میں دین کی نشأۃ ثانیہ کے ارکانِ اربعہ ہیں۔ ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں۔

تیس سال کی عمر میں شاہ صاحب نے حج کا سفر کیا ہندوستان میں دین کی حفاظت کے لئے وہ عالمِ اسلام کے اس قلب و مرکز اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے وفود الاسلام و ضیوف الرحمٰن کے علوم و معارف عقول و اذہان اور تجربات اور مساعی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ حضرت نے علما اور طلباء کی درخواست پر

مسجد حرام میں مصلّے حنفی کے پاس درس شروع کیا جس میں بہت ہجوم ہوا۔

شاہ صاحب نے مشائخ واساتذۂ حرمین کے تعارف اور تذکرہ میں مستقل رسالہ انسان العین فی مشائخ الحرمین تصنیف فرمایا۔ اپنے شیخ خاص اور محبوب استاد شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا۔ شیخ ابوطاہر محمد کبیر ہونے کے باوجود صوفیاء کے بڑے معتقد تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوطاہر سے رخصت ہونے گیا تو انھوں نے شعر پڑھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستے کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے۔ انھوں نے استاذ محترم سے عرض کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا سوائے علم دین و حدیث کے اور یہ بات صحیح ثابت کردی۔

"مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" (سورہ احزاب ۲۳)

شاہ صاحب کے دوسرے شیخ جن سے شاہ صاحب کو اجازت حاصل ہوئی شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ تھے۔ شاہ صاحب نے حافظ حدیث اور جامع کمالات شیخ محمد بن محمد سلیمان المغربی کے صاحبزادے شیخ محمد وفد اللہ سے بھی اپنے والد کے تمام مرویات کی اجازت حاصل ہے۔

شاہ صاحب زمانۂ تعلیم ہندوستان میں اپنے زمانے کے امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی کے درس میں بھی شریک ہوئے تھے۔

شاہ صاحب نے حجاز میں قیام نہیں کیا۔ ان کا نہ صرف اپنے بارے میں بلکہ اپنے خواص اصحاب کے بارے میں بھی رجحان یہی تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں اور علمی اور دینی خدمات کا مرکز بنئیں۔

حجاز سے واپسی کے بعد اپنے والد کے مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کیا۔ جگہ چھوٹی پڑی۔ محمد شاہ بادشاہ نے شہر میں ایک عالیشان مکان دے کر آپ کو بلایا اور آپ نے وہاں درس شروع کیا۔ غدر کے بعد وہ جگہ ویران اور خراب ہوگئی۔ مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ نے اس کا بیان بڑے رنج کے ساتھ کیا ہے۔

شاہ صاحب کے خصائص، معمولات، نظام الاوقات اور نشست و برخاست کے حالات زیادہ تفصیل سے معلوم نہیں۔ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب میں کہیں کہیں کچھ اشارے آتے ہیں۔

وفات

محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آپہونچا اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد ۶۲ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیرباد کہا۔ اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

علالت اور وفات کی کچھ تفصیل رائے بریلی کے سادات حسنی قطبی اور خاندان علم اللہی کے ایک ممتاز فرد سید محمد نعمان حسنی کے مکتوب سے ملتی ہے جو انھوں نے خاندان کے دوسرے بزرگ اور نامور فرد حضرت شاہ سید ابوسعیدؒ کے نام شاہ صاحب کی وفات کے عین بعد دہلی سے لکھا تھا۔

تدفین دلی دروازے کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی جو مہندیاں کہلاتا ہے۔ یہیں شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادگان خود شاہ صاحب کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم کے قبور ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامے

شاہ صاحبؒ نے جو عظیم الشان کام کئے ان کا دائرہ اتنا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی مثال معاصرین ہی نہیں دور ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے۔ فارسی کا مشہور شعر حسب حال ہے ؎

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

ان کارناموں کو علاحدہ علاحدہ عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن۔

انبیاء کے نائبین دین کو کسی جگہ پر مضبوطی سے قائم کرنے کے لئے پہلے پوری زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں۔ شرک مختلف شکلوں میں نوع انسان کی سب سے خطرناک اور پرانی بیماری ہے۔ ہندوستان میں اسلام ترکستان، ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر اور اپنی بہت کچھ تازگی اور توانائی کھو کر ان لوگوں کے ذریعہ پہونچا جو براہ راست فیضان نبوت سے مستفیض نہیں ہوئے تھے۔ اور پھر یہاں ہزاروں برس سے وہ فلسفہ اور تہذیب حکمرانی کررہے تھے جن کے رگ و پے میں شرک جاری وساری تھا۔

شاہ صاحب نے اس مرض کے علاج میں قرآن مجید کے مطالعہ، تدبر اور اس کے فہم کو مؤثر سمجھا۔ اس زمانہ میں یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ قرآن مجید اخص الخواص طبقے کے مطالعہ، غور وفکر، فہم و تفہیم کی کتاب ہے جس کا سمجھنا ایک درجن سے زائد علوم پر موقوف ہے۔ شاہ صاحب نے کلام مجید کی آیت پر توجہ دلائی جس کا ترجمہ ہے۔ خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انھیں اَن پڑھوں میں سے۔ پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان اَن پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے (الجمعۃ)

شاہ صاحب نے فرمایا یہ کیسی بات ہے کہ "کافیہ" پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو کلام پاک کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کریں اور عرب کے بدو لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ فرمایا یہ کیسی گمراہی ہے کہ قرآن کی فکر میں زور نہیں لگاتے۔

شاہ صاحب نے فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا سلیس فارسی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ یہی اس وقت کی علمی تصنیفی اور خط وکتابت کی زبان تھی۔ اس سے پہلے بھی ایک فارسی میں ترجمہ ملتا ہے جو علامہ سید شریف علی الجرجانی

(م ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا تھا اور لوگ غلطی سے اسے شیخ سعدی سے منسوب کرتے تھے۔

شاہ صاحب نے کلام پاک کا ترجمہ کیا اور تفسیر فتح الرحمن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا کلام پاک کے ترجمے کے سلسلے میں لوگ اندیشناک ہوتے تھے مگر شاہ صاحب کے ترجمہ کے بعد غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا بادل چھٹ گیا

شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر نے اپنے والد کے ترجمہ کے بچاس سال بعد کلام پاک کا بامحاورہ اردو میں ایسا ترجمہ کیا جس سے زیادہ شگفتہ ترجمہ جس میں قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو۔ اب تک علم میں نہیں، ان کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین نے کلام پاک کا تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے۔ اور ان کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا۔ جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بارے میں نہیں مل سکتی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے دہلی جیسے مرکزی شہر اور ۱۳ویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اس سے اصلاح عقائد کا عظیم الشان کام انجام پایا۔

شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اگرچہ مختصر ہے لیکن سراسر نکات وکلیات ہے۔ شرک کے بارے میں شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ مشرکین کا خیال تھا کہ زمانہ ماضی کے صلحاء نے عبادت کی کثرت کی اور خدا کا قرب حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت کا خلعت عطا فرمایا اس بنا پر وہ خدا کے دوسرے بندوں کی عبادت کے مستحق بن گئے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ خدائی بندگی جب ہی قبول ہوسکتی ہے جب ایسے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی غلامی بھی اس میں شامل ہو

شاہ صاحبؒ نے عوام اور خواص مشابہ بہ عوام کے بہت سے مشرکانہ عقائد واعمال کی جڑ پکڑ لی اور اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا جس کی وجہ سے ان اعمال ورسوم وشعائر شرک نذر و ذبح لغیر اللہ بزرگوں کے نام پر روزے رکھنے۔ اولیاء اور صالحین سے دعا والتجا۔ ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی حرم شریف اور بیت اللہ کی طرح تعظیم کرنے میں لوگ گرفتار تھے۔ شاہ صاحب کا تنہا یہی کارنامہ ان کو مجدد دین امت میں شمار کرنے کے لئے کافی تھا۔

شاہ صاحب نے عقائد کی تفہیم وتشریح کتاب وسنت کی روشنی میں اور صحابہؓ اور سلف کے مسلک کے مطابق کی۔ انھوں نے یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی دسترس میں تھا۔ دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر علم حدیث کے ماہر خصوصی تھے ان کی کتاب "العقیدۃ الحسنۃ" مطالعہ کی گہرائی اور عبارت کی سلاست وروانی دونوں کی جامع ہے۔

حدیث اور سنت کی محبت وتعظیم نے ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع اور ان کی جلالت شان کے اعتراف پر آمادہ کیا جن کی ذات ان آخری صدیوں میں بڑی متنازع فیہ بلکہ مطاعن اور شبہات کا ہدف بن گئی تھی (جاری)

مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی وفات

دار العلوم ندوۃ العلماء کے حلقہ میں یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ یہاں کے ایک قدیم استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب کا پاکستان میں انتقال ہوگیا۔ آنمرحوم مدرسہ عالیہ فرقانیہ اور ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی تھی، اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد عیسیٰ الٰہ آبادیؒ سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے، دار العلوم میں وہ علوم جدیدہ معاشیات اور علم ہیئت کے مدرس کی حیثیت سے عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ندوہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا عمران خاں صاحبؒ نے جب تاج المساجد اور تبلیغی خدمات کے لئے اپنے آپ کو یکسو کرلیا تو متعدد اساتذہ مختلف وقفوں میں اہتمام کی عارضی ذمہ داری سنبھالتے رہے، جن میں مولانا محمد ناظم صاحب ندوی مدظلہ، مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی مرحوم اور مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی بھی تھے۔ مزید یہ کہ کچھ عرصہ آپ کے ذمے حدیث شریف کے اسباق رہے، مرحوم انگریزی اردو دونوں زبانوں میں مضامین لکھا کرتے تھے، اور آپ کے مقالات دینی رسائل میں شائع ہوا کرتے تھے، ترک وطن کرکے آپ پاکستان چلے گئے تھے، وہاں مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ کے مدرسے میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں، وہاں سے سبکدوشی کے بعد تصنیف وتحقیق کے کام میں مشغول تھے، مرحوم نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، لیکن احباب وشاگردوں کا ایک وسیع حلقہ رکھتے تھے، بہت مرنجاں مرنج، متواضع اور خلیق بزرگ تھے، عمر نوے سال کے لگ بھگ تھی، آپ کے انتقال کی خبر پاکستان نیوز ایجنسی نے شائع کی، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں، انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

میڈگوری نائجیریا۔ اگست ۱۹۹۵ء

قصبہ کے سردار پادری کا قبول اسلام

بدیع الحسن صاحب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے تعلق وعقیدت رکھنے والے جناب بدیع الحسن صاحب جو اس وقت نائجیریا میں ہیں حضرت مولانا مدظلہ کے نام اپنے خط میں درج ذیل خوش کن اور حوصلہ افزا حالات لکھتے ہیں جو خود مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں تو آج کی بے حس دنیا اسلام لانے کے لئے تیار ہے۔

محترالمقام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں اور آپ کے لئے صحت اور عافیت کی دعا کرتے ہیں آپ کا خط بھی مل گیا تھا۔ اور تین کتابیں بھی، خط لکھنے میں دیر ہوگئی ہے معافی چاہتا ہوں۔

یہاں سے تقریباً دوسو میل دور ایک قصبہ ہے جس کا نام "کایا" ہے۔ اس قصبے کا سردار ایک پادری تھا۔ چند ہفتے ہوئے اس نے بڑے اہتمام سے اسلام قبول کیا۔ بڑا جشن منایا گیا اس پورے علاقے کے بڑے بڑے مسلمان سردار شریک ہوئے پچاس سے زائد علماء نے تقریریں کیں۔ یہ اس علاقے کی خاص بات ہے کہ جب کوئی اہم آدمی اسلام قبول کرتا ہے تو بڑا جشن منایا جاتا ہے اسی طرح ایک بڑے جلسے میں میں نے بھی شرکت کی تھی جب مسٹر کشو انھوں نے روس اور جرمنی میں رہ کر انجنیرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے مسلمان ہوئے۔ اب وہ الحاج ابوبکر کشو ہیں

جن پروفیسر صاحب کے قبول اسلام کا ذکر میں نے آپ سے اس سے پہلے والے خط میں کیا تھا ان کے ذہن میں رفتہ رفتہ مثبت تبدیلیاں ہورہی ہیں۔ میری ان سے توحید اور آخرت کے سلسلے میں کئی دن گفتگو ہوئی، میں نے ایک خاص واقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ گذشتہ سال نظام شمسی میں بڑا حادثہ ہوا۔ خلا سے آئے ہوئے ایک COMET جس کے کئی ٹکڑے ہوگئے تھے۔ نظام شمسی کے سب سے بڑے سیارے مشتری (JUPITER) سے ٹکراتے رہے ہر دھماکے پر سیارے کا تقریباً ایک ہزار کیلو میٹر دائرے کا حصہ متأثر ہوتا تھا اور ہر دھاکہ اتنا قوی تھا کہ اس کی قوت زمین پر موجود تمام ایٹم بموں اور ہائڈروجن بموں کی مجموعی قوت سے زیادہ تھی۔ یہ سلسلہ چھ دن جاری رہا، میں آلات کے ذریعے دیکھ کر روزانہ کی کیفیات نومسلم پروفیسر صاحب کے کمرے میں تختہ سیاہ پر نقشہ بنا کر دکھایا کرتا۔ ایک دن ایک مشرک ماہر تعلیم نے کہا کہ یہ تو زمین سے بھی ٹکرا سکتا تھا اور اس طرح تو سارے ہی انسان ختم ہوجاتے، میں نے ان کو بتایا کہ اس کائنات میں اور زمین پر جو کچھ ہورہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ایک پروگرام کے مطابق ہورہا ہے۔ یہ کائنات بلاوجہ نہیں پیدا کی گئی ہے۔ پروفیسر صاحب نے ہماری بات کی بڑی گرمجوشی سے تائید کی، میری رائے ہے کہ اگر اکیڈمی کی طرف سے کچھ کتابیں ان کو براہ راست بھیج دی جائیں تو وہ اس کو پڑھیں گے اور ان کو اس بات کی خوشی بھی ہوگی کہ ان کے قبول اسلام کا تذکرہ امت مسلمہ میں دور تک ہوا۔

مسٹر الکس ڈیلیل مانچسٹر کے ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر ہیں۔ اس اسکول میں مسلم طلباء اور طالبات کی تعداد نوے فیصدی سے زیادہ ہے۔ بی بی سی لندن سے اپنے قبول اسلام کا واقعہ انھوں نے خود بیان کیا۔ وہ بی بی سی لندن کے ایک مذہبی پروگرام میں تقریر کر رہے تھے، انھوں نے بتایا کہ کلاسز کے درمیان جب تھوڑی دیر کے لئے چھٹی ہوتی تو مسلمان بچے آپس میں اس طرح مل جاتے جیسے ایک خاندان کے بچے ہوں۔ پنجابی، اردو، اور پشتو کے علاوہ اور بھی بہت سی زبانیں بولتے ہیں ان کو دیکھتا۔ اور وہ مجھے اچھے لگتے۔ ایک دن تین لڑکیاں جن کی عمر سات سے نو سال کی تھیں میری طرف آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان میں سے ایک مغربی افریقہ کا لباس، ایک ملیشیا کا لباس، اور ایک پاکستانی لباس پہنے ہوئے تھی۔ یہ تینوں لڑکیاں میری طرف ایک خاص مقصد اور میرے متعلق ایک اہم پروگرام اپنے ذہنوں میں لئے ہوئے آرہی تھیں۔ قریب آکر انھوں نے مجھے بڑے ادب سے سلام کیا اور ان میں سے ایک نے کہا سر (SIR) آپ ہمارے معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ مسلمان ہوجائیں۔ دوسری نے کہا کہ اگر آپ مسلمان ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی ساری خطائیں معاف کردے گا۔

تیسری نے کہا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو نعمتوں سے بھری جنت عطا کرے گا، تینوں بچیاں چند لمحوں میں بڑے اعتماد اور قوت ایمانی کے ساتھ حیاتِ انسانی کا سب سے سچا اور عظیم انقلابی پیغام دے کر چلی گئیں۔ اس کے بعد اپنی تقریر میں ملکۂ سبا کا قصہ قرآن پاک سے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا اور پھر کہا کہ ملکۂ سبا مسلمان تھی۔ فرشتے مسلمان ہیں۔ پرندے مسلمان ہیں ایلکس ڈینیل اور مانچسٹر اسکول کے بچے مسلمان ہیں۔ وہ یہاں تک کہہ گئے کہ اگر اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو دس ایسے مبلغ مل جائیں تو ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی، میں نے یہ واقعہ آپ کو اس لئے لکھا کہ آپ کو خوشی ہوگی۔ ایک دن پیر صاحب ننھے میاںؒ خانقاہ میں باہر بچھے ہوئے پتھروں پر تکیئے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ طبیعت کچھ ناساز تھی میں حاضر ہوا تو مجھے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ میں نے کچھ ایسے ہی واقعات سنائے جیسے آپ کو لکھ رہا ہوں اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے میاں دل خوش ہو گیا۔ اور جسم کی کمزوری جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں اُن کے درجات بلند کرے۔ اہلیہ اور بچے سلام عرض کرتے ہیں۔ ہمارے لئے آپ خاص کر دعا کریں۔ ہم آپ کی دعاؤں کے محتاج ہیں۔

ایک مسلمان طالبہ کو دوپٹہ میں امتحان دینے کی اجازت نہ دینے پر حکومت فرانس پر دس ہزار ڈالر کا جرمانہ

(فرانس کے ایک سیول کورٹ کا تاریخی فیصلہ)

فرانس کے نانسی شہر کے سیول کورٹ نے حکومت فرانس کو حکم دیا ہے کہ مراکشی مہاجر مسلم طالبہ سلوی آیت احمد کو جسے سر پر دوپٹہ ڈالنے کی وجہ سے امتحان میں بیٹھنے سے روک دیا گیا دس ہزار ڈالر بطور ہرجانہ ادا کرے پندرہ سالہ سلوی احمد کے اسکول کی انتظامیہ نے گذشتہ جون میں سلوی کو محض اس جرم میں سالانہ امتحان میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی کہ اس نے انتظامیہ کے اس مطالبہ کو کہ سر پر دوپٹہ نہ ڈالے، ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

باوجود اس کے کہ عدالت کا یہ فیصلہ نہایت منصفانہ اور عقل ومنطق کے عین مطابق ہے، فرانس میں اس سے ہلچل مچ گئی، وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلم طالبات کے سرپرستوں اور والدین کی طرف سے ۱۹۸۹ء سے اب تک اس طرح کے سیکڑوں مقدمات فرانس کی مختلف عدالتوں میں دائر کئے گئے لیکن ابھی تک کسی فیصلہ میں دوپٹہ میں اسکول آنے کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے حکومت فرانس پر جرمانہ عائد نہیں کیا گیا تھا۔

سلوی احمد جو فرانس میں پیدا ہوئی، کے والدین مراکشی ہیں اس کے اسکول کے اس فیصلہ کا نفاذ فرانس اکیڈمک کمیشن کی توثیق کے بعد ہی عمل میں آیا تھا، انتظامیہ نے سلوی کے اخراج اور امتحان سے محروم کر دینے کی قرارداد منظور کرتے ہوئے کہا وہ امن وسلامتی کے پیش نظر اس اقدام پر مجبور ہے، سلوی نے اسکارف سے سر اور بال چھپا کر اسکول کے اندرونی نظام کی خلاف ورزی کی ہے، وہ ورزش اور سائنس کے گھنٹہ میں بھی سر سے دوپٹہ نہیں ہٹاتی ہے۔

سلوی کے وکیل پاسکل برنارڈ نے اپنی بحث میں اس نکتہ پر خاص طور پر توجہ مرکوز کی کہ اسکول کے اس فیصلہ سے سلوی اور اس کے سرپرستوں کو روحانی ونفسیاتی اذیت اور مالی خسارہ ہوا۔

سابق وزیر تعلیم مسٹر فرانسو نے ستمبر ۹۴ء میں تعلیمی اداروں کے اندر مذہبی مظاہر کی نمائش واظہار پر پابندی عائد کر دی تھی، اس وقت سے اب تک فرانس کی عدالتوں نے مسلم طالبات (جنھیں سر پر دوپٹہ ڈالنے کے جرم میں تعلیم سے محروم ہونا پڑا) کے ۹۲ مقدمات کی سماعت کی، ۷۶ مقدمات کی سماعت عدالت نے مکمل کر لی ہے، جن میں سے ۴۴ میں اسکولوں اور کالجوں کے اس فیصلہ کو غلط قرار دیا گیا ہے، جبکہ ۳۰ میں فیصلہ کو حق بجانب کہا گیا ہے۔

آفتاب عالم ندوی (العالم الاسلامی ۹ اکتوبر ۹۵ء)

دعائے مغفرت

● شعبۂ تعمیر وترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے محرر جناب مسیح الزماں صاحب کے والد محترم شیخ فرید احمد صاحب (کشن گنج بہار) کا ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دیندار پرہیزگار اور صالح انسان تھے۔ موصوف اکثر اوقات مسجد میں گذارا کرتے تھے۔ تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ اور اپنے علاقہ میں ایک اہم ذمہ دار کی حیثیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت کر کے انھیں جنت الفردوس عطا کرے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت وایصال ثواب کی درخواست ہے۔

● مطبخ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قدیم ملازم جناب بخشش عرف للو کا مورخہ ۲۹ اکتوبر ۹۵ء کو ایک مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے تقریباً ۳۵ سال تک مطبخ میں بے لوث خدمت انجام دی۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مدارس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لئے سبق آموز واقعات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

انتخاب: مولوی محمد اسمٰعیل ندوی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں حضرت شیخ قدس سرہ کی علمی و روحانی شخصیت زہد و ورع، صدق و اخلاص، طاعت و عبادت الٰہی میں آپ اپنی مثال ہے۔ اس کے ساتھ حقوق اللہ و حقوق العباد، اپنے اساتذہ و منسوبین رفقاء و شرکائے حیات کے ساتھ حسن سلوک، فرائض و ذمہ داریوں کو پورا پورا ادا کرنے میں دوسروں کے لئے نمونہ ہے، خصوصاً مدارس اسلامیہ کے کارکنوں اور ذمہ داروں کے لئے عبرت و نصیحت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت شیخ نے اپنی "آپ بیتی" میں بڑے سبق آموز واقعات اور تجربات تحریر فرمائے ہیں۔ جو اصلاح حال اور فلاح دارین کی غرض سے ہدیۂ ناظرین کئے جارہے ہیں کہ کسی اللہ کے بندے کو ان اکابر کے اتباع کی توفیق نصیب ہو جائے۔

(ادارہ)

دوسروں کو حقیر سمجھنے کا ایک سبق آموز واقعہ

انفاس عیسیٰ کے خاتمہ پر ایک نہایت عبرت آموز واقعہ ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ حیوٰۃ الحیوان دمیری سے مفتی محمد شفیعؒ صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اور ناظم دارالعلوم کراچی نے محرم ۱۳۴۰ھ میں ترجمہ شائع کیا تھا۔ جو انفاس عیسیٰ سے زیادہ مفصل ہے۔ اور اس سیہ کار نے بھی اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بارہا اس کو سنا جو دونوں سے زیادہ مفصل تھا، اور نہایت ہی اہم سبق آموز اور عبرت انگیز ہے کہ آدمی کو بالخصوص جو کسی دینی منصب میں، علمی یا سلوکی یا اور کوئی دینی خدمت میں قدم رکھتا ہو، اس کو اس قصہ سے بہت زیادہ عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص عُجب و گھمنڈ اور کسی دوسرے کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اور حضرت شیخ سعدی نور اللہ مرقدہٗ کے پیر و مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی نصیحت ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بہت ہی جامع اور اہم ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے روشن ضمیر شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے دو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اپنے اوپر کبھی خود بینی میں مبتلا نہ ہوجیو۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے کے اوپر بد بینی تحقیر نہ کیجیو۔ بہت اہم نصیحت ہے۔ یہ قصہ بھی جو آگے آرہا ہے۔ خود بینی و بد بینی کا نہایت عبرت آموز سبق ہے۔ اس سے بہت عبرت حاصل کرنی چاہئے، حضرت تھانویؒ نے تو بہت مختصر لکھا۔ جس کی ابتدا یہ ہے۔ آدمی کو ہرگز زیبا نہیں کہ آدمی اپنی حالت پہ ناز کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے۔ خود نفس ایمان بھی اپنے اختیار میں نہیں۔ بس حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو یہ دولت عطا فرما رکھی ہے۔ لیکن وہ جب چاہیں سلب کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ابو عبد اللہ ایک بزرگ تھے بغداد میں آپ کی وجہ سے تیس ۳۰ خانقاہیں آباد تھیں وہ ایک بار مع اپنے مجمع کے چلے جارہے تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس قصہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ذیل کا عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری حیوٰۃ الحیوان مطبوعہ سے نقل کیا جاتا ہے، سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گذری۔ لوگوں میں امانت، دیانت اور تدین و تقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے۔ کچھ بر سر کار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں۔ ائمۂ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماء دین و صلحاء متقین سے آباد نظر آتا ہے۔ خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دار السلطنت ہے اپنی ظاہری و باطنی آرائشوں سے آراستہ ہوکر گلزار بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گذرنے والی نہریں دل کو لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء اور صلحاء کی مجلسیں، درس و تدریس کے حلقے، ذکر و تلاوت کی دلکش آوازیں، خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا کافی سامان ہے۔ فقہاء و محدثین اور عباد و زہاد کا ایک عجیب و غریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ابو عبد اللہ اندلسی کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہل عراق کے پیر و مرشد اور استاد محدث ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ تک پہونچ چکی ہے۔ جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی، ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایات قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہو لئے۔ جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ بھی ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گذر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہونچ کر پانی کی تلاش ہوئی۔ ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہونچے، جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبان اور پادریوں کا مجمع تھا کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا۔ اور کوئی صلیب کو اپنا قبلۂ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارے پر ہم ایک کنوئیں پر پہونچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خدا داد حسن و جمال میں سب ہجولیوں میں ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا۔ اس انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہجولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں :۔ یہ اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔

شیخ :۔ پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی پانی بھرتی ہے کیا وہ اس کے لئے کوئی نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔؟

لڑکیاں :۔ کیوں نہیں! مگر اس کا باپ ایک نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع حشم و خدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے۔ اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اسی پر گذر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں۔ البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے لیکن سخت ضیق میں ہیں، کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا کہ اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کے اس مسلسل سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں۔ کچھ تو فرمایئے کیا حال ہے۔

شیخ :۔ (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے۔ اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو چھوڑ دوں۔

حضرت شبلی ! اے ہمارے سردار! آپ اہل اعراق کے پیر و مرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ بطفیل قرآن عزیز آپ ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔

شیخ :۔ میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب تقدیر خداوندی ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا، اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کیا، اور کہو اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے۔ اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔ لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ ہم نے سارا واقعہ بیان کیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت اسی غم و حیرت میں اسی وقت عالم آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کر رہے ہیں کہ اے مُقَلِّبُ الْقُلُوب! شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت اور افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کہاں ہیں؟ اور کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اس گاؤں میں پہونچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا

گاؤں والے :۔ وہ جنگل میں سور چرا رہا ہے۔

ہم :۔ خدا کی پناہ۔ یہ کیا ہوا؟

گاؤں والے :۔ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا۔ اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔

ہم :۔ یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہونچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر پر زنّار بندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے

وعظ اور خطبے کے وقت سہارا لیا کرتے تھے۔ جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہونچ کر السلام علیکم کہا۔

شیخ :۔ وعلیکم السلام (کسی قدر دبی ہوئی آواز سے)

شبلی :۔ اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟

شیخ :۔ میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولیٰ نے جیسا چاہا مجھے ویسا کر دیا اور اس نے مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازے سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو۔ اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ اے میرے مولیٰ۔ میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا، کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کرکے اپنے دروازے سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر خدا سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا۔ میرے والد صاحب اس قصہ کو سناتے وقت یہ شعر بھی شیخ کی طرف سے پڑھا کرتے تھے۔

بے نیازی نے تری اے کبریا
مجھ غریب وخستہ کو کیا کیا کیا

غالباً یہ کسی عربی شعر کا ترجمہ کسی اردو داں شاعر نے کیا ہوگا۔ اور شیخ نے آواز دے کر کہا، کہ اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے "اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ") یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

شبلی :۔ (رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجے میں) اے ہمارے پروردگار ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں، ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ تحریر ان کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹنا، تڑپنا اور چلانا شروع کر دیا، اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اٹھے۔ یہ میدان، میدان حشر کا نمود بن گیا۔ ادھر شیخ حسرت کے عالم میں زار زار رو رہے تھے۔

حضرت شبلی :۔ شیخ! آپ حافظ قرآن تھے۔ اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھنا جانتے تھے، اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟

شیخ :۔ اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلی :۔ وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟

شیخ :۔ ایک تو یہ ہے "وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے۔ "وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ" (جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا، تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)۔

شبلیؒ :۔ اے شیخ آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے بزبان یاد تھیں کیا اب ان میں سے بھی کوئی حدیث یاد ہے؟

شیخ :۔ صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی "مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ" (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو)۔

شبلی :۔ ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت ویاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے۔ اور بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کرکے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتین اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت ویاس کا اندازہ ہو۔

شیخ :۔ (قریب پہونچ کر) "مجھے ایک پاک کپڑا دو" اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم :۔ اس خدائے علیم وقدیر کا ہزار شکر جس نے آپ کو ہم سے ملایا۔ اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرمایا۔ مگر ذرا بیان تو فرمایئے کہ اس انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

شیخ :۔ میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے تو میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خداوندا! مجھے اس جنجال سے نجات دے۔ میں تیرا خطاکار بندہ ہوں۔ اس سمیع الدعا نے بایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ معاف کر دیئے۔

ہم :۔ شیخ کیا آپ کے اس ابتلا (آزمائش) کا کوئی سبب تھا۔

شیخ :۔ ہاں! جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی، کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل واحمق ہیں کہ بے حس وبے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ "یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو، اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں" اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی جانور میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلی :۔ اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہونچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت اور ان کے دوبارہ قبول اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں۔ خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہ وقت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اور کچھ ہدایا پیش کئے۔ شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہو گئے

اور پھر وہی حدیث، تفسیر، وعظ و تذکیر، تعلیم و تربیت کا دور شروع ہو گیا۔ خداوند عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرما دیا۔ بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم و فن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار اور اسی حالت میں ایک مدت گذر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا، تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں :۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیا مقصد ہے؟

آنے والا :۔ اپنے شیخ سے کہدو کہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اس کا نام لے کر جس میں شیخ مبتلا ہوئے تھے) چھوڑ کر آئے تھے، آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ سچ ہے کہ جب کوئی خدا تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو سارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے منہ موڑ لیتا ہے ہر چیز اس سے منہ موڑ لیتی ہے ؎

"چوں از دگشتی ہر چیز از تو گشت"

میں شیخ کے پاس گیا۔ واقعہ بیان کیا۔ شیخ سنتے ہی زرد ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے۔ اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار زار رو رہی ہے۔ شدت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ :۔ (لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اور یہاں تک تمہیں کس نے پہونچایا؟

لڑکی :۔ اے میرے سردار! جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی۔ میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہونچی، اس کو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ نہ بھوک رہی نہ پیاس۔ نیند تو کہاں آتی۔ میں رات بھر اسی اضطراب میں رہی کہ صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی، اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی۔ اسی غنودگی میں، میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا، جو کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے، اور شیخ کا اتباع کر۔ اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔

میں :۔ (اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے) شیخ کا دین کیا ہے؟

شخص :۔ اس کا دین اسلام ہے۔

میں :۔ اسلام کیا چیز ہے؟

شخص :۔ اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔

میں :۔ تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہونچ سکتی ہوں؟

شخص :۔ ذرا آنکھیں بند کر لو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدو۔

میں :۔ بہت اچھا۔ یہ کہا اور کھڑی ہو گئی اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔

شخص :۔ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دیر چل کر بولے "بس کھول دو"

میں نے آنکھیں کھول لیں، اپنے کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا۔ اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔

اس شخص نے آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے، وہاں چلی جاؤ۔ اور شیخ سے کہدو کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے، میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہونچ گئی، اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا، کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔

لڑکی عبادت میں مشغول ہو گئی اور زہد و عبادت میں اپنے ہمعصروں سے قرآن میں سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی ہے اور رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اسی میں مریض ہو گئی اور مرض اتنا بڑھ گیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اب اس مسافر آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ کیونکہ جس وقت سے اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ ہی وہ شیخ کی زیارت کر سکی ہے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت دیاس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس آ جائیں۔ شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں سے ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں، آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں لیکن اس کی زبان بے زبان یہ کہہ رہی ہے ؎

دم آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر
سدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور دھیمی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا "السلام علیکم"

شیخ :۔ (شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔

لڑکی :۔ شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہو کر خاموش ہو گئی، اور اب یہ خاموشی اتنی طویل ہوئی کہ یہ پھر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی۔ اس پر کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ مسافر آخرت نے اس دار فانی کو خیرباد کہا۔ شیخ اس کی وفات پر آبدیدہ ہیں مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ چند ہی روز کے بعد شیخ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں، اور بہتّر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے۔ جن میں پہلی وہ عورت ہے جس کے ساتھ نکاح ہوا یعنی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں ابدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش و خرم ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ ۴)

اقوام متحدہ کے پچاس سال

پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی

آج کل اقوام متحدہ کی پچاسویں سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ اس عالمی ادارہ کے ممبران کی تعداد ۱۸۵ ہے کہا جاتا ہے کہ اقوام متحدہ سردست مالی دشواریوں سے گذر رہا ہے کیونکہ ممبر ملکوں نے اپنے حصہ کی رقوم کی ادائیگی نہیں کی ہے جو تین ارب ڈالر ہے، ۱۹۴۵ء میں جب اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت اس کے ملازمین کی تعداد صرف ۱۵۰۰ تھی جو اب بڑھ کر ۵۲ ہزار ہوگئی ہے جن میں سے ۱۴۰۰۰ اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر نیویارک میں کام کر رہے ہیں اور ۹۶۰۰ ایسے افراد ہیں جو سکریٹری جنرل کے مشیر اور خصوصی ایلچی کے طور پر فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اقوام متحدہ کا دوسرا سب سے بڑا دفتر جنیوا سوئٹزرلینڈ میں قائم ہے اس کے علاوہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ۱۵۰ تنظیمیں اور ادارے اور بھی ہیں جو پوری دنیا میں مختلف ناموں سے کام کر رہے ہیں۔

اس وقت اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بطروس غالی کی سالانہ تنخواہ ۲۵۰۰۰۰ ڈالر ہے دوسری سہولتیں اس کے علاوہ ہیں۔

مالی سال ۹۲-۹۳ء میں اقوام متحدہ نے اپنے ملازمین کی تنخواہ پر ۲ء۴ ملیار ڈالر خرچ کئے تھے جبکہ ۹۰-۹۱ء کے مالی سال میں دس ملیار پونڈ خرچ کئے گئے تھے۔

شاہانہ خرچ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ سال ۹۲-۹۳ء میں اقوام متحدہ نے پچاس ملین ڈالر سے زیادہ رقم اپنے ملازمین کے ہوائی جہاز کے ٹکٹوں کی قیمت ادا کی تھی جو دنیا کے مختلف ملکوں کے سفر کے لئے خریدے گئے تھے۔

اس بے پناہ مصارف کے بعد آپ دیکھیں کہ دنیا کے سلگتے ہوئے مسائل پر اقوام متحدہ کی کارکردگی کیا رہی ہے۔

مسئلہ فلسطین کم و بیش پچھلے ۴۵ سالوں سے اقوام متحدہ کے سامنے پیش ہے اور صہیونی حکومت اسرائیل اس پورے عرصہ میں اپنی جارحیت پر قائم رہی اور اقوام متحدہ قراردادوں کے پاس کرنے کے علاوہ اور کوئی بھی مؤثر قدم نہیں اٹھا سکی۔ ۱۹۶۷ء میں عربوں کی شکست کے بعد اقوام متحدہ نے قرارداد نمبر ۲۴۲ پاس کی تھی جس کی نئی تشریح و تفسیر اب ۲۵ سالوں کے بعد اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بطروس غالی کر رہے ہیں اور جس کے مطابق اسرائیل اور عرب ملکوں کے درمیان امن معاہدے کرائے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے عربوں کے درمیان اختلافات بڑھے ہیں مسئلہ فلسطین کا حقیقی حل سیاست کے اندھیروں میں کھو گیا ہے اور اسرائیل سب سے زیادہ فائدہ میں ہے۔

افغانستان کے مسئلہ پر اقوام متحدہ نے ۱۹۸۲ء میں مداخلت کی تھی اس کے خصوصی ایلچی چھ سال تک کابل، اسلام آباد، طہران، ماسکو، نیویارک، جنیوا کا سفر کرتے رہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ افغانستان میں نجیب کی حکومت قائم کر دی، اور افغان مجاہدین کو حکومت سے دور رکھا جائے اور اس بات کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا کہ ۲۷ اپریل ۱۹۹۲ء کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام جنیوا میں بلائی کانفرنس میں نئی حکومت کا اعلان کر دیا جائے لیکن اچانک افغان مجاہدین کے کابل پر قبضہ کر لینے سے اقوام متحدہ کا یہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔

پچھلے پندرہ برسوں سے قبرص کے مسلمانوں کا مسئلہ بھی اقوام متحدہ کے سامنے فیصلہ کے لئے پیش ہے اور بطرس غالی نے اب وہ نقشہ تیار کیا ہے جس کے بموجب قبرص کا بڑا حصہ یونان کو دے دیا جائے گا لیکن قبرصی مسلمانوں کے لیڈر رؤف دنکتاش نے اس تجویز کو سکریٹری جنرل سے نیویارک میں نومبر ۱۹۹۲ء میں اپنی ملاقات کے دوران نامنظور کر دیا ہے۔

خانہ جنگی کا شکار اور قحط زدہ صومال کے ساتھ اقوام متحدہ نے جس بے توجہی کا رویہ اختیار کیا ہے اس کا اعتراف کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی نے کہا کہ اقوام متحدہ نے صومال کے ساتھ بہت ہی لاپرواہی برتی ہے اگر اس نے بر وقت مؤثر قدم اٹھائے ہوتے تو مزید تباہی سے بچا جا سکتا تھا۔ خصوصی ایلچی نے مزید کہا ہے کہ یہ اقوام متحدہ ہی ہے جس کی بے حسی اور بے فکری کی وجہ سے تین لاکھ سے زیادہ افراد خانہ جنگی اور قحط سے ہلاک ہو گئے ہیں۔

بوسنیائی مسلمانوں کے ساتھ اقوام متحدہ نے جو یک طرفہ رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ دنیا کے حق پسندوں سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس نے اب تک کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھایا ہے جو بوسنیائی مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کر سکے، حد یہ ہے کہ ان کو اپنی مدافعت وحفاظت کے لئے بھی دوسرے ملکوں سے ہتھیار لینے اور خریدنے کی اجازت نہیں ہے جبکہ سرب درندوں کو ہر طرف سے ممکنہ امداد حاصل ہو رہی ہے، سردست ناٹو کی مداخلت سے صورت حال میں کچھ تبدیلی آئی ہے۔

دوسری طرف یہ عالمی ادارہ داخلی طور پر بدنظمی اسراف اور بدعنوانی کا بھی شکار ہے۔ کچھ دنوں پہلے

سنڈے ٹائمز نے لکھا تھا کہ اقوام متحدہ ۴۰۰ ملین ڈالر سالانہ اسراف بے جا میں برباد کر دیتا ہے اس کی کچھ تفصیلات اس طرح ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں پناہ گزینوں سے متعلق ادارہ کے سربراہ نے اچانک اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تھا ان پر الزام تھا کہ انھوں نے نصف ملین ڈالر فرسٹ کلاس ہوائی جہاز کے ٹکٹ پانچ ستارہ ہوٹلوں میں قیام اور غیر ضروری اشیاء کی خریداری پر صرف کر دیئے ہیں، لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے خلاف کوئی بھی کارروائی نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کو ملازمت سے الگ کر کے ایک لاکھ پونڈ سالانہ پنشن دے دی گئی ہے۔ اسی طرح یوگنڈا اور جیبوتی کے پناہ گزینوں پر کام کرنے والے اقوام متحدہ کے ایک اعلیٰ افسر نے بھی استعفاء دے دیا ہے، ایک اندازہ کے مطابق ایک ملین پونڈ کا خرد برد کیا گیا ہے۔ جس میں غذا، دوا اور کپڑوں کی تقسیم میں بے ایمانی کی گئی ہے اور پناہ گزینوں کے نام پر جمع کی گئی رقم کا استعمال اس طرح کیا گیا۔ اس افسر کو بھی بجائے ملازمت سے ہٹانے کے پہلے تو جیبوتی میں اور اعلیٰ عہدہ پر بھیج دیا گیا۔ لیکن جب بات بہت بڑھی تو اس کو بھی ریٹائر کر کے ایک لاکھ پونڈ سالانہ پنشن مقرر کر دی گئی ہے۔

۱۹۹۳ء میں ایک بوسنیائی بچی ارما کی دردناک صورت حال جب دنیا کو معلوم ہوئی تو دنیا کا ضمیر بے چین ہو گیا تھا۔ اس وقت اقوام متحدہ کے زیر اہتمام چلنے والے پناہ گزینوں کی بہبود سے متعلق ادارہ نے دنیا سے اپیل کی تھی کہ وہ زخمی اور بیمار افراد کو محفوظ جگہوں پر پہونچانے کے لئے عطیات دے۔ رپورٹوں کے مطابق اس فنڈ میں بھی تقریباً ایک ملین ڈالر کا ہیر پھیر کر دیا گیا۔ اس افسر کے خلاف بھی کوئی تادیبی کارروائی نہ کر کے اس کو دوسرا منصب دے دیا گیا ہے۔

اقوام متحدہ کے موجودہ جنرل سکریٹری بطرس غالی نے جب اپنا عہدہ سنبھالا تھا تو جنیوا میں قائم اقوام متحدہ کے دفتر کا معاینہ کیا اور اس معاینہ کے بعد انھوں نے اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس دفتر میں ہزاروں افراد کام کر رہے ہیں۔ لیکن نصف تعداد کے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ سنڈے ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کے لئے جو ۶۰۰ مشیر اور خصوصی ایلچی کام کر رہے ہیں ان میں بہت سے افراد ایسے ہیں جن پر غبن اور بدعنوانی کا الزام ہے لیکن پھر بھی ان کو دوبارہ ملازمت دے دی گئی ہے اور دوسرے اہم عہدوں پر فائز کر دیا گیا ہے۔

پاکستان کے شہر پشاور میں افغان پناہ گزینوں کی مدد کے لئے آغا خان کی سربراہی میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام سو ملین ڈالر کا فنڈ قائم کیا گیا تھا جس کا زیادہ تر حصہ ملازمین کی تنخواہوں، ان کی تفریحات اور موٹروں کے خرچ پر برباد کر دیا گیا اور ایک بھی افغان پناہ گزین کو غالباً ایک ڈالر بھی نہیں مل سکا جبکہ جو اس فنڈ میں عطیات دینے والوں میں سب سے بڑا عطیہ دینے والا ملک تھا

(باقی ص۱۱ پر)

مولانا اقبال احمد مظاہری کا سیوان میں انتقال

دینی تعلیمی اور تبلیغی حلقوں میں یہ خبر بڑے افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جامعہ عربیہ سراج العلوم سیوان کے بانی مہتمم مبلغ اور قاضی شہر مولانا اقبال احمد مظاہری ۱۸ راکتوبر ۱۹۹۵ء کو صبح پونے نو بجے ۶۵ سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا ایک دردمند داعی اور بلند ہمت مجاہد تھے اور انھوں نے دین خالص اور صحیح فکر و عقیدہ کی ترویج اور اشاعت کے لئے ایسی پرخار وادی میں قدم رکھا جہاں بدعت و خرافات مذموم رسم و رواج کی باد سموم چل رہی تھی۔ مولانا نے بڑی حکمت عملی، دانائی اور زیرکی سے چند مخلصین کے تعاون سے اولاً ۱۹۶۰ء میں مدرسہ عربیہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی۔ اور درس و تدریس، تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔

برسوں مسلسل جدوجہد اور کد و کاوش کے نتیجے میں جامعہ شمال مغربی بہار کا ایک مرکزی درسگاہ بنا۔ اور پورے علاقے میں دعوت و تبلیغ اور ایمان و یقین کی روشنی پھیل گئی۔

مولانا نے اپنے دائرہ کار کو صرف درس و تدریس، وعظ و ارشاد تک محدود نہ رکھا بلکہ اصلاح معاشرہ باطل رسم و رواج کی بیخ کنی، مسلم پرسنل لاء کی حفاظت و ترویج، دار القضاء کے قیام کا فریضہ بھی انجام دیا۔ خاندانی شکر رنجیاں اور باہمی نزاع کے موقع پر مولانا کو یاد کیا جاتا اور مرحوم کا فیصلہ ہر فریق کے لئے قابل قبول ہوتا تھا۔

مختلف ارضی و سماوی آفات کے موقعوں پر مولانا نے بلا قید مذہب و ملت رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی وجہ سے ہر خاص و عام کے دل میں مرحوم کی قدر و منزلت تھی۔ مولانا اقبالؒ کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ و اکابرین سے محبت و عقیدت تھی، تحریک پیام انسانیت کے بڑے مؤید و معاون تھے اور حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم کے بڑے معتقد تھے۔ اس سانحہ کی خبر پر دار العلوم میں رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا اور دار العلوم کے معہد القرآن ہال میں ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ[لہ] صاحب مظاہری منعقد ہوا۔ متعدد اساتذہ نے مولانا کی خوبیوں کو بیان کیا اور بلندیٔ درجات کی دعا کی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے اور جامعہ سراج العلوم سیوان کو ناموافق و ناسازگار حالات سے محفوظ رکھے اور بقاء و ترقی عطا فرمائے۔ (لہ افسوس کہ مولانا کا ۲ نومبر ۱۹۹۵ء کو انتقال ہو گیا)



زینت صرف اپنے شوہر کے لیے ہو

وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى

" "دکھاوے کا بناؤ سنگھار جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا اسے چھوڑ دیا جائے" اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورتیں جاہلیت کے بناؤ سنگھار کرتی نہ پھریں یعنی باہر نکلیں تو خوب تزک بھڑک سے دوپٹے لہراتے ہوئے اور ہر طرح کی آرائش و زیبائش کیے ہوئے ہوں اور اپنے شوہر کے لیے کچھ بھی نہیں، لیکن

قرآن مجید نے جاہلیت کی اس ترتیب ہی کو الٹ دیا ہے۔ ارشاد ہے۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ "خواتین زینت اور بناؤ سنگھار صرف اپنے شوہر کے لیے کریں۔" (۲۴ر النور آیت ۳۱)

ہماری سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم قرآن مجید سے انجان ہیں۔ اس لیے اگر ہم معاشرہ کا کوئی علاج بھی کرنا چاہتے ہیں تو صحیح علاج نہیں ہو پاتا صحیح تشخیص بھی نہیں ہوتی اور صحیح تجویز بھی نہیں ہو پاتی۔ اوپر لکھی گئی آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو صرف اپنے شوہروں کے لیے زینت کرنا چاہیے کوئی بہت زیادہ عربی نہ جانتا ہو پھر بھی اس آیت پر غور کرے تو بڑی آسانی سے اس آیت کا سادہ ترجمہ اس طرح سمجھ سکتا ہے کہ عورتیں اپنی زینت کا اظہار اپنے شوہر کے سوا کسی اور کے لیے نہ کریں۔

پردہ کے احکامات

شریعت کے دائرہ میں رہ کر اپنے شوہر کے لئے جو کچھ زینت کر سکتی ہے وہ عورت کو برابر کرنا چاہیے۔ لیکن باہر جائیں تو چادریں اوڑھ کر جائیں۔ قرآن مجید میں رب العالمین نے فرمایا۔

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۳۳ الاحزاب آیت ۵۹)

"اے نبی آپ اپنی ازواج اور اپنی بیٹیوں کو اور ایمان والی عورتوں کو حکم سنا دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر کے پلو گھونگھٹ کی طرح جھکا لیا کریں جس کے سبب یہ نیک سیرت خواتین الگ سے پہچان لی جائیں پھر انہیں ستانے کی کوئی ہمت نہ کر سکے گا۔ اللہ واقعی بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

عورت پر لازم ہے کہ باہر نکلے تو ایک بڑی سی چادر اوڑھ کر اور سر کے اوپر سے چادر (دوپٹے یا اوڑھنیاں) نیچے جھکا لیا کریں تاکہ حیادار اور شریف خاتون کی طرح راستہ چلنے میں دوسری بے حجاب عورتوں کے مقابلہ میں یہ الگ سے پہچان لی جائیں کہ پردہ نشین حیادار شریف خاتون ہیں پھر ایسی کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوئی بھی ہمت نہ کر سکے گا آج کل میں عورتیں جب خود ہی خوب بن سنور کر لوگوں کو اپنا دکھاوا کرانے جا نکلتی ہیں تبھی مردان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چادر لپیٹ کر پردے والی عورتیں الحمدللہ آج بھی لوگوں کی بری نظر سے محفوظ ہیں۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴۔النور آیت ۳۱)

"اپنی زینت بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھریں مگر جو مجبوری سے کھلا رہے تو حرج نہیں سینوں پر اپنے دوپٹے آنچل برابر ڈالے رہیں۔"

سورۂ نور کی آیت ۳۱ کے آخر میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

"ایمان والیوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ پائل کی جھنکار سنانے کے لیے اپنے پاؤں پٹک کر نہ چلیں کہ ڈھکے چھپے زیورات کی زینت کا خیال دوسروں کو آنے لگے۔ اور ایمان والے تم سب مل کر اپنی نادانی کی حالت سے پلٹ کر توبہ کر کے اللہ کی طرف آؤ کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ عورت کو اگر ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا ہو تو وہ شریف زادیوں کی طرح چلے۔ گھونگھٹ اور پلو وغیرہ برابر ڈال لیں پاؤں پٹک کر نہ چلیں کہ زینت و آرائش کے لیے چھن چھن بجنے والے زیورات ہوں تو اس کی آواز غیروں کو سناتی پھریں۔ چادر اوڑھ کر۔ سینوں پر دوپٹے ڈال کر شرعی حجاب میں ہی باہر جاوے، پاؤں پٹک کر بے حیا عورتوں کی چال نہ چلے۔ دوپٹے آنچل لہراتی ہوئی نہ چلے۔

اب جو بہنیں عرس میلوں ٹھیلوں میں یا شاپنگ کے لیے بازاروں میں

باقی ص ۱۱ پر

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س :۔ زید جس کی عمر ۲۲ سال ہے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ تو فدیہ دینے کی طاقت ہے اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے ؟

ج :۔ جب روزہ رکھنے کی طاقت ہوجائے تو روزہ رکھ لے مریض پر فدیہ نہیں ہے ۔

س :۔ کیا بے روزہ دار شخص عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھ سکتا ہے ۔ نیز معذور (نابینا) کا کیا حکم ہے ؟

ج :۔ بے روزہ دار عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھ سکتا ہے ۔ معذور پر نماز واجب نہیں ۔ البتہ چاہے تو پڑھ لے ۔

س :۔ میت کی تدفین کے بعد بعض علاقوں میں قبرستان میں اذان دی جاتی ہے کیا اس کا ثبوت قرآن و سنت سے ملتا ہے ؟

ج :۔ تدفین میت کے بعد قبرستان میں اذان دینا خلاف سنت ہے ، کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے ۔

س :۔ ٹوپی لگا کر نماز پڑھنا آداب میں شامل ہے یا بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ اس سلسلہ میں کیا حکم ہے ؟

ج :۔ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر عاجزی کے اظہار کے لئے ہو تو جائز ہے ۔

س :۔ اگر بوقت سجدہ ٹوپی گر جائے تو اسی حالت میں اٹھا کر لگا لینا بہتر ہے یا بغیر ٹوپی لگائے نماز پوری کرلی جائے ؟

ج :۔ ٹوپی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے یونہی نماز ادا کرے ۔

س :۔ اگر زوال سے پہلے جمعہ کی اذان دے دی گئی تو وہ اذان معتبر ہوگی یا نہیں ؟

ج :۔ نماز جمعہ کا وقت چونکہ زوال سے شروع ہوتا ہے اس لئے زوال سے پہلے جمعہ کی اذان غیر معتبر ہوگی ۔ زوال کے بعد دوبارہ اذان دینا ہوگی ۔

س :۔ بعض لوگ مسجد میں ایک جگہ مخصوص کر لیتے ہیں وہیں نماز پڑھتے ہیں شرعاً یہ کیسا ہے ؟

ج :۔ مسجد میں نماز کے لئے ایک جگہ خاص کرلینا مکروہ ہے ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے اور درندے کی طرح ہاتھوں کو بچھانے اور مسجد میں اونٹ کی طرح ایک جگہ مخصوص کرلینے سے منع فرمایا ہے (احمد ، حاکم)

س :۔ کیا اذان کی طرح اقامت کا جواب بھی دینا چاہئے ؟

ج :۔ جو شخص اقامت سنے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ بھی اقامت کے کلمات دہرائے ، اور حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے وقت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے وقت اَقَامَہَا اللہُ وَاَدَامَہَا کہے ۔ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ اقامت کہنے لگے اور جب وہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پر پہونچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَقَامَہَا اللہُ وَاَدَامَہَا اور باقی اقامت کے وقت آپ نے وہی الفاظ کہے جو اذان کے وقت کہے جاتے ہیں ۔ (ابو داؤد)

س :۔ بعض لوگ نماز میں ڈکار لیتے ہیں جس سے آس پاس کے لوگوں کو بڑی کراہت ہوتی ہے دوران نماز ڈکار لینا شرعاً کیسا ہے ؟

ج :۔ نماز میں ڈکار لینا مکروہ ہے اس کو روکنے کی کوشش کرنا چاہئے اور جہاں تک ہوسکے اگر ڈکار لینا ہی پڑے تو آواز پست رکھے ۔

سوال :۔ کیا وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں ؟

ج :۔ بلا عذر وتر بیٹھ کر ادا کرنے سے نماز نہیں ہوگی اور اگر کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو مجبوری میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے ۔

س :۔ کیا رمضان کے علاوہ وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں ؟

ج :۔ نہیں تنہا پڑھنا چاہئے ۔ اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ رمضان کے علاوہ وتر بجماعت ادا کی گئی ہو ۔

ضروری اعلان

۱۹۸۶ء سے مسلم پرسنل لا کی موافقت اور مخالفت میں ملک کے تقریباً ہر اخبار اور جریدے میں مضامین شائع ہو رہے ہیں ۔ ناظرین تعمیر حیات سے درخواست ہے کہ اگر ان کے پاس اس موضوع پر مضامین محفوظ ہوں تو اس کی ایک فوٹو کاپی مہتمم صاحب دارالعلوم کے پتہ پر بھیجنے کی زحمت فرمائیں ۔

انگریزی اور ہندی اخبارات میں شائع مضامین کی فوری ضرورت ہے ۔

سید محمد رابع حسنی ندوی
مہتمم
دارالعلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ ۔ 226007

ندوہ کے شب و روز

سرور عالم

فضیلت دوم کے طلباء کا ایک ہفتہ حضرت مولانا کی خدمت میں رائے بریلی میں قیام و استفادہ

حسب سابق روایت امسال بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فضیلت دوم کے پچاسی طلباء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت میں رائے بریلی اکتوبر ۱۹۹۵ء کو خصوصی تربیت حاصل کرنے کے لئے پہونچے، طلبۂ دارالعلوم کو حضرت مولانا نے اس موقع پر کئی اہم کتابوں کا درس دیا۔ اور طلباء نے استفادہ کیا" اذاهبت ریح الایمان" کا درس دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے بعد روئے زمین پر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جاں نثار جماعت ظاہر ہوئی جس کے نقوش و اثرات ابھی تک لوگوں کے قلوب و اذہان پر چھائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں میں جہاد کی جو روح باقی ہے وہ انہیں کی رہین منت ہے اور فرمایا کہ سید صاحبؒ کی جماعت اسی جگہ سے روانہ ہوئی تھی جہاں آپ (طلباء کرام) زانوئے ادب تہہ کئے ہوئے درس سن رہے ہیں

دوسرے دن حضرت مولانا نے "المدخل الی الدراسات القرآنیہ" کا درس دیا، جس میں مولانا نے قرآن کریم کے اصول وضوابط پر محققانہ نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم سے استفادہ کے لئے ایمان بالغیب کا ہونا شرط ہے اور رسالت پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اور قرآن کریم کا مطالعہ کرنے میں عمق و گہرائی پیدا کرنا ضروری ہے۔

مولانا نے "المدخل الی الدراسات الحدیثیۃ" کے درس کے دوران فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں ایک مرتبہ تیز ہوا چلی تو اوراق اڑنے لگے، ایک طالب علم نے کوئی چیز رکھنے کے بجائے حدیث کی کتاب پر پاؤں رکھدیا۔ اس بے ادبی کے نتیجہ میں وہ بہت بری موت مرا۔ لہٰذا اخلاص، نیت اور ادب کے ساتھ علم حدیث کو عمل کرنے کی غرض سے حاصل کرنا چاہئے۔ اسی طرح مولانا نے "النبوۃ الأنبیاء" "السیرۃ النبویہ"، "رجال الفکر والدعوۃ"، "حجۃ اللہ البالغۃ" "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، الأرکان اربعہ، "الصراع بین الفکرۃ الاسلامیہ والفکرۃ الغربیۃ، اور روائع اقبال، وغیرہ جیسی اہم کتابوں کے منتخب عناوین پر تفصیل کے ساتھ درس دیا۔

آپ نے فرمایا کہ طلبہ کو ان اہم کتابوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مطالعہ میں گہرائی اور عمق پیدا کرنا چاہئے تاکہ باطل نظریات و خیالات سے مقابلہ کرنے کی استعداد پیدا ہو کیوں کہ اعداء اسلام اور اسلام مخالف طاقتوں کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ مذہب اسلام کے اندر شکوک و شبہات پیدا کر دیا جائے جس کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنے خدا اور رسول اور تابناک ماضی سے کاٹ کر رکھدیا جائے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کی تعلیم اور اسلامی تشخص، اسلامی حمیت کو عام کیا جائے اور باطل طاقتوں کا مقابلہ دور حاضر میں زبان و قلم کے ذریعہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ اور اسلامی لٹریچر کے ذریعہ جم کر کیا جائے۔

اس روحانی تقریب کی آخری نشست حضرت مولانا نے صحاح ستہ کی سند کی اجازت دیتے ہوئے حدیث کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ایک پلاننگ کے تحت ایک ایسا نصاب تیار کیا گیا ہے جس سے خطرہ اس بات کا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہماری نئی نسل اسلام سے نابلد و ناواقف ہو جائے اسلام کے مبادی تک کا بھی اس کو علم نہ ہوسکے، لہٰذا ضرورت ہے کہ نسل کو باقی رکھنے کے لئے جہد مسلسل اور سعی پیہم کی جائے گاؤں گاؤں میں مدارس و مکاتب قائم کئے جائیں تاکہ مسلمان اور ان کے بچے حق و باطل میں امتیاز کرسکیں اور توحید و شرک کا فرق سمجھ سکیں، حرام سے اجتناب کرسکیں اور حلال اختیار کرسکیں۔

اس صاف و شفاف صالح و پاکیزہ اور روحانی پروگرام کا اختتام حضرت مولانا کی دعا پر ہوا۔

اس موقع پر دارالعلوم کے مہتمم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، استاذ تفسیر مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی، استاذ ادب مولانا نذر الحفیظ ازہری ندوی اور ممتاز معالج ڈاکٹر اقتدار حسین فاروقی صاحبان نے بھی اہم محاضرے دیئے۔ اور علمی و فکری تقریریں کیں، یہ کاروان علم و ادب حضرت مولانا سے مصافحہ کرنے کے بعد ۲۹ ستمبر ۹۵ء کو اپنے مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء واپس آگیا۔

انجمن الاصلاح کا جدید دارالمطالعہ کا قیام

دارالعلوم ندوۃ العلماء جہاں طلبہ کو تعلیمی، تدریسی علمی، فکری، دینی، استعداد پیدا کر کے سلف صالحین کی یادگار بنانا چاہتا ہے، وہیں طلباء کی انجمن جمعیۃ الاصلاح کے اسٹیج سے ادبی، ثقافتی، تہذیبی، تربیتی اور مطالعتی روح فراہم کرنا بھی اس کے نصب العین میں داخل ہے تاکہ یہاں کے فضلاء، وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ جرأتمندی سے کرسکیں اور ہر محاذ پر کام کرسکیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے بفضلہ تعالیٰ جمعیۃ الاصلاح کی نگرانی میں ایک جدید" دارالمطالعہ" کا افتتاح اطہر ہاسٹل کی بالائی منزل کے کشادہ ہال میں ۶ر جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ کو بدست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء عمل میں آیا۔

یہ دارالمطالعہ ارکان جمعیۃ الاصلاح کی اچھی کارکردگی و محنتوں، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

"عظمت رازی":۔ از محمد رضی الاسلام رازی
سائز:۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات:۔ ۱۷۶
کتابت، کاغذ، طباعت:۔ مناسب
قیمت کتاب مجلد مع ڈسکور:۔ ساٹھ روپے
ملنے کا پتہ:۔ اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۶۰ کوچہ چیلاں دریا گنج۔ نئی دہلی ۲

طبی دنیا کی مشہور شخصیت ابوبکر محمد زکریا رازی کے نام و مقام سے ہر طبیب واقف ہے لیکن ان کی پوری زندگی کا خاکہ کم لوگوں کے ذہنوں میں ہوگا اور اس کے لئے نہ جانے کتنی کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑے گی، مولوی محمد رضی الاسلام ندوی نے اس کتاب میں اس مایۂ ناز مشہور شخصیت کی حیات اور اس کے کارناموں سے اردو میں واقف کرایا ہے کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ نے دنیا کو کیسے کیسے کار آمد انسان پیدا کئے ہیں۔ کتاب ایسے تمام طلبہ و اساتذہ کے لئے مفید ہے جو اسلاف کے کارناموں اور تاریخ طب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

نام کتاب:۔ "الفوز العظیم" حصہ اول
ترتیب:۔ مولانا خورشید انور قاسمی فیض آبادی
سائز:۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات:۔ ۴۰۰
کتابت، طباعت، کاغذ:۔ مناسب
قیمت:۔ ۶۵ روپیہ
ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ فوز و فلاح۔ لال باغ مرادآباد۔

یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی مشہور و معروف اور معرکۃ الآرا کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کی اردو شرح ہے، یہ کتاب شاہ صاحب نے اس وقت کی رائج شدہ زبان فارسی میں لکھی تھی، بعد میں اسے قول مشہور کے مطابق شیخ محمد منیر دمشقی ازہری نے عربی میں منتقل کر کے اس کے حلقہ استفادہ کو وسیع فرمایا پھر اس کی شرحیں لکھی گئیں، کتاب ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے تقریباً سبھی دینی مدرسوں میں اصول تفسیر میں پڑھائی جاتی ہے، اس کتاب کا نیا عربی ترجمہ سہل عربی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے ذیلی عناوین اور بعض ......حواشی کے ساتھ تیار کر دیا ہے۔

"الفوز العظیم" اس کتاب کی کامیاب اور مفید ترین اردو شرح ہے جس کے بارہ میں خود مرتب کے قول کے مطابق "پچاس سے زائد اہم کتابوں کے منتخب علوم اور استاد محقق حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ العالی استاد تفسیر و حدیث دارالعلوم دیوبند کے فیوض و افادات سے مزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے" طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے عربی عبارت دی گئی ہے، پھر مشکل الفاظ کے معانی لکھے گئے ہیں، پھر عربی عبارت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس کے بعد حسب ضرورت شرح و وضاحت لکھی گئی ہے، یہ کتاب طلبہ کے لئے مفید تو ہے لیکن اس طرح کی درسی کتابوں کے اردو میں ترجمہ و تشریح سے طلبہ کی استعداد ٹھوس نہیں بن پاتی ہے اور اردو کا سہارا لے کر تیاری کرتے ہیں جو ایک طرح سے بڑا علمی نقصان ہے اور اب درسی کتابوں کے اس طرح کے ترجموں کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے جو ہمارے خیال میں مضر ہے۔ الفوز الکبیر پڑھانے والے اساتذہ کی بھی معاون ہے، خدا کرے دوسرا حصہ بھی چھپ کر کتاب جلد مکمل ہو۔

نام کتاب:۔ اسلام ابدی خطوط اور نئے زاویے۔
تصنیف:۔ شمیم اختر
سائز:۔ ۱۸×۲۲/۸، صفحات:۔ ۱۱۲
کتابت کمپیوٹر، کاغذ و طباعت:۔ مناسب
قیمت مجلد:۔ ۸۰ روپیہ، ملنے کا پتہ:۔ حیا پبلشنگ ہاؤس، ۶۵، حوض رانی، مالویہ نگر، دہلی ۱۱۰۰۱۷

یہ کتاب شمیم اختر صاحب کے مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے جو قومی آواز دہلی میں شائع ہوئے تھے، ادبی اعتبار سے مضامین اچھے ہیں لیکن دینی نقطۂ نظر سے متعدد مقامات قابل اعتراض ہیں۔

کتاب میں کہیں بھی علماء کی قیادت اور ان کی کارگزاری پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان پر تنقیدیں ہیں، جناب مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے اپنے تبصرہ میں (جو کتاب کے ساتھ ہے) ایسے متعدد مقامات کا ذکر کر کے نرم تنقید کی ہے پھر بھی لکھتے ہیں کہ:

"مقالہ نگار صاحب سرسید اسکول کی ترجمانی کرنے کے بجائے مولانا آزاد کے اعتدال پسندانہ محاکمہ کا انداز اختیار کرتے تو وہ بات بہت صائب ہوتی۔"

مضامین کی پہچان کے لئے ایڈیٹر قومی آواز دہلی موہن چراغی صاحب کا یہ قول کافی ہے:۔

"وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی اصلاح میں جناب موہن چراغی صاحب اور جناب شمیم اختر صاحب کے مشن میں یکسانیت ہے۔

(بقیہ) درس حدیث

حضرت فضیل بن عیاضؒ سے منقول ہے کہ ان سے سوال کیا گیا: اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھا رہے کچھ کرے دھرے نہیں بلکہ یہ خیال کئے بیٹھا رہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے اس کا رزق اس کے پاس خود آئے گا، تو انھوں نے جواب دیا کہ انبیاء کرام نے یہ اسوہ نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ محنت مزدوری کرتے تھے، کام کاج اور کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کام کاج اور کاروبار کرتے تھے! حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے کبھی نہیں فرمایا کہ ہم بیٹھے رہیں گے اللہ تعالیٰ خود سے ہم کو رزق پہونچائے گا، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے "فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"[1] تلاش معاش میں لگنا ضروری ہے[2] ان ساری مذکورہ تفصیلات سے حصول رزق کی کوشش کے ساتھ توکل کی ضرورت واہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

موجودہ حالات میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے،

۱۔ اس پر پورا یقین رہے کہ رازق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور زبان وعمل دونوں سے اس کا ثبوت دیا جائے۔

۲۔ توکل کا یہ مطلب نہیں کہ حصول رزق کے لئے جن اسباب کو اپنانا ضروری ہے ان کو ترک کر دیا جائے

۳۔ توکل سے دل کو سکون واطمینان رہتا ہے۔

---

[1] سورہ جمعہ۔ [2] جامع العلوم الحکم لابن رجب

(بقیہ) آزاد ممالک کے غلام عوام

مسائل کی پیچیدگی کا سب سے بڑا سبب عوام اور حکام کے درمیان حائل خلیج ہے جس میں مسلسل وسعت پیدا ہو رہی ہے اور یہ سب انسان دوستی کا ڈنکا پیٹنے والے مغرب کی سازش اور اس کی سیادت کے نتیجہ میں ہو رہا ہے جس کی جڑیں مضبوط ہوتی جا رہی ہیں۔ اس لئے مسلم ملکوں کے سارے مسائل کی ذمہ داری مغرب کے وفادار حکمراں طبقہ پر ہے اور خود مغرب پر ہے جو اسلام کو بدنام کرنے کے لئے

کر رکھے ہوئے ہے)

(بقیہ) عبرتناک انجام۔ سچا واقعہ

ہم اس کوشش میں ناکام رہے تو آنے والے چند سالوں میں یہ خوفناک بیماری پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ ایسا ہوا تو پھر کرۂ ارض پر ہر طرف شُوذ نما انسان ہی نظر آئیں گے۔"

(بحوالہ ماہنامہ علم وادب بنگلور)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ کیا آج ہمارا گھر ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ ایسی محفلوں کا انعقاد کرکے شریعت اسلامیہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی نہیں کر رہا ہے، آئیے! آج ہی ہم عہد کریں کہ ہم اپنے گھروں کو ان بلاؤں سے پاک کریں، نمازوں کی پابندی اور تلاوت کلام پاک کو عام کرکے خداوند قدوس کی خوشنودی حاصل کریں دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہم تمام لوگوں کو احکاماتِ الٰہی کا پابند بنائے اور ان تمام شرور وبلاؤں سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

(بقیہ) ندوہ کے شب وروز

رابع ندوی اور معتمد تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی کی خصوصی دلچسپی اور اساتذۂ کرام کی توجہات سے قائم ہوا۔ اس سلسلہ میں قطر کے ندوی فضلاء نے اپنی محبوب انجمن کے اس شعبہ کو کامیاب بنانے کے لئے ۱۲ ہزار روپئے کا گراں قدر تعاون دیکر اپنی مادر علمی سے تعلق ومحبت کا ثبوت دیا۔ جزاھم اللہ خیراً اس مبارک موقع پر حضرت مولانا نے مطالعہ کی اہمیت وضرورت پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

آخر میں یہ مجلس حضرت مولانا کی دعا پر ختم ہوئی۔

تبلیغی اجتماع

دارالعلوم میں سہ روزہ ایک بڑا تبلیغی اجتماع ۲۰ر ۲۱ر ۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو منعقد ہوا تقریباً پچاس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ دہلی مرکز کے تمام اہم ذمہ داران بھی تشریف لائے اور تقریریں کیں۔ اس روحانی موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور قاری صدیق احمد باندوی مدظلہٗ نے بھی خطاب فرمایا۔ بہت پرسکون حال میں اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ اور دسیوں جماعتیں اپنا وقت نکال کر اللہ کے راستے میں روانہ ہوگئیں۔ دیگر حضرات اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دارالعلوم کے سابق مہتمم کے انتقال پر تعزیتی جلسہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق مہتمم مولانا اسحاق سندیلوی کا پاکستان میں انتقال پُر ملال ہو گیا یہ سانحہ اہلِ ندوۃ کے لئے بڑا غمناک ہے۔

چنانچہ دارالعلوم کی دسیع مسجد میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا سید الرحمان اعظمی ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی۔ ازہری صاحبان نے مولانا کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے انکی خصوصیات وکمالات پر روشنی ڈالی اور طلباء کو اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ آخر میں موصوف کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔

دعائے مغفرت

● دارالعلوم میں عالیہ رابعہ کے طالب علم محمد مشیر سیتاپوری کے والد محمد شبیر کا ۲۵ر اکتوبر ۹۵ء کو انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے

● یونیورسل ٹرانسپورٹ کے مالک جناب شاہد صاحب مرحوم جنھوں نے ندوہ کے پچاسی سالہ جشن میں ٹرانسپورٹ کے ذریعہ بڑا تعاون کیا اور ندوہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے ان کی اہلیہ کا ۱۸ر اکتوبر ۹۵ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ نماز جنازہ میں دارالعلوم کے بعض اساتذہ نے بھی شرکت کی

قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔



پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳	۱۰؍دسمبر ۱۹۹۵ء - مطابق - ۱۶؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ	شمارہ نمبر ۳

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ——— منیجر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

١۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
٢۔ فی کاپی ١٠/= روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
٣۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

١۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
٢۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
٣۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اصلاح و تربیت

شمس الحق ندوی

حالات کے سامنے جھکنا بندۂ مومن کی شان نہیں

اس وقت ہم جس ماحول و فضا میں سانس لے رہے ہیں وہ مغرب کی مادہ پرستی اور جاہ طلبی کا ماحول ہے، جس نے انسان کو من کا راجہ اور نفس کا غلام بنا کر اس کو ہر قید و بند سے آزاد کر دیا ہے اور زمانہ کی فضاؤں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس ایک ہی صدا گونج رہی ہے: "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"۔ جو مزے اڑانے ہیں اڑا لو کہ یہ دنیا اجڑ کر پھر نہ بسے گی۔ اس خیال و تصور نے تمام پیمانوں کو بدل دیا ہے۔ اور دلوں میں یہ بات اتار دی ہے کہ دینی حدود و قیود، مادی ترقی اور عیش کوشی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہیں اور جب انسان دینی حدود و قیود اور بچی کھچی انسانی اقدار کے بندھنوں سے بالکل آزاد ہو جائے تو اپنی معمولی سے معمولی خواہش کے پورا کرنے اور نفع اندوزی کی خاطر اس کو کچھ بھی کر گزرنے میں کیا باک ہوگا، اب دنیا سمٹ سمٹا کر ایک گھروندہ بن کر رہ گئی ہے، ہم اپنے گرد و پیش ہی نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک نظر دوڑائیں تو نظر آئے گا کہ قتل و خوں ریزی، لوٹ مار، بے حیائی اور فحاشی، بے مروتی اور طوطا چشمی، منافقت، مکر، دھوکا دہی کی ایسی طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں کہ الحفیظ، الاماں۔ دعویٰ تو یہ کیا جا رہا ہے کہ انسان نے ترقی کی ہے، وہ پہلے سے زیادہ مہذب و متمدن ہوا ہے، زندگی کے وہ وسائل اور سہولتیں ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جن کا انسانی تصور و خیال میں آنا محال تھا، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان سائنسی ترقیوں کے بعد انسان ان حقائق اور وعدوں پر ایمان لاتا جو خالقِ کائنات نے اپنے نیک بندوں سے کئے اور وحی کے ذریعہ اپنے رسول کو بتلائے ہیں اور رسولؐ خدا نے اس کی تفصیل بیان کی ہے جن لوگوں نے انکار کیا تھا ان کے انکار کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اپنی محدود عقل کے دائرہ میں جس پر اوہام و خرافات کا غلبہ تھا محال سمجھ کر اس پر یقین نہیں لاتے تھے لیکن جدید ترقیوں نے کسی بھی صاحب فہم و ذکا کے لئے ان حقائق کو سمجھنے کے لئے راستہ ہموار کر دیا ہے۔

مگر ان ترقیات کے نشہ میں انسان نے ان حقائق کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ ترقیات کے نقد فوائد کے سامنے وہ ان دائمی فوائد پر غور کرنے کے ہوش میں ہی نہیں ہے، اور اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر خود کو برسرِ حق اور مقبول سمجھنے لگا ہے، اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کرے اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل و مطمئن ہوتا جاتا ہے اور اپنے عمل پر احتساب کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ قرآن کریم نے اس ترقی کا بھی راز کھول کر بیان کر دیا ہے پھر بھی انسان غور کرنے کے حال میں نہیں۔ فرمایا: "مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ" (جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو دنیا میں سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے، فوراً ہی دے دیں گے)۔

بہت وضاحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی کہ ہم طالب دنیا کو دنیا دیں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اتنا دیں جتنا وہ چاہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر چاہنے والے کو دیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اپنی چاہت میں کامیاب ہوتا ہے اور کوئی ناکام، اور کوئی تو ایسا ناکام ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور وہاں پہونچ جاتا ہے جہاں تلافی کی راہیں بند ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور اس کا انجام اس دنیا کے بنانے والے کا غضب اور آگ کی دائمی سزا ہوگی جس کو آیت کے دوسرے جز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا" (پھر ہم اس کے لئے جہنم رکھیں گے، اس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا۔)

آیت کے اس دوسرے جزء سے یہ بات خوب واضح ہو گئی کہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی نہیں، دیکھنا تو یہ چاہیے کہ اس کا آخری انجام کیا ہے اگر صرف دنیا ہی تک اس کا نفع محدود ہے تو خرابی ہی خرابی ہے۔

عاجلہ یعنی دنیائے فانی کی بڑھتی ہوئی ہوس نے اس وقت جو صورت حال پیدا کر دی ہے ہر صاحبِ عقل و شعور اس کو دیکھ کر حیران و ششدر ہے اور کوئی بات بنائے نہیں بن رہی ہے، جو کچھ ہوش و حواس رکھتے ہیں اور ان خرابیوں سے نکلنے کی راہ دکھانے کی فکر و کوشش کرتے ہیں، ان کو یہ کہہ کر ناقابلِ اعتنا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پرانے ٹائپ کے لوگ ہیں ان کو نئی روشنی نہیں بھاتی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت قافلۂ انسانیت کی کشتی سخت خطرات سے دوچار ہے۔ بالکل اس طرح جیسے کشتی سے موجوں کے تھپیڑے ٹکرا رہے ہوں، رات کی تاریکی ہو اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ کالی کالی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوں، اوپر سے بادل ٹوٹ کر برس رہا ہو، اور نیچے پہاڑ جیسی موجیں اٹھ رہی ہوں، ان کے شور

دگھڑ گھڑاہٹ سے دل ہلے جا رہے ہوں اور جہیردں پر بولایا اٹر رہی ہو، اس خوفناک منظر کی تصویر کشی قرآن کریم سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے :۔

"کَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا"

جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہو) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھے۔

اس وقت کی صورت حال اس دور اور ماحول کو تازہ کر رہی ہے جو بعثت نبوی سے قبل تھی، مادہ پرستی کا ایسا جادو چلا ہوا ہے کہ اس کی لت اور طلب میں غیر تو غیر امت مسلمہ کے بہت سے افراد اس کے پیچھے اپنی دینی غیرت وحمیت تک کو خیرباد کہہ کر اسی کے پیچھے دوڑنے لگتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو اسی کی طلب وجاہت یا سستی شہرت وجاہ کی چاہت میں قومی وملی مفاد تک کو داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی خوب پذیرائی بھی ہوتی ہے اس لئے کہ دین دشمن طاقتوں کو ایسے مہروں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ سستا سودا کتنے دن کے لئے۔ ایسے لوگوں کو مذکورہ آیت کو بار بار پڑھنا چاہئے شاید اس کی کوئی ضرب آنکھیں کھول دے۔

"مَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا"

جب پوری انسانیت کا مزاج وہ بن گیا ہو جس کی ہلکی سی جھلک اوپر پیش کی گئی اور اس پر ستم یہ کہ امت مسلمہ کے بھی کچھ افراد اسی دھارے میں بہنے لگیں اور اسلامی اصول واقدار کی مخالفت پر اتر آئیں تو ایسے میں امت مسلمہ کے علمائے ربانیین اور مخلص داعیوں کا کام بہت مشکل ہو جاتا ہے، اور ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء ہی کو اب تا قیامت کار نبوت کی نیابت کرنی ہے اور جب کار نبوت کی نیابت کرنی ہے تو ان مشکلات ودشواریوں سے بھی دوچار ہونا پڑے گا جن سے انبیاء کرام کو گزرنا پڑا ہے اسی طعن وتشنیع اور ملامت سے بھی سابقہ پڑے گا جس سے انبیاء کرام گذرے ہیں، اس بگڑے ہوئے ماحول کے طوفانی جھکڑوں میں جب صبر وثبات کا ثبوت دیا جائے گا تو اس کے نتائج بھی نصرت خداوندی سے سامنے آئیں گے۔

تھوڑی دیر کے لئے حضرت مجدد الف ثانی کے دور کو نگاہوں میں لائیے اور ان خطرات ومشکلات کے ساتھ جو حکومت وقت کی طرف سے درپیش تھیں، مال ودولت کے طلب گار راہبوں کی بھی سازشوں پر نظر ڈالئے تو اس دیار میں بقائے اسلام کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی مگر تھا

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خدا گاہے

تنہا مجدد الف ثانی کی سعی مشکور کے نتیجہ میں اس دیار میں دین اسلام کا چراغ اس طرح روشن ہے کہ دوسرے ملکوں کے مسلمان اس سے روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ اس لئے گو ہوا مخالف ہے اور باد صرصر کے جھونکے چل رہے ہیں دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ ساتھ اپنوں نے بھی تعلیمات نبوت کی من مانی شرح وتفصیل شروع کر دی ہے۔ اور ہماری بعض حکومتوں کے سربراہ بھی اپنی عیاشی میں رخنہ سمجھ کر دین اسلام کے مخالف ہو گئے ہیں۔ علماء اور دینی کارکنوں کو ان کے مقابلہ میں ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ بلکہ "إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ" کے خدائی وعدہ پر اعتماد وبھروسہ کر کے اپنے کام کو جاری رکھنا چاہئے وہ وقت بھی آئے گا جب تاریکی کے بادل چھٹیں گے اور حق وصداقت کی صبح نمودار ہوگی۔

اس وقت دنیا میں جو اندھیر مچا ہوا ہے وہ کمزور ایمان دلوں میں یہ وسوسہ نہ پیدا کرے کہ نعوذ باللہ اب بات خدائے بزرگ وبرتر کی قدرت واختیار سے باہر ہو گئی ہے اور وہ مجبور ولاچار ہے یہ ایک مومن کا عقیدہ نہیں بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی طرف سے استدراج اور ڈھیل کے طور پر ہو رہا ہے جب تک اسے منظور ہے اس لئے ہمت ہارنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں حسن تدبیر اور حکمت ودانش مندی کے ساتھ داعیوں اور دینی کارکنوں کو اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے اور ہمت وحوصلہ کے ساتھ جاری رکھنا چاہئے اس لئے کہ اس اندھیر کی مکافات عمل کا ایک وقت مقرر ہے وہ آ کے رہے گا۔

محمد جلال الدین جلال فاروقی

الٹ کر رکھ دیا تھا شرک کے صحرا کی بنیادیں

یہ رعب ودبدبہ فاروق اعظم کا بتاتا ہے
کہ ہم سے سرنگوں ہیں قیصر وکسریٰ کی بنیادیں

سراسیمہ نظر آتے تھے سب سردار باطل کے
الٹ کر رکھ دیا تھا شرک کے صحرا کی بنیادیں

کیا مضبوط ومستحکم یوں ایوان شریعت کو
رہیں محفوظ تاکہ حشر تک کعبہ کی بنیادیں

بناتی سطوت فاروق ہے اس راہ منزل کو
مٹا سکتا نہیں کوئی نشان پا کی بنیادیں

کہاں مال ومتاع کی حرص دل میں ہو سکی پیدا
نہیں کمزور کچھ ہونے دیا تقویٰ کی بنیادیں

ہے زندہ عدل بھی اس دور حاضر میں ابھی تک کہ
حقائق پر رکھی جمہور کے شوریٰ کی بنیادیں

ہوا راز دروں ظاہر یہ فاروقی جلالت سے
رضائے رب پہ جاں دیکر کے رکھ عقبیٰ کی بنیادیں

ابھی تک دشمن اسلام ہے ایمان سے خالی
نہ کر اب کھوکھلی ایران کے عطیہ کی بنیادیں

جلال اپنی غلامی کا تعلق تو انہیں سے ہے
رکھیں گے پھر نہو سے کر فنا فی اللہ کی بنیادیں

اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

—— حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

حضرت مولانا مدظلہ نے یہ تقریر ۸ ر نومبر ۹۵ء کو مولوی محمد خالد ندوی غازی پوری کے وطن نرائن پور میں مدرسہ سراج العلوم رحمانیہ کی نئی مسجد اور مدرسہ کی عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کے وقت ارشاد فرمائی، مولوی اکرام الحق ندوی نے ٹیپ کی مدد سے قلمبند کیا ہے، افادہ عام کے لئے ہدیہ ناظرین ہے —— (ادارہ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسّلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن دعا بدعوتھم الیٰ یوم الدین

حضرات :- یہ موقع بار بار نہیں آتا، میں آپ سے کیا کہوں۔ اللہ نے اہل جنت کی زبان سے کہلوایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ، سب شکر اور سب احسان ہے اس پروردگار کا جس نے ہم کو یہاں تک پہونچایا، ہم یہاں تک نہیں پہونچ سکتے تھے اگر اللہ ہماری دستگیری اور رہنمائی نہ فرماتا، پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے بڑے کام کی بات ادا کروا رہا ہے۔ کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنی ذہانت، اپنے علم، اپنی محنت اور نسبی شرافت سے، اپنی دولت اور بلندی کے ذریعہ یہاں تک پہونچے ہیں، "لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ" یہ سب فیض اور صدقہ ہے ان پیغمبروں کا جن کو اللہ نے ہماری ہدایت کے لئے بھیجا، اور جنھوں نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور پھر اللہ نے توفیق دی کہ ہم اس راستے پر پڑے۔

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کے ہم پر آپ پر بہت سارے انعامات ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جو انعامات اور احسانات کی جڑ ہے، وہ زندگی ہے کہ اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا، اگر وہ نہ بھیجتا اور ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، نہ ہدایت ہوتی نہ اللہ کے رسول کی اطاعت ہوتی، نہ مدرسے قائم ہوتے، نہ قرآن مجید حفظ کیا جاتا، نہ دین کی تعلیم حاصل کرتے، نہ اللہ کا قرب حاصل کرتے نہ حج کرتے، نہ زکوٰۃ دیتے، دیکھئے جب آدمی کسی جگہ پہونچ جاتا ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ یہ ہمارا کمال ہے اور یہ ہماری محنت، ہماری بصیرت ہے، ہماری ذہانت ہے اور ہماری جفاکشی ہے، ہماری خوش قسمتی ہے، یہ سب خیالات آدمی کو آتے ہیں لیکن لوگ جنت میں پہونچیں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا، سب شکر ہے اللہ کا، یہاں اپنی ذہانتوں اپنی عبادتوں اور ریاضتوں اور اپنے مطالعے سے نہیں پہونچے اس لئے کہ دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں دنیا والوں کے پاس سب چیزیں موجود ہیں روس اور امریکہ والوں کے پاس کیا کچھ نہیں ہے علم نہیں ہے، ذہانت نہیں ہے؟ کمالات نہیں ہیں؟ ایجادات نہیں ہیں؟ تجربے نہیں ہیں؟ بڑے بڑے ماہرین فن نہیں ہیں، لیکن ہدایت سب کو نصیب نہیں، ہدایت بھی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کو کوئی ایسا ہدایت والا مل جاتا ہے، اور اللہ ہی ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے، تو یہ پورا جملہ بالکل ایک معجزہ ہے جو اللہ نے کہلوایا ہے، اللہ نے اسکو قرآن مجید میں اس لئے جگہ دی ہے، جو بات اہل جنت، جنت میں پہونچ کر کہیں گے اللہ نے وہ بھی اپنے کلام میں داخل کر دیا، اسے سکھانے کے لئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہم اسے سمجھیں، یہ سب اللہ کا احسان ہے، یہ دیکھئے کہ جس علاقے میں آپ ہیں۔ سارا ہندوستان، جیسے آپکا ضلع غازی پور اور پھر پورا یو پی۔ پھر اور بڑھ کر ایشیا اور پھر بڑھ کر دنیا، کتنے آدمی ہیں جن کو ہدایت ملی، کتنے آدمی ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، کتنے آدمی ہیں جو خدا کو پہچانتے ہیں، اور اس کو پیدا کرنے والا سمجھتے ہیں، اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، رب العلمین سمجھتے ہیں، کیا ذہانت، علم اور مطالعہ کی کمی ہے، محنت کی کمی ہے کس چیز کی کمی ہے، کمی ہے تو صرف توفیق الٰہی کی، پہلے تو آپ یہ شکر کریں کہ اللہ نے آپ کو زندگی عطا کی، انسانوں کا یہ جنگل ہے، یہ انسانوں کی آبادی ہے، جس میں کیسے کیسے پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑے بڑے اسکالر اور اسپشلسٹ ہیں بڑے بڑے ذہین ہیں لیکن ہدایت سے محروم، کلمہ بھی نصیب نہیں، دنیا کے پیدا کرنے والے کی پہچان و معرفت بھی نہیں کہ دنیا کو کس نے پیدا کیا، اور کون چلا رہا ہے، سب کر رہے ہیں مگر یہی نہیں معلوم، اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ کونسی جگہ ہے، یہ مدرسہ ہے یا ایسے ہی کسی کا گھر ہے۔ ہم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہیں اور کون ہمیں ٹھہرا رہا ہے اور کون ہمیں آرام پہونچا رہا ہے اور کون ضرورت کی چیزیں مہیا کر رہا ہے، اور کون ہمارا استقبال کر رہا ہے، تو آپ کیا کہیں گے، سوچئے تو لوگ اس دنیا میں ساٹھ ساٹھ برس، ستر ستر برس گزار رہے ہیں، کتب خانے کے کتب خانے موجود ہیں، سائنس کی بڑی سے بڑی تجربہ گاہیں موجود ہیں، لیکن کسی کو خبر نہیں کہ دنیا کو بنانے والا کون ہے، چلانے والا کون ہے، اور ہدایت کیا چیز ہے

کون سا عقیدہ صحیح ہے، کون سا غلط ہے، اس دنیا کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی کیا صفات ہیں، اس کا ہم پر کیا حق ہے یہی نہیں جانتے، ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں، کہ اللہ نے آپ سب پر اتنا بڑا انعام فرمایا کہ اس جنگل اور اس علاقہ میں اللہ نے اپنے نیک بندوں کو بھیجا، انہوں نے آپ کو دین کی دعوت دی اور رشتے قائم کئے، تھوڑا سا ہمارا بھی رشتہ ہے کہ آپ کے یہاں جو بزرگ آئے جن کا نام بار بار لیا گیا ہے، شیخ صلاح الدین صاحب کڑا مانک پور سے آئے، اور کڑا مانک پور ہمارا وطن ہے، ہمارا جدی وطن ہے، قطب الدین چشتی جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جو قطب مدنی کہلاتے ہیں ہم سب لوگ ان کی اولاد میں ہیں، ہمارا یہ رائے بریلی، فتح پور ہنسوا، مانک پور، الہ آباد پھر پاکستان میں بیسوں نہیں بلکہ سینکڑوں ہوں گے ہمارے خاندان کے، یہ سب قطب الدین کی اولاد میں ہیں، کوئی اپنے کو قطبی، کوئی حسنی اور کوئی مدنی لکھتا ہے تو ہمارا آپ کا ایک رشتہ بھی نکلا، آپ کے بزرگ محسن اور مربی صلاح الدین صدیقی صاحب کڑا مانک پور سے آئے، اور ہم لوگ پہلے کڑا مانک پور ہی میں بسے، وہیں قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، ان کی اولاد میں بڑے چوٹی کے عالم، اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے بڑے بڑے مصلح پیدا ہوئے، جنمیں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ مشہور ہیں، جنکی وجہ سے ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے اندازہ کیجئے کہ تیس لاکھ تو ان لوگوں کی تعداد ہے جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک و کفر سے توبہ کی اور چالیس ہزار ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے یہ معتبر اعداد و شمار ہیں جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، حد تو یہ تھی کہ جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ

دیا، اسی وقت اس کو شرک سے نفرت ہو جاتی تھی، بدعت اور بد اخلاقیوں سے نفرت ہو جاتی تھی، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی تھی، یہ بات تو تسلسل سے سنی گئی ہے اور لکھی گئی ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اور بزرگوں سے سنا ہے اور جتنے محقق اور انصاف پسند لوگ ہیں سب اس کو مانتے ہیں، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آپ اس دولت کی حفاظت کریں، اس دولت ہدایت کی حفاظت کریں، الحمد للہ الذی ھدانا لھذا، شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمکو یہاں تک پہونچایا۔ اور ہمیں ہدایت دی، آپ کا یہاں آنا مبارک، آپ کے مکانات مبارک، آپکی کھیتیاں مبارک، اولاد بھی مبارک، بیٹے پوتے، نواسے سب مبارک، اللہ انکی زندگیوں میں برکت دے اور ان کو توفیق دے، لیکن سب سے جو بڑی نعمت آپکے پاس ہے وہ کلمے کی نعمت ہے، آپ اس کو خوب اچھی طرح سے لکھ لیجئے کہ یہ سب چیزیں کام آنے والی نہیں تھیں اور یہ زندگی کتنی ہے، اسی، نوے برس کی عمر ہوئی، اس کے بعد کچھ نہیں، وہاں یہی کلمہ کام آئے گا، یہی نمازیں کام آئیں گی، یہی ہدایت کام آئے گی، نہ جائداد نہ اولاد نہ گھر کام آئیں گے، نہ شہرت نہ عزت کام آئے گی، کوئی چیز کام نہیں آئے گی اس وقت ہم جو کچھ آپ سے تھوڑے وقت میں کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے ایمانوں کی خوب حفاظت کیجئے، اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت کیجئے اور اسکی فکر رکھیئے، ہم نے کئی بار اپنی تقریروں میں کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خود پیغمبر، باپ پیغمبر، دادا پیغمبر، اور ان کی اولاد پیغمبری کی چوتھی پشت تھی، جیسے ہی انہوں نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا ان کے کان میں جو آواز پہونچی

وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی اس کارخانے کو چلانے والا نہیں، کوئی روزی دینے والا نہیں، اور کوئی جلانے اور مارنے والا نہیں بچپن سے دین گھٹی میں پڑا تھا، لیکن یعقوب علیہ السلام کی نبوت کی شان تھی اور دین سے محبت تھی اور اولاد سے بھی محبت کا تقاضا تھا، انہوں نے کہا جب وہ سمجھ گئے کہ اب زیادہ رہنا نہیں بالکل آخری وقت ہے، سب بچوں کو جمع کیا، بیٹے بھی ہوں گے، پوتے بھی ہوں گے، نواسے بھی ہوں گے، انہوں نے اچھی عمر پائی، انہوں نے کہا۔ "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ" بیٹو پوتو، نواسو، یہ بتاؤ کہ میرے بعد تم عبادت کس کی کروگے، اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت یہ بات پوچھنے کی ہے، یہ کس کے بیٹے ہیں کس کے پوتے ہیں، کس کے پرپوتے ہیں، کس کی اولاد ہیں، آپ کے گھر میں سوائے اللہ کی عبادت کے دیکھا کیا، کیا بت کبھی گھسنے بھی پائے تھے، اس کو ٹھوکر مار کر ایک گندگی کی طرح نکال دیتے، اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیتے تو طمانچے مارتے اور اس کو گھر سے نکال دیتے، تم ہمارے گھر میں اللہ کے علاوہ غیر اللہ کا نام لیتے ہو! اس گھر میں دیکھا کیا ہے سنا کیا ہے اس گھر میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت کیا، جب محبت ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے

عشق است و ہزار بدگمانی

عشق ہے اور ہزار بدگمانیاں، تو اب ہم مسلمانوں کو دین سے وہ محبت نہیں رہی، سب کچھ کریں گے اپنی اولاد کے لئے، کہاں سے کھائیں گے، کیا ان کو پڑھانا چاہئے، اور ذرا سا بیمار ہو تو حکیم، ڈاکٹر اور سب کچھ لائیں گے لیکن اسکی فکر نہیں کہ اس کا ایمان باقی رہے گا یا نہیں، ہمارے بعد اس راستے پر رہیں گے یا کسی اور راستے پر چلے جائیں گے، اب مسلمانوں کو

اسکی فکر بہت کم ہوگئی ہے ، اس کا نتیجہ ہے کہ آئندہ نسل کی کوئی ضمانت نہیں ، اطمینان نہیں کہ یہ بھی توحید کی قائل ہوگی ، خدا کے علاوہ کسی کو خالق ، رازق نہیں سمجھے گی ، ہماری اولاد اسی سے مانگے گی ، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی ، اسی سے ڈرے گی ، پھر دین اسلام پر فخر کرے گی ، اور سب کچھ دینے کیلئے تیار ہوگی جائداد تک ، لیکن دین و ایمان کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی ، سر کاٹ دیا جائے مگر اللہ کے سوا کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ ہوگی اس وقت ہندوستان میں خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ " مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ " کوئی کہنے والا نہیں رہ گیا ہے ، اپنی اولاد سے پوچھے کہ ہمارے بعد تم کس راستہ پر چلو گے کس دین میں رہوگے ، یہ سب سے ضروری ہے ، یہ تو زندگی میں کرنے کا کام ہے ، ایسا نظام بنا کر جائیں کہ آپ کی اولاد اس دین پر قائم رہے ، صرف قائم ہی نہ رہے ، بلکہ دین کی غیرت اور دین کا جوش ہو ان کے اندر ۔ اور اس کو دین پر فخر ہو ، خدا کا شکر ہے کہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ ان شاء اللہ یہاں سے یہی چیز پھیلے گی اور پیدا ہوگی ، اللہ تعالی مبارک فرمائے ، اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا ، بہت دیر سے یہ پروگرام چل رہا ہے ، اپنے عقیدے کی حفاظت کریں ، اور اپنی آئندہ نسل کے متعلق اطمینان حاصل کرلیں ، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو موقع دیا ، ہر ایک کو یہ موقع نہیں ملتا ، معلوم نہیں آپ کہاں ہوں ، آپ کی اولاد کہاں ہو ، یہیں رہ کر اور ابھی سے اس کا اطمینان کریں ، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ سنا کر ہمیں غیرت دلائی اور احساس دلایا کہ دیکھو ، یہ ہوتی ہے محبت دین کے ساتھ ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا دیکھو بیٹو ، پوتو ، نواسو ، میری پیٹھ قبر سے لگے گی نہیں جب تک میں یہ نہ سن لوں ، اور یہ سن کر نہ جاؤں کہ تم لوگ صحیح دین ، اللہ کے دین اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہوگے یہ بتا دو ، پھر ہم قبر میں چین سے سوئیں گے ، اُن سب نے کہا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ، ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی ، آپکے باپ اور چچا اور دادا کے معبود کی ، تب انکو اطمینان ہوا

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں ، اپنے دین کو قائم رکھنے کی کوشش کریں ۔ اس پر ذرا آنچ نہ آنے پائے ، اپنے عقیدہ توحید پر ، عقیدہ آخرت پر دھبہ نہ آنے پائے ۔ پھر اچھے اخلاق پر ، جو غیر مسلموں کے لئے باعث کشش ہو ۔ اور وہ اسلام کے مطالعہ کے لئے آمادہ ہوں کہ یہ کون سا دین ہے ، جن کی وجہ سے ان لوگوں میں یہ بات ہے ، آپکی نگاہیں نیچی ہوں ، آپکے اخلاق درست ہوں ، آپ کے اندر انسانی ہمدردی ہو ، آپ کے اندر اس فساد سے نفرت ہو جو اس وقت ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے ۔ کیا ہو رہا ہے ، روپیہ پوجا جا رہا ہے ، دلہنیں ماری اور جلائی جارہی ہیں ، کم جہیز لے کر آئی ، ابھی ایک مسلمان نے اپنی ایک بہو کو جلا دیا کہ وہ کم جہیز لے کر آئی تھی ، حالانکہ خبر میں لکھا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ جہیز دیا جاسکتا تھا ، لے کر آئی تھی ، ان چیزوں سے آپ کو نفرت ہو آپ کا نمونہ ہندو بھائی کے سامنے ایسا آئے کہ وہ کہیں کہ تم نے یہ کہاں سے سیکھا ، تم کو یہ کس نے بتایا مجھے بھی بتاؤ ۔ تمہاری نگاہیں نیچی رہتی ہیں ، تم میں خدا کا ڈر ہے ، تمہارے اخلاق درست ہیں ، تم کسی اور کے پجاری نہیں ہو ، تم اللہ کے پجاری ہو ، اگر آپ یہ کریں گے تو اسلام پھیلے گا ، اور آپ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے دائرہ تک پہونچے گا ، اور اس دائرہ میں پہونچنے سے آپ کے دائرہ کی بھی حفاظت ہوگی ، اور آپ کی اولاد کے متعلق اطمینان ہوگا ، ان کے چاروں طرف سے دین کا احترام اور دین کی قدر ہے ، سب مسلمان نہ ہوں ، لیکن سب اسلام کا احترام کریں اور دین کی قدر کریں ، اللہ ہم سب کو توفیق دے

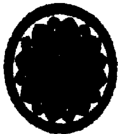
(بقیہ) تاریخ دعوت و عزیمت

میں نے یہ کام شروع کیا اور یہ مضامین تعمیر حیات میں شائع ہوتے رہے ۔ خدا کرے جس مقصد سے یہ لکھے گئے وہ پورا ہو اور طلبا اس سے فائدہ اٹھائیں ، عام طور پر مصنف یا مضمون نگار اپنے کام کے لیے کلمۂ انکسار کہتے ہیں یہ ایک طرح کی روایت ہے مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں یہ علم کے موتی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بے مثال علمی سیمرغ سے چنے گئے ہیں یہ سلک گہر ہے ۔ (میں اپنے پروردگار کا ضرور شکر ادا کروں گا جس نے درد دے کر درماں دیا اور ان مضامین کے لکھنے کی توفیق دی)

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم ۔

ختم شد ۔

نوٹ :- محترم مضمون نگار صاحب پر چار سال قبل دل کا ایسا دورہ پڑا تھا کہ اس کے بعد ان کو جیسے اسی کام کے لیے اللہ تعالی نے دوسری زندگی عطا کی ۔ ہماری دعا ہے کہ ان کی عمر دراز طویل ہو اور وہ اپنی زندگی کے باقی لمحات ندوہ کے زیر سایہ انہیں اسلاف اور علمائے ربانیین کی مجلسوں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی صحبت میں گذار دیں ، شاہجہاں پور کالج کی پرنسپلی سے سبکدوش ہوکر اولیائے کرام کے ان تذکروں روح پرور معطر عنبر فشانی زندگی کے جھونکوں میں دن گذارنے کی سعادت حاصل ہونا بڑی عنایت خداوندی اور خوش نصیبی کی قابل رشک بات ہے (ادارہ)



جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مولانا سید واضح رشید ندوی

ترجمہ: سید جاوید احمد

موجودہ ذرائع ابلاغ یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان ہی سب سے زیادہ مصائب و آلام کے شکار ہیں، اور ان کے ممالک سیاسی کشمکش اور دہشت گردی میں مبتلا ہیں یہ تأثر اتنی قوت اور وسعت سے دیا جاتا ہے کہ خود مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے خصوصًا ان کے دانشور طبقہ کے ذہن میں جو ان ذرائع ابلاغ سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسکو غیر مسلم حلقوں سے زیادہ سابقہ پڑتا ہے کہ آخر کیوں عالم اسلام کی صورت حال دیگر ممالک کے مقابلہ میں زیادہ ابتر ہے؟ اور یہ سوال اکثر مسلمانوں سے گفتگو کے موقعوں پر غیر مسلموں کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے اس لئے کہ عام طور سے لوگ ان صحافیوں کی خبروں اور رپورٹوں پر بھروسہ کرتے ہیں جو اسطرح کی خبریں اسلام دشمنی میں مسلمانوں کے دلوں کے اندر شکوک وشبہات کے بیج بونے کی خاطر تیار کرتے ہیں اور اس کو اسی ذہن سے ترتیب دیتے ہیں، یہ سوال ان لوگوں کے لئے پریشان کن ہوتا ہے جن کے پاس تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے اور مغربی سامراج کی تاریخ کو پڑھنے کا موقع نہیں، موجودہ تحریکات جو یورپ میں اس کی نشأۃ ثانیہ کے بعد وہاں وجود پذیر ہوئی ہیں ان کے متعلق انھیں علم نہیں یورپ کے تاریک عہد سے وہ واقف نہیں، وہاں ہونے والی بغاوتوں اور جنگ وجدال کے سلسلے میں انھیں خبر نہیں، اختلاف عقیدہ کی بنیاد پر "پروٹسٹنٹ" اور "کیتھولک" کے درمیان ہونے والی خونریزیوں محکمۂ تفتیش کی طرف سے دیجانے والی سزاؤں اور سامراجی حکومتوں کے اپنے مقبوضہ ممالک میں کشت وخون قتل وغارت گری جلا وطنی آثار قدیمہ کو مسخ کرنے، آزادی سلب کرنے، نیز عقائد ونظریات کے اختلاف کی بنیاد پر امتیاز برتنے یہاں تک کہ غیر انسانی سلوک کرنے کے سلسلے میں انھیں کچھ معلومات فراہم نہیں، انقلاب فرانس اور انقلاب روس کی خونریزی اور تباہی اور نقل آبادی، زبان وثقافت کو نیست ونابود کرنے ناموں کی تبدیلی، مفتوحہ قوموں کو اپنے عقائد ونظریات کا پابند کرکے باہری دنیا سے اپنے محکوم عوام کا رشتہ منقطع کرنے سے ان کو واقفیت نہیں۔

اپنے جابرانہ نظام کو قائم رکھنے کے لئے اور عوام کے مخالفانہ ردعمل سے بچنے کے لئے ظالمانہ جاسوسی نظام جو تقریبًا نصف دنیا پر اشتراکی نظام کے سایہ میں قائم رہا جس میں بھائی کو بھائی پر اور بیوی کو شوہر پر اور شوہر کو بیوی پر اعتماد نہ تھا اور نکاح کا جس میں کوئی تصور نہ تھا اس کا بھی علم نہیں

جو شخص یورپ کے تاریک عہد اور مذہبی جنون کی تاریخ سے اور موجودہ عہد کی سامراجیت واشتراکیت کی تاریخ سے واقف نہیں اور اس کا پس منظر اسے معلوم نہیں اور ان ستم ظریفیوں سے آگاہ نہیں جن سے قوموں کو یورپی ممالک کے زیر اثر ملکوں کو دوچار ہونا پڑا ہے تو یقینًا اس سوال یعنی عالم اسلام کے ناسازگار حالات وہاں ہونے والے انتشار کے سلسلہ میں جواب دینے میں اس کی پیشانی عرق آلود ہوجائے گی اور وہ اس راہ میں تذبذب کا شکار ہوگا۔

موجودہ میڈیا جس کا اصل موضوع عالم اسلام کی تباہی وخستہ حالی کو اچھالنا ہے اور جو یہ تصور پیش کرتا ہے کہ یورپ کے سوا پوری دنیا جہنم کا ایندھن بنی ہوئی ہے ہمیں ہرگز دھوکہ نہیں دے سکتا اور ہم ان دشمنان اسلام کے تمسخر آمیز سوال کا منہ توڑ جواب بآسانی دو طریقوں سے دے سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم براہ راست یہ سوال اٹھانے والوں کے اپنے تباہ شدہ معاشرے پر ضرب کاری لگائیں اور ان کی تباہ کاریوں کا پردہ چاک کریں دوسرے یہ کہ دفاعیانہ طرز اختیار کریں۔ اور عالم اسلام میں ہونے والے انتشار وکشمکش کے اسباب تلاش کریں اس کی تفصیل وتشریح کریں کہ اس کا اصل ذمہ دار اور محرک کون ہے اور کس کا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ یہ کام زیادہ دشوار نہیں، اس کے لئے حالات حاضرہ سے واقفیت ضروری ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آئے دن یہ سوال اٹھانا ایک عالمی اور بین الاقوامی مسئلہ ہے جس میں سیاسی محرکات وعوامل کار فرما ہیں۔ اور اکثر یہ سوال مسلمانوں کے سامنے چھیڑا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کام ایک خاص پلاننگ کے تحت انجام پا رہا ہے اور اس کے جواب کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے اور تمام باتوں کی ذمہ داری مسلمانوں کے سر تھوپی جاتی ہے۔ "الٹے چور کو توال کو ڈانٹے" کا عینی مشاہدہ آج مسلمانوں کو کرنا پڑ رہا ہے، اور جبرًا ان میں یہ احساس کمتری پیدا کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے کہ ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے، وہ فکری کشمکش کے شکار ہو چکے ہیں، تنزل وپستی کے پورے نرغے میں ہیں، کیونکہ یہ مسلمان ایک قدیم ملت کے پیروکار ہیں لہٰذا ایسی حالت میں نہ ترقی کر سکتے ہیں اور نہ ہی زمانے کے کندھے سے کندھا ملا کر چل سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ دینی مسائل ہی کو حل کرنے اور اس کی گتھیوں کو سلجھانے میں ہی اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرتے ہیں، نیز جہاں ان کے شیرازہ کو بکھیرنے میں ان کے مختلف مسالک وعقائد کا دخل ہے وہیں دوسری طرف ان کی مختلف قومیت گوناگوں ثقافت قدیم وجدید کی کشمکش اور بنیاد پرستی وسیکولرزم کے جھگڑے نے ان کے معاشرے کو پارہ پارہ کر دیا ہے، مزید برآں یہ کہ یہ علم وفن میں دوسروں کے دست نگر اور اقتصادی بدحالی میں گھرے ہوئے ہیں۔

اس سوال کو کثرت سے مسلمانوں کے سامنے لانے اور

ان کی مجلسوں میں اس کو موضوع بحث بنانے کے بہت سے اسباب ہیں انھیں میں سے مسلمانوں میں اپنے بارے میں بے اعتمادی پیدا کرنا اور اسلام کی شکل کو بگاڑنا اور غیر مسلموں میں اسلام کی طرف جو رجحان ہے اس کو روکنا مقصود ہے، عالم اسلام کے مسائل پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر مسائل خود مغربی طاقتوں اور سامراج کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

سامراجیت سے قبل اسلامی معاشرہ صرف ایک اسلامی معاشرہ اور ایک خاندان تھا جس پر عربیت و عجمیت کی کوئی چھاپ، قومیت و وطنیت کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ عربوں کو ترکوں کی حکومت قبول کرنے میں کوئی جھجک ہندوستانیوں کو مغلوں کی سلطنت سے کوئی اختلاف اور صومالیوں کو عربوں کی بادشاہت سے کسی طرح کی شکر رنجی نہیں تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو باہمی پرخلوص رشتہ کی بنیاد پر ایک عالمی قوت حاصل تھی، لیکن افسوس کہ استعماری طاقت کی پرفریب سازشوں نے اس اتحاد کی لڑی کے ایک ایک دانے کو بکھیر کر رکھدیا، نیز ملکی اور علاقائی قومیت کی فکر رائج کردی، اور آج بھی اس کے آلۂ کار ایجنٹ مختلف طریقوں سے اسلام کی چولیں ہلانے اور اس کی بنیاد متزلزل کرنے کی خاطر اس نظریہ کی توسیع و اشاعت میں جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

آج عالم اسلام میں جو کشمکش پائی جارہی ہے اس کا سارا الزام اسی سامراجی موقف کے سر ہے جسے عالم اسلام میں قانونی و شرعی مسائل اور وہاں کے عوام کے اغراض و مقاصد میں دخل انداز ہونے میں مزہ اور لطف آتا ہے خاص طور پر کوئی شخص اگر عالم اسلام میں پائی جانے والی تحریکات دشمن کا بنظر غائر مطالعہ کرے تو اسے مسلمانوں کی زبان و ثقافت کے خلاف تحریکات دشمن کی بھرمار دیکھ کر یقین آجائے گا۔ اور مغرب کی پشت پناہی میں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا گھناؤنا منظر بھی اس کے سامنے ہوگا اور اسے یہ بھی مشاہدے میں آئے گا کہ جو لوگ ملک کے ساتھ غداری اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے انھیں کس طرح شاباشی اور مبارکباد پیش کی جاتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز کیا جاتا ہے اور ان کا کس طرح اعزاز ہوتا ہے۔

یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس طرح کی مزاحمت اور سرکشی دیگر اقوام میں کیوں نہیں پائی جاتی جنھیں اسی طرح سامراجیت سے سابقہ پڑا جبکہ سامراج نے تمام قوموں کے ساتھ جو ان کے سامنے سرنگوں اور ان کے زیر اثر تھے ظلم و بربریت کا معاملہ کیا، لیکن جس نے مسلم اکثریت و اقلیت دونوں ممالک کے ساتھ سامراج کے دوغلے رویہ و سلوک کا مطالعہ کیا ہے، اسے واضح و بین فرق محسوس ہوگا کیونکہ سامراجیت سے قبل پورے عالم میں مسلمان ہی ایک عظیم طاقت کے مالک تھے اس وقت وہ اپنے بام عروج پر تھے اور ان کا ستارۂ اقبال پورے آب و تاب کے ساتھ روشن تھا جبکہ یورپ تنزل و انحطاط کے ظلمتکدوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس لئے سامراجیت کے وقت مسلمان ہی ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے اور انھوں نے دل کھول کر اپنے سینے کی آگ بجھائی اور اس کے سارے اقدامات سے کہ یہ عالمی طاقت دوبارہ ابھر نہ سکے اور ان کے لئے چیلنج نہ بنے۔

اس ظالمانہ رویہ کی اس سے زیادہ واضح کوئی دوسری شہادت نہیں ہوسکتی کہ انگریز جب ہندوستان پر قابض ہوگئے اور انھوں نے اپنا قدم جمالیا تو یہ ہدایت کی کہ تمام اونچے عہدوں پر انگریزوں کا تقرر کیا جائے گا پھر اگر ان میں سے کوئی اس منصب پر فائز ہونے والا نہ ہو تو مسلمانوں کے علاوہ دوسری کسی قوم کے لوگ اس پر متعین کئے جائیں۔

تعلیمی میدان میں ان کا رویہ پورے عالم اسلام میں جانبدارانہ اور متعصبانہ رہا۔ انھوں نے افریقہ کے مسلم اکثریت ممالک میں مسلمانوں کے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں اور دشواریاں قائم کردیں اور اگر کوئی اعلیٰ صلاحیت کا مالک ہو بھی جاتا اور ان تمام دشواریوں کو جھیل جاتا تو اسے کسی طرح سے گرانے اور ناکام کرنے کے ہزار جتن کئے جاتے، زبانی انٹرویو میں اس کو ناکام کیا جاتا، طبی جانچ میں اس کو غیر مستحق قرار دیا جاتا اور اس کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کردیا جاتا تاکہ مسلمانوں کو ذہنی اور عقلی لیاقت کے اندر گھٹیا ثابت کیا جائے اس کی متعدد مثالیں ہیں، انٹرویو میں مسلمانوں کی عزت و کرامت پر چوٹ لگانے والے سوالات قائم کرکے مسلم نوجوانوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی جاتی تاکہ وہ صحیح جواب نہ دے سکیں۔

اگر کوئی شخص سامراجی عہد کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرے تو اسے صاف طور پر مغربی فکر کے لیڈروں اور اس کی تقلید کے دلدادوں کے سلسلہ میں یہ صراحت ملے گی کہ ان کی تقلید صرف دائرۂ ثقافت و فلسفہ تک ہی محدود و محصور رکھنے کی کوشش کی گئی بعض مفکرین کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے — کہ ٹیکنیکل اور صنعتی ترقی کی ضرورت نہیں، مغرب کی تقلید تمدن و ثقافت میں کی جائے تاکہ عالم اسلام ان سب چیزوں کے لئے مغرب کا محتاج رہے جب معمولی اور روزمرہ کی صنعت و حرفت کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے لینے کی کوشش کی گئی تو اعلیٰ پیمانے کی صنعت و حرفت کیونکر ترقی کرسکتی ہے۔

عالم اسلام میں قائم تاریخی کارخانے اور فیکٹریاں بند کردی گئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ یورپ کی فیکٹریوں پر بھروسہ کیا جائے موجودہ دور میں جبکہ بیشتر ترقی یافتہ ممالک ایٹمی توانائی کے مالک ہیں اگر کوئی مسلم ملک اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے تو دنیا میں شور مچ جاتا ہے اور اس کو اسلامی بم کہہ کر دنیا کو خوفزدہ کیا جاتا ہے جبکہ دسیوں ممالک ایسے بھی ہیں جہاں اس فن میں مقابلہ آرائیاں ہو رہی ہیں اور موجودہ میڈیا کی سرپرستی میں اس پر تجربات حاصل کئے جارہے ہیں، چھوٹا سا ملک اسرائیل دفاعی ذرائع اور فیکٹریوں پر فیکٹریاں قائم کر رہا ہے لیکن کسی کو اس پر نکیر کرنے کی جرأت نہیں۔

جن مسائل میں مسلم ممالک اور موجودہ اسلامی معاشرے کی توانائیاں فنا ہو رہی ہیں اس کی پوری ذمہ داری استعماری ممالک کی تقسیم کردینے کی سیاست کے سر ہے اس لئے کہ جس وقت یہ ممالک ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور مختلف حصوں میں بٹنے لگے تو ان کے درمیان متنازعہ سرحدیں قائم کردی گئیں، بعض مسلم علاقے اپنے مرکزی ملک سے الگ کرکے کسی غیر مسلم ملک میں ضم کردئے گئے اس ظالمانہ فارمولا اور معاندانہ نقشہ سازی کی تقسیم میں یہ رسہ کشی اور جنگ ختم نہیں ہو رہی ہے اور وہ علاقے برابر انتشار و خلفشار کے

جال میں پھنسے ہوئے ہیں، اس کشمکش کو قائم رکھنے کے لئے مغرب آپس میں دست وگریباں جماعتوں اور قوموں سے اپنا رابطہ قائم رکھتے ہوئے اسلحہ کے ذریعہ ان کی مدد بھی کرتا ہے تاکہ یہ مسئلہ حل نہ ہونے پائے آج عالم اسلام کے نقشہ کے تحت آنے والے تمام ہی ممالک اسی نازک مرحلہ سے گزر رہے ہیں اور ایسے ممالک کی تعداد نسبتاً دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

تناؤ اور ٹکراؤ اکثر قانونی حق سے محرومی اور حق تلفی کے سبب پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک فطری بات ہے حق تلفی اور محرومی کے شکار جو طبقات ہوتے ہیں ان میں حق سلب کرنے والوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر ایک دور ایسا آتا ہے جب وہ طاقت استعمال کرنے لگتے ہیں، علم نفسیات وسماجیات کے ماہرین اکثر کشمکش کا سبب ذہنی گھٹن اور محرومی کے احساس کو مانتے ہیں آج نفسیاتی وجنسی آزادی کے لئے عالمی کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں، اور انسان کی آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن مسلمان خود اپنے ممالک میں جس گھٹن اور قید کی زندگی گزار رہے ہیں اس کی ان کو کچھ بھی فکر نہیں ہے، بلکہ مزید اس میں اضافہ کے خواہاں ہیں، مسلمانوں پر طرح طرح کے قوانین لاگو کئے جا رہے ہیں جو ان کی طبیعت ومزاج کے یکسر خلاف ہیں ایسی صورت میں یہ کشمکش اور یہ جنگ کیونکر نہ پیدا ہو، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سارے ممالک غیر طبعی حالات میں مبتلا ہیں جو سامراج کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان کو ایسے اقدامات پر مجبور کیا جا رہا ہے جو ان کی تاریخ کے مزاج اور ذوق کے خلاف ہیں، یہ سلسلہ ان کے سیاسی زوال سے جاری ہے۔

مسلم ممالک میں پاکیزہ نفوس افراد کی کمی نہیں ہے جنھیں خیر سے محبت ہے اور جن کی آخری تمنا یہ ہے کہ خیر کا پیغام ہر جگہ عام ہو، جن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہے اور جو دنیا کی لالچ سے بلند ہیں اور جنھیں شر سے نفرت وبغض ہے اور ان کی اس سلسلہ میں آخری خواہش یہ ہے کہ شر وفساد کا یکسر خاتمہ ہو جائے اور وہ طاغوت کے سامنے جھکنے والے نہیں، وہ موت سے ڈرتے نہیں، وہ مال کی محبت سے پاک ہیں، وہ حق کے متلاشی ہی نہیں حق کو قائم کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں اور مقررہ تعلیم کی روشنی میں چلنے والے اپنی لیاقت وصلاحیت میں راسخ العلم اپنی درستگی کے اعتبار سے قوی الایمان اور کامل الیقین ہیں، مصائب وشدائد ان کے ایمان میں کچھ فرق پیدا نہیں کر سکتے خواہ کتنے ہی شدید ہوں اور جب کبھی بھی مغربی تمدن کی خرابیاں سر اٹھاتی ہیں اور اس کے نقصانات سامنے آتے ہیں، تو ان کے ایمان وعزیمت کے سمندر میں موج بلند اور نہنگ حوصلہ مند پیدا ہو جاتا ہے، فدائیت وفنائیت کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ یہ حالات کا رخ بدلنے فساد کو مٹانے میں کوشاں رہتے ہیں اور ہر حال میں کوشاں رہیں گے۔ اس طرح یہ کشمکش جاری رہے گی۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ امت مسلمہ اس غار مذلت سے نکل جائے جس میں وہ سامراجیت اور اس کے بعد مغرب کے ہمنوا حکمرانوں، اس کی ثقافت وعقائد کے دم بھرنے والوں کے عہد میں گر گئی تھی، وہ اعلیٰ قدروں کی اتباع زندگی میں پاکیزگی وپاکدامنی پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں انھیں پابندیوں سے جکڑا جاتا ہے، نقل وحرکت سے روکا جاتا ہے ان کے منہ بند کئے جاتے ہیں، جبکہ وہ لوگوں کے لئے رشد وفلاح اور خیر وصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتے اور نہ وہ دشمنوں سے انتقام کا جذبہ رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کا برا چاہتے ہیں لیکن آج انہیں کو دہشت گرد، بنیاد پرست اور تہذیب وثقافت کا دشمن قرار دیا جا رہا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھدیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

استاذِ محترم مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کی خبر وفات ندوہ میں تاخیر سے پہونچی، اسی زمانہ میں ناظر کتب خانہ مولانا مرتضیٰ صاحب کا انتقال ہوا، دو صدمے ایک ساتھ پیش آئے، اس طرح مولانا محمد اسحاق صاحب پر اظہار تأثر کو کچھ تاخیر ہوئی، تعمیر حیات دونوں پر اہل تعلق کا تأثر دے رہا ہے۔

ادارہ

برصغیر ہند و پاک کے معروف و مشہور عالم دین، مصنف، استاذ اور داعی دین و صلاح مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی صدیقی نے گزشتہ دنوں پاکستان میں رحلت کی "انا للہ وانا الیہ راجعون" ان کی وفات کی خبر ندوہ میں عرب ممالک کے ایک ذریعہ سے تاخیر سے پہونچی، جس نے تمام اہل تعلق و قدردانوں کو ملول و رنجیدہ بنایا، یہ سانحہ علم و دین کا خسارہ ہے اس خبر سے ہم سب کے دلوں میں ان دنوں کی یادیں گھوم گئیں جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ ندوہ میں تھے اور درس و افادہ سے مستفید کر رہے تھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دو دہائیوں سے زیادہ تعلیم و تدریس میں وقت گزارا ہے اس طرح سینکڑوں طلبہ نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ سے ۵۴ کلومیٹر مغرب میں واقع شہر سندیلہ کے رہنے والے تھے یہ قصبہ متعدد دانشوروں، اہل علم و اہل قلم کا وطن ہونے کی وجہ سے معروف ہے، یہ تو انکی شہرت اہل علم کے درمیان اور عام لوگوں میں اس کی شہرت لڈوؤں کی وجہ سے رہی ہے جو اب کم ہو گیا ہے، مولانا رحمۃ اللہ کے والد ماجد سندیلہ کے ایک معزز صدیقی خاندان کے فرد تھے اور پولیس کے ایک بڑے عہدہ پر فائز رہے تھے، دینی جذبہ رکھتے تھے، اپنے بڑے صاحبزادہ کو دینی تعلیم کی طرف لگایا، مولانا مرحوم نے کچھ مدت مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں اور ندوہ میں پھر پرائیوٹ طریقہ سے تعلیم حاصل کی، ندوہ میں ایک مدت تک استاذ رہے وہیں مولانا مرحوم سے مجھ کو بھی شرف تلمذ حاصل ہوا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے میری باقاعدہ ملاقات اور شرف تلمذ کا آغاز دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک درجہ میں قرآن مجید کے درس میں ہوا، میں درجہ میں مولانا کے درس میں شریک ہوتا تھا، ایک روز میں ایسا کرتا پہنے تھا جس کی آستینیں ہاف تھیں یہ وہ زمانہ تھا کہ جنگ عظیم کے بعد کی گرانی اور اشیار کی قلت کی وجہ سے کپڑا بھی کنٹرول سے ملتا تھا، آدمی کے پاس جو بھی کپڑا ہوتا اسکی حفاظت کرتا تھا خواہ وہ کچھ ناقص ہی ہو بہر حال مولانا نے سبق کے بعد مجھے ٹوکا کہ تم کیسے ایسا کرتا پہنتے ہو یہ تمہارے لئے مناسب نہیں، مجھے اس نصیحت سے فائدہ ہوا، اور پھر اس کے بعد ہاف آستین کا کرتا استعمال نہیں کیا اس واقعہ سے میرے دل میں مولانا کی عزت بڑھی اور میں ان کو قریب سے پہچاننے لگا چند برسوں کے بعد تعلیم سے فراغت کر کے ندوہ میں مدرسی کی سعادت حاصل ہوئی تو ضابطہ میں اگرچہ میں اس دائرہ میں داخل ہوا تھا جو ان کا دائرہ عمل تھا لیکن مولانا میرے استاذ تھے اور میں ان کے اس منصب و مقام کو سمجھتا اور لحاظ کرتا رہا اور مولانا کی شفقت بھی اسی طرح قائم رہی، میں برابر ان سے مانوس رہا اور وہ بھی اپنے دینی و علمی افادات سے وقتاً فوقتاً نوازتے تھے، وہ ایک طرف عالم دین تھے اور دوسری طرف دین کے جوشیلے حامی و مدافع تھے انہوں نے دینی جذبہ سے بھوپال میں رہ کر وہاں کے فوجی اسکول سے فوجی ٹریننگ لی تھی اور اس کے لئے وقت صرف کیا تھا، چنانچہ وہ اسکول میں رائج طریقہ سے جسمانی ٹریننگ لینے پر زور دیتے اور کبھی کبھی اسکی نگرانی بھی کرتے، وہ دین کی خاطر جان تک کی قربانی دینے کے جذبہ کا اظہار بھی کرتے تھے،

مولانا مرحوم کا اصل موضوع اصلاً دینی مضامین کا تھا، لیکن اس کے ساتھ انگریزی جاننے کی وجہ سے جدید فلسفہ اور نفسیات کا بھی مطالعہ کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے "اسلامی سیاست و حکومت" پر ایک کتاب تیار کی تھی، جس میں علامہ سید سلیمان ندوی کی رہنمائی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے مشورے بھی شامل تھے، اس کے علاوہ مولانا مرحوم نے ایک کتاب قرآن مجید کے مضامین میں آئی ہوئی نفسیاتی جھلکیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی تھی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے شفقت کی بنا پر مجھ کو اس کا مسودہ برائے مطالعہ عنایت فرمایا تھا، مجھے وہ کتاب بہت اچھی اور قیمتی معلوم ہوئی لیکن میں نے پھر وہ کتاب نہیں دیکھی غالباً وہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت پر بھی ایک مختصر کتاب تصنیف کی تھی جو ان کے ندوۃ العلماء میں رہنے کے دوران انکے بعض شاگردوں نے طبع کرائی تھی۔

مولانا تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر قائم رکھتے تھے اور اس میں ان کا طرز تحقیقی تھا۔ اپنی تحقیق سے وہ بعض ایسے گوشے ابھارتے تھے جو عموماً نظروں سے مخفی رہ گئے ہوتے یا جدید تحقیقات کی رو سے صحیح اور ضروری معلومات میں وہ قیمتی اضافہ کا

باعث ہوتے اس بحث و غور و فکر میں ان کا ذہن اس بات کی طرف ذرا غلو کے ساتھ چلا گیا کہ تاریخ اسلام میں متعدد ایسے حوادث پیش آئے جنمیں بعض شیعہ افراد کی طرف سے امت مسلمہ کی بدخواہی نمایاں تھی اور اس بدخواہی کے سبب سے بعض سنگین واقعات پیش آئے مولانا کا یہ احساس بتدریج بڑھا اور اس کو انہوں نے ذرا زیادہ وسعت کے ساتھ استعمال کیا۔

اس سلسلہ میں مولانا مرحوم کی حس اتنی بڑھ گئی کہ وہ تاریخ کے متعدد واقعات کی بنیاد پر بعض ایسی شخصیتوں پر بھی شیعی ذہن کا اثر دکھانے کی کوشش کرتے جن کے بارے میں اکثر کا اتفاق ہے کہ وہ شیعی ذہن کے نہیں ہیں، مولانا مرحوم کا یہ غلو ان کی دینی حمیت کی بنا پر تھا اور یہ خصوصاً ان کے پاکستان منتقل ہونے کے بعد زیادہ بڑھا تھا، اندازہ یہ ہے کہ پاکستان کے اس وقت کے حالات نے اس میں مہمیز کا کام کیا تھا اور اس ذہن میں غلو پیدا کر دیا تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان منتقل ہوئے ان کے منتقل ہونے سے قبل ان کے سب اعزہ منتقل ہو چکے تھے، پھر ان کے دینی رجحان اور امت مسلمہ کی خدمت کے جذبہ نے ان کے اندر مسلم ملک میں منتقل ہونے کا تقاضا پیدا کیا، لیکن وہاں رہنے کے بعد ان کو احساس ہوا کہ وہ جس توقع سے وہاں گئے تھے وہ پوری نہیں ہوئی، درمیان درمیان میں وہ ہندوستان آتے اور اپنے رفقاء و شاگردوں سے ملتے اور اس طرح پرانی یادیں تازہ ہو جاتی تھیں، مولانا مرحوم خوش اخلاق اور بے تکلف مزاج کے تھے اس لئے ان کے تعلقات بھی وسیع تھے۔

ندوۃ العلماء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دینیات کے مضامین کے ساتھ علوم اجتماعیہ کے بھی بعض مضامین تھے مثلاً معاشیات کا مضمون اور سیاسیات کے اسباق کے مضامین، ترجمہ و تفسیر قرآن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں اس کے علاوہ حدیث شریف کے بھی اسباق تھے کئی سال تک انہوں نے بخاری شریف کا بھی درس دیا، ان پر آخر میں مہتمم کی ذمہ داری ڈالی گئی، جس سے انہوں نے ۱۹۶۹ء میں علیحدگی اختیار کر لی اور اس کے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد پاکستان تشریف لے گئے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کئی برس تک بڑے طلباء کی بورڈنگ کے نگراں بھی رہے، وہ دینی جلسوں میں بھی جاتے اور تقریر و وعظ بھی کہتے تھے، وہ حضرت تھانویؒ کے خلفاء کے مسترشدین میں تھے، انہوں نے اپنی عملی زندگی میں دینی اثر و کیفیت اس راہ سے پیدا کی تھی اور اپنے طلباء کو اسی صلاح و تدین کی طرف راغب کرتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طبابت کا علم بھی حاصل کیا تھا، ممکن ہے کہ انہوں نے شروع میں مطب بھی کیا ہو کیونکہ ان کے نام کے شروع میں حکیم کا لفظ بھی وابستہ کیا جاتا تھا جو انہوں نے بعد میں باقی نہیں رکھا، وہ نبض بھی دیکھتے تھے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے ان کو نبض پہچاننے کی کافی حد تک مشق تھی جو صرف حاذق اطباء کو ہوا کرتی ہے

۱۹۴۷ء کے انقلابی حالات کے اثر سے مسلمان رہنمایان ملت کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ اس ملک میں اسلام کی بقاء کے لئے جو مسلمانوں کے بقاء کے لئے ضروری ہے دعوت و تبلیغ کا کام علمی انداز میں غیر مسلموں میں بھی کرنا چاہئے اس کے سلسلے میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے ایک مجلس، مجلس اشاعت کے نام سے قائم کی تھی، جسمیں مولانا اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ معاون تھے بلکہ وہ کچھ مدت کے لئے اس مجلس کے ناظم بنے اور اس کے لئے کام انجام دیئے، انکی نظامت میں مجلس نے ہندی و انگریزی میں متعدد مؤثر خطبات شائع کئے یہ کام ایک مدت تک ہوتا رہا اور اس سے فائدہ پہونچا۔

مولانا نے اپنے پیچھے بہت سی یادیں چھوڑیں جو ان کے محبین و تلامذہ کا یہ احساس بڑھاتی ہیں ان کی وفات ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے ایک خسارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور لغزشوں کو معاف کرے اور اپنے قرب میں جگہ دے (آمین)

شریعت کے ازدواجی قوانین میں

عورتوں کے حقوق

—— مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

انسان کی فطری ضرورتوں اور طبعی تقاضوں میں سب سے اہم یا اہم ترین میں سے ایک۔ وہ تقاضا ہے جس کی تکمیل ازدواجی رشتہ سے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جیسے اہم تقاضے کی طرف سے کوئی معمولی سا قوانین کا مجموعہ بھی صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔ چہ جائے کہ احکم الحاکمین کی طرف سے عطا کردہ وہ دستور، جو پوری انسانیت اور اس کے ہر ہر تقاضے کی رعایت اپنے اندر لئے ہوئے ہے، وہ بھلا کس طرح اسے نظر انداز کرسکتا ہے۔ (اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ)۔

خداوندی قانون میں اس تقاضہ کو کتنی اہمیت دی گئی ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اور کسی انسانی شخصی و عملی، ضرورت کے لئے اتنے مفصل اور واضح احکام و ہدایات قرآن و سنت میں نہیں ملتے جتنے اس کے بارے میں ملتے ہیں (چنانچہ قرآن مجید کی چھ سورتوں۔ بقرہ، نساء، نور، احزاب، ممتحنہ اور طلاق کی تقریباً چالیس آیتوں میں عائلی قوانین و ہدایات دی گئی ہیں اور ان احادیث نبویہ کا تو شمار ہی مشکل ہے جن میں ایسی ہدایات ہیں جو فرائض و واجبات یعنی قانونی حیثیت رکھنے والے امور کا اظہار و بیان پر ہی مشتمل وہ ہدایات نہیں ہیں بلکہ مستحبات و مندوبات (ترجیحی اور نسبۃً بہتر پہلوؤں) کی نشاندہی بھی ان میں بکثرت موجود ہے۔ یہ بجائے خود اس موضوع کی اہمیت اور عند اللہ مطلوبیت کی مستقل دلیل ہے۔

یہاں ان سب کا احاطہ نہ مقصود ہے اور نہ آسان، کیونکہ ان کی تفصیلات کا احاطہ، کوئی مقالہ نہیں ضخیم کتاب ہی کرسکتی ہے۔ بحمد اللہ اس موضوع پر متعدد مفید کتابیں موجود ہیں، راقم سطور کی کتاب "معاشرتی مسائل" بھی اسی طرح کے موضوع پر عرصہ ہوا سامنے آچکی ہے، (جس کے متعدد ایڈیشن "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوچکے ہیں) بلکہ صرف ازدواجی رشتہ قائم ہوجانے کے بعد اسے خوشگوار طریقہ اور بہتر طور پر نباہنے کے لئے جو ہدایات و تعلیمات قرآن و سنت میں ہمیں ملتی ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ اس وقت پیش نظر ہے۔

اس حقیقت سے انکار آج بھی ممکن نہیں کہ اس رشتہ (یا عقد و معاہدہ) میں ایک فریق فطری طور پر کمزور و نازک ہوتا ہے (اس صنف کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث نبویؐ میں اسے "قواریر" (آبگینہ) کہا گیا ہے۔ (دیکھئے بخاری ج ۲ ص ۹۱۷ مسلم ج ۲ ص ۲۵۵) دوسرا نسبۃً مختلف اعتبارات سے مضبوط اور طاقتور، اور سب جانتے ہیں کہ طاقتور کا کمزور کو حق دینا، حیوانی طبیعت کے مطابق۔ آسان نہیں ہوتا، جو بیدار مغز شخص بھی اسلامی تعلیمات و ہدایات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے گا اس کے سامنے یہ حقیقت آجائے گی کہ دونوں کے فطری فرق کی پوری پوری اس میں رعایت کی گئی ہے۔ لیکن کسی صنف یا مجموعہ کی رعایت پر مشتمل قوانین و ہدایات کا تنہا مرتب و معلوم ہوجانا پورے قانونی حقوق دلانے کے لئے عموماً کافی نہیں ہوا کرتا جس کی سب سے نمایاں اور واقعاتی مثال اقلیتوں کے حقوق ہیں کہ اگرچہ بہت سے ملکوں کے دستور انھیں برابر کے حقوق دیتے ہیں، مگر عملاً کیا ہوتا ہے؟ اسے بتلانے کی ضرورت نہیں!

وجہ ظاہر ہے کہ اپنی ذات پر جبر کرکے یا نقصان اٹھاکر ضعیف کی رعایت کرنے پر آسانی سے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، جب تک کسی کا خوف یا کوئی لالچ نہ ہو۔ دنیاوی قوانین۔ بالخصوص ایسے قوانین کہ جن پر عمل کرنے میں مادی نقصان یا طبیعت پر جبر ہوتا ہو۔ عمل پر آمادہ کرنے میں بالکل ناکام ہوچکے ہیں۔ خاص طور پر ایسی شکل میں جہاں قانونی چارہ جوئی اور مظلوم کی دادرسی کا امکان بھی بہت کم ہو اور یقیناً زوجین کے حقوق و معاملات اصلاً اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں جن کا کسی بھی غیر کے سامنے بیان کرنا تک باعثِ ننگ، بلکہ بسا اوقات تباہ کن، بالخصوص عورت کے حق میں ہوتا ہے، تو بجز خوف خداوندی کے اور کوئی ایسا مؤثر عامل نہیں ہے، جو کسی کا حق دینے پر۔ طبیعت کے نہ چاہنے بلکہ بار خاطر ہونے اور مادی نقصان کی صورت میں بھی، طاقتور کو مجبور کرسکے، غالباً اسی وجہ سے رشتۂ ازدواج کے انعقاد۔ یعنی نکاح کے وقت جو خطبہ (اتباع سنت میں) پڑھا جاتا ہے اس میں قرآن مجید کی وہ تین آیتیں پڑھنا مسنون ہے جن میں "تقویٰ" (یعنی خوفِ خدا کا نیز اس کے بتائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی سے بچنے کا حکم ہے) اور ان میں جو آیت سب سے پہلے پڑھی جاتی ہے (یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ) اس کے اندر تو خوف خدا کے حکم کے ساتھ یہ بات بھی بتادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک، انسان ہونے کے لحاظ سے برابر ہے (یعنی قوت و ضعف کے فرق کے باوجود) اس لئے کسی کو کمتر سمجھنا نہ صرف ظلم بلکہ خلافِ حقیقت اور انسانیت سے بعید ہوگا۔

یہ طبعی بات ہے کہ نازک چیز یا جسم کے نازک حصہ کی رعایت سب سے زیادہ ہوتی ہے، مثلاً اس سے کوئی ایسا کام متعلق نہیں کیا جاتا جو اس کے لئے ضعف و نزاکت کی بنا پر ناقابل تحمل ہو، سچ پوچھئے........

تو عورت کو حجاب کا حکم دینے میں اسی وصف نزاکت کی رعایت ہی مقصود ہے۔ کیوں کہ نازک اور قابل احترام چیز کی رعایت و حفاظت زیادہ کی جاتی ہے، اگر عورت واقعی حقیقت شناس ہو اور اپنی قدر پہچان لینے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ تو اس کے نزدیک سب سے بہتر چیز" جانب کی نگاہوں سے اپنی حفاظت ہوگی "جیسا کہ خاتون جنت (بلکہ جنتی عورتوں کی سردار) حضرت فاطمہؓ نے اپنے والد معظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس سوال کے جواب میں کہ "عورت کے لئے سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ فرمایا تھا" نہ وہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے اور نہ اسے کوئی اجنبی مرد دیکھے"

اس لئے شریعت نے کوئی ایسی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی جو اصل فطرت کے لحاظ سے اس پر بار ہو، چنانچہ شریعت نے اس پر نفقہ کی (خود عورت کے اپنے نفقہ کی بھی) ذمہ داری عام حالات میں نہیں ڈالی، اس بارے میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ عورت کا۔ شادی سے قبل۔ نفقہ اس کے والد پر ہے، والد نہ ہونے یا اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ ہونے کی صورت میں، حسب اصول وراثت دادا، چچا، بھائیوں وغیرہ پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس عورت کی وفات کی صورت میں جس وارث کو شرعی طور پر جتنا حصہ مل سکتا ہے اسی نسبت کے بقدر اس عورت کے (موجودہ شکل میں) متوقع وارث پر اخراجات لازم ہوں گے (شامی ج ۲ ص ۶۸۱۰۲) اس سے شریعت کے ایک اور حکیمانہ اصول کا پتہ چلتا ہے کہ اس میں منافع کو ذمہ داریوں کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے شادی کے بعد شوہر پر، شوہر سے علیحدگی کی صورت میں بھی عدت کے درمیان پورے اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں، یہاں تک کہ اگر بیوی کھانا پکانے کی عادی نہ ہو تو پکا پکایا کھانا مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہوگا۔ یا باورچی کا انتظام کرنا ہوگا۔ اور شیر خوار بچہ کی موجودگی میں عدت کے بعد بھی جب تک، بچہ کا دودھ نہ چھوٹے اس کے اور بچے کے اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں۔ بچے کا دودھ چھوٹنے کے بعد بھی اس کی پرورش کرنے کی وجہ سے اگر وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کرتی اور بچہ کی پرورش میں مشغول رہتی ہے، تو پوری مدت کے درمیان (جو لڑکے کے لئے تقریباً سات سال اور لڑکی کے لئے بلوغ تک ہے) اس کا اور بچہ کا خرچ بچہ کے باپ کے ذمہ رہے گا۔ مزید یہ کہ باپ، بچہ کی ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کر سکتا، (احکام القرآن للجصاص جلد ۱ ص ۴۰۶) الا یہ کہ بچہ کی جان یا صحت کو خطرہ ہو، اگر ماں دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو باپ کو دوسری دودھ پلانے والی عورت کا انتظام کرنا پڑے گا (اگر وہ خوشحال ہو) عدت کے بعد اولاد پر، اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں پھر شادی سے قبل کی طرح والد یا دیگر قریبی رشتہ داروں پر ہے۔ اور جن لوگوں پر عورت کے اخراجات لازم کئے گئے ہیں وہ محض رضا کارانہ نہیں بلکہ قانونی طور پر واجب ہیں۔ یعنی اس کے لئے ان لوگوں کو مجبور کیا جائے اور قانوناً ان سے دلوایا جائے گا۔ شوہر اگر خوشحال ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق بیوی کو اخراجات دلوائے جائیں گے اور (عورت کو بعض شکلوں میں) ان کی طرف سے حکومت قرض بھی دلوا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر عورت کے رشتہ دار بھی نہ ہوں (یا اس لائق نہ ہوں) نیز اور بھی کوئی ذریعۂ معاش نہ ہو تو پھر اس کے نفقہ کی ذمہ داری حکومت وقت پر ہے (شرعی حکومت نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین اس کی قائم مقام ہوتی ہے)

خلاصہ یہ کہ عورت کو اپنی ضروریات زندگی کے واسطے کمانے کی محنت و مشقت سے ہمیشہ کے لئے بچایا۔ اور اس کا تکفل اکثر کسی نہ کسی مرد کے ذمہ کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی "آبگینہ" کی رعایت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہیں سے ترکہ میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے (اکثر عورتوں میں) کم ہونے کی حکمت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ عورت پر عام ونارمل حالات میں ایسی کوئی مالی ذمہ داری شرعاً عائد ہی نہیں ہوتی کہ وہ خرچ کرنے پر مجبور رہو، مزید برآں مرد کے خلاف، عورت کو نکاح کرنے کی صورت میں مہر بھی ملتا ہے۔ جو اکثر خطیر رقم ہوتی ہے۔ اور اس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری شوہر ہی پر ہوتی ہے اس طرح عورت ترکہ میں حصہ بظاہر کم پانے کے باوجود زیادہ کی مالک بن جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی عورت ایک لڑکا اور ایک لڑکی وارث چھوڑ جائے اور تیس ہزار روپیہ کا ترکہ ہو تو لڑکے کو بیس ہزار اور لڑکی کو دس ہزار روپے ملیں گے پھر اس کے بعد اگر لڑکا اور لڑکی دونوں شادی کریں، اور فرض کیجئے ہر ایک کا مہر دس ہزار روپیہ مقرر ہوا تو لڑکے کے پاس مہر کی رقم نکالنے کے بعد دس ہزار روپیہ رہ جائیں گے اور لڑکی کو شوہر کی طرف سے مہر کی رقم مل جانے کے بعد اس کے پاس بیس ہزار روپیہ ہو جائیں گے۔ مزید یہ کہ لڑکے کو اپنے ذاتی اخراجات کے ساتھ اپنی بیوی کے اخراجات بھی اٹھانا ہوں گے۔ اور لڑکی پر کوئی خرچ نہیں، خود اس کا اپنا بھی نہیں کیونکہ وہ بھی اس کے شوہر کے ذمہ ہوگا، اس طرح عورت، ترکہ میں حصہ ابتداءً کم پانے کے باوجود۔ بالآخر زیادہ مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ جو فی الواقع اس کے بینک بیلنس بڑھانے کا ہی ذریعہ ہوگا۔ کسی حقیقی ضرورت پر خرچ کی نوبت شاید ہی آسکے گی! پھر عورت اسلامی شریعت کے مطابق شادی سے قبل کی طرح شادی کے بعد بھی نہ صرف اپنے والدین (اور بعض صورتوں میں بھائی بہن وغیرہ) کے ترکہ میں شریک ہوتی ہے۔ بلکہ اپنے شوہر اور اولاد کی میراث میں بھی حصہ پانے کی مستحق ہوتی ہے اسی بنا پر بہت سے حقیقت پسند اور منصف مزاج باخبر غیر مسلم مفکرین بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور رہو ئے کہ "اسلامی قوانین میں عورتوں کو جتنے حقوق دیئے گئے ہیں وہ کسی بھی قانون میں نہیں دیئے گئے" (حوالہ کے لئے دیکھئے اجلاس احمد آباد اکتوبر ۱۹۸۵ء میں پڑھا گیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا خطبۂ صدارت)

لیکن تعجب ہے کہ ان شرعی قوانین کو جن میں عورتوں کے اتنے حقوق اور رعایتیں دی گئی ہیں جو کسی بھی ملکی یا مذہبی قوانین میں نہیں دیئے گئے ہیں۔ حقوق نسواں کی پائمالی کرنے والا ٹھہرایا اور کہا جا رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں ایسی تہذیب و معاشرت کو عورت کے حقوق کا نگہبان اور ان کی عزت افزائی کرنے والا قرار دیا جا رہا ہے جس نے اسے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے بسوں کی کنڈکٹر اور دکانوں کی سیل گرل ہی نہیں بنایا بلکہ "کال گرل" جیسی لعنت میں گرفتار کیا۔ اور مردوں کی تفریح طبع کے لئے بے پردہ کرا کے اسے شمع انجمن بنایا اور جس کی برہنہ اور نیم برہنہ تصویروں کو بازاری سامان کی طرح ہر گلی کوچے میں نیلام ہی نہیں،

رسوا کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود یہ تہذیب عورت کی محسن و خیر خواہ ہے! ؎
خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد،

عورت کی صنفی رعایت ہی کا احترام و لحاظ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مردوں کو خاص طور پر حکم دیا ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ النساء آیت ۱۹) یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر زندگی گذارو، اور اللہ کی کتاب کے اسی کی طرف سے شرح و تفصیل کرنے والے سچے رسولؐ نے حسنِ معاشرت کا قولی ہی نہیں عملی طور پر نمونہ پیش کیا جس سے زیادہ بہتر کا تصور کرنا بھی مشکل ہے بشیر النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس سلسلہ کے یہاں چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، گھر کے کام کاج میں ازواج کا ہاتھ بٹاتے تھے" اس کی تشریح زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہؓ نے (ان سے زیادہ گھریلو زندگی کے بارے میں معتبر یا کسی اور کی شہادت نہیں ہو سکتی) یہ فرمائی کہ "آپؐ اپنے کپڑے صاف کر لیتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، کپڑے خود سی لیتے، چپل درست کر لیتے، اور ڈول کی مرمت کر لیتے تھے آپؐ نے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہؓ کی دلجوئی کی خاطر ان کے ساتھ بھاگ دوڑ میں مقابلہ بھی کیا۔ اور ان کی کم عمری کی وجہ سے انھیں سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی، آپؐ کا کریمانہ برتاؤ صرف حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا بلکہ ایسا ہی برتاؤ کم و بیش تمام ازواج کے ساتھ تھا۔ بیوی کے ساتھ رعایت اور حسنِ سلوک کا آخری درجہ یہ ہے کہ اس کی وفات کے بعد بھی خیال رکھا جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجۂ اولیٰ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد انہیں برابر یاد فرماتے۔ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے اور یہ معمول بھی تھا کہ کبھی بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کی بڑی مقدار ان مرحومہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلیوں کو بھجواتے" اسی بنا پر ازواج مطہرات کا متفقہ فیصلہ تھا کہ آپؐ بحیثیت بہترین شوہر کے بھی بے نظیر و عدیم المثال تھے، آپؐ نے امتیوں کو بھی عورتوں (اپنی بیویوں) سے میٹھے انداز میں گفتگو کرنے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی فرمایا (شوہروں سے) کہ بقدر امکان حلیہ بھی تم بہتر بنائے رکھو، جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ عورتیں تمہارے لئے سنگار کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ازواج کے ساتھ خود کریمانہ برتاؤ کیا۔ اسی طرح اپنی امت کے مردوں سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ کریں۔ اگر خصوصی طور پر اس کی تاکید نہ بھی کی جاتی تب بھی نبی اکرمؐ کی اتباع کے عام حکم کا تقاضا یہی ہوتا لیکن اس کے باوجود خصوصیت کے ساتھ آپؐ نے مختلف موقعوں اور متعدد پیرایۂ بیان میں اس بات کی تاکید اور نصیحتیں فرمائیں۔ مثلاً ایک موقع پر عورت کی خلقی کمزوری کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرنے کا حکم دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی طرف سے کچھ کوتاہی ہو جانے کے باوجود (جس میں وہ فطری طور پر معذور سی ہے) اس کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کرتے رہو، برکت و بصیرت کے لئے اصل کلمات طیبات پڑھتے چلیں:۔ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا (بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۶۹) عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے کے (بارے میں میری) نصیحت مان لو۔

غور فرمائیے۔ اس صنف کے ساتھ کس درجہ مراعات کا حکم دیا جا رہا ہے کہ عورت سے اگر ناگواری پیدا کرنے والی حرکات سرزد ہوں تو بھی تحمل کا ثبوت دو اور اس میں اسے معذور گردانتے ہوئے بہتر سے بہتر سلوک کرتے رہو، تکلیفیں سہتے رہنے کے باوجود کریمانہ برتاؤ کرتے رہنے پر ذہن کو بھی مطمئن کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا،

"لا يفرك مومن مومنة إن كره منها خلقا رضي منها آخر" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۵)۔

یعنی کوئی شوہر اپنی بیوی سے تعلقات (کسی ایک آدھ ناگوار بات کی بنا پر) ایکدم منقطع نہ کرلے۔ (کیونکہ) اس کی کوئی بات اگر ناگوار ہوئی ہے تو کچھ باتیں اس میں ضرور پسندیدہ بھی ہوں گی! غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے اس طرح غور کرنا کس درجہ مؤثر ہوگا؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بندہ کو ایمان میں کمال اسی وقت حاصل ہوگا، جب حسنِ اخلاق میں وہ انتہائی درجۂ بلند پر پہونچ جائے، یہ بھی فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے بہتر وہ مسلمان ہے جو اپنی (خدا ترس) بیوی کی نظر میں بھی بہتر ہو (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایمانا أحسنهم خلقا وخياركم خياركم لنسائهم (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸)

ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کو بسر و چشم قبول کرنے والوں نے عورتوں کے واجب حقوق ادا کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی دلجوئی اور رعایت میں اس حد تک چلے گئے جس سے زیادہ کا تصور بھی مشکل ہے۔ جس کی ایک نمایاں مثال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے طرزِ عمل میں ملتی ہے۔ جیسے وہ خود ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں "إني لأتزين لامرأتي كما تتزين لي، لقوله تعالى وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" (بحوالہ تفسیر المنار ج ۲ ص ۳۷۷ از علامہ رشید رضا مصری) یعنی میں اپنی بیوی کی خاطر بنا سنورا رہتا ہوں جیسا کہ وہ میری خاطر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ شوہر کے بیوی پر جیسے حقوق ہیں ویسے ہی بیوی کے شوہر پر بھی ہیں۔ صنف نازک کی دلداری اور رعایت کا آخری درجہ یہ ہے کہ جب نباہ نہ ہو سکنے کی بنا پر مجبوراً طلاق کی نوبت آجائے۔ اور علیحدگی ضروری ہو جائے تو ایسے نازک وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے:۔ وَسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اور سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (سورۃ بقرہ ۲۳۱ والاحزاب ۴۹) یعنی بیویوں سے علیحدگی بھی خوش اسلوبی اور اچھے طریقے سے اختیار کرو۔

دنیا کے قوانین شاید اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہوں بلکہ انسانی نفسیات کی تاریخ میں غالباً یہ حکم نوادر میں شمار کئے جانے کے لائق ہو کہ ایسی حالت (طلاق کے وقت) میں جبکہ عموماً دونوں طرف انتقامی جذبات کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے اور نفرت عروج پر ہوتی ہے' قرآن حکیم میں مرد کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ عورت کے تمام واجب حقوق ادا کرنے کے ساتھ مزید کچھ تحفہ کے طور پر بھی (دے وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ) تاکہ اس کی دل شکنی

کی تلافی ہو۔

گزشتہ صفحات میں عورت کے مرد پر حقوق، یا عورت کے ساتھ رعایت کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ قانونِ شریعت میں عورت کو ہر ذمہ داری سے بری، اور شوہر کو اپنی بیوی کی صرف ناز برداری کرنے اور اس کی تمام مناسب و نامناسب فرمائشوں کی تکمیل کا ہی حکم دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ حکیم و خبیر کے عطا کردہ قوانین اور نبی فطرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایات اس درجہ غیر حکیمانہ اور غیر متوازن کیونکر ہو سکتی ہیں کہ جس سے معاشرتی نظام ہی برباد ہو کر رہ جائے جو اس رشتہ کا اصل مقصود ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں عموماً ہر فریق کو اس کی ذمہ داریاں اور فرائض بتا کر انھیں پورا کرنے پر زور دیا گیا ہے، جس کے نتیجہ میں ہر ایک کے حقوق بھی مل جاتے ہیں اور اطمینان بھی نصیب رہتا ہے۔ جس سے انتہائی خوشگوار طریقہ پر نباہ ہوتا ہے یہی طریقہ اسی بارے میں بھی اختیار کیا گیا ہے جس سے نہایت اعلیٰ درجہ کا توازن و اعتدال پیدا ہو گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق اور مردوں کے فرائض کا ذکر ہو جانے کے بعد مناسب ہوتا کہ مردوں کے حقوق اور عورتوں کے فرائض کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کا مختصر تذکرہ بھی کر دیا جاتا مگر اختصار کے پیش نظر ایسا نہیں کیا جا رہا ہے، البتہ اتنی بات کا ذکر ناگزیر معلوم ہو رہا ہے۔ کہ دونوں کی زندگی ایسی ہی صورت میں خوشگوار رہ سکتی ہے کہ جب دونوں طرف سے ایک دوسرے کی رعایت ہو۔ یعنی صرف قانونی اور واجبی حقوق و فرائض کی ادائیگی ہی پر اکتفا نہ ہو بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ کر یگانگت کا برتاؤ ہونا چاہیئے، اس موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب علیہ الرحمۃ کا ایک حکیمانہ قول۔ جو خود راقم نے ایک نکاح کے موقع پر سنا ہے۔ نقل کرنا مفید ہوگا۔ وہ یہ کہ "میاں بیوی کے درمیان ضابطہ کا نہیں رابطہ کا تعلق ہونا چاہیئے" قرآن حکیم کے اندر ایک موقع پر زوجین کے باہمی تعلق کو "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" (یعنی تمہارے لئے (بمنزلہ) لباس ہیں اور تم ان کے لئے) کے بلیغ و معجزانہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

مشہور انشاء پرداز عالم و مفسر مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم نے بصیرت افروز اور دلربانہ انداز میں آیت بالا پر جو نوٹ لکھا ہے جی چاہتا ہے کہ اسے پیش کر دیا جائے، مولانا لکھتے ہیں:۔ "قرب و اتصال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے پردہ دار، اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے گویا اردو محاورہ میں دونوں میں "چولی دامن کا ساتھ" وہ ان کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں اور یہ ان کے حق میں ..... غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا ایک وصف امتیاز اس کی پردہ پوشی ہے لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے اس کے حسن کو ابھارتا ہے ..... گویا اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا ..... جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی، روحانی، عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو اس صورت میں عورت کے اخلاق کا کمال یہ ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے۔ اس پر صبر کرے اسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے اور "ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من" کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ھذا مرد کے بھی کمالِ اخلاق کی معراج یہی ہے۔ دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بتا دیا۔ یہ اسی مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے ؎

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا"

رعایت نرمی و ہمدردی پر مبنی یہ اسلامی قوانین اور نبوی ہدایات اور عملی اقدامات صرف بیویوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ پوری صنف نازک ان کریمانہ و ہمدردانہ عنایات کے دائرہ میں آجاتی ہے، سب واقف جانتے ہیں کہ قبل از اسلام عرب میں لڑکیوں کی پیدائش باعثِ شرم اور منحوس سمجھی جاتی تھی، لڑکی کا باپ مارے شرم کے منہ چھپاتا پھرتا تھا اس کا چہرہ اتر جاتا تھا۔ چنانچہ وہ اس "عار" سے بچنے کے لئے زندہ لڑکی کو مٹی میں دبا دیتا تھا (قرآن مجید کی سورۃ النحل میں اس کی پوری تصویر کشی کر دی گئی ہے) نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی پیدائش کو باعثِ خیر و برکت بتایا اور ان کی پرورش و نگہداشت پر جنت کی خوشخبری سنائی، فرمایا۔ "جو شخص لڑکیوں کی بہترین طریقہ پر تربیت اور اچھا برتاؤ کرے گا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔ (بخاری) اور فرمایا: "جو شخص دو تین بہنوں یا لڑکیوں کی بہتر انداز میں پرورش کرے اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے وہ جنت میں جائے گا اور اللہ کے رسول کے ساتھ (جنت میں) اتنا قریب ہوگا جتنا ایک ہاتھ کی دو انگلیاں ہوتی ہیں۔"

اس شوق انگیز اندازِ بیان کے بعد بھلا کون سچا مسلمان ہوگا جو لڑکیوں اور بہنوں کی پرورش و تربیت خوشدلی سے نہیں کریگا ان تعلیمات کا ایک اثر یہ ہوا کہ غیر شادی شدہ لڑکی کو (اسی عرب میں جہاں لڑکیاں زندہ دفنا دی جاتی تھیں) وہاں "کریمہ" (معزز اور لائقِ صد احترام لڑکی) کہا جانے لگا اور نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر بھی ان سے کریمانہ برتاؤ کیا جانے لگا اور آج تک مسلم معاشرہ میں پوری دنیا کے اندر بالعموم ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جا رہا ہے، جبکہ (افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے) بعض غیر اسلامی معاشروں میں لڑکیوں کے ہلاک کرنے کی جاہلی قدیم رسم مختلف شکلوں میں پھر زندہ کی جا رہی ہے اور اس کے لئے نت نئے طریقے دریافت کرلئے گئے ہیں جن کے ذریعہ حالتِ حمل میں ہی اندازہ ہو جانے کے بعد اسقاط کرا دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ صنفِ نازک ہی کی ایک فرد، ماں بھی ہے جس کے احترام اور عزت کی بابت اسلامی ہدایات کا احاطہ کرنا ہی مشکل ہے، آخری بات یہ ہے کہ اس کے پاؤں کے نیچے جنت بتائی گئی ہے اس سے زیادہ بلند مرتبہ کا تصور بھی مشکل ہے جو اسلامی تعلیمات میں ماں کو دیا گیا ہے پھر بھی اسلام پر عورت کی بے عزتی کرنے کا الزام کیا درست قرار دیا جا سکتا ہے؟!!

ناز بردار بھائی[١]

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

"تیز بخار و درد اور کرب و بے چینی میں مبتلا بچہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور سسکیاں و آہیں سنائی دے رہی تھیں، پاس بیٹھی ہوئی فکرمند و غمزدہ ماں نے پریشان ہو کر پوچھا: بیٹے! رو کیوں رہے ہو؟ کیا تکلیف بہت زیادہ ہے؟ بچہ نے جو ابھی سنِ شعور کو نہ پہونچا تھا آہستہ سے اٹک اٹک کر شکستہ الفاظ میں کہا: بھائی دور چلے گئے ہیں!"

مندرجہ بالا الفاظ راقم سطور نے اس وقت ادا کئے تھے جب وہ چند برس کا تھا، اپنے اس بھائی کے بارے میں جو مظاہر علوم سہارنپور تعلیم کے لئے گئے ہوئے تھے، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب، جو ۴ نومبر ۱۹۹۵ء کی شب میں ½ ۲ بجے ہم سے اچانک اور ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے، ان کی بے پایاں شفقت و محبت، سرپرستی، اور برادر نوازی بلکہ ناز برداری ایک ایک کرکے یاد آرہی ہے، اس بچپن میں اور بیماری کے وقت بھائی کی محبت و شفقت کی یاد ہی نے آنسو جاری کر دیئے تھے جس کے مناظر گھر میں اکثر دیکھنے میں آتے تھے۔

ابھی ہوش و خرد کی آنکھیں پورے طور سے کھلی بھی نہ تھیں کہ گھر میں ماں باپ کے بعد بھائی جان مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کی عنایت، لطف، نرم گفتاری اور شیریں کلامی سے ہم کنار ہوا، وہ گھر سے دور عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے رہائش پذیر تھے، جب چھٹیوں میں گھر آتے اور گھر کیا آتے کہ گھر و گاؤں میں بہار آجاتی۔ مسرت کی کلیاں کھل اٹھتیں، اور کھلے ہوئے پھولوں کی مہک اور خوشبو دو چند ہو جاتی اور پورا خاندان اور گاؤں عطر بیز اور مشک بار ہو جاتا، والد محترم رحمہ اللہ اطمینان محسوس کرتے، والدہ معظمہ مرحومہ کو آرام و راحت کا موقع مل جاتا کہ اب وہ باورچی خانہ کے بھی بہت سارے کام انجام دیں گے اور آرام پہونچائیں گے خدمت بھی کریں گے علاوہ بہن بھائیوں کو تحفوں کے علاوہ شفقتوں اور نوازشوں سے ڈھانپ لیں گے، وہ ہم چھوٹوں سے کام لیتے تھے مگر نرمی اور ہمت افزائی کرکے ڈانٹتے اور مارتے بھی تھے مگر دل میں محبت و اچھی تربیت کا جذبہ دبا ہوتا، میں نے پہلی بار انہیں کی زبان سے چند کام کرانے کے بعد یہ فارسی کی مثل سنی "سگ باش برادر خورد مباش" میں اپنے بھائیوں، بہن میں سب سے چھوٹا تھا، اس لئے قدرتی طور سے میرا سب ہی خیال رکھتے تھے، مگر بھائی جان کی بات ہی کچھ اور تھی، وہ ہمارے خاندان کے پہلے فرد تھے جو دو نسلوں کے بعد اور جدامجد مولانا سید جعفر علی نقویؒ خلیفہ ارشد حضرت امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمہ اللہ کے بعد گھر سے دور تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے عالمیت کی سند اور دستار بندی سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہوئے، چونکہ اپنے اعلیٰ اخلاق، صلاح و نیکی اور خدمت گذاری کی بناء پر خاندان، گھرانہ، والدین اور بھائیوں بہنوں میں محبوبیت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، اس لئے ان کے عالم ہونے پر بہت زیادہ خوشی منائی گئی۔ گاؤں مجھوا میر کی مسجد میں ان کی پہلی تقریر کرائی گئی تو بڑا مجمع تھا، اور سب نے والد محترم رحمہ اللہ کو مبارکباد پیش کی، صرف مسلمانوں نے نہیں بلکہ قرب و جوار کے ہندوؤں نے بھی یہ کہہ کر مبارکباد دی کہ ہمارے علاقہ میں عرصہ دراز کے بعد ایک عالم دین ہوا ہے۔

میں ابھی گاؤں کے پرائمری اسکول میں زیر تعلیم تھا، بھائی جان مولانا محمد مرتضیٰ صاحب چھٹیوں میں گھر آتے تو مجھے اس بات کی خوشی ہوتی کہ تحفہ اور ہدیہ کے علاوہ ان کے دوران قیام بعض بڑوں کی ڈانٹ اور مار سے محفوظ رہوں گا، ساتھ رکھتے، پڑھاتے، جو پڑھا ہوتا وہ سنتے، مسرت کا اظہار کرتے، ہمت افزائی کرتے اور انعام دیتے۔

کچھ قریبی عزیزوں کے شدید اصرار پر میرے لئے طے کیا گیا کہ مجھے انگریزی اور عصری تعلیم دلائی جائے، پرائمری تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم شروع کرادی گئی، مگر میرا دل انگریزی پڑھنے میں نہیں لگتا تھا، چند ماہ ہی گذرے تھے کہ رمضان مبارک کا مہینہ آگیا، بھائی جان مولانا محمد مرتضیٰ صاحب اور ان سے چھوٹے بھائی مولانا عبد اللہ صاحب اپنے اپنے مدرسوں سے گھر آئے، میں گھر میں داخل ہوا تو والدین، بڑے بھیا سید محمد ادریس صاحب مرحوم، بہن سیدہ فاطمہ کے ساتھ یہ دونوں بھی بیٹھے باتوں میں منہمک تھے، کہ اچانک میری روندھی آواز سنائی دی: "خود تو عربی پڑھتے ہیں، اور مجھے انگریزی پڑھاتے ہیں" اور پھر زور سے رونے لگا، بھائی جان نے گلے لگا لیا اور اعلان کر دیا کہ "اب تم عربی ہی پڑھو گے" چنانچہ رمضان کے بعد عبد اللہ بھائی کے ساتھ مجھے بھی آبائی مدرسہ ہدایت العلوم کرہی بھیج دیا گیا۔

بھائی جان مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ بڑے علماء اور بزرگوں سے خصوصی اور گہرا تعلق رکھتے تھے، خاص طور سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور بعد میں خانقاہ تھانوی کے [illegible] مولانا ظہور الحسن صاحب سے بڑا قریبی ربط تھا، اور مولانا عبد الرحمن کامل پوری خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے اسی [illegible] ہوگئے تھے، گھر آتے تو ہم لوگوں کو ان کے [illegible] اور بڑائی و بزرگی کے واقعات سناتے، ہم سب [illegible] اور ہمارے علم میں اضافہ بھی ہوتا، ان بزرگوں کو [illegible] اور بستی تشریف لانے کی دعوت بھی دیتے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس دور میں جبکہ میں بہت چھوٹا تھا اور مدرسہ

١ روح ماجدی سے معذرت و اجازت کے ساتھ۔

کرہی میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا، مولانا ظہور الحسن صاحبؒ اور مولانا محمد زکریا قدوسی صاحبؒ سہارنپور سے اور حضرت اقدس مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی اور مولانا محمد عمران خاں صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء وسابق امیر تاج المساجد بھوپال، لکھنؤ سے تشریف لائے تھے ان کے ہمراہ اور بھی حضرات تھے جن میں دو نام یاد رہ گئے ہیں، بھائی جان کے ہمدرس اور مخلص دوست مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحبؒ اور سید محمد یاسین صاحب حسنیؒ، مولانا سید محمد ثانی صاحبؒ اس کے بعد بھی کئی بار تشریف لائے۔ ان سے غریب خانہ پر تعارف ہوا، بڑی محبت وشفقت اور اپنائیت سے ملے اور چند کتابیں پڑھنے کے لئے دیں، یہ تعلق وشفقت اور سرپرستی بھائی جان ہی کی طرح آخر دم تک قائم رہی۔

۱۹۵۰ء کے کسی مہینہ میں (یاد نہیں) غالباً کوئی چھٹی تھی، میں مدرسہ کرہی میں تھا، بھائی مولانا عبداللہ صاحب کافی پہلے بیت العلوم سرائے میر جاچکے تھے، والدین یکے بعد دیگرے ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوچکے تھے، مجھے خبر ملی کہ بھائی جان گھر (مجوا میر) آئے ہیں اور ان کے ہمراہ میرے مراسلاتی دوست اور بھائی مولانا سید احمد علی صاحب حسنی ٹونکی ندوی بھی ہیں، ملاقات کے لئے مجوا میر حاضر ہوا، کئی روز ساتھ رہا، احمد علی صاحب سے پہلی ملاقات تھی، خوب باتیں کیں، سیر وتفریح کی، ان کے علم ومعلومات سے فائدہ اٹھایا، وہ ندوہ کے ممتاز طالب علم تھے، اب تک دوستی غائبانہ تھی، ملاقات نے اسے زیادہ پختہ اور مستحکم بنادیا، واپسی کا وقت قریب آیا تو بڑا دکھ ہوا، بھائی جان اور مولانا احمد علی صاحب لکھنؤ اور راقم سطور کرہی روانہ ہونے والے ہی تھے کہ احمد علی صاحب نے رائے پیش کی کہ میں بھی بستی اسٹیشن تک چلوں، اور وہاں سے رخصت کرکے کرہی چلا جاؤں، مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، بستی اسٹیشن پہونچ کر احمد علی صاحب نے بھائی جان سے گذارش کی کہ اجتبا نے لکھنؤ نہیں دیکھا ہے، چندروز وہاں رہ کر گھوم پھر کر واپس آجائیں گے، بھائی جان تیار ہوگئے۔ کیا خبر تھی کہ لکھنؤ کا یہ سفر میرے مستقبل کے لئے سنگ میل ثابت ہوگا۔ بھائی جان ابھی مجھے کرہی میں رکھنا چاہتے تھے مگر بزرگوں اور دوستوں کے اصرار اور مشورہ سے میرے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کی تیاری کا انتظام کردیا محب مخلص مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی اور عزیز بھائی مولانا محمد الحسنی مرحوم نے تیاری میں مدد کی، سالِ نو کے آغاز میں درجہ چہارم عربی میں داخلہ ہوگیا، اب بھائی جان کی توجہ تربیت اور سرپرستی براہ راست اور ہمہ وقت کی حاصل ہوگئی، اس وقت بھائی جان کی آمدنی بہت کم تھی، مولانا سید محمد ثانی صاحبؒ کے مکتبہ اسلام کے ایک حصہ میں قیام تھا، میرے خورد ونوش اور تعلیم کا خاص خیال رکھتے، سخت گیری کے ساتھ انتہائی لطف ومحبت اور نازبرداری کا معاملہ کرتے، میری کامیابی پر خوش ہوتے اور انعام دیتے، کوتاہی پر سرزنش کرتے اور رنجیدہ ہوتے، لیکن غصہ اور رنج کو جلد دور کرلیتے یا چھپا دیتے، ہمت افزائی کرتے، اور اچھے و ہونہار طالب علموں کے واقعات سناتے، خصوصاً حسنی خاندان (حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کے گھرانہ) کے بچوں اور بزرگوں کی مثالیں، نمونے بڑی عقیدت اور محبت سے سناتے اور انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے۔

اس زمانہ میں ملتان (پاکستان) سے ایک عربی رسالہ (الصدیق) نکلتا تھا، میں نے اپنا ایک مضمون شائع کرنے کے لئے بھیجا، شائع ہوگیا یہ میرا پہلا عربی مضمون تھا، بھائی جان کو بے حد خوشی ہوئی، گھر میں ہم دونوں اکیلے تھے، بھاوج صاحبہ وطن گئیں ہوئی تھیں، رات کے کھانے کے لئے بیٹھے تو پر تکلف دعوتی کھانا نظر آیا، پلاؤ، قورمہ، زردہ، بھائی جان نے یہ خود پکایا تھا، میں ان کے سامنے کم بولتا تھا، میری حیرت وتعجب کو محسوس کرکے فرمایا: "تمہارے مضمون شائع ہونے کی خوشی میں تمہاری دعوت کی ہے" میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، شفقت، ہمت افزائی، مسرت اور نازبرداری کی انتہا تھی یہ ایک طویل داستان ہے، کہاں تک لکھوں اور کس دل سے لکھوں، میری تعلیم وترقی کے لئے فکرمند بھی رہتے اور کوشاں بھی، جس کے نتیجہ میں اعلیٰ تعلیمی مراحل طے کئے، اور ہر مرحلہ و ہر موڑ پر ان کی توجہ، شفقت، مشورہ اور ہمت افزائی حاصل رہی، خواہ دمشق ہو، علی گڈھ ہو، دہلی ہو یا ریاض و مدینہ منورہ ہو، مجھے خطوط لکھتے اور بڑے اچھے اور مؤثر خطوط لکھتے جن میں مجھے نصیحت کرتے، میرے کاموں کی ہمت افزائی کرتے، اور مسرت کا اظہار کرتے، اپنے بڑوں، دوستوں، عزیزوں اور شاگردوں سے محبت کے ساتھ میرا تذکرہ کرتے، میری کم آمیزی، کم گوئی اور گوشہ پسندی کا گلہ کرتے تاہم ان کی محبت ونازبرداری میں کمی نہیں آئی، جانکاہ حادثہ سے چار روز قبل مجھے ان کا ایک دستی خط ملا، جس میں کچھ کتابوں کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد تحریر فرمایا: "چند روز کے لئے لکھنؤ آجاؤ، ملاقات کا جی چاہتا ہے، حضرت مولانا مدظلہ (مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم) بھی یاد کرتے ہیں"۔

سطور بالا میں ذکر آچکا ہے کہ بھائی جان مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کو حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خاندان حسنی سے والہانہ محبت وعقیدت بلکہ عشق تھا، اور روز بروز اس میں اضافہ ہی تھا، حضرت شہیدؒ سے ہمارے جد امجد مولانا سید قطب علیؒ اور ان کے دو صاحبزادگان مولانا سید حسین علیؒ و مولانا سید جعفر علیؒ بیعت تھے اور آخر الذکر سرحد کی جنگ اور معرکہ بالا کوٹ میں شریک تھے، سید صاحبؒ نے انھیں میر منشی کا منصب بھی عطا کیا تھا، معرکہ میں زندہ بچ جانے کے بعد وطن واپس ہوئے اور امیر المؤمنین سید صاحبؒ اور ان کے کارناموں کا تذکرہ لکھا "منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء" اور ضلع بستی واس کے اطراف میں صحیح عقیدہ اور دینی دعوت کا بڑے

پیمانہ پر کام کیا، سید شہید رحمہ اللہ ہی کا فیض ہے کہ ہمارا گھرانہ عقیدۂ توحید اور اسلامی اقدار پر قائم و دائم ہے، خاندان کے تمام افراد اس سے واقف تھے اور تشکر و امتنان سے اس مخلص و پاکیزہ خاندان کا تذکرہ بھی کرتے تھے لیکن بیچ کی دو نسلیں تعلق اور رابطہ قائم نہ رکھ سکی تھیں، بھائی جان مولانا مرتضیٰ صاحبؒ کو قدرت نے علم دین سے نوازا تو یہ بھی مقدر فرمادیا کہ مدرسہ مظاہر علوم میں خاندان حسنی کے ایک صالح اور ہونہار فرزند مولانا سید محمد ثانی صاحب حسنیؒ کے ہم سبق ہونے کا شرف بھی حاصل ہو جائے، دیرینہ عقیدت و تعلق کی بنا پر دونوں میں اخلاص و محبت اور صداقت واخوت کے رشتے اتنے مستحکم ہو گئے کہ وہ ان کے ہمراہ آکر لکھنؤ میں قیام پذیر ہی ہو گئے اور انھیں کے واسطے سے ندوۃ العلماء کی خدمت پر متعین کئے گئے جس کا سلسلہ یوم وفات تک قائم رہا جس کی مدت تقریباً اکیاون ۵۱ سال ہے، یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ ندوۃ العلماء کے دوران ملازمت خاندان سید احمد شہید رحمہ اللہ کے دو لائق صد افتخار افراد عارف باللہ، ولی کامل، حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ اور مفکر اسلام وداعی مخلص اور مربی عظیم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی صاحب ندوی مدظلہ العالی ندوۃ العلماء کے ناظر رہے، بھائی جان کو دونوں بزرگوں سے بے پایاں عقیدت، محبت مخلصانہ اور والہانہ تعلق تھا، ان کے حکم کی بجا آوری اور ان کی خدمت کو اپنا سرمایۂ حیات اور توشۂ آخرت سمجھتے تھے، انھیں دونوں بزرگوں سے بھائی جان کو ندوۃ العلماء کی خدمت اور کتب خانہ کی ترقی و نظم و ضبط قائم رکھنے کا حوصلہ ملتا رہا اسے وہ ایک فریضہ سمجھ کر کرتے تھے، جب سے انھیں کتب خانہ کی ذمہ داری سونپی گئی اس وقت سے کتب خانہ کی ترقی اور کتابوں و درسیات کے اضافہ اور مہیا کرنے میں ایسا منہمک ہوئے اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردیں کہ چالیس ہزار کتابوں سے بڑھ کر ایک لاکھ پچاس ہزار کتابوں پر مشتمل ایک گرانقدر کتب خانہ بن گیا، اس کی وسیع اور شاندار عمارت بھی تعمیر ہو گئی، اتنی بڑی تعداد میں کتابیں ان کی نظر اور زبان پر رہتیں، جس کتاب کے بارے میں دریافت کیا جاتا فوراً بتاتے بلکہ لاکر یا منگوا کر سامنے رکھ دیتے، یہ بھائی جان کی غیر معمولی صلاحیت تھی جو شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آئے گی، وفات سے کچھ روز قبل اس عاجز اور دہلی کے قریبی تعلق رکھنے والے حضرات کو توفیق الحکیم اور نجیب محفوظ (مصری) کی کتابیں مہیا کرنے کے لئے لکھا تھا کیونکہ یہ کتابیں ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں نہیں تھیں، کتب خانہ سے استفادہ کرنے والے حضرات ان کے بارے میں دریافت کرتے تھے، اگر کبھی کوئی کسی کتاب کے بارے میں معلوم کر لیتا تو بھائی جان اس کے لئے فکر مند ہو جاتے اور جب تک وہ کتاب کتب خانہ کے لئے حاصل نہ کر لیتے بے چین رہتے تھے۔

بھائی جان مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب یوپی کے شہر بستی کے گاؤں مجھوا میر کے سادات خاندان میں محرم ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۱ر اگست ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار سید محمد مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں بستی و نیپال کی ترائی کے علاقہ میں بیعت و ارشاد اور اصلاح و تبلیغ کی خدمت انجام دیتے تھے، اپنے صاحبزادگان کو زمانہ اور گھرانے کے رواج کے برعکس دینی تعلیم دلائی۔

اس دور کے دو خاندانی بزرگوں مولانا شاہ وجیہ الدین صاحب (اسکھاری پھوپھہ) اور مولانا شاہ غنیمت حسین صاحب مونگیری نے بسم اللہ کرائی۔

۳۰ر اپریل ۱۹۳۴ء میں پرائمری پاس کیا، ۳ر مئی ۱۹۳۴ء میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آبائی مدرسہ جعفریہ کرہی میں داخل کئے گئے، پھر تعلیم کی تکمیل کے لئے ۵ر شوال ۱۳۵۹ھ کو مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ ہوا اور شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق اگست ۱۹۴۴ء میں مظاہر علوم سے سند فراغت حاصل کی۔ ۳ر جنوری ۱۹۴۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تقرر ہوا۔

۶ر جنوری ۱۹۵۱ء میں تدریس سے منتقل کر کے کتب خانہ ندوۃ العلماء کے نائب ناظر کے طور سے تقرر کیا گیا، اور یکم جولائی ۱۹۵۸ء کو ترقی دے کر ناظر کتب خانہ مقرر کیا گیا، وفات تک اسی عہدہ پر فائز رہے، اور کتب خانہ کو اپنا بیش بہا سرمایہ سمجھ کر بڑی لگن، محنت، فکر و جد و جہد سے خدمات انجام دے کر اپنے خالق حقیقی سے اچانک جا ملے، ہمیشہ اور ہر وقت سب کی بے لوث خدمت کی مگر خود کوئی خدمت نہ لی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔

ان کی صلاح و نیکی، فراخدلی، مہمان نوازی، شفقت و محبت، اخلاص و للہیت، بے غرضی و بے لوثی، محنت و لگن اور پختہ عزم و حوصلہ کو ہمارا سلام، ان کا ہر عزیز، ہر دوست، ہر تعلق رکھنے والا اور خاندان و گھرانہ کا ہر فرد ان کی ان سب باتوں کو یاد کرتا ہے اور آنسو بہاتا ہے، اسی کے ساتھ حکم الٰہی اور قضاء ربانی پر راضی ہے۔ بھائی جان اس پر پختہ یقین رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر حال میں راضی برضا رہنے کی بے پایاں صلاحیت عطا فرمائی تھی، ان کا حال کچھ اس طرح رہا ہے

سیر کی، خوب پھرے، پھول چنے، شاد رہے
باغباں جاتے ہیں، گلشن ترا آباد رہے

دعائے مغفرت

مولانا عبدالمجید ندوی (دمانا، مہاراشٹر) ۹ر ستمبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نیک طبیعت، منکسر المزاج، صالح اور دیندار انسان تھے موصوف دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے اور کئی اسکولوں میں ٹیچنگ بھی کی۔ تنگ حال اور تہی دست ہونے کے باوجود بنام خدا لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے جامعۃ المومنات کی بنیاد رکھی۔ جس میں عالمہ کا مکمل کورس پڑھایا جاتا ہے۔ نیز ساٹھ طالبات ہوسٹل میں قیام پذیر ہیں۔ جن کی تعلیم و تربیت بحسن و خوبی انجام دی جا رہی ہے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

قسط چوتھی و آخری

پروفیسر وصی احمد صدیقی

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور انحطاط میں

شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بارہویں صدی کا ہندوستان بد نظمی و طوائف الملوکی کے آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ اور مغلیہ سلطنت صرف ایک علامت (SYMBOL) بن کر رہ گئی تھی، اس وقت تین جنگجو طاقتیں میدان میں آئی تھیں۔

علی الترتیب مرہٹہ، سکھ اور جاٹ

مرہٹے جو ابتدا میں ایک چھاپہ مار گروپ تھا وہ ایسی طاقت بن گئے جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے متمنی ہو گئے۔ ۱۷۵۸ء میں ہولکر اور رگھوناتھ کی مدد سے دہلی پر حملہ آور ہوئے اور نجیب الدولہ کو ان سے صلح کرنی پڑی پھر انھوں نے پنجاب کا رخ کیا اور ... گورنر مقرر کیا۔ اب سیندھیا نے روہیلکھنڈ اور [redacted] ہوئے۔ ... تخت پر نہیں بیٹھا اب ان کی ... زبردست فوجی طاقت بن گئی تھی۔ وہ ہندو ... کے احیاء کے لئے بھی کوشاں ہو گئے پانی پت ... میں آخری فیصلہ ہونے سے پہلے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کے معرفت ابدالی سے صلح کی کوشش کی مگر شجاع الدولہ اپنے تجربہ کے سبب مدد پر نہیں آئے۔ ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغانی فوجیں نواب نجیب الدولہ کی ... سپاہی اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی ... طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی سکھ ایک مذہبی گروہ تھا جس کی بنیاد بابا گرو نانک نے ۱۴۶۹ء میں ڈالی۔ بابا گرو نانک نفس کشی اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے۔ تیسرے گرو امر داس نے سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی تنظیم کی پھر گرو ارجن نے سکھوں کو ایک فرقہ کی حیثیت سے منظم کرنے کی مزید کوشش کی اور گرنتھ کی تدوین کی۔ اپنا لقب سچا بادشاہ رکھا، جہانگیر کے حکم سے قتل کئے گئے ان کے بیٹے ہر گوبند کو جہانگیر نے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کیا لیکن پھر رہا کر دیا۔ اور بڑا اعزاز کیا۔ شاہجہاں کے زمانے میں انھوں نے کھلم کھلا بغاوت کی ان کے بعد کے گرو تیغ بہادر ہوئے۔ اورنگ زیب کے حکم سے ان کو سزائے موت دی گئی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے گوبند رائے گرو تسلیم کئے گئے۔ انھوں نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرنتھ کو اپنا گرو سمجھیں ہر گوبند کا جانشین بندہ بیراگی ہوا۔ سلطنت مغلیہ پر زوال آیا ہوا تھا۔ سکھوں کی طاقت میں اضافہ ہوا۔ لوٹ مار کرتا ہوا دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ سرہند پر دھاوا بول دیا ۱۷۱۶ء میں فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد دہلی میں قتل کیا گیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد پھر پنجاب احمد شاہ پھر واپس آیا اور ان کو شکست فاش دی۔ تیس سال تک غیر مستقل صورتحال رہی پھر پنجاب میں رنجیت سنگھ کا ستارۂ اقبال بلند ہوا۔ پنجاب میں جو صورتحال ہوئی اس کی ترجمانی اقبال نے اپنے شعر میں کی ہے

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد * اندراں کشور مسلمانی بمرد

تیرھویں صدی ہجری کے تقریباً وسط میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے رنجیت سنگھ کی فوجی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اپنے اس وسیع و عمیق منصوبہ و مہم کا آغاز کیا جو ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرنے، حکومت شرعی کے قیام اور مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی تھی۔

جاٹ:۔ یہ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے نہ سکھوں کی طرح کوئی مذہبی گروہ، لیکن مغل سلطنت کی کمزوری نے ان میں ایک طرح کی جارحانہ تنظیم پیدا کر دی تھی۔ ان کے دو لیڈروں راجہ رام اور رام چہرہ نے زبردست لوٹ مار شروع کی۔ انھوں نے جب دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو لوگ پاگلوں کی طرح گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور دربدر گلی میں مارے مارے پھرنے لگے۔ راجہ سورج مل نے آگرہ سے مرہٹہ سردار کو نکال دیا۔ راجہ سورج مل نجیب الدولہ کے مقابلہ میں دہلی کے قریب مارا گیا۔

دہلی حملہ آوروں کے نئے خوان یغما بن گئی۔ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ کا دلی پر حملہ ہوا جس نے سلطنت مغلیہ کی چولیں ہلا دیں اور دلی کی خاک اڑا دی۔ حضرت شاہ صاحب وطن مالوف سے مع اہل خانہ منتقل ہو کر قصبہ بڈھانہ تشریف لائے اور درس و تصنیف، دعوت الی اللہ، تزکیہ نفوس و تربیت طالبین کا کام اس جمعیت خاطر اور اہتمام و انہماک سے کرتے رہے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دلی ہی نہیں سارے ہندوستان میں معتدل اور پرسکون حالات ہیں۔ ہاں اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حالات کو تبدیل کرنے اور مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ واپس لانے کے لیے بھی سرگرم تھے اور قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے۔

حضرت نے ابتدائی عمر میں اورنگ زیب کا دبدبہ اور اقبال دیکھا تھا پھر فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانے کی بد نظمی دیکھی۔ حضرت کا احساس دل خون کے آنسو رویا اور خون کے یہ قطرے ان خطوط کے صفحات پر ٹپکے۔ جو

انھوں نے احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدولہ وغیرہ کے نام لکھے ـــ حضرت کا پورا احساس تھا کہ سلطنت اپنے انحطاط کے آخری دور میں داخل ہوگئی لیکن صحیح فکرمندی سچی طلب انسان کو ایسی جگہ بھی قسمت آزمائی پر آمادہ کرتی ہے جہاں کامیابی کی امید بھی موہوم ہو عرفی کا بڑا پیارا شعر ہے

زنقصِ تشنہ لبی داں بہ عقلِ خویش مناز
دلت فریب گر از جلوہِ سراب نخورد

شاہ صاحب نے اپنے اسلاف کے اتباع کے مطابق سرکار دربار سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں رکھا مگر ان کا دل حکومتِ وقت اور اس کی صحیح رہنمائی کے لئے دعا میں مشغول تھا. انھوں نے آزمودہ کار قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے خط و کتابت کی جن کے خاکستر میں ان کو دینی حمیت اور قومی عزت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی. ان میں حسب ذیل حضرات تھے وزیر مملکت آصف جاہ. نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی عماد الملک وزیر. تاج محمد خاں بلوچ. نواب مجد الدولہ بہادر. نواب عبید اللہ کاشمیری. یہاں نیاز گل خاں. سید احمد روہیلہ.

شاہ صاحب کی نگاہ انتخاب اس عہد کی دو بڑی شخصیتوں پر پڑی. امیرالامراء نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی والی افغانستان

نواب نجیب الدولہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۰ء تک دہلی کی سب سے بڑی شخصیت تھے تمام سیاست ان کے گرد گھومتی تھی اور سارا نظامِ حکومت ان کے کاندھے پر تھا حضرت شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں صرف دعا اور تہنیت پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کو بہت مفید بنیادی مشورے دیئے شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ ہی کو احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کے لئے خاص ذریعہ بنایا.

حالات کی سنگینی کے پیش نظر نواب نجیب الدولہ تنہا کافی نہ تھے. اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی. شاہ صاحب کی نظر انتخاب احمد شاہ درّانی (ابدالی) پر پڑی. وہی ایک ستارۂ امید تھا جو اس تاریک افق پر نظر آتا تھا. نواب نجیب الدولہ سے خطوط لکھوانے کے علاوہ. براہِ راست ایک پر زور و پُر اثر خط لکھا جو شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت دینی حمیت. اخلاقی جرأت اور زور انشا کا آئینہ دار ہے

۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رُخ بدل دیا. مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی. اس سے ساری قوم کا دل پژمردہ و افسردہ ہوگیا. سرجدو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو ـــ لیڈروں کی پوری نسل ایک ہی معرکہ میں غائب ہوگئی

اگر سلطنت میں کوئی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھاکر اپنے اقتدار کو ہندستان میں پھر مستحکم کرسکتی تھی شاہ عالم نے اپنی پست ہمتی اور کوتاہ نظری سے یہ زرّیں موقع کھو دیا اور اپنی والدہ زینت محل کے اصرار کے باوجود پورے دس برس بعد قلعہ میں داخل ہوا.

پھر جو کچھ ہوا تاریخ کے صفحات اس پر نوحہ کناں ہیں. تاجرانِ متاع فروش ہندوستان کے بادشاہ ہوگئے

امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح وانقلاب سلاطین اسلام سے خطاب

اے بادشاہو! ملأ اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہوچکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہوجائے ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہوجائے اور دین صرف اللہ کے لئے مخصوص ہوجائے

امراء اور ارکانِ دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جارہے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمھارے سپرد ہوئی ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے. خدا کا نام تمھارے پاس صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصہ کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو

فوجی سپاہیوں سے خطاب

اے فوجیوں اور عسکریوں تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا کیا تھا. مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہو اور خدا کا کلمہ بلند ہو لیکن تم اسے چھوڑ بیٹھے. اب جو تم گھوڑے پالے ہو ہتھیار جمع کرتے ہو اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو

اہل صنعت وحرفت سے خطاب

ارباب پیشہ دیکھو امانت کا جذبہ تم میں مفقود ہوگیا ہے. تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہوگئے ہو حق تعالیٰ نے تمھارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں لیکن تم خدا کی ناشکری کرتے ہو. اور غلط راہ حصول رزق کے لئے اختیار کرتے ہو کیا تم جہنم کی آگ سے نہیں ڈرتے.

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں، جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا اُسے چھوڑ کر آپ میں سے ہر ایک پیشوا بنا ہوا ہے. آپ لوگوں کو مرید اس لئے کرتے ہیں کہ ان سے پیسے وصول کریں، کیا آپ کے لئے اللہ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں " یہ میری راہ ہے سیدھی تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے "

غلط کار علماء سے خطاب

ارے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے

تم یونانیوں کے علم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو یہی علم ہے۔ یاد رکھو علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنّتِ ثابتہ قائمہ کا۔ حضور کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپ کی سنت پر عمل کرو مگر جو سنّت ہے اُسے سنّت سمجھو۔ فرض کا درجہ نہ دو اور جو فرائض ہیں انھیں سیکھو۔

فرزندانِ گرامی قدر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فرزند اور جانشین عطا کئے جو نعم الخلف لنعم السلف کے صحیح مصداق ہیں۔ انھوں نے حضرت شاہ صاحب کے جلائے ہوئے چراغ کو نہ صرف روشن رکھا بلکہ اس سے سیکڑوں چراغ جلائے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

آپ کو اپنے ہی سلسلے نقشبندیہ مجدّدیہ کے بانی اور شیخ الشیوخ حضرت مجدّد الف ثانی سے عجیب مماثلت ہے حضرت کے چار فرزندان گرامی درجہ کمال کو پہنچے اسی طرح حضرت شاہ صاحب نے چار باکمال فرزند چھوڑے شاہ عبدالغنی صاحب کا جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے سب سے پہلے انتقال ہوا۔ شاہ صاحب کی تعلیمات آپ کے علوم و معارف کی تبلیغ و اشاعت تین صاحبزادوں کے ذریعہ جاری رہا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ

آپ اپنے علم و فضل و فہم و ذکا اور سرعتِ حفظ میں یگانہ روزگار تھے آپ نے پندرہ سال کی عمر ہی میں درس و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ سے بڑے بڑے فضلاء نے استفادہ کیا، ۲۵ سال کی عمر میں آپ کو متعدد تکلیف دہ مرضوں نے گھیر لیا جس کے سبب سے آپ نے تدریسی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں کے سپرد کر دی، وہ فضل و کمال اور شہرت و مقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں یہ کتابیں ہیں۔ تفسیر قرآن مسمّٰی بہ فتح العزیز، تحفۂ اثنا عشریہ۔ بستان المحدثین۔ العجالۃ النافعۃ، میزان البلاغت سر الشہادتین وغیرہ۔

نماز فجر کے بعد یکشنبہ ۷ شوال ۱۲۳۶ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

آپ کی تعلیم و تربیت کے دو بہترین نمونے مولانا عبدالحیؒ بڑھانوی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ہیں۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان سے خلق خدا کو وہ فائدہ پہونچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ بقول حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے کہ ان کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے۔ آپ نے جہاد کے لئے اپنے کو پوری طور پر تیار کر لیا تھا اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی ہم رکابی اور رفاقت کا حق ادا کر دیا اور بالاکوٹ کے میدان میں شہادت کا شرف حاصل کیا۔ اقبال کے الفاظ میں۔

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند
کارِ حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ می پوشند
عاشقاں بندۂ حالِ اند و چناں نیز کنند

آپ کے جانشین آپ کے دو نواسے شاہ محمد اسحٰق اور شاہ محمد یعقوب تھے حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو ہبہ کر دیا۔

حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ

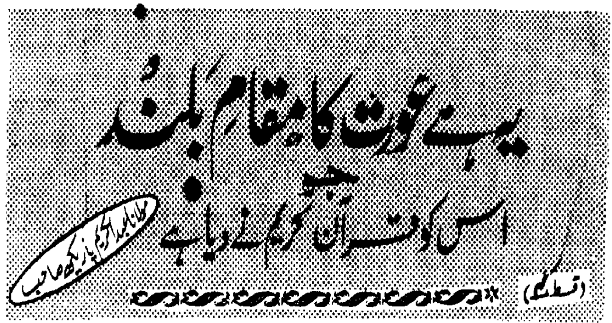
آپ اپنے وقت کے مشہور محدث، متکلم، اصولی فرید عصر اور نادرۂ دہر تھے۔ برادرِ اکبر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے تحصیل علم کی۔ اپنے برادر مذکور کی زندگی ہی میں آپ نے تصنیف اور تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور اکابر علماء میں شمار ہونے لگے تھے۔ علمائے آفاق نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا اور آپ کی تصانیف نے قبولیت اور شہرت حاصل کی۔ ترجمہ قرآن کے سلسلے میں آپ نے جو شہرت پائی وہ آپ کا حق تھا۔ آپ نے بوعلی سینا کے قصیدہ عینیہ کا جواب لکھا ہے جو قصیدۃ الروح کہلاتا ہے۔ آپ نے اپنے برادرِ بزرگ کی حیات ہی میں دہلی میں وفات پائی (۶ر شوال ۱۲۳۳ھ) اور اہل میں اپنے والد اور جدِ امجد کے پاس مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ

آپ نے بھی اپنے برادرِ بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ سے تحصیل علم کیا۔ آپ اپنے شہر میں مرجع عام تھے اور علم روایت و درایت اور اصلاح نفس اور روحانی تربیت میں آپ سے رجوع کیا جانے لگا۔ آپ کے ترجمۂ قرآن کی علماء نے بڑی قدر دانی کی اور اُسے معجزات ہی میں سے ایک معجزہ قرار دیا۔ آپ کی وفات چہار شنبہ ۱۹ر رجب ۱۲۳۰ھ میں ہوئی اور اپنے والد کے پاس دفن ہوئے اس وقت دونوں بڑے بھائی حیات تھے اس لئے قدرتی طور پر انھیں بہت صدمہ ہوا۔ دفن کے وقت فرما رہے تھے کہ ہم ایک انسان کو نہیں بلکہ سرمایۂ علم و عرفان کو دفن کر رہے ہیں

تاریخ دعوت و عزیمت کی جلد پنجم تمام ہوئے یہ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھی اس سے پیشتر میں نے حضرت مولانا کی چند کتابوں پر مضامین لکھے تھے جیسے کاروانِ زندگی۔ پرانے چراغ، شرق اوسط کی ڈائری ان مضامین کو چند باذوق حضرات نے سراہا تھا اور ہمت افزائی کے کلمات کہے تھے، میرے محترم بزرگ جناب قاضی مولانا معین اللہ صاحب ندوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ سلسلۂ دعوت و عزیمت کی تلخیص کر دو تاکہ طالب علم اور ایسے مشغول لوگ جو پوری کتابیں نہیں پڑھ سکتے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ارشاد کی تعمیل میں

(باقی ص ۹ پر)



قرآن گھر کا کیا ماحول بناتا ہے اور ہم نے کیا بنا رکھا ہے

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ. "تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں انھیں اپنے چرچے میں لاؤ یہی حکمت دانش مندی اور دانائی کی بات ہے۔"

آپ کے گھر میں انھیں چیزوں کے تذکرے اور چرچے ہوں گے جو پڑھا اور دیکھا جاتا ہو یا وہ چیز تذکرے میں ہوگی جو گھر میں ہو رہی ہو گھروں میں افسانے پڑھے جاتے ہوں گے تو افسانوں اور ناولوں کے تذکرے ہوں گے بلا ضرورت T.V. دیکھا جاتا ہوگا یا اس کے اندر کے فحش مناظر دیکھے جاتے ہوں گے تو اس کا چرچا ہوگا کپڑوں کی خرید فروخت اور سلنے سلانے کا وقت ہوگا تو اس کے چرچے ہوں گے منگنی شادی بیاہ کے وقت میں شاہ خرچیوں فضول اخراجات کا بیان اور چرچا ہوگا۔ دوپٹے، کپڑے کے رنگ اور کلر کی بات ہو تو ظاہر بات ہے اس کا چرچا ہوگا. لیکن اگر آپ کے گھر میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہوگا اور قرآن مجید کی آیات کا چرچا ہوگا تو آپ کے گھر کا رُخ مدینہ کی طرف ہوگا۔ اور آپ کے گھر کا رُخ اُن خواتین کے گھروں کی طرف ہو جائے گا جنھوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی. اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے گھروں میں جو آیات پڑھی جاتی ہیں ان کو چرچے میں لاؤ اس لیے کہ یہی دانش مندی اور حکمت کی بات ہے۔

معلوم ہوا کہ گھروں میں قرآن شریف پڑھا جانا چاہیے اور اس کی آیات چرچے اور تذکرے میں لانا چاہیے، یعنی گھریلو کام کاج کرتے ہوئے اور گھر کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اللہ کا ذکر بھی ہوا کرے قرآن مجید اور احادیث شریف کے احکامات بھی تذکرے میں آتے رہیں:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔ (۲۴ر النور آیت ۳۶)

" نور کی کرنیں ان گھروں میں پڑتی ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ انھیں اونچا اٹھایا جائے اور ان کی عظمت اور ادب قائم رکھا جائے جہاں صبح و شام اللہ کا نام یاد کیا جاتا ہو۔ اور اس کی پاکی بیان کی جاتی ہو وہاں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے شیاطین داخل نہیں ہو پاتے۔

نصیحت نامہ کی تلاوت کرنے والیاں.

ایسے معاشرہ کا کیا کہنا جس میں قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کا خوب رواج ہو گھر کے بچے بچیاں، بہنیں بھائی، گھر کے دوسرے افراد پاس پڑوس والے رشتہ ناطہ والے بھی آجائیں پردہ یا کوئی اور شرعی عذر نہ ہو تو مل بیٹھ کر قرآن مجید کا اجتماعی مطالعہ کریں اور ایک دوسرے سے پوچھیں بھی کہ کیا پڑھا جا رہا ہے اور اب تک کیا نہیں پڑھا گیا ہے قرآن مجید کی حسب ذیل آیت پر غور کریں: فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۔ ۳۷ر الصّٰفّٰت آیت ۳، میرے نصیحت نامے کی جو خواتین تلاوت کرتی ہیں انھیں بطور قسم پیش کر کے اگلی بات کہتا ہوں اللہ کی طرف سے کتنی بڑی عظمت ہے مسلم بہنوں کے لیے کہ وہ قرآن پڑھنا سیکھیں اور سکھائیں .

ایسے وقت میں بھی ایمان ہاتھ سے نہیں چھوڑا

ظالموں نے ایمان لانے کے جرم میں بعض بعض خواتین کو اس طرح ستایا کہ دو اونٹوں کے پیر میں رسیاں باندھیں ایک اونٹ کی رسی میں خاتون کے ایک پیر باندھا اور دوسرے پیر میں دوسرے اونٹ کی رسی باندھی اور دونوں اونٹوں کو دو مختلف سمتوں میں دوڑا کر اس خواتین کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا. لیکن سختی اور مصیبت کے باوجود ایک خاتون بھی ایمان سے ہٹی نہیں۔ حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابو سلمہؓ نے اونٹ پر سامان لاد کر مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر سوار کیا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر ہجرت کے ارادہ سے مدینہ کا راستہ لیا. میرے میکے والوں کو کسی طرح خبر ہو گئی اور کہنے لگے ابو سلمہ تم کو جانا ہو تو تم جا سکتے ہو، ہماری بیٹی نہیں جائے گی۔ ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے نکیل چھین لی

اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔ اس کے بعد ابو سلمہؓ کے رشتہ دار آئے اور مجھ سے میرے لڑکے سلمہ کو چھین لے گئے۔ اب میں، میرا لڑکا اور میرے شوہر تینوں جدا جدا ہو گئے، شوہر تو مدینہ چلے گئے۔ میں اپنے میکے رہ گئی اور بیٹا اپنے باپ کے رشتہ داروں میں پہنچ گیا۔ مجھے روتے روتے ہر دن صبح سے شام ہو جاتی۔ ایک سال اسی طرح گذر گیا نہ میرا بچہ مجھے مل سکا اور نہ ہی میں مدینہ اپنے شوہر کے پاس جا سکی میرے ایک چچا زاد بھائی کو میرے حال پر ترس آیا اور کہہ سن کر میرے میکہ والوں کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ مجھے جانے کی اجازت دے دیں یہ حال دیکھ کر میرے شوہر کے رشتہ داروں نے بھی مجھے لڑکا دے دیا اور میں مکہ سے نکل کر اپنے شوہر ابو سلمہؓ سے قبا میں جا ملی۔

ایسے دردناک اور غمناک واقعات پیش آنے کے باوجود ان خواتین اسلام نے ایمان کو نہ چھوڑا۔ اسی سبب سے قرآن مجید اور احادیث میں ان کی عظمت و اہمیت کا اعتراف و اظہار کیا گیا ہے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں خواتین کی کوئی اہمیت اور عظمت نہیں ہے اور ان کی تعلیم، لکھنے پڑھنے اور سیکھنے سکھانے کا کوئی انتظام نہیں جنگلی ہیں وہ لوگ اور بڑے نالائق ہیں جو ایسی بات کہتے ہیں خواتین اسلام کو اللہ نے ایسی عظمت دی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئیں ایک پیالہ میں پانی رکھ دیا جاتا جو خواتین بیعت کے لیے آتیں تھیں وہ پردہ میں رہ کر اس پانی کے اندر ہاتھ ڈال کر رسولؐ سے بیعت ہوتی تھیں یہ کوئی کم فضیلت کی بات ہے کہ جن عورتوں نے اس مبارک پانی کے اندر ہاتھ ڈالا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے لگا ہو وہ کیسی برکت والی خواتین ہیں اور ان سے دنیا کے اندر کیسا علم دین پھیلا ہوگا اور کیسی کیسی انھوں نے قرآن مجید کی خدمت کی ہوگی اور کیسے کیسے حدیث شریف اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی ہوگی مسلم خواتین کے علم میں ایسے بڑے بڑے مراتب ہیں کہ صحابیہ خواتین سے مسئلہ پوچھنے بڑے بڑے صحابہ آتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا کہ اہل علم خواتین سے اعلیٰ مرتبت علماء رجوع کرتے تھے کہ اس مسئلہ کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے، یہ فضیلت اور مراتب خواتین کو کہاں سے ملے یہ قرآن مجید کی برکت ہے اور یہ برکت آج بھی ہم میں موجود ہے اگر ہم اسے اٹھا لیں گے تو انشاء اللہ رہتی دنیا تک کبھی بھی ہم ناکام نہیں ہو سکتے۔

عورت مرد کی پشت پناہ ہے

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

" اسلام کی خدمت کرنے والے اور مرد اسلام کی خدمت کرنے والی عورتیں۔"

قرآن کی بڑی جامع آیت کا یہ ایک جملہ ہے۔ اس آیت میں مردوں عورتوں کے جو مشترکہ کام ہیں، سماج، سوسائٹی میں مل جل کر کرنے کے جو کام ہیں ان کا تذکرہ فرمایا ہے، کچھ احکام صرف مردوں پر لاگو ہوتے ہیں اور کچھ احکام صرف عورتوں پر لاگو ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو مرد عورت دونوں پر ایک ساتھ فرض واجب اور ضروری ہیں ان ہی میں سے ایک حکم کا آیت کے مذکورہ جملہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

اسلام کی خدمت میں مرد آگے ہیں تو عورتیں بھی ان کے پیچھے نہیں ہیں۔ عورتیں مردوں کی پشت پناہ ہیں اور پچھلی صف میں رہ کر برابر مردوں کی تھپکی کار بنی ہوئی ہیں، مرد آگے بڑھا ہوا ہے عورت پیچھے سے اس کا سپورٹ کرتی ہے عورت اگر ایسا نہ کرے تو تنہا مرد اسلام کی گاڑی چلا ہی نہیں سکتا، صبر سے ڈھارس بندھانے سے صدقہ خیرات کرنے سے دعا سے حجاب سے اور ہر طرح کے شرعی قوانین پر عمل کر کے مردوں کی مددگار اور شریک کار نہ ہوں تو مرد آگے کیسے بڑھ سکتا ہے، ہماری گاڑی جو لنگڑی ہوتی ہے اس کی بڑی بڑی وجوہات کے اندر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خواتین والا جو بازو ہے وہ مفلوج اور بے نتیجہ ہو کر رہ گیا ہے اور اس کے بارے میں کچھ زیادہ کوششیں نہیں ہو رہی ہیں عورتیں بیچاری یا تو عرس میں چلی جاتی ہیں

(باقی ص ۲۷ پر)

ممباسا کے گرجا گھر کے پادری نے اسلام قبول کرلیا

ترجمہ:۔ محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

ممباسا کے علاقہ میں واقع ایک بستی غرسینی کے گرجا گھر کے ایک پادری "میتھو بونایا" نے ۲ر نومبر ۱۹۹۵ء بروز جمعرات اسلام قبول کرلیا ہے اور اپنا نام عمر رکھ لیا ہے۔

مسٹر میتھو بونایا ۱۹۶۲ء میں اپنے آبائی وطن غرسینی میں پیدا ہوئے۔ کلیۃ اللاہوت سے عیسائیت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سند فراغت حاصل کی اور ممباسا میں الاخوۃ الافریقیۃ نامی گرجا گھر کے پوپ مقرر ہوئے۔ اور وہیں عیسائیت کی تعلیم وتربیت دینے لگے تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے گروہوں کے ساتھ رہ کر اسلامی تعلیمات، اسلامی دعوت وتبلیغ اور مذہب اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے تھے۔ اور گذشتہ سال جب "تنزانیہ" سے دعوت وتبلیغ کے لئے ایک جماعت آئی اور ممباسا کے علاقوں میں اپنے اجتماعات منعقد کئے تو انھوں نے زبردست مخالفت کی بلکہ کثرت سے ایسے ایسے سوالات کرتے تھے کہ اس جماعت کے لوگ اپنے دعوتی عمل سے باز آ جائیں۔ اس اسلامی مخالفت اور عیسائیت نوازی کی بنیاد پر گرجا گھر کی مجلس انتظامیہ نے طے کیا کہ ان کو مزید تعلیم کے لئے امریکہ کے بڑے ادارہ میں بھیجے۔

لیکن گذشتہ دنوں اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا اور ان کے لئے حق کو واضح کرکے ہدایت دی۔ چنانچہ اسلام کی حقانیت ان کے دل پر جم گئی اور جمعرات کے دن ۲ر نومبر ۱۹۹۵ء کو کلمہ طیبہ وکلمہ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام پر ثابت قدم رکھے، اور اسلام کا داعی بنائے۔

دوسرے دن جمعہ کو گرجا گھر کی مجلس میں جاکر وہاں کنجیاں اور جو کچھ ان کے پاس تھا سب واپس کردیا۔ بعض پادریوں نے انھیں عیسائیت کی طرف لوٹنے کی پھر دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ بلکہ خود موصوف عمر صاحب نے ان پادریوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

(بقیہ) رسید کتب

داڑھی کی شرعی حیثیت

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ندوی اعظمی نے احادیث کی روشنی میں بہت سی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ داڑھی کی اہمیت اور فضیلت کے موضوع پر ایک قابل عمل وقابل قبول کتاب تیار کردی ہے۔ جو عوام وخواص سبھی کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

صفحات:۔ ۷۱ قیمت:۔ دس روپئے

ملنے کا پتہ:۔ اسلامک بک ہاؤس، ابراہیم پور، پوسٹ ڈیوکلی، اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۳

مسائل رمضان واحکام صدقۂ فطر

مفتی حشمت اللہ قاسمی صاحب کے قلم سے مرتب یہ کتاب رویت ہلال، صدقۂ فطر، تراویح، شب قدر، روزہ کے فضائل واحکام، ۲۷۰ صفحات پر مشتمل خوبصورت ٹائیٹل، صاف وسادہ کتابت، عمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے۔

قیمت:۔ چالیس روپئے

پتہ:۔ مکتبہ نعمانیہ دیوبند، سہارنپور۔ یوپی۔

(محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی)

(بقیہ) یہ ہے عورت کا مقام بلند

یا قبروں پر جاکر ڈھول تاشے بجالیا، کچھ گانے والے گالیے کوتی سواری یا صندل دیکھ لی، منتیں مان لیں، شیخ صدو کے نام کی شیرینی بناکر کھالی کھلادی یا کچھ گلگلے مسجد کے منبر پر چڑھا دیے۔ ان کے سوا اس غریب کو اور کیا معلوم، آپ قرآن مجید کے معانی سے واقف کرائیں کہ اللہ نے یہ کتاب تیرے لیے بھی نازل فرمائی ہے۔ اس میں تیری بھی مزدوروں کا بیان ہے اور تیری عظمت کے احکامات نازل ہوئے ہیں یہ کتاب خولہ بنت ثعلبہ کو بھی خطاب کرتی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور مریم کے راکعہ، ساجدہ اور قانتہ ہونے کا اعلان کرتی ہے، یہ خواتین کے لیے جامع احکامات بیان فرماتی ہے۔

یہ کتاب مبین یہ بتاتی ہے کہ اسلام کی خدمت کرنے والے مرد اور اسلام کی خدمت کرنے والی عورتیں دونوں برابر ہیں اور دونوں کی عظمت اللہ کے نزدیک ہے اور دونوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا۔

دعائے مغفرت

معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق ناظر اور دارالعلوم کے انگریزی کے استاذ جناب ماسٹر اکرام صاحب کے ایک عزیز قریب جناب سید محمد عربی نقوی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مختصر



● سعودی عرب نے امریکہ کی طیارہ ساز کمپنی سے مسافر طیاروں کی خریداری کے سمجھوتے کئے ہیں جن کی مالیت تقریباً ۶ ارب ڈالر ہے۔ سعودی عرب کے دفاعی ہوابازی کے وزیر نے بتایا کہ یہ معاہدہ سعودی ایئرلائنز کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ ان طیاروں کی شمولیت کے بعد سعودی ایئرلائنز دنیا کی اہم ایئرلائنوں میں شمار کی جائے گی۔

● پاکستان کے وفاقی و مذہبی امور کے وزیر نے کہا کہ موجودہ حکومت نے ملک بھر میں ایک ہی دن عید منانے اور رمضان المبارک کا آغاز ایک ہی دن کرنے کی کوششوں کو تیز کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ رویت ہلال میں یکسانیت کے سلسلے میں بعض تجربات کئے جا رہے ہیں اس کے لئے گوادر کا ایک مقام منتخب کیا گیا ہے جہاں علمائے کرام کمپیوٹر کے ماہرین کے ساتھ دوربینوں کے ذریعہ چاند کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کریں گے۔

● برطانیہ کے سرکاری کلیسا چرچ آف انگلینڈ نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ ازدواجی رشتوں کے بغیر جنسی تعلقات اب گناہ کے زمرے میں نہیں آتے۔ کلیسا نے اس حیرت انگیز اور غیر معمولی رائے کا جواز یہ پیش کیا ہے کہ جدید دور کے طرز زندگی کی اخلاقی قدریں بدل رہی ہیں اور کلیسا کو اس سلسلے میں مفاہمتی انداز اختیار کرتے ہوئے اپنا رویہ اس کے مطابق ڈھالنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں کلیسا کو رہنمائی کرنے کے بجائے عوام کی خواہشات کے مطابق ان کی پیروی کرنی چاہئے اس نئے فلسفے کے تحت کلیسا نے ہم جنس پرستی کو بھی برداشت کرنا اور اسے تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے۔

● عالمی شہرت یافتہ باکسر ملک عبدالعزیز (مائیک ٹائسن) نے مسلمان ہونے کے بعد مغربی دنیا بالخصوص مغربی ذرائع ابلاغ کی جانب سے تعصب اور تنگ نظری پر سخت تنقید کی ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ ملک عبدالعزیز کے مسلمان ہونے اور اپنا نام تبدیل کر لینے کے باوجود اب تک انھیں اسی نام سے پکارنے پر مصر ہیں جسے وہ قبول اسلام کے بعد ترک کر چکے ہیں۔

● کویت کی وزارت صحت کے مطابق کویت میں مکمل طور سے سگریٹ نوشی پر پابندی کا ایک نیا قانون نافذ کر دیا گیا ہے خلاف ورزی کے مرتکب شخص پر ۱۵۰ ڈالر جرمانہ کیا جائے گا۔ اور دوبارہ خلاف ورزی کی صورت میں جرمانے کی رقم دوگنی کر دی جائے گی۔

● چین کے ماہرین نے کہا ہے کہ آئندہ صدی میں چین میں دس کروڑ چینی نوجوان شادی کے لئے لڑکیاں نہ ملنے کے باعث غیر شادی شدہ رہ جائیں گے ماہرین کے مطابق لوگوں کی جانب سے لڑکوں کو ترجیح دینے کے باعث آبادی میں خطرناک عدم توازن پیدا ہو گیا ہے اس کی ایک بڑی وجہ حکام کی جانب سے ایک خاندان کے لئے ایک بچے کی اجازت ہے۔ ماہرین کے مطابق ۱۹۶۴ء میں ہر سو لڑکیوں کے مقابلے میں ایک سو تین لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ۱۹۹۲ء میں ہر سو لڑکیوں کے مقابلے میں ایک سو اٹھارہ لڑکے پیدا ہوتے ہیں

دعائے مغفرت

● مدرسہ اشرف المدارس (ہردوئی) کے استاذ جناب محمد شعیب صاحب کی والدہ صاحبہ کا (بمبئی میں) ۲۳ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ قارئین تعمیر حیات سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

قرآن مجید چونکہ آخری صحیفۂ سعادت اور پوری دنیا کے لئے نسخۂ شفا ہے اس لئے اسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس مقدس ومبارک کتاب کا ایک ایک حرف جوں کا توں باقی ہے۔ امت محمدیہ نے قرآن حکیم کو اپنی سب سے بڑی دولت سمجھا اور اس کی حفاظت وقرأت پر اپنی ساری محنتیں صرف کر دیں۔

ایک طرف مفسرین کرام نے اس بحر ناپیدا کنار کی غواصی کی اور مطالب ومعانی کے لؤلوئے آبدار فراہم کئے تو دوسری طرف قرار عظام نے ہر قرأت وروایت کی حفاظت فرمائی۔ اور اس کے صحیح تلفظ اور صحیح لب ولہجہ کا اہتمام فرمایا۔ اور حفاظ کرام نے اس کے ایک ایک حرف کو اپنے سینوں میں جگہ دی۔ اور علماء اس کی تعلیمات کو پھیلاتے رہے۔

جس طرح قرآن حکیم ایک معجزہ ہے اسی طرح اس کی حفاظت کا انداز بھی اعجازی ہے۔ کسی امت نے اپنی آسمانی کتاب کی وہ حفاظت نہیں کی جو اس امت محمدیہ نے کر کے دکھلائی۔ معاذ اللہ اگر آج قرآن حکیم کے سارے نسخوں کو کوئی سمندر میں غرق کر دے تو قرآن حکیم مٹ نہیں سکتا۔ لاکھوں کی تعداد میں حفاظ وقراء موجود ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں پورا قرآن کریم پھر نقل ہو جائے گا۔ اور ایک حرف ونقطہ کا بھی فرق نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قراء عظام اور حفاظ کرام کے سینوں کو حفاظت گاہ قرار دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن حکیم کے نزول سے لے کر آج تک اس کی حفاظت باحسن وجوہ ہوتی آئی ہے۔ اور جب تک یہ عالم باقی ہے انشاء اللہ اس کی حفاظت ہوتی رہے گی۔

زیر نظر کتاب "مختصر تجوید القرآن" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، کتاب مختصر چونسٹھ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اور بہت جامع ہے۔ مؤلف محترم مولوی قاری حافظ محمد مسعود عزیزی صاحب نے بڑی محنت سے اپنی علمی وفنی کاوشوں کے ساتھ قواعد کو جمع کیا ہے جو کہ شائقین فن تجوید کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے ملحق مدرسہ بیت العلوم پیلی مزرعہ ہریانہ میں داخل نصاب ہے۔

البتہ کتاب کی طباعت میں کہیں کہیں پر نقطے یا تو صاف نہیں آ سکے ہیں یا بالکل نہیں ہیں کتاب میں اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں پر سہو ہوا ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر ۲۵ پر "جاری" کو "جانی" لکھا ہے۔ اور صفحہ نمبر ۵۴ پر "بالتشدید" کو "بالتسدید" غیر منقوط لکھا ہے۔

کتاب طیب بکڈپو دیوبند سے طبع ہوئی ہے اور مکتبہ الندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ قاری محمد ریاض مظاہری

"تعلیمات سیرت" از مولانا سید محمد غیاث الدین مظاہری سائز $\frac{20\times30}{16}$ صفحات ۱۴۴ مع سرورق، قیمت ۱۵ روپیہ ملنے کا پتہ: مرکز اسلامی، سی بلاک ۷۰۶ کریلی الہ آباد۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات حسرت آیات تک کے حالات مختصر مختصر حوالوں کے ساتھ درج کئے گئے ہیں، آپ کے اخلاق وعادات کا بھی خاصا ذکر آگیا ہے، ساتھ ہی مسلمانوں کو ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہونے کی دعوت دی گئی ہے جس کی ان کے لئے ضرورت ہے۔ کتاب کی زبان آسان ہے امید ہے کہ دینی حلقہ میں یہ کتاب مقبولیت کا درجہ پائے گی۔

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رسید کتب

تاریخ کی مظلوم شخصیتیں

دس جلیل القدر صحابہ کرام کی تفصیل کے ساتھ سیرت مولانا عبد العلی فاروقی کے موئے قلم سے مفید معلومات پر مشتمل کتابت وطباعت کے حسن زیور سے آراستہ، خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ منظر عام پر آگئی ہے۔

صفحات:۔ ۲۸۰ ۔ قیمت پچاس روپئے

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ البدر، کاکوری، لکھنؤ۔ ۲۲۷۰۰۷

اوراق جاوداں

معروف معالج حکیم نور الحق جاوید کے نام ہندوستان کے چوبیس مشاہیر علماء ودانشوروں کے خطوط جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا عمران خاں ندوی، بابائے اردو مولوی عبد الحق، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ کے مکتوبات بھی شامل ہیں۔ علم وادب کے طالب علموں کے لئے مفید ہے۔

مرتبین:۔ راہی فدائی۔ نظام الحق عابد

صفحات:۔ ۱۵۴

ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ عزیزیہ، اردو بازار، دہلی ۶

(باقی ص ۲۷ پر)

بقیہ: درس حدیث

حضرت عمرؓ کے یہ عرض کرنے پر آپؐ خاموش ہوگئے پھر اس کے بعد عمرؓ نہایت ادب کے ساتھ محبت بھرے الفاظ میں اللہ کے رسول کا دل خوش کرنے والی باتیں کرنے لگے درمیان درمیان میں معذرت کے الفاظ بھی فرماتے جاتے "ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں" پھر ملامت کرتے ہوئے فرماتے "اے اللہ کے رسولؐ ہم ابھی ابھی جاہلیت سے نکل کر اسلام لائے ہیں" آپ ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو معاف فرمادیجئے اور اس طرح کے سوالات کہ میرا داخلہ کہاں ہوگا؟ میرا باپ کون ہے؟ اللہ کے رسولؐ میری اونٹنی کہاں ہے؟ درگذر فرمایئے"۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نامناسب سوالات تربیت وتزکیہ کے ابتدائی زمانہ میں پیش آئے تھے اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے قول کہ، ہم لوگ ابھی ابھی نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، سے یہی معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس تربیتی منزل کے شروع زمانہ میں جلد بازی اور اصرار کرنے سے ڈرایا اور سوال کا طریقہ اور اس کے آداب بتائے، حضرت عامر سعد بن ابی وقاص اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے حرام وحلال ہونے کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں کی گئی تھی اور اس کے سوال کی وجہ سے حرام کردی گئی[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا وجہ کی باتوں قیل وقال اور بہت زیادہ سوال کرنے اور مال کو بلا وجہ ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو نصاریٰ کی طرح سوال کرنے سے منع فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی (عیسیٰ علیہ السلام) سے آسمان سے دسترخوان یعنی کھانے کی چیزوں کے اترنے کا مطالبہ کیا کہ ایسا ہوجائے تو ہم کو یقین آئے اور ہم ایمان لائیں اور جب آسمان سے دسترخوان اترا تو ایمان لانے سے انکار کردیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"اِذْقَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یَا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ أَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ"[2]

(وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تمہارا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انھوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ "لاتسألوا عَنْ أشیاء" سے مراد بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور رحام ہے[3] اور حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ سوال سے روکنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں سوال کرنا ہے کہ کوئی معجزہ ونشانی لائیے تو ایمان لائیں مثلاً قریش کا سوال کہ آپؐ ان کے لئے پانی کی نہر جاری کردیں اور صفا پہاڑی کو سونے کی کردیں یعنی پوری پہاڑی سونا بن جائے[4] آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیت کریمہ "لاتسألوا عن أشیاء ان تبد لکم تسؤکم" کی حکمت ومصلحت کو سمجھنے کی طرف برابر متوجہ کرتے رہے، اس بارے میں بزار نے حضرت ابو الدرداء کی حدیث مرفوعاً نقل کی اور فرمایا کہ حدیث کی سند صحیح ہے حاکم نے بھی حضرت ابو الدرداء کی حدیث کو صحیح کہا ہے، حدیث یہ ہے:

"ما أحل اللّٰه فهو فی کتابه فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو فاقبلوا من اللّٰه عافیته فان اللّٰه لم یکن ینسی شیئًا۔ ثم تلا هذه الآیة (وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا)۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو چیز حلال فرمائی ہے وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے وہ جائز ہے (معاف ہے) اللہ تعالیٰ کی معاف اور اختیار دی ہوئی باتوں کو قبول کرلو! اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی چیز کو بھول جائے پھر یہ آیت ذکر کی ہے: "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا"

دارقطنی نے ابو ثعلبہ کی حدیث ذکر کی ہے:۔

"إن اللّٰه فرض فرائض فلا تضیعوها وحدّ حدودًا فلا تعتدوها وسکت عن أشیاء رحمة لکم غیر نسیانه فلا تبحثوا عنها"

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمائی ہیں ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان پر عمل کرو) اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کے بارے میں تم پر اپنے لطف وکرم کی بنا پر نہ کہ بھول کر سکوت فرمایا ہے، ان چیزوں کی تحقیق میں نہ پڑو۔

---

[1] فتح الباری۔ [2] سورہ مائدہ۔ ١١٢ [3] یہ چار قسم کے جانور ہوتے تھے جن کو عرب ان خاص ناموں سے آزاد چھوڑ دیتے تھے ان سے کوئی نفع نہیں اٹھاتے تھے نہ ذبح کرتے تھے، ہر نام کی تفصیل الگ ہے۔ [4] تفسیر کثیر سورہ مائدہ۔

اظہار تشکر

جناب مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری ناظر کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے انتقال پُر ملال کے موقع پر اعزہ واقارب کے علاوہ واقف کاروں واہل تعلق نے تعزیتی خطوط کے ذریعہ اس حادثہ پر پسماندگان سے ہمدردی ومحبت کا اظہار کیا ہے اور اپنے طور پر ایصال ثواب کا اہتمام کیا.......

..... ہم لوگ ان کے شکر گزار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزاء عطا فرمائے اور ان سے امیدوار وخواستگار ہیں کہ وہ مولانا مرحوم کی اخروی ترقیات کے لئے دعاؤں میں برابر یاد رکھیں۔ فقط

منجانب برادران واہل خانہ مولانا محمد مرتضیٰ صاحب علیہ الرحمہ



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شمارہ نمبر ۴	۲۵ دسمبر ۱۹۹۵ء - مطابق - ۲ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ	جلد نمبر ۳۳

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— پانچ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک:

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک:

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ——— مینجر

خط و کتابت کا پتہ

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے ہارکیو آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TH - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

ادار یــــــــــــــــــہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

اسلام ہر دور میں قیادت و رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی وہ فکر انگیز تقریر ہے جو ۸ر نومبر ۹۵ء کو تحفظ مدارس کانفرنس غازی پور میں ہوئی اور مولانا مدظلہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور ہر زمان و مکان میں اس کی قیادت و رہنمائی اور مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے ۔۔۔۔۔۔۔ (ادارہ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد!

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً، فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ.

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی آیت پڑھی ہے، اگر میرا قرآن شریف کے ایک طالب علم کی حیثیت سے، ایک عربی داں، ایک مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے امتحان لیا جائے کہ یہ بتائیے کہ جن کی دنیا میں شہرت اور عزت پھیلے، جن کی اہمیت بلند آواز سے، اور بڑی فصاحت و بلاغت سے واضح کی جاتی ہے، اور جن کے لئے بڑی بڑی جانفشانیاں کی جاتی ہیں، اور ان کو دین اور اسلام کا قلعہ کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں کہیں اس کا تذکرہ بھی ہے، قرآن مجید میں بہت سی ایسی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں جو کسی کتاب میں مشکل سے نہیں ملتیں، یہ بتائیے کہ کس چیز کی بڑی اہمیت ہے دین کی نگاہ میں، اور دین والوں، اور علماء اور دانشوروں کی نگاہوں میں، اور مؤرخوں اور ناقدین نے بھی اس کو بہت بڑا حق دیا ہے قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر ہے، تو میں کہوں گا کہاں اس آیت میں ان کا ذکر ہے، اگر آپ غور کریں، ایسی بہت سی حقیقتیں ہیں جن پر غور کرنے کی نوبت نہیں آتی، روزمرّہ کی زندگی میں بھی، اور ان مدارس میں بھی بعض چیزیں ایسی بدیہی سمجھ لی جاتی ہیں اور حقیقی روزمرّہ کی سمجھ لی جاتی ہیں، جن کی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، اور آدمی کو غور کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال ہی نہ پیدا ہوا ہو، اس میں صاف مدارس کے نام لئے بغیر، اس لئے کہ نام لینے میں، الفاظ بدلتے رہتے ہیں، مدارس ہی کو لے لیجئے، کسی کو معاہد، کسی کو مراکز، کسی کو جامعات کہا جاتا ہے، مختلف اداروں میں، مختلف الفاظ میں، لیکن جو مدارس کی خصوصیت اور مقصد ہے، اور اس کی افادیت ہے، وہ اس آیت میں بیان کر دی گئی ہے، یہ، وہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو خالقِ فطرت اور خالقِ کائنات ہے، اور وہ انسان کی کمزوریوں اور ضرورتوں سے بھی واقف ہے، اور دین کے متضاد تقاضوں سے بھی واقف ہے، عالم الغیب ہے، وہ اپنے ان تمام صفات کے ساتھ جس طرح اس آیت میں اشارہ کیا ہے، ایسے مراکز جہاں دین کا گہرا علم حاصل کیا جائے، دین کا عمیق اور وسیع آفاقی علم حاصل کیا جائے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکے، اس آیت میں اگرچہ مدارس کا نام نہیں لیا، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند تھی، لیکن اس آیت میں بالکل مدارس کی تصویر آ گئی ہے، اور مدارس کی ضرورت اور افادیت بھی آ گئی، اور اس میں مدارس کا فرض بھی بیان کر دیا گیا، فرماتا ہے کہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ اہل ایمان سب کے سب گھروں سے نکل جائیں، اور زندگی کی ضروریات سے بالکل آنکھیں بند کر لیں، یہ تو ہونے والی اور ممکن العمل بات نہیں، پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے تیار ہو جائے، تاکہ وہ دین میں فقہی سمجھ حاصل کریں، عربی زبان میں سمجھنے کے لئے بیسیوں لفظ ہو سکتے ہیں۔ فہم، معرفت، علم، تعقل کا لفظ بھی ہے، لیکن تفقہ کا لفظ خاص معنیٰ رکھتا ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں دین میں گہری سمجھ حاصل کرنا

دین کے ذخیرے پر پورے طور پر حاوی ہو جائیں، زمانے کی ضرورت کو سمجھ سکیں، اور بدلتے ہوئے زمانہ اور دائمی دین کے درمیان رشتہ پیدا کر سکیں۔

ایک بات یاد رکھئے کہ یہ دین تو دائمی ہے۔ زمانہ بدلنے والا ہے، جو ظرف ہے اور ظرف بدلتا رہتا ہے لیکن دین کی حقیقت، دین کا مطالبہ، دین کی بنیادی باتیں نہیں بدلتیں، تو نہ بدلنے والا دین ہے اور اس کا بدلنے والے زمانہ کے درمیان رشتہ پیدا کرنا، پیوند لگانا یہ معمولی کام نہیں ہے۔

• دین کی اصلیت اور حقیقت، دین کے واجبات وفرائض، دین کے صحیح حقائق اور مطالبات میں تو ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے، لیکن وہ دین زمانہ کا ساتھ دے سکے، زمانہ کی رہنمائی کر سکے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے، تمدن کتنا ہی وسیع ہو جائے مختلف علوم کی کتنی ہی ترقیاں ہو جائیں، انسان ہوا میں اڑنے لگے اور پانی پر چلنے لگے، اور زمانہ لاکھوں میل کے حساب سے آگے بڑھ جائے، ذہنی، فکری، عقلی طور پر وہ ثابت کر سکتا ہے کہ دین اس زمانے میں رہنمائی کر سکتا ہے، آج بھی وہ تمام مسائل وضروریات، یہاں تک کہ زمانہ کے معموں اور پہیلیوں کو بجھا سکتا ہے، زمانے کے ساتھ چلنے ہی نہیں بلکہ قیادت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور زمانہ کو بے راہ روی اور نسل انسانی کو اپنی خودکشی سے بچا بھی سکتا ہے، وہ اپنی جگہ اپنے تعلیم اور حقائق میں ابدی ہے، زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے اس میں فرسودگی اور قدامت پیدا نہیں ہو سکتی، آؤٹ آف ڈیٹ جسے کہتے ہیں، دین آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے، یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا، البتہ زمانہ بدلنے والا ہے یہ اس کی تعریف ہے برائی نہیں ہے، زمانہ کہتے ہی اسے ہیں جو بدل سکے، اور وہ تو ایک پرانی عمارت ہے یا ایسی چیز ہے جس میں زندگی نہیں، زندگی کے ساتھ تغیر و تبدل بھی لگا ہوا ہے، نمو وارتقاء بھی لگا ہوا ہے، نئے نئے تجربے بھی لگے ہوئے ہیں، زمانہ تو بدلے گا اور بدلنا چاہئے، لیکن دین زمانہ کی طرح بدلتا بھی نہیں اور زمانہ سے پیچھے بھی نہیں رہ جاتا۔

یہ کام بڑا نازک اور بڑا اہم ہے، اور یہ بات میں تاریخ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے اور انصاف پسند لوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے، ہندوستان کے بے لاگ مصنفوں نے اس کا اعتراف کیا ہے، ہمارے ملک کے مذاہب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکے اور صدیاں ایسی گذر گئیں جن میں خلا رہا، کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جو زمانہ کا دین سے رشتہ جوڑ سکے، اور زمانہ کو دین کا تابع بنا سکے اور زمانے کو دین کا قائل بنا سکے، اور زمانے میں خلا نہ پیدا ہونے دے، اس سلسلہ میں میں نے اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" کے پہلے حصہ کے مقدمہ میں صاف صاف ان مغربی فضلاء، ہندوستانی مؤرخین کی کتابوں کے صفحے کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ صدیاں گذر گئیں اور ہمارے یہاں کوئی ایسا ریفارمر پیدا نہیں ہوا، کوئی مجدد پیدا نہیں ہوا جو اس دین کو ضرورت کے تابع کر سکے۔ اور جو اس میں رخنہ پیدا ہو گیا ہے، اس کو بھر سکے، اور انھوں نے یہ بات بڑی دیانت داری اور جرأت کے ساتھ کہی ہے، میں تاریخی ذوق رکھنے والے کی حیثیت سے کہتا ہوں، یہ دو خصوصیتیں ایک تو یہ کہ دین کوئی فرسودہ چیز، کوئی زمانہ قدیم کی یادگار نہیں بلکہ زمانے کی رہنمائی کرنے والا، اور صحیح راستہ پر چلانے والا، اور افراط و تفریط اور اس میں مبالغہ جو پیدا ہو جاتا ہے، اسلام کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ کسی زمانہ میں یہ خلا نہیں ہونے پایا، مجھے معاف کیا جائے، میں مجبوراً اپنی کتاب کا نام لیتا ہوں، "تاریخ دعوت وعزیمت" کی پانچ جلدیں ہیں، اس میں میں نے یہ دکھایا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا، کسی ملک میں ایسا نہیں ہوا کہ وہاں ایک خلا محسوس ہوا ہو، ایک برائی پیدا ہوئی ہو، اس کو کوئی برائی کہنے والا نہیں، کوئی ضرورت پیدا ہوئی ہو اور ضرورت کی تکمیل کرنے والا اور دعوت دینے والا پیدا نہ ہوا ہو، کوئی تحریف ہوئی ہو اس کی تردید کرنے والا، اور سازش ہوئی ہو، اور اس کی قلعی کھولنے والا اور طشت ازبام کرنے والا پیدا نہ ہوا ہو، میں نے تسلسل کے ساتھ بتایا ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہوئی اس ضرورت کو پورا کرنے والا پیدا ہوا، اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے، آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں قیامت تک اس امت میں وہ لوگ پیدا ہوتے رہیں گے: "**ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین، وتاویل الجاھلین**"۔ یہ الفاظ بالکل معجزانہ ہیں، اگر آپ گمراہیوں کو، جو ان امتوں کو پیش آتی ہیں، سلطنتوں اور نظام ہائے حکومتوں کو پیش آتی ہیں، اس کے لئے جو چیزیں چیلنج کرنے والی ہیں اور خطرناک ہیں، اور ان تینوں میں سے کسی عنوان میں داخل کر سکتے ہیں، جو غلو پسند لوگوں کی تحریف کو دور کر سکیں، اور جو لوگ خواہ مخواہ ادعا کرتے ہیں، ان کی وہ قلعی کھولتے رہیں گے، اور جو لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی عزت رکھنے کے لئے اور اپنی ذہانت ظاہر کرنے کے لئے تاویل کرتے ہیں، اب آپ اسلامی تاریخ کو شروع سے لے کر اب تک دیکھیں، کسی زمانہ میں جو فتنہ پیدا ہوا، میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے، کسی میں امام حسن بصری کو پیدا کیا، کسی میں امام احمد بن حنبل کو پیدا کیا، امام ابوالحسن اشعری اور امام غزالی کو پیدا کیا، اس کے بعد سوسائٹی میں کچھ کمزوریاں پیدا ہوئیں، کچھ تجارت اور کمائی کے سلسلہ میں، تعلقات کے سلسلے میں جب ذرا اصولوں سے، اسلام کے معیار اور اسلام کی تعلیمات سے لوگ ہٹنے لگے تو ابن الجوزی کو پیدا کیا، اور ایمان میں کمزوریاں پیدا ہونے لگیں تو ابن تیمیہ کو پیدا کیا، جب لوگ خدا کو سلطنتوں کے اثر سے، عہدوں کی لالچ میں اور اپنی انسانی کمزوریوں کو دبا کر بھولنے اور بھلانے لگے اور ملک پرستی میں لگ گئے، تو امام وقت، مصلح اور داعی پیدا کیا، جن کی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ ہزاروں ہزار اس زمانہ میں

جو جرائم پیشہ لوگ تھے، وہ تائب ہوئے، بعض لوگوں پر اثر پڑتا تھا وہ تاب نہیں لاسکتے تھے وہ جان دے دیتے تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ صرف بغداد ہی نہیں بلکہ براعظم افریقہ تک جنوب ایشیا تک اس کے اثرات پیدا ہوئے، ہندوستان میں آئے، تاریخ شاہد ہے کہ مجدد الف ثانی جن کو اقبال کہتے ہیں ؎

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

مجدد الف ثانی پیدا ہوئے، جب ہندوستان کا رخ پھیرا جانے لگا، دانشوروں نے یہ پٹی پڑھائی کہ ہر مذہب کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے، قریب تھا کہ ہندوستان کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ جائے، اور مسلمان بالکل آزاد ہوجائیں، اکبر نے پادریوں کو بلوایا، مناظرہ کروایا، ان کی باتیں سنیں، اور مذاہب کے پیشواؤں کو بھی موقع دیا۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی ایک علمی اضطراب میں، ایک ذہنی تضاد اور پریشانی میں مبتلا ہوگئی، اس وقت مجدد الف ثانی کھڑے ہوئے اور انھوں نے اسلام کی دعوت دی۔ پھر اس کے بعد ایک وقت آیا، اسلامی علوم، خاص طور پر قرآن و حدیث کی تعلیم کم ہوگئی، اور عوام کا تعلق ان سے ٹوٹنے لگا، اس وقت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو پیدا کیا، اس کے بعد ان کے اخلاف سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہید وغیرہ پیدا ہوئے آپ کو معلوم ہوگا لوگوں نے احتیاط کے ساتھ کہا ہے کہ کم از کم تیس لاکھ افراد ان کے ہاتھ پر تائب ہوئے، اور غازی پور بھی تشریف لائے اور ان کے ساتھ یہاں بھی ایسا تعلق پیدا ہوا کہ جان دینے کے لئے تیار ہوئے، اور یہاں بہت مخلص لوگ پیدا ہوئے۔

میں عرض کررہا ہوں کہ کسی مذہب کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں، ایک چیز یہ کہ وہ اپنی اصلیت پر قائم رہے، اس کی اور بگڑنی نہ جائے، اور اصلیت سے دست بردار نہ ہونا پڑے۔

ابھی حال ہی میں ایک کتاب آئی ہے اس میں بتایا ہے کہ موجودہ عیسائیت حضرت مسیحؑ کی لائی ہوئی نہیں ہے، حضرت مسیحؑ کے ساٹھ برس کے بعد سینٹ پال کے زمانہ سے اب تک کی تحقیق یہ ہے کہ رومن امپائر نے اس کو ایجنٹ بنایا تھا کہ اس میں رومن میتھالوجی داخل کرکے اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا جائے، چونکہ عیسائیت ایک طاقت کی طرح ابھر رہی تھی اور رومن امپائر اس سے ڈر رہا تھا، ان کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یہ وسیع اور طاقتور مذہب بن گیا، تو رومن اس پر اس طرح حکومت نہیں کرسکتے، یہ ایک بہت گہری سازش تھی کہ عیسائیت کے نام سے، عیسائی بنوا کر عیسائی مذہب اور قوم میں داخل کردیا۔ اس کا اس طرح تعارف کرایا اور عزت دی کہ گویا وہ عیسائیت کا ترجمان بن گیا چنانچہ تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ موجودہ عیسائیت حضرت مسیحؑ کی لائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ سینٹ پال کی لائی ہوئی عیسائیت ہے، اور میں دوسرے مذاہب کے متعلق نہیں کہہ سکتا۔ وقت بھی نہیں ہے، مثلاً بودھ مت ہے۔ ایک سوشل یونیفارم کے طور پر اور مذہب میں جو افراط و تفریط پیدا ہوگئی تھی اس کو دور کرنے کے لئے پیدا ہوئی، جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ چیزیں باہر سے آگئیں جن کو گوتم بدھ مٹانا چاہتے تھے، اور بت پرستی بھی آگئی میں نے خود دیکھا ہے، لاہور اور پشاور کے درمیان ایک شہر ہے وہاں اتفاق سے ایک ذمہ دار ہمارے اضلاع کے تھے، ہم پشاور جارہے تھے تو انھوں نے وہ میوزیم دکھایا، اتنے مجسمے گوتم بدھ کے تھے کہ آدمی کو شبہ آنے لگے کہ کوئی حد ہے! اور یاد رکھئے بعض زبان دانوں نے کہا ہے کہ اردو اور فارسی میں بُت کا جو لفظ آیا ہے، وہ بدھ کا بگڑا ہوا لفظ ہے یعنی بدھ مت میں اتنی بت پرستی آگئی تھی کہ بودھ کے بجائے بت کہہ دینا کافی تھا، تو مذاہب کی تاریخ میں آپ کو بہت سے ایسے خلا ملیں گے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو وقت پر کوئی ایسا آدمی اس میں جان ڈالنے والا اور پیغمبر یا تعلیم دینے والا جو اس کی تعلیم کے مطابق بنائے، بالکل اس کو وہاں پر کھڑا کردے جہاں اس نے چھوڑا تھا، لیکن یہ بات نہیں ہوئی، یہ بات ایک تاریخی حقیقت کے طور پر، ایک انسانی فطرت کے طور پر کہ انسان جدت پسند ہے، اور وہ زمانہ سے متاثر ہوتا ہے،

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مدارس کے جو خاص کام ہیں، اور مدارس کے علم برداروں نے، مدارس تو عمارتوں کا نام ہے، لیکن جو انسانی مدارس تھے یعنی انسانی شکل میں جو مدارس اور معلم تھے اور تعلیم گاہیں تھیں۔ ان لوگوں نے دو کام کئے ایک تو یہ ہے کہ وہ اسلام کو اس شکل پر لے آئے، جس شکل پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں جس شکل میں تھا۔ اور یہ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑی کامیابی ہوئی، اور بعض بعض بدعات اور نئی نئی چیزیں ایسی مٹیں کہ اس کا تاریخ کے ذریعہ سمجھنا مشکل ہے کہ وہ کیا تھے اور اب کیا ہوئے، وہ ایک تاریخی داستان کے طور پر رہ گئے، دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ کو جس رہنمائی کی ضرورت تھی وہ رہنمائی ملی، اجتہاد یعنی زمانہ کے جو نئے مسائل ہیں ان کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا جائے، اور خالص دین کی تعلیم اور دین کے اصول کے ماتحت ان کو منطبق کیا جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ زمانہ کی تبدیلی میں خلا معلوم ہوتا ہے اس خلا کو دور کیا جائے اور اس کو بتایا جائے کہ اسلام کی تعلیم فلاں موقع پر یہ رہنمائی کرتی ہے، فلاں موقع پر یہ رہنمائی کرتی ہے، اور یہاں تک جایا جاسکتا ہے اور پھر اس سے بچنے کی ضرورت ہے، اجتہاد کا کام مسلسل ہوتا رہا، اور علماء نے اس میں اتنا احتیاط کیا، اس کو بھی میں ایک نکتہ کے طور پر بتاؤں، علامہ اقبال؟

نے کہا ہے کہ صرف تاتاریوں کے ابتدائی دور میں مسائل کا استنباط اور اجتہاد کا کام، اللہ نے محفوظ رکھا، تاتاریوں نے اثر چھوڑا اور وہ اثر ڈال کر مسائل نکلوالیں گے اور اس سے امت گمراہ ہوگی کہ اس پر عمل کرو، اس کو موقع نہ مل سکے کہ وہ اس سے استنباط کریں اور سیاسی فائدہ اٹھائیں، یہ دو کام ہیں جس کو صرف مدارس کے علما کرسکتے ہیں، ماہرین علم وفن، ماہرین تفسیر وحدیث، اور ماہرین فقہ واصول فقہ، اور ماہرین ادب وزبان کرسکتے ہیں، بلکہ ان سب کے جامع وہ یہ کہ مذہب اپنی اصل روح، اپنی اصلی حقیقت، اپنی اصلی طاقت اپنی اصلی تعلیم کے ساتھ باقی رہے، ذرہ برابر فرق نہ آنے پائے، بادشاہوں کی طرف سے رشوتیں دی جائیں، چاہے دھمکیاں دی جائیں اور چاہے خطرات پیدا ہوں، چاہے بڑے بڑے منافع اس کے سامنے ہوں، بالکل اس کی پرواہ نہ کریں، اس لئے کہ ایک نہیں دو نہیں، پچاس نہیں سیکڑوں انسان ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ بادشاہ وقت نے چاہا کہ علما کچھ بھی قبول کرلیں، لیکن انھوں نے انکار کردیا، یہاں تک احتیاط کیا، میں چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں۔

ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے منصور خلیفہ کے پاس، خلیفہ کو کچھ لکھنا تھا کہا کہ ذرا قلم اٹھا دیجئے، ان کا ہاتھ ہلا نہیں، انھوں نے کہا کہ میں قلم نہیں دے سکتا ہوں، کہا کیوں؟ جواب دیا کہ معلوم نہیں آپ کیا لکھیں، اور میں گنہگار ہوں۔ ایک نہیں سیکڑوں صفحات علما کے تذکروں پر ملیں گے انھوں نے ایک حرف کی تبدیلی بھی گوارہ نہیں کی، اور کہا کہ مسئلہ یوں ہی ہے اور رہے گا۔ قول حق کے خاطر اپنی جان اور خاندان کا خطرہ سمجھتے ہوئے بھی اور خودکشی کا خطرہ سمجھتے ہوئے بھی انھوں نے حق بات کہی ہے، ان ہی کی بات مانی گئی، یہ دو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں کہ اسلام اپنی اصلیت پر رہے، اپنی اصلی تعلیمات پر رہے، اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ اور زمانہ کی ضرورت کو پورا کرنا، زمانے کے تقاضے کی تکمیل کرنا، امت اور دین اور زمانے کے درمیان کوئی فرق یا تضاد یا خلا پیدا نہ ہونے دینا، اس لئے کہ جو دین اپنے زمانے سے ٹوٹ جائے، زمانے سے اس کا پیوند جدا ہو جائے اور زمانے والے کہنے لگیں اور زمانہ خود اپنے زبان حال سے کہنے لگے کہ یہ دین اب چلنے والا نہیں ہے، پھر وہ دین چلتا نہیں ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ یہ دین ابھی تک اپنی اصلی حالت ہی پر نہیں بلکہ اپنے ارکان اور عقائد کے ساتھ، عبادات کے ساتھ، طریقہ عبادت کے ساتھ موجود ہے، اس کی عیدین اسی طرح منائی جاتی ہیں جس طرح منائی جانی چاہئے، اس کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں، ساری دنیا میں کفن دیا جاتا ہے، نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے، عقیقہ اسی طریقہ سے ہوگا، ختنہ اسی طریقہ سے ہوگا۔ شادی اسی طریقہ سے ہوگی، ایجاب وقبول اسی طریقہ سے ہوگا۔ سہرا باندھا جائے گا۔ طلاق کے لئے بھی احکام ہیں، یہ معمولی نہیں ہے، اس میں سب سے پہلے ہاتھ تو ان علماء ربانیین کا ہے نائبین رسول کا ہے، اور پھر ان کے مرکزوں کا ہے جس میں مدارس عربیہ اور دینیہ ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ کی ضرورت کو پورا کرنا، زمانے کے چیلنج کا مقابلہ کرنا، زمانے کے تغیر سے متاثر نہ ہونا اور اس سے دین میں تحریف اور امت میں کوئی انحراف اور ضلالت پیدا نہ ہونے دینا۔ یہ دو چیزیں ہیں، ایسے دین کے لئے ضروری ہیں جس کو قیامت تک کے لئے بھیجا گیا ہے اور قیامت تک رہنا ہے۔ اور اس کے متعلق کہہ دیا گیا ہے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی آیا حضرت عمرؓ کے پاس، اس نے کہا امیر المومنین! ایک آیت آپ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں، اگر یہ آیت ہم یہودیوں کی کتاب میں آئی ہوتی تو ہم اس دن خوشی میں تہوار منایا کرتے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون سی آیت ہے؟ کہا "الیوم اکملت لکم دینکم" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسی تہوار کی ضرورت نہیں، یہ تو عرفہ کے دن، اور جمعہ کے دن نازل ہوئی، ہمارے یہاں عید کی ضرورت نہیں، یہ تو عید سے بڑھ کر ہے، یہ دو عیدیں ہیں، عیدالاضحیٰ یہ تو بالکل سادے طریقے پر منائی جاتی ہے۔

حضرات! تو یہ ہے ہمارے مدارس کی افادیت، اس خصوصیت اور امتیاز کو اور خدا کی اس نعمت کو باقی رکھیں، ایک تو دین اپنی اصلی حالت میں ہو جو اللہ کے رسول لے کر آئے، اور خلفاء راشدین اور سابقین اولین، اور عمومی طور پر اس پر پوری امت چلتی رہی، تمام دنیا میں دین پر عمل ہوتا رہا۔ دوسری یہ کہ زمانے اس کو پیچھے نہ رہنے دیں، اور زمانہ کی وجہ سے نہ تو اس میں کوئی ایسی تبدیلی کریں کہ دین میں تبدیلی ہو، اور نہ بالکل زمانہ کی ضرورت کو نہ سمجھیں اور کان بند کرلیں کہ ہم کچھ نہیں سنتے، ایسا نہیں بلکہ زمانہ کی تبدیلی کو دیکھیں اور اس کا جائزہ لیں، کہ کس حکم سے اس کا تضاد اور ٹکراؤ ہے، اور کتنی چیز سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مثلاً دین میں وہ حکم موجود ہے، کتنی رخصت ہے، کتنی رعایت ہے، وہ رعایت بتا دیں، لیکن مسئلہ نہ بدلے گا، یہ چیز دین اور امت کی بقا کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا ہمارے اور آپ کے لئے سانس لینا ضروری ہے، اور ہمارے اور آپ کے لئے روح کا ہونا ضروری ہے۔ دین اپنی اصل پر بھی رہے اور زمانہ کی رہنمائی بھی کرسکے، اور زمانہ کا احتساب بھی کرسکے، اور زمانہ کے جائز تقاضوں کو سمجھ سکے، اور بقدر جواز جتنا اسلام اجازت دیتا ہے، ترمیم کرے اور اس کی رعایت کرے، اس کے لئے مدارس ہیں، جو تفقہ اور رسوخ فی الدین اور اجتہاد کی صلاحیت بھی پیدا کرتے ہیں اور ان کے اندر دین کی حمیت بھی ہے اور دین کی حفاظت کا جذبہ بھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ نسل انسانی کو بھی سمجھتے ہیں اور زمانہ کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں

باقی ص ١١ پر

اسلامی تہذیب اور اصلاح معاشرہ

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

غیبت و چغل خوری

مسلم معاشرے میں جو لوگ ایک دوسرے کی غیبت اور چغل خوری بہت زیادہ کرتے ہیں اس سے لوگوں کے دل ایک دوسرے سے متنفر ہو جاتے ہیں اور سلام وکلام بند ہو جاتا ہے مسلم سوسائٹی میں اس سے بڑا خلل اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت اور چغلی، بہتان والزام تراشی سے بہت سختی سے منع فرمایا ہے کہ یہ غیبت مسلم معاشرے میں اور اسلامی سوسائٹی میں گھن کی طرح اثر کرتا ہے۔

غیبت و چغل خوری جیسی مذموم خصلت سے اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے چنانچہ سورۂ حجرات میں ارشاد فرمایا:۔

"ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب احدکم ان یاکل لحم أخیہ میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ إن اللہ تواب رحیم" (حجرات، آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ "یعنی تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا تم اس کو برا جانو گے تو اللہ سے ڈرو وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے"۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار مردار سڑے ہوئے بدبودار خچر کے پاس سے گذر ہوا تو صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"واللہ لأن یأکل أحدکم ھذا حتی یملأ بطنہ خیر من ان یاکل لحم مسلم" (الادب المفرد مشـ)

ترجمہ:۔ "یعنی خدا کی قسم اس سڑے ہوئے بدبودار گوشت سے تمہارا پیٹ بھرنا کسی مسلمان بھائی کا گوشت کھانے سے بہتر ہے۔"

۲۔ دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"شر عباد اللہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاحبۃ" (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ:۔ یعنی اللہ کے بندوں میں سب سے بدترین وہ شخص ہے جو چغلخوری کرتا ہے اور دوستوں کے درمیان جدائی کراتا ہے۔"

۳۔ تیسری حدیث میں حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

"لا یدخل الجنۃ نمام" (از نزہۃ الناظرین ص ۲۰)

"یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا"

۴۔ ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریمؐ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے ان میں سے ایک تو استنجا پاک نہیں کرتا تھا اور پیشاب کے چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا اور دوسرے شخص کے بارے میں فرمایا: "کان یمشی بالنمیمۃ" یعنی چغل خور تھا! ادھر کی بات ادھر لگا کر لوگوں کے درمیان فساد و نفاق پیدا کراتا تھا۔

غیبت کرنے والے کا آخری انجام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں معراج کو گیا تو جہنم کے مناظر کا مشاہدہ کرایا گیا وہاں میں نے یہ ایک دردناک منظر بھی دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں اور وہ ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے ہیں اور عذاب میں مبتلا ہیں میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو حضرت جبرئیل نے فرمایا:

"ھؤلاء الذین یأکلون لحوم الناس ویمنعون اعراضھم" [۱]

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے"۔

ان احادیث کی روشنی میں غیبت و چغلخوری کی سزا اور مذمت خوب واضح ہوگئی ہے، یہ مسلم معاشرہ میں ناسور کی طرح ہے اگر لوگ اس کی مضرات اور برے نتائج پر دھیان نہیں دیتے ہیں تو قہر الٰہی کے سزاوار یقینی طور پر ہوں گے بالخصوص صنف نازک میں یہ مرض عام ہے جہاں بھی دو چار عورتیں اکٹھا ہوتی ہیں غیبت، چغل خوری ضرور ہوتی ہے۔ خدا ہم سب کو اس بری عادت سے نجات دے۔ آمین

عیب جوئی ایک بری خصلت ہے

کسی کے عیوب کی پردہ دری کرنا اور اسے اچھالنا اس کی تلاش وجستجو کرنا یہ بہت معیوب حرکت ہے شریعت اسلامیہ نے "ولا تجسسوا" کہہ کر سختی سے روکا ہے کیونکہ یہ مسلم سوسائٹی کے مفادات کے خلاف ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایک بصیرت افروز واقعہ

حضرت عمرؓ ایک رات عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں گشت کرنے نکلے ایک جگہ روشنی دیکھ کر ٹھہر گئے پھر مکان کے اندر داخل ہوگئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک ضعیف العمر بڈھا شراب نوشی میں اور گانے بجانے والی لونڈیوں کے ساتھ مشغول ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے پیر ضعیف یہ کیا مناظر ہیں؟ تو کیا کررہا ہے اس نے کہا اے امیرالمومنین آپ نے دو برے کام کئے

۱ منتخب کنزالعمال۔

ایک شخص کیا یہ بھی شرعاً منع ہے۔ دوسرا بلا اجازت آپ میرے مکان کے اندر داخل ہوئے یہ بھی خلاف شرع کام آپ نے کیا ہے اس کی بات سن کر حضرت عمرؓ چپ چاپ وہاں سے نکل آئے۔ مدت دراز کے بعد بڈھا حضرت عمرؓ کی مجلس میں اتفاقاً ایک دن حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے اسے پہچان لیا فرمایا "علیّ بھذا الشیخ" اس بوڑھے کو میرے پاس لاؤ وہ ضعیف شخص ڈر گیا کہ آج میری خیر نہیں، کوئی تادیبی کارروائی ضرور کی جائے گی لیکن اس کا بیان ہے کہ مجھے حضرت عمرؓ نے قریب کرتے ہوئے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور میرے کان میں چپکے سے فرمایا قسم ہے محمدؐ کو بھیجنے والے رب کی "ما اخبرت احدا من الناس ما رأیت منک" یعنی جو کچھ میں نے تیرے عیوب کو دیکھا تھا آج تک میں نے کسی انسان سے نہیں بتایا۔ پھر فرمایا میرے ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ تھے ان سے بھی میں نے نہیں کہا ہے۔ تو اس بڈھے نے کہا میں نے بھی اسی دن شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر لی ہے[1]

حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ کسی کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہیے بلکہ درپردہ اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ لوگ خود برائیوں سے تائب ہو جائیں گے۔ اور آپس میں بدگمانی نہیں ہوگی۔

چغلی سخت مذمت کے قابل ہے

کسی انسان کی برائی کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کی ازواج مطہرات میں اہلیہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ تو انگلی کے پورے کے برابر ہیں یعنی وہ قد میں ٹھنگنی پستہ قد ہیں ان کا آپ کیا ذکر کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:- یا عائشة لقد قلت قولا لو مزج بہا البحر لکان مرًّا" یعنی اے عائشہ تم نے جو چغلی کی ہے اور ایسی زہریلی بات کہی ہے کہ اگر یہ زہر سمندر میں گھول دیا جائے تو اس کا پانی تلخ و کڑوا ہو جائے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ان کو توبہ و استغفار کا حکم دیا۔ (الادب المفرد)

آج ہماری سوسائٹی میں چغلی و غیبت کی باتیں لوگ اپنی اہلیہ سے مزہ لے کر کہتے اور سنتے ہیں اور کوئی نوٹس اس کے خلاف نہیں لیتے اور نہ ان سے چغلی و غیبت کی برائیاں بیان کرتے ہیں اور نہ انہیں توبہ و استغفار کے لئے کہتے ہیں اس طرح غیبت کو سن کر چپ رہنے والا بھی گویا غیبت کو ٹھیک اور صحیح سمجھ رہا ہے اور غیبت میں کوئی مذمت کی بات نہیں پا رہا ہے۔

شیخ سعدی شیرازیؒ نے ایک بڑی اچھی نصیحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:-

بسمع رضا مشنوا ایذا کس
وگر گفتہ آید بغور از برس

یعنی اگر کسی کی غیبت اور برائی بیان ہو رہی ہو تو اس کو رضامندی کے کان سے مت سنو۔ لیکن اگر کسی کی غیبت اور برائی ہو رہی ہو تو اس کے حقیقت حال تک پہونچنے کی کوشش کرو تاکہ ہماری سوسائٹی میں چغلی و عیب جوئی کا زہر پھیلنے نہ پائے۔

ایک غلام کی غیبت پہ شیخین نے معافی چاہی اور توبہ کیا

ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جب مجاہدین چلتے چلتے رات کے کسی حصہ میں پہونچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پڑاؤ پر ان کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ سارا قافلہ ٹھہر گیا اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان ایک ہی غلام تھا جو اونٹ کا چارا وغیرہ لاتا اور دونوں حضرات کا کھانا بناتا تو پڑاؤ کرتے وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم دونوں رات میں سو رہے ہیں تم ہمارے لئے سالن تیار کر لینا۔ اس کے بعد تم بھی سو جاؤ لیکن وہ غلام دونوں حضرات کے سونے کے ساتھ ہی سو گیا۔ جب صبح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بیدار ہوئے اور نماز کے لئے اٹھے تو غلام کو دیکھا کہ سویا پڑا ہے۔ کوئی نشانی سالن پکانے کی نہیں ملی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ یہ غلام بہت سونے والا ہے۔ دیکھو اب تک سویا پڑا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ بہت ہی غفلت کا مارا ہوا ہے اس کو ہماری ضروریات و حاجات کی کچھ بھی فکر نہیں ہے۔ اس گفتگو کے بعد اس کو فوراً جگا دیا اور پوچھا تو نے سالن بنا لیا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا جس طرح آپ لوگ سو گئے ہیں میں بھی سو گیا سالن نہیں بنا سکا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اب سالن کے لئے یہی ہو سکتا ہے کہ تم جاؤ رسول اکرمؐ سے ہم دونوں کا سلام کہو اور ہمارے لئے رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان سے سالن مانگ لاؤ، چنانچہ غلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس نے دونوں حضرات کا سلام پہنچایا آپ نے سلام قبول کیا۔ اور سالن طلب کرنے کے جواب میں فرمایا کہ وہ دونوں سالن کھا چکے ہیں تو غلام نے پیغام پہونچایا۔ دونوں حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا: "کیف ائتدمنا یا رسول اللہ" یعنی ہم نے اے رسول خدا کون سا سالن کھایا۔" آپ نے فرمایا" بلحم اخیکما حین اغتبتماہ" یعنی اسی وقت تم نے گوشت کھا لیا جب تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی۔ ایک نے کہا کہ وہ بڑا سونے والا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ بڑا غفلت زدہ اور بدھو ہے۔ یہی اس کی غیبت ہوئی اور غیبت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تو جب تم لوگ یہ گوشت کھا چکے تو اب سالن کی کیا حاجت ہے؟ وہ دونوں حضرات

[1] منتخب کنز العمال

نادم ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ ہمارے لئے معافی طلب کیجئے۔ رسول اکرمؐ نے جواب دیا کہ آپ لوگوں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے بلکہ غیبت اپنے غلام کی کی ہے فمراه فليستغفر لكما۔[1] یعنی پس تم دونوں اس کی درخواست کرو، وہ تمہارے لئے خدا سے بخشش طلب کرے گا چنانچہ وہ دونوں حضرات واپس آئے اور غلام سے معافی کی درخواست کی۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین صحابہ میں بھی کوئی عیب یا فساد کی بات سنتے تھے تو فوراً توبہ و استغفار کی تلقین فرماتے تھے کہ اور صحابۂ کرام فوراً سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ حالی مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔ ع

سعادت بڑی اس زمانہ کی یہ تھی
کہ جھک جاتی گردن نصیحت پہ سب کی

یہ غیبت و چغلی وہ بری بلا ہے جو علماء و طلباء میں بھی رائج ہے، ایک طالب علم دوسرے کی شکایت اور اس کی غیبت سے باز نہیں آتا اور ایک عالم دوسرے عالم کی مذمت اور تحقیر و توہین او غیبت سے پرہیز نہیں کرتا۔ اگلے استاذ طلباء کو نصیحت کرتے تھے اور ان کی شکایات و عیب جوئی پر سخت تنبیہ کرتے تھے۔

شیخ سعدیؒ سے حسد

مدرسہ نظامیہ میں شیخ سعدیؒ شیراز میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو انھوں نے اپنے شیخؒ سے اپنے ایک ساتھی کی شکایت کی کہ فلاں مجھ سے برابر حسد کرتا ہے تو استاذ نے جواب دیا کہ اگر وہ ایک راستہ سے جہنم میں جا رہا ہے تو تو بھی دوسرے راستہ سے جہنم میں جانے کی کوشش کر رہا ہے یعنی ساتھی حسد کی وجہ سے جہنم رسید ہوا تو تو غیبت کی وجہ جہنم رسید ہوگا۔

اس طرح کی تعلیم و تربیت کرنے والے اساتذہ اس دنیا سے اب رخصت ہو چکے ہیں جن کی آج کے معاشرے میں سخت ضرورت ہے مگر آج ایسے لوگ بہت ہیں جو کسی کے ایک عیب کو دس عیب بنا کر دکھائیں۔ لیکن خوبی کا ذکر تک نہ کریں۔ بقول شاعر ؎

کاتب تقدیر نے تو ایک لکھ کر بس کیا
ان رقیبوں نے اسے نقطہ لگا کر دس کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مسلم معاشرے کو ان عیوب و نقائص سے پاک و صاف کرے۔ آمین

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

بقیہ: دھار

یہ حضرت مولانا کمال الدین چشتیؒ کے انتقال کے ۱۳۰ سال بعد مزار پر گنبد، عقل کنواں، احاطہ اور حجرہ تعمیر کروائے اور احاطہ کے دروازہ پر فارسی کے ۹ اشعار کا ایک کتبہ نصب کروایا۔

لاٹ مسجد دھار: دھار شہر کے جنوب مغرب میں تالاب کے کنارے ایک عالیشان مسجد ہے جس کو سلطان دلاور خاں غوری نے ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۵ء میں مالوہ میں اپنی خود مختاری کے اعلان کے بعد بنوایا تھا۔ مسجد بہت بڑی اور سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے، اس مسجد کو جہانگیر نے اپنی تزک میں جامع مسجد لکھا ہے عمارت محکمۂ آثار قدیمہ کے تحفظ میں ہے اور صرف نماز عیدین یہاں ہوتی ہے، مسجد کے شمال مشرق میں قریب ہی ایک آہنی ستون (لاٹ یا لاٹھ) کھڑا ہوا تھا، جس کی اونچائی ۴۰ فٹ تھی اسی ستون کے مناسبت سے اس مسجد کا نام لاٹ مسجد ہو گیا، ستون پتھروں کے چبوترہ پر نصب تھا جو گر کر تین ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے۔

بقیہ: اسلام ہر دور میں قیادت کی صلاحیت

، اور وہ زمانہ کے جائز تقاضوں کو بھی سمجھتے ہیں، اس حد تک کہ شریعت میں اس کی رعایت کی گنجائش ہے، اسی کا نام تفقہ ہے اور اس سے بڑھ کر اجتہاد ہے، اور اسی کا نام صحیح رہنمائی ہے، ہمارے مدارس دین کا مرکز ہیں۔ اس لئے ان کا قائم رکھنا، ان کی حفاظت فرض ہے، دین کی حفاظت تو اللہ کے ذمہ ہے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" لیکن ہمارے ذمہ بھی کچھ کیا ہے، اسی کے ہمیں احکام دیئے گئے، دین کی تبلیغ کرو، حالات کا مقابلہ کرو، یہ مدارس کا قیام اور بقا اور اس کی ترقی اور مدارس سے محبت اور ان کی سرپرستی دین کا ایک تقاضا ہے، اور دینی غیرت کا تقاضا ہے، اور دین سے محبت کا تقاضا ہے، دین سے محبت اور بقا کے جذبہ کا تقاضا ہے، ان ہی کی اصل قیمت ہے، اور افادیت ہے، اور یہی اس کی اصل ضرورت ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

برادر مرحوم مولانا سید محمد مرتضیٰ نقوی بستوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نقوی، مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی بستوی کے احفاد میں تھے۔ مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی ان مصلحین اور مربیوں میں تھے جنھوں نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وقت گذارا تھا۔ اور فیض حاصل کیا تھا۔ انھوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات بھی قلمبند کئے تھے اور ان کی کتاب منظورۃ السعداء حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات زندگی کے مراجع میں ہے۔

دوسری طرف مولانا سید جعفر علی صاحب نے اصلاح و تربیت کا کام بستی اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں مؤثر ڈھنگ سے انجام دیا۔ ان کے قائم کردہ مدارس و مکاتب اور ان کے انجام دیتے ہوئے اصلاحی کاموں کے اثرات اور ان کے قائم کردہ ادارے علاقہ بستی اور مغربی بہار کے علاقوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا سید جعفر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اثرات ان کے احفاد میں ان کی دینی حمیت، عقیدہ کی درستگی اور صلاح کی صورت میں عمومی طور پر پائے جاتے ہیں ان کے ان اہم احفاد میں ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کے ناظر مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نقوی بستوی مظاہری بھی تھے۔ جن کا انتقال مؤرخہ ۴ر نومبر ۱۹۹۵ء کو فالج کے اچانک حملے کے بعد تقریباً دو روز علیل رہ کر ہوا۔

مولانا مرحوم ایک صالح عالم دین، مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل، درد مند دل رکھنے والے اور دینی حمیت کے حامل شخص تھے ان کے اخلاق و انسانی ہمدردی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کو دوسروں کے فائدے اور سہولت کی فکر اپنے فائدے اور سہولت سے زیادہ ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کے خاص تعلق والوں کے معاملات میں کوئی فکرمندی اور تعاون اور کام میں مشارکت کا معاملہ ہوتا، اس میں مولانا پیش پیش نظر آتے۔ اور ایسی فکرمندی اور دلچسپی کا ثبوت دیتے کہ جیسے وہ خود اپنے گھر کے کاموں کو انجام دے رہے ہوں۔ اپنے اہل تعلق کی بیماری، شادی، غمی کا معاملہ ہوتا تو مولانا مسائل کو حل کرتے اور ضروری نظم و انتظام کرنے میں خصوصی تعاون کرتے، عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے وسیع نظام کو چلانے میں اولین بوجھ اپنے اوپر لے لیتے۔ ملی کاموں میں یا دینی اداروں کے معاملہ میں نہایت خوش دلی و فکرمندی سے تعاون دیتے اس کے لئے ان کو بارہا مشکل سفر کرنے میں بھی تردد نہ ہوتا۔

چنانچہ انتقال سے صرف ایک ماہ قبل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سالانہ اجلاس کے لئے جو احمد آباد (گجرات) میں کیا جانا طے ہوا تھا۔ اور وہاں یہ اجلاس پہلی بار ہونے کی وجہ سے زمین تیار کرنے کی ضرورت تھی اور انتظامات کی صورتیں طے کرنا تھا۔ مولانا مرحوم کا انتخاب کیا گیا۔ مولانا مرحوم اس علاقہ میں پہلے سے متعارف تھے اسی لئے ان کا انتخاب ہوا تھا وہ اس کے لئے کشادہ دلی کے ساتھ تیار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں ان کو لکھنؤ احمد آباد کے کئی سفر کرنا پڑے، اور انھوں نے ایسا کام کیا۔ اور ایسی فکرمندی کا ثبوت دیا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے تمام ذمہ دار رطب اللسان تھے۔ حالانکہ مولانا کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ لیکن ان میں کام کا حوصلہ بہت بلند تھا چنانچہ انھوں نے عمر کی پرواہ نہیں کی۔ یہ تو ان کے ہمدردانہ رویہ اور حسن تعاون کا حال تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی جو اصل ذمہ داری یعنی کتب خانہ کا اہتمام تھا اس میں مولانا مرحوم کا کام اور اس کی ترقی میں حصہ بہت نمایاں رہا۔ کتب خانہ کی کتابوں کی حفاظت اس کے ذخیرہ کے اضافہ میں انھوں نے بڑی مستعدی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا، وہ کتابوں کے اضافہ کے لئے خرید کے ذریعہ، ہدیہ کے طور پر اور وقف کے طریقہ سے حصول کی برابر کوشش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب سے انھوں نے کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت سے ان کے انتقال کے وقت تک کتب خانہ کا ذخیرہ دوگنے سے زیادہ ہو گیا۔ وہ کتب خانہ کی کتابوں سے اپنی عزیز ترین متاع کی حیثیت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ فکر میں رہتے تھے کہ کتابیں کن کن حضرات کے پاس زیادہ دنوں سے باقی رہ گئی ہیں اور وہ کس طرح جلد واپس ہونا چاہئے۔ وہ اہم کتابوں کی جگہوں تک سے واقف ہوتے تھے۔ جس سے مراجع کے طالب کو فائدہ اٹھانے، ان سے استفسار پر بےتکلف کتاب کی کتب خانہ میں موجودگی اور ان کی جگہ کا بھی پتہ چل جاتا تھا۔ بلکہ بعض وقت وہ کتاب خود وہاں سے نکال لاتے تھے۔ اور تحقیق کا کام کرنے والے کی مدد کر دیتے۔ ندوہ کا کتب خانہ کوئی چھوٹا کتب خانہ نہیں کہ مذکورہ بالا کام آسان ہو۔ وہ ایک لاکھ سے اوپر تعداد میں کتابیں رکھنے والا کتب خانہ ہے اس میں زیادہ تر عربی، اردو، فارسی، اور انگریزی زبانوں میں کتابیں ہیں۔ ان کے بعد دیگر کئی زبانوں میں بھی کتابیں ہیں جو ایک درجن سے زیادہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔

مولانا مرحوم کا دینی جذبہ بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ وہ دین کے فروغ سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ جذبہ انھوں نے اپنے اجداد سے ورثہ میں پایا تھا، اس جذبہ کا ہی اثر تھا کہ وہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے اور ان کے خانوادہ کے افراد سے بہت محبت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ

سے ان کا تعلق اسی راستہ سے ہوا۔ اور پھر انھوں نے ان سے اتنا تعلق بڑھایا اور ایسا قرب ہوا کہ تکمیل تعلیم کے بعد سے اپنی زندگی کی آخری سانس تک حضرت مولانا کے حلقہ عمل سے وابستہ ہو گئے۔ اس تعلق کا آغاز دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معہد میں تدریس کے کام سے ہوا۔ پھر اپنی کارگذاری کی وجہ سے کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ناظر کی جگہ خالی ہونے پر اس کے لئے نامزد ہوئے۔ اور پھر ساری زندگی اسی منصب کی ذمہ داری کو انجام دیتے رہے۔ اور اس کے ساتھ رہ کر جو بھی ملی و مذہبی جدوجہد ہوتی اس میں جذبہ کے ساتھ شریک ہونے، اور توجہ دیتے، مولانا مرحوم کا اپنے زمانہ کے تمام بزرگوں سے بھی قریبی تعلق تھا اور مولانا مرحوم ان کے اعتماد میں تھے اور اس تعلق سے روحانی اور دینی طور سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اپنے زمانہ کے شیوخ کبار حضرت سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مولانا اسعد اللہ صاحب سے خصوصی عقیدت تھی۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم سے تو خصوصی تعلق تھا۔ اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی مدظلہ سے تو بالکل عزیزانہ تعلق تھا۔ وہ دونوں مظاہر العلوم میں درجہ کے ساتھی بھی رہ چکے تھے۔ اس کی وجہ سے بے تکلفی بھی تھی۔ لیکن حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی کے دینی مقام کی قدردانی اور احترام کا ان کو خیال بھی رہتا تھا۔ کاتب مضمون کے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ مظاہری بھی مظاہر العلوم میں ان دونوں کے درجے کے ساتھی رہے تھے اس تعلق سے دونوں حضرات کی محبت مجھ کو اور خاندان کے دوسرے افراد کو حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اور ان سے ایک طرح کا دوہرا ربط ہو گیا تھا۔

مولانا مرحوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی بنا پر اپنے پورے خاندان میں ممتاز تھے۔ وہ اپنے خاندان کے لئے ایک ہمدرد، غم گسار عزیز تھے۔ خاندان کے سب افراد کو ان سے تقویت ملتی تھی۔ وہ اپنے ہم عمروں کے لئے محبت کرنے والا بھائی چھوٹوں کے لئے ہمدرد و سرپرست اور بڑوں کے لئے ایک سعادت مند خورد کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، پانچ فرزند اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ فرزندوں میں بڑے مولوی عبیداللہ اسعدی ہیں، جو مدرسہ اسلامیہ عربیہ باندہ میں استاذ و مفتی ہیں، مولوی سعید حسن ندوی ریاض میں سعودی عرب کی ایک درسگاہ میں استاذ ہیں اور مولوی محمد عمیر ندوی کئی مفید کاموں کو شہر لکھنؤ میں انجام دے رہے ہیں۔

مولانا مرحوم کے مذکورہ تینوں صاحبزادے حافظ قرآن اور عالم دین ہیں اور تینوں کی تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوئی۔ ان میں سے اول الذکر مولوی عبیداللہ اسعدی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں بھی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے وہاں سے افتاء کے ساتھ فضیلت کی، باقی دو بھائی خالد اور عمار سلمہا ابھی چھوٹے ہیں، اور زیر تعلیم ہیں۔ ان کی بڑی صاحبزادی ان کے بڑے بھانجے محمد اسامہ کی زوجیت میں ہیں، اور دوسری صاحبزادی غیر شادی شدہ ہیں۔ مولانا مرحوم کا سانحہ اگرچہ بہتر سال کی عمر میں پیش آیا۔ لیکن ان کی خصوصیات اور ان کی زندگی افادیت کی وجہ سے صرف ان کے اہل تعلق کے لئے ایک صدمہ ہی کی بات نہیں بلکہ ان کے لئے اور ملی کاموں کے لئے بھی ایک خسارہ ہے۔ ان کی خوبیوں کی وجہ سے عرصہ تک لوگ ان کو یاد رکھیں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مولانا مرحوم کو اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ لغزشوں سے درگذر فرمائے۔ اور درجات بلند فرمائے۔ اور اہل خاندان کو صبر و استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

بقیہ: علمائے ہند

ادا کر رہا ہے جو علم و ایمان کو جلا بخشتا اور روح کو بیدار کرتا ہے اس عظیم دبستان علم میں میری حاضری پچاسی سالہ جشن کی تقاریب کے سلسلہ میں ہوئی تھی جس میں مسلم و غیر مسلم سبھی والہانہ شوق لے کر شریک ہوئے تھے اس موقع پر مجھے شیخ گرامی سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ اس کے بعد مجھے ندوہ کو بارہا دیکھنے کی سعادت ملتی رہی، ایک دفعہ میں بہت سارے علمائے کرام کے ساتھ "الاسلام والمستشرقون" کے موضوع پر منعقدہ دارالمصنفین اعظم گڈھ کے سیمینار میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوا، پھر دوسری مرتبہ حضرت شیخ محترم کے ندوہ میں لیکچر دینے کے لئے اہل ندوہ کی دعوت پر دو ہفتوں کے لئے حاضری کا موقع نصیب ہوا، اس بہانے ندوہ کی روحانی اور علمی فضا میں وقت گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہمیں اس بات پر برملا فخر ہے کہ ہمیں ندوہ اور شیخ دامت برکاتہم کی انمول تصنیفات کے درمیان زندگی کے بہترین و قیمتی اوقات بسر کرنے کا موقع نصیب ہوا، میں اپنے ان بھائیوں سے جو میری بات سن رہے ہیں صاف صاف کہتا ہوں کہ وہ شیخ کی تمام تصانیف کو اہتمام سے پڑھیں، وہ بے حد قیمتی اور وسیع و عمیق مطالعوں کا خلاصہ ہیں ایک طرف اپنے اسلامی ورثہ کی تحصیل میں کد و کاوش کا نتیجہ ہیں تو دوسری جانب عالمی پیمانہ پر سوچ و فکر کا خزانہ ہیں۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ماہ شعبان کی فضیلت وبرکت

شمس الحق ندوی

شعبان المعظم کا مہینہ بڑی خیر و برکت کا مہینہ ہے ہمیں اس خیر و برکت کے مہینہ سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور حتی المقدور اعمال خیر میں کوشاں رہنا چاہئیے، ذکر و تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئیے ایسا نہ ہو کہ جب مہینہ ختم ہو تو اس طرح کہ کوتاہی و غفلت کے سوا ہمارے ہاتھ کچھ نہ لگے۔ ایسا کرنے والے شخص نے اپنی عمر کے قیمتی وقت کو ضائع کر دیا۔ وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے جس نے اس مہینہ میں رضائے الٰہی کی خاطر اخلاص و لگن کے ساتھ اعمال خیر کیے

شعبان کا مہینہ ذکر و تلاوت کے اہتمام کا مہینہ ہے اس کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے جو عبادت کا موسم بہار ہے۔

شعبان ہی کے مہینہ میں شق القمر کا معجزہ پیش آیا تھا اس مہینہ کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں عمل صالح بارگاہ ایزدی میں پہونچایا جاتا ہے۔ یہ مہینہ رجب و رمضان دو مبارک مہینوں کے درمیان پڑتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کو پہونچائے جاتے ہیں اس ماہ میں جو بندہ بھی تین روزے رکھتا ہے اور افطار کے وقت مجھ پر تین مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں رزق میں برکت ہوتی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار کرے گا اور جب تک جنت میں وہ داخل ہو جائے اونٹنی پر سے نہ اترے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا، ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا، آپ پورے شعبان روزہ رکھتے تھے یا شعبان کے چند دنوں کو چھوڑ کر باقی پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے (متفق علیہ)

شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں موت کا دن متعین اور رزق تقسیم ہوتا ہے سارے عالم پر رحمت خداوندی سایہ فگن ہوتی ہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝

(دخان ۔ ۴ تا ۷)

ترجمہ: اسی رات میں تمام حکمت کے کام کئے جاتے ہیں (یعنی) ہمارے یہاں حکم ہو کر، بے شک ہم ہی پیغمبر کو بھیجتے ہیں (یہ) پروردگار کی رحمت ہے، وہ تو سننے والا جاننے والا ہے، جو کہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے پانچ راتوں کو (ذکر و تلاوت اور نفل) سے زندہ رکھا جنت اس کے لیے ضروری ہو گئی، یوم ترویہ کی رات یوم عرفہ کی رات، یوم نحر کی رات، یوم عید الفطر کی رات اور شعبان المعظم کی پندرھویں رات۔

ایسے مبارک مہینہ کی خیر و برکت حاصل کرنے میں سستی اور کوتاہی نہ برتنی چاہیے بعض امیدوں اور آرزوؤں میں الجھ کر نہ رہ جانا چاہیے۔ ہماری زندگیوں کا انجام موت ہے جتنے دن رات اعزہ و اقربا کے درمیان گذار رہے ہیں، وہ قبر سے ہم کو قریب کرتے جا رہے ہیں اور ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ دنیاوی مسائل و منافع میں الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مستقبل اور معیار زندگی بنانا چاہتے ہیں، مال و دولت کی آس میں لیل و نہار گزرتے جاتے ہیں حلال و حرام کی تمیز بھی باقی نہیں رہ گئی۔

زندگی کی بھلائی و بہتری تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہے، آخرت تمہارے لیے دنیا سے بہتر ہے۔ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (طلاق ۲، ۳)

ترجمہ:- اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دیگا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں سے (وہم و گمان) بھی نہ ہو، اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ خدا اپنے کام کو جو وہ کرنا چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے۔ خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اور جانتے بوجھتے ہوئے حقیقت سے انحراف بڑی ستم ظریفی ہے۔ آخرت کی حقیقتیں سامنے آکر رہیں گی، قرآن کا ارشاد ہے؛

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ (التکاثر)

ترجمہ :- دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہوجائیگا پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا دیکھو! اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے) تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے (کہ) عین الیقین (آجائیگا پھر اس روز تم سے (شکر) نعمت کے بارے میں پرسش ہوگی۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو ہمیں آخرت کیلئے کوشاں رہنا چاہیئے، کامیاب وہی ہوتا ہے جو فکر د کوشش کرتا ہے جو آخرت کا فکر مند ہوتا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا ہے، جو شخص اعمال خیر کے بابرکت دنوں کا اہتمام کرتا ہے وہ خوف و خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

اطاعت خداوندی جس طرح اچھے عمل کرنے میں ہے اسی طرح سے برے اعمال سے بچنا یہ بھی عین عبادت و اطاعت ہے ظلم وستم سے بہت بچنا چاہیئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن جائے گا۔ کہ راہ چلنا دشوار ہو جائے گا، اپنے ماحول ومعاشرہ کنبہ وخاندان کی صحیح اسلامی تعلیم وتربیت کی فکر کرنی چاہیئے اور ان کی صحیح رہنمائی کرنی چاہیئے اور ہر آن و ہر لمحہ خدا کا خوف اور پاس ولحاظ کرنا چاہیئے۔ کہ تقویٰ بہترین زاد راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ

(سورۂ مومن - ۳۹)

ترجمہ! بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چندروز) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

کہاں شعبان المعظم کے فضائل وبرکات جو اوپر ذکر ہوئے اور کہاں ہماری یہ غفلت کہ اس کی برکات سے فائدہ اٹھانے کا ذرا بھی اہتمام نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس کی پندرہویں رات میں جو ذکر و تلاوت دعاء واستغفار کی رات ہوتی ہے اسکو چھوڑ کر دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی رات بھر پٹاخے داغتے ہیں اور ہزار ہا ہزار روپیوں کے ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی آواز سے مریضوں اور سونے والوں کو تکلیف پہونچاتے ہیں اور ذکر و استغفار میں مشغول لوگوں کی یکسوئی میں خلل ڈالتے ہیں یہ تو وہ بات ہوئی جس کو ہر ایک محسوس کرتا ہے اور اس سے ہم دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے سزاوار اور گنہگار ہوتے ہیں فضول خرچی اور بلا کسی فائدہ کے روپیہ ضائع کرنے کا گناہ کبیرہ الگ کہ اللہ تعالیٰ اسراف وتبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بتایا ہے۔

فرمایا :

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

(بنی اسرائیل : ۲۷)

ترجمہ : فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ" جس کا مطلب یہ ہے کہ مال ودولت کو اسراف کے ساتھ خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں۔

اب ذرا غور کریں کہ شب برات کی مبارک شب میں لڑکے لڑکیاں، بچے، بجیاں انار، پٹاخے اور آتشبازی چھڑاتے ہیں، قبرستانوں پر میلہ لگایا جاتا ہے، قسم قسم کی نازیبا حرکتیں ہوتی ہیں، محرم وغیر محرم اور عورتوں ومردوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ قبروں پر اگر بتیاں اور موم بتیاں جلائی جاتی ہیں۔ جس سے ایک طرف تو فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف دوکان، مکان میں آگ لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جبکہ اپنی جان یا مال کو ایسی ہلاکت اور خطرے میں ڈالنا شرعاً ممنوع ہے۔

اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو ان ناجائز اور خلاف شرع کاموں سے بچانا دینی فریضہ ہے، اس رات کی صرف اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرہواں دن باعث خیر وبرکت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں جاگنے، ذکر وتلاوت کرنے، نوافل پڑھنے اور اس دن روزہ رکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاکر مردوں کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔ تو اگر اس تاریخ میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کرکے دعائے مغفرت کا اہتمام کیا جائے اور قبرستان جاکر عبرت حاصل کی جائے تو یہ مسنون طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ قسم قسم کے حلوہ بنانا، فاتحہ دلانا اور غیر شرعی امور کی پابندی کرنا اور غلط قسم کی رسومات وخرافات اور واہیات چیزوں میں جان ومال اور اوقات کو صرف کرنا ناجائز اور ممنوع ہے۔ البتہ فقیروں ومحتاجوں کو کھلانا پلانا اور دوسرے انداز سے ان کی مدد کرنا یہ بہتر ومبارک کام ہے جو اس مبارک شب کے شایان شان ہے۔

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر مکمل نام دپتہ کے ساتھ خریداری نمبر کا حوالہ دینے سے کارروائی میں جلدی اور آسانی ہوتی ہے

دنیائے اسلام

علماء ہند کے مایہ ناز علمی و دعوتی کارناموں کا اعتراف عرب دنیا میں

پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی

ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ عرب و ہند کے تعلقات ہندوستانی علماء، مصنفین اور ادباء نے علوم اسلامیہ کی ہر شاخ تفسیر متعلقات، تفسیر حدیث، متعلقات حدیث عقائد فقہ و اصول فقہ، لغت، شروح لغت، علم اسرار شریعت وفلسفہ و منطق، تاریخ، شعر و ادب پر بیش بہا کتابیں تصنیف کی ہیں جو کمیت اور کیفیت دونوں ہی اعتبار سے عالم اسلام میں لکھی جانے والی کتابوں اور تصانیف میں امتیازی درجہ رکھتی ہیں بلکہ کچھ موضوعات پر تو ان ہندوستانی علماء کی تصانیف اپنی ندرت تلاش وتحقیق میں یکتا اور منفرد ہیں، فن تفسیر میں شیخ علاء الدین مہائمی کی تبصیر الرحمن فیضی کی سواطع الالہام قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری، ملاجیون کی تفسیرات احمدیہ، مولوی تراب علی کی جلالین شرح جلالین، سید محمد بن دلدار علی کی سبع المثانی، سید محمد تقی کی ینابیع الانوار، مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی تعلیقات الجلالین نواب صدیق حسن خاں کی فتح البیان اور نیل المرام، مولانا عبدالحق الہ آبادی کی الاکلیل علی مدارک التنزیل، مولانا حمید الدین فراہی کی نظام القرآن، مفردات القرآن، الامعان فی اقسام القرآن، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی کی تفسیر القیم الامام ابن قیم اور فن حدیث میں حسن بن محمد صغانی کی مشارق الانوار شیخ علی متقی کی کنز العمال، علامہ طاہر پٹنی کی مجمع بحار الانوار شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لمعات التنقیح علی مشکوٰۃ المصابیح شاہ ولی اللہ کی مؤطا امام مالک کی شرح المسوّیٰ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مؤطا امام محمد پر تعلیق التعلیق الممجد نواب صدیق حسن خاں کی عون الباری اور فتح العلوم مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کی آثار السنن، مولانا شمس الحق ڈیانوی کی عون المعبود، مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بذل المجہود مولانا انور شاہ کشمیری کی فیض الباری، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی مولانا بشیر احمد عثمانی کی فتح الملہم، مولانا محمد یوسف کی امانی الاخبار مولانا ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح، مولانا ظفر احمد عثمانی کی اعلاء السنن، مولانا حبیب الرحمن کی مسند حمیدی، کتاب الزہد والدقائق، سنن سعید بن منصور المطالب العالیۃ، مصنف عبدالرزاق، مسند احمد وغیرہ، مولانا زکریا صاحب کی اوجز المسالک، مولانا عبیداللہ رحمانی کی مرعاۃ المفاتیح، فقہ میں فتاویٰ عالمگیری محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت، مولانا عبدالحی کا حاشیہ ہدایہ اور السعایہ، عمدۃ الرعایہ، مولانا اعزاز علی کی کتاب کا حاشیہ۔ نور الایضاح، حاشیہ کنز الدقائق حاشیہ شرح وقایہ، علم اسرار شریعت و عقائد میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ، نواب صدیق حسن خاں کی متعدد کتابیں خاص طور پر الدین الخالص مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی، اظہار الحق، ازالۃ الاوہام اور ازالۃ الشکوک، مولانا محمد اویس نگرامی کی العقیدۃ السنیہ، فن لغت میں علامہ طاہر پٹنی کی مجمع الانوار، مرتضیٰ بلگرامی کی تاج العروس، مولانا محمد اعلیٰ تھانوی کی کشاف فی اصطلاحات الفنون، فن تاریخ میں شیخ عبدالقادر کی النور السافر، غلام علی آزاد بلگرامی کی "سبحۃ المرجان" مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی کی الفوائد البہیہ اور دوسرے رسائل نواب صدیق حسن کی ابجد العلوم، مولانا عبدالحیٰ کی نزھۃ الخواطر اور دوسری تصانیف، مولانا محمد یوسف کی حیٰوۃ الصحابہ مولانا محمود حسن خان ٹونکی کی معجم المصنفین، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کی رجال السند والہند، الفتوحات الاسلامیۃ فی الہند ایسی تصانیف و کتابیں ہیں جنھوں نے اسلامی ثقافت، فکر اور علوم اسلامیہ کے سرمایہ میں بیش بہا اضافہ کیا ہے یہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کے دینی و علمی، ثقافتی ورثہ میں ہندوستان کے حصہ کو اپنے طاقتور، دلفریب انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ عجمی ممالک کے لئے قابل رشک بن گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان تاریخ کے اس راز کو جان گئے تھے کہ ملکی فتوحات، علمی، ادبی، روحانی فتوحات کے بغیر گہرا اور پائیدار اثر نہیں چھوڑتی ہیں۔ محمود غزنوی کے ساتھ البیرونی تلاش وتحقیق کے لعل و جواہر کے انبار لگا رہا تھا شہاب الدین غوری کے ساتھ شیخ معین الدین چشتی عشق، عرفان درد و محبت کو عام کر رہے تھے شمس الدین التمش کے ساتھ ساتھ خواجہ بختیار کاکیؒ کی سلطنت قائم تھی خلجیوں کا دربار نظام الدین اولیاء کے دربار کے سامنے ماند تھا، تیموری بادشاہوں میں ہمایوں غوث گوالیاری کے حلقہ اثر میں تھا۔ اکبر کو شیخ سلیم چشتی سے جو عقیدت تھی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ جہاں گیر مجدد الف ثانی کا عقیدت مند تھا۔ شاہجہاں بچپن ہی سے مجدد صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل تھا۔ عالمگیر نے سلوک معرفت

کی تعلیم مجدد صاحب کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سے پائی تھی، علماء و مشائخ سلطنتوں اور حکومتوں کے اصل معمار تھے ان کی درویشی میں شہنشاہی اور قلندری میں شان سکندری تھی درحقیقت یہ نفوس قدسیہ شبنم بن کر جگر لالہ میں ٹھنڈک پیدا کرتے ہیں۔

تاریخی جستجو کی جائے تو پتہ چلتا ہے میر غلام علی آزاد بلگرامی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایسے ہندوستانی مصنف ہیں جن کی عربی تصانیف میں اہل زبان کی روانی و قدرت ہے اور ان غلطیوں سے پاک ہے جو عجمی علماء کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی اور سنجیدہ مضامین میں مقدمہ ابن خلدون کے بعد حجۃ اللہ البالغہ عربی نثر و تحریر کا پہلا کامیاب نمونہ ہے۔ مولانا عبدالحی حسنی کی الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند اور الہند فی العہد الاسلامی۔ کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں۔

عصر حاضر میں حضرت مولانا مدظلہٗ کا علمی و دعوتی کام عرب دانشوروں کی نظر میں

عربی زبان کی اداشناسی و برجستگی و روانی و قدرت اور موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے مولانا سید ابوالحسن علی کی تصنیفات ہندوستانی عربی ادب بلکہ عالم عربی کے ادبی سرمایہ میں بالکل ہی منفرد اور جداگانہ اہمیت رکھتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا حق بجانب نہ ہوگا کہ شاید مولانا موصوف کو عربی زبان کے ذریعہ بلاد عربیہ میں دعوت ذریعہ بنانے میں اولیت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ مولانا موصوف کی تصنیفات بلاد عربیہ میں سکۂ رائج الوقت کا درجہ رکھتی ہیں جس کا کچھ اندازہ اسی مضمون میں چوٹی کے عرب علماء و ادباء کے اعترافات سے ہو جائے گا آئندہ سطور میں اسی اجمال کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا کی عربی تحریروں میں کیا زور و تاثیر خوبی و لطافت ہے اور وہ کون سی خوبی و کشش ہے اور دعوت دین کی کون سی مخلصانہ تڑپ دبے کلی ہے جس نے خود اہل زبان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ مولانا کی عربی تحریروں کا اعتراف کریں بلکہ ان کے فکر، خیالات و افکار کو حرز جاں بنائیں اور اس تائید و مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوں۔

اس صدی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے عربی زبان کو اپنی دعوت و تصنیف کا ذریعہ بنا کر نہ صرف یہ کہ ندوہ نے ایک صدی قبل کے ادب عربی پر زور دینے کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا ہے بلکہ عرب دنیا میں ہندوستانی علماء نے ملک کے وقار کو بلند کیا ہے۔ مولانا کی کتابوں کا اگر گہرائی کے ساتھ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا مولانا کا اصل ذوق قرآن سیرت، تاریخ و تراجم اور ادب کا ہے۔ انھوں نے اگرچہ خالص ادبی موضوعات کو محض ذات کا ذریعہ نہیں بنایا۔ لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ادب کا رنگ اور اس کی چاشنی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" اور "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" ان کی فکری کتابیں ہیں جن سے ان کے دور جدید کے وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اسی لئے بجا طور پر لوگ انھیں مفکر اسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا کی بیشتر کتابیں تذکرہ اور تراجم سے متعلق ہیں مولانا جلیل القدر مصلح اور مربی ہیں اصلاح و تربیت فکر انگیزی، اخلاق آموزی اور ایمان آفرینی ان کی ہر تحریر کا امتیاز ہے۔ تراجم اور سوانح نگاری کے پس پردہ دراصل اصلاح و تربیت کا جذبہ کارفرما ہے انھوں نے مسلمانوں کی نئی نسل کے لیے اسلامی تاریخ کی چیدہ اور برگزیدہ شخصیتوں کو روشنی کا مینار بنا کر پیش کر دیا۔

مولانا نے تنقید و استدراک کا فرض بھی انجام دیا ہے ان کی بعض کتابیں اسی موضوع سے متعلق ہیں ان کا مقصد مخالف کو لاجواب کرنا اور علمی مجادلہ کا دروازہ کھولنا نہیں ہے بلکہ دل کے دروازہ پر دستک دینا ہے یہی وجہ ہے کہ دلسوزی اور شرافت کا رنگ ان کے اسلوب پر غالب ہے

مولانا کی تصنیف "المرتضیٰ" بھی اپنے موضوع پر متوازن اور وقیع کتاب اس دور میں نہ اردو میں لکھی گئی ہے نہ عربی زبان میں یہ ایک علمی خلا تھا جسے مولانا کے قلم نے پُر کر دیا ہے۔ اردو میں صدیق اکبر الفاروق اور حضرت عثمان کے نام سے علامہ شبلی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی کتابیں موجود ہیں حضرت علی کی شخصیت اور قرن اول میں نازک دور پر لکھنے کے لیے تاریخ کو اس شخص کا انتظار تھا جس کو دل دردمند فکر ارجمند اور زبان ہوشمند بخشا گیا ہو۔

مولانا کی ان تمام تحریروں اور ادبی کاوشوں کو اسلامی عرب دنیا کے صف اول کے علماء، ادباء اور دانشوروں نے سراہا ہے ان سے اپنی عقیدت و احترام اور محبت کا اظہار کیا ہے جس کے ذیل میں کچھ نمونے پیش کئے جارہے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی (مرحوم) دمشق، مقام کے ممتاز اخوانی رہنما

علمی بلندی، شریعت کے اسرار و رموز کے فہم میں گہرائی، اور اس کی تہہ تک رسائی عالم اسلام کے مسائل کا دقیق تجربہ اور اس کا علاج اور حل پیش کرنے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصانیف کو امتیازی مقام حاصل ہے

انور الجندی (ممتاز مصری مفکر و ادیب)

فکر اسلامی سے متعلق ہر مسئلہ پر حضرت مولانا نے قلم اٹھایا، نئے نئے پیدا ہونے والے شبہات کا رد کیا۔ فصیح عربی زبان میں غلط افکار و

خیال کی پرزور مخالفت کی قاہرہ، دمشق، مکہ لبنان اور بغداد کے اپنے دعوتی اسفار کے دوران اس موضوع پر لوگوں کو خطاب کیا۔
آپ کی تصانیف کو عرب نوجوانوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہے۔

انور الجندی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اسلوب میں انوکھاپن اور قدرت و جمال ہے۔ تحریر و تقریر پر بڑی قدرت اور اسلام کا گہرا اور صحیح فہم حاصل ہے آپ نے اپنی دعوت کا اصل مخاطب عربوں کو بنایا۔ اور اسلامی بیداری پیدا کرنے میں ان کے مثالی کردار کو یاد دلایا۔ اور ایک ایسے انقلاب کا تصور دیا جس میں اسلام دینی، معاشرتی طرز زندگی کے اعتبار سے اپنے حقیقی معنی و مفہوم کے ساتھ پایا جائے۔

استاذ محمد المجذوب (استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا، یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا کہ آپ کی تحریروں میں ایک ایسا اثر اور جادو ہے جو صرف ان بلند اور خداداد صلاحیت رکھنے والے اہل قلم میں پایا جاتا ہے۔ جنہوں نے لفظ کی حقیقت کو پہچانا اور اس کی گہرائی تک اترے اور اس سے ہم آہنگی پیدا کی۔ اور پھر ان کے قلبی احساسات و جذبات نے اس کی تاثیر میں مزید اضافہ کیا۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جو صرف قرآن کے شغف رکھنے والوں اور روحانی ذوق رکھنے والوں میں ہی پائی جاتی ہے۔

اسی اسلوب میں حضرت مولانا نے تاریخی واقعات کو قلم بند کیا ان کی تاریخی تحریروں میں زندگی کی عکاسی بھی ہے۔ اور عبرت و نصیحت کا سامان بھی ہے اور شاید ہی ایسا ہو کہ آپ ان کی کوئی تحریر پڑھیں اور وہ حکمت سے خالی ہو۔

پروفیسر ڈاکٹر فاروق حمادہ
استاذ تاریخ جامعۃ الملک محمد الخامس (مراکش)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تمام تحریروں میں ایک خاص لذت و مٹھاس اور تاثیر و لطافت ہوتی ہے جس کی نظیر اس عصر کے اہل قلم حضرات کے یہاں ملنی مشکل ہے۔

اور یہی وہ چیز ہے جو قاری پر پوری طرح اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے وجدان پر چھا جاتی ہے اور وہ اپنے احساسات قلب و دماغ اور عقل و فکر کے ساتھ مولانا کے بیان کردہ خیال و نظریہ کو اپنا لیتا ہے کیوں کہ مولانا دل کی گہرائیوں سے یقین کے بعد کے ساتھ جس سے ان کا دل منور ہے۔ لکھتے ہیں اور وہ اس میدان میں پوری ایک نسل کے قائد و رہنما اور ایک منفرد مدرسہ کے بانی ہیں (مصادر السیرۃ النبویہ و تقویمہا)

عبد اللہ عبد الحمید (علمی مشیر وزارت تعلیم سعودی عرب)

حضرت مولانا بہادروں اور جوانمردوں کی طرح اسلام کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تاکہ اسلامی خزانہ کو ایک ایسا سرمایہ اور ایک ایسی طاقت بنا دیں جو مغرب کے فکری رجحانات کا مقابلہ کر سکے، اور انسان کی علمی ثقافتی تعمیر میں ایسا کارنمایاں انجام دے سکے جس پر عالمی چھاپ ہو۔ اور جو اسلامی مقاصد کی اسطرح تکمیل کرے کہ وہ ظاہری شکل و صورت سے آزاد ہو۔ (الانطلاقۃ التعلیمیہ فی المملکۃ السعودیہ)

احمد محمد طحان (مراکش)

جب میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سلسلہ میں کچھ عرض کر رہا ہوتا ہوں تو میں ان بلند ترین اور چند نامور علماء میں سے ایک عظیم اسلامی ادیب و داعی کے بارے میں لب کشائی کر رہا ہوتا ہوں۔ جنھوں نے معروضی علم کے ساتھ وسیع تقابل اور مناسب حل کو جمع کیا اور ساتھ ساتھ اپنی ادبی شان کو بھی باقی رکھا۔ جنھوں نے متقدمین کی فصاحت و بلاغت اور متاخرین کی سہولت کو یکجا کر دینے کا کارنامہ انجام دیا۔ (ہفت روزہ رسالہ المجتمع کویت کے تبصرہ سے)

ڈاکٹر شکری فیصل مرحوم (شام کے ممتاز عالم و محقق)

انسانی زندگی میں رونما ہونے والے تغیرات و تصورات پر گہری بلند اور ہمہ گیر نظر ماذا خسر العالم کے مؤلف کا ایک خاص امتیاز ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے مشہور ترین مفکرین و دانشوروں میں اس کا شمار ہے۔

وہ پانچوں ابواب جن پر یہ کتاب مشتمل ہے اس آفاقیت کا پتہ دیتے ہیں جو تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کو سمیٹے ہوئے ہے اس کتاب کے مطالعہ پر اسلامی اور مغربی حکومتوں کی اجتماعی، اخلاقی و دینی زندگی کی ایک حقیقی تصویر سامنے آتی ہے۔

دینی تحریکات کے خدوخال ان کی بنیادی خصوصیات، ایک دوسرے سے ان کا ربط اور اختلاف اور ان کے اخلاقی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی کامیابی و ناکامی اور ان کے عروج و زوال کا صحیح علم ہوتا ہے (ماہنامہ الثقافۃ، سنہ ۱۹۴۹ء قاہرہ)

ڈاکٹر مصطفی السباعی

عالم اسلام میں ایک زبردست تحریک ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ از سر نو اسلام کی دعوت دے اور شریعت کے مطابق دنیا کے تمام معاملات کو منظم کرے اور لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرے، مسلم ممالک کو استعماری طاقتوں سے نجات دلائے مسلمانوں کے

ذہن وفکر کو جہالت و خرافات سے آزاد کرے۔ ان کی سوسائٹی اور معاشرہ کو ظلم اور انتشار و پراگندگی سے چھٹکارا دلائے، اس تحریک کی نظر میں اسلام ہی صاف وشفاف سرچشمۂ ہدایت ہونے کی بنا پر اور سلف صالح سے ملی ہوئی میراث کی بنیاد پر۔ ان مقاصد کو کامل طریقہ سے بروئے کار لانے کا ذمہ دار ہے۔ اسلام ہی تمام عالم اسلام کو خواب غفلت سے بیدار کرسکتا ہے۔ اس تحریک کی بنیادیں تمام مسلم ممالک میں پائی جاتی ہیں۔ یہ آپ کو قاہرہ میں بھی ملیں گے۔ اور دمشق، بغداد، اور عمان ومکہ اور کویت میں بھی اور اس کے علاوہ دوسرے عرب ممالک میں بھی، اسی طرح اس کی شاخیں آپ کو ہندوستان، پاکستان اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی نظر آتی ہیں۔ ہر ہر ملک میں اس کے کچھ نمائندے اور ذمہ دار موجود ہیں جو سچائی وامانت داری میں تحریک کے اصول ومبادی کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ اور لوگوں میں اس تحریک کی دعوت کو عام کرنے میں، اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے سب کچھ قربان کردینے میں ممتاز نمایاں ہیں

اس قابل مبارکباد تحریک کے روح رواں اور اس کتاب کے مصنف عالم ربانی، مصلح قوم، داعی الی اللہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ہیں جنھوں نے دینی دعوت کو پھیلانے اور اس کو عام کرنے میں اپنی زبان وقلم، اور سفر وحضر کو وقف کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا کا شمار ہندوستان کے بڑے بڑے علماء ومصلحین میں ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی تصانیف امور شریعت کو سمجھنے میں اور عالم اسلام کے مسائل کا حل پیش کرنے میں اور علمی گہرائی اور فکری گہرائی میں ممتاز ہیں ان تمام خصوصیات کے علاوہ حضرت مولانا کے اندر روحانی روشنی، اخلاق نبوی کی کرن پائی جاتی ہے

آپ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں سلف صالح کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔

(رجال الفکر والدعوۃ کے مقدمہ سے ماخوذ ۱۹۵۵ء)

استاذ علی طنطاوی (عالم عربی کے مشہور ادیب وعالم)

اگر ادبی ذوق کی علامت اس کا صحیح انتخاب ہے تو میں تمام دانشوروں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے سامنے کچھ عرصہ میں ادبی منتخبات کے مجموعے پیش کئے گئے، تاکہ ہم ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شام پڑھنے والے ثانوی درجات کے طلباء کے لئے کرلیں، تو کمیٹی کے تمام ممبران اس کی تحقیق وجستجو میں لگ گئے اور پوری تحقیق وتلاش کے بعد ہم سب اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسکول وکالج میں پڑھانے کے لئے سب سے بہتر کتاب مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کی "مختارات" ہے جو ہر طرح سے مکمل اور مفید ہے۔

سید قطب شہید

میں نے بچوں کے لئے تصنیف کردہ انبیاء کے قصص کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور "القصص الدینی للاطفال" کی تالیف میں شریک بھی رہا ہوں، لیکن میں بغیر کسی تکلف کے یہ گواہی دیتا ہوں کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس سلسلہ میں جو کام کیا ہے وہ مکمل اور نمونہ ہے، ان کی کتاب میں کچھ ایسے اشارات ہیں جن سے واقعہ اور قصہ کی صحیح صورت حال سامنے آجاتی ہے، اور قصص ہی کے درمیان کچھ مفید تبصرے ہیں اور اہم ایمانی حقائق ہیں جو ننھے بچوں کے دلوں میں اور بڑے افراد کے دلوں میں جاگزیں ہوجاتے ہیں۔

(قصص النبیین کے مقدمہ سے)

سید قطب شہید (ماذا خسر کے مقدمہ سے ماخوذ)

اس موضوع پر تمام قدیم وجدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گذری ہیں، ان میں مولانا کی یہ تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" (مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا) خاص مقام رکھتی ہے۔

اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول وکلیات کو ان کے وسیع دائرہ کے اندر اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق لکھا ہے۔ اس بنا پر نہ صرف یہ کہ دینی واجتماعی تحقیق علمی کا نمونہ ہے بلکہ اس کا بھی نمونہ ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے تاریخ کو کس طرح مرتب کرنا چاہیے۔ اور مصر کے مشہور اسلامی دانشور عالم اور اخوانی رہنما سید قطب نے اپنی مشہور تفسیر فی ظلال القرآن میں متعدد جگہ مولانا کی کتابوں کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔

اسلامی دنیا کے علماء ومفکرین کے اس اعتراف وقبول کے بعد ہندوستانی ادب عربی اور اسلامی علوم وفنون کی تشریح وتفہیم مولانا کو وجہ امتیاز اور علمی جلالت شان ہے وہ مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی کے تأثرات کا ایک اقتباس

ایمان تو وہ حقیقت ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی دلیل بن جائے، جس وقت ہم نے ندوۃ العلماء کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تب آنکھیں کھلیں اور ہمیں داعی عظیم شیخ علی طنطاوی کے اس تاریخی جملہ کی قدر وقیمت معلوم ہوئی جس کو انھوں نے ندوۃ العلماء کی زیارت کے بعد ندوہ سے متأثر ہوکر "تأثرات حاضری" میں تحریر کیا تھا کہ "میرے اندر یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش زمانہ واپس لوٹ آئے اور میں نوجوانی اور طالب علمی کے دور کو دوبارہ حاصل کرسکوں تو اس عظیم درسگاہ ادارہ میں زانوئے علم وادب تہہ کرلوں، اور اس کے اساتذۂ گرامی اور بزرگوں سے خوب خوب فائدہ اٹھاؤں، اس میں کچھ بھی مبالغہ آرائی نہیں کہ علی طنطاوی نے بالکل سچ فرمایا کیونکہ ندوہ وہ کردار

باقی ص ۱۳ پر

دھار

ایک قدیم ترین تاریخی شہر

دھار مالوہ کا ایک شہر ہے جو اپنی الگ مستقل تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس کی تاریخ کا ایک تابناک باب ایسا بھی ہے جو انسانیت دوست بلکہ انسانیت سے پیار کرنے والے بہت سے فرمانرداؤں اور انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھانے والے علماء ربانیین اور اولیاء کرام کے علمی اور تربیتی کارناموں میں جگمگا رہا ہے۔ تاریخ کے ان تابندہ نقوش اور نفوس قدسیہ کے حالات سے واقف ہونا دلوں میں دینی وعلمی اور دعوتی جذبہ کو ابھارنے، سوئی ہوئی امنگوں کو جگانے اور کچھ کرنے کا حوصلہ پیدا کرنے کا کام کرسکتا ہے۔ اس لئے کتاب مالوہ کی کہانی پر قاضی عبدالقدوس صاحب فاروقی ندوی کی کتاب "مالوہ کی کہانی تاریخ کی زبانی" اور جس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قیمتی مقدمہ کا شرف بھی حاصل ہے ایک باب ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

کوہ بندھیاچل کی سطح مرتفع کے جنوب مغربی گوشہ میں یہ شہر آباد ہے، یہ ہندوستان کا ایک قدیم ترین شہر ہے جس کی تاریخ ڈھائی ہزار سال پرانی ہے تیرھویں صدی عیسوی تک یہاں بہت سے بدھ و ہندو راجہ گذرے ہیں جن میں راجہ بھوج اول ۳ھ مطابق ۶۲۴ء جو معجزہ شق القمر کا عینی شاہد تھا اور راجہ بھوج دوم ۱۰۱۰ء سے ۱۰۵۵ء / ۴۴۷ھ جو حضرت عبداللہ شاہ چنگال کا ہم عصر تھا، بہت مشہور گذرے ہیں۔

۳۰۶ھ مطابق ۹۱۷ء میں مشہور عالم مؤرخ وسیاح علامہ مسعودی مالوہ آئے۔ اس وقت یہاں راجہ بلہارا کی حکومت تھی اور مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی، علامہ مسعودی کی سیاحت کے بعد چالیس مبلغین کا ایک قافلہ دھار آیا جس کو مقامی باشندوں نے شہید کرکے ایک کنوئیں میں ان کی نعشیں ڈال دیں، علامہ مسعودی کی سیاحت کے ۱۲۵ سال بعد ۴۳۲ھ مطابق ۱۰۴۲ء میں سرتاج الابدال حضرت عبداللہ شاہ چنگالؒ ملک عرب سے دھار تشریف لائے۔ اور یہاں مستقل قیام فرمایا، شاہ چنگالؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے ایک صدی قبل آئے تھے۔

۶۹۰ھ مطابق ۱۲۹۱ء میں حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا کمال الدین چشتی نبیرہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ مردانِ مالوہ کی رہنمائی کے لئے دھار تشریف لائے اور اکتالیس سال تک رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا، آپ کا مدفن بھی دھار میں ہے، اسی دوران حضرت محبوب الٰہی کے دوسرے خلیفہ مولانا غیاث الدین بھی دھار آگئے اور مستقل سکونت اختیار کرلی، چشتیہ سلسلہ کے اور بھی بزرگ مولانا صباح الدین وغیرہ ہم بھی دھار تشریف لائے۔

حضرت مولانا کمال الدین چشتیؒ کی آمد کے پندرہ سال بعد ۷۰۵ھ مطابق ۱۳۰۵ء میں دہلی کے سلطان علاء الدین خلجی اور ان کے سپہ سالار عین الملک ملتانی نے مالوہ فتح کرکے دہلی سلطنت کا صوبہ بنایا اور دھار کو مالوہ کا دارالحکومت بنایا۔ اس فتح کی خوشی میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے حضرت مولانا کمال الدین چشتیؒ کے قیام گاہ کے متصل ایک شاندار مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جو دو سال کی قلیل مدت ۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۷ء میں مکمل ہوگئی، مسجد کے متصل حضرت مولانا کے لئے حجرہ، خانقاہ اور دالان بنوائے دہلی کے سلطان جلال الدین خلجی کا لڑکا محمود خلجی جو حضرت مولانا کے عقیدتمندوں میں تھا۔ دھار آکر مولانا کی خدمت میں رہنے لگا۔ اور یہیں انتقال کیا۔

۷۰۹ھ مطابق ۱۳۱۰ء میں علاء الدین خلجی اور ان کا سپہ سالار ملک کافور دھار آئے، سلطان نے حضرت عبداللہ شاہ چنگال کے مزار پر گنبد بنوایا، مالوہ کا انتظام بھی دہلی سلطنت کے انتظام کی نہج پر شروع کیا، یہاں کی دفتری زبان فارسی مقرر ہوئی، ساتھ ہی شمالی اور مشرقی ہندوستان سے علماء اور مشائخ کا ایک سیلاب مالوہ کی طرف امنڈ آیا کیوں کہ یہاں کی آب وہوا بہت خوشگوار اور عبادت ومجاہدات کے لئے یہاں کا ماحول بہت پرسکون اور روح افزا تھا، پورے علاقہ میں خانقاہی نظام قائم ہوگیا جس کے ذریعہ لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی۔

۷۴۴ھ / ۱۳۴۴ء میں دہلی کا سلطان محمد تغلق دکن جاتے ہوئے دھار میں مقیم ہوا مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ بھی ان کے ہمراہ تھا، اس نے انجیرہ کے پانوں کی اپنے سفرنامہ میں بڑی تعریف لکھی ہے کہ یہ بہت خوش ذائقہ اور خوشبودار ہوتے ہیں، اس وقت مالوہ میں قحط پڑا

ہوا تھا۔ اس لئے سلطان محمد تغلق نے شہر دھار کے اردگرد فصیل اور شہر کے شمال میں متصل پہاڑی پر سنگ سرخ کا قلعہ بنوانا شروع کیا جو سات سال کی مدت میں ۱۳۴۵ء میں بن کر تیار ہو گیا، یہ قلعہ تغلق فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

سلطان محمد بن فیروز تغلق نے ۷۹۳ھ مطابق ۹۱-۱۳۹۰ء میں دلاور خاں غوری کو دھار کا صوبیدار مقرر کیا سلطان محمود بن فیروز تغلق کے عہد میں ۱۳۹۸ء میں تیمور نے دہلی پر حملہ کرکے سلطان محمود کو شکست دیدی، سلطان شکست کھا کر دھار آ گیا اور ساڑھے تین سال تک جلاوطن بادشاہ کی حیثیت سے دھار میں مقیم رہا، اس کے بعد دھار سے واپس جاتے ہی دلاور خاں غوری نے ۸۰۴ھ مطابق ۲-۱۴۰۱ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ اس طرح مالوہ ایک خودمختار سلطنت بن گیا جس کا دارالسلطنت دھار تھا، دلاور خاں غوری کے بعد ان کے لڑکے ہوشنگ شاہ نے اپنا دارالسلطنت دھار سے مانڈو منتقل کردیا۔ اس سے دھار کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ مانڈو صرف فوجی دارالحکومت تھا۔ اور دھار کا انتظام براہِ راست سلطان کے ہاتھ میں رہتا تھا۔

مالوہ میں غوری اور خلجی سلاطین کی علم دوستی اور سرپرستی کا شہرہ سُن کر ہندو بیرون ہند کے بہت سے علماء اور ہر سلسلۂ مشیخت کے بزرگ دھار آ گئے، ان میں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، عطاریہ، سہروردیہ، شطاریہ، قلندریہ، کومیلیہ، غرض ہر سلسلہ کے مشائخ کا مرکز بن گیا۔ اور خانقاہوں اور مدارس کا جال پھیل گیا اور دھار اسلامی علوم کا مرکز بن گیا اور پیران دھار کہلانے لگا، ان بزرگوں کی تعلیمات سے اسلام کا بہت فروغ ہوا۔ اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے استفادہ کیا، مالوہ میں ایک نئے نظام کی بنیاد پڑ گئی اور مذہبی رواداری، انسان دوستی اور بھائی چارہ کا ماحول پیدا ہو گیا۔ ان بزرگوں کے مزارات شہر دھار کے اردگرد شہر کی آبادی یہاں تک کہ بعض مکانوں کے اندر موجود ہیں جن کی لوگ عقیدت کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں سیکڑوں بزرگ حالت گمنامی میں زیر زمین دفن ہیں ان کے تفصیلی حالات بوجہ طوالت یہاں تحریر کرنا ممکن نہیں ہے ان کے حالات ایک علاحدہ کتاب مالوہ کے علماء اور مشائخ میں لکھے گئے ہیں، چند نام حسب ذیل ہیں۔

چالیس مبلغین جو شہید کردیئے گئے، ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۲ء میں حضرت عبداللہ شاہ چنگالؒ ۶۹۰ھ مطابق ۱۲۹۱ء میں حضرت مولانا کمال الدین چشتیؒ، مولانا غیاث الدین چشتی، مولانا حسام الدین چشتی تشریف لائے ان کے بعد قاضی محمودؒ، شیخ سعد اللہؒ شیخ صدر جہاں، شیخ معروفؒ غریب اللہ، شیخ تاج الدینؒ عطار اللہ، سید حسن شہید، حضرت جان من چشتی، سید فخر الدین پیر پیراں، شیخ ظہور الدین قادری، سید علی قتال شیخ ظہور الدین غوث، سید عبداللہ شاہ بخاری، سید کریم الدین، قاضی یحیٰی الدین چشتی، خواجہ امین الدین عرف شربت پیر، سید ناصر جنگ ولی، سید مقبول عرف بندی چھوڑ، سید دانش شاہ ولی، مولانا عظیم الدین غوث، سید جمال الدین غیب شاہ غازی، ناصر الدین شاہ ابدالؒ، مولانا نور الدینؒ چشتی عرف شاہ عالم چشتی، مخدوم قاضی برہان الدینؒ، مخدوم قاضی محمد اسحاقؒ، شیخ الاسلام جالندہؒ، شیخ نور الدین منڈویؒ، مخدوم عبداللہ شاہ شطاری، سید نظام الدین منڈوی، شیخ سماء الدین دہلوی، عبداللہ شاہ بیابانی، شاہ نجم الدین قلندر، شاہ میانجو چشتی۔ قاضی عبدالقادر غرض سیکڑوں علماء و مشائخ یہاں تشریف لائے اور دھار کے اردگرد اپنی خانقاہوں میں درس و تدریس دیتے رہے۔

تاریخی عمارتیں:- شہر دھار کے جنوبی مغربی فصیل کے کنارے چالیس شہداء کے مزارات و شاہ چنگالؒ کا گنبد ہے۔ یہاں مالوہ کی سب سے پہلی خانقاہ قائم ہوئی تھی، احاطہ کے دروازہ پر فارسی کے ۴۲ اشعار کا کتبہ ہے جس کو سلطان محمود خلجی اول نے ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں نصب کروایا تھا یہ ہندوستان کے سب سے مشہور کتبوں میں ہے۔

دھار کا قلعہ:- شہر کے شمال میں متصل ایک پہاڑی پر سنگ سرخ کا قلعہ ہے جس کو سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی نے ۱۳۴۵ء میں بنوایا تھا یہ عمارت تغلق فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے اس کی چہار دیواری درست حالت میں ہے۔

جامع مسجد کمال مولانا دھار:- شہر کے جنوب میں سنگ سرخ کی بہت وسیع عمارت ہے اس مسجد کو سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی نے مالوہ کی فتح کی خوشی میں حضرت مولانا کمال الدین چشتیؒ کی قیام گاہ کے متصل ۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۷ء میں تعمیر کروایا تھا۔ چونکہ مسجد صرف دو سال کی مدت میں بہت عجلت کے ساتھ تعمیر کی گئی تھی اس لئے ایک صدی میں شکست ہو گئی جس کو محمد بن فیروز تغلق کے صوبیدار دلاور خاں غوری نے ۷۹۵ھ میں تعمیر کروائی، مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے تحفظ میں ہے اور صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔

مسجد سے متصل حضرت مولانا کمال الدین چشتیؒ ان کے اہل خاندان، سلطان دلاور خاں غوری ان کے اہل خاندان و پیر مرشد شاہ ناصر الدین شاہ ابدال کے مزارات دو گنبدوں کے اندر ہیں، اس کے مقابل شہزادہ محمود بن جلال الدین خلجی دہلوی اور مولانا حسام الدین کے مزارات ہیں، سلطان محمود خلجی اول نے ۸۶۱ھ

(باقی ص۱۱ پر)

لہ یہ سلسلہ مولانا قاضی معین اللہ صاحب ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے خاندان کے بزرگ ہیں۔ لہ لہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی اولاد ہیں، لہ پیر مرشد دلاور خاں غوری، لہ پیر مرشد ہوشنگ شاہ پیر مرشد سلطان محمود خلجی اول

ماہ شعبان کی برکات سے

فائدہ اٹھانے کی فکر کیجئے

— قاری محمد ریاض

شعبان المعظم کا مہینہ بڑی خیر و برکت اور ذکر و تلاوت کے اہتمام کا مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں شق القمر کا معجزہ بھی پیش آیا تھا۔ اس ماہ کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ اور بارگاہ خداوندی میں بندوں کے اعمال صالحہ پہونچائے جاتے ہیں، اس مہینے کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شعبان میرا مہینہ ہے۔

جب شعبان کا مہینہ شروع ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے مہینے روزوں کا اہتمام فرماتے — ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"مَارَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ"

(میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر دو مہینے روزہ رکھتے نہیں دیکھا سوائے ماہ شعبان و رمضان کے) (ترمذی)

ایک مرتبہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

"یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ اَرَكَ تَصُوْمُ مِنْ شَھْرٍ مِنَ الشُّھُوْرِ مَاتَصُوْمُ فِیْ شَعْبَانَ قَالَ ذَالِكَ شَھْرٌ یَغْفُلُ النَّاسُ عَنْہُ بَیْنَ رَجَبَ وَرَمَضَانَ وَھُوَ شَھْرٌ تُرْفَعُ فِیْہِ الْاَعْمَالُ اِلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَاُحِبُّ اَنْ یُّرْفَعَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ" (بیہقی)

یا رسول اللہ میں نے آپ کو سوائے رمضان کے اتنے روزے رکھتے نہیں دیکھا جتنے آپ ماہ شعبان میں رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ لوگ اس رجب و رمضان کے درمیان والے مہینہ کی فضیلت سے غافل ہیں۔ حالانکہ اس مہینہ میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے روزہ کی حالت میں پیش ہوں۔

اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر رحمت مغفرت اور سعادت سے ہمکنار کرنے کے لئے وہ رات عنایت فرمائی جس کو ہم عرف عام میں شب برأت کہتے ہیں۔ اس رات کے بے شمار فضائل ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات کے متعلق ارشاد گرامی ہے۔

"اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَصُوْمُوْا یَوْمَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْھَا بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُ لَہٗ اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُہٗ اَلَا مِنْ مُّبْتَلٰی فَاُعَافِیَہٗ اَلَا کَذَا اَلَا کَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ" (ابن ماجہ)

شعبان کی پندرہویں شب میں قیام کرو اور دن کا روزہ رکھو (پندرہویں تاریخ کا دن) اللہ تعالیٰ اس شب کے غروب آفتاب کے بعد آسمان دنیا کی طرف تمام رحمتوں کو متوجہ فرما کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہے کوئی معافی طلب کرنے والا جو مجھ سے معافی طلب کرے اور میں اس کو معاف کردوں، ہے کوئی مجھ سے روزی مانگنے والا کہ وہ مجھ سے روزی مانگے اور میں اس کو روزی دوں۔ ہے کوئی مصیبت زدہ جو مجھ سے مصیبت دفع کرنے کے لئے کہے اور میں اس کی مصیبت دور کروں۔ یہ اعلان صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ اس رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ ھٰذِہٖ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلّٰہِ فِیْھَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُوْرِ غَنَمِ کَلْبٍ وَلَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی مُشْرِكٍ وَلَا اِلٰی عَاقٍ لِوَالِدَیْہِ وَلَا اِلٰی مُدْمِنِ خَمْرٍ" (بیہقی)

میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ آج شعبان کی پندرہویں رات ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ قبیلہ کلب کی بکریوں کے برابر اپنے بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس رات میں مشرک، کینہ پرور، رشتہ کاٹنے والے، ٹخنے کے نیچے پاجامہ پہننے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے اور شرابی کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھتا ہے۔

لہٰذا اس مبارک رات میں جس قدر عبادت ہوسکے اس میں کوشش کرنی چاہئے اور خیر و برکت کے حصول میں کسی قسم کی تساہلی اور تغافل سے کام نہ لینا چاہئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس رات کی مبارک ساعتوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"وَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ قَدْ قُبِضَ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذَالِكَ قُمْتُ حَتّٰی حَرَّکْتُ اِبْھَامَہٗ فَتَحَرَّكَ فَرَجَعْتُ وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ اِلَیْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً

عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ اَوْ يَا حُمَيْرَاءُ اَظَنَنْتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَانَ بِكِ قُلْتُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ قَدْ قُبِضْتَ لِطُوْلِ سُجُوْدِكَ فَقَالَ اَتَدْرِيْنَ اَيُّ لَيْلَةٍ هٰذِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذِهٖ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِيْنَ وَيَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِيْنَ وَيُؤَخِّرُ اَهْلَ الْحِقْدِ كَمَا هُمْ۔" (بیہقی)

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی جس میں اتنا لمبا سجدہ کیا کہ میں نے یہ خیال کیا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوئی۔ اور آپ کے پیر کے انگوٹھے کو ہلایا وہ ہل گیا تو میں سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ہیں پھر کان لگا کر میں نے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری معافی کے ساتھ تیرے عذاب سے اور تو اپنی خوبیوں والا ہے کہ میں ان کو شمار نہیں کر سکتا اور تو اپنی تعریفوں سے خوب واقف ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو نے یہ خیال کیا کہ اللہ کے رسول تیری حق تلفی کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم نہیں۔ میں نے آپ کے سجدہ کے طویل ہونے کی وجہ سے یہ خیال کیا تھا کہ شاید آپ کا انتقال ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج شعبان کی پندرہویں رات ہے اس شب میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ اور معافی چاہنے والوں کو معاف کرتا ہے۔ اور رحم چاہنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ اور بغض رکھنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

ہمارے مشائخ نے بھی اس مبارک رات کے احیاء کا اہتمام فرمایا ہے۔ سید السالکین والعارفین حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ (والد مکرم اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی) فرماتے ہیں" شعبان کی پندرہویں شب کو نماز پڑھنا اور دن کو روزہ رکھنا مسنون ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک شب میں آسمان دنیا پر غروب آفتاب سے صبح صادق تک تجلی فرماتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے جو شخص اپنے گناہوں کو بخشوانا چاہے بخش دوں گا۔ اور جو شخص روزی حاصل کرنا چاہے اس کو روزی دوں گا اور جو کسی مصیبت میں ہو اس کو تندرست کروں گا۔

لہٰذا اس شب میں نوافل ادا کرنا اور توبہ واستغفار میں مشغول رہنا چاہیئے بعض بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ وہ شب برأت کو نماز مغرب کے بعد سورہ یٰسین تین بار پڑھتے ہیں اول مرتبہ درازی عمر کی نیت سے دوسری مرتبہ بلاؤں کے دفع کرنے کے لئے اور تیسری مرتبہ خدا کے سوا کسی اور کا محتاج نہ ہونے کے لئے۔ اور ہر بار سورہ یٰسین کے بعد مندرجہ ذیل دعا ایک بار پڑھتے ہیں اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ اور سال بھر تک تمام مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ مجھ کو مشائخ سے یہ دعا پہونچی ہے۔ میں تمام مسلمانوں کو جو اس کے پڑھنے کے خواہشمند ہوں اجازت دیتا ہوں۔

"اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْمَنِّ وَلَا يُمَنُّ عَلَيْهِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا ذَا الطَّوْلِ وَالْاِنْعَامِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَهْرَ اللَّاجِئِيْنَ وَجَارَ الْمُسْتَجِيْرِيْنَ وَاَمَانَ الْخَائِفِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِيْ عِنْدَكَ فِيْ اُمِّ الْكِتَابِ شَقِيًّا اَوْ مَحْرُوْمًا اَوْ مَطْرُوْدًا اَوْ مُقَتَّرًا عَلَيَّ فِي الرِّزْقِ فَامْحُ اَللّٰهُمَّ بِفَضْلِكَ شَقَاوَتِيْ وَحِرْمَانِيْ وَطَرْدِيْ وَاِقْتَارَ رِزْقِيْ وَاَثْبِتْنِيْ عِنْدَكَ فِيْ اُمِّ الْكِتَابِ سَعِيْدًا مَرْزُوْقًا مُوَفَّقًا لِلْخَيْرَاتِ فَاِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ فِيْ كِتَابِكَ الْمُنْزَلِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ۔ اِلٰهِيْ بِالتَّجَلِّي الْاَعْظَمِ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ الْمُكَرَّمِ الَّتِيْ يُفْرَقُ فِيْهَا كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ وَيُبْرَمُ اَنْ تَكْشِفَ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا نَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ وَمَا اَنْتَ بِهٖ اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔"

اے اللہ اے احسان کرنے والے جس پر کوئی احسان نہیں جتا سکتا۔ اے بزرگی وعزت کے مالک، اے نعمتوں وشفقتوں کے مالک تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی گرتوں کو تھامنے والا ہے، اور بے یار ومددگار کو پناہ دینے والا ہے اور خوفزدہ کی امان ہے۔ اے اللہ اگر تو نے اپنے لوح محفوظ میں مجھ کو بدبخت یا محروم یا دھتکارا ہوا یا روزی میں مجھ پر تنگی کیا ہوا لکھ دیا ہے تو اے اللہ تو اپنے فضل وکرم سے میری بدبختی، محرومی، ماندگی اور تنگیٔ رزق کو مٹا دے۔ اور اپنے لوح محفوظ میں مجھ کو نیک بخت رزق کی کشادگی، بخشا ہوا اور نیکیوں کی توفیق بخشا ہوا لکھ دے۔ پس بے شک تو نے اپنی اس کتاب میں جو تو نے اپنے پیغمبر برحق پر نازل فرمائی ہے، فرمایا ہے جس چیز کو اللہ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور لکھ دیتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اے اللہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات کی تجلی اعظم کا صدقہ کہ جس شب میں تمام امور حکیمہ کی تقسیم عمل میں آتی ہے، اور قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ تو ہم سے وہ تمام مصائب

و آلام دور فرمادے جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ جن کو تو خوب جانتا ہے۔ بے شک تو ہی سب سے بڑا عزت و مکرمت والا ہے اور اے اللہ تو رحمت کاملہ نازل فرما، ہمارے آقا و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و اصحاب پر۔

شب برات کی فضیلت کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"شب برات کی فضیلت میں روایات اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہوجاتی ہے اس لئے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے۔" (معارف القرآن)

حضرات! کہاں ماہ شعبان المعظم اور اس ماہ کی مبارک پندرہویں شب کے فضائل و برکات اور کہاں ہماری یہ غفلت کہ اس میں برکات سے فائدہ اٹھانے کا ذرا بھی اہتمام نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس شب میں جو ذکر و تلاوت اور استغفار کی رات ہوتی ہے اس کو چھوڑ کر دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی رات بھر پٹاخے داغتے ہیں۔ آسمانوں سے خدا کی رحمت تو زمین کی طرف آتی ہے تاکہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرکے انھیں برگزیدہ بنادیا جائے مگر ہم ہیں کہ آگ کے شعلے آسمانوں کی طرف چھوڑتے ہیں تاکہ رحمتِ خداوندی متوجہ نہ ہوسکے۔ اور ہمارے گناہوں کا بوجھ جوں کا توں رہے۔ کاش یہ ہزاروں روپے مفلوک الحال اور نادار بیواؤں و یتیموں کے کام آتے، اس سے دینی، فلاحی اور تربیتی ادارے بنتے اور اس سے سماجی برائیوں کو جنم دینے والی تحریکوں کا مقابلہ کیا جاتا۔ کتنے گھر ہیں جو آتش بازی کی نذر ہوچکے ہیں۔ آتش بازی سے ملک وملت کا نقصان ہے۔ عوام کا نقصان ہے ہمارا اور آپ کا نقصان ہے اور ان سب سے بڑھ کر دین کا نقصان عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس طرح کے اسراف سے محفوظ رکھے اور ماہ شعبان المعظم و شب برات کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

آخری عرض گدا ہے شاہ سے

خواجہ محمد مجذوبؒ

اے خدا! اے میرے ستار العیوب
میرے مولا! میرے غفار الذنوب

تجھ پہ روشن ہیں میرے سارے عیوب
جانتا ہے تو مری حالت کو خوب

سخت طغیانی پہ ہے بحرِ ذنوب
لے خبر کشتی مری جائے نہ ڈوب

یاس نے بس اب تو ہمت توڑ دی
اب تو لے کشتی تجھی پہ چھوڑ دی

توبہ پھر کرتا ہوں میں توبہ شکن
منہ نہیں توبہ کا گو اے ذوالمنن

روک لایعنی سے اب میری زباں
ذکر میں تیرے رہوں رطب اللساں

رہ گئے ہیں زندگی کے دن بھی کم
اب تو ہوجائے میرے اوپر کرم

کیوں ہراساں ہوں بڑا قادر ہے تو
زانکہ خود فرمودہ لاتقنطوا

غرقِ بحرِ معصیت ہوں سربسر
رحم کر مجھ پر الٰہی رحم کر

ہمتِ ترکِ معاصی کر عطا
بخش دے سارے مرے جرم و خطا

اب تو ایسی دے مجھے توفیق تو
تیرے پاؤں آؤں میں ہو کر سرخرو

دینداروں کی سی ہے صورت مری
کردے یارب ویسی ہی سیرت مری

آخری عرض گدا ہے شاہ سے
تادمِ آخر نہ بھٹکوں راہ سے

سب سے بڑھ کر ہے یہ عرضِ مختصر
خاتمہ کردے مرا ایمان پر

مرتبوں کی تو کہاں ہے حیثیت
مغفرت ہو مغفرت ہو مغفرت

یہ مناجات اے خدا مقبول ہو
درگذر فرما اگر کچھ بھول ہو!

دعائے مغفرت

مدرسہ منبع العلوم (قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر) کے مہتمم جناب مولانا سید محمد نسیم صاحب گذشتہ ماہ نومبر ۱۹۹۵ء میں انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم بہت نیک، متقی، صالح اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ مدرسہ کا نظام بڑی خوش اسلوبی سے چلاتے رہے۔ بزرگوں سے خصوصی ربط رکھتے تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے عقیدتمندانہ تعلق تھا۔ موصوف کے اجداد حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا گہرا تعلق و نسبت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ داڑھی شعار اسلام ہے لیکن ایک شخص داڑھی رکھ کر چھوڑ دیتا ہے اور اس کو لمبی کرتا ہے، اور بل دے کر اسے سکھوں کی طرح موڑ لیتا ہے تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟

ج:۔ داڑھی مرد کے لئے زینت ہے اور شعار اسلام میں سے ہے لمبی رکھنا درست ہے، داڑھی کو اس طرح بل دے کر موڑنا کہ جس سے سکھوں کی داڑھی کا شبہ ہو "من تشبہ بقوم فھو منھم" کو سامنے رکھتے ہوئے از روئے شرع درست نہیں ہوگا۔

س:۔ کسی پوجا یا تہوار کے موقع پر اگر کوئی مسلمان اپنی دوکان میں زیادہ سامان رکھے یا لوگوں کی آمد و رفت کی جگہ اسٹال لگائے، اور گاہکوں کو مائل کرنے کے لئے مروجہ جائز طریقے اپنائے اور اس سے اس کا مقصد تجارت کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کیا یہ گناہ میں تعاون کرنا ہوگا۔؟ اور اس کو اس پر مطعون کرنا اور اس سے عوام کو بدظن کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ دریافت کردہ صورت میں جائز اشیاء کی تجارت مذکور طریقہ پر جائز ہے ایسے شخص کو مطعون کرنا درست نہیں ہے، طعنہ زنی کرنے والا گناہ کا مرتکب ہوگا۔

س:۔ امام نے پہلی رکعت میں چند آیات کی قرأت کی اور دوسری رکعت میں لمبی سورۃ پڑھی تو یہ کیسا ہے؟

ج:۔ دونوں رکعات میں آیات کی تعداد برابر ہونی چاہئے ایک دو آیات کی کمی زیادتی کا اعتبار نہ ہوگا۔ البتہ نماز فجر کی پہلی رکعت میں قرأت لمبی کرنا بہتر ہے۔

س:۔ ایک سال سے زائد عمر کا بچہ پختہ مکان کے پختہ فرش پر پیشاب کردے تو عام زمین کی طرح خشک ہونے سے پاک ہو جائے گا یا پوچھا لگانے سے پاک ہوگا یا پانی بہانا ضروری ہے؟

ج:۔ پختہ فرش زمین کے حکم میں ہے خشک ہونے سے پاک ہو جائے گا البتہ اس پر پانی بہا دے۔

س:۔ تقریباً نو، دس سال کی عمر میں میں نے ایک مرتبہ قسم توڑ دی تھی، آیا اس کا کفارہ مجھ پر لازم ہے؟

ج:۔ نابالغ پر قسم توڑنے کا کفارہ نہیں ہے لہٰذا چونکہ آپ نے جس وقت قسم کھائی تھی نابالغ تھے آپ پر کفارہ نہ ہوگا۔

س:۔ ایک شخص ہاتھ میں قرآن لے کر یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا اور پھر کر لیتا ہے تو کیا اس پر کفارہ لازم ہے؟

ج:۔ صرف قرآن پاک ہاتھ میں لے لینے سے قسم نہیں ہوتی ہے، اگر اس کے ساتھ زبان سے بھی قسم کھائی ہے تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا ورنہ نہیں۔

س:۔ قسم کا کفارہ کیا ہے؟

ج:۔ دس محتاجوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے لگاتار روزے رکھے۔

س:۔ بعض لوگ تعویذ پہنے ہوتے ہیں اور ان میں قرآنی آیتیں لکھی ہوتی ہیں، کیا اس کو پہن کر بیت الخلاء جا سکتے ہیں؟

ج:۔ تعویذ اتار کر جانا چاہئے، اسے پہن کر جانا مکروہ ہوگا۔

س:۔ کیا ایک موذن دو مسجدوں میں اذان کہہ سکتا ہے؟

ج:۔ ایک موذن کا دو مسجدوں میں اذان کہنا مکروہ ہے کیونکہ وہ دو مسجدوں میں سے ایک میں ایسے عمل کی طرف بلا رہا ہے جس کو وہ خود نہیں کرے گا۔

س:۔ کیا عورت اپنے شوہر کے مال سے صدقہ کر سکتی ہے؟

ج:۔ اگر عورت کو اپنے خاوند کی رضامندی معلوم ہو تو وہ اس کے مال سے صدقہ کر سکتی ہے ورنہ نہیں؟

س:۔ کیا نیند کی حالت میں نوافل نہیں پڑھنا چاہئے؟

ج:۔ نہیں نیند کی حالت میں نوافل نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص اونگھ رہا ہو تو اسے چاہئے کہ سو جائے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے اس لئے کہ اگر وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو ممکن ہے کہ وہ استغفار کرتے کرتے اپنے آپ کو گالی دینے لگے۔

نعت پاک — عبدالقیوم فرقت

منوّر اس لئے بزم جہاں معلوم ہوتی ہے

مری فکر و نظر رفعت نشاں معلوم ہوتی ہے
زمیں طیبہ کی مجھ کو آسماں معلوم ہوتی ہے
مجھے اب دھن لگی ہے ہر گھڑی طیبہ پہونچنے کی
اب ان کی چشم رحمت مہرباں معلوم ہوتی ہے
بلائیں مجھ کو بھی طیبہ خدا کے واسطے آقاؐ
یہاں اب زندگی بار گراں معلوم ہوتی ہے
مئے حُبِّ نبی سے ہر گھڑی سرشار رہتا ہوں
منوّر اس لئے بزم جہاں معلوم ہوتی ہے
جو بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کا نام آتا ہے
نبیؐ کی ذات اقدس درمیاں معلوم ہوتی ہے
نظر جس نے کبھی کی مصحفِ عثمانؓ پر فرقت
تو اس کو ساری دنیا بے زباں معلوم ہوتی ہے

آہ! مرحوم مولانا سیّد محمد مرتضیٰ صاحب

تمہاری نیکیاں زندہ، تمہاری خوبیاں باقی

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

۴؍نومبر ۱۹۹۵ء کو تعمیر حیات (۲۵؍اکتوبر ۱۹۹۵ء) میں مولانا مرحوم کا ایک نوٹ بعنوان "گجرات کا ایک دعوتی سفر" پڑھ رہا تھا اور مولانا اپنی تمام نیکیوں اور خوبیوں کے ساتھ بالکل سامنے، اپنے خاص طرز میں مسکراتے، نظر آرہے تھے۔ نوٹ ختم ہوا تو ان کی معیت میں کئی مدارس میں جانے اور ان کے عقیدتمند اساتذہ سے ملنے کے وہ اسفار اور مناظر یاد آئے جن میں مولانا مرحوم کے خلوص و محبت کے مظاہر کی وجہ سے ایک رعنائی و تابانی کا احساس ہوا۔ کیا معلوم تھا کہ اس وقت جب میں ان کی یہ تحریر پڑھ رہا تھا، اور ان کی یاد بے اختیار آرہی تھی اور سوچ رہا تھا کہ رابطۂ ادب اسلامی کے سیمینار کے بعد جب شبلی منزل داعظم گڈھ سے لکھنؤ واپسی ہوگی تو کتب خانہ علامہ شبلی (ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کے ناظر، اپنے محترم دوست، اپنے مخلص اور کرم فرما، مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم سے ملوں گا اور احمد آباد کے اجتماع سے متعلق باتیں ہوں گی، رات میں غالباً قریب ۱۲ بجے) ہمیشہ کے لئے انھوں نے آنکھیں بند کرلی ہیں اور اپنے پیدا کرنے والے کے جوار رحمت میں چلے گئے ہیں، اور یہ آنکھیں نہ اب مجھے دیکھ سکیں گی اور نہ میری آنکھیں انھیں دیکھ سکیں گی،

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵؍نومبر کی صبح کو نماز فجر کے بعد اقبال صاحب نے جو ضلع بستی کے رہنے والے ہیں اور مرتضیٰ صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی اجتبا، صاحب کے مخلصین میں ہیں، مرحوم کی مختصر علالت اور افسوس ناک وفات کی اطلاع دی، تو محسوس ہوا کہ میرے دونوں پیر ڈوب رہے ہیں، طبیعت اتنی متأثر تھی کہ مسجد سے گھر تک آنا مشکل معلوم ہوا۔ مولانا مجھے بہت عزیز رکھتے تھے، مجھے بھی ان سے ایک قریبی عزیز جیسا تعلق، انس اور لگاؤ تھا۔ علاوہ اس کے کہ ان کی توجہ خاص کی بدولت کتب خانہ علامہ شبلی سے میں نے بہت استفادہ کیا اور اس سلسلہ میں وہ سبھی طالب علموں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کی بڑی فراخدلی سے مدد کرتے تھے جو آج ان کی وفات پر افسردہ، رنجور اور غمگین ہوں گے، مجھ سے ان کا معاملہ کچھ خاص ہی تھا، یہ میری خوش نصیبی تھی کہ ان جیسا پاکباز اور بے نفس انسان اور اس خانوادے کا ایک فرد، جس کی ایک پاک طینت مجاہد شخصیت سید احمد شہیدؒ کے دامن سے میدان جہاد میں بھی وابستہ رہی تھی، اور یہ شریف النفس انسان خود اسی طرح آج اس شہید محترمؒ و معظم کے خانوادے کی مشہور عالم معزز و ممتاز شخصیت حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کے دامن سے وابستہ تھی، مجھے عزیز رکھتا تھا اور ایک عزیز کی طرح میرا خیال بھی رکھتا تھا، آج وہ نہیں ہیں تو خیال آتا ہے کہ نہ صرف ندوۃ العلماء ہی کے کتب خانے میں بلکہ ندوہ میں، ان مدارس میں جن سے ان کا تعلق اور طبقۂ علماء میں، وہ ایک جگہ خالی ہوگئی ہے جو شاید آسانی سے پُر نہ ہوسکے گی۔

دنیا کے اس کارخانے میں ہر روز تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، انھیں تبدیلیوں میں حیات و ممات کا بھی ایک سلسلہ ہے اور اس لامتناہی سلسلے کی ایک کڑی مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم کی وفات بھی ہے، بظاہر ایک چھوٹی سی کڑی، لیکن ان کے گھر والوں، عزیزوں اور دوستوں اور خود ندوۃ العلماء کے اساتذہ، طلباء اور منتظمین اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کے لئے، ایک اہم کڑی جو ایک بڑا اور نہایت رنجدہ واقعہ بلکہ حادثہ ہے۔ یہ ناچیز جس کے لئے یہ واقعہ سنگین ہے اور جو خود ہمدردی کا طالب ہے، سب کے غم میں برابر کا شریک ہے، سب کے لئے اللہ تعالیٰ سے سکون قلب اور صبر جمیل کی اور مرحوم کے لئے مغفرت اور مراتب کے بلند سے بلند تر ہونے کی دعا کرتا ہے آمین۔

دعائے مغفرت

مولانا وقار عظیم ندوی (مقیم حال ریاض) کے والد ماجد محمد سلطان الدین صاحب کا انتقال مورخہ ۲۹؍نومبر ۱۹۹۵ء کو ان کے آبائی وطن گھوسی (ضلع مئو) میں ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نیک طبیعت، منکسر المزاج اور عبادت گذار آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اظہار تشکّر

مولانا مرتضیٰ صاحب نقوی مظاہری بستوی ناظر کتب خانہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انتقال پُرملال کے افسوسناک واقعہ پر ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور ادارہ تعمیر حیات کے نام مرحوم کے ہمدردوں و بہی خواہوں اور ندوۃ العلماء سے ملحقہ مدارس و دیگر اداروں سے خطوط اور تعزیت نامے موصول ہوئے جن کو تعمیر حیات میں شائع کرنا اور فرداً فرداً ہر ایک کو جواب دینا دشوار ہے۔

ادارہ تعمیر حیات اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سبھی ذمہ دار ان سب حضرات کے شکرگذار ہیں۔

(ادارہ)

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

نام کتاب: "میرا مطالعہ" مرتب:۔ تابش پرتاپ گڈھی
ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی ۶
قیمت کتاب: ۵۲ روپیہ

کسی تکلف کے بغیر اپنے تأثر کا اظہار کر رہا ہوں کہ یہ کتاب ثانوی درجات کے طلبہ سے لے کر اساتذہ اور مصنفین کے لئے بھی کار آمد ہے، بے شک مؤلفین و مصنفین مرتبین کا اپنا ایک خاص طریقۂ کار ہوتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی اگر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو پختہ کار کاتبین کی کوئی نئی چیز پالیں گے۔ $\frac{۱۸×۲۲}{۸}$ سائز کے ۲۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب میں پہلے مطالعہ سے متعلق تیس سوالات قائم کئے گئے ہیں، پھر کتاب کو تین ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے قند مکرر، گفتگو، نظر اپنی اپنی۔ "قند مکرر" کے تحت وہ تحریریں ہیں جو اب سے تقریباً ۲۵ سال پہلے "چراغ راہ" اور "سیارہ" لاہور میں چھپ چکی ہیں جس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر سید اسعد گیلانی، پروفیسر خورشید احمد، اور مریم جمیلہ ہیں۔ "گفتگو" کے تحت ان بزرگوں کے مضامین ہیں جو اپنی مشغولیت کے سبب لکھ نہ سکے ان سے گفت و شنید کر کے مضمون کی ترتیب دی گئی ہے۔

اس باب میں مولانا سراج الحسن، مولانا کوثر یزدانی ندوی اور پروفیسر عنوان چشتی ہیں۔ "نظر اپنی اپنی" میں وہ تحریریں ہیں جو "سوال نامہ" کے پیش نظر لکھی گئی ہیں اس میں ۳۲ اونچے کاتبوں کے اسماء گرامی ہیں جن میں نعیم صدیقی، مولانا جلال الدین عمری، مولانا اخلاق حسین قاسمی، میاں طفیل محمد، مولانا محمد یوسف اصلاحی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، مولانا وحید الدین خاں جیسے لوگ شامل ہیں۔

میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ لکھنے والے حضرات نے سوالنامہ کو ایک جانب رکھ کر جوابات پر مشتمل ایک مضمون لکھ دیا ہوگا، لیکن حیرت ہوئی کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسے مشغول ترین بزرگوں نے بھی سوالات کا لحاظ کرتے ہوئے دلچسپ و مفید جوابات دیئے ہیں۔

سوالات میں مطالعہ کی اہمیت، اس کا شوق، اس کی غرض، اس کا طریقہ، مطالعے سے متعلق اپنا خاص تجربہ جیسے مفید ترین سوالات ہیں جن کی افادیت کا اندازہ ہر ذی شعور طالب علم بھی کر سکتا ہے۔

سوال متعلق "مطالعہ برائے تفریح" اور سوال "کیا آپ کتابیں خرید کر پڑھتے ہیں یا عاریۃً لے کر" اچھے نہ لگے مگر بعض بزرگوں کے جوابات پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔

تفصیلی جائزہ کی یہاں گنجائش نہیں بس کتاب مطالعہ کے قابل ہے۔

"میت کے حقوق" ہندی رسم الخط میں۔ از ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی۔ ۹ انچی لفافہ پر اپنا پتہ صاف لکھیں اور ایک روپیہ کا ٹکٹ لگا کر اس پتہ پر بھیج دیں، کتاب آپ کو مفت روانہ کی جائے گی۔

ناظر معہد، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دعائے مغفرت

● عبد المعید کے دادا جناب حاجی محمد رمضان صاحب جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب سے بیعت ارادت کا تعلق رکھتے تھے۔ ساٹھ سال تک مسلسل اپنے علاقہ میں دین کی اشاعت و تبلیغ میں سرگرم عمل رہے اور ۲۲ر نومبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کا تعلق ضلع پرتاپگڈھ سے تھا ان کے ایک پوتے عبد المعید دار العلوم ندوۃ العلماء عالیہ ثانیہ میں زیر تعلیم ہیں جو مرحوم کے لئے ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ ہیں قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی وزارت برائے اسلامی امور نے گزشتہ ماہ روسی مسلم طلبہ کو دینی علوم اور عربی زبان سکھانے کی غرض سے روس کے چار مختلف شہروں میں دو دو ہفتہ کا تربیتی پروگرام منعقد کیا گیا جس میں طلبہ کو قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور عربی زبان کی تعلیم دی گئی۔

● امریکی ریاست انڈیانا میں ایک اسلامی ٹی وی اسٹیشن جلد ہی کام کرنا شروع کر دے گا۔ ٹی وی اسٹیشن سے ہفتے میں تیس گھنٹے اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگرام پیش کئے جائیں گے اور اس کی نشریات امریکہ کی بیشتر ریاستوں میں دیکھی جاسکیں گی۔ اس طرح اس ٹی۔وی اسٹیشن کے ذریعہ امریکہ میں اسلام کی مخالفت پر مبنی پروپیگنڈہ کا جواب دیا جاسکے گا۔

● حکومت برطانیہ اپنی مالی حالت اور بی بی سی کے پروپیگنڈے کے بے اثر ثابت ہونے کے بعد اس کے سالانہ بجٹ میں بیس فیصد کمی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ واضح رہے کہ بی بی سی کی عالمی نشریات کے اخراجات حکومت برداشت کرتی ہے لیکن دنیا کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ بی بی سی کی عالمی سروس کی نشریات تمام دنیا میں بہت مقبول ہیں اور ہر ملک کا حزب مخالف اپنے ملک کی تازہ ترین معلومات کے لئے بی بی سی سنتا ہے لیکن اب حکومت برطانیہ نے یہ محسوس کیا ہے کہ لوگ بی بی سی سنتے تو ہیں لیکن بی بی سی کی نشریات میں انتشار اور پھوٹ پھیلانے کی جو کوشش کی جاتی ہے اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

● قطر کے انٹرنیشنل اسلامک بینک (Q.I.I.B) کے جنرل منیجر نے اپنے ایک اخباری بیان میں بتایا کہ بینک نے پچھلے مالی سال کے دوران ١٠ فیصد منافع کمایا یعنی ١٩٩٤ء میں اسے ٩٣۔٦ ملین ریال کا نفع ہوا۔ انھوں نے مزید بتایا کہ بینک کی اب تک کارکردگی اور نتائج سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ١٩٩٥ء میں بھی بینک کی کارکردگی تسلی بخش ہوگی۔ ١٩٩٤ء میں بینک نے اپنے کھاتہ داروں کو اصل سرمایہ پر ٦ فیصد منافع دینے کا اعلان کیا تھا جو بیس لاکھ ریال کے برابر ہے۔ خیال رہے کہ ١٩٩٣ء میں بینک نے ٥ فیصد منافع تقسیم کیا تھا۔ بینک کے مجموعی اثاثوں میں ١٠ فیصد کا اضافہ ہوا جو اب بڑھ کر ٨٠٠ ملین ریال ہوگئے ہیں یہ بینک غیر سودی نظام پر قائم ہیں۔

● ماسکو سے شائع ہونے والا روزنامہ "منار اسلام" نے عظیم روسی شاعر پوشکن کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قرآن شریف کو عظیم روحانی دولت تصور کرتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ جدید دور میں صرف یہی کتاب بنی نوع انسان کے لئے رہنمائی کرسکتی ہے۔ اخبار کے مطابق پوشکن نے ١٧٩٥ء میں کیا جانے والا قرآن شریف کا روسی ترجمہ بے حد غور سے پڑھا تھا اور ١٨٢٤ء میں شائع ہونے والا پوشکن کے ایک شعری مجموعہ پر قرآن شریف کے نفسیاتی واخلاقی اثرات نمایاں تھے جب کہ کتاب کا عنوان بھی قرآن سے اکتساب کردہ تھا، پوشکن کے مذکورہ مجموعہ میں انصاف، ربوبیت الٰہی اور یوم حساب کو بطور خاص موضوع بنایا گیا تھا اور ایک نظم خاص طور پر پیغمبر اسلام پر لکھی گئی تھی۔

گذارش

والد مرحوم مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کے مختلف حضرات سے بشمول مالی معاملات میں تعلقات تھے۔ اس سلسلہ میں قارئین تعمیر حیات سے گذارش ہے کہ اگر کسی صاحب کا والد مرحوم کے ذمہ کوئی حساب نکلتا ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں ان شاء اللہ ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اہل خانہ و پسران
مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم

بقیہ: صفحہ ۳۰ کا

ستر عورت ہے (یعنی جسم کے جتنے حصہ کا ڈھکنا ضروری ہے) حتی الامکان سورۂ فاتحہ کا یاد کرنا اور حتی المقدور صدقۂ فطر ادا کرنا۔ رمضان المبارک میں کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے اور دن کے کسی حصہ میں اس کی معذوری ختم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے گریز کرے۔ گو اس کا روزہ نہ ہوگا لیکن احترام کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح کے اور مسائل۔

ایسے ہی پاکی وطہارت کا مسئلہ ہے تو جتنے پر قادر ہو اتنی طہارت حاصل کرے اور جتنے پر قادر نہیں اس کی تکمیل تیمم سے کرے، خواہ وہ پانی نہ ہونے کے سبب سے ہو۔ یا بعض اعضا مرض کے سبب نہ دھوئے جا سکتے ہوں، اس صورت میں وہ جتنا کرنے پر قادر ہے اتنا کرے، اس حکم میں غسل وضو دونوں ہی شامل ہیں۔ ایسے ہی نماز کے جن ارکان وشرائط کے ادا کرنے پر قادر ہو کرے نماز نہ چھوڑے۔ علماء کا مشہور قول یہی ہے۔

بخاری شریف میں عمران بن حصین رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو اگر بیٹھنے پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھو! ان سب باتوں سے معذور ہو تو نماز کی نیت کر کے آنکھ کے اشارہ سے نماز پڑھے، ۲ے آپ کے الفاظ کہ "جتنا کہہ کر تم کو چھوڑ دوں (خاموش ہو جاؤں) اتنے پر مجھے چھوڑ دو" اس بات کی دلیل ہے کہ اصل عدم وجوب ہے، جب تک صراحۃً کوئی شرعی حکم نہ آ جائے علم الاصول کے ماہرین کے نزدیک یہی درست ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"۔

اور جب میں تم کو کسی چیز سے منع کر دوں تو اس کو چھوڑ دو، یہ حکم بھی مطلق ہے کوئی عذر پایا جائے گا تو وہ ممنوع چیز حدود کے اندر جائز و مباح ہو جائے گی مثلاً بھوک کی حالت میں جب حلال ملنا ممکن نہ ہو اور جان جانے کا خطرہ ہو تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت مردار کو کھا سکتا ہے۔ یا ایسے ہی دواء یا جبراً پلایا جائے تو شراب پی سکتا ہے۔ دشمنوں کے قبضہ میں بے بسی کے عالم میں کلمۂ کفر کہلایا جائے تو زبان سے الفاظ ادا کر سکتا ہے تاکہ جان بچ جائے، اس طرح کی اور بھی مجبوری کی باتیں ہیں یہ سب ممنوع ہونے میں شامل نہ ہوگا۔ واللہ اعلم ۵ے

"جب میں تم کو کسی بات سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو، منع کرنے کا یہ حکم ان تمام چیزوں کے لئے عام ہے جس سے روکا گیا ہے۔ ان باتوں پر اگر زبردستی عمل کرایا جائے تو اس حکم عام سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا، جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

لے فتح الباری۔ ۲ے المجتمع المدنیہ جو اس تصنیف کی مصنف کی کتاب ہے۔ ۳ے جامع العلوم والحکم ۴ے فتح الباری۔ ۵ے صحیح مسلم۔

قرآن مجید

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

عالم لاہوت کا جوہر ہے قرآن مجید — یعنی قول داور محشر ہے قرآن مجید
اک شفائے روح وجاں پرور ہے قرآن مجید — وجہ تسکین دل مضطر ہے قرآن مجید
کاشف حالات خشک و تر ہے قرآن مجید — عظمت خلاق کا مظہر ہے قرآن مجید
سارے احکام شریعت کا ہے سرچشمہ یہی — درحقیقت دین کا محور ہے قرآن مجید
سب صحیفے ہو گئے منسوخ اس کے سامنے — اب اکیلا حشر تک رہبر ہے قرآن مجید
جس کے ہر قطرے میں ہے توحید خالص کا مزا — بادۂ عرفاں کا وہ ساغر ہے قرآن مجید
آیتوں میں اس کی پنہاں ہیں ہزاروں کہکشاں — حاصل مہر و مہ و اختر ہے قرآن مجید
بحر و بر ہوں یا خلائے بیکراں یا آسماں — ہر جگہ کے علم کا مصدر ہے قرآن مجید
لولو و یاقوت و مرجاں اور حوران جناں — رب کے انعامات کا مظہر ہے قرآن مجید
ذکر جنت، ذکر دوزخ، ذکر الطاف و غضب — حامل صد رنگ و صد منظر ہے قرآن مجید
رہنمائے اولیا، و اصفیا بھی ہے یہی!! — رہبران حق کا بھی رہبر ہے قرآن مجید
ضامن انعام رب ہے یہ برائے مومنین — کافروں کے واسطے خنجر ہے قرآن مجید
بت پرستی، بت تراشی، بت فروشی سب ہے منع — ماحی صناعی آزر ہے قرآن مجید
غور سے پڑھئے تو ہو جائے یہ عقدہ منکشف — شارح اوصاف پیغمبرؐ ہے قرآن مجید
مرتبہ اس کا حدیث مصطفیٰؐ سے ہے عیاں — خوش نصیبی ہے جسے ازبر ہے قرآن مجید
ایک بھی زیر و زبر اس کا نہ بدلا جا سکا — آج تک محفوظ و مستحضر ہے قرآن مجید
یہ کلام اللہ ہے مومن کا ایماں اس پہ ہے — ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے قرآن مجید

ڈھونڈھنے والے کو اس میں کیا نہیں ملتا طفیل
مسئلوں کے حل کا اک دفتر ہے قرآن مجید

بقیہ: درس حدیث

بہت سرفراز اور مالدار تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اللہ کے رسول کتنا خرچ کریں اور کن لوگوں پر خرچ کریں؟ اس طرح کے مختلف نوع کے نئے نئے سوالات برابر پیش آنے لگے جو اس دین متین کی ہمہ گیری اور وضاحت، نیز نئی اسلامی اقدار سے متعلق ہوتے تھے، یہ اس بڑھتے ہوئے نئے معاشرہ میں ہر وقت پیش آتے تھے اور مسلمان ان کے بارے میں اپنے نبی سے اسلام کے مختلف معاملات کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، یہ وہ معاملات ہوتے تھے جو ان کی جاہلیت کی بعد والی نئی اسلامی زندگی میں پیش آیا کرتے تھے مثلاً "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی"

اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ نجاست ہے۔ (البقرہ۔ ۲۲۲)

یہ نئے نئے سوالات اس ترقی کرتے، تغیر پذیر معاشرہ کے نقوش حیات اور معاشرتی واجتماعی تعلقات کی دلیل اور ثبوت تھے کہ مسلمانوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے تصور وعقیدہ کے مطابق صاف صاف واضح احکامات معلوم کریں۔

مسائل پیش آنے سے پہلے ان کے بارے میں سوال کرنے کا اسلامی اصول

اکثر صحابہ کرام اور تابعین مسائل پیش آنے سے پہلے ان کے بارے میں سوال کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور ایسے سوالات کا جواب نہیں دیتے تھے۔

ایک دن حضرت عمرؓ لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا! ہم تمہارے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ جو بات پیش نہیں آئی ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرو جو باتیں معلوم ہو چکی ہیں ہم اسی پر عمل کرنے میں مشغول ہیں (مزید کیا بوجھ اٹھائیں) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو چیز پیش نہیں آئی اس کے بارے میں سوال نہ کرو ہم نے حضرت عمرؓ کو ایسے شخص پر لعنت کرتے سنا ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو ابھی پیش نہیں آئی ہے، حضرت زید بن ثابتؓ سے جب کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو پوچھتے کیا یہ بات پیش آئی ہے؟ جب جواب ملتا کہ نہیں پیش تو نہیں آئی ہے تو فرماتے کہ پھر چھوڑو جب پیش آئے تو سوال کرنا۔ حضرت صلت راشد سے مروی ہے فرمایا: ہم نے حضرت طاؤس سے ایک چیز کے بارے میں پوچھا تو جھڑک دیا اور پوچھا کیا ایسا پیش آیا ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں! تو فرمایا کیا سچ کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں بالکل اسی کے قریب قریب مبہم بات پیش آئی ہے، رضا کیؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم باتوں کے سلسلہ میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کی تخریج امام احمدؒ نے کی ہے۔ اس کی وضاحت امام اوزاعیؒ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مشکل مسائل ہیں۔

حضرت ثوبانؓ کی ایک حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی جاتی ہے کہ: "سیکون قوم من امتی یغلطون فقہاء ھم بعضل المسائل اُولٰئک شرار اُمتی"۔

ہماری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مفتیوں اور فقہاء کے سامنے مسائل مبہم اور غیر واضح کرکے پیش کریں گے یہ لوگ ہماری امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو علم کی برکت سے محروم کرنا چاہتا ہے تو اس کی زبان سے مہمل ولغو سوالات کرواتا ہے ہم نے اس قسم کے لوگوں کو سب سے کم علم پایا۔ یہ بھی فرمایا: ہم نے امام مالکؒ کو فرماتے سنا ہے کہ بہت زیادہ باتیں کرنے اور فتویٰ لینے کو عیب کی بات فرماتے تھے۔

شرف وبلندی اور علم کی قدر وعزت کے بارے میں اسلاف کے یہ چند نمونے ہیں، موجودہ دور میں ہمیں ان آداب واخلاق کو اپنانے کی کتنی شدید ضرورت ہے، اس لئے کہ اس طرح کے لغو ومبہم سوالات حصول علم اور عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں رکاوٹ بنتے ہیں بلکہ مصیبت ودشواری میں ڈالتے ہیں۔ جہاں تک طلبہ کا تعلق ہے ان میں سے تو اکثر اس بارے میں سوالعب کا شکار ہو جاتے ہیں بحث چھیڑنے اور ریاکاری کے طور پر سوال کرتے ہیں۔ حضرت وہب کا قول ہے کہ ہم نے امام مالکؒ کو فرماتے سنا ہے کہ علم کے بارے میں ریاکاری دل کو سخت بنا دیتی ہے اور کینہ کا سبب بن جاتی ہے۔ ۳ے

ان علمی نزاکتوں کے سبب امام نووی اس حدیث کو اسلام کے اہم اصولوں اور جوامع الکلم (یعنی کم الفاظ کا بہت سے معنیٰ ادا کرنا) میں سے شمار کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا۔ اس کے اندر بے شمار احکام آجاتے ہیں۔ مثلاً نماز کی تمام شکلیں کہ اگر بعض ارکان کو یا شرائط کو نہ ادا کرسکتا ہو تو جتنا کرسکتا ہو اتنا کرے۔

حدیث کا فقہی پہلو

ا۔ حدیث پاک کہ (جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اس کو اپنی استطاعت بھر جتنا کرسکتے ہو کرو) یہ حکم استحبابی ہے۔ امام نوویؒ نے فرمایا: آپ کے الفاظ جوامع الکلم اور اسلام کی ان اصلی باتوں میں سے ہیں جن سے جزئیات کا استنباط کیا جاتا ہے اور اس میں بہت سے احکامات داخل ہو جاتے ہیں مثلاً اس شخص کی نماز جو نماز کے بعض ارکان کو ادا کرنے پر قادر نہیں (مثلاً آنکھوں میں تکلیف کے سبب سجدہ نہیں کرسکتا، پاؤں میں کمزوری کے سبب قیام نہیں کرسکتا) یا ایسے ہی بعض شرائط پوری کرنے پر قادر نہیں، ایسی صورت میں وہ جتنا کرنے پر قادر ہو اتنا کرے، ایسے ہی وضو ہے۔ (باقی ص ۲۹ پر)



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۲۵ جنوری ۱۹۹۶ء ۔مطابق۔ ۴ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ | شمارہ نمبر ۶

زر تعاون

سالانہ ـــــــ ۱۰۰ روپئے

فی شمارہ ـــــــ پانچ روپئے

۔ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ۔

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک

ـــــــ ۲۵ ڈالر

۔ بیرونی ممالک بحری ڈاک ۔

بحری ڈاک جملہ ـــــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔



خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــــ منیجر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد



اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

رمضان کے بعد عید

جب رمضان المبارک کے آخری دن کا سورج ڈوبتا ہے تو عید کی نوید مسرت سناتا جاتا ہے، ادھر سورج ڈوبا نہیں کہ ادھر افق مغرب پر بے حد وحساب نگاہیں جم جاتی ہیں اور سب کی سب بے تابانہ اشتیاق کے ساتھ ہلال عید کی جستجو میں لگ جاتی ہیں، ادھر افق پر ہلال عید نظر آتے ہی چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ہر چھوٹا بڑا، مرد وعورت شوق بھری نگاہوں سے اس کا استقبال کرتا ہے۔ پوری اسلامی آبادی میں مسرت وشادمانی کی فضا چھا جاتی ہے۔ رات اپنی تاریکی کے باوجود باران رحمت اور فیضان انوار سے روشن اور پر نور معلوم ہوتی ہے۔ صبح کے انتظار میں آنکھوں آنکھوں میں رات کٹ جاتی ہے۔ سفیر صبح کی آمد سے پہلے پہلے چہل پہل کا ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ ادھر سورج نکلا نہیں کہ تکبیر وتہلیل کی صداؤں سے فضا گونجنے لگتی ہے۔ ہنستے مسکراتے چہروں کے ساتھ عید کی مبارکباد پیش ہونے لگتی ہے۔ چولہے معمول سے بہت پہلے گرما دیئے جاتے ہیں۔ دعوتوں اور مہمان نوازی کا اہتمام ہونے لگتا ہے۔ نہا دھو کر کپڑے بدلے جاتے ہیں۔ سب ایک جگہ جمع ہو کر اور اپنے رب کے حضور میں دست بستہ سراپا شکر بن کر کھڑے ہوتے ہیں اور دوگانۂ عید ادا کرتے ہیں۔ اور مہینے بھر کی محنت اور جانفشانی کی قبولیت کے لئے دست دعا پھیلاتے ہیں دیکھنے میں ظاہری چہل پہل سے تو خوشی ہی خوشی نظر آرہی ہے، مگر حقیقت میں عید کے چہرے کی رنگت ہمیں کچھ اور ہی نظر آتی ہے۔

اے عید یہ وقت تو مسرت وشادمانی کا ہے اور تو اس کا پیامی بن کر آئی ہے، پھر کیا بات ہے کہ ہم تیری پیشانی پر فرحت ومسرت کے بجائے اداسی اور حیرت واستعجاب کی کیفیت محسوس کر رہے ہیں، کیا تو ہمارے اس استقبال میں اپنی توہین وناقدری محسوس کرتی ہے؟ کیا تو نے ہمارے دل کا چور پکڑ لیا ہے۔ کیا تو نے بھانپ لیا ہے کہ ہماری اس ظاہری مسرت کو حقیقت سے دور کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیا تجھے ہمارے ضعف وناتوانی کی خبر ہو گئی ہے؟ اے عید معاف کرنا! حقیقت یہی ہے جو تو محسوس کرتی ہے۔ ہمیں ندامت وشرمندگی ہے کہ ہم نے تیرا استقبال دل کی گہرائیوں سے نہیں بلکہ ظاہر اور صرف ظاہر سے کیا، بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے آج کے زمانے میں سیاسی استقبال ہوا کرتا ہے۔

اے عید! ہمیں تو معاف کرنا، تجھ سے بڑی لجاجت کے ساتھ یہ درخواست ہے کہ دیکھ ہماری اس حالت زار اور ظاہر پرستی کی چغلی ان سے نہ کھانا جن کی تو پیامی ہے۔ دیکھ شکوہ وشکایت سے ان کے غیظ وغضب کو بھڑکا نہ دینا۔ کہیں حقیقت حال بیان کر کے ان کی نگاہیں ہماری طرف سے پھیر نہ دینا، بلکہ تجھ سے بصد آہ وزاری ندامت وشرمساری یہ درخواست ہے کہ ہماری بدحالی پر ترس کھانے اور رحم کرنے کی سفارش کرنا اور عرض کرنا کہ امت بہت اونچے سے گری ہے، اس کے جوڑ جوڑ میں درد ہے، ہر ہر ہڈی پر ضرب ہے، ہر ایک اس کو گری ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے، ہنستا اور مذاق اڑاتا ہے، جملے کستا ہے، چٹکیاں لیتا ہے، چلتے چلتے ٹھوکر مارتا ہے اس طرح سے ڈھیلے پھینکتا ہے، پتھر مارتا ہے جس طرح سے بچے دیوانوں سے کھیلتے اور دلچسپی لیتے ہیں، دلوں سے اس کا رعب اس قدر نکل چکا ہے کہ ہر کہہ ومہ کان پکڑتا ہے اور جدھر چاہتا ہے گھماتا ہے جیسے بچے اپنی پھرکی جس رخ کو چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔

تیری حیرت اور تیرا استعجاب حق بجانب ہے آج پھر سے اس امت کی مسیحائی کی ضرورت ہے، تیرا بڑا احسان ہوگا، ہم تیرے مرہون منت وممنون کرم ہوں گے، اگر تو ہماری درخواست لے اور بارگاہ الٰہی میں سفارش کر دے، بے شک اس کی ذات مستغنی وبے نیاز ہے، امت کا ایک ایک فرد سراپا زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت بن جائے تو اس کے کارخانۂ قدرت میں کچھ اضافہ نہ ہوگا اور اگر ایک ایک فرد مجرم اور گناہ مجسم ہو جائے تو اس کی قدرت بے پایاں میں کوئی کمی نہ ہوگی مگر ہاں اسی نے اس پتلۂ آب وخاک کو بلندی اور برتری بخشی ہے، روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے، اس لئے اس دربار عالی میں کہنا کہ اس کو پھر سے اس کا کھویا ہوا مقام واپس ملے۔ امت کو پھر کسی مجدد، رازی وغزالی کی ضرورت ہے جو ایمان ویقین کو صیقل کر کے اس کے لاشۂ بے جان میں پھر سے روح پھونک دے۔ یہ قوم کسی خالدؓ، ابو عبیدہؓ، ابو بکرؓ وعمرؓ کی منتظر ہے جو اس کے جوش جنون کو پھر سے جلا بخشیں اور اس کے ذلت ورسوائی کے داغ کو دھو دیں۔ بےشک تو ہر سال

بے مثال اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کا پیام لےکر آئی ہے مگر قوم برابر انتشار و خلفشار ہی کا شکار رہتی ہے یہ ایسا چکنا گھڑا ہو گئی ہے کہ کوئی اثر قبول کرتی نہیں تو کہنا کہ اپنی شان کریمی و نکتہ نوازی سے اس کو پھر وہی شراب کہن بلائیں اور جان آفرین جام گردش میں لائیں جو اس کو اول اول عطا کیا تھا اس کے بغیر یہ امت زندہ ہوتے نظر نہیں آتی۔ امتی آج پیغمبر عربی کے لئے باعث ننگ و عار بنے ہوئے ہیں، گرے اور ایسی ہمت ہاری کہ اب اٹھنے کا نام نہیں لیتے، کل جس پیغام کو لے کر کوہ بیابان کی سیر کی تھی صحرا نوردی اور دشت پیمائی کی تھی اور پیاس سے دم توڑتی انسانیت کے حلق میں عشق و محبت کے قطرے ٹپکا کر نئی زندگی عطا کی تھی آج یہ خود اس کو ناقابل عمل فرسودہ نظام قرار دینے لگے ہیں۔ آج خدا کی رحمت زیادہ متوجہ ہے کاش کہ تو اس جود و سخا کی بارش کے موقع پر امت کے لئے حیات نو کی درخواست کرتی اور اس کے ایک ایک روگ کے خاتمہ کا فیصلہ کرا لیتی۔

آخری بات یہ ہے کہ خود اسلام ایک لاوارث مقدمہ بن گیا ہے جس کا کوئی پیرو کار نہیں۔ اس کی بنیادیں کھود ڈالنے کی مسلسل کوششیں جاری ہیں اور کوئی ایسا مرد قلندر دور دور نظر نہیں آتا جو ہمت کر کے ان تخریب پسندوں اور دوست نما دشمنوں کا ہاتھ پکڑ لے! اور اس امت کو اس عظیم خطرہ سے کچھ دن کے لئے محفوظ کر دے۔

کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

عیدالفطر میں

سالک بستوی

دیکھو روزہ دارو اپنی شان عیدالفطر میں
بن گئے ہو رب کے تم مہمان عیدالفطر میں

ہو رہی ہے بارش غفران عیدالفطر میں
سج گئی ہے نیکیوں کی جان عیدالفطر میں

آٹھ دروازے بنے ہیں جنت الفردوس کے
ہے تمہارے واسطے ریّان عیدالفطر میں

پہلے تم فطرہ نکالو جاؤ تم پھر عیدگاہ
ہے حبیب رب کا یہ فرمان عیدالفطر میں

بیکس و نادار کو فطروں سے کردو شادماں
تم سجاؤ جلوۂ احسان عیدالفطر میں

عید کی خوشیاں مناؤ جاؤ جشن عید میں
مانگ لو پیمانۂ غفران عیدالفطر میں

بھول جائیں گے جو ناداں برکت رحمان کو
ان کو بھی بھولے گا وہ رحمان عیدالفطر میں

اپنی آنکھوں میں بساؤ خلد کی دلکش بہار
کہہ رہا ہے جھوم کر رمضان عیدالفطر میں

شادماں حسن عمل سے ہو گئی رحمت کی شان
سن لو یہ قرآن کا اعلان عیدالفطر میں

تو بھی سالک مانگ لے فردوس کو اللہ سے
مل گئی ہے ساعت ذی شان عیدالفطر میں

بقیہ: پاکستان میں جزوی اسلام

کے حسن اخلاق کی وجہ سے قبول کر لیا تھا۔ اس وقت اسلام کو بدنام کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ ان مسلمان ملکوں کا ہے جو مکمل اسلام کے بجائے جزوی اسلام پر عامل ہیں۔ خاص طور پر ایسے ممالک جو اپنے عوام کو ان کے حقوق سے محروم رکھ رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لوگ کوئی معاشرہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر عامل ہو تو اس کی ایک بڑی خصوصیت رواداری ہوگی۔

اگر ہمارا مغرب زدہ طبقہ اسلام کا مطالعہ شروع کر دے تو وہ ہمارے معاشرہ کو فرقہ بندی اور اس کی انتہاپسندی سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا سکتا ہے کہ اسلام کتنا ترقی پسند مذہب ہے۔ یہ لوگ مغرب کو اسلامی نظریات سے روشناس کرا سکتے ہیں گذشتہ سال شہزادہ چارلس نے آکسفورڈ کی اپنی ایک تقریر میں اس کا اعتراف کیا تھا کہ مغربی دنیا اس وقت بھی اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہے۔ لیکن اگر وہی لوگ جو اس کے لئے سب سے زیادہ اہل ہیں اسلام کو پسماندہ سمجھنے لگیں گے تو پھر یہ کام کون انجام دے گا۔ اسلام تو سارے عالم کے لئے ہے اور اسی لئے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین کا لقب دیا گیا تھا۔



حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

مدرسہ کیا ہے؟

مدرسہ کا شجرۂ نسب

حقیقی مدرسہ کی بنیاد اور پہلے مدرسہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی ہے، پہلے مدرسہ کی بنیاد قرطبہ اور غرناطہ میں نہیں رکھی گئی، قیروان اور قاہرہ میں نہیں رکھی گئی، دہلی اور لکھنؤ میں نہیں رکھی گئی، فرنگی محل ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند میں نہیں رکھی گئی، پہلے مدرسہ کی بنیاد مسجد نبوی میں رکھی گئی، اور اس مدرسہ کا نام صفہ تھا۔ آپ مجھے معاف کریں میں مدرسوں میں صحیح النسب مدرسہ اور عالی نسب مدرسہ اسی کو سمجھتا ہوں جس کا شجرۂ نسب صفۂ نبوی پر جاکر ختم ہو اور میں اسی مسجد کو صحیح النسب مسجد سمجھتا ہوں جس کا شجرۂ نسب کعبۂ ابراہیمی پر جاکر ختم ہو اور مسجد نبوی پر ختم ہو، میں اس کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ بولنا نہیں چاہتا کہ وہ مسجد کیا کہلائے گی؟ لیکن قرآن مجید نے بتادیا ہے، ہمیں اور آپ کو کوئی نیا لقب ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں، وہ مسجد، مسجد ضرار کہلائے گی، جس کا شجرۂ نسب ابراہیم و محمد علیہما السلام کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ختم نہیں ہوتا۔

اور وہ مدرسہ مدرسہ نہیں بلکہ انسانیت کی قتل گاہ کہلائے گا، جس کا شجرۂ نسب صفۂ نبوی پر ختم نہیں ہوتا، مسجد نبوی پر ختم نہیں ہوتا، اور ابوذرؓ و سلمانؓ پر ختم نہیں ہوتا، صدیقؓ و علیؓ پر ختم نہیں ہوتا، زیدؓ اور سیدہ عائشہؓ پر ختم نہیں ہوتا۔

ان مبلغان دین، ان ہادیان انسانیت، ان پیشوایان عالم پر ختم نہیں ہوتا، جنھوں نے ہدایت کا پیغام دیا، جنھوں نے قربانی کا پیغام دیا، جنھوں نے خود نقصان اٹھاکر دوسروں کو نفع پہونچانے کا پیغام دیا کہ ایثار یہاں مقصود ہے، اور اپنا زیاں گوارہ ہے، لیکن دوسروں کا زیاں گوارہ نہیں، جنھوں نے یہ پیغام دیا کہ اپنے گھر میں اندھیرا رکھ کر دوسروں کے گھروں میں روشنی کا انتظام کرو، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر، اس لئے کہ ان کا سلسلہ انھیں پر ختم ہوتا ہے، جنھوں نے غزوۂ خندق میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے تھے (دوسروں کے بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کو کھلانے کا انتظام کرو، جنھوں نے یہ پیغام دیا کہ مدرسہ کا کام ملازمت دلانا نہیں ہے، مدرسہ کا کام آسامیاں بانٹنا نہیں ہے، مدرسہ کا کام ایسا پڑھا لکھا انسان بنانا جو اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مسحور کرلے نہیں ہے، مدرسہ کا کام قرآن سنانا ہے، جب کہ دنیا میں ہر حقیقت کا انکار کیا جارہا ہو، اور یہ کہا جارہا ہو کہ سوائے طاقت کے کوئی حقیقت ہے ہی نہیں جب دنیا میں بلا محابہ ڈنکے کی چوٹ پہ کہا جارہا ہو کہ دنیا میں صرف ایک حقیقت زندہ ہے، اور سب حقیقتیں مرچکیں، اخلاقیات مرچکے، صداقت مرچکی، عزت مرچکی، غیرت مرچکی، شرافت مرچکی، خودداری مرچکی، انسانیت مرچکی، صرف ایک حقیقت باقی ہے، اور وہ نفع اٹھانا اور اپنا کام نکالنا ہے، وہ ہر قیمت پر عزت بیچ کر، شرافت بیچ کر، ضمیر بیچ کر، اصول بیچ کر، خودداری بیچ کر صرف چڑھتے سورج کا پجاری بننا ہے، اس وقت مدرسہ اٹھتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ انسانیت مری نہیں ہے، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ نقصان میں نفع ہے، ہار جانے میں جیت ہے، بھوک میں وہ لذت ہے جو کھانے میں نہیں، اس وقت مدرسہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ذلت بعض مرتبہ وہ عزت ہے، جو بڑی سے بڑی عزت میں نہیں، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت خدا کی طاقت ہے، سب سے بڑی صداقت حق کی صداقت ہے، یہ ہے مدرسہ کا کام اور اگر مدرسہ یہ کام چھوڑ دے اور دنیا کے سارے کام کرنے لگے تو وہ مدرسہ، مدرسہ کہلانے کا مستحق نہیں۔

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے انسان پیدا کرے جو اس پست سطح سے بلند ہوں کہ قیمت لگایئے ہم سب کچھ بیچنے کو تیار ہیں، آج دنیا نیلام کی منڈی کے سوا کچھ نہیں، کہاں کا مدرسہ اور کہاں کا کتب خانہ، کہاں کے اصول اور کہاں کے معیار، ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ایک بازار ہے، اس میں ہر ایک اپنا جنس ہنر اور اپنا جنس کمال ہاتھ پہ رکھے ہوئے بیچنے کے لئے آیا ہے۔

لیکن ہم اس نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتے، ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ دنیا محض ایک بازار ہے، ایک منڈی ہے، یہاں جو آئے مال لے کر جائے، اور بیچے، صرف مسئلہ قیمت کا ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو بیچنے میں کچھ دیر لگ جائے، اس لئے نہیں کہ اس کو اپنا جنس کمال اور اپنا جنس مذہب اور اپنا جنس اخلاق زیادہ عزیز ہے، بلکہ اس لئے کہ اس کے منہ مانگے دام نہیں مل رہے ہیں۔

جب انسانیت پہ زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا اور جب لوگوں کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی تھی، یہ محض زیب داستاں کے لئے کہی گئی ہے، اور اس کا کہیں وجود نہیں ہے، حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے، حلال و حرام کوئی چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں، غلط صحیح

صواب و ناصواب کوئی چیز نہیں ہے، اصل چیز تو پیسہ ہے، اصل چیز تو طاقت ہے، اصل چیز عہدہ ہے، اصل چیز مواقع ہیں، اس وقت مدرسہ نے ایسے لوگ پیدا کئے، کوئی ایسا آدمی لاکھڑا کر دیا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ پیکر انسان جس نے کہا کچھ نہیں! ہم نہیں جانتے اور اگر کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیکھ لے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم مان لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں، اور ان سب پر مکمل زوال آچکا ہے، مدرسہ نے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں۔

میرے نزدیک مدرسہ کا صرف ایک کام ہے کہ وہ ایسے حقانی اور ربانی علماء پیدا کرے جو صرف یہی نہیں، یہ تو ان کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے ضمیر کا سودا کریں، نہیں بلکہ وہ دنیا کو جو ضمیر کا سودا کر رہی ہے، اس کو سرزنش کر سکیں، اس سے کہہ سکیں کہ انسان کا ضمیر اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے کہ وہ روز بکے، روز نیلام پر چڑھے، ایک عہدے پر بک جائے، ایک عہدہ ایک کرسی، ایک خوشنودی، ایک تبسم اس کو خرید لے۔

عالم ہر زمانہ میں، ہر جگہ قبلہ نما رہے

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے کہ جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا اپنی جگہ پر کھڑا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں سوں وہ آپ کو قبلہ بتادے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملک میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، بل پر رکھیں تو بتائے گا، یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما رہے۔

مدرسہ جامعہ ہدایت کی بنیاد کے وقت کی تقریر کا ایک اقتباس۔

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، دو خاندانی حادثہ

۱۰ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ ناظم ندوۃ العلماء کے عزیز خاص اور سب سے بزرگ رسیدہ اور بزرگ شخص جناب سید محمد اسمٰعیل حسنی صاحب وفات پاگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم متعدد موروثی خوبیوں کے حامل تھے۔ اگر کوئی ذرہ برابر بھی احسان کرتا تو بڑی دعائیں دیتے اور اس کا احسان مانتے۔ نمازوں کے بڑے پابند تھے خود اذان دینے کا بڑا اہتمام تھا کوئی اور اذان دے دے تو ناگواری ہوتی، ملنے والوں سے ایسا ملتے جیسے بہت پرانی ملاقات ہو، حضرت سید شاہ ضیاء النبی علیہ الرحمہ کو دیکھنے والے اب یہی آخری بزرگ تھے جماعت تبلیغ میں بھی وقت لگایا تھا، دعوتی جذبہ رکھتے تھے آپ کے لیے وہ وقت سخت آزمائش کا تھا جب آنکھ کی بینائی چلی گئی اس وقت آپ اسّی برس کے تھے اور پندرہ برس اس آزمائش میں بغیر کسی شکوہ وشکایت اور اظہار مصیبت و پریشانی میں گذار دیئے، کئی بار گرے لیکن لوگوں سے خدمت لینے میں حتی الامکان احتراز اور تکلف کرتے، مجبوراً اس سے خدمت لیتے جو خوشی سے کرنے والا ہوتا، اس سلسلے میں تھوڑا نازک مزاج بھی واقع ہوئے تھے، صحت اچھی تھی، حافظہ بڑا قوی تھا نام ونسب میراث وفرائض میں ماہر تھے توحید اور دین کی عظمت دل میں راسخ تھی، انتقال سے کچھ دنوں قبل ایسا گرے کہ کولہے کا فریکچر ہوا، پلاسٹر چڑھایا گیا، کوئی خطرہ کی بات بظاہر نہ تھی، لیکن ایک ہفتہ کے بعد ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے، ۹۵ سال کی عمر پائی اور قمری اعتبار سے ۹۸ سال، حضرت مولانا مدظلہٗ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، آبائی قبرستان تکیہ شاہ علم اللّٰہ میں تدفین عمل میں آئی، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے قرابت قریبی میں بھائی اور مولانا سید ابوبکر حسنی رکن شوریٰ ونظامت ندوۃ العلماء کے حقیقی چچازاد بھائی اور برادر نسبتی تھے، اللّٰہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند کرے۔

حضرت مولانا مدظلہٗ اور مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی سفر حجاز پر تھے، کہ شعبان کی پندرہویں شب (لیلۃ البراءۃ) کو ایک دوسرا حادثہ پیش آگیا، کہ صاحب نزہۃ الخواطر مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی بھانجی اور حضرت مولانا مدظلہٗ کی پھوپی زاد بہن سیدہ اسماء بی رحلت فرماگئیں، ۸۷ سال عمر تھی، بڑی خوبیوں اور صفات کی حامل تھیں دنیا سے سروکار نہ رکھا، علم دین پڑھا اور پڑھایا، قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے اور دوسرے نیک کاموں میں اپنا وقت صرف کرتی تھیں، بڑی تعداد میں بچوں اور بچیوں نے قرآن پاک ان سے پڑھا۔ انتقال کے بعد ان عورتوں کا ہجوم دیکھنے میں آیا جنھوں نے ان سے پڑھا تھا۔

آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ کوئی اولاد نہیں، ایک بھتیجے سید خالد حسنی ندوی صاحب سعودی ایمبیسی دہلی میں ہیں۔ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ ان دونوں کے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے اور حسنات کا بہترین صلہ دے (آمین)

گذارش

خط وکتابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔ خریداری نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم جس نام سے آپکا رسالہ جاری ہے، اس کی وضاحت ضرور فرمائیں۔

(ادارہ)

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اچھے اعمال دنیا و آخرت کی کامیابی کے ضامن

یہ اصلاحی و علمی اور پُراثر تقریر معہد الفردوس الروحانی (رنگ روڈ لکھنؤ) کے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات کے موقع پر جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو کی۔ ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے عبید اللہ جنید نے نقل کی۔ افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے ——————— (ادارہ)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

عزیزو! آپ کے پروگرام میں شریک ہوکر مجھے خوشی ہوئی اور میں نے بڑے اچھے جذبے کا اور سلیقے کا مشاہدہ کیا، ظاہر ہے کہ اس میں جو آپ کے سرپرست ہیں اور جو آپ کے ذمہ دار ہیں ان کی کوششوں کو ان کی سمجھداری کو دخل ہے، آپ لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چھوٹا پودا ہوتا ہے۔ باغ میں چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں، اگر مالی اس کی خبر گیری کرے تو وہ پودے اچھی طرح بڑھتے ہیں، ترقی کرتے ہیں اور اچھے نتائج اور ثمرات لاتے ہیں، آپ کے باغ کو ایسے مالی ملے ہیں جو محنت کر رہے ہیں اور سمجھداری کے ساتھ آپ کو پروان چڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، جہاں تک ان مدارس کا تعلق ہے جن کو ہم عربی مدارس کہتے ہیں، اسلامی مدارس کہتے ہیں اور ان کے نام مدرسے کے لفظ کے ساتھ یا جامعہ کے لفظ کے ساتھ یا معہد کے لفظ رکھے جاتے ہیں یہ مدارس بہت اہمیت رکھنے والے ہیں، اس لئے کہ مسلمان ایک پورا نظام زندگی رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی گذارنے کے طریقے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بتائے ہیں وہ طریقے جب اختیار کئے جاتے ہیں تبھی مسلمان صحیح طور پر مسلمان ہوتا ہے ورنہ بعض صرف نام کا مسلمان ہوتا ہے، کام کا مسلمان نہیں ہوتا، کام اس کے سب کافروں جیسے ہوتے ہیں نام مسلمانوں کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں نام نہیں دیکھا جاتا وہاں تو کام دیکھا جاتا ہے، اس دنیا میں تو چاہے آدمی نام سے فائدہ اٹھائے تھوڑا سا فائدہ جو دنیا کا فائدہ ہوتا ہے، دو چار پیسے کا فائدہ، عیش وآرام کا فائدہ لیکن اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، جہاں بہت لمبی مدت تک، نہ ختم ہونے والی مدت تک رہنا ہوگا، بہت بڑی زندگی ہے وہاں رہنے کے لئے جیسے ہمیں دنیا میں رہنے کے لئے بہت سے وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، جس سے ہم کو آرام ملتا ہے اس طرح آخرت کی زندگی میں بھی وسائل کی ضرورت ہوگی، جس سے آدمی کو آرام ملے گا، اگر وسائل رہیں گے تو آرام ملے گا، نہیں رہیں گے تو نہیں ملے گا، وہاں کے وسائل دوسرے انداز کے ہیں، یہاں کی زندگی میں ہم کام کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں، اللہ کی مرضی کے مطابق کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس سے وہاں کے وسائل بنتے ہیں، جیسے یہاں ہم کام کرتے ہیں، ملازمت، تجارت یا صنعت کے کام کرتے ہیں، اس سے ہم کو وسائل ملتے ہیں، پیسہ ملتا ہے اور دوسرے آرام کی چیزیں ملتی ہیں، اس طرح دنیا کی زندگی میں اچھے عمل کرنے سے وہاں کے وسائل حاصل ہوتے ہیں جو آخرت میں کام آتے ہیں، آپ نے پڑھا ہوگا حدیث میں آتا ہے جب آدمی کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ایک درخت لگ جاتا ہے، باغ لگ جاتا ہے، مکان بن جاتا ہے یہ سب وہاں ہوتا رہتا ہے، جیسے جیسے آدمی یہاں عمل کرتا ہے ویسے ویسے وہاں سب ہوتا جاتا ہے اور جب پردہ ہٹے گا جیسے کوئی پردہ ہو، ایک دیوار ہو، دوسری طرف کچھ ہو رہا ہو، تعمیرات ہو رہی ہوں اور ہم نہیں دیکھ رہے ہیں، آپ تو دیوار کے پیچھے نہیں دیکھ پاتے ادھر مزدور لگے ہیں، کام ہو رہا ہے کچھ بن رہا ہے، جب آپ ادھر جائیں گے تو وہ آپ کو دکھائی دے گا، اس طرح جب پردہ ہٹے گا، مسلمان جب جائے گا تو اس کو یہ سب چیزیں نظر آئیں گی، جو اس نے دنیا کی زندگی میں اچھا عمل کرکے بنائی ہیں، مسلمان کو تو اپنی پوری زندگی ایسی گذارنی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے جیسے اس کا حکم ہے۔ اگر وہ اس طرح زندگی گذارے گا تو اس کا فائدہ ہوگا، لیکن زندگی گذارنے کے طریقے بتانے والے لوگ ہونے چاہئیں اور اچھے عمل کرنے کے لئے وسائل اور حالات ہونے چاہئیں، ان سب کے لئے جو مسلمانوں کی حکومت ہوتی ہے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ نظام چلائے اور ایسی صورتیں اختیار کرے کہ لوگوں کو یہ چیزیں معلوم ہوں اور عمل کرنا آسان ہو، لیکن جب مسلمانوں کی حکومت نہ ہو، کوئی ایسا ملک ہو کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں مسلمان یہ اختیار نہ رکھتے ہوں تو وہاں یہ ذمہ داری جو بڑے لوگ ہیں، سمجھدار لوگ ہیں، کار پرداز لوگ ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے ایسے

انتظامات کریں۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ہندوستان کے جو سمجھدار لوگ ہیں، چاہے علماء ہوں یا دوسرے لوگ ہوں سب مل کر یہ مدارس قائم کرتے ہیں، جو مدرسے آپ دیکھ رہے ہیں یہ صرف علماء نے قائم نہیں کئے، بلکہ علماء کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں جو علماء نہیں ہیں لیکن ان کو دین کا درد ہے اپنی ملت کا درد ہے اور وہ کام کر رہے ہیں، یہ قابل مبارک باد لوگ ہیں کہ وہ اس اہم چیز کی فکر کر رہے ہیں کہ اگر اس کی فکر نہ کی جائے تو مسلمان قوم دین سے بالکل دور ہو جائے گی کسی کو معلوم ہی نہ ہوگا کہ کیا بات اچھی ہے کیا بات بری ہے، کس بات سے آدمی مسلمان ہوتا ہے کس بات سے مسلمان باقی نہیں رہتا، بہت سی باتیں ہیں کہ اگر اس کو اختیار نہ کیا جائے گا تو آدمی صرف نام کا مسلمان رہ جائے گا، ظاہر ہے کہ جب نام کا مسلمان رہ جائے گا تو آخرت میں اس کو بہت پریشانی ہوگی، تو یہ مدرسے قائم ما رکھیں ہیں اگر یہ مدرسے رہیں گے تو مسلمان یہاں بحیثیت مسلمان باقی نہیں رہے گا، نام سے کچھ نہیں ہوتا، اگر اندر اچھی نیت نہیں ہے، اچھا عمل نہیں ہے، صحیح خیالات نہیں ہیں اور وہ باتیں نہیں ہیں جو مسلمان بناتی ہیں تو نام سے کچھ نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ انتظامات نہ کئے جائیں گے تو اسلام باقی نہیں رہے گا اس لئے کہ اسکولوں اور کالجوں میں اسلام نہیں سکھایا جاتا، اسلام کی کوئی بات نہیں بتائی جاتی، نہ بتانا ہی نہیں بلکہ وہاں ایسی باتیں بتائی جاتی ہیں، جس سے مسلمان بچہ اسلام سے دور رہتا جاتا ہے، اسلام کے خلاف باتیں بتائی جاتی ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایک مسلمان اسلام کی باتیں نہ جانے دوسری باتیں جانے، اسلام کے خلاف باتیں جانے جس سے وہ مذہبی طور پر برباد ہو جائے گا اور مسلمان باقی نہیں رہے گا اس لئے آپ دیکھ رہے ہیں کہ جو اہل حمیت ہیں، اہل غیرت ہیں وہ ان مدرسوں کو زیادہ سے زیادہ قائم رہے ہیں، تاکہ مسلمان نسل کی صحیح تربیت ہو سکے

اس کی صحیح تعلیم ہو اور وہ صحیح مسلمان باقی رہے، اسلام سے وہ باہر نہ ہو جائے، اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ کام بہت لوگ کر رہے ہیں ان میں ہمارے مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی، مولانا اقبال صاحب ندوی جنھوں نے اس مدرسے کو قائم کیا ہے، ایک بڑا عظیم کام شروع کیا ہے اور اس کے ثمرات آج ہم نے دیکھے، ماشاء اللہ جتنے طلباء نے تعلیمی مظاہرہ پیش کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح تربیت دے رہے ہیں اور کس طرح ہمارے تربیت پا رہے ہیں، انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا جو لوگ یہاں پڑھیں گے وہ ترقی کریں گے، اچھے مسلمان بنیں گے اور خود ہی مسلمان نہیں بنیں گے بلکہ دوسروں کو بھی اسلام کا طریقہ بتلائیں گے، دوسروں کو بھی گمراہی سے بچانے کی کوشش کریں گے، اس لئے کہ ہماری امت، امت مسلمہ، امت اسلامیہ ہے اس کو صحیح راستے پر چلنے کی سعادت حاصل ہوگی اور وہ صحیح راستے پر چلے گی تو ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے ایک نیک قوم کی حیثیت سے، ایک مفید قوم کی حیثیت سے دنیا میں اس کا نام ہوگا، اللہ تعالیٰ سب حضرات کو صلہ دے اور ہم سب کو اس طرح کے کام کرنے کی توفیق عطا کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

معہد الفردوس الرحمانی کے ناظم جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

بقیہ سیرت سید احمد شہیدؒ

ہر سلسلے کے اکابر شیوخ موجود تھے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ حضرت شاہ غلام علی شاہ نعیم اللہ بہرائچی، شاہ محمد آفاق، شاہ حسین علی شاہ رؤف احمد مجددی، شاہ امین الدین، شاہ لعل صاحب رائے بریلوی، مولانا فخر الدین دہلوی، شاہ نیاز احمد بریلوی، شاہ عبد الباری، شاہ کریم عطا سلونوی جیسے اکابرین طالبین خدا کی تربیت اور ارشاد میں مشغول نظر آئیں گے۔

دین سے غفلت روز افزوں تھی مگر آنکھوں میں حیا اور دل میں گداز باقی تھا۔ فسق و فجور میں ترقی تھی۔ مگر اس پر اصرار نہ تھا۔ اہل دنیا کی وقعت تھی مگر اہل دین کی توقیر بھی قائم تھی۔ مگر علم و دین کے ذخیرے گھٹتے گھٹتے ختم ہو رہے تھے۔ اور اضافہ و ترقی کا دروازہ بند ہو رہا تھا۔ اس وقت ایک ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی جو دین، علم اور صلاحیتوں کے اس بچے کھچے سرمایہ سے وقت پر کام لے اور اس کو ٹھکانے لگائے۔ ایسے حضرات کی ضرورت تھی جو منتشر افراد سے منظم جماعت پراگندہ اوراق سے مکمل کتاب۔ کچے مال سے بہترین مصنوعات تیار کریں۔ ہر قابلیت اور ہر ہنر سے دین کا کام لیں۔ ایسوں کے سردار کو اسلام کی اصطلاح "بڑا امام" کہتے ہیں۔ اور ان کی جگہ باوجود تمام اہل کمال اور مشاہیر رجال کی موجودگی کے خالی تھی۔ (جاری)

قارئین کرام توجہ فرمائیں

عید الفطر کی تعطیل کی وجہ سے ۱۰ر فروری و ۲۵ر فروری ۱۹۹۶ء شمارہ نمبر ۸،۹ مشترک شائع ہوگا۔ جس کی قیمت مبلغ دس روپے ہوگی۔

—— منیجر

پاکستان میں ہمارا جزوی اسلام

پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان عمران خان
ترجمہ: سید غلام محی الدین

اس مختصر مضمون میں عمران خان نے مغربی تہذیب کی خامیوں کے علاوہ جس اہم مسئلہ کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے وہ دراصل سارے اسلامی ممالک کا المیہ ہے۔ تقریباً ہر اسلامی ملک میں ایک جانب مغرب زدہ لیکن برسر اقتدار طبقہ ہے اور دوسری جانب محرومیوں کے شکار عوام کے اسلام پسند نمائندے۔ لیکن دونوں نے افہام و تفہیم کے بجائے ہر ملک کو اندرونی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے جس نے دنیا کی نظروں میں عالم اسلام کی شبیہ بگاڑ دی ہے۔ (ادارہ)

میری نسل کے لوگ اس وقت پروان چڑھے تھے جس وقت مغربی استعمار اپنے عروج پر تھا۔ ہماری گذشتہ نسل تو غلام ہی رہ چکی تھی اور انگریزوں کے مقابلہ میں بری طرح احساس کمتری میں مبتلا تھی، جس اسکول میں مجھے تعلیم دی گئی وہ پاکستان کے اعلیٰ طبقات کے دوسرے اسکولوں کی طرح تھا۔ ہم لوگ آزاد ہونے کے بعد بھی پاکستانی بننے کے بجائے برطانوی پبلک اسکولوں کے تعلیم یافتہ طلبہ کا نقش ثانی پیدا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے شیکسپیر کی اعلیٰ تخلیقات کا مطالعہ تو کیا تھا لیکن اقبال سے نابلد تھا۔ دینیات کا کلاس تو غیر سنجیدہ سمجھا جاتا تھا۔ اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد میں اپنے آپ کو اعلیٰ طبقہ کا خود سمجھنے لگا تھا کیونکہ میں مغربی لباس پہنتا تھا اور انگریزی میں گفتگو کرسکتا تھا۔ اسکول کی تقریبات میں کبھی کبھی دوسروں کے ساتھ میں بھی پاکستان زندہ باد کا نعرہ تو لگا لیتا تھا لیکن حقیقت یہی تھی کہ میں اپنی تہذیب کو پسماندہ اور اسلام کو از کار رفتہ شئے تصور کرنے لگا تھا۔ ہمارے حلقہ احباب میں اگر کوئی شخص مذہب کی بات کرتا، نماز پڑھتا یا داڑھی رکھ لیتا تو ہم اسے فوراً ملّا کا لقب عطا کردیتے تھے۔ مغربی پریس اور رسل رسائل کے زیر اثر ہمارے ہیرو یا تو مغربی فلموں کے اداکار ہوتے یا پھر پوپ میوزک (POP MUSIC) کے گویّے۔

جب میں اس پس منظر کے ساتھ آکسفورڈ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیا تو حالات میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ یونیورسٹی میں اسلام ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کو عہد گذشتہ کی ایک بیکار روایت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور اگر کوئی چیز منطقی دلائل سے ثابت نہیں کی جاسکتی تو پھر اس کا وجود بھی ممکن نہیں ہے۔ خرق عادات اور فوق الفطرت جیسی چیزوں کی جگہ صرف فلموں میں رہ گئی تھی۔ ارتقاء کے متعلق ڈارون کے ناقص نظریات اور اسی قسم کے دوسرے سائنسدانوں نے تخلیق آدم کے ساتھ مذہب کو بھی ناقابل یقین بنا دیا تھا۔

اس کے علاوہ مغرب کا مذہبی تجربہ بھی بہت دہشت ناک تھا۔ عیسائی راہبوں نے خدا کے نام پر احتسابی عدالتوں (INQUISITIONS) کے ذریعہ جو مظالم ڈھائے تھے انھیں پوری طرح سمجھنے کے لئے اسپین میں قرطبہ کے اذیت خانوں اور اذیت دینے والے آلات کا دیکھنا ضروری ہے۔ سائنسدانوں کو مرتد قرار دے کر ان پر جو مظالم کئے گئے تھے ان کی وجہ سے مغربی عوام نے یہ باور کرلیا ہے کہ سارے ...... مذاہب قدامت پرست ہیں۔

لیکن مجھ جیسے لوگوں کو جو چیز سب سے زیادہ اسلام سے برگشتہ کرتی تھی وہ اس کی تبلیغ کرنے کا اسلام پر جزوی عمل تھا۔ دوسرے الفاظ میں ان کے قول اور عمل میں فرق اس کا سبب ہے، یہ لوگ اسلام کا فلسفہ یا اس کی حقانیت بتلانے کے بجائے مذہبی رسوم پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان جانوروں سے اس لئے مختلف ہے کیونکہ جانوروں کو مخصوص کام کرنے کی تربیت دی جاسکتی ہے لیکن انسان کو اس سے بڑھ کر ذہنی یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ہمیشہ غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ مختلف افراد اور جماعتیں اسلام کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتی رہتی ہیں۔

یہ معجزہ ہی تھا کہ میں خدا کے وجود کا منکر نہیں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ بچپن سے ہی میری والدہ کا میرے اوپر غیر معمولی اثر تھا۔ کسی یقین یا وثوق کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی محبت نے مجھے مسلمان بنائے رکھا۔ لیکن میرا اسلام بھی جزوی ہی تھا اور میں انھیں باتوں پر عمل پیرا تھا جو میرے لئے آسان تھیں۔ نماز عیدین تک یا کبھی کبھی اس وقت جمعہ تک محدود تھی، جب میرے والد مجھے نماز کے لئے لے جانے پر مُصر ہوتے۔ اگر خدا کا وجود تھا بھی تو میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن یہ طے تھا کہ میری زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ بہرحال میری پرورش و ساخت اس طرح ہوئی تھی کہ میں پکا صاحب بن جاؤں۔ مجھے اس کے

تمام وسائل حاصل تھے۔ سازگار اسکول اور یونیورسٹی اور سب سے بڑھ کر انگریزوں کے اعلیٰ طبقات تک میری رسائی جس کے لئے دیسی صاحب لوگ اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ پھر کیا شئے تھی جس نے مجھے دیسی صاحب بہادر بننے کے بجائے صرف دیسی آدمی بنادیا۔

بہرحال یہ تبدیلی چشم زدن میں واقع نہیں ہوئی۔ وہ احساس کمتری جس میں میری نسل کے تمام لوگ مبتلا ہیں میری عالمی پیمانہ کے کھلاڑی بننے کے ساتھ زائل ہوتی گئی۔ دوسری بات یہ تھی کہ مجھے دونوں تہذیبوں کا ذاتی تجربہ کرنے اور ان کی خوبیاں اور نقائص معلوم کرنے کا موقع ملا۔ مغربی معاشرہ میں سماجی ادارے مضبوط ہیں بلکہ ہمارے یہاں یہ معدوم ہوتے جارہے ہیں۔ لیکن دوسری چیز جس میں ہمیں اس وقت بھی ان پر فوقیت حاصل ہے وہ ہماری خاندانی زندگی ہے جب میں سسیکس (SUSSEX) میں رہتا تھا میں سِف کرکٹ کے میدان میں بوڑھوں کے اکیلے پن کو شدت سے محسوس کرتا تھا۔ ذرا یہ تصور تو کیجئے کہ آپ اپنے ضعیف والدین کو ضعیفوں کی قیام گاہ میں بھیجدیں۔ وہاں کے بچوں کو بھی اس محبت اور گرمجوشی سے سابقہ نہیں پڑتا جس کے ساتھ ہم پروان چڑھتے ہیں۔ وہ اس سماجی تحفظ سے نابلد ہیں جو ہمارے مشترکہ خاندان ہمیں مہیا کرتے ہیں۔

بہرحال میں یہ محسوس کرنے لگا کہ مغربی معاشرہ کو سب سے بڑا نقصان ارکان کلیسا سے آزادی حاصل کرنے کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ اس کوشش میں وہ مذہب اور خدا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سائنس بہت سارے سوالوں کا جواب دے سکتی ہے لیکن وہ کبھی ان دو سوالوں کا جواب نہ مہیا کرسکے گی۔ اولاً یہ کہ ہمارے وجود کا مقصد کیا ہے؟ اور دوئم یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ میرے خیال میں یہی وہ خلا ہے جس نے مادیت اور لذت پرستانہ تہذیب کو جنم دیا ہے اگر ہماری موجودہ زندگی ہی سب کچھ ہے تو جب تک موقع ہے ہر شخص کو عیش کرنا چاہئے اور اس کے لئے صرف پیسے کی ضرورت ہے۔

ایسی تہذیب کا لازمی خاصہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے ذہن میں نفسیاتی گتھیاں پیدا ہوں گی۔ اس کی وجہ روح اور جسم کے درمیان عدم توازن ہے، نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ میں جو مادی ترقی میں سب سے آگے ہے اور جہاں کے شہریوں کو سب سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ تقریباً ساٹھ فیصد لوگ دماغی امراض کے معالجوں سے رجوع کرتے ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود جدید نفسیات میں انسانی روح کے مطالعہ کا کوئی شعبہ نہیں ہے۔ سویڈن اور سوئٹزرلینڈ میں شہریوں کے فلاح وبہبود پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے لیکن وہاں شرح خودکشی بھی تمام ملکوں کے مقابلہ میں سب سے زائد ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان صرف مادی فلاح کا طالب نہیں ہے۔ اسے اس سے زائد کسی اور شے کی تلاش ہے۔

چونکہ اخلاقیات کی اساس مذہب ہے....

..........اس لئے جب مذہب کو بے دخل کردیا گیا تو بدکرداری کو فروغ حاصل ہوگیا۔ اس صدی کی ساتویں دہائی سے تو بدکرداری اور فحاشی برابر ترقی پذیر ہے اور اس کا سب سے پہلا نشانہ خاندانی زندگی ہے۔ برطانیہ میں طلاق کی شرح ساٹھ فیصدی ہے اور اندازاً تقریباً ۳۵ فیصد بن بیاہی مائیں ہیں جرائم کی شرح تمام مغربی ممالک میں بڑھتی جارہی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تشویشناک بات نسل پرستی میں اضافہ ہے۔ سائنس کے ذریعہ انسانی نابرابری کا ثبوت فراہم کیا جارہا ہے۔ (ایک حالیہ جائزہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ امریکہ کے سیاہ فام لوگ وہاں کے سفید فام لوگوں کے مقابلہ میں کم ذہین ہوتے ہیں) جبکہ مذہب انسانی مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ۱۹۹۰ء کے درمیان دوسرے ممالک سے نقل مکانی کرکے یورپ میں بسنے والوں کی تعداد ...۳،۲۰،۰۰ (تین لاکھ بیس ہزار) تھی۔ لیکن اسی عرصہ میں سبھی یوروپین ممالک اور خصوصاً برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں نسلی فسادات بھی ہوئے۔ جنگ افغانستان کے دوران پاکستان میں چالیس لاکھ افغان مجاہدین نے پناہ لے رکھی تھی۔ صوبہ سرحد جیسے غریب اور غیر ترقی یافتہ علاقہ کے عوام کو اپنے معیار زندگی کے گرنے کی وجہ سے سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہاں کوئی نسلی کشاکش نہیں پیدا ہوئی۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان حالات میں برطانیہ کے اسکولوں میں پچھلے سال سے دوبارہ مذہبی تعلیم کا اجرا کیا گیا ہے۔

یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں مجھے خدا کی جانب رجوع کرنے کا موقع ملا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ "غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں"۔ ان نشانیوں میں سے ایک چیز کرکٹ بھی تھی۔ میں جتنا زیادہ اس کھیل کا شعور حاصل کرتا گیا اسی قدر یہ بات میری سمجھ میں آتی گئی کہ جس چیز کو میں محض اتفاق سمجھ رہا تھا وہ حقیقتاً منشاء الٰہی تھی لیکن اسلام کو سمجھنے کا دروازہ مجھ پر سلمان رشدی کی شیطانی آیات کے بعد کھلا۔

مغربی ممالک میں رہنے والے میرے جیسے بہت سے دوسرے لوگوں کو اس کتاب کے خلاف مسلمانوں کے ردعمل کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ہمارے سامنے صرف دو راستے تھے۔ "جنگ یا فرار"۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اسلام پر کئے جانے والے حملے ناواجب تھے لہٰذا میں نے اس کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن اسی کے ساتھ مجھے یہ احساس ہوا کہ اسلام کے متعلق میرا ناقص علم میری راہ میں مانع ہوگا۔ چنانچہ میں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کردیا جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ میں نے علی شریعتی، محمد اسد،

اقبال اور مارٹن لنگز جیسے لوگوں کی تصنیفات کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ کیا۔

میں مختصر الفاظ میں اپنی اس "تلاشِ حق" کا نتیجہ بیان کروں گا۔ جب بھی قرآن کریم مسلمانوں سے مخاطب ہوتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ "جو ایمان لائے اور جنھوں نے اعمال صالح کئے" دوسرے الفاظ میں ہر مسلمان پر دوہری ذمہ داری ہے۔ ایک خدا کے تئیں اور دوسری انسان کے جانب۔

اللہ پر ایمان کامل کا پہلا اثر میرے اوپر یہ ہوا کہ تمام انسانوں کا خوف میرے دل سے نکل گیا۔ قرآن جب یہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی اور موت عزت اور ذلت صرف خدا کے ہاتھوں میں ہے تو وہ ہر انسان کو تمام دوسرے انسانوں کی غلامی سے آزادی دلا دیتا ہے۔ اسے پھر کسی دوسرے انسان کے سامنے جھکنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اقبال نے خوب کہا ہے؂

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

علاوہ ازیں اس شعور کے ساتھ کہ اس دنیائے فانی میں ہمیں آخرت کی تیاری کرنی ہے میں اپنے وضع کردہ زندانوں جیسے خوف جنسی (جس کی بیت مغربی ملکوں میں اس قدر عام ہے کہ پلاسٹک سرجری کرنے والوں کی بن آئی ہے) مادیت پرستی، ذاتی انا، دوسروں کی تنقید وغیرہ وغیرہ سے آزاد ہوگیا۔ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ ہمیں دینی خواہشات کو ختم نہیں کرنا ہے بلکہ انھیں بااختیار بنانے کے بجائے ان پر اختیار حاصل کرنا ہے۔

اسلام کے دوسرے جزو پر عمل کرنے کی بنا پر میں ایک بہتر انسان بنتا گیا۔ جس نے یہ سمجھ لیا کہ محو بالذات ہونے اور اپنے لئے زندگی گذارنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا کیا ہے اس سے ان لوگوں کی مدد کرنا چاہئے جنھیں یہ سب کچھ حاصل نہیں ہے۔ اسلام کی ان تعلیمات نے مجھے کلاشنکوف بردار جنگجو بننے کے بجائے متحمل اور بردبار بنا دیا جو غریبوں اور کمزوروں کے دکھ درد کا احساس کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کامیابیوں کو اپنی سعی کا ثمرہ سمجھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا منشا سمجھا اور اس سے میرے اندر غرور کے بجائے انکساری پیدا ہوئی۔ عوام الناس کے تئیں دیسی صاحبوں کا مغرورانہ رویہ اپنانے کے بجائے میں ان کی فلاح اور بہبود کی بات سوچنے لگا اور یہ محسوس کرنے لگا کہ ہمارے معاشرہ میں غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ قرآن کے الفاظ میں "ظلم تو قتل سے بدتر ہے" کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ میں حقیقتاً اب اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے قابل ہوا ہوں۔ قلبی سکون صرف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اللہ پر کامل ایمان ہو۔

میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ہم صرف جزوی طور پر اسلام پر عمل کر رہے ہیں۔ صرف اللہ پر ایمان لانا اور عبادت کر لینا کافی نہیں ہے۔ اس کے لئے اچھا انسان بننا بھی ضروری ہے۔ میرے خیال سے اکثر ایسے مغربی ممالک ہیں۔ جہاں اسلام کے امتیازی اوصاف جیسے عوام کے حقوق کی حفاظت اور سماجی انصاف بہتر طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہاں کچھ بہترین انسانوں سے سابقہ پڑا ہے لیکن ان کی جو بات مجھے ناپسند ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوہرا معیار رکھتے ہیں۔ ایک جانب اپنے عوام کی حفاظت کرتے ہیں تو دوسری طرف دوسرے ممالک کے لوگوں کو اپنے سے کمتر تصور کرتے ہیں مثلاً اپنے صنعتی پیداوار کا فاضل زہریلا فضلہ تیسری دنیا (غیر ترقی یافتہ ممالک) میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں۔ اپنے ممالک میں سگریٹ کے اشتہار پر پابندی لگاتے ہیں لیکن ایسی دوائیں دوسرے ملکوں میں فروخت کرتے ہیں جن پر انھوں نے خود اپنے ملکوں میں پابندی عائد کر رکھی ہے۔

پاکستان کو درپیش مسائل میں ایک یہ ہے کہ یہاں دو رجعت پسند گروہ اپنی طاقت مجتمع کر رہے ہیں۔ ایک گروہ مغرب پسندوں کا ہے جو اپنی کم علمی کے باعث اسلام کو مغرب کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ گروہ ہر اس شخص کی مخالفت کرتا ہے جو معاشرہ کو اسلامی رنگ دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں کا اسلام صرف ان کی پسند کے مطابق ہو۔ دوسری جانب وہ گروہ ہے جو اس مغرب زدہ اعلیٰ طبقہ کے ردعمل کے طور پر اپنے آپ کو اسلام کا محافظ تصور کرتا ہے۔ یہ گروہ رواداری اور تقویٰ کی نمائش میں مبتلا ہے جو بذات خود روح اسلام کی نفی کرتی ہے۔

اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں انتہا پسند گروہوں کے درمیان افہام و تفہیم کا دروازہ کھولا جائے۔ اس کے لئے ان لوگوں کو جو ہمارے وسائل تعلیم کا سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اسلام کا سنجیدہ مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ایمان باللہ پر اکتفا کرنے یا عبادت گذار بن جانا ان کا ذاتی معاملہ ہے کیونکہ قرآن کریم بھی یہی کہتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ بہر صورت ان لوگوں کو اپنی انتہا پسندی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے علم کا سہارا لینا ضروری ہے انتہا پسندی سے صرف اظہار نفرت کافی نہیں ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو "امت وسطیٰ" بتلایا ہے نہ کہ انتہا پسند۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اللہ کا پیغام پہونچانے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ کوئی اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا اس کے لئے پریشان نہ ہوں۔ اس لئے اسلام میں دوسروں پر اپنے نظریات تھوپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم دوسرے مذاہب ان کی عبادت گاہوں اور ان کے پیغمبروں کی تکریم کریں۔ ملیشیا اور انڈونیشیا میں نہ تو مسلمان فوجیں گئی تھیں اور نہ مبلغین اسلام کی منظم جماعتیں۔ لوگوں نے اسلام کو اس کے اعلیٰ اصولوں اور مسلمان تاجروں

باقی ص ۶ پر

شب قدر کی فضیلت

احادیث نبوی کی روشنی میں

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کے آخری عشرہ کو پہلے دونوں عشروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور شب قدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے اس لئے مسلمانوں کو رمضان کے آخری عشرہ میں نماز و تلاوت قرآن، ذکر و مناجات، دعا و استغفار کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کا اہتمام، ضرورت مندوں پر خرچ اس آخری عشرہ میں زیادہ فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے، (پوری رات ذکر و عبادت، تلاوت و مناجات، دعا و استغفار میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین کو) بھی جگا دیتے تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔ (صحیح بخاری)

ان حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے (یعنی اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں۔)

اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح پوشیدہ اور مبہم رکھا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کا نزول شب قدر میں ہوا۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کا نزول ماہ رمضان المبارک میں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شب قدر رمضان المبارک کی راتوں میں سے کوئی رات تھی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید نشاندہی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس کا زیادہ امکان ہے۔ اس لئے ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے۔ لیکن آپ نے کسی رات کے بارے میں تعیین نہیں فرمائی اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کی رضا کے طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و تلاوت اور دعا و استغفار کا اہتمام کریں۔ اور ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں۔ اور ہر اس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان المبارک کی ستائیسویں ہی تاریخ میں ہوتی ہے، اور بہت سے اصحاب ادراک اور علماء کبار کا تجربہ بھی یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب میں ہوتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو عام طور پر اسی رات میں عمومی عبادت، دعا و استغفار، ذکر و تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم اپنی کتاب ارکان اربعہ میں صفحہ ۲۷۹ پر لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت سے شب قدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پوشیدہ رکھا ہے تاکہ مسلمان اس کی جستجو میں رہیں، ان کی طلب اور ہمت بڑھے، اور یہ سب آخری راتیں اس کی لالچ میں قیام و عبادت اور دعا و مناجات میں گزار دیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔"

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اس رات کو اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ عرض کرو۔

"اللّٰھمّ انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔" (مسند احمد، جامع ترمذی)

اے میرے اللہ تو بہت معاف فرمانے والا ہے اور بڑا کرم فرما ہے اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے پس تو میری خطائیں معاف فرما دے۔

باقی صفحہ ۳۶ پر

عالم اسلام

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

امریکی سفارتخانہ کی منتقلی

ایک افسوسناک فیصلہ

گذشتہ مہینہ امریکی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اب اپنا سفارت خانہ تل ابیب سے قدس منتقل کردے گا بالفاظ دیگر حکومت امریکہ نے تمام قوانین اور اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر قدس پر یہودیوں کی ملکیت اور قبضہ کو تسلیم کرلیا، اتنا بڑا واقعہ ہوگیا لیکن مغربی میڈیا نے اس پر پردہ پڑا رہنے دیا، اس لئے کہ اس فیصلہ کے منظر عام پر آنے سے یہودی و امریکی مفاد کو خطرہ ہوسکتا تھا، عرب ملکوں کے حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی، ان کی بڑی تعداد اقوام متحدہ کے پچاس سالہ جشن میں شرکت کے لئے یہودیوں کے اڈہ پر نیویارک میں موجود تھی گویا یہ فیصلہ ان کی ناک کے نیچے ہوا، پھر جب یہ حضرات نیویارک سے واپس آئے تو سیدھے عمان (اردن) میں اسرائیل کے زیر اہتمام منعقد اقتصادی کانفرنس میں شرکت کرنے لگے۔ پریس رپورٹوں کے مطابق اس کانفرنس سے سو فیصد فائدہ اسرائیل کو اور سراسر نقصان عربوں کا ہوا ہے

حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

سرد جنگ کے وقت امریکہ کی پوری توانائی اس میں صرف ہورہی تھی کہ کس طرح وہ پٹرول کی دولت سے مالا مال عرب ممالک اور خلیج کے اوپر سے روس کا تسلط ختم کرے اس وقت عالم عرب کی حیثیت ایک سائڈ ایکٹر یا بالفاظ دیگر ثالث کی تھی لیکن سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد امریکا عالم عرب کو نئے زاویۂ نظر سے دیکھنے لگا اور اس نے اسے عالمی نظام کی سطح پر "مشرق و مغرب کی کشمکش" کا تصور دیا۔ یہی وجہ تھی کہ امریکہ نے یکے بعد دیگرے ایک منصوبے کے مطابق عالم عرب کے مضبوط علاقوں پر ناکہ بندی اور حملوں کے ذریعہ ان کو کمزور کردیا (عراق والجزائر کی مثال ہمارے سامنے ہے) تاکہ اسکے مقابلہ میں براہ راست کسی طاقت کے وجود کا امکان تک باقی نہ رہے۔ ایک طرف امریکہ نے ان طاقتور ممالک کو موت کے گھاٹ اتارا تو دوسری جانب اسرائیل کی اقتصادی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے ہر سال امریکا کو اسے سالانہ تین بلین ڈالر دینے ہوتے ہیں۔ اس لئے امریکا کے لئے ضروری ہوا کہ وہ عرب اسرائیل دوستی کے سہارے اسرائیل پر ہورہے اخراجات کا بوجھ کم کرے، کیونکہ ان معاہدوں کے ذریعہ اسرائیل براہ راست اقتصادی نظام میں داخل ہوجائے گا۔ یہی مفادات تھے جنہوں نے کبھی "اوسلو" کبھی "میڈرڈ"، کبھی "کیمپ ڈیوڈ" "اسرائیل اردن" "اسرائیل عرب" کی شکل میں امن معاہدوں کو جنم دیا۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ امریکہ کے تمام کلیدی عہدوں پر یہودیوں کا تسلط ہے یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے قیام کے پیچھے اس کا منصوبہ کار فرما تھا اور اب بھی اسکی باگ ڈور انہیں صیہونی ہاتھوں میں ہے، نیویارک کے ایک مشہور یہودی وکیل ہنری کیسلنی نے اپنے سنسنی خیز مقالے "صیہون دنیا پر حکمرانی کرتا ہے" میں لکھا ہے کہ "اقوام متحدہ صیہونیت ہے یہ ایک ایسی بالا حکومت ہے جس کا اظہار کئی مرتبہ پروٹوکولز میں کیا گیا ہے۔ جنہیں ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان لوگوں تک پہونچایا گیا چنانچہ بیشتر معاہدے اقوام متحدہ کے خیموں تلے انجام پائے، ان معاہدوں کا مقصد اوپر بیان کیا جاچکا، رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان معاہدوں کو پورے ایک منصوبہ کے تحت روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے امور سے متعلق واشنگٹن کے ایک جریدے "واشنگٹن رپورٹ آن مڈل ایسٹ افیرز" نے مارچ ۱۹۹۳ء کے شمارے میں ایک خاتون صحافی گریس ہلسل کی رپورٹ شائع کی تھی جس میں دیار عرب اور اسلام کے بارے میں امریکی پالیسی پر روشنی ڈالی گئی تھی اور کچھ انکشافات کئے گئے تھے، اس میں خاتون صحافی نے ایک انکشاف یہ بھی کیا تھا کہ ایپک (AMERICAN ISRAIL PABLIC AFFIRS - COMMETEE) نے ۱۹۸۶ء میں ۱۱۳ صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ شائع کی تھی جس کا عنوان تھا تعمیر نو کا سلامتی مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی حکمت عملی۔ اس پوری رپورٹ کو ملاحظہ کرنے کے بعد موجودہ اسرائیل و عالم عرب کے مابین ہوسے معاہدوں کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے ایپک جو ایک صیہونی تنظیم ہے اس نے معاہدوں کے ذریعہ عالم عرب پر تسلط کے سلسلے میں ہدایات جاری کی تھیں۔ جس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ امن و سلامتی کے سلسلہ میں قدم ذرا دھیرے دھیرے بڑھائیں تاکہ واقعی اسکی صورتحال نہ پیدا ہوسکے۔ لیکن انہیں ان امن معاہدوں سے ذاتی طور

پرکس قدر دلچسپی ہے اور کیا واقعی امریکہ و اسرائیل دنیا کے اندر امن وسلامتی کا قیام چاہتے ہیں ؟ جب نقض امن اور معاہدوں کی خلاف ورزیوں کی خبریں انہیں کی جانب سے ملتی ہیں تو ہر ہوشمند کے ذہن میں مندرجہ بالا سوال ابھرنے لگتا ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاہدے محض فریب ہیں اور محض اپنے مقاصد کے پیش نظر پورے فریب اور بد دیانتی کے ساتھ کئے جاتے ہیں ، الغرض قضیۂ فلسطین کے سلسلہ میں ہوئے اوسلو معاہدہ کی خلاف ورزی بھی ہوگئی جس سے مزید حقیقت کے دریچے وا ہو جاتے ہیں ۔ یعنی بیت المقدس کو اسرائیل کی راجدھانی قرار دینا ۔

ایسے سنہرے موقع پر جبکہ ایک طرف یہودی (بزعم خویش) بیت المقدس کے صدر مقام تسلیم کئے جانے کی ۳۰۰۰ ہزار سالہ تقریبات منانے جارہے ہوں اور ساتھ ہی اقوام متحدہ کے پچاس سال پورے ہونے پر جشن بھیمیں جاری ہو امریکا کے لئے ضروری ہوا کہ وہ اسرائیل کو کوئی تحفہ پیش کرے ، چنانچہ امریکی کانگریس میں اکثریت کے ووٹ سے یہ بل پاس ہوا کہ امریکا کا سفارت خانہ تل ابیب سے بیت المقدس منتقل کر دیا جائے ، اس رزولیشن کو ریپبلکن لیڈر رابرٹ ڈول نے سینٹ کے سامنے پیش کیا تھا تاہم یہ بل کوئی نیا بل نہیں ہے بلکہ اس سے قبل ۱۹۸۳ء میں نیویارک کے ڈیموکریٹک لیڈر سینیٹر پیٹرک موئنہن اس تجویز کو رکھ چکے ہیں ، لیکن اس وقت امریکہ کے اندر حالات سازگار نہ تھے اس لئے اس کو رد کر دیا گیا تھا ۔

اگرچہ ۱۹۹۲ء کے الیکشن کے دوران بل کلنٹن نے بھی سفارت خانہ کی منتقلی کی بات کی تھی ، لیکن وہائٹ ہاؤس میں اکثریت حاصل کرنے کے بعد اس کو نافذ نہیں کیا ، اس رزولیشن سے صدر کلنٹن نے دو میدان جیتنے کی کوشش کی جب انہیں علم ہو گیا کہ یہ بل اکثریت کے ووٹ سے پاس ہو جائے گا تو انہوں نے ایسا ظاہر کیا کہ وہ گویا اس کے خلاف ویٹو کا استعمال کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن اب جبکہ ایک تہائی اکثریت سے یہ بل پاس ہو چکا تھا تو ان کے پاس ویٹو کا حق بھی نہیں بچا تھا جو ایک تہائی اکثریت کے بعد ناکام ہو جاتا ہے ۔ البتہ انہوں نے اس بل کے اندر تین تبدیلیوں کی بات رکھی جو نفس مسئلہ سے متعلق نہیں بلکہ وقت کی تعیین وغیرہ سے تعلق رکھتی تھیں ۔

بیت المقدس میں امریکی سفارت خانے کی منتقلی کے اس رزولیشن میں ۲۵ دفعات ہیں جن میں ۱۶ دفعات میں بحیثیت روحانی مرکز کے بیت المقدس میں یہودیوں کی تاریخی اور عملی حقوق کی وضاحت ہے ۔ ۶ / دفعات سفارت اور دیگر اشیاء کی منتقلی سے متعلق کمیٹی کے لئے ہدایات اور طریق کار پر مبنی ہیں ۔ ۳ / دفعات اسکے نفاذ سے متعلق ہیں کہ کمیٹی ہر چھ ماہ کے بعد امریکی کانگریس کو رپورٹ پیش کرے گی جس میں اسکے نفاذ سے متعلق نشاندہی کی جائے گی ۔ دفعہ ۲ میں کہا گیا ہے کہ بیت المقدس ۱۹۵۰ء سے مستقل اسرائیل کی راجدھانی ہے اور رہے گی اس طرح دفعہ ۱۲ میں ہے کہ بیت المقدس یہودیوں کا روحانی مرکز ہے ۔

یہ رزولیشن اس وقت پاس کیا گیا جبکہ ۹۰٪ عیسائی ممبران اس میں شریک تھے ، اور انہوں نے اس میں بھر پور حصہ لیا ۔ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رزولیشن کے پاس کروانے کے لئے کانگریس کے ہر ممبر پر ۲ ملین ڈالر خرچ کئے گئے ، یہودیوں کے دعوے کے مطابق ۱۹۹۶ء میں ان کے ۳ ہزار سالہ جشن فتح بیت المقدس کا آغاز امریکی سفارت خانہ کی عمارت کے سنگ بنیاد سے ہوگا ۔

اس رزولیشن کی منظوری کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ امریکہ اور اسرائیل کا ذاتی معاملہ ہے اس میں اقوام متحدہ کا نہ تو کوئی رول ہے اور نہ ہی اسے اس میں مداخلت کا کوئی حق ہے ۔

اس قانون کی منظوری سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کس طور پر اسرائیل کی زلفوں کی اسیر بنی ہوئی ہے کیا اس کا یہ بیان کہ اقوام متحدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے محض اسرائیل کے لئے ہے ، عراق و الجزائر اور بوسنیا و صومالیہ میں مداخلت کے وقت کیا اقوام متحدہ کے پیش نظر یہ اصول نہیں تھا ؟ کچھ بھی ہو امن وسلامتی خاک میں جائے لیکن امریکی کانگریس کے اس رزولیشن نے ۱۹۹۶ء کے صدارتی انتخابات کے لئے یہودیوں کی حمایت کی راہ ضرور کھول دی ہے اور درحقیقت امریکہ کا اصل ہدف بھی یہی ہے ، اس ووٹنگ سے یہ بات کھلکر سامنے آئی ہے کہ یہ امریکہ میں ہونے والے الیکشن کی مہم کا ایک حصہ ہے اور اسے محض ووٹ حاصل کرنے اور یہودیوں کو خوش کرنے کے لئے روبہ عمل لایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ کانگریس کے اکثر ممبران خود کو صیہونی ظاہر کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تاکہ یہودیوں کو خوش کیا جاسکے اور اس کے باعث امریکہ کے اندر ریپبلکن اور ڈیموکریٹک پارٹیاں یہودی حمایت حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں مصروف ہیں

کانگریس نے سفارت خانہ منتقل کرنے کیلئے امریکی وزارت خارجہ سے ۲۵ ملین ڈالر کا مطالبہ کیا ہے اگر اسے ۱۹۹۶ء میں منتقل کر دیا جاتا ہے تو ورنہ ۱۹۹۷ء میں یہ اخراجات بڑھ کر ۷۵ ملین ڈالر ہو جائیں گے ، اس رزولیشن پر عمل کی آخری مدت ۱۹۹۹ء ہے اور اسی سال اوسلو معاہدہ کی مدت بھی ختم ہو رہی ہے ۔

اس رزولیشن کی منظوری کے بعد مبارکبادیوں اور رد عمل کا سلسلہ چل پڑا بیت المقدس کے میئر ایہوڈ والمروٹ نے بیان دیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ووٹنگ دوسرے ممالک کو بیت المقدس میں سفارتخانے کی منتقلی پر ابھارے گی ۔

واشنگٹن پوسٹ نے لکھا ہے کہ اس قانون کی حمایت میں کانگریس کی ووٹنگ سے اسکے اسرائیل کو فروغ دینے کے جذبہ کا علم ہوتا ہے اور اس سے امریکی سیاست میں اسرائیل کے اثر ورسوخ کا بخوبی پتہ چلتا ہے ۔

اسرائیلی وزیر اعظم نے امریکہ کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ کا یہ اقدام دوسرے ممالک کے

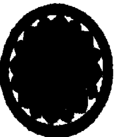
لیے بیت المقدس میں سفارتخانوں کے قیام کا پیش خیمہ ہوگا، ساتھ ہی رابن نے دیگر ممالک کو کانگریس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کی دعوت دی۔

شمعون پیریز نے اس طرح اپنی رائے ظاہر کی ہے جس سے بیت المقدس کے سلسلہ میں امریکی و اسرائیلی پالیسی کی وضاحت ہوتی ہے۔ "ہم بیت المقدس میں فلسطینیوں کو حقدار نہیں سمجھتے اس لئے کہ بیت المقدس کے علاوہ یہودیوں کا کوئی دار السلطنت نہیں ہے اور یہ کوئی برلن نہیں ہے کہ یہاں مشترک دار السلطنت بنا دیا جائے۔ یقیناً دینی اعتبار سے بیت المقدس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں لیکن سیاسی اعتبار سے بند ہیں، جب اقوام متحدہ نے بیت المقدس میں سفارتخانہ کی منتقلی کی منظوری دیدی ہے تو ناگواری کی آخر کیا وجہ ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں دینی اعتبار سے بیت المقدس میں ہر طرح کی مداخلت کا حق ہے جہاں تک سیاسی معاملہ ہے تو یہ دوسرا موضوع ہے۔ (۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۵ء)

اسلامی تنظیموں اور تحریکوں نے بھی اس پر اپنے ردعمل کا کھل کر اظہار کیا اور اس پر سخت تشویش جتائی، ایرانی وزارت خارجہ نے اسے مسلمانوں کی اہانت گردانا، حماس اور اخوان المسلمون نے اسے اسلام کے خلاف سازش قرار دیا اور کہا کہ یہ اوسلو کی شدید ترین خلاف ورزی ہے۔

جامع ازہر کے مجمع البحوث الاسلامی نے اس رزولیشن کو امن وسلامتی کے تمام امکانات کو ختم کرنے والا قرار دیا، اقوام متحدہ کے پچاس سالہ جشن میں شریک مسلمان لیڈروں نے اس پر کسی طرح کا ردعمل ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے نیویارک میں صدر کلنٹن اور امریکی وزیر خارجہ سے ملاقات کی، صرف یہی نہیں بلکہ ۱۲ مسلم لیڈروں نے بیت المقدس جاکر "شہید" رابن کے آستانہ پر حاضری دی، اور امن وسلامتی کے پیغامبر اور امن وسلامتی کے نام پر جان قربان کردینے والے اس سپوت کی تربت پر انہوں نے آنسوؤں کی چادر چڑھائی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس رزولیشن نے امن وسلامتی کی تمام امیدوں اور اندیشوں کا دروازہ بند کردیا ہے، بیت المقدس کا تقدس مسلمانوں کے نزدیک جان ومال سے بڑھ کر ہے اس طرح امن وسلامتی کے پرفریب معاہدوں کے نشہ میں عربوں کو مخمور کرکے بیت المقدس کے تقدس کو پامال کرنے سے مزید منافرت اور تشدد کو ہوا ملے گی، جب تک دلوں میں کھوٹ ہو اور نیتیں صاف نہ ہوں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں کو قوم یہود سے ایسی توقع کرنا ایک طفل تسلی کے سوا کچھ نہیں۔



مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم کا سالانہ جلسہ

۱۰/ جنوری ۱۹۹۶ء کو مولانا عبدالباری ندوی مرحوم ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیر سوسائٹی کے زیر اہتمام مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم کا سالانہ جلسہ فیض اللہ گنج باری انکلیو لکھنؤ میں ہوا جس میں کئی حفاظ کو قرآن کریم کے تکمیل حفظ پر مدرسہ کے احاطہ میں واقع مسجد ام احمد میں ظہر کی نماز مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی اڈیٹر "البعث الاسلامی" اور جو ندوہ کی مسجد کے امام بھی ہیں نے پڑھائی۔ مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء نے ایک مختصر اور جامع تقریر فرمائی۔ مدرسہ کے ۲۵ طلبہ کو جنھوں نے حفظ مکمل کرلیا ہے انھیں جناب مولانا سید محمد واضح رشید ندوی اڈیٹر "الرائد" نے قرآن شریف تقسیم کئے۔

یاد رہے کہ اس مدرسہ کا سنگ بنیاد دو سال قبل مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے رکھا تھا۔

مدرسہ کے ناظم حافظ احمد الباری صاحب ہیں جو مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے صاحبزادے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی برکت اور مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی قرآن شریف سے محبت اور بزرگوں کی توجہ خاص کی وجہ سے ان میں سے دو طلبہ نے جو ذہین تھے ۳ ماہ میں قرآن شریف حفظ کرلیا اور باقی طلبہ نے بھی دو سال کے اندر اپنا حفظ مکمل کرلیا۔

مدرسہ کی خصوصیت

مدرسہ میں طلبہ کے رہنے اور کھانے پینے، علاج معالجہ کا خصوصی انتظام ہے اور اس کا خرچ بھی ابھی تک مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی اولاد اپنی زرعی آمدنی سے پورا کرتی ہے۔ مدرسہ میں بچوں کی صحت اور اخلاق پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔

حافظ اقبال صاحب ناظم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا، مدرسہ کے جلسہ میں ندوہ کے بزرگوں اور علماء اور شہر کے لوگوں نے کافی تعداد میں شرکت کی، طلبہ اور معززین شہر کو دوپہر کا کھانا کھلانے کے بعد اس نورانی اور مبارک جلسہ کا خاتمہ ہوا۔

عید الفطر، فضائل و مسائل

محمد ہارون عزیزی چاٹگامی

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانا پکاتے کھاتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں انکی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینۂ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔ عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے۔ اور اُن میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے۔ (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلے میں اس سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد)

۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب لوگوں کی عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے، چنانچہ کہتا ہے اے میرے فرشتو! کیا بدلہ ہے۔ اس مزدور کا جس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اسکو پورا اجر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے فرشتو! میرے بندے اور باندیوں نے میرے فرض کو جو ان کے ذمہ تھا ادا کر دیا۔ پھر تکبیر کی آواز بلند کرتے ہوئے دعا کیلئے نکلے، قسم ہے میری عزت کی میرے جلال کی، میرے کرم کی، میری بلندی کی اور میری رفعت شان کی ضرور میں انکی دعا قبول کرونگا پھر بندوں سے کہتا ہے جاؤ تم بیشک میں نے تمکو بخش دیا۔ اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ حضورؐ نے فرمایا تب وہ گناہوں سے بخشش پاکر واپس ہوتے ہیں۔"

(خطبات الاحکام ص۱۵۲ از بیہقی شریف)

۲۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دونوں عیدوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں میں ثواب کی نیت سے عبادت کی تو اسکا دل اس دن نہیں مرے گا۔ جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔" (الترغیب والترہیب ج ۲ ص۱۵۲)

۳۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پانچ راتیں زندہ رکھیں اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ (وہ پانچ راتیں یہ ہیں) آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، بقرعید کی رات، عید الفطر کی رات اور پندرہویں شعبان کی رات۔"

(حوالۂ بالا)

۴۔ ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عید کا دن ہوتا ہے تو فرشتے راستوں کے سروں پر بیٹھ جاتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ اے مسلمانوں کے گروہ چلو رب کریم کی طرف جو نیکی (کی توفیق دیکر) احسان کرتا ہے پھر اس پر بہت ثواب دیتا ہے (یعنی خود ہی عبادت کی توفیق دیتا ہے پھر اس پر خود ہی ثواب عنایت فرماتا ہے) اور فرشتے کہتے ہیں کہ تم کو رات میں قیام کا حکم دیا گیا تو تم نے قیام کیا اور تم کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ تو تم نے روزے رکھے۔ اور اپنے پروردگار کی اطاعت کی، پس تم انعام حاصل کرو، پھر جب نماز پڑھ چکتے ہیں تو فرشتہ پکارتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہارے رب نے تم کو بخش دیا اور تم اپنے گھر کی طرف کامیاب ہو کر لوٹو پس یہ

یوم الجائزۃ ہے اور اس دن کا نام آسمان میں "یوم الجائزۃ" "انعام کا دن" رکھا جاتا ہے۔" (ترغیب و ترہیب)

عید کے دن کی سنتیں

عید الفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں:۔

۱۔ شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا۔
۲۔ غسل کرنا۔ (۳) مسواک کرنا۔
۴۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس میں موجود ہوں پہننا۔ (۵) خوشبو لگانا۔
۶۔ صبح کو بہت سویرے اٹھنا
۷۔ عیدگاہ میں بہت سویرے جانا۔
۸۔ قبل عیدگاہ جانے کے کوئی شیریں چیز مثل چھوہارے وغیرہ کے کھانا مستحب ہے۔
۹۔ قبل عیدگاہ جانے کے صدقۂ فطر دیدینا۔
۱۰۔ عید کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔
۱۲۔ جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔
۱۲۔ پیادہ پا جانا۔
۱۳۔ اور راستے میں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیئے۔

عید الفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ

عید الفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نیت کرے۔ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیْ رکعتی الواجب صلوٰۃ عید الفطر مع ست تکبیرات واجبۃ۔ میں نے یہ نیت کی کہ دو رکعت واجب نماز عید کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھوں یہ نیت کرکے ہاتھ باندھ لے اور "سبحانک اللھم" آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکادے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر تک توقف کرے جتنی دیر میں تین "سبحان اللہ" کہہ سکے تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے۔ بلکہ باندھ لے، اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھ کر حسب دستور رکوع سجدہ کرکے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں پہلے سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھ لے، اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے، لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاوے۔

چند مسائل

مسئلہ:۔ بعد نماز عید کے دو خطبے منبر پر کھڑے ہوکر پڑھے۔ اور دونوں خطبوں کے درمیان میں اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبے میں۔

مسئلہ:۔ جہاں عید کی نماز پڑھی جائے وہاں اس دن اور کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز سے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ ہاں بعد نماز کے گھر میں آکر نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور قبل نماز کے یہ بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ عورتیں اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں انکو قبل نماز عید کے کوئی نفل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی ہو اور سب لوگ پڑھ چکے ہوں تو وہ شخص تنہا نماز عید نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے کہ جماعت اس میں شرط ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شریک نماز ہوا ہو اور کسی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی ہو وہ بھی اسکی قضا نہیں پڑھ سکتا۔ نہ اس پر اس کی قضا واجب ہے ہاں اگر کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہوجائیں تو پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص عید کی نماز میں ایسے وقت آکر شریک ہوا ہو کہ امام تکبیروں سے فراغت کرچکا ہو تو اگر قیام میں آکر شریک ہوا ہو تو فوراً بعد نیت باندھنے کے تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام قرات شروع کرچکا ہو۔ اور اگر رکوع میں آکر شریک ہوا ہو تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیروں کی فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے بعد اسکے رکوع میں جائے اور رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو رکوع میں شریک ہوجائے اور حالت رکوع میں بجائے تسبیح کے تکبیریں کہہ لے مگر حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر قبل اس کے کہ پوری تکبیریں کہہ چکے امام رکوع سے سر اٹھالے تو یہ بھی کھڑا ہوجائے اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ اس سے معاف ہیں۔

• اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں چلی جائے تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے تو پہلے قرات کرلے اس کے بعد تکبیر کہے اگرچہ قاعدہ کے موافق پہلے تکبیر کہنا چاہئے تھا، لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے درپے ہوئی جاتی ہیں اور یہ کسی صحابی کا مذہب نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف حکم دیا گیا۔ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور رکوع میں اس کو خیال آئے اسکو چاہیئے کہ حالت رکوع میں تکبیر کہہ لے ہاتھ نہ اٹھائے پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ جائے تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن ہر حال میں بوجہ کثرت اژدہام کے سجدہ سہو نہ کرے۔

(ماخوذ از بہشتی گوہر ملحق بہشتی زیور مکمل مدلل از ص ۸۳ تا ۸۷)

جامعہ اسلامیہ قلندرپور اعظم گڈھ

مولانا محمد تقی الدین ندوی

دارالمصنفین اعظم گڈھ میں نومبر ۹۵ء میں رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کے موقع پر جامعہ اسلامیہ مظفرپور قلندرپورا بانی جامعہ مولانا تقی الدین صاحب مظاہری ندوی استاد جامعۃ العین نے ایک عوامی جلسہ کیا تاکہ علاقہ کے لوگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی تقریر سے فائدہ اٹھاسکیں۔ اس موقع پر مولانا تقی الدین صاحب نے ذیل کا مضمون پڑھا جس میں جامعہ کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ اعظم گڈھ کی مردم خیزی و علمی تاریخ کا بھی اچھا تذکرہ آگیا ہے جو افادۂ عام کے لئے ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرات علماء کرام و عزیزان طلبہ و حاضرین جلسہ،

جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڈھ کا یہ دوسرا بڑا جلسہ آج یہاں منعقد ہو رہا ہے، یہ ناچیز آپ حضرات کا بالخصوص صدر جلسہ حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی دامت برکاتہم اور جناب مولانا محمد سالم صاحب قاسمی و جناب مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی و جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی و دیگر علمائے کرام کا شکرگزار ہے کہ آپ حضرات نے اپنے معروف ترین و قیمتی اوقات میں سے یہاں کے لئے وقت نکالا اور ہماری دعوت قبول فرماکر عزت افزائی کا موقع عطا فرمایا۔ آپ حضرات کی تشریف آوری سے ہمارا دل خوشی و مسرت سے لبریز ہے

حضرات! ہمارا یہ ضلع اعظم گڈھ جو کبھی تاریخ میں جونپور کا حصہ رہا ہے۔ اس علاقہ کو شیراز ہند سے یاد کیا جاتا تھا یہ ہمیشہ سے علماء و فضلاء و اہل کمال کا مرکز رہا ہے۔ اس علاقے سے ایسی ایسی باکمال شخصیتیں اٹھیں جنھوں نے تاریخ میں گہرے نقوش چھوڑے نیز باہر سے بھی بہت باکمال شخصیتیں اس علاقہ میں آئیں اور یہاں قیام کو ترجیح دیا ان میں علماء عظام بھی رہے ہیں اور اولیاء کرام بھی جنھوں نے اس علاقہ کو اپنی ایمانی و اصلاحی دعوت کا مرکز بنایا اور ان کی صحبت اور ان کی رشد و ہدایت کے ذریعہ ہزاروں انسانوں کو ایمانی زندگی نصیب ہوئی اور انہی بزرگوں کی توجہات و برکات کا اثر ہے کہ اس علاقہ میں مدارس دینیہ و مراکز اسلامیہ کی کثرت ہے۔

ع۔ ایماں کے جہاں پڑتے ہیں قدم پیدا وہیں زمزم ہوتا ہے،

ہمارا یہ ضلع اعظم گڈھ جس کا دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تاسیس و تعمیر اور اسکی ترقی میں بڑا حصہ رہا ہے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اعظم گڈھ شہر میں دارالمصنفین جیسا ادارہ قائم کیا گیا مگر اس کی بھی شدید ضرورت تھی کہ اس ضلع میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جائے، جس کا دارالعلوم ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق و ربط ہے اور جو اپنے منہج و نصاب میں اس کے تابع ہو تاکہ مشرقی یوپی کے طلباء خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھاسکیں، اسی ضرورت کے تحت اپنے بزرگوں کے مشورے و ارشاد کے مطابق بلکہ یہ کہا جاسکے کہ ان کے حکم کی بناپر یہ جامعہ اسلامیہ یہاں آج سے چھ سال پہلے قائم کیا گیا، اس کے قیام کے مقاصد و دیگر تفصیلات لکھی بھی جاچکی ہیں اور بیان بھی کی جاچکی ہیں مگر اس حقیقت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ آج سے اٹھائیس ۲۸ سال پہلے ہمارے استاذ و شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا "میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کے یہاں کا یہ مکتب ایک بڑے مدرسہ میں تبدیل ہو جائے" میں سمجھتا ہوں کہ ان کی دعا کا ثمر اس جامعہ اسلامیہ کی صورت میں آپ کے سامنے جلوہ گر ہے۔ ع

نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

جامعہ کے قیام کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کو علمی و تحقیقی مرکز بنایا جائے خاص طور سے حدیث شریف کا، ہندوستانی علماء نے علمی و تحقیقی میدان میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب ممالک پر ایک گہرا اثر ڈالا ہے ان کی کتابوں کو باہر کی دنیا میں عزت و قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ان کی تالیف کو بہت سی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں داخل کیا خصوصیت سے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہٗ کی تالیفات،

نیز ہندوستان پچھلی صدیوں میں علم حدیث کا بڑا مرکز رہا ہے اور اس فن میں اس کی قیادت و سیادت عرب ممالک میں بھی مسلم ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی ذات گرامی تھی جنھوں نے قدماء کی بعض ان اہم کتابوں کو جن کے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی تھیں تحقیق و تعلیق کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا افسوس کہ ان کے انتقال سے ہندوستان کی علمی بہار جاتی رہی۔ ع

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

اس ناچیز کو آج سے ۲۵ سال پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ کے مشورہ سے بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کی حواشی کی تصحیح اور کتاب کی طباعت کا ذمہ دار بنایا تھا۔ اسی سلسلہ میں قاہرہ و عرب ممالک میں جانا ہوا۔ اور قاہرہ سے بذل المجہود کے طفیل میں بیہقی کی کتاب الزھد الکبیر کی تحقیق و تعلیق پر جامع ازھر سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور وہاں امارات میں جامعۃ العین میں تصنیف و تالیف و تدریس کے سلسلہ میں قیام ہے۔ اپنے اس قیام کے دوران وہاں کے کتب خانوں کو دیکھا اور حدیث کے موضوع سے متعلق قدیم و جدید مراجع سے

استفادہ کرتا رہتا ہوں لیکن میں نے شدت سے ضرورت
محسوس کی کہ ہندوستانی علماء اور اپنے مشائخ کی تحقیقات
نادرہ جو اس موضوع پر ہیں ان کو مناسب انداز سے پیش
کیا جائے تاکہ علماء عرب اس سے استفادہ کرسکیں چنانچہ
اسکندریہ یونیورسٹی میں میرے لڑکے ڈاکٹر ولی الدین
ندوی سلمہٗ کے رسالۂ دکتوراہ کا موضوع "الامام اللکھنوی
وجہودہ فی السنۃ" کو اختیار کیا گیا جس پر انھوں نے وہاں سے
مرتبۃ الشرف الأولیٰ کی ڈگری حاصل کی اور کتاب کا
پہلا باب "الامام اللکھنوی" کے عنوان پر دار القلم دمشق
نے شائع کیا۔ اس ناچیز کی تالیفات میں "الامام البخاری
سید الحفاظ والمحدثین" اور "الامام ابو داؤد الفقیہ
والمحدث" دونوں کتابوں میں حضرت شیخ الحدیث مولانا
محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی بعض تحقیقات کو
پیش کیا گیا ہے۔ ان میں پہلی کتاب کو بعض دکاترہ نے
اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مراجع میں شمار کیا اور اس کتاب
کے میرے علم کے مطابق سولہ ہزار نسخے شائع ہوچکے ہیں
دوسری کتاب سے جامع ازہر کے رئیس قسم دکتور عبد المنعم
النمر نے خصوصیت سے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ میں
استفادہ کیا۔ ادھر اگر جب مولانا عبد الحی فرنگی محلی کی
کتاب "التعلیق الممجد وظفر الامانی" پر کام شروع کیا تو مجھکو
معاون کی ضرورت محسوس ہوئی افسوس یہ کہ کوئی اہل در
فارغ آدمی اس کام کے لئے نہ مل سکا اس لئے خود ہی
محنت و مشقت کرکے دونوں کتابوں کی تکمیل کی، میرے
لڑکے عند الضرورۃ معاون بن جاتے تھے۔ پہلی کتاب
تین جلدوں میں اور دوسری ایک جلد میں شائع ہوکر
تمام یونیورسٹیوں و جامعات و مراکز خصوصاً عرب
ممالک میں پھیل گئی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ مقبول ہورہی
ہیں۔ حرمین شریفین میں بہت سے علماء نے حدیث
شریف کی اجازت لی اور مختلف یونیورسٹیوں نے
پی۔ ایچ۔ ڈی کا جج مقرر کیا اور بعض جامعات نے
اساتذہ کی ترقی کا بھی جج مقرر کیا ہے۔
یہ تفصیل اس لئے بیان کی گئی تاکہ یہ بتایا جاسکے
کہ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد میں ایسے علماء و فضلاء کو
تیاری کا موقع دینا ہے جو علم حدیث پر خصوصیت سے
یا دیگر علوم پر تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آجکل
ہم نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب
"أوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک" پر کام شروع
کیا جس کی پہلی جلد پریس میں جاچکی ہے اس میں جامعہ
اسلامیہ کے بعض اساتذہ ہماری معاونت کر رہے
ہیں جس سے ہمیں کام میں سہولت ملتی ہے انھیں بھی
علمی فائدہ ہوتا ہے۔

جامعہ اسلامیہ کا کتب خانہ

جامعہ کے جو مقاصد بیان کئے گئے اس کا تقاضا ہے
کہ یہاں پر چیدہ کتابوں کا ایک کتب خانہ ہو
الحمد للہ اس وقت ہمارے یہاں کتب خانہ میں تقریباً
دس ہزار چیدہ و منتخب کتابیں، مصر و شام و عرب
ممالک سے لاکر جمع کی جاچکی ہیں اور اس میں اضافہ کی
کی بھی مسلسل کوشش جاری ہے۔

طلبہ و مدرسین و ملازمین

ہمارے گاؤں میں ابتدائی تعلیم کے لئے مکتب
قائم ہے جو در حقیقت اسی جامعہ کے تابع ہے مگر اس
جامعہ میں درجۂ اعدادیہ سے درجۂ ششم تک ندوۃ العلماء
کے نصاب کے مطابق تعلیم کا انتظام قائم ہے اس کے
ساتھ شعبۂ حفظ و تجوید بھی ہے۔ طلبہ کی مجموعی تعداد
تقریباً چار سو ہے۔ یہاں سے درجۂ ششم کے بعد
طلبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے لئے
جاتے ہیں اور وہاں امتحان میں شریک ہوتے ہیں
ان کے نتائج پر ندوہ کے ذمہ داروں نے اطمینان
کا اظہار کیا بلکہ ندوہ کے مہتمم جناب مولانا سید محمد رابع
صاحب ندوی مدظلہٗ نے ندوہ میں طلبہ کی کثرت کے
پیش نظر بار بار اس کا اظہار فرمایا کہ جامعہ میں
درجۂ ہشتم تک تعلیم کا انتظام کر دیا جائے۔ یہ مسئلہ
ابھی قابل غور ہے نیز ہماری خواہش ہے کہ یہاں درجۂ
ہشتم کے بعد دورۂ حدیث کا سلسلہ قائم ہو اللہ
کرے کہ اس کے اسباب پیدا ہوں۔
شعبۂ حفظ و تجوید کو ہم مستحکم کرنا چاہتے ہیں
بلکہ "معہد تحفیظ القرآن" کے نام سے اس کو مستقبل بنانا
چاہتے ہیں۔
یہاں مدرسین و ملازمین کی تعداد تقریباً ۴۰
ہے اور آئندہ سال اس میں اضافہ ہوگا۔

شعبۂ تعمیر و ترقی

جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندر پور اعظم گڑھ
یوپی۔ اس جامعہ میں چندہ کا نظام قائم ہے جس کے
لیے مدرسین و سفراء مختلف دیہاتوں و شہروں کا
سفر کرتے ہیں اور اس کے الحمد للہ اچھے نتائج برآمد
ہو رہے ہیں اور چندہ کی مقدار میں کافی اضافہ ہو رہا
ہے۔ امید ہے کہ اس طرح یہ جامعہ خود کفیل ہوجائیگا۔
اخیر میں ہم پھر آپ سب حضرات کے شکر گذار
ہیں اور معذرت خواہ ہیں کہ کما حقہ آپ کو آرام نہیں
پہونچا سکے۔ اللہ کرے کہ ہمارے علماء و مشائخ و
بزرگوں کی آمد سے جو الحمد للہ ماضی میں بھی بار بار
ہوتی رہی ہے۔ اس کی برکت سے کام کرنے والوں میں
نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر شر و
فتن سے اس جامعہ اور اس کے کام کرنے والوں کو
بچائے۔ آمین۔

بقیہ: ص ۲۹ کا

اور بندۂ مومن کو ادب کے مقام
پر پہونچاتی ہے۔ اس کو شرم و حیا اور پاکدامنی کی
تربیت دیتی ہے۔ [1]

---

[1] فتح الباری۔ کتاب الادب

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

پروفیسر وصی احمد صدیقی

قلندرواں کہ بہ تسخیر آب دگل کوشند
زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اندو کمندے بہ مہرومہ پیچند
بخلوت اندو زمان و مکاں در آغوشند
بروزِ بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند
نظام تازہ بچرخِ دو رنگ می بخشند
ستارہ ہائے کہن را جنازہ بردوشند (اقبال)

یہ داستان اُن آزاد مردوں کی ہے جو آب و گل کے تسخیر کی کوشش کرتے ہیں۔ گدڑی پہنتے ہیں اور بادشاہوں سے خراج لیتے ہیں جب کارِ جہاں میں مشغول ہوتے ہیں تو اپنی کمند میں سورج اور چاند کو گرفتار کرتے ہیں اور خلوت کدے میں ان کے آغوش میں زمان و مکاں ہوتے ہیں جب بزم آرا ہوتے ہیں تو ریشم اور پرنیاں کی طرح نرم ہوتے ہیں اور رزم گاہ میں یہ خود آگاہ لوگ اپنے جسم و جاں کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس رنگ بدلتے آسمان کو نیا نظام بخشتے ہیں اور ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم نہیں کرتے۔

یہ وہ بندے ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ خالق دو جہاں کی کبریائی کے تلے ایسے مرد بھی ہیں جن کی طاعت کے آگے فرشتوں کی طاعت ہیچ ہے جن کا پیام انبیاء کے پیام کی تفسیر ہے جو اپنی فکر و نظر کی بلندی اور عمل کی پاکیزگی سے اللہ کو راضی کئے ہوئے ہیں یہ لوگ آفاقی۔ مثالی اور ماورائی ہیں ان کے تصور سے انسانی دل و دماغ میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ ان کا ذکر سبزہ زارِ دل پر سے آئی ہوئی ٹھنڈی ہوا کا فرحت بخش احساس دیتا ہے ان کے کارنامے ماضی۔ حال اور مستقبل سب پر محیط ہیں اور ان کی زندگی کا مطالعہ ابدیت کے اقلیم کی سیر کرتا ہے یہ احیائے دین کے بانی مبانی ہیں اور ان کے قدم جہاں زمین کو تقدس بخشتے ہیں وہاں نوعِ انساں کی موجودگی اور آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتے ہیں وہ راہ جو منزلِ مقصود تک پہونچاتی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا امر بالمعروف کانوں میں رس گھولتا ہے اور جن کے نہی عن المنکر میں کہیں کلیسائی احتساب نہیں۔ ان کی سیرتیں بے داغ، ان کی طبیعتیں سلیم ان کی زندگی پاکیزہ، ان کے عزائم بلند اور ایسا لگتا ہے کہ مافوق الفطرت غیبی طاقتوں نے گوشت اور خون کے بنے ہوئے پیکر میں انسانی صورتیں اختیار کرلی ہیں یہ زمین کے لیے اللہ کا تحفہ ہیں۔ عناصرِ فطرت کو غلام بنانا ان کا مقصد نہیں مگر عناصرِ فطرت انکے غلام ہیں ان کی قوتیں اقتدار اور لذت کے حصول کے لیے نہیں بلکہ جمال اور خیر کی تخلیق کے لیے ہیں ان ہی کی گرمیٔ نفس سے اس خزاں رسیدہ دنیا میں اپنا نخلِ تمنا ہرا ہے۔ ماضی کے دبے ہوئے نقوش ان ہی کی رگڑ سے چمک دینے لگتے ہیں۔

وہ لوگ جو ہر وقت سود و زیاں کا حساب لگانے میں مشغول ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے گرد ایک حصارِ عافیت کھینچ رکھا ہے۔ جو اپنے ماحول کے تأثرات میں جکڑے ہیں وہ کیا جانیں کہ اپنا سب کچھ دے دینے میں ان لوگوں نے کیا پالیا ہے۔

ان عالی نفوس کے صدرِ محفل ہمارے سید احمد شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اللہ کی رحمت ان پر اور ان کے پاک طینت رفیقوں پر جنھوں نے خاک و خون میں غلطاں ہونے کی روایت کو تازہ کیا۔ غالب نے کہا ہے کہ جو جان اللہ کی راہ میں دی گئی وہ اللہ ہی کی دی ہوئی تو تھی۔ بات صحیح ہے۔ مگر حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو گیا۔ اس سے مبارک نذرانہ اللہ کی بارگاہ میں اور کیا ہوگا جس میں شہید کے خون کے ساتھ عالم کے قلم کی روشنائی بھی مل گئی ہو۔

ایک مظلوم عورت کی فریاد وامعتصماہ سُن کر خلیفہ وقت دوڑ پڑا تھا۔ یہاں ہزاروں مظلوم عورتوں اور بیکسوں کی پکار تھی۔ حاضر حاضر کہتے ہوئے یہ اسلام کے غیرت کے محافظ اپنے گھروں سے نکلے اور بہت دور بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ نہ مال غنیمت نہ مقبوضہ علاقے۔ دن کا نیّر درخشاں ڈوب گیا اور رات کی چاندنی کی چھاؤں میں اپنی آخری آرام گاہ میں لیٹ گئے۔

ایک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی (غالب)

اس کتاب کے مندرجات کو سیرت اور کردار کی تعمیر کے لئے اور ایمان و یقین کے جذبات اور کیفیات پیدا کرنے کے لئے بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ مصنف نے قارئین کو اپنے تأثرات میں شریک کرنے کی کوشش کی ہے اور مؤثر اور دلنشیں واقعات کا ایک مجموعہ پیش کیا ہے جو ایمان میں حرکت۔ دل میں حرارت اور آنکھوں میں جلتے ہوئے آنسو پیدا کرتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ اس کتاب سے کسی اور کو کوئی فیض پہونچا ہو یا نہ پہونچا ہو۔ اس نے خود انھیں حلاوتِ ایمانی سے لذت یاب کیا۔ اس نے اہل یقین اور ارباب عزیمت سے متعارف کیا جن کی نظیر اسلام کی پچھلی صدی میں آسانی سے نہیں مل سکتی۔ یہی احساسات ہر پڑھنے والے کے ہوں گے کہ کہیں

رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی ہے اور نہ تاریخ سازی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ مجدد سرہندی اور مجدد دہلویؒ کے فضل و کمال اور مجاہدۂ حال کے دو آتشہ سے رائے بریلی کے خم کدے میں ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا۔ یہ سادات حسنی کا خاندان تھا جس میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا۔ اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہؒ ہیں جو عالمگیر کے زمانے میں تھے اور حضرت آدم بنوری خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں ان کے خلیفۂ خاص تھے۔ اس خاندان کے ممتاز حضرات مجدد دہلویؒ کے فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے۔ اس خاندان میں ۱۲۰۱ھ میں حضرت سید احمد شہید کی پیدائش ہوئی

کتاب کا موضوع اسی آفتاب عالمتاب کے انوار کمالات کی تابش و بینش ہے۔ یہ رشد و ہدایت اور عزم و ہمت کا ایک صحیفہ ہے کتاب کے مقاصد کچھ اس طور سے ہیں

۱۔ یہ بتانا کہ اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی روحانی، مادی اور سیاسی غلبہ کی کوشش کرنا۔

۲۔ لوگوں کے سامنے اخلاق و عمل، ہمت اور عزم، ایثار اور قربانی۔ روحانیت اور تقدس کے بلند نمونے پیش کرنا۔ ایسے نمونے جن کے مقام سے مقام نبوت کی بلندی کا تصور ذہن میں آئے جب ایک امتی کا یہ مقام ہے تو نبی کا کیا مقام ہوگا۔

۳۔ نوجوانوں میں سیاست کی راہ سے جو مذہب سے بیگانگی آرہی ہے اس کے ازالہ کے لئے ان دینی قائدین و مجاہدین کے حالات کا بیان کرنا جو قربانی اور سرفروشی کی راہ کے مسافر تھے۔

۴۔ نوجوانوں کو یہ پیغام کہ بزم جہاں کی آرائش کی فکر کریں۔ ان حضرات کی سیرت کا مطالعہ کریں جو تسبیح اور تلوار کے جامع ہوں اور جن سے محبت اور شوق الٰہی کے ساتھ حرکت و عمل کی قوت پیدا ہو۔

قوموں کی تاریخ میں اور خود مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جنھوں نے قومی عزت و سربلندی یا ملک و وطن کی آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی۔ قوم کی تنظیم کی عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔ کامرانی اور اقبال کی زندگی حاصل کی یا عظمت و فتح مندی کی موت پائی سید صاحب اس فہرست میں نہیں ہیں۔

وہ ان مجاہدین میں ہیں جنھوں نے خالص اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لئے "مسلمان" نام کی ایک قوم کے غلبہ کے لئے نہیں بلکہ "اسلام" نام ایک مکمل دین، عقیدہ و عمل اور مسلک زندگی کو قائم کرنے کے لئے اور سرکار دو عالمؐ کی لائی ہوئی شریعت کو جاری کرنے کے لئے اپنے خون کا پہلا اور آخری قطرہ بہایا۔ آپ نے ایک دینی فضا قائم کر دی اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو صحابہؓ کا نمونہ تھی اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر جینے اور مرنے والے۔ بدعت سے نفور، شرک کے دشمن جہاد کے نشہ میں سرشار۔ ایسی کوئی جماعت صحابہؓ اور تابعین کے بعد مشکل سے ملے گی۔ ایمان و یقین، خلوص و للّٰہیت کی ایسی باد بہاری اس ملک میں پہلے نہیں چلی تھی۔ اس کے سیاسی اور مذہبی اثرات اتنے ہمہ گیر تھے کہ ہندوستان کی کوئی سیاسی جدوجہد اور مسلمانوں کی کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں جو اس تحریک سے متاثر نہ ہو۔

یہ مضامین اسی اجمال کی تفصیل اور انہی ارشادات کی توضیح کے لئے لکھے جائیں گے۔

ایک نہایت ہی اہم بات یہ ہے کہ شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں ہو سکتا۔ اسلام کے نظام عمل کا ایک مستقل حصہ ایسا ہے جو حکومت پر موقوف ہے۔ اسی لئے قرآن غلبہ و عزت کے حصول پر زور دیتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ تم میں ایک ایسی جماعت رہنی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔ پچھلی صدیوں میں بالخصوص سترھویں صدی میں دنیائے اسلام میں جو دینی اخلاقی اور سیاسی انحطاط نظر آتا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی پاسبانی اور سرپرستی اُن لوگوں کے حصہ میں آئی جو مسلمانوں کے لئے دین میں کوئی بلند نمونہ نہیں تھے لوگوں کا خیال تھا کہ اسلام کے معنی اسلامی تمدن ہے اور وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانہ سے ناپنے لگے بادشاہوں اور حاکموں سے قطع نظر خود دنیادار علماء اور درویشوں کا گروہ پیدا ہوا۔ اسلام میں اعتقادی اور عملی بدعات ظاہر ہوئیں ساتھ ہی سیاسی زوال کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ گو مصلح اور مجدد پیدا ہوتے رہے لیکن مسلمانوں میں عالمگیر بیداری پیدا نہیں ہوئی

ہندوستان کی حالت

ہندوستان میں اسلام ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر پہنچا۔ اپنی بہت سی تازگی اور زندگی کھو کر۔ بقول ڈاکٹر لیبان اسلام جتنا اثر انداز ہوا۔ اس سے زیادہ اثر پذیر ہوا۔ بہت سے اسلام کے بادشاہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے عہد اکبری میں اسلام کی حالت پر سخت رنج و غم کا اظہار کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے جلیل القدر محسن حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور محدث دہلوی شاہ ولی اللہؒ ہیں۔ ان درویشوں کے ساتھ ترکش مار خدنگ آفریں اورنگ زیب کا نام بھی آتا ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب سنت و شریعت بے معنی الفاظ تھے۔ ہر بدعت بدعت حسنہ تھی۔ اسلامی شعائر اٹھ رہے تھے جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ مستند شریعت تھی۔ قرآن مُردوں کے لئے تھا۔ زندوں کے

کے لئے نہیں فسق و معصیت آداب و تہذیب میں داخل ہو کر معاشرت کا جزو بن گئی تھی۔ سید انشاء کی دریائے لطافت اس پر گواہ ہے۔

مغلیہ سلطنت اپنے خاتمہ پر آگئی تھی۔ دکن سے دہلی تک سارا علاقہ مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا۔ پنجاب سے افغانستان تک سکھوں کا راج تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سید شاہ ابوسعیدؒ کو ایک خط میں لکھا کہ سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے مسلمانوں کے شہروں پر غلبہ پا کر ان کے مالوں کو لوٹا اور بے عزت و بے آبرو کیا۔ پورے دوآبے کا علاقہ ان مفسدوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیر و زبر ہو رہا ہے۔

اصلی سیاسی شاطر انگریز تھے۔ ان سے مقابلہ کی آخری کوشش سلطان ٹیپو شہیدؒ نے کی جو ناکام رہی۔ گو اس زمانہ میں مسلمان ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کر رہے تھے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ علمی، دینی و روحانی حیثیت سے تیرھویں صدی کا زمانہ بالکل تاریک تھا اس کے برخلاف یہ مردم خیز اور شاداب زمانہ ہے۔ ایسی باکمال و ممتاز ہستیاں موجود تھیں جن کی نظیر مشکل سے ملے گی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ کی علمی فضیلت اور روحانی فیض کا سکہ عرب و عجم میں رواں تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی۔ مولانا سلام اللہ محدث۔ مولانا عبدالحی برہانوی، شاہ اسحق دہلوی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم مولانا فضل امام خیر آبادی، مولانا حیدر علی رامپوری۔ مولانا محمد اسماعیل اور مولانا فضل حق خیرآبادی جیسے طباع، صاحب فنون عالم موجود تھے درس و تدریس کے میدان میں ایسے جلیل القدر استاد موجود تھے جنھوں نے درس و تدریس کا بازار گرم رکھا اور سیکڑوں طلباء کو مرجع تلامذہ بنا دیا۔

شعر اور شاعری کے لحاظ سے یہ دور اردو شاعری کا موسم بہار ہے۔ میرحسن، میر تقی میر، ناسخ، آتش، مومن ذوق، غالب اس عہد کے شادابی کے بہترین نمونے ہیں۔

باقی صـ١٠ پر

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی عاملہ کا جلسہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے احمد آباد میں منعقدہ اجلاس عام میں کئے گئے انتخاب ذمہ داران و ارکان کے بعد کی نئی مجلس عاملہ کا جلسہ ١٦ر جنوری کو لکھنؤ میں اپنے پروگرام کے مطابق منعقد ہوا۔ ١٥ر جنوری کو ہی بورڈ کے جنرل سکریٹری اور متعدد عہدہ داران لکھنؤ آئے تھے۔ صدر بورڈ حرمین شریفین کے سفر پر تھے وہ ١٥ر جنوری کو لکھنؤ پہونچ گئے، جلسہ کے سامنے گذشتہ جلسہ کے بعد کے بعض امور تھے، جن پر غور و غوض ہوا جلسہ نے اصلاح معاشرہ کے کام کا بھی جائزہ لیا اور ملک میں جو اصلاح معاشرہ ہفتہ منانے کی اپیل کی تھی۔ ملک کے مختلف حصوں سے آئی ہوئی اس کی رپورٹیں سنیں اور کام پر اطمینان کا اظہار کیا لیکن اس کام کو مزید توجہ کے ساتھ جاری رکھنے کی ہدایت دی اس سلسلہ میں اجلاس نے مساجد کے ائمہ سے اپیل کی ہے کہ الوداع کے موقع پر نماز جمعہ میں خطبہ دیتے وقت اصلاح معاشرہ سے متعلق بورڈ کے پروگراموں کی تفصیل بتائیں۔ یہ بھی طے ہوا ہے کہ بورڈ اس سلسلے میں کتابچہ شائع کرے گا اور ائمہ مساجد کو پہونچائے گا۔ اس سلسلے میں مولانا برہان الدین سنبھلی مولانا محمد سلمان حسینی ندوی اور مولانا مجاہدالاسلام قاسمی پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے جو کتابچہ تیار کرے گی۔

بورڈ نے اپنے صدر مولانا علی میاں کو مجاز کیا ہے کہ مرکزی قانونی جائزہ کمیٹی کی تشکیل نو کی جائے اور صوبائی کمیٹیوں کی تشکیل کی جائے، یہ کمیٹی ایسے مختلف قوانین اور فیصلوں پر نظر رکھے گی جن سے پرسنل لاء میں مداخلت ہو رہی ہو۔ اجلاس نے یہ بھی طے کیا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مسلم وکلاء کا ایک کل ہند اجلاس دہلی میں بلائے جس کا مقصد وکیلوں اور عوام کو مسلم پرسنل لاء سے واقف کرانا ہے اس نے اس مقصد کے لئے مسٹر ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ کی کنوینر شپ میں ایک ٩ رکنی تیاری کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ کانفرنس کی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ بورڈ کی عاملہ نے اس بات پر تشویش ظاہر کی کہ صدر جمہوریہ ہند نے بورڈ کے اس مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کہ مہاراشٹر کی حکومت نے یکساں سول کوڈ سے متعلق جو قوانین اسمبلی میں منظور کئے ہیں ان پر صدر اپنی منظوری نہ دیں۔ بورڈ نے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صدر جمہوریہ ہند کو رائے دیں کہ وہ مجوزہ قوانین پر منظوری نہ دیں۔

اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں مولانا مجاہدالاسلام، مولانا شفیع مونس، مولانا احمد علی قاسمی، مولانا رفیق قاسمی، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، منظور عالم ایڈوکیٹ وغیرہ، جنرل سکریٹری بورڈ مولانا سید نظام الدین، عبدالرحیم قریشی (سکریٹری) فضل رحیم، عبدالمنان ایڈوکیٹ، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ، منظور عالم ایڈوکیٹ صاحبان شامل تھے۔

اعتکاف کے مسائل

محمد طارق ندوی

س:۔ کوئی شخص رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف توڑ دے تو اس پر قضا لازم ہے یا نہیں؟

ج:۔ جس دن اعتکاف توڑ دیا ہو فقط اس دن کے اعتکاف کی قضا روزہ کے ساتھ ضروری ہے بقیہ دنوں کی قضا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص رمضان کے بعد پورے عشرہ کی قضا مع الصوم کر لے تو بہتر ہے۔

س:۔ اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تو اعتکاف برقرار رہے گا یا نہیں؟

ج:۔ اگر کوئی شخص زبردستی اعتکاف کی جگہ سے باہر نکال دیا جائے تب بھی اعتکاف باقی نہ رہے گا مثلاً کسی جرم میں حاکم کی طرف سے وارنٹ جاری ہو سپاہی اس کو گرفتار کرلے جائے یا کسی کا قرض دار ہو اور وہ اس کو باہر پکڑ لے جائے یا کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے باہر نکلے اور قرض خواہ وہیں روک لے ان تمام صورتوں میں اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

س:۔ کیا اعتکاف کی حالت میں خاموش رہنا مکروہ ہے؟

ج:۔ حالت اعتکاف میں بالکل چپ رہنا مکروہ ہے معتکف کو چاہیئے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرے ذکر میں مشغول رہے یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرے بالکل خاموش نہ بیٹھا رہے۔

س:۔ کیا معتکف اپنے گھر جا کر کھانا لا سکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! اپنے گھر کھانا لانے نہیں جا سکتا ہے اس کا انتظام کرنا ہوگا۔

س:۔ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں اعتکاف کروں گا، کام پورا ہونے پر اس پر اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج:۔ مذکورہ صورت میں اعتکاف کرنا واجب ہے نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

س:۔ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

ج:۔ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا سنت کفایہ مؤکدہ ہے، اگر اہل محلہ میں سے کوئی بھی محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرے تو سارے محلہ والوں کی طرف سے کافی ہوگا ورنہ سارے محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

صدقۂ فطر اور مسائل

مطیع الرحمٰن اعظمی ندوی

صدقہ دراصل وہ عطیہ کہلاتا ہے جس کے ذریعہ عند اللہ حصول ثواب کا ارادہ ہوتا ہے، چونکہ صدقۂ فطر ادا کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صدقہ دینے والا اس طرف راغب و مائل ہے اس واسطے اس کی تعبیر صدقہ سے کی جاتی ہے۔

ہر مسلمان صاحب نصاب پر صدقۂ فطر کا وجوب ہوتا ہے بشرطیکہ یہ نصاب اس کی اور اہل و عیال کی گھریلو ضرورتوں مثلاً رہائشی مکان، کپڑے اور ہتھیار و خدمت گار غلام وغیرہ سے الگ اور زیادہ ہو، ابو داؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک صاع گندم دو آدمی ادا کریں یا ایک صاع کھجور یا جو ہر ایک کی جانب سے ادا کریں خواہ وہ آزاد شخص ہو یا غلام ہو اور نابالغ ہو یا بالغ۔

رہی بات کہ صدقۂ فطر مالدار اور غنی پر ہی ضروری ہے، اس لئے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ غنی و صاحب نصاب پر ہی واجب ہے۔

خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے کہ رمضان شریف کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کریں اسے صدقۂ فطر کہتے ہیں اور اسی روزہ کھلنے کی خوشی منانے کا دن ہونے کی وجہ سے رمضان شریف کے بعد والی عید کو عید الفطر کہتے ہیں۔

نصاب زکوٰۃ اور نصاب صدقۂ فطر کی مقدار تو ایک ہی ہے مثلاً ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت، لیکن نصاب زکوٰۃ اور نصاب صدقۂ فطر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے تو چاندی یا سونا یا مال تجارت ہونا ضروری ہے اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے ان تین چیزوں کی خصوصیت نہیں بلکہ اس کے نصاب میں ہر قسم کا مال حساب میں لے لیا جاتا ہے ہاں حاجت اصلیہ سے زائد اور قرض سے بچا ہوا ہونا دونوں نصابوں میں شرط ہے پس اگر کسی کے پاس اس کے استعمال کے کپڑے سے زائد کپڑے رکھے ہوئے ہوں یا روزمرہ کی ضرورت سے زائد تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن رکھے ہوں یا کوئی مکان اس کا خالی پڑا ہے اور کسی قسم کا سامان اور اسباب ہے اور اس کی حاجت اصلیہ یعنی ضروریات زندگی سے زائد اور ان چیزوں کی قیمت نصاب کے برابر یا زیادہ تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن صدقۂ فطر واجب ہے، اس صدقۂ فطر کے نصاب پر سال گذرنا بھی شرط نہیں بلکہ اسی روز نصاب مذکور کا مالک ہوا ہو تو بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے، ہر مالک نصاب شخص اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب ہے لیکن نابالغوں کا اگر اپنا مال ہو تو ان کے مال میں سے ادا کرے۔

ہر صاحب نصاب پر صدقۂ فطر واجب ہے خواہ روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں، عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہوتا ہے لہٰذا جو شخص صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کے مال میں سے صدقۂ فطر نہیں دیا جائے گا اور جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا ہو اس کی طرف سے ادا کیا جائے گا، اگر کوئی شخص عید کے دن سے پہلے رمضان شریف میں دیدے تو جائز ہے، بہتر وقت عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کرنا بہتر ہے، اگر نماز کے بعد ادا کرے تو بھی جائز ہے، جب تک ادا نہ کرے اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا چاہے کتنی ہی مدت گذر جائے۔

بقیہ: شب قدر

رمضان المبارک کی آخری شب شب مغفرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ رمضان المبارک کی آخری شب میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شب قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

اس حدیث نبوی سے یہ معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کی آخری شب بھی خاص مغفرت کی شب ہے۔ مگر اس شب میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان المبارک کے اعمال خاص روزہ، نماز اوراد و وظائف اور ذکر و عبادت دعا و استغفار کر کے اس کا استحقاق پیدا کریں اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے کر بخشش و مغفرت کا فیصلہ فرمائے۔ (آمین)۔

نتیجہ امتحان سالانہ معہد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بابت ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۶ء

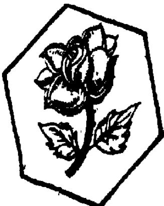
نتیجہ سے متعلق تمام امور میں دفتر کا ریکارڈ مستند قرار دیا جائے گا۔

نام طالب علم	ڈویژن	محمد شبلی	دوم	شمس الضحیٰ	اول	محمد شاہد علی صدیقی	اول	محمد طلحہ خاں	اول	محمد اشرف کمال	اول
درجہ ہفتم		ذوالفقار علی لکھنؤ	〃	ضمیر الدین	〃	محمد فیضان خاں	〃	رخسار احمد	〃	بلال احمد	〃
احمد عمار لاری	اول	محمد آصف	〃	محمد طاہر	〃	فدا حسین	〃	انصار حسین	〃	محمد غفران	〃
سعود عبد الصبور	〃	جمیل احمد خاں	〃	محمد وسیم	〃	ناصر حسین	〃		〃	محمد عزیز	〃
یوسف حسن خاں	〃	ابو اللیث	مترقی	سید قطب الدین	〃	طٰہٰ محمود	〃	انتصار الدین	〃	امان اللہ	〃
مشاہد الاسلام	〃	وسیم احمد	〃	عتیق الرحمٰن	〃	محمد ندیم	〃	محمد شارق افضال	〃	اختر جمال	〃
فیروز احمد	〃	غضنفر علی	〃	حکیم الدین	〃	حبیب الرحمان	دوم	جمال احمد	〃	مشکور حبیب	〃
محمد اکرم	〃	توحید احمد	〃	شہزاد احمد	〃	محمد واجد صدیقی	〃	عبد الودود عطاء	〃	محمد یونس	〃
محمد شاہد فاروقی	〃	محمد ظفر عقیل	〃	اظہار احمد	〃	شاہ فیصل	〃	سید شمس الدین	〃	محمد اسلم	〃
محمد عبد اللہ	〃	عبد اللہ لکھنوی	〃	بدر الدین	〃	محمد طارق خاں	〃	علاء الدین	〃	محمد ابو سعد	〃
محمد حلیم صدیقی	〃	محمد شعیب	〃	محمد نوشاد	〃	مختار حسن	مترقی	عبید الرحمٰن	〃	محمد ناظم	〃
محمد فیصل	〃	ابو الکلام	ناکام	محمد صہیب صدیقی	〃	محمد سعید	〃	محمد معظم خاں	〃	محمد شعیب	〃
قمر الدین	〃	درجہ معہد خصوصی		محمد شمیم احمد	دوم	محمد ابوذر	〃	محمد ہارون	〃	محمد ارقم	دوم
محمد ارشد	〃	محمد ارشاد	اول	محمد الیاس	مترقی	محمد عرفان خاں	〃	نذر المبین	〃	محمد ثاقب	〃
غیاث الدین	〃	محمد سرفراز	〃	درجہ ششم		محمد عفان خاں	〃	محمد اسلم	〃	شاہ اعظم	مترقی
محمد یامین	〃	اظہار احمد	〃	سید ازہر حسین	اول	حسن جلیس	ناکام	محمد خالد	دوم	نعیم اللہ	〃
احمد حذیفہ لاری	〃	ابو الحیات	〃	انس احمد	〃	محمد معراج احمد	〃	آفتاب عالم	مترقی	افضال کاشف	〃
ذوالفقار علی ہردوئی	〃	ریاض الحق	〃	ارشاد احمد	〃	وہاب الدین	〃	محمد شمس جوہر	〃	محمد ساجد	〃
فخر الدین	〃	محمد ارشد اللہ	〃	محمد زبیر	〃	محمد حسنین	〃	عبد الکریم	〃	فرقان عالم	〃
محمد ہارون	〃	فیصل نظام	〃	محمد سلیم	〃	نفیس عالم	〃	محمد ساجد	〃	اسعد صدیق صدیقی	〃
عبد الرحیم	〃	محفوظ عالم	〃	طیب احمد	〃	احمد حماد لاری	〃	محمد توصیف	〃	سید محمد خالد	〃
وحید الزماں	دوم	فخر الاسلام	〃	عبد اللہ مسعود	〃	آفتاب عالم	〃	محمد اسلام خاں	〃	محمد شمشاد	〃
محمد شاہ نواز	〃	محمد غفران	〃	ابرار الحق	〃	درجہ پنجم		محمد بلال مدنی	〃	درجہ سوم	
مونس حسن خاں	〃	ندیم احمد	〃	محمد یونس	〃	محفوظ الرحمٰن	اول	محمد حنظلہ	〃	انصار احمد	اول
صلاح الدین	〃	عظمت اللہ	〃	محمد اکرام	〃	محمد فیصل	〃	محمد اسماعیل	〃	محمد حامد عزیز	〃
محمد طلحہ خاں	〃	سید محمد اسلم	〃	محمد وامق خاں	〃	عطاء الرحمٰن	〃	منصور احمد	〃	سید نور اشرف	〃
عبد الرحمٰن	〃	صدیق احمد	〃	دلشاد حسین	〃	ہادی اعظم	〃	درجہ چہارم		انعام حسین	〃
زبیر احمد	〃	محمد شفیع کریم	〃	شاہد اقبال	〃	محمد مظہر حیات	〃	عاطف ندیم	اول	عاصم شبیر	〃

فیض الحق	اول	زبیر احمد	اول	عبدالرحیم	ناکام	درجہ سوم	—
فوزان عالم	"	عزیز الرحمٰن	دوم	درجہ اطفال	—	محمد ظفر ۔ سائنس و	دینیات
انعام الحق	"	محمد یوسف	ناکام	عبدالکریم انصاری	اول	غفران احمد ۔ سائنس و	اردو
محمد ازہر منیر	"	محمد صہیب	"	عبداللہ دانش	"	محمد سعد ۔ اردو و	حساب
محمد ازہر صدیق صدیقی	"	درجہ اول		محمد ابوالعاص	"	درجہ دوم	—
محمد مزمل	"	امتیاز احمد	اول	سید محمد کفیل	"	محمد آصف	پارہ
شکیل احمد	"	محمد عمران	"	محمد عمر فاروق	"	محمد سلام ۔ تربیتی	پارہ
محمد شرف الدین	"	محمد یوسف	"	مجیب الرحمٰن	"	درجہ اول	—
اشرف علی	"	ملک محمد یونس	"	سید المبین	"	نور عالم ۔ اردو و	حساب
محمد ریحان	"	توصیف احمد	"	محمد طفیل	"	ارشد علی ۔ دینیات و	حساب
وسیم احمد	مترقی	مرزا علیم اللہ بیگ	"	محمد ہاشم جلیلی	"	نتیجہ محفوظ	—
شمیم احمد	"	مقصود عالم	"	محمد اکرم خاں	"	محمد کاشف لاری ۔ ہفتم	محفوظ
شاہ نواز	"	محمد امجد حسین	"	محمد شمیم	"	محمد عارف اعظمی "	"
ریحان اختر	"	احسان احمد	"	فیضان احمد	مترقی	خلیل الرحمٰن ۔ ششم	"
مظفر الحق	"	زبید الرحمٰن	"	محمد سراج	"	محمد یعقوب "	"
ابو شحمہ	ناکام	سید محمد یوسف	"	محمد سلمان	ناکام	توقیر عالم ۔ سوم	"
محمد سلمان	"	بشیر احمد	"	الطاف حسین	"	محمد اکرام ۔ دوم	"
درجہ دوم		سید محمد عمران	"	محمد رئیس	"	محمد شاہد ۔ اول	"
صباح الدین شوقی	اول	فیض احمد	"	ابوالفیض	"	معہد ۶ر شوال ۱۴۱۶ھ کو	
محمد اعظم شرقی	"	محمد عارف	"	اشبر صدیق صدیقی	عربی	کھلے گا، تمام طلبہ کو وقت پر	
محمد عمران	"	محمد مبشر	مترقی	محمد نعمان	"	پہونچنا چاہیے، ۱۲ر شوال تک	
محمد مدثر	"	محمد شعیب	"	محمد معاذ خاں	"	جو طلبہ حاضر نہ ہوں گے ان	
شہاب الدین	"	مقصود علی	"	نور الدین	"	کے نام خارج کر دیے جائیں	
محمد شاداب	"	ابوالحسن خاں	"	ضمنی آنے والے		گے اور دوبارہ داخلہ میں	
محمد وامق افضال	"	محمد خالد جلیلی	"			دشواریاں ہوں گی۔ تمام پرانے	
ضیاء الحسن	"	محمد سہیل	ناکام	درجہ ششم		طلبہ اور جو نئے طلبہ داخلے کے	
سید عبدالرحمٰن	"	محمد عامر	"	محمد علیم	فقہ	لیے آئیں دو دو جوڑ یونیفارم	
امداد الحق	"	محمد شاکر	"	آفتاب عالم	"	بنوا کر لائیں، معہد کا یونیفارم	
صلاح الدین	"	محمد زبیر عالم	"	محمد سراج الدین	ہندی	سرمئی رنگ کا کرتا اور سرمئی	
اسعد شکیل	"	محمد حفیظ	"	سمیع اللہ	فقہ	ہی رنگ کا پائجامہ ہے۔	
محمد خالد	"	کلیم محمد یونس	"	درجہ چہارم	—	درجات معہد میں ضمنی	
محمد خالد پرویز	"	شمس الدین	"	محمد فہد	اردو	امتحانات ۳/۴ر مارچ اتوار	

دوپہر کو ہوں گے، ضمنی آنے والے جو طلبہ ۳/۴ر مارچ کے امتحان میں شریک نہ ہوں گے وہ ناکام قرار دیے جائیں گے۔

ہارون رشید
ناظر معہد



بقیہ: درس حدیث

ان واقعات و تجربات کی روشنی میں جن سے پہلی قومیں اور انبیاء کرام کو واسطہ پڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب و ضروری سمجھا کر کھلے عام گناہ کرنے والوں کے اس عمل کو نہایت برا بتائیں اور اس سے سختی کے ساتھ منع فرمائیں تاکہ امت محمدیہ اپنے خیرامت ہونے اور امت وسط ہونے کے شرف پر باقی اور قائم رہے، تاکہ وہ ساری امتوں میں سب سے کامل امت ہو، جو اپنی بلندی اور شرف، اعتدال و توازن اور اپنی شرم و حیا میں سب امتوں سے نرالی اور ممتاز ہو، اگر بھول چوک سے کسی مسلمان سے ایک بندۂ مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو قرآن کریم نے اس کا یہ علاج بتایا ہے۔

"وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ"

اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

پھر جب دوبارہ غلطی کر بیٹھے اور گناہ ہو جائے تو اس گناہ کو بیان نہ کرے بلکہ چھپائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اذا ابتلیتم فاستتروا" (جب کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤ تو اس کو چھپاؤ)۔

مگر ایسا انسان جو دن دہاڑے لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اسلامی قدروں اور پیمانوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ محرمات یعنی محترم چیزوں کی پردہ دری کرتا ہے اس کی شرم و حیا اور ایمان و احترام کام کرنے سے اس کو روکتے نہیں، حدیث پاک میں ایسے شخص کو مجاہر کہا گیا ہے (یعنی کھلے عام گناہ کرنے والا)۔ (جو شخص اس طرح کھل کر نافرمانی کرتا ہے بیک وقت دو گناہوں کا مجرم ہوتا ہے ایک گناہ کا کرنا دوسرے اس کو مذاق بنالینا، حیا و شرم سے بالکل خالی ہو جانا)۔ لہٰذا اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ شرعی قانون کے مطابق بے حیائی کی باتوں کے علم میں آنے پر اس شخص پر حد جاری کرے اور یہ حد کھلے عام سب کے سامنے جاری کی جائے (تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ قانون اسلامی میں رجم (یعنی زنا کے مرتکب کو پتھروں سے اتنا مارنا کہ وہ مر جائے) کوڑے لگانا، قید کر دینا، شہر بدر کر دینا، جیسا جرم ہو ویسی سزا دینا) تاکہ اسلامی معاشرہ ہر عیب اور شرم کی بات سے پاک اور محفوظ ہو۔

گناہوں کو چھپانے کے سلسلہ میں ایک حدیث ایسی وارد ہوئی ہے جو بخاری کی شرط پر نہیں ہے وہ حدیث ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی جس کو انھوں نے مرفوعاً بیان کیا ہے، حدیث یہ ہے:

"اجتنبوا هذه القاذورات التي نهى الله عنها فمن ألمّ بشيئ منها فليستتر بستر الله"

ان گندی باتوں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا بچو اور جو شخص ان میں سے کسی بات کا مرتکب ہو جائے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے یہ بھی اس کو چھپائے لوگوں سے بیان نہ کرے۔

حاکم نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اور موطا میں حضرت زید ابن اسلم سے مروی ہے کہ ابن بطال کہتے ہیں کہ کھلے عام گناہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول نیز مسلمانوں کی مصلحت عامہ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور اس میں ایک طرح کی سرکشی پائی جاتی ہے۔ گناہ کو چھپانے میں اللہ اور اللہ کے رسول اور مصالح عامہ کا مزاق اڑانا ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گناہ کرنے والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اگر گناہ ایسا ہے کہ اس پر حد جاری ہو تو اس سے رسوائی ہوتی ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال رکھے گا جو سارے کرم کرنے والوں سے زیادہ کرم کرنے والا ہے اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ تو یہ کریم آقا جب دنیا میں اس کے گناہ کو چھپائے گا تو آخرت میں بھی چھپائے گا اس کو رسوا نہ فرمائے گا لیکن جو شخص علی الاعلان گناہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس کرم سے محروم رہے گا۔

حدیث کا فقہی پہلو

جو شخص کھلے عام گناہ کرے گا یا اپنے کئے کو بیان کرے گا وہ اچھے اور غیر سنجیدہ لوگوں میں شمار ہوگا۔ عدم سنجیدگی شریعت اور عرف عام دونوں میں ناپسندیدہ ہے لہٰذا گناہ کو کرنے والا دو منع کی ہوئی باتوں کا مرتکب ہوا۔ گناہ کا اظہار دوسرے بے شرمی، مجاہر وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنے گناہ کو ظاہر کرتا ہے، اللہ کے چھپانے کے باوجود اس کا پردہ فاش کرتا ہے، امام نوویؒ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بدکرداری کو ظاہر کیا یا دین میں کوئی نئی بات پیدا کی تو پھر اس کا تذکرہ دوسروں سے کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس نے تو خود ہی اس کا اعلان کر دیا ہے، ہاں جس عیب کو اس نے نہ ظاہر کیا ہو اس کا لوگوں سے بیان کرنا درست نہیں۔

موجودہ حالات میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے

۱۔ حدیث ان لوگوں پر سخت نکیر کرتی ہے جو گناہوں کو ظاہر کرتے ہیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ان کے چھپایا اس کو بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے کھوتے اور لوگوں سے بیان کرتے ہیں، یہ ایمان کی کمزوری اور حیا کم ہونے کی دلیل ہے اس لئے یہ شخص پاکیزہ اسلامی معاشرہ کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔

۲۔ حدیث زمانۂ جاہلیت کے بچے کھچے اثرات اور پرانی عادتوں یعنی کھلے عام گناہ کرنے اور فحش باتوں سے روکتی ہے اور ناپسندیدہ باتوں پر فخر کرنے جیسے عمل کا مداوا کرتی ہے۔ (باقی ص ۲۱ پر)

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

ایک کتاب

اسلام ایک مکمل دین ہے، اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی رہنمائی کی ہے اور احکامات بیان کئے ہیں، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، شادی، غمی، دوستی دشمنی حتیٰ کہ پاخانہ پیشاب تک کے احکامات بیان ہوئے ہیں، بیوی کے حقوق میاں پر، میاں کے حقوق بیوی پر، میاں بیوی کے نجی تعلقات، جنسی تعلقات کب اور کیسے، اس سلسلہ میں منع کیا ہے اور مضر کیا ہے سارے بیانات دینی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

بے شک میاں بیوی کے تعلقات ناگزیر ہیں لیکن اس سلسلہ کے سارے بیانات کو یکجا کتابی شکل میں چھاپنے سے حیا مانع رہی اور میرے علم میں کسی عالم نے اس کی جرأت نہیں کی اور اب تک یہی معمول رہا کہ علما حضرات اس کی تفصیلات پڑھتے اور جانتے رہے اور حسب ضرورت نوجوانوں کو اس کی رہنمائی کرتے رہے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد شاہ (ہومیو ایجنسی کٹرہ شہاب خاں اٹاوہ) نے اس سلسلہ کی ایک کتاب کی ترتیب دی ہے، اگرچہ کتاب کے مندرجات تقریباً صحیح اور نوجوانوں کے لئے مفید ہیں، پھر بھی کتاب اس لائق نہیں کہ گھر کے ہر فرد کی نظر اس پر پڑے۔

"شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح"

سہ یادگاری ڈائجسٹ۔

یہ ڈائجسٹ ابوالکلام آزاد اسٹڈی سرکل دہلی کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں شیخ الاسلام پر اردو میں ۶۶ صفحات، انگریزی میں ۲۵ صفحات اور ہندی میں ۱۱ صفحات میں بہترین مضامین ہیں، لکھنے والوں میں پروفیسر خلیق احمد نظامی، وشوا ناتھ طاؤس، غفران احمد، محمد اقبال قاسمی کے علاوہ اور بھی مشاہیر ہیں۔

اردو کی کتابت بہت باریک اور طباعت نہایت گھٹیا ہے صفحات ۳۴، ۳۵ اور ۳۶ تو پڑھنے ہی میں نہیں آ رہے ہیں، انگریزی و ہندی کی کمپوزنگ و طباعت غنیمت ہے لیکن ہندی میں اردو الفاظ کا ستیاناس ہوا ہے جیسے शेख उल इस्लाम غلط ہے۔ صحیح शेखुल इस्लाम ہے۔ खुतबात-ए- सआदत زیر کے لئے ए لانا بالکل غلط ہے چاہئے کہ زیر کے لئے کچھ ایجاد ہو جیسے खुतबाते खुतबाते یا پھر ए کی ماترا سے لکھیں सआदत सआदत، اسی طرح वालिदा غلط ہے वालिदा صحیح ہے۔ انگریزی الفاظ کے تلفظ بھی ہندی میں ادا نہیں ہو پائے ہیں۔

بہرحال پرچہ حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں اچھی معلومات مہیا کرتا ہے مگر مجھے یقین کامل ہے کہ حضرت موجود ہوتے تو اپنی تصویروں کے ساتھ ان مضامین کو پسند نہ فرماتے۔

قاعدہ عرشی زادہ

پتہ: مولانا عرشی فاؤنڈیشن فار لٹریسی پرموشن ۲۹۔بی نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

قیمت:۔ حصہ اول تین روپیہ۔ حصہ دوم چار روپیہ

اس قاعدہ میں عربی اردو ایک ساتھ سکھانے کی کوشش کی گئی ہے، مگر دو حصوں میں لکھ کر اسے طویل کر دیا گیا ہے، اردو عربی اسباق باری باری سے لانے میں یہ قاعدہ چھوٹے بچوں کے لئے الجھاؤ پیدا کر رہا ہے، چھوٹے بچوں کے لئے اردو کا قاعدہ خوب واضح الگ ہو اور عربی قاعدہ الگ، جیسا کہ اب تک معمول ہے۔ البتہ اگر نورانی قاعدہ کا مطالعہ کرکے اس قاعدہ میں کچھ اصلاحات کر لی جائیں تو یہ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں یا بالغوں کو پڑھانے کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ دینی مدرسوں کے بچوں میں چلانے کے لئے تصویریں واضح اور بڑی چھاپنا چاہئے، قاعدہ کو ایک حصہ میں کرنا چاہئے۔

ا ھ :۔ قاعدہ کے سرورق پر جو تعلّی کی عبارت ہے اور آخری صفحہ پر جو فتویٰ ہے اسی کو بچوں کے قاعدہ سے بالکل الگ ہونا چاہئے۔

"البدر" کاکوری لکھنؤ، زیر نظر تین مہینوں جولائی، اگست اور ستمبر ۱۹۹۴ء پر مشتمل مجاہد ملت حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صاحب فاروقی نمبر ہے میدان صحافت کے مجاہد مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کون واقف نہیں پوری زندگی حق و باطل کی جنگ میں صرف کر دی، آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا اس کا پر ہونا مشکل ہے، چاہئے تھا کہ آپ کی زندگی کے ہر گوشہ سے آپ کے چاہنے والوں کو واقف کرایا جائے، "البدر" کے اس نمبر نے اس ضرورت کو پورا کیا، اللہ تعالیٰ مولانا عبدالعلی فاروقی مدیر البدر کو جزائے خیر دے، انھوں نے اس نمبر کی ترتیب و اشاعت میں اس کا حق ادا کر دیا۔

یہ نمبر ویسے تو سبھی حضرات کے لئے خاصے کی چیز ہے لیکن دینی مدارس کے طلبا اور دینی صحافت سے متعلق حضرات کے لئے خاص طور پر کارآمد ہے۔



پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۲۰ر رمضان ۵ر شوال المکرم ۱۴۱۶ھ ۔ مطابق ۔ ۱۰ر و ۲۵ر فروری ۱۹۹۶ء | شمارہ نمبر ۸-۷

زرِ تعاون

سالانہ ــــــ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ــــــ پانچ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک:

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

ــــــ ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک:

بحری ڈاک جملہ ــــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

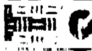
خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ــــــ مینیجر

خط و کتابت کا پتہ

مینیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا





اس شمارے میں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

[illegible]

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کو اپنے سے پہلے کی مسلمان امتوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ سابقہ امتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجے جانے کا سلسلہ قائم تھا اللہ تعالیٰ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی بھیجتا تھا جو دین صحیح کی دعوت کا کام کرتا تھا۔ ہر نبی کے امتی اپنے نبی کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے اور دعوت دین کے کام میں شرکت کرتے تھے۔ لیکن حضور مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا بھیجا جانا ختم کر دیا گیا۔ اسلام جو بے بہ بے نبی بھیج کر کرایا جاتا تھا' چونکہ آخری نبی کے آجانے سے دین مکمل ہو گیا اس کے رو سے آخری نبی کے لائے ہوئے آخری مقام خداوندی کو قیامت تک جاری رہنا ہے اس لئے اب جو کام ہونا تھا وہ اسی دین کے اندر ہونا تھا لہٰذا اس کے لئے اب آپ کے بعد قیامت تک کی نیابت آپ کی امت کے سپرد کی گئی۔ قرآن مجید میں حکم آیا:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

تم میں ضرور ایک امت یعنی ایک بڑی تعداد میں لوگ ہونے چاہئیں جو دعوت الی الحق کا کام کریں۔ اچھائیوں کا حکم دیں' بری بات سے منع کریں' اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ (آل عمران ۱۰۴)

اور فرمایا: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" (آل عمران ۱۱۰)

تم واقعتاً بہترین امت ہو جو لوگوں یعنی سب انسانوں کے لئے بھیجی گئی ہو۔ تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کام پر امت کے افراد کو باقاعدہ مامور کیا گیا ہے اور فرمایا کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور فرمایا تم بہترین امت ہو اور تمام انسانوں کے لئے مامور کئے گئے ہو' اس سے ظاہر ہوا کہ اس کام پر امت کا مامور ہونا پھر بہترین جماعت و امت ہونا پھر ایمان کی صفت سے باقاعدہ متصف ہونا تین خاص پہلو ہیں جن کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔

یہ وہ ذمہ داری ہے جو امت محمدیہ کے لئے بڑا تمغۂ امتیاز ہے۔ لیکن یہ اسی وقت صحیح اور مطابق واقعہ ہوگا جب مسلمان اپنی ذمہ داری کو پورا کریں اور یہ ذمہ داری دینی دعوت کے کام کے انجام دینے کی ہے۔ الحمد للہ مسلمانوں کے ہر دور میں اور ہر ملک میں یہ کام کسی نہ کسی مقدار میں انجام دیا جاتا رہا ہے۔ بس فرق اگر کوئی ملے گا تو اس کی کمی و بیشی کا اور قرآنی اشاروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کمی و بیشی کی بنیاد پر اس امت کے فروغ و عزت میں کمی و بیشی ہوتی رہی ہے' چنانچہ جب اور جہاں دعوت کا کام ڈھیلا پڑا اور کم ہوا یا متروک ہوا وہاں اسی کے اعتبار سے مسلمانوں کی عزت و مقام کا حال بنا۔

اندلس جو ایک جنت ارضی کے مانند تھا اور جہاں مسلمانوں کی علمی و دعوتی ترقی اس معیار کو پہونچی تھی کہ اس وقت کی ساری دنیا اس کو دیکھ کر مرعوب و متاثر تھی اور یورپ کی موجودہ علمی و مادی ترقیات کا آغاز وہیں کی خوشہ چینی سے ہوا۔ جس کو تمام ماہرین تاریخ علم و تمدن مانتے ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں نے سب کچھ کیا تھا۔ لیکن دعوتی فریضہ انجام دینے میں کمی کی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں آخر تک اپنی چھوٹی تعداد ہی میں رہے اور جب اکثریت و اقلیت کے اصول کے دائرۂ اثر میں آئے تو وہ مجبور و مقہور ہوئے پھر بالآخر ملک سے ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن برصغیر ہند و پاک میں اگرچہ اندلس ہی کی طرح مسلمانوں کی حکومت سات سو سال رہی اور یہاں حکمرانوں نے عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے طرح طرح کے سیکولر طریقے بھی اختیار کئے حتیٰ کہ بعض بادشاہوں نے یہاں اکثریتی عوام کے مشرکانہ مذہب کی متعدد باتوں کو اسلام میں ملا کر ایک مشترک مذہب بھی بنایا مزید یہ کہ یہاں اکثریتی مذہب کے اہم لوگوں میں خسر و داماد کے رشتے بھی قائم کئے لیکن اس کا نتیجہ غیروں کی طرف سے بھلائی قدردانی کے آج یہ ہے کہ خوب گالیاں مل رہی ہیں اور مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں پر ظلم و تعدی کا مرتکب بتایا جا رہا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہاں اندلس کے برعکس دین کے علمبرداروں اور داعیوں نے اپنی اپنی جگہ ملک میں پھیل پھیل کر دنیاوی اور سیاسی مناصب سے الگ رہتے ہوئے جم کے دعوت کا کام کیا۔ آج انہی

کی برکت ہے کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کی اچھی پوزیشن ہے اور دینی و علمی کام ہے اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جبکہ اس برصغیر میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد کل ملا کر چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بنتی لیکن ان کی اب اس برصغیر میں تعداد چالیس پچالیس کروڑ ہے۔ ۱۲، ۱۳ کروڑ ہندوستان میں ۲۶، ۲۷ کروڑ پاکستان و بنگلہ دیش میں یعنی باہر سے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے ایک اور دس ہزار کا فرق رکھتی ہے یعنی ایک آدمی اگر باہر سے آیا ہوا ہوگا تو ۹ ہزار ۹ سو ۹۹ یہیں اسی ملک کے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جو باہر سے آنیوالوں کی نسل سے ہیں لیکن اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں جو اسلام کی محبت و انسانیت نوازی کی اداؤں کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی اولاد ہیں دین کے علمبرداروں اور داعیوں کی بے غرض کوششوں کے اثر سے آج اس برصغیر میں مسجدوں کی تعداد لاکھوں کی ہو چکی ہے اور مدرسے و مکاتب ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن سے علم و دین کی شعاعیں قریب و دور پھیلتی رہی ہیں حتیٰ کہ ان کا فیض برصغیر سے نکل کر ایشیا کے شمالی و وسطی و مشرقی ملکوں تک پہونچتی رہی ہیں۔ اور امت اسلامیہ کے علوم دینیہ و ثقافیہ میں ان مسلمانوں کا جو وقیع حصہ ہے وہ بھی قابل فخر ہے دعوت کا کام مسلمانوں کا اصل امتیاز اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کام سے وابستگی کا وجہ ان کی بقاء و ترقی وابستہ ہے اس امتیازی خصوصیت میں جب بھی کمی ہوگی وہ نقصان کا باعث ہوگی۔

جب معاشرہ مشترک طرز زندگی کا اور مخلوط ہو اور اقتدار و حکومت کا اس سلسلہ میں مفید کردار نہ ہو تو صرف محبت و ہمدردی ہی   بہت مفید ذریعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی اعلیٰ مثالیں ہیں، حق سے روگرداں لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سرے سے مذہب ہی کو نہیں مانتے جن کو دینی اصطلاح میں ملحد کہا جاتا ہے ان کو حق کی طرف مائل کرنے کے لئے مذہب کی خوبیوں اور برکتوں اور نعمتوں سے ان کو روشناس کرانا ہوتا ہے ان کو بتانا ہوتا ہے کہ بے مذہب بے خدا ہونے کی صورت میں زندگی کس قدر خشک اور بے مزہ ہو جاتی ہے اور سکون قلب سے کس قدر دور ہوتی ہے ملحد کو ترغیب دینا ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے تسکین بخش ہونے کی صفت کو تجربہ کر کے تو دیکھیں ذرا اس کو سمجھنے کی تو کوشش کریں۔

دوسری طرح کے روگرداں اشخاص وہ ہوتے ہیں جو مذہب کو تو مانتے ہیں اور خدا کو بھی مانتے ہیں لیکن راہ حق و دین صحیح سے منحرف ہوتے ہیں وہ آخری نبی اور آخری دین کو نہ جاننے کی وجہ سے ان کو مانتے نہیں ہیں خدائے واحد پر انحصار ان کے مذہب میں نہیں ہوتا ایسے اشخاص کو دین حق سے قریب لانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ قریب ہو کر دین حق یعنی توحید و رسالت کا مطالعہ کر سکیں اور اس کی خوبی کو سمجھ سکیں ایسے اشخاص کے ساتھ محبت سے پیش آنا ہوتا ہے، اخلاق اور حسن سیرت سے ان کو اپنے سے قریب کرنا ہوتا ہے، ان سے ایمان کی بات بتانا ہوتی ہے، ایمان کی دعوت دینا ہوتی ہے، ایمان وہ حق ہے جو ہر مذہب کا ماننے والا سنتا اور اس پر دھیان دیتا ہے، اس لئے کسی بھی شخص سے ایمان کے حوالے سے بات کی جا سکتی ہے وہ اس کو آسانی سے سنے گا اور اگر اس کے دل کو یہ بات چھو گئی تو اس سے متاثر ہوگا، ایمان کا تعلق دل سے ہے دلائل و حجت کا تعلق عقل سے ہے، عقل خوب پینترے جانتی ہے اس کو شکست دینا آسان نہیں ہوتا لیکن دل کو جب بات اچھی لگ جائے تو دل مائل ہو جاتا ہے، وہ دلائل کے چکر میں زیادہ نہیں پڑتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کے سامنے بات رکھی تو خالق اور پروردگار کو ایک ماننے کی بات رکھی اور اسی کے ساتھ انسانوں کے ساتھ ہمدردی، مظلوموں کی مدد، مہمان کی خاطرداری، مسافر کی مدد جیسے کاموں کی تلقین کی خود عمل کیا اور اس کی دعوت دی، یہ وہ حکمت کا طریقہ تھا جو دلوں کو جلدی متاثر کرتا ہے، غیر مسلموں کو قریب کرنے کے لئے اس کی نقل کی جا سکتی ہے ہمدردی انسانیت نوازی اور ایمان باللہ وحدہ، ایمان بالرسول خاتم الرسل کو ملانے سے وہ عظیم دعوت بن جاتی ہے جس میں ایک برکت اور تاثیر ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کی پیروی ہے جو آپ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران اختیار فرمایا تھا، آپ کو ایذائیں دی گئیں لیکن آپ نے صبر کیا، سخت سست کہا گیا لیکن آپ نے برداشت کیا اور اخلاق و محبت کے ساتھ ہمدردی اور حکمت کے ساتھ کام جاری رکھا اور ایک ایک کر کے لوگ متاثر ہوتے گئے، اور جس نے اثر لیا وہ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔

دراصل دعوت کے کام میں مدعو کے دل میں اترنے کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے کو اس کا خیرخواہ اور مخلص محسوس کرانے کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ انسان اپنے مخلص و خیرخواہ کی بات سنتا ہے، اور جس کو وہ مخلص و خیرخواہ نہ سمجھے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے کام کے سلسلہ میں جو ہدایات یا وضاحتیں فرمائی ہیں ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کام خیرخواہی کے جذبہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خیرخواہی اتنی محسوس کرائی ہے کہ حیرت ہو جاتی ہے۔ عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ خزرج کا بڑا مقبول سردار رہ چکا تھا، قبیلے کے ساتھ وہ بھی اسلام لایا، لیکن اسلام اس کے حلق سے نہیں اترا۔ وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا لیکن اندر اندر دشمنی کرتا، ظاہر میں مسلمان ہو گیا تھا، اس سے اس کا قبیلہ اس سے ہمدردی رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رعایت میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ منافق ہے بلکہ اس کی طرف سے آپ کو وقتاً فوقتاً سخت ایذا پہونچتی تھی، لیکن اچھا برتاؤ

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کو دوسرا صدمہ

تعمیر حیات کے اسی شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کی بھتیجی اور مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کی اہلیہ رقیہ بی مرحومہ کے حادثۂ انتقال کی خبر دی جا چکی تھی اور پرچہ پریس میں زیر طبع تھا کہ اچانک یہ رنجیدہ اطلاع ملی کہ حضرت مولانا مدظلہ العالی کی بڑی ہمشیرہ اور مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی و مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کی والدہ محترمہ کا رمضان المبارک کی ۲۳ ویں (۱۲-۱۳ فروری ۱۹۹۶ء کی درمیانی) شب میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک ہفتہ کے اندر یہ دو عظیم سانحے بالخصوص حضرت مولانا مدظلہ العالی اور مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی اور پورے خاندان والوں کے لئے سنگین حادثہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین تعمیر حیات سے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ تعمیر حیات کے آئندہ شمارہ میں مرحومہ مغفورہ کے سلسلہ میں مفصل مضمون شائع ہوگا۔

(ادارہ)

رکھا، بلکہ ایک سفر کے دوران عبداللہ بن ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی طرف آتے ہوئے مکہ سے آئے ہوئے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بباطن اشارہ کرکے کہا کہ مدینہ پہونچ کر مدینہ کے معزز لوگ ان گھٹیا اور ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جس کا صاف مطلب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین کے لئے وہ یہ کہہ رہا ہے، یہ ایسی بات تھی کہ خود عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو بری لگی، ان کو یہ خیال ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغیانہ حرکت پر ان کے باپ کو سخت سزا دے سکتے ہیں، یا خود مسلمان ناراض ہو کر اس کو قتل کر سکتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ نے ایسی گندی بات کہی ہے اس پر وہ لائق قتل ہو سکتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ قتل کا کام اگر کوئی دیگر مسلمان کرے گا تو میں انسان ہوں، فرزند ہونے کے ناطے مجھ پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے جو میرے ایمان کے لئے مضر ہوگا، لہٰذا یہ کام لینا ہو تو مجھ سے ہی لے لیجئے، آپ نے فرمایا، نہیں! بلکہ میں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں گا، آپ کے اس عمل کا ایسا اثر پڑا کہ جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا یہ قافلہ داخل ہوا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے راستہ پر کھڑے ہوگئے، اور باپ کی آمد پر تلوار دکھا کر کہا کہ سن لیجئے، معزز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ہیں، اور ذلیل اور پست آپ ہیں، اب سن لیجئے آپ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر داخل بھی نہیں ہو سکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کو برابر نبھایا کہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ تاحیات خوش اخلاقی کا ہی معاملہ رکھا، خوش اخلاقی اختیار کرنے کے سلسلے میں قرآن مجید کی ہدایت یہاں تک آئی کہ اگر کوئی مشرک تمہاری حفاظت میں آئے تو اس کو حفاظت کے ساتھ اپنے پاس ٹھہراؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام سنے گا، پھر اس کو اس کی حفاظت کی جگہ تک پہونچا دو۔

صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے دعوت دین کی خاطر احکام خداوندی اور اسوۂ نبوی کو پوری طرح اختیار کیا، اسی کا اثر ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے، اس سلسلے میں ان کے بےشمار واقعات ہیں جن سے ان کی محنت، صبر و برداشت، عام انسانی ہمدردی و خیر خواہی، دوستوں کے ساتھ اخلاص و محبت، دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت و خیر خواہی کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، یہ وہ طریقۂ عمل ہے چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
بادوستاں تلطف، بادشمناں مدارا

یہ خوش آئند بات ہے کہ برصغیر میں الحمد للہ دعوت کے کام میں اب بھی مسلمانوں کی ایک تعداد مصروف ہے۔ ان کے میدان عمل اور طریقۂ کار میں تنوع ہے ان کے ذریعہ دین کے تعارف، ایمان عمل صالح کی تلقین کا کام انجام دیا جا رہا ہے۔ داعی حضرات محبت و ہمدردی کے ساتھ لوگوں سے ملتے اور بے غرض رویہ کے ساتھ کام کرتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کام کے اثرات بھی اب غیر معمولی ظاہر ہو رہے ہیں، نہ معلوم کتنے ایسے افراد ہیں کہ دعوت کے ان تک پہونچنے سے قبل مختلف قسم کے حرام کاموں میں اور خدا بیزار زندگی میں مبتلا تھے وہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ نہایت صالح مسلمان بنے بلکہ پرہمت اور منہمک داعی بنے ہوئے ہیں۔ لاکھوں آدمی جو آزادانہ زندگی میں مبتلا رہ چکے ہیں وہ اب دیکھنے میں مولوی ملا اور عملی طور پر دینی زندگی میں سرشار نظر آتے ہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے دعوتی زندگی اختیار کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم دعوت کی تعمیل کا، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دعوت کی یہ کوششیں جو بے غرض طریقہ سے کی جا رہی ہیں، خواہ جماعت تبلیغ کی ہوں امت مسلمہ کی حفاظت و ترقی کے بہترین نتائج پیدا کریں گی، اور کم از کم اس امت کے بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وہ تقریر ہے جو انھوں نے دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر فرمائی ——— ادارہ ———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"وَاذْکُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُمْ وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ"

میرے بھائیو! عزیزو اور دوستو!

میں نے آپ کے سامنے سورہ انفال کی آیت پڑھی جو فوری طور پر میرے ذہن میں آئی، کسی غیبی طاقت نے میرے کان میں کہا، اس عظیم مجمع کو دیکھو جو لاکھوں کی تعداد میں تمہارے سامنے ہے اس غیر معمولی تعداد کا تصور پہلی صدی ہجری میں بڑے سے بڑا جنگ جو، غیر معمولی دور بیں، حوصلہ مند صاحب فراست اور بڑے سے بڑا پیشین گوئی کرنے والا بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دنیا ہی میں نہیں پورے کرۂ ارض میں بھی نہیں، ایک ایسے قصبے میں، جو جزیرۃ العرب سے سات سمندر پار ہے اور جو زبان، تہذیب، قانون، قومیت اور نسل و مذہب۔ کسی بھی رشتے سے جزیرۃ العرب سے منسلک نہیں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جمع ہو سکے گی۔ قرآن مجید کی اس آیت پر دوبارہ غور کیجئے اور پہلی صدی ہجری کے ان حالات کو یاد کیجئے جو مسلمانوں کے ساتھ مدینۂ طیبہ میں پیش آتے تھے۔

قرآن مجید مسلمانوں کو مخاطب کرکے (جن کی تعداد اس وقت چند ہزار سے زیادہ نہ تھی) کہتا ہے:

"جب تم تھوڑے سے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، ہر وقت ڈرتے تھے کہ تم کو کوئی جھپٹا مار کے اچک نہ لے جائے (یہاں پر قرآن مجید نے تخطف کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی جھپٹا مارنا اور اڑا کر لے جانا ہیں) حالت یہ تھی کہ تم تھرتھراتے تھے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو چھوڑیے کہ حجاز بلکہ صرف قریش کا قبیلہ ہمیشہ کے لئے اس چراغ کو گل کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ قرآن مجید کے اندر مندرجہ ذیل آیت میں پھونک مار کر بجھانے کی تعبیر استعمال کی گئی ہے:

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ"

یہ صرف ادبی لفظ نہیں، اس کے سارے الفاظ معجز ہیں۔ اس لفظ میں ایک سچی اور صحیح تصویر ہے۔ حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کی زندگی کا چراغ اور اسلام کے چراغ اور کو ہر وقت گل کیا جا سکتا تھا۔ اس کو بجھانے کے لئے کسی پنکھے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ منہ کی پھونک سے بجھایا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو تین جگہ قرآن مجید میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کے حالات کی صحیح اور سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَاٰوٰکُمْ وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ"

اور تم کو پناہ دی اور تم کو نصرت خداوندی اور آسمانی مدد کے ذریعہ تمہاری تائید کی اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حلال و پاک چیزوں میں سے تم کو عطا فرمایا تاکہ تم شکر ادا کرو۔ طیبات کا لفظ عام ہے سلطنت سے لے کر مطلق العنان و با اختیار سلطنت تک دونوں میں جو عزت ہوتی ہے، جو اعزاز و اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جو قانون سازی کی طاقت، آزادی و خود مختاری اور بلندی و برتری حاصل ہوتی ہے یہ سب طیبات میں آتا ہے۔

"وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ"

کہ شاید تم شکر کرو، اور تمہارے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

آج میں انسانوں کا جنگل دیکھ رہا ہوں اور اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب چند ہزار مسلمانوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلایا تھا، لیکن آج ہماری کیا حالت ہو گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک قصبہ میں دین کے خادموں کی ایک آواز پر دنیا کے دور دراز گوشوں سے کتنے انسانوں کو جمع کر دیا ہے۔ ہر ملک کے لوگ یہاں اس طرح جمع ہو گئے ہیں اگر بے ادبی نہ ہو تو بلا تشبیہ میدان عرفات کا نقشہ یہاں دکھائی دے رہا ہے۔ جو طاقت مسلمانوں کو میدان عرفات میں جمع کرتی ہے وہی طاقت اور سنت ابراہیمی کی وہی کشش ہے جس نے آج اس قصبہ میں لاکھوں مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے۔

"وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ"

تیری سپہ انس و جن تو ہے امیر جنود

مکہ مکرمہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو سنت ابراہیمی اور سنت محمدی کی وجہ سے، مدینہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو اس میں بھی سنت ابراہیمی

اور سنت محمدی کی کشش کو دخل ہے اور آج بھی اس آواز میں وہ غیر معمولی طاقت اور کشش ہے جس کو اگر مسلمان سمجھ لیں تو دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت میں وہ اثر اور طاقت نہیں جو اب بھی ایمان کی آواز میں ہے۔ اقوام متحدہ سَو بار جئے، سو بار مرے، امریکا اور روس جیسی بڑی بڑی طاقتیں مر مر کے زندہ ہوں، پھر بھی ان کی آواز میں وہ طاقت تاثیر نہیں جو اسلام کی آواز میں ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی طرح آج بھی اس آواز میں وہ کشش توانائی اور مسیحائی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں ہے۔ ہمیں اور آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر غالب کر دیا۔

میں نے عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو لاشئی سے کل شئی بنادیا، اور میں آپ سے ایک بار نہیں چار بار کہتا ہوں کہ آپ کچھ نہ تھے، سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کے طفیل عطا کر دیا۔

ذرا سوچئے تو سہی!

آپ ہندوستان میں کس چیز کی پرستش کر رہے تھے؟ شجر و حجر سے لے کر ہر چیز آپ کے لئے معبود و مسجود بننے کے لائق تھی۔ پستیوں، ذلتوں، جہالتوں اور شقاوتوں کے اس بحر ظلمات سے آپ کو کس نے نکالا ہے؟ یہ وہی انبیاء کرام کی دعوت تھی جو آخری طور پر قیامت تک کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس دنیا کو پہونچی۔ اگر عربوں پہ یہ احسان ایک مرتبہ ہے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان سَو بار ہے۔

میں عربوں سے بار بار خطاب کرتا ہوں اور ان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوں، یہ ان کی عالی ظرفی اور کریم النفسی ہے کہ میں نے ان کو جھنجھوڑا تو جھک گئے اور جب بھی میں نے ان کو پکارا تو انھوں نے آواز دی اور جب بھی ان کا ایک محتسب کی طرح احتساب کیا، انھوں نے اس کو برداشت کیا۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی حق نہ تھا میں تو اس میخانہ کا ایک ادنیٰ میخوار ہوں۔ اب میں آپ سے کہوں گا اور سو بار کہوں گا کہ خود کو یاد کریں کہ آپ کہاں تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہاں پہونچا دیا۔

میرے دوستو اور بزرگو!

آپ اپنی حقیقی عظمت کے راز کو سمجھئے کہ دنیا میں اب تک ہزاروں طوفان، آندھی اور سیلاب کے باوجود آپ اب تک کیوں باقی رہیں؟ ایک ہندوستان ہی کی تاریخ کو دیکھ لیجئے۔ یہ زمین جس کو حالی نے اکال الارض اور ہندوستانی تہذیب و مزاج کو اکال الامم سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جو قوم یہاں آئی وہ تحلیل ہوگئی اور اس نے اپنی قومی خصوصیات و امتیازات کو کھو دیا اور "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا منظر سامنے آتا رہا۔ اس میں نہ تو آریائی نسلیں باقی رہیں نہ دوسری قومیں۔ جو بھی یہاں آیا وہ اس کے رنگ میں رنگ گیا۔ لیکن وہ کیا چیز تھی جس نے اپنے آپ کو اپنے تشخص کے ساتھ باقی رکھا ہے؟ وہ ہے عقیدۂ توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار اور اس کے سامنے ساری طاقتوں کا انکار اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی محبت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لینا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر ہم اس قابل ہوئے کہ اس منظر کو دیکھ سکیں۔ ہم ان عربوں کو اس لئے جمع کرتے ہیں کہ ان سے ملیں اور ان سے کہیں کہ اے ہمارے مرشدو! اے ہمارے استادو! تم نے ہم کو جو سبق پڑھایا تھا اور جو مبلغ ہندوستان بھیجے تھے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہم یہاں ہیں اور ہم نمک حرام نہیں ثابت ہوئے۔ محمد بن قاسم ثقفی اور دوسرے بزرگان دین (خواہ براہ راست عرب سے آئے یا دوسرے ملکوں سے ہو کر) جو سبق لے کر آئے تھے وہ سبق ہم نے یاد رکھا اور ہم نے آپ کو اسی لئے بلایا ہے کہ ہم اپنا سبق سنائیں اور یہ زبان حال سے سن رہے ہیں اور حیرت زدہ ہیں کہ اس ہندوستان میں اتنے غیور مسلمان، شمع اسلام کے اتنے پروانے اسلام کی شمع کو اس طرح جلا سکتے ہیں اور علم کی شمع پر اتنے پروانے جمع ہو سکتے ہیں۔ ہم نے ان عربوں کو دارالعلوم کی تاریخ سنانے اور اس کے کارناموں کی عظمت سے باخبر کرنے کے لئے جمع نہیں کیا ہے بلکہ ہم انھیں کے مشہور شاعر ابوفراس ہمدانی کا وہ شعر سنانا چاہتے ہیں جس میں اس نے کہا تھا:

صَنَائِعُ فَاقَ صَانِعُهَا فَفَاقَتْ
وَغَرْسٌ طَابَ غَارِسُهُ فَطَابَا
وَكُنَّا كَالسِّهَامِ إِذَا أَصَابَتْ
مَرَامِيَهَا فَرَامِيهَا أَصَابَا

(کارنامے جن کو بنانے والے بڑے بلند عالی مرتبہ تھے، وہ بڑے روشن ہیں، وہ پودا جس کا لگانے والا بڑا کریم، بڑا شریف، بڑا عالی استعداد تھا وہ پودا خوب کامیاب نکلا اور خوب برگ و بار لایا۔

ہم تو تیر تھے، جب تیر انداز نے کمان میں جوڑ کر ان تیروں کو چلایا تو وہ اپنے نشانے پر بیٹھے۔ تو تیروں کی تعریف ہے اور تیر انداز کی بھی تعریف ہے)

حضرات!

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی عظمت اور تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہئے۔ ہم مسلمان ہیں، ہم کو اس کا اقرار ہے ہم اس ملک میں پورے اسلامی امتیازات اور مکمل اسلامی تشخصات کے ساتھ باقی رہیں گے یہ ہمارا فیصلہ ہے۔

بزرگو! اور دوستو!

ہجرت کا فلسفہ کیا ہے، ہجرت کا شرعی حکم کیوں ہے؟ اسی لئے کہ جس زمین پر احکام اسلام پر عمل نہ ہو سکے اس سرزمین کو چھوڑ دینا فرض ہے یہاں

ملک میں اس حالت میں نہیں رہ سکتے کہ ہم اپنے تمام تشخصات و امتیازات سے دست بردار ہو جائیں اور اپنے مابہ الامتیاز عقائد کو چھوڑ دیں، اپنے عقیدۂ توحید و رسالت، ایمان بالآخرۃ سے دست کش ہو جائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور آپ کی سنت پر چلنے کے جذبے سے ہم خالی اور عاری ہو جائیں۔

ہم صاف اعلان کرتے ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گزارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف راتب چاہئے اور ان کو SELF SECURITY چاہئے کہ ان کو کوئی مارے نہیں۔ ہم ہزار بار ایسی زندگی گزارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ہم اس سرزمین پر اپنی اذانوں اور نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ ہم تراویح اور اشراق و تہجد تک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ ہم ایک ایک سنت کو سینے سے لگا کر رہیں گے اور رسول اکرم کی سیرت کو سامنے رکھ کر کسی ایک نقش بلکہ کسی نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

لیکن۔ عزیزو اور دوستو!

اس وقت جبکہ پورے ملک اور عالم اسلام کا جو سر اور دل و دماغ ایک جگہ جمع ہے اور یہاں ایسے لوگ جمع ہیں جن کا فتویٰ سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے، میں ان تمام حضرات کی موجودگی میں کہتا ہوں، آپ یہاں سے عہد کر کے جائیں کہ ہم کو اس ملک میں مسلمان بن کر ہی رہنا ہے اور ہم کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

میرے بھائیو! آپ اپنی طاقت اور اپنی قوت سے کیوں آشنا نہیں
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

آپ اپنے ساتھ تو انصاف کیجئے۔ مسئلہ ایک مدرسہ یا کسی جامعہ کا نہیں، نہ کسی مکتب خیال کا مسئلہ ہے اور نہ کچھ منصوبوں اور عمارتوں کی تکمیل کا مسئلہ ہے۔ مسئلہ صرف علوم اسلامی کے باقی رکھنے اور اسلامی شخصیت کے تحفظ کا نہیں، آج مسئلہ ہے اس ملک کی قیادت کا۔ آپ دوسروں کے پیچھے چلنے کے لئے ہرگز نہیں پیدا کئے گئے اور نہ خدا نے آپ کو اس ملک میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ دوسروں کے حاشیہ بردار ہوں اور آپ لوگوں کے اشاروں کو دیکھیں اور ان کے چشم و ابرو کو پہچاننے کی کوشش کریں کہ ملک کس رخ پر جا رہا ہے ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں ہم تو صرف اسلامیات کے دھارے کو جانتے ہیں، ہم تو دنیا کی قیادت و امامت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

حضرات!

آج ملک خودکشی کے لئے قسم کھا چکا ہے، وہ آگ کی خندق میں گرنے کے لئے تیار ہے، وہ بداخلاقی اور انسانیت کشی کے دلدل میں ڈوب رہا ہے، آپ ہی ہیں جو ہندوستان میں کیا پورے ایشیا میں اس ملک کو بچا سکتے ہیں۔ آپ اللہ اور رسول کی بات کہئے، آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نیلام کی منڈی میں اتر آئیں اور آپ سودا کرنے لگیں کہ ہماری بولی بولی جائے۔ آپ متاع نایاب ہیں اللہ کے سوا آپ کی خریداری کا کوئی حوصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں، کاش میں آپ کے دلوں اور دماغوں پر چوٹ لگا سکتا میں صرف آپ سے کہتا ہوں کہ اس ملک کو صرف تنہا آپ بچا سکتے ہیں اس لئے کہ آپ کے پاس عقیدۂ توحید اور انسانی اصول و مساوات ہے، آپ کے پاس اجتماعی عدل کا مکمل نظام موجود ہے، آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں، آپ ہی کا دین جن کے پاس ایمان بالآخرۃ ہے اور جو العاقبۃ للمتقین پر یقین رکھتے ہیں۔

آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی نظر طاقت اور قوت پر رہا کرتی ہے جن کی نگاہ میں مال و متاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے اور نہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انتخابات میں کامیابی اور پارلیمنٹ تک پہونچ جانے ہی کو سب سے بڑی معراج سمجھتے ہیں۔

بزرگو اور دوستو!

جو دولت کے فلسفے پر ایمان رکھتا ہے اور ہر چڑھتے سورج کو پوجنے لگتا ہے وہ ڈوب کر رہے گا، اس کو کوئی بچا نہیں سکتا مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ عرب ممالک اس سے بہتر حالت میں نہیں اور یہ میں آپ سے اردو میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں ان سے ڈرتا ہوں، میں نے ان سے بارہا کہا ہے:

"لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ"

اس کو میں نے مکہ اور مدینہ میں کہا اور ہر جگہ میں نے یہی صدا لگائی کہ وہی بچ سکتا ہے جو اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کی نصرت پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اگر ہندوستانی مسلمان اپنے اندر ایمانی خصائص پیدا کر لیں تو آج بھی آتش نمرود سرد پڑ سکتی ہے اور وہی انداز گلستاں پیدا ہو سکتا ہے۔

میرے عزیزو اور دوستو!

میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کی روح کا یہی پیغام ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اسی میں جلتے اور پگھلتے رہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ اپنے اپنے خاص طرز اور اسلوب سے اسی کے لئے ہمیشہ سوزاں اور لرزاں رہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں، قرآن و سنت کو سینے سے لگائے رکھیں اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے توحید و سنت ہے

زور دیں۔ دیوبند کا یہی پیغام ہے اور اس کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے سرمایۂ ملت کو بچانے کی کوشش کی اور اختلافی مسائل کو عوام کے سامنے نہیں لائے۔

یہ دیوبند وارث ہے حضرت مجدد الف ثانی کا، اور اگر کوئی نہیں سمجھتا تو اس کو سمجھنا چاہئے۔ یہ میرا مقام نہیں ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں، اور حضرت مجدد الف ثانی کے وارث ہیں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ متعدد بزرگوں میں سے کسی کو بھی اس میں کلام نہیں کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ کا گلستان اور ان کا مکتب فکر ہے جو دیوبند کی شکل میں اس وقت سامنے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں صحیح العقیدہ درس گاہیں ہیں وہ شاہ ولی اللہ کی شمع فروزاں اور اسی کی تجلیات ہیں

منصبِ قیادت و حفاظتِ ملک و ملت کا فریضہ

حضرات!

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے لئے قائد کا مقام اختیار کیجئے۔ آپ سمجھئے کہ آپ کی حیثیت ملک میں قائد کی ہے۔ میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمانوں کو یہ کرنا چاہئے۔ کون یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کیا نبی عربی کے بعد کوئی اور پیغمبر پیدا ہوگا، کیا کتاب اللہ کے بعد اور کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوگی، کیا شریعت محمدی کے بعد کوئی اور شریعت آئے گی؟ ہم سے کہنے والا صرف اللہ اور اس کا رسول ہے، ہمارا ساتھ دینے والی ہماری آسمانی کتاب اور سنت رسول ہے، آپ یہ عہد کرکے یہاں سے جائیے کہ آپ کو ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں رہنا ہے اور کتاب و سنت کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھنا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہنا ہے۔ اگر آپ ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں ہیں تو انشاء اللہ آپ عزت کے ساتھ سربلند اور سرخرو ہیں۔

"وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ"

حضرات!

یہ دار العلوم دیوبند کے فضلاء جن کو دستار فضیلت ملنے والی ہے ان سے اس درسگاہ کی تین چار اہم خصوصیات کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔

(۱) اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اختلافی مسائل کے بجائے توحید و سنت پر اپنی توجہ مرکوز کی (اور یہ وہ وراثت اور امانت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید کے وسیلے سے اس کو ملی اور ابھی تک اس کو عزیز ہے)۔

(۲) اتباع سنت کا جذبہ اور فکر۔

(۳) تعلق مع اللہ کی فکر اور ذکر و حضوری اور ایمان و احتساب کا جذبہ۔

(۴) چوتھا عنصر ہے اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور کوشش۔

یہ چار عناصر مل جائیں تو دیوبندی بنتا ہے اگر ان میں سے کوئی عنصر کم ہو جائے تو دیوبندیت ناقص۔ فضلائے دار العلوم دیوبند کا یہ شعار رہا ہے کہ وہ ان چار چیزوں کے جامع رہے ہیں۔

اب میں عام آدمیوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں آپ کا بھی حصہ ہے اور یہ صرف فضلاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ آپ بھی یہاں سے پیغام لے کر جائیے کہ عقیدۂ توحید کو سینے سے لگانا ہے۔ اور آپ کے گرد جو شرک اور فتنہ کا دھارا بہہ رہا ہے اس سے الگ رہنا ہے توحید پر آپ قائم رہیں، اتباع سنت اور فرائض کی پابندی کا جذبہ آپ کے اندر ہو اور تعلق مع اللہ کی کوشش کرتے رہیں، آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاکر و مذکور، محب و محبوب اور عبد و معبود کا ہونا چاہئے۔ یہی تعلق آپ کے دل و دماغ اور آپ کے اعصاب پر حاوی ہونا چاہئے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(بقیہ) سیرت سیّد احمد شہیدؒ

اس کا نام احمد رکھا۔ آپ سے متاثر لوگوں میں اہل ہنود کی بڑی تعداد تھی۔ نانوتہ اور کاندھلہ تشریف لے گئے وہاں مفتی الٰہی بخش صاحب مرید ہوئے۔ آپ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے نامور شاگرد تھے چھ مہینہ اس دورہ میں صرف ہوئے۔ واپسی دہلی میں ہوئی۔ کچھ عرصہ قیام کرکے آپ نے رائے بریلی کے سفر کی تیاری کی۔ (جاری)

(بقیہ) کیا یاسر عرفات یہودی ہیں؟

نظر آئیں گے۔ لبنان میں صدام اور لیبیا کے مخالف قاتل دستوں نے یہ بیانات دیئے تھے کہ ان دونوں کو چودہ بار قتل کرنے کی سازش کی گئی لیکن ہر بار امریکی سی آئی اے نے ان دونوں کو بروقت مطلع کر دیا۔ امریکہ نے بھی ایک بار قذافی پر حملہ کیا مگر وہ بچ گئے یا بچائے گئے۔

اعلان

مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء سالانہ تعطیل کے بعد انشاء اللہ ۱۴ر شوال ۱۴۱۶ھ کو کھلے گا۔ جدید داخلے تحریری ٹسٹ کی بنیاد پر ہوں گے۔

مدرسہ کا شعبۂ مکتب ۶ر شوال ۱۴۱۶ھ کو کھلے گا۔

مہتمم
مدرسہ مظہر الاسلام
بلوچ پورہ لکھنؤ

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مشنری تعلیم، تاریخی پس منظر اور ناپاک عزائم

محمد الیاس ندوی، استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل

عیسائیت عالمی سطح پر اسلام کی ایک بہت بڑی حریف ورقیب ہے، سامراجیت کو سب سے بڑا خطرہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے لئے اسلام ہی سے ہے، اشتراکیت وسرخ انقلاب کے زوال کے بعد تو یہ بات اور کھل کر سامنے آتی ہے لیکن انکے اندر بعض خصوصیات اور امتیازات ایسے پائے جاتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان ان کی تعریف بادل نخواستہ ہی سہی کئے بغیر نہیں رہ سکتا مثلاً ان کے پاس اپنے ناپاک عزائم کے لئے اعلیٰ درجہ کی منصوبہ بندی وپلاننگ پائی جاتی ہے، ۲ ارب کے قریب مسیحی عالمی سطح پر کیتھولک وپروٹسٹن کی مسلکی تفریق اور بعض آپسی نظریاتی وفکری اختلافات کے باوجود اسلام کے خلاف متحد ومتفق ہیں، اسلام پسندوں کے خلاف کسی بھی کاروائی میں وہ ایک دوسرے کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں اپنی کسی بھی فتح پر حد سے زیادہ خوش نہ ہونا، ماضی کی شکستوں اور ہزیمت سے عبرت لے کر آئندہ کے لئے منصوبہ بندی کرنا گویا انکے مذہب ہی کا ایک جزء بن گیا ہے، ان ہی خصوصیات کی بناء پر مسیحیت اپنے وسائل کی کمی اور لامحدود داخلی مشکلات ومسائل کے باوجود اس وقت بھی اسلام کے مدمقابل اب تک زندہ باقی ہے، اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مسیحیت نے اسلام اور مسلمانو کو اس دنیا سے ختم کرنے کے لئے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ماضی کی صلیبی جنگیں وسازشیں اس بات کا ثبوت ہیں

بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اسلام کا نام ونشان چند ہی سالوں میں دنیا سے مٹ جائے گا تاتاریوں نے جب اسلامی دارالخلافہ بغداد پر حملہ کیا تو تقریباً تمام دنیا والوں کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ شاید ہی مسلمان اب دوبارہ سر اٹھائیں. مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام ہوا اوران کی لاشوں کو دجلہ میں ڈال دیا گیا تمام مذہبی کتابیں جلادی گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ دریا کا پانی کبھی مسلمانوں کی لاشوں سے سرخ ہوتا تو کبھی جلی ہوئی مقدس کتابوں سے کالا ہوتا، لیکن تاریخ نے دیکھا کہ پوری کایا پلٹ گئی، ظالم وقاتل ہی اچانک حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور مسیحیت کو پھر ایک بار مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا، اب ان کے پاس مسلمانوں کو دبانے کے لئے اسکے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا کہ وہ مسلم ممالک پر اپنی طاقت کے بل بوتہ پر قبضہ کریں اور ہر جگہ اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مسلمانوں کو سیاسی ومعاشی اعتبار سے اپنے زیرنگیں رکھیں. نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ایشیا، افریقہ کے اکثر ممالک پر فرانس، برطانیہ، روس اور اٹلی وغیرہ کا قبضہ ہوگیا، برطانیہ کے قبضے میں ۱۷ ممالک آئے، فرانس نے ۱۶ ممالک کو ہتھیایا اور روس نے بھی بڑی مسلم ریاستوں کو ہڑپ کرلیا، چین نے جو ۶ ریاستوں پر قبضہ کیا وہ اس کے علاوہ تھیں، اس طرح عالم اسلام کا مجموعی رقبہ جو چند ہی سالوں قبل ایک کروڑ ۶۵ لاکھ مربع میل تھا صرف ۴۵ لاکھ مربع میل سے بھی کم ہوگیا یہ بارہویں صدی ہجری

سے لے کر تیرہویں صدی ہجری کا زمانہ تھا، جب ہندوستان سے ساڑھے گیارہ سو سالہ قدیم اسلامی حکومت کا ۱۸۵۷ء میں خاتمہ ہوا شمالی، مشرقی، مغربی وسطی افریقہ کے اکثر ممالک بھی مسیحیت کے قبضے میں چلے گئے، لیکن اسلام کی فطرت میں زیادہ دب کر رکھنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا اس لئے وہ جلد ہی پھر ابھرنے لگا اور آج پندرہویں صدی میں پہلے سے کہیں زیادہ ۵۲ آزاد مسلم ممالک کے ساتھ دنیا کے ۲ کروڑ مربع میل سے بھی زائد یعنی ۲۵ فیصد رقبہ پر حکومت کرتا ہوا نظر آرہا ہے مسیحیت اسلام کی اس ترقی کو کب برداشت کرسکتی تھی اس کو تو اپنے مذہب کی تبلیغ سے زیادہ ہمیشہ مسلمانوں کے نامکن استیصال وقلع قمع کی فکر دامنگیر رہی، چنانچہ یورپ میں عالمی سطح پر مسیحیت کے انتہائی ذہین تعلیم یافتہ وسنجیدہ لوگوں کا اجتماع ہوا تاکہ اسلام کے خلاف ابتک کی انکی ناکام پالیسی کی جگہ کوئی دوسری متبادل منصوبہ بندی عمل میں لائی جائے اس لئے کہ ان کے سالہاسال کے تجربے سے یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ اس دنیا سے مسلمانوں کا خاتمہ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں، مشرق میں ان کو دبایا جاتا ہے تو مغرب سے وہ سر اٹھاتے ہیں، شمال میں ان کو ڈبو دیا جاتا ہے تو جنوب میں ان کا سورج طلوع ہوتا ہے اب صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان کو اس دنیا میں رہنے تو دیا جائے لیکن غیر شعوری طور پر اسلام توحید اور عقیدۂ خالص سے ان کا رشتہ اس طرح کاٹ دیا جائے کہ وہ نام کے مسلمان رہ کر مسیحیت کے لئے بھی بے ضرر ہوکر رہ جائیں اسکے لئے اس کمیشن کی میٹنگ میں موجود ہر ممبر کو کئی کئی ماہ کا وقفہ صرف اس لئے دیا گیا کہ وہ سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کے بعد کوئی ایسی قابل عمل تجویز کمیشن کے سامنے پیش کریں جس سے ان کے مذکورہ بالا ناپاک عزائم کی تکمیل ہوسکے، یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا سائنسی ترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہوچکی تھی، ذرائع ابلاغ کے نت نئے وسائل ایجاد ہوچکے تھے مسلمانوں میں

آہستہ آہستہ تعلیمی بیداری و علمی شعور بیدار ہو رہا تھا، لیکن دوسری طرف بعض مسلم ممالک میں دولت کی فراوانی کے باوجود اکثر مسلم ممالک بالخصوص افریقہ کے معاشی بدحالی کے شکار تھے اس لئے ان سب حالات و واقعات، انقلابات و تجزیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کمیٹی کے سامنے جو مختلف تجاویز زیر بحث آئیں، اسمیں سے چند اہم مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) مسلمانوں کی عالمی سطح پر عمومی غربت و افلاس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے افریقہ و ایشیاء کے پسماندہ مسلم ممالک کے بدحال مسلمانوں کو دولت کا لالچ دے کر ارتداد اور خروج عن الاسلام کی طرف آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے اس کے لئے یورپ اور امریکہ کے مسیحی ممالک کی طرف سے اس میدان میں کام کرنے والی تنظیموں کی نہ صرف مدد کی جائے بلکہ اندرونی طور پر انکی سرپرستی بھی کی جائے۔

ذرائع ابلاغ کے نت نئے وسائل ایجاد ہوچکے ہیں اور مسلمانوں کا متمول و مالدار طبقہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے اسلئے عمومی بداخلاقی اور بے حیائی کے پھیلتے رجحان اور مالدار عوام کی بے راہ روی کو دیکھتے ہوئے انکے ذوق و مزاج کے مطابق فحش پروگرام پیش کرکے اسمیں غیر شعوری طور پر انکو مذہب سے دور کرنے کی بعض ایسی چیزیں شامل کی جائیں، جس سے آہستہ آہستہ خود بخود مسلمانوں کو اسلام سے نفرت ہونے لگے، ان دونوں تجویزوں کو فوری طور پر عملی جامہ پہنایا جائے، افریقہ و ایشیاء کے پسماندہ مسلم ممالک میں عیسائی مشنریوں کا وسیع جال پھیلایا گیا، شفاخانوں اور فلاحی تنظیموں کے قیام کی آڑ میں اپنے ناپاک مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ افریقہ کے جنگلات اور دور دراز علاقوں میں بسنے والے اپنے مالی مسائل و معاشی مشکلات سے تنگ آکر انکے جال میں پھنسے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں کی تعداد میں اپنا اسلام چھوڑکر مرتد بھی ہوگئے، ملیشیا انڈونیشیا اور بنگلہ دیش وغیرہ کے اندر بھی ان کو اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی ملی اور باقی کسمپرسی کی حالت میں اسپتال میں داخل رہے یا مسلمانوں کی مالی مدد کی گئی اس سے ان کا متأثر ہونا فطری امر تھا، مصیبت کے وقت یہ لوگ ان کے پاس فرشتہ بن کر آتے تھے فطرتاً یہ ان کو اپنا ایمان دے بھی دے بیٹھے اور ان کی ہمدردانہ باتوں سے جس میں اسلام سے نفرت پیدا کرنے والی بعض غیر شعوری باتیں داخل تھیں متاثر ہوکر اسلام سے نکل کر عیسائیت میں داخل ہوگئے بین الاقوامی سطح پر قائم ریڈ کراس اور جگہ جگہ اس کی قائم شاخیں اسی منصوبہ کا ایک حصہ تھیں، ضرورتمندوں کو قرضوں کی فراہمی، بے روزگاروں کو روزگار کی تلاش میں مدد، غریب طلباء کو وظیفہ وغیرہ کے ذریعہ بھی پھانسنے کی کوشش کی گئی، اگست ۱۹۹۴ء میں انڈونیشیاء کے ایک چرچ نے یہ خبر جاری کی انکی کوششوں سے ابتک ۶۵ افراد مسیحیت میں داخل ہوگئے ہیں اور ہر سال دس ہزار کی شرح کے ساتھ اس میں مسلسل ترقی ہو رہی ہے، ذریعہ ابلاغ پر بھی دوسری تجویز کے مطابق مسیحیوں نے قبضہ کیا اس سلسلہ میں اسرائیل و امریکہ میں مقیم یہودیوں سے بھی تعاون لیا گیا جو مسلمانوں سے دشمنی میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ بی بی سی، اسٹار ٹی وی، زی ٹی وی وغیرہ دنیا کے ہر ملک میں گھر گھر پہونچ گئی اور متمول طبقہ اس سامان عیش و تفریح کی آڑ میں نہ صرف بداخلاقی کی انتہا کو پہونچ گیا بلکہ غیر شعوری طور پر اسلام سے بھی دور ہونے لگا چند سالوں کے بعد جب ان مسیحیوں نے اپنی کوششوں کا دوبارہ یورپ میں اکٹھا ہوکر جائزہ لیا تو ان کو احساس ہوا کہ ان دونوں تجویزوں پر عمل کے باوجود عالمی سطح پر تمام مسلمانوں کا فکری و ذہنی ارتداد کے لئے احاطہ نہیں ہوسکا ہے دولت کے لالچ سے غریب طبقہ اور ذرائع ابلاغ کے توسط سے صرف مالدار طبقہ ہی ان کے جال میں پھنس رہا ہے مسلمانوں کا درمیانی و اسط طبقہ اب بھی انکی دسترس سے باہر ہے کوئی ایسی شکل ہونی چاہئے جو تمام مسلمانوں کا احاطہ کرسکے بالآخر طویل سوچ بچار اور بحث و مباحثہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک صورت ایسی ہے جسمیں مسلمانوں کا متوسط طبقہ بھی بہ آسانی انکے ناپاک عزائم کا شکار ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں میں ناخواندگی کا احساس پیدا ہو رہا ہے ہر جگہ تعلیمی رجحان میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے نئی نسل تعلیم کا تعلق سیاست اور مذہب سے نہیں ہے کیوں نہ جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم کرکے شروع ہی سے معصوم ذہن رکھنے والے نونہالوں کو اپنے قبضے میں لے کر انکی ذہنی تربیت اپنی منشاء کے مطابق کی جائے ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جائے جس سے مسلم طلباء کی اسلام کے سلسلے میں سوچ و فکر کو اس طرح بدل دیا جائے کہ یہی مسلم طلباء آگے چل کر اسلام کی مخالفت میں پیش پیش ہوں اس طرح اسلام کے گھر کو اسلام کے چراغوں ہی سے آگ لگائی جائے اگرچہ انفرادی طور پر یہ کام بہت پہلے سے ہر جگہ مسیحیوں کی طرف سے ہو رہا ہے لیکن اب اسکو اجتماعی طور پر اور وسیع پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے مسلمانوں کی کشش و ترغیب کے لئے ان سے کم سے کم تعلیمی معاوضہ لیا جائے بلکہ غریب طلباء کو تعلیمی وظیفے بھی دئے جائیں تاکہ کوئی بھی طالب علم ہماری دسترس سے باہر نہ ہو اعلیٰ معیار کی ابتدائی تعلیم گاہیں قائم کی جائیں شروع شروع میں ان تعلیم گاہوں کے مالی خسارے کو مسیحی سرکاروں اور خانگی اداروں کی طرف سے برداشت کیا جائے چونکہ مسلمانوں کی بیشتر آبادی اب بھی ہر جگہ دیہاتوں میں رہتی ہے اسلئے وہاں جاکر کام کرنے والے مشنری ارکان کو شہر میں کام کرنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ تنخواہیں دی جائیں شروع شروع میں مسلمانوں کی مذہبی نفسیات کو دیکھتے ہوئے یہ بھی طے پایا کہ ان مشنری اسکولوں میں مسلمانوں کی مقامی زبانوں اور انکی مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے تاکہ مسلمانوں کا دین پسند طبقہ

بھی باآسانی اپنے بچوں کو ان کے حوالے کرسکیں ان بچوں کو انکے مذہب کی اندھی مخالفت پر آمادہ نہ کیا جائے بلکہ خود ان کو اس دوران مذہبی تعلیم سے آراستہ کرتے ہوئے اس میں سے ان کو کیڑے نکالنے اور اعتراضات کی مشق کرائی جائے اس عملی تجویز سے کمیشن کے تمام ممبران نے اتفاق کیا اور اس کو فوری عملی جامہ پہنایا گیا جگہ جگہ دیکھتے ہی دیکھتے مشنری تعلیم گاہیں قائم کی گئیں خود ان تعلیمی اداروں میں کام کرنے والے مسیحی اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے خالص اسلامی و دینی تعلیم کے بڑے بڑے مدارس یورپ و امریکہ میں قائم کئے گئے ہیں جہاں ان کو قرآن وحدیث اور فقہ و اسلامیات کی تعلیم دی جاتی تھیں تاکہ یہی اساتذہ آگے چل کر اپنی پوری معلومات کے ساتھ مسلم نونہالوں کے لئے فکری ارتداد کا مواد باآسانی فراہم کرسکیں یہاں سے پڑھ کر اور فارغ ہو کر مستشرقین لتنے ماہر اور اسلامی علوم پر اس قدر گہری نگاہ رکھتے ہوئے نکلے کہ عالم اسلام کے سامنے احادیث مبارکہ کو حروف تہجی کے ساتھ پہلی دفعہ پیش آنے کا سہرا انہیں مستشرقین کے سر بندھا عالم اسلام میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی ڈکشنری المنجد بھی انہوں نے ہی مرتب کی انکی اس آخری تجویز پر تیزی سے عمل کرنے کا نتیجہ یوں سامنے آیا کہ وہ ۲۰۔۲۱ سال سے علی الاعلان اسلام سے نکلنے والوں کی تعداد میں تو کمی آئی لیکن ذہنی و فکری ارتداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا پہلے تو آدمی یا تو مسلمان رہتا یا علی الاعلان اسلام سے نکل جاتا لیکن آج ان مشنری اسکولوں کی نحوست سے ایک نیا طبقہ مسلم دنیا میں پیدا ہوگیا ہے جو بظاہر مسلمان اور نماز روزے کا پابند ہے لیکن ذہنی وفکری طور پر وہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے اس کو آنحضرتؐ کی گیارہ ازواج مطہراتؓ پر غیر مسلموں کی طرح اعتراض ہے اسلام کا قانون طلاق انکی سمجھ میں نہیں آتا قرآن میں بتائے گئے تقسیم میراث کے سلسلے میں وہ اعتراض کرنے میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہیں، یکساں سول کوڈ اور اسلامی قوانین سے دستبرداری کی آواز سب سے پہلے خود انکی طرف سے آرہی ہے اسلامی حدود یعنی زنا و چوری وغیرہ کے لئے قصاص و رجم اور ہاتھ کاٹنے کی سزا کو وہ وحشیانہ و غیر انسانی عمل قرار دے رہا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی بھی مسلمان ان اسلامی قوانین پر اعتراض کرکے مسلمان باقی رہ سکتا ہے، اسلام اتنا نازک ہے کہ صرف ایک قرآنی آیت کے انکار سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وہ اسلام کی بنیادوں پر شک کرے اور اسلام پر باقی رہے ان مشنری اسکولوں کے چند مسلم طلباء و طالبات کا فکری و ذہنی ارتداد ملاحظہ کیجئے۔

اسی ملک کے ایک مسلم طالب علم سے جسکی ابتدائی تعلیم کانوینٹ میں ہوئی تھی، سرکاری نوکری کے لئے انٹرویو کے دوران ممتحن نے اس سے سوال کیا کہ اسلام میں مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے لیکن عورت اس حق سے محروم ہے مرد کو ایک ساتھ چار بیویاں رکھنے کی اسلام اجازت دیتا ہے جبکہ عورت کے لئے اسطرح کی کوئی گنجائش نہیں اس سلسلے میں بحیثیت مسلمان آپ کا کیا خیال ہے؟ تو اس مسلم نوجوان نے بجائے اس کے کہ ان اعتراضات کا جواب دیتا کہنے لگا کہ مجھے خود ان اسلامی قوانین پر اعتراض ہے عورتوں کے سلسلے میں یہ اسلام کی ناانصافی خود میری سمجھ سے بھی باہر ہے میرے خیال سے ان اسلامی قوانین میں تبدیلی کرکے عورت کو بھی مرد کی طرح بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دینی چاہئے تاکہ دونوں کے درمیان مساوات قائم رہے ایک مسلم طالب علم نے جب مشنری اسکول میں اپنے استاد سے یہ سنا کہ روزہ انسان کے لئے غیر فطری اور غیر ضروری عمل ہے، طبی نقطہ نظر سے چار پانچ گھنٹے تک مسلسل کچھ نہ کھانے پینے سے ایسی کمزوری ہوتی ہے جس کا اثر بڑھاپے میں ہوتا ہے جب یہ طالب علم اپنے گھر آیا تو اس نے اپنے ناخواندہ لیکن دیندار والد سے جنہوں نے اعلیٰ ومعیاری تعلیم کے شوق میں اپنے اس لخت جگر کو کانوینٹ میں داخل کرایا تھا پوچھا کہ روزہ سے واقعی جسم میں کمزوری ہوتی ہے اور یہ غیر ضروری عمل ہے تو وہ بے چارہ اسکے علاوہ کچھ جواب بچے کو نہیں دے سکا کہ یہ ہمارے خدا کا حکم ہے لیکن اس کا لڑکا روزہ کے فوائد کو عقلی طور پر بھی ثابت کرنے کے لئے اصرار کر رہا تھا اور کہنے لگا کہ کل سے میں بھی بلاوجہ روزہ رکھ کر اپنے کو نہیں تھکاؤں گا جب تک آپ مجھے یہ نہ سمجھا دیں کہ اس سے کوئی فائدہ بھی ہے اسی دوران دو تین دن میں اس کا انتقال ہوگیا اس سے پہلے کہ اس کا باپ اس کو کسی کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کرتا اسی طرح روزہ کے انکار پر اس کا انتقال ہوا اور وہ خارج عن الاسلام ہو کر مرا۔

ایک کانونٹ میں ایک بچے کا قلم اسکے بستے سے اسکی استانی نے چپکے سے نکال کر رکھ دیا جب بچے نے اپنے قلم کے گم ہونے کی شکایت کی تو اس سے کہا گیا کہ تم اپنے اللہ سے اپنا قلم واپس مانگو اس نے بلند آواز سے اللہ سے دعا کی اے اللہ میرا قلم واپس کردے بار بار مانگنے پر بھی جب اس کو اس کا قلم نہیں ملا تو وہ رونے لگا تو اس سے اس کی استانی نے کہا اب ہمارے خدا عیسیٰ مسیح سے ایک دفعہ مانگ کر دیکھو منصوبہ کے مطابق اس جگہ چھت پر نظر نہ آنے والا ایک چھوٹا سا سوراخ کیا گیا تھا جیسے ہی اس لڑکے کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اے عیسیٰ مسیح میرا قلم واپس دو تو وہاں سے اس کو گرا دیا گیا اب لڑکے کے دل پر یہ بات بیٹھ گئی کہ نعوذ باللہ ہمارے خدا سے مانگنے پر تو قلم واپس نہیں ملا عیسیٰ مسیح نے ہماری بات سن لی گھر پہنچا تو اس لڑکے کا اس واقعہ کو اپنی والدہ سے بیان کرکے اصرار تھا کہ وہ آج سے ہر چیز عیسیٰ مسیح سے مانگے گا اس کی ماں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے تجربے کی روشنی میں کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا اسی روز وہ کسی کام سے بازار گیا ہوا تھا کہ گاڑی کے ایک حادثہ میں جان بحق

ہوگیا اب بتائیے کہ خدا کے بجائے عیسیٰ مسیح کو رب ماننے پر اس کا خاتمہ ہوا۔ تو وہ مسلمان ہوکر مرا یا کافر ہوکر اور اس کا سہرا کس کے سر گیا ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے اس کے والدین ذمہ دار تھے ان مسلم بچوں کی ذہنی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر اسلامی شعائر سے دور ہو جاتا ہے مثلاً صحت کے اصول بیان کرتے ہوئے سائنس کے گھنٹہ میں بچوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ پیشاب کو زیادہ دیر تک روکے رکھنے سے مثانہ پر اثر پڑتا ہے خطرناک قسم کی بیماریاں اس سے وجود میں آتی ہیں بالخصوص سفر کے دوران جیسے ہی پیشاب آئے تو اولین فرصت میں اس سے فارغ ہو لینا چاہئے پانی کے انتظار میں نہیں رہنا چاہئے ایک مسلم بچہ نے یہ سنا تو اس نے صرف اس پر سفر میں عمل کرنا شروع کیا آہستہ آہستہ بغیر پانی کے استنجا کرنا اسکی عادت بن گئی اور وہ اپنے گھر میں بھی پانی کی موجودگی کے باوجود اس سے استعمال کرنے سے گریز کرنے لگا اس طرح ایک فرضی نقصان سے بچنے کے لئے اللہ کے رسول کی لعنت کا مستحق بن گیا ماں باپ کی بڑھاپے میں خدمت کی بچوں کو ترغیب دی گئی اس طرح کہ اگر آپ کو انکی خدمت کے لئے فرصت میسر نہ ہو تو ایسے لوگوں کو ان کے حوالے کریں جو وقت پر ان کا خیال رکھ سکیں اور انکی خبر گیری کر سکیں مشنری اسکول کے مطابق مسلم طالب علم نے جواب جوان ہوکر برسر روزگار ہو چکا تھا اپنے والد کو شہر سے دور سرکار کی طرف سے قائم بے سہارا بوڑھوں کے گھر میں داخل کرنے کے لئے گیا اسکی والدہ نے اس کو بہت سمجھایا کہ اس طرح نہ کیا جائے لیکن اس کا اصرار تھا اس طرح ہمیں دی گئی تعلیم و تربیت کے مطابق ہمارے والد کی دیکھ ریکھ کے ملازمین کی طرف سے اچھی خدمت بھی ہوگی چاہے اس کے لئے ماہانہ کچھ فیس ہی کیوں نہ ادا کرنا پڑے اور سب سے بڑھ کر ہمارے گھر سے وہ مستقل بوجھ بھی چلا جائے گا جس پر اب ہوئے خرچ کرنے کے مالی آمدنی یا فائدہ کی کوئی امید نہیں ہے گھر میں تو اسکی صحت اچھی رہتی تھی جب اس

سرکاری بے سہارا گھر میں بوڑھے باپ کو داخل کیا گیا تو غم و پریشانی سے اسکی صحت روز بروز بگڑنے لگی اور چند ہی دنوں میں وہاں پر اس کا انتقال ہوگیا ہندوستان میں ایک اسلامی ادارے کی طرف سے بعض مشنری اسکولوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ ان مشنری اسکولوں میں خود عیسائیوں کی تعداد بیس فیصد سے زائد نہیں ہے ہندو طلباء کا تناسب دس فیصد کے قریب ہے باقی ستر فیصد مسلم طلباء ہیں جنکی اکثریت متمول یا غریب طبقہ سے تعلق رکھتی ہے مالدار والدین اپنے بچوں کو اس لئے یہاں داخل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ان سے کم درجہ کے طلباء کے ساتھ ان کے لڑکوں کا سرکاری یا دوسرے خانگی اداروں میں داخلہ قطع نظر اس کے کہ وہاں تعلیم کا معیار اچھا ہے یا برا ہے انکی توہین کے مترادف ہے ایسے غریب طلباء کی بھی ایک بڑی تعداد ملی جنکے سرپرستوں کی آمدنی انکی ضروریات سے بہت کم تھی لیکن اپنے بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے یا جھوٹی ناموری کی دھن میں انکے والدین نے قرض لے کر اور زیادہ تر چوری یا غبن کر کے ان کو کانوینٹ میں داخل کر دیا ہے یہاں زیر تعلیم بعض مسلم طلباء کی دینی معلومات کا جب جائزہ لیا گیا تو ان کو بائبل کی معلومات قرآن سے زیادہ تھی، گھر میں اردو فارغ اوقات میں خانگی طور پر پڑھنے والے طلباء سے الف، ب، ت سے بننے والے الفاظ پوچھے گئے تو الف سے اللہ کے بجائے انجیل، م سے محمد کے بجائے مسیح اور ک سے کعبہ کے بجائے کلیسا بے ساختہ انکی زبان سے نکل پڑا وہ چرچ کو بیت اللہ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کو صحابہ اور بائبل کو دستور حیات و کتاب مقدس اور اسکے اقتباسات کو آیات سماوی کہہ رہے تھے جب انکے والدین سے مشنری اسکولوں میں انکے بچوں کو داخل کرنے کی وجوہات پوچھی گئیں تو ان کا کہنا تھا کہ وہ ان کو اعلیٰ معیاری تعلیم دلا کر ڈاکٹر، انجینیر اور سائنس داں بنانا چاہتے ہیں ان سے کہا گیا کہ یہ سب ڈگریاں مسلم تعلیمی اداروں میں بھی پڑھ کر حاصل ہو سکتی ہے تو انکو شکایت تھی کہ مسلم اداروں

کا معیار تعلیم پست ہے جب اسکے لئے ثبوت مانگا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ ہر جگہ یہ مشہور ہے ہم نے ہر ایک سے یہی سنا ہے ان سرپرستوں میں سے کسی نے بھی اپنے بچے کو مسلم تعلیمی اداروں میں داخل کر کے بذات خود اس کا تجربہ نہیں کیا تھا مسلم اداروں کے بارے میں اس بدنامی کو پھیلانے میں خود ان مشنری اسکولوں کا ہاتھ تھا حالانکہ تازہ سروے کے مطابق خانگی مسلم تعلیمی اداروں کا معیار تعلیم روز بروز بلند ہو رہا ہے مسلسل محنت و جستجو کے نتیجہ میں بعض شہروں میں مسلم اداروں کا معیار تعلیم بعض مشنری اسکولوں سے بھی بلند ہوگیا ہے، لیکن اس جھوٹ کو نفسیاتی اصولوں کے مطابق بار بار اتنی دفعہ دہرایا گیا کہ یہ جھوٹ بھی سچ معلوم ہونے لگا۔

غرض یہ کہ برصغیر میں ان مشنری اسکولوں نے مسلم طلباء و نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی پیدا کر دی ہے جو بظاہر تو مسلمان ہیں اور نماز، روزہ کے پابند ہیں۔ شناختی کارڈ اور ووٹر لسٹ میں مذہب کے خانہ میں اپنے کو بطور مسلمان ہی درج کرا رہے ہیں لیکن ذہناً و فکراً وہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں یہ وہ طبقہ ہے جو آنحضرتؐ کے پاس گیارہ بیویوں کی موجودگی پر معترض ہے مردوں کے لئے حق طلاق پر غیر مسلموں سے زیادہ انکو اعتراض ہے، اسلام کے قانون وراثت میں تبدیلی کی آواز خود انہی کی طرف سے آرہی ہے مسلمانوں کے لئے تعدد ازدواج کے شرعی حق کو ممنوع قرار دینے کی مانگ میں وہ غیر مسلموں کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آرہے ہیں ملک کی تاریخ میں اورنگ زیب اور سلطان ٹیپو شہید کو یہی مسلم طبقہ متعصب و متشدد کہہ کر ملعون کر رہا ہے عہدوں و مناصب کے لالچ میں اور اپنی کرسی کو بچانے کی فکر میں حکومت کو خوش کرنے کے لئے مندروں میں حاضری اور شرکیہ و کفریہ اعمال و رسومات کی ادائیگی پر بھی اس کو ذرہ برابر عار نہیں ہے یہ سب اسی تعلیم کا غیر شعوری اثر ہے جو آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہا ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا

سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

"یہ ملت کا سب سے خطرناک موڑ ہے، اگر اس طوفان بلاخیز اور فکر ارتداد کی طغیانی کو یہیں روکا نہیں گیا تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اسلام و ایمان کے باقی رہنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے"۔ جب ان مشنری اسکولوں کے اسلام کے حق میں خطرناک عزائم سے آگاہ کیا جاتا ہے تو ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ تعلیم کا مذہب سے کیا تعلق ہے، اعلیٰ و اچھی تعلیم کسی سے بھی حاصل کی جائے اسمیں کیا خرابی ہے، جی ہاں اگر کوئی مخلص ہوکر تعلیم و تربیت کا کام کرے تو کوئی بات نہیں یہاں تو ان مشنری اداروں کے عزائم ہی خطرناک ہیں وہ تعلیم و تربیت کی آڑ میں ان معصوم بچوں کو اسلام ہی سے برگشتہ کر رہے ہیں جدید نفسیاتی تحقیق کے مطابق مصنف و مؤلف کے اخلاق کا بھی اثر جب قارئین پر پڑتا ہے تو کسی استاذ کی ذہانت و کردار کا اثر کیونکر طالب علم پر نہیں پڑے گا، اسلام کی طرف سے نفس تعلیم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ ان اساتذہ و معلمات کی مخالفت کی جارہی ہے جنکی نیتوں میں اسلام کی طرف سے فتور و خرابی ہے، اسلام کسی بھی فن یا علم کے حصول کا مخالف نہیں ہے، آج کے اس ترقی یافتہ دور میں سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے نہ صرف جائز بلکہ ایک حد تک ضروری ہوگئی ہے قرآن کی سینکڑوں آیات کا تعلق آج کے جدید انکشافات سے ہے، علم جغرافیہ و تاریخ کے بغیر پچھلی امتوں کے حالات صحیح طور پر سمجھے نہیں جا سکتے علم ریاضی کے بغیر اسلام کے ایک اہم رکن تقسیم میراث سے واقفیت ہو ہی نہیں سکتی، معاشیات کا علم تو قرآن کے اعجاز کو سمجھنے کے لئے ازحد ضروری ہے، اسلام میں جدید و قدیم کی کوئی تقسیم نہیں یہ علوم تو بہت پرانے ہیں اب صرف نام بدل گئے ہیں تو ہم انکی مخالفت کیونکر کر سکتے ہیں۔ مخالفت اسلام ان عیسائیوں اور یہودیوں کی گود میں اپنی اولاد کو دینے کی کر رہا ہے جو کسی بھی صورت میں ہمارے مخلص اور ہمدرد نہیں ہو سکتے اب تو اچھے اور معیاری مسلم اداروں کا بھی کسی بھی علاقے میں مردنا رونا نہیں ہوسکتا فرض کیجئے کہ ہمارے تعلیمی ادارے ٢٠/ فیصد بن کر معیار سے کم ہی ہیں لیکن وہاں کے معیار میں تو اسلام کا خطرہ ہے، ایمان کے چلے جانے کا غیر شعوری اندیشہ ہے وہاں ١٠٠ فیصد نمبرات سے مسلم بچے کا کامیاب ہوکر ایمان سے ہاتھ دھونے سے اچھا ہے کہ آدمی ناخواندہ ہی رہے اس میں آخرت میں تو کامیابی یقینی ہے، بعض سطحی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھر میں الگ سے ان کی دینی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں انکی نمازوں کا خیال رکھتے ہیں، مسجدوں میں پابندی سے ان کو نمازوں کے لئے بھیجتے ہیں۔ ٹھیک ہے آپ نے ان کے ظاہری ایمان کی نگرانی کی، ان کے قلبی و حقیقی ایمان کی آپ کے پاس کیا ضمانت ہے نماز دل کی پابندی کے باوجود اسلامی قوانین پر ان کو شک نہ ہونے کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے ان کی تعلیم کے اثر سے اسلام کے سلسلہ میں ان کا دل مطمئن ہے اسکی کیا گیارنٹی ہے آپ اگر کہیں کہ ذہنی و فکری ارتداد تو ٢/١ فیصد مسلم طلباء میں ہوتا ہے تو اسکی کیا ضمانت ہے کہ آپ کا بچہ ان ٢/١ فیصد ذہنی مرتدین میں شامل نہیں ہوگا، پھر کیا وجہ تھی کہ تسلیمہ نسرین کے والد عالم تھے سلمان رشدی کا گھرانہ دیندار تھا، جسٹس ہدایت اللہ اسلامی ماحول کے پروردہ تھے، عصمت چغتائی نے ایک دیندار گھرانے میں آنکھ کھولی، خواجہ احمد عباس کا پورا خاندانی پس منظر دینی اعتبار سے قابل رشک تھا محمد علی چھاگلہ، حمید دلوائی، عارف محمد خان، سکندر بخت اور عباس نقوی بھی تو نماز روزے کے پابند بتلائے جاتے تھے لیکن انکے والدین اور گھر والوں کی دینداری و اسلام پسندی بھی ان کو ان کی تعلیم گاہوں کے ناپاک و غیر شعوری اسلام مخالف اثرات سے بچا نہیں سکی جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی اولاد کے ایمان پر مرنے کا یقین نہیں تھا تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے دشمنوں کی گودوں میں پل کر بھی ہماری اولاد دین ہی پر مرے گی، امام بخاری، امام ترمذی جیسے جلیل القدر عالموں کے گھر والوں اور نسلوں میں بھی بے دینی کا سیلاب آسکتا ہے تو ہم جیسوں کا تو خدا ہی حافظ ہے۔

اس وقت سب سے بڑی ضرورت دینی نسلوں میں ایمان کی حفاظت کی تدبیروں کی ہے، اب زبانی مرتدین کا خطرہ تو بہت کم ہوگیا ہے لیکن ایمان ذہنوں سے اس طرح رخصت ہو رہا ہے کہ والدین و سرپرستوں کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا یہ سب ان مشنری اسکولوں کی منصوبہ بند پالیسی کا نتیجہ ہے جو اب آہستہ آہستہ مسلم معاشرے میں ظاہر ہو رہا ہے

آدمی کو معاشرے میں اپنا مقام پیدا کرنے کیلئے اعلیٰ و معیاری تعلیم کی ضرورت نہیں۔ تجربات کی روشنی میں کم درجہ کی تعلیم بھی آدمی کو اسکی محنت اور جدوجہد اور سب سے بڑھ کر توفیق خداوندی سے اونچے سے اونچے مقام پر پہنچا سکتی ہے انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام مسلم دنیا کو ایٹم بم سے واقف کرانے والے ڈاکٹر عبدالقدیر اور اگنی پرتھوی میزائیل کے بانی ڈاکٹر ابوالکلام کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جنمیں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم خود انکے کہنے کے مطابق اردو میڈیم اسکولوں میں ہوئی لیکن یہ لوگ آج بھی عالمی سطح پر سائنس کے میدان میں چوٹی کے عیسائی و یہودی سائنس دانوں کا مقابلہ کر رہے ہیں خود ہندوستان میں سب سے اعلیٰ سرکاری عہدوں آئی اے ایس آئی ایف ایس، آئی پی ایس میں موجود چند مسلم عہدیداروں سے بات چیت کی گئی تو انکی بھی ایک بڑی تعداد اردو میڈیم پاس کرنے والوں ہی کی نکلی، خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کم صلاحیت کے باوجود بھی دنیا میں اپنا مقام پیدا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مسلسل محنت اور جدوجہد سے کام لے اور خدا سے اسکی توفیق بھی مانگتا رہے۔

عالمِ اسلام

کیا یاسر عرفات یہودی ہیں؟

ابوالمعظم

کیا یاسر عرفات یہودی ہیں آنجہانی رابین نے معاہدہ اوسلو پر دستخط کرتے وقت یاسر عرفات سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا کہ مجھے پہلے شبہ تھا کہ آپ کہیں یہودی تو نہیں. لیکن جب سے فلسطین مسئلہ پر آپ کے ساتھ گفتگو شروع ہوئی اس کے بعد سے مجھے یقین ہوگیا کہ آپ مجھ سے بھی زیادہ یہودی ہیں. پھر جب رابین کا قتل ہوا تو یاسر عرفات نے رابین کو شہید امن اور چچا زاد بھائی کے الفاظ سے یاد کیا اور کہا کہ میرا بھی انجام ایسا ہی ہوتا تو اچھا ہوتا. میرا محسن اور میرا دوست مجھے تنہا چھوڑ کر چلا گیا اسی وجہ کے احساسات و جذبات کا اظہار شاہ حسین نے کیا مصر کے حسنی مبارک بھی اس غم میں برابر کے شریک تھے اس حد تک کہ یہودی ٹوپی تدفین کے وقت ان کو اپنے سر پر چپکانی پڑی، موخر الذکر دونوں حضرات کے یہودی ہونے کی بحث یہاں نہیں، اور نہ ہی ہم یہ بتانا چاہتے ہیں، ان دونوں حضرات کے ملکوں میں یہودیوں کے خلاف لکھنا اور بولنا قابل سزا ہے، اور بیت المقدس کے شہر میں امریکی سفارت خانہ کی منتقلی کے فیصلہ پر کسی عرب وزیر نے احتجاج کی آواز بھی نہیں نکالی بلکہ عمان بن اسرائیل کی زیر سرپرستی اقتصادی کانفرنس میں تمام عرب وزراء شریک ہوئے اور اسرائیلی وزراء سے گلے ملے اور ان کے ساتھ تصویریں کھنچوانے میں سبقت کرنے لگے تاکہ وہ اس دنیا سے جاتے وقت بروانۂ مغفرت اپنے ساتھ لے جاسکیں. ان تمام خبروں سے قطع نظر ہم اس سوال پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی یاسر عرفات کٹر یہودی ہیں، کیا ان کی حفاظت پر یہودی محافظ مامور ہیں اور جو لوگ یاسر عرفات مشیر اور دوست واحباب ہیں وہ کون لوگ ہیں اس لئے کہ انسان اپنے ساتھی اور دوست سے پہچانا جاتا ہے.

یاسر عرفات کے مشیروں اور معاونین اور معاہدہ کے دستاویزات تیار کرنے والے فنی ماہرین کے نام اور پتے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں

- حنان میخائیل عشراوی (مسیحیہ، کلیسا کی خدمت خصوصی تمغۂ امتیاز پاپائے روم سے مل چکا ہے فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان رابطہ کا کام ان کے سپرد تھا. فلسطینی وفد کی سرکاری ترجمان سرگرم پروٹسٹنٹ تنظیم کی رکن رکین
- نبیل قسیس (پادری) فلسطینی وفد میں گفتگو کی ترتیب اور تنظیم کے نگراں امریکی اور اسرائیلی یہودیوں سے گہرے روابط.
- عفیف حنا صافیہ (مسیحیہ) پاپائے روم سے تمغۂ امتیاز پائے ہوئے لاطینی امریکہ میں عیسائی مشنریز کی نگراں لندن میں فلسطینی سفارت خانہ کی انچارج.
- یاسر عرفات کی بیوی سُہٰی الطویل (مسیحیہ) شادی سے قبل بطور سکریٹری اور مشیر کے انھوں نے یاسر عرفات کے ساتھ کام کیا، پیرس کی سوربون یونیورسٹی سے فارغ. حیفا کے ایک دولتمند مسیحی مبلغ کی صاحبزادی.
- ابراہام صوص (مسیحی پادری) پیرس میں فلسطینی سفارتخانہ کے انچارج، میرا یہودی دوست نامی کتاب کے مصنف سُہٰی کی بہن سے شادی کی پیرس میں متعدد شراب خانے اور عریاں کلب کے مالک ہیں.
- زُہولی الطرزی. ویٹیکن سٹی کی طرف سے مسیحی خدمت پر تمغۂ امتیاز پائے ہوئے جنیوا میں فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان غیر رسمی بات چیت ان کی نگرانی میں ہوتی تھی.
- اوجین مخلوف (مسیحی) سویڈن میں فلسطینی سفارت خانہ کے انچارج متعصب عیسائی مبلغ افریقہ میں کام کرنے والی عیسائی مشنریز کے نگراں ومنتظم پاپائے روم کے دباؤ پر لبنان کی شہریت ان کو دی گئی.
- عماد شعقور (مسیحی) تحریک آزادی فلسطین کی انقلابی مجلس کے اہم رکن. یاسر عرفات کے سفر وحضر کے ساتھی اسرائیل کے ساتھ خفیہ گفتگو کے ذمہ دار متعدد فلسطینی ویہودی کمپنیوں کے مالک، تحریک فتح کے بعض ارکان نے عماد پر چھ بلین ڈالر کے گھپلہ کا الزام لگایا تھا
- ریمنڈ الطویل. یاسر عرفات کی خوشدامن لاطینی امریکہ میں فلسطینی امور کی انچارج پاپائے روم نے یاسر عرفات سے کہہ کر انھیں سفارت خانہ کا انچارج بنوایا.
- جارج سالم (مسیحی) حنان عشراوی کے ماموں. امریکی شہری اور امریکی حکومت کے ملازم فلسطینی امریکی گفتگو میں دستاویزات یہی حضرت تیار کرتے تھے.
- ایلی خبر (مسیحی) کناڈا میں فلسطینی پناہ گزینوں کے انچارج، فرانسیسی کلیسا کے مبلغ عبرانی زبان کے ماہر
- نیر بد صائغ (مسیحی) ترکی میں عربوں فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان گفتگو کے انچارج.
- شوقی ارملی (مسیحی) فرانسیسی کلیسا کے مبلغ، بلجیم میں یورپی مشترکہ منڈی میں فلسطینی وفد کے نمائندہ
- رمزی خوری (مسیحی) مسیحی مبلغ یاسر عرفات کے آفس انچارج.
- کمیل منصور (مسیحی) فلسطینی وفد کے قانونی مشیر

یاسر عرفات کے سکریٹریٹ میں ملازمین سے کے انچارج ہیں۔ ان ملازمین کی ترقی و تنزلی کے مدارالمہام

یاسر عرفات کے ان تمام مشیروں میں وہ لوگ ہیں جو صلیب کی خدمت پر انعام پائے ہوئے ہیں سے دیگر یاسر عرفات بھی نام کے مسلمان رہ گئے تھے۔ جن کی نصف بہتر نے یاسر کو آدھا مسلمان باقی رکھا۔ اب اس نصف کو بھی اسحٰق رابن جیسے کٹر یہودی نے یہودی ہونے کی شہادت دیدی۔

والفضل ما شهدت به الاعداء

یاسر عرفات کو اب تک کیوں زندہ رکھا گیا۔ بارہا موساد کے قاتل دستوں نے گرفت میں آنے کے باوجود کیوں زندہ چھوڑ دیا جبکہ قضیہ فلسطین کے کرتا دھرتا اور روح رواں بیس فلسطینی رہنماؤں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا اس کی داستان آج سے تین سال قبل امریکی رسالہ ٹائم میں شائع ہوئی تھی۔

ٹائم کی خاتون نامہ نگار نعیم قدرس نے یاسر عرفات کی حفاظت کے عنوان سے اپنے ایک تجزیاتی مضمون میں لکھا تھا کہ عام طور پر یہ سوالات کئے جا رہے ہیں کہ اسرائیلی خفیہ سروس موساد نے اب تک چن چن کر اپنے تمام دشمنوں کو کیفر کردار تک پہونچا دیا ہے لیکن اصل دشمن یاسر عرفات کو اس نے اب تک چھوڑ رکھا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یاسر عرفات اتنے چوکنا اور ہوشیار رہتے ہیں کہ ہر وقت وہ اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں اور محافظ بھی لیکن ایسی بات نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مسئلہ فلسطین پر گفتگو سے پہلے چار بار یاسر عرفات موساد کے قاتل دستوں کے نشانے پر آ گئے تھے، لیکن جب بھی اسرائیلی حکومت کے اعلیٰ ذمہ داروں سے سبز جھنڈی دکھانے کے لیے کہا جاتا وہاں سے احکامات فرماتے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔

دسمبر ۱۹۶۷ء کے اواخر میں موساد کو خاص ذرائع سے معلوم ہوا کہ یاسر عرفات فلسطینی مشہد کرم اللہ میں موجود ہیں خفیہ پولیس کے لوگ اس گھر تک پہنچ بھی گئے جہاں یاسر عرفات موجود تھے لیکن وہ آسانی سے بھیس بدل کر نکل گئے۔ یا نکال دیئے گئے۔ لیکن ۱۹۷۳ء میں جب میونخ میں گیارہ اسرائیلی کھلاڑیوں کا قتل ہوا تو اسرائیلی حکومت کا نقطہ نظر یاسر عرفات کے سلسلہ میں بدل گیا۔ اس مقصد کے لیے گولڈ کا ئر نے ایک خاص کمیٹی کی تشکیل جس کا مقصد فلسطینی قیادت کو ختم کرنا تھا جن کی تعداد سولہ تھی، کمیٹی میں یاسر عرفات کو بھی ٹھکانے لگانے کی بات آئی آخر میں وزراء نے کہا کہ چونکہ ہمیں کوئی دلیل یاسر عرفات کے ملوث ہونے کی نہیں ملی ہے اس لئے ان کو اس فہرست سے خارج کر دیا جائے۔

۱۹۷۳ء میں بلیک ستمبر کی جانبازوں نے لیڈرڈ میں موساد کے ایک بڑے افسر کو قتل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تو پھر یاسر عرفات زیر بحث آئے لیکن ہر بار اسرائیلی حکومت کے ذمہ داروں نے ان کو قتل کرنے سے منع کر دیا یہاں تک کہ سولہ کے سولہ فلسطینی قیادت کے چوٹی کے ارکان کا صفایا ہو گیا یہ سب مسلمان تھے تیسری بار بیروت کا محاصرہ جب اسرائیلی فوج نے ۱۹۸۲ء میں کیا تو موساد کے قاتل دستوں نے یاسر عرفات کا سراغ لگا کر انھیں اپنے نشانہ پر رکھ لیا، آخری احکام کے لئے جب فوجی ہیڈکوارٹر سے رابطہ قائم کیا گیا۔ تو وہاں سے نفی میں جواب آیا۔ اس لئے کہ اسرائیلی وزیر اعظم مناحم بیگن یاسر عرفات کے باقی رکھنے کے سلسلے میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان کو زندہ رکھنے میں ہمارا قومی مفاد پوشیدہ ہے۔ بیروت سے جب سمندری راستے سے یاسر عرفات اپنے حامیوں کے ساتھ امریکی بحریہ کی حمایت میں نکل رہے تھے تو چوتھی بار صرف دو سو میٹر کے فاصلے پر موساد کے قاتل دستوں سے دور تھے۔ قاتل نے کہا کہ اس بار تو اطمینان سے اپنے دشمن کو یقینی طور پر قتل کر سکتا ہوں لیکن یہ قتل بھی نہ ہو سکا مناحم بیگن نے دوسری بار اپنے وزراء کی مجلس میں کہا کہ یا[سر عرفات] کو باقی رکھنے میں ہمارا فائدہ یہ ہے کہ اگر ان کو ق[تل] کر دیا گیا تو کوئی ایسا شخص آئے گا جو کٹر مسلم[ان ہوگا] اس سے معاملہ آسان نہ ہوگا۔ ان دنوں یاسر عر[فات] کے جانشینوں میں ابوجہاد (خلیل الوزیر) کا نام [لیا] جاتا تھا، جن کی اسلامیت معروف و مشہور تھی [مو]ساد نے ان کو بھی راستہ سے ہٹا دیا۔ پھر دو[سرے] نمبر پہ فاروق قدومی کا نام لیا جاتا تھا انھوں [نے] اسرائیل کے ساتھ معاہدہ کے بنیادی امور پر س[خت] اعتراضات کئے تھے۔ اسرائیلی نقطہ نظر سے فاروق [قدومی] تشدد اور فنڈامنٹلسٹ حلقوں کی نمائندگی کرتے ہے[ں] اور ان کے اخلاقی اثرات فلسطینیوں پر غیر معمولی ہ[یں] اپنی طاقتور شخصیت کی وجہ صیہونیوں کے خلاف عامہ ہموار کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

۱۹۸۵ء میں یاسر عرفات کے بعض محافظو[ں نے] قبرص میں ایک بحری جہاز پر حملہ کرکے تین یہودیو[ں کو] قتل کر دیا تھا۔ اس کے انتقام میں چھ اسرائیلی جہاز نے تونس میں فلسطینی دفاتر پر فضائی حملہ کیا جس میں فلسطینی قیادت کے مردان کار کام آئے اس موقع [پر] علم کے باوجود یاسر عرفات کی قیام گاہ کو نظر انداز [کیا] گیا: اس وقت بھی شمعون پیریز نے (جو وزیر خارجہ اور اس حملہ کے انجینئر اور بانی تھے)، یہی کہا تھا کہ یا[سر عرفات] کی بقاء و حفاظت ہمارے قومی مفاد کا بنیادی تقاضہ اور یہ قومی مفاد اس وقت پورا ہوا جب اسرائیل کے مطابق معاہدہ ہو گیا۔ رابین نے کہا کہ ہم تو اس کا ت[صور] بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اتنی آسانی کے ساتھ ہم کو ہم[ارا] ملک مل جائے گا۔ ہم اس کے لئے یاسر عرفات کے شکر گذار ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ مخلص یہودی ہیں۔

ایک یاسر عرفات ہی نہیں کہ اور لسٹ کے منا[فق] ہیں۔ اس حمام میں صدام، قذافی اور دیگر بھی بہتیر[ے]

(باقی صلا پر)

مولانا عبداللہ حسنی ندوی

تم نے تو پوری عمر ڈبوئی

ترجمہ: محمد مسعود عزیزی

ایک شخص امریکا کے سفر کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوا جب کشتی چلی تو تھوڑی دیر کے بعد اسکو معلوم ہوا کہ یہ کشتی جاپان یا جرمنی کی طرف جارہی ہے اس نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خرید رکھا تھا اور جہاز راں کمپنی اس کے ساتھ امن وآشتی، محبت واخوت کا معاملہ کر رہی تھی اور اس کو کشتی میں خواہش کے مطابق ہر چیز مہیا تھی لیکن ان تمام سہولیات کے باوجود وہ انشراح نفس قلبی راحت اور دماغی تسکین محسوس نہیں کر رہا تھا کیونکہ اس کو جانا تھا امریکہ اور وہیں اس کا دل اٹکا ہوا تھا اور کشتی کا رخ دوسری طرف تھا جہاں اس کے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

یہی قصہ آج انسان کا ہے۔ انسان جس کشتی پر سوار ہے وہ بہت بڑی ہے اس کے چاروں طرف فرنیچر ہے اس کے تمام کمرے ایرکنڈیشن (A.C) ہیں غرض کہ عیش وآرام اور راحت ومستی کے تمام وسائل اس میں موجود ہیں اور اس کا خاندان بھی اس کے ساتھ اس میں سوار ہے وہ اس سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اپنے آپ کو تسلی واطمینان دلا رہا ہے مگر جب وہ اپنے کمرہ سے باہر آتا ہے اور سمندر کی موجوں اور اس کی تیز وتند لہروں کا یکبارگی مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر اپنی جان کی ہلاکت کا قلق خوف وہراس اور رنج وغم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے تو وہ اپنی بزم عیش (CABINET) میں لوٹ آتا ہے تاکہ اس خوف وغم کو بھول جائے جس نے اس کو لرزہ براندام کر دیا اور جس کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس جاتے رہے۔

اور جب بھی اس کو معلوم ہوتا ہے کہ کشتی برابر ساحل سے دور ہوتی جارہی ہے اور جس سمت اس کو جانا ہے کشتی اس کی مخالف سمت کو رواں دواں ہے تو اس پر بے چینی واضطراب کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور حیرت وپریشانی اور خوف ودہشت میں ڈوب جاتا ہے بس پھر وہ اس پریشانی وقلق کے ختم کرنے میں اپنی محنت وکوشش کے ایسے مختلف وسائل کو کام میں لاتا ہے جو کانٹے سے کانٹا نکالنے کے مرادف ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ تمام مسکرات اور نشہ آور چیزوں کو استعمال کرتا ہے، نفس کی تسلی، ذہن کی پریشانی اور کلفت وبے چینی کو دور کرنے کے لئے خواہشات وشہوات کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔ نتیجۃً اس کی پریشانی واضطراب دوچند ہو جاتا ہے بالکل اس شخص کی طرح جس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو، اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا کہ ہم پورے مطیع ہو جائیں۔ یہ انسان جس نے ستاروں پر کمند ڈالی سمندروں اور دریاؤں پر حکومت کی۔ جنگلوں اور صحراؤں کی خاک چھانی اور ایجادات واختراعات کی دنیا میں بہت دور نکل گیا۔ تسکین دل خوشحالی اور اپنی حیوانی خواہشات کی آگ بجھانے کے لیے اس نے اس عروج وارتقاء کا غلط استعمال کیا۔

اس لئے وہ فضا میں اڑنے والے پرندوں اور سمندروں میں تیرنے اور اس کی تہ میں پہونچنے والی مچھلیوں کی طرح ہو گیا۔ اور اس نے ان تمام جدید علوم کو حاصل کیا جن کی فہرست بہت طویل ہے لیکن وہ اس دنیا میں ایک انسان کی طرح زندگی گذارنے کا طریقہ نہیں سیکھ سکا اور نہ ہی ان صفات سے متصف ہو سکا جن سے متصف ہونا اس دنیا میں ضروری ہے تاکہ وہ جان لے اللہ کے اس راستہ کو جس کو انبیاء ورسلین نے دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس منزل کی طرف رخ کرے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اس لئے کہ جب تک وہ اپنے راستہ کو درست نہ کر لے اور اپنی منزل ومقصد کو نہ پہچان لے اور انسانی معاشرہ میں زندگی گذارنے کا طریقہ اور اس میں رہنے سہنے کا طریقہ نہ سیکھ لے۔ وہ پرسکون ومطمئن اور انشراح صدر واطمینان قلب کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتا، کیوں کہ انسانی معاشرہ میں رہنے سہنے کا سلیقہ اور مستقبل کے لیے کسی قسم کی تیاری کئے بغیر ان کا ان علوم وفنون اور TECHNOLOGY میں منتہاء کمال کو پہونچ جانا ان کے لئے قطعاً بے سود ہوگا۔ اور کوئی نقصان حاصل نہیں ہوگا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے اس کیفیت کی تصویر اور منظر کشی ایک قصہ کی شکل میں بہت ہی عام فہم انداز میں اور اس سے ایک حکمت اور دقیق نکتہ نکالا۔ وہ فرماتے ہیں:

"راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلباء تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کچھ کام نہ تھا۔ یہ نوعمر طلباء خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرہ بازی، مذاق وتفریح طبع کے لئے بے حد موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز وطرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟"۔ ملاح نے جواب دیا۔ "میاں میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں"۔ صاحبزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی

ملاح نے کہا "میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سُنا۔"

دوسرے صاحبزادے بولے "جامیٹری اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟" ملاح نے کہا "حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔"

اب تیسرے صاحبزادے نے شوشہ چھوڑا "مگر آپ نے جغرافیہ اور ہسٹری تو پڑھی ہی ہو گی؟" ملاح نے جواب دیا "سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟" ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا، پھر انھوں نے پوچھا "چچا میاں تمھاری عمر کیا ہوگی؟" ملاح نے بتایا "یہی کوئی چالیس سال" لڑکوں نے کہا "آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں" ملاح بیچارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا، اور چپ سادھ لی، قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آگیا موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں۔ اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی، تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا۔ ان کے اوسان خطا ہو گئے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا "بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟" لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے، اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی اور جب وہ بھاری بھرکم پسندیدہ نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا "ٹھیک ہے یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارے کیسے پہونچ سکو گے؟" لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا "چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہم اسے نہیں سیکھ سکے"

لڑکوں کا جواب سُن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا "میاں میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کام نہ آئیگا۔ آج پیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے۔ اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔"

یہ تعبیر ان ترقی یافتہ اور مہذب قوموں کا ہے جو علوم و فنون کا انسائیکلو پیڈیا (ENCYCLOPAEDIA) صنعت و حرفت کا مخزن اور ایجادات و انکشافات میں سارے عالم کے پیشوا بنے ہوئے ہیں

لیکن اس ضروری علم سے ناواقف ہیں جو علم خالق حقیقی اور اس کی معرفت تک پہونچاتا ہے اور وہ علم جس کے ذریعہ سے انسانی کنبہ کو نجات حاصل ہوتی ہے اور جو سلامتی اور منزل مقصود تک پہونچانے کا ضامن ہے اور جو نفسیات و خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے اور نفس پرستی و تمناؤں کو زیر کرتا ہے اور جو علم اخلاق کی اصلاح کرتا ہے اور مہذب بناتا ہے اور جو انسان کو برائی سے روک کر بھلائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ اور اس میں خوف خداوندی سما جاتا ہے، جس کے بغیر معاشرے کی اصلاح اور تہذیب و تمدن کی بقا ممکن ہی نہیں اور جو علم انسان کو آخرت کے لئے زاد راہ اور قیامت کے دن کی تیاری کرنے کے لئے ابھارتا ہے، انانیت و تکبر، بڑائی اور خود ستائی و دنیاوی ساز و سامان کی حرص و طمع کو کم کرتا ہے اور جو علم انسان کو میانہ روی اور کفایت شعاری کا خوگر بناتا ہے اور اس کو غیر مناسب جگہوں پر قوت کو صرف کرنے سے روکتا ہے، انسانوں کو انسانوں کی طرح رہنا اور پیار و محبت کا سبق سکھاتا ہے۔

یہی معاملہ آج ہر معاصر قوم کا ہے جو گم گشتہ راہ ہے جس کو اس زندہ و جاوید اور ہمیشہ باقی رہنے والے دین اور عالمگیر دین ہی کے ذریعہ راہ پر لانا ممکن ہے۔

دعائے مغفرت: معہد دار العلوم کے طالب علم فدا حسین، دلشاد حسین کے دادا حاجی بخش (شیر کوٹی) ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نیک سادہ مزاج اور ملنسار تھے، قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

دوسری قسط

پروفیسر وصی احمد صدیقی

خاندان

محمد ذوالنفس الزکیہ شہیدؒ کی بارہویں پشت میں سید قطب الدین محمد الحسنی ایک عالم و عارف بزرگ تھے آپ خواب میں حضورؐ کے ارشاد پر غزنی کے راستے سے ایک بڑی جماعت کے ساتھ برائے جہاد دہلی تشریف لائے۔ قنوج، مانک پور اور کڑا پر حملہ کرکے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ دہلی میں مدت تک شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے اور ٩٦ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سید نظام الدین نے ایک فرزند یادگار چھوڑا۔ سید رکن الدین آپ ہی حضرت شہید کے مورث ہیں اس خاندان کے قاضی سید محمود جائس سے نصیر آباد تشریف لائے اور وہی اس خاندان کا وطن قرار پایا۔ ان کے صاحبزادے مقدمہ میں ایک فریق کے زبان سے "ازچنیں حکم شرع بیزارم" سن کر ترک وطن کرکے رائے بریلی تشریف لائے۔ آپ کے فرزند سید محمد معظم نے دو نامور فرزند چھوڑے سید محمد اسحٰق، سید محمد فضیل، سید محمد فضیل کے دو صاحبزادے تھے۔ حضرت شاہ داؤد اور حضرت سید شاہ علم اللہ۔

حضرت سید شاہ علم اللہ

آپ کے والدین کا آپ کی صغرسنی میں انتقال ہوگیا۔ ماموں سید ابو محمد نے پرورش کی اور تعلیم اپنے چچازاد بھائی دیوان خواجہ احمد سے حاصل کی ماموں نے ملازمت کی کوشش کی لیکن دنیا طلبی سے دل برداشتہ تھے حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ اعظم حضرت سید آدم بنوری سے بیعت کی اور خلافت و نیابت سے سرفراز ہوئے حضرت نے وطن کی طرف رخصت کیا اور مراقبہ سے پتہ چلا کر ارشاد فرمایا کہ اودھ کے اولیا اور عالی ہمت لوگوں میں تم ستاروں میں چاند کی طرح ہو گئے۔

حضرت آدم بنوری نے ہجرت کی اجازت دی لیکن کہا کہ راہ میں اگر کوئی مرد خدا تمہیں روکے تو رک جانا راہ میں ایک خدا رسیدہ بزرگ شاہ عبدالشکور مجذوبؒ نے شیخ کا قول یاد دلاکر رائے بریلی میں روک لیا آپ نے دو مرتبہ حج کیا دوسرے حج کی واپسی میں کعبے کا نقشہ ساتھ لائے اور سئی ندی کے کنارے اپنے اور اپنی اولاد کے ہاتھ سے خدا کا گھر تعمیر کیا، جس کی بنیادوں میں آب زمزم ڈالا اور اپنی اولاد کو وہیں آباد کیا۔ اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو یہاں اس لئے ٹھہرایا ہے کہ یہ نماز قائم کریں ١٠٩٦ھ میں عالمگیر کے عہد میں ٦٣ سال کی عمر میں وفات پائی اور مسجد کے جنوب مشرقی گوشہ میں مدفون ہوئے۔ انتقال کی شب عالمگیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرتؐ نے آج رات وفات پائی۔ عالمگیر کو بہت تشویش ہوئی پتہ چلا کہ اسی شب شاہ صاحب نے انتقال فرمایا تھا۔ شیخ عبدالحمید ابدال (ایک معاصر بزرگ) فرماتے تھے کہ اتباع سنت میں اس زمانہ میں حضرت کی کوئی مثال نہیں۔ حد درجہ متواضع اور سادہ تھے۔ حویلی کی کرسی بلند کرنے کے لئے ایک مخلص نے ٥٠٠ روپئے بھیجے۔ آپ نے صاحبزادوں اور ساتھیوں کی مدد سے حویلی تعمیر کی اور مزدوری دی۔

شاہ صاحب کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے عمل تھا۔ شاہ پیر محمد صاحب جیسے بزرگ کو گلے کی مالا اور گلابی رنگ کے لباس پر ٹوکا اور شاہ صاحب نے جو کہ اولیائے کاملین میں سے تھے اعتراض کو قبول کیا۔

فرماتے تھے کہ عمل کے لئے مجتہدوں کا قول درکار ہے۔ بزرگوں کا عمل نہیں۔ اپنے محبوب فرزند سید ابو حنیفہؒ کی رحلت پر آپ نے جو صبر و استقامت کی مثال دی۔ اسکی نظیر نہیں ملے گی۔

حضرت کی اولاد میں جلیل القدر مشائخ اور مقبول اولیا تسلسل اور کثرت سے ہوئے آپ کے چار صاحبزادوں میں ایک حضرت سید آیت اللہ تھے ان کے فرزندوں میں سید محمد ضیاء کے بیٹے حضرت شاہ ابو سعید صاحب۔ — حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خلیفہ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے نانا تھے۔

اس خاندان کے بزرگوں نے ہمیشہ جہاد میں حصّہ لیا۔

حضرت سید احمد ہدیٰ آپکے دوسرے صاحبزادے اور سید صاحب کے پردادا تھے۔ بڑے متوکل اور بے حد سخی تھے۔ پختہ مکان نہیں بنوایا۔ لشکر کے ساتھ دکن تشریف لے جارہے تھے، برہانپور میں انتقال ہوا جسد مبارک رائے بریلی میں لایا گیا۔ اور حضرت شاہ علم اللہ کی مسجد میں مدفون ہوئے۔ آپ کے بڑے فرزند سید محمد نور تھے جو اپنے والد کی صفات رکھتے تھے اکل حلال کا بے حد اہتمام رکھتے تھے۔ ٩ ربیع الاول ١١٤٣ھ میں انتقال فرمایا اور نصیر آباد میں مدفون ہوئے۔

سید شاہ ابو سعیدؒ: سید صاحب کے نانا اپنے زمانے کے

جلیل القدر مشائخ میں تھے۔ آپ کی نسبت بڑی قوی اور آپ کی صحبت بڑی مؤثر تھی آپ کے کمالات اور معارف کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بیچ آئے گئے۔

حضرت سید محمد عرفانؒ اور ان کی اولاد

آپ سید محمد نورؒ کے بیٹے اور سید صاحبؒ کے والد تھے نہایت متوکل اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ ۱۲۱۳ھ میں لکھنؤ سے وطن آرہے تھے۔ راستہ میں انتقال ہوا نعش رائے بریلی لائی گئی۔ حضرت شاہ علم اللہ کی مسجد میں مدفون ہوئے۔

پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے سید شاہ ابوسعیدؒ کی صاحبزادی سے عقد ثانی کیا۔ ان سے تین صاحبزادے سید محمد ابراہیم، مولانا سید محمد اسحٰق اور حضرت سید احمد اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

حضرت سید احمدؒ کے ابتدائی حالات

سید شاہ علم اللہ کے اس دائرے میں جو اب تکیہ کے نام سے مشہور ہے، صفر ۱۲۰۱ھ میں حضرت کی ولادت ہوئی آپ کا سلسلۂ نسب ۳۵ کڑیوں میں حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے ملتا ہے حضرت حسن مثنیٰ جو اس سلسلہ کی ۳۴ ویں کڑی ہیں۔ ان کی شادی شہید کربلا کی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے ہوئی تھی اس لئے اس خاندان کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے۔

بچپن میں آپ کی توجہ تعلیم پر نہیں تھی۔ مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا شوق تھا بڑے ہوکر آپ کو خدمت خلق کا ایسا ذوق ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ حیران رہ گئے۔ اسی کے ساتھ آپ کو عبادت اور ذکر الٰہی کا بے حد ذوق تھا۔ آپ کو والدہ بھی حضرت اسماء کی طرح ملی تھیں۔ ایک لڑائی میں بڑی خوشی سے رخصت کیا۔ اور فرمایا خبردار پیٹھ نہ دکھانا۔

سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے، تیرنے اور پانی میں ٹھہرنے کی بڑی مشق بڑھائی تھی، سخت بہاؤ میں بہاؤ کے خلاف تیرتے تھے۔

سفر لکھنؤ

آپ کی عمر اٹھارہ ۱۸ برس کی تھی جب آپ اپنے کچھ رفیقوں کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے، یہ زمانہ نواب سعادت علی خاں کا تھا سیاسی اور معاشی حیثیت سے ملک و اہل ملک سخت ضبط میں تھے۔ اور پریشانی عام تھی۔ سید صاحب ایک نواب سے جو سادات سے نہایت محبت و اعتقاد رکھتے تھے متعلق ہوئے اور اپنے ساتھیوں کے بہت کام آئے۔ ایک سفر میں جو تین ماہ تک جاری رہا۔ بے حد پریشانی اٹھانی پڑی۔ سید صاحب نے ساتھیوں کو سمجھایا کہ اس دنیا پر خاک ڈالو اور میرے ساتھ دہلی شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کی خدمت میں چلو، ساتھیوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔

آپ اکیلے ہی دہلی روانہ ہوئے، ساتھیوں نے سمجھا کہ شاید کوئی جنگل میں حادثہ پیش آیا، راستہ میں ایسے واقعات پیش آئے جو ان کی بزرگی اور علوئے ہمت کے شاہد ہیں، اپنے والد کے ایک مرید کے انتظام سے دہلی پہنچے۔

شاہ عبدالعزیزؒ سے ملاقات

شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے مصافحہ اور معانقہ کیا، حضرت نے اپنا تعارف کرایا۔ اور جب سید ابوسعید صاحب اور سید نعمان صاحب کا حوالہ دیا تو شاہ صاحب نے دوبارہ مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ کا فضل اگر شامل حال ہے تو اپنے ددھیال اور ننھیال کی میراث تم کو مل جائے گی پھر مولوی عبدالقادر صاحب کے پاس بھیجا اس بڑی بارگاہ میں بھی سلام مسنون کا رواج نہ تھا حضرت کے سبب سے شاہ صاحب نے حکم دیا کہ سلام بطریق مسنون کیا جائے آپ شاہ عبدالعزیز صاحب سے تین سلسلوں، چشتیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ تصور شیخ کو حضرت نے بت پرستی قرار دیا اور شاہ صاحب نے شعر پڑھا۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (حافظ)

حضرت کو اطمینان نہیں ہوا حضرت نے فرمایا کہ شرک کی کسی طرح ہمت نہیں ہوتی ہاں اگر آپ کتاب و سنت اور اجماع امت سے کوئی سند لائیں تو خطرہ دور ہو سکتا ہے، شاہ صاحب بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ولایت انبیاء سے نوازا۔ پھر شاہ صاحب نے سادہ اور مطلق ولایت اور ولایت انبیا کا فرق بتایا، بیعت و تلقین کے بعد شاہ صاحب نے ہدایت دیکر رخصت کیا۔ شاہ عبدالقادرؒ نے بھی ایک مدت تک آپ کو سلوک کی تعلیم و تربیت فرمائی۔

ایک روز سید صاحب نے دیکھا کہ کتاب پڑھتے وقت سارے حروف غائب ہو جاتے ہیں شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

اس دوران میں بے حد باطنی ترقیات حاصل ہوتی رہیں ایسے واقعات گذرے جو ان کے بے حد عالی درجات پر گواہ ہیں رمضان کی ستائیسویں شب کو سوگئے۔ تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا، دائیں طرف سرکار دو عالمؐ تھے۔ بائیں طرف حضرت صدیقؓ تھے اور استغراق کا حال آپ کو حاصل ہوا۔ اسی طرح ایک رات خواب میں حضرت علیؓ اور زہراؓ کو دیکھا حضرت علیؓ نے نہلایا

اور حضرت فاطمہؓ نے لباسِ خاص آپ کو پہنایا۔ اس کے بعد سے طریق نبوت کے کمالات آپ پر ظاہر ہونے لگے۔

رائے بریلی میں واپس تشریف لائے آپ نے سید محمد روشن کی صاحبزادی بی بی زہرا سے نکاح کیا ۱۲۲۲ھ میں آپ کی بڑی صاحبزادی بی بی سارہ پیدا ہوئیں۔

دہلی کا دوسرا سفر

آپ ۱۲۲۶ھ میں دوبارہ دہلی تشریف لے گئے اور طاقتوں کی طرح روہیلکھنڈ کے افغانوں نے بھی اپنا مقام بنایا تھا۔ ان کے سردار سنبھل کے امیر خان تھے جو سالار زئی پٹھانوں کے خاندان کے تھے۔ بے حد بہادر تھے مگر اولوالعزمی اور دوربینی سے کام نہیں لے سکے ان کی فوجی طاقت سے مرہٹہ سرداروں اور راجپوت رئیسوں نے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ سید صاحب امیر خاں کے لشکر میں شامل ہوگئے وہاں آپ کی شہرت مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات کی ہوتی۔ اپنی سپاہیانہ زندگی میں آپ اصلاح وارشاد میں مشغول رہے۔ لشکر میں آپ سے بڑی کراماتیں ظاہر ہوئیں چودہ سال تک حضرت امیر خاں کے ساتھ رہے۔ یہ رفاقت سخت مجاہدہ، جفاکشی اور بلند ہمتی کو چاہتی تھی، سیّد صاحب نے اس کا حق ادا کیا۔

انگریزوں نے نواب کو پیغام بھیجا کہ آپ اتنے روپئے اور ملک لے کر تاخت وتاراج سے باز آیئے۔ ہلکر نے جب انگریزوں سے مصالحت کا فیصلہ کیا تو نواب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ نواب نے اس کی مخالفت کی اور اپنا پلان بتایا کہ وہ شجاع الملک کو لا کر اور رنجیت سنگھ سے مدد لے کر انگریزوں کو نکالنا چاہتے تھے۔ مہاراج نے کہا کہ رنجیت سنگھ میں ہمت نہیں اور شجاع الملک والی کابل کا آنا بہت مشکل ہے نواب نے کہا کہ میں اپنے ہم وطن ہم قوم پٹھانوں کو جمع کروں گا اور لاکھوں یوسف زئی ساتھ لے کر لوٹوں گا۔

انگریز طاقتوں اور ریاستوں کو توڑتے رہے حالات ایسے نازک ہوگئے کہ نواب کو ان سے صلح کرنی پڑی نواب کی تیس سالہ فوجی سرگرمیاں ختم ہوگئیں اور ریاست ٹونک کی بنیاد پڑگئی۔ فوج منتشر ہوگئی۔ توپ خانہ اور رسد وسامان انگریزوں نے خرید لیا۔ یہ صلح بہت توہین آمیز شرطوں پر ہوئی اور بہت صیغۂ راز میں ہوئی سید صاحب اس صلح کے مخالف تھے مگر نواب پر افسردگی اور پست ہمتی طاری تھی۔ سیّد صاحب نے لشکر سے مفارقت اور دہلی کو واپس آجانے کا فیصلہ کیا۔ نواب نے آبدیدہ ہوکر رخصت کیا اور صاحبزادہ وزیر خاں کو ہمراہ کیا۔

دہلی کا تیسرا سفر اور دوآبہ کا تبلیغی دورہ

۳۲ سال کا یہ جواں سال شیخ سلوک وتربیت اور حقائق ومعارف الٰہیہ میں درجہ امامت کو پہنچ چکا تھا۔ دہلی پہونچنے سے ایک ہفتہ قبل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرتؐ جامع مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اور انھیں عصائے مبارک دے کر فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور آنے والوں کو میری اجازت سے اندر بھیجو۔ شاہ صاحب نے تعمیل کی اور ہزارہا بندگان خدا نے حضور کی زیارت کی۔

شاہ صاحب نے حضرت شاہ غلام علیؒ خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں سے اس کی تعبیر پوچھی۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کے یا آپ کے کسی مریدِ رشید کے ذریعہ رسول صلعم کی ہدایت وفیض کا سلسلہ جاری ہوگا۔ ایک ہفتہ کے بعد سید صاحب دہلی تشریف لائے حسب معمول اکبرآبادی مسجد میں قیام فرمایا اور لوگوں کا رجوع شروع ہوا۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب جو شخص صاحب استعداد اور توجہ وافادہ باطنی کا طالب ہوتا اُسے سید صاحب کے سپرد کر دیتے۔

مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیل صاحبؒ جن کو شاہ صاحب نے تاج المفسرین، فخر المحدثین، سرآمد علمائے محققین کا خطاب دیا۔ انھوں نے بیعت کی درخواست کی اور سلک بیعت میں منسلک ہوگئے۔ مولانا کرامت علی صاحب نے بیعت کا واقعہ مولانا عبدالحیؒ کے حوالے سے بڑے لطف سے بیان کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اس کے بعد جوق در جوق علماء فضلاء وصالحین بیعت ہونے لگے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد اسحٰق ملنے تشریف لائے اور واپسی میں بتایا کہ کیا رتبہ اُن کو ملا ہوا ہے۔ اُن کا علم وہبی ہے۔

دن بدن آپ کی مقبولیت وشہرت بڑھتی گئی باہر سے کثرت سے دعوت نامے آنے شروع ہوئے۔ سیّد صاحب نے شاہ صاحب سے رجوع کیا انھوں نے اپنا لباس خاص پہنایا اور بڑی خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔

دہلی سے چل کر پہلی منزلِ غازی الدین نگر میں ہوئی۔ بکثرت آدمیوں نے روحانی فیوض اور باطنی توجہات سے نفع حاصل کیا پانچ دن قیام کر کے حضرت مرادنگر اور میرٹھ تشریف لے گئے سربرآوردہ لوگ اور ہر طبقہ کے لوگ حاضر ہوئے۔ لوگوں کے بیعت سے سر اٹھانے کی مہلت نہیں ملتی تھی پھر حضرت سردھنہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے بڑھانہ۔ اسی طرح راستہ کی منزلیں طے کرتے ہوئے اور لوگوں کو ہدایت دیتے ہوئے حضرت پھلت پہونچے۔ وہاں سے مظفر نگر اور پھر دیوبند دس دن دیوبند میں قیام رہا۔ وہاں سے سہارنپور پہنچے گروہ در گروہ حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوتے۔ موضع چلکانہ کا ایک شیعہ مذہب شریف زادہ سید رستم علی تین چار دن آپ کے رفیق مولانا عبدالحیؒ کے وعظ میں شریک ہوا۔ اُس نے توبہ کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُس کے اہل خاندان نے بچہ کو دے دیا اور کہا اپنے ساتھ رکھئے یہ نوجوان حج وسفر جہاد میں برابر ساتھ رہا۔ مہیار کی جنگ میں شہید ہوا۔ اسی طرح وعظ سے متاثر ہوکر ایک ہندو بچہ بھی ساتھ ہو لیا۔ آپ نے

(باقی ص ۱۱ پر)

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مثالیں

عبدالرزاق مسعود - ہیلی نیکس

جس سے محبت ہو اس کی رضا جوئی اور اطاعت عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا و پسند کو ملحوظ رکھتے تھے اور حضورؐ کی ناراضی سے بے حد گھبراتے تھے۔ مثلاً حضرت سعدؓ بہت سیاہ فام تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے جانثاروں میں شمار ہونے لگے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے ان کی جانثاری سے خوش ہو کر فرمایا، سعد! شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھ جیسے کالے کلوٹے بدصورت کو لڑکی دینا کون پسند کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ قبیلۂ ثقیف کے سردار سے کہو کہ مجھے رسول اللہؐ نے بھیجا ہے، مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو۔ سعدؓ نے جا کر پیغام پہونچایا، سردار ان کی صورت کو دیکھ کر بہت برہم ہوا کہ اپنی حسین و جمیل بیٹی کا نکاح اس سے کر دوں؟ سعد مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی، جانے والے ذرا ٹھہر جا، وہ ٹھہر گئے، پھر آواز آئی، کیا رسول اللہؐ نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے؟ اگر یہ واقعی حضورؐ کا ارشاد ہے تو بسر و چشم قبول ہے۔ اس کے بعد اس سعادت مند بیٹی نے باپ کو سمجھایا۔ آپ نے بہت برا کیا کہ رسول اللہؐ کے پیغام پر ناک بھوں چڑھائی اور حضورؐ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ اسلام تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے سب کچھ قربان کرنے کا نام ہے۔ بہتر ہے کہ آپ حضورؐ کی بارگاہ میں جا کر اپنی غلطی کی معافی مانگیں۔ بیٹی کی باتوں کا باپ کے دل پر گہرا اثر ہوا اور بات سمجھ میں آگئی کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ چنانچہ فوراً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔ حضور نے تسلی دی اور بالآخر کالے سعد کی شادی عرب کے اس معزز سردار کی بیٹی سے ہو گئی۔

ایک دفعہ حضورؐ نے ایک انصاری سے فرمایا: تم اپنی بیٹی میرے حوالے کر دو۔ صحابہ کرامؓ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہ تھی کہ حضور کی کسی خواہش کو پورا کریں۔ وہ انصاری باغ باغ ہو گیا۔ لیکن سیدالانبیاءؐ نے فرمایا: میں اپنے لئے نہیں بلکہ جلیبیبؓ کے لئے یہ پیغام دے رہا ہوں جلیبیبؓ کو لوگ عموماً ان کی بے جا ظرافت کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔ ماں کا نام سن کر سوچ بچار میں پڑ گئے۔ عرض کیا حضورؐ! ذرا لڑکی کی والدہ سے مشورہ کر لوں۔ ماں نے جلیبیبؓ کا نام سنتے ہی انکار کر دیا۔ لیکن لڑکی خود بولی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے انکار مناسب نہیں میرے متعلق حضورؐ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ مجھے امید ہے کہ حضورؐ کی رضا جوئی میں خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہؐ سے عشق و محبت مومن کا گراں بہا سرمایہ ہے اور کسی مومن کا دل اس سے خالی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہی محبت اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی ذات و صفات کے صحیح تصور کا واحد ذریعہ ہے۔ صحابہ کرامؓ بڑے خوش قسمت تھے کہ یہ سرمایہ سب سے زیادہ ان کے حصے میں آیا تھا۔ ان کے سامنے حضورؐ کا وہ حسن صورت بھی تھا، جس کے ایک ایک نقش اور خد و خال میں جمالِ الٰہی کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ حضورؐ کی نشست برخاست انداز گفتگو، صدق و امانت، اپنے بیگانے سے بے پناہ ہمدردی، شدائد و مصائب میں بے پناہ تحمل، غرض کمالِ انسانیت کا ایک خوبصورت پیکر تھا جو اپنی ہر ادا کی دلکشی کے ساتھ شب و روز دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے رہا تھا اور لوگ بن بلائے بھی اس حسن کی کرشمہ سازیوں کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ غرض محبت اور پیار کے بہترین نمونے ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملتے ہیں جن کے دل اس سے ہمہ وقت لبریز رہتے تھے۔

صحابہ کرامؓ رسول اللہؐ کے اخلاق و کردار اور آپؐ کے فرمان کی اطاعت میں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر لیتے تھے بلکہ اس میں راحت محسوس کرتے تھے اور اموال و املاک کو درکنار اپنی جان تک سے بے نیاز ہو گئے تھے فرمانِ رسولؐ بھی یہی ہے کہ "تم میں کوئی کامل ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لئے اس کی اولاد، ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں" چنانچہ صحابہ کرامؓ کی تمام زندگی شاہد ہے کہ انھیں حضورؐ کی ذاتِ اقدس ہر چیز سے زیادہ محبوب تھی، مثلاً جب غزوۂ تبوک ہوا تو سخت گرمی کا موسم تھا حضرت خیثمہؓ اس غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ ان کی بی بی نے ان کی راحت و آسائش کے لئے بالاخانے پر چھڑکاؤ کیا ہے۔ پانی سرد کیا ہے اور عمدہ کھانا تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب سر و سامان دیکھ کر کہنے لگے، رسول اللہؐ تو اس لو اور شدید گرمی میں کھلے میدان میں ہوں اور میں سرد پانی اور عمدہ غذا سے لطف اندوز ہوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا میں ہرگز بالاخانہ میں نہ جاؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت زادِ راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کی بنا پر رسول اللہؐ نے حضرت کعب بن مالکؓ سے سب صحابہ کو قطع تعلق کا حکم دیا۔ حتی کہ انھیں اپنی بیوی سے بھی علیحدگی کی ہدایت فرمائی۔ یہ ہدایت سن کر انھوں نے عرض کیا: میں اسے طلاق دے دوں؟ حضورؐ کے قاصد نے کہا نہیں صرف علیحدگی

مقصود ہے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً بیوی کو میکے بھیجدیا۔

رسول اللہؐ نے شوہر کے علاوہ دوسرے اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن قرار دیئے تھے، صحابیات نے بڑی شدت سے اس کی پابندی کی چنانچہ حضرت زینب بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا۔ چوتھے دن ان سے ملنے اور اظہار افسوس کے لئے کچھ عورتیں آئیں، حضرت زینبؓ نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا مجھے خوشبو لگانے کی حاجت نہ تھی لیکن میں نے رسول اللہؐ سے سُنا تھا کہ مسلمان عورت شوہر کے سوا کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے، میں رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل کر رہی ہوں۔

قریش مکہ نے حضرت خبیبؓ کو چند روز قید وبند میں بھوکا پیاسا رکھا۔ اسی حالت میں صلیب کے نیچے لاکر کھڑا کیا اور کہا کہ اب بھی اسلام سے دست بردار ہو جاؤ تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ انھوں نے کہا اگر اسلام کی دولت ہی پاس نہ رہی تو جان بچاکر کیا کروں گا۔ سولی پر چڑھنے سے پہلے انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی۔ مہلت مل گئی تو نماز ادا کی۔ اس کے بعد انھیں سولی پر چڑھایا گیا۔ ایک شقی القلب نے ان کے جگر کو چھیدا اور کہا اب بھی تم پسند کروگے کہ محمدؐ پھنس جائے اور تم چھوٹ جاؤ۔ حضرت خبیبؓ نے پرجوش لہجے میں کہا خدا جانتا ہے میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جائے اور اس کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ ان کے ساتھ حضرت زیدؓ بھی گرفتار ہوکر آئے تھے ان سے بھی یہی سلوک ہوا۔ انھوں نے بھی یہی بے باکانہ جواب دیا۔ اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ ایک جنگ کے بعد جب مسلمان واپس آئے تو ایک عورت جس کا باپ، بھائی، شوہر تینوں جنگ میں شریک تھے، بڑی بے تابی سے باہر نکلی، لوگوں نے بتایا کہ تمہارا باپ، بھائی، اور شوہر تینوں شہید ہوگئے ہیں۔ عورت نے کہا میں اور کسی کو نہیں پوچھتی مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہؐ کہاں اور کیسے ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا آپ بفضل خدا صحیح وسالم ہیں۔ کہنے لگی ذرا مجھے دکھاؤ۔ جب اس نے دور سے چہرہ مبارک کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھی، آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت برداشت ہوسکتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب اسلام قبول کیا تو سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ پر خطبہ دیا۔ کفار ان کلمات حق سے مانوس نہ تھے اور یہ آواز ان کے آبائی عقائد کے بھی خلاف تھی سنتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اس قدر زدوکوب کیا کہ دیکھنے والوں کو ان کی موت کا یقین ہوگیا۔ ان کے قبیلہ بنو تمیم نے انھیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اٹھا کر گھر لے گئے۔ شام کے قریب انھیں کچھ ہوش آیا تو بجائے اس کے اپنی تکلیف بیان کرتے، زبان کھلتے ہی رسول اللہؐ کا حال پوچھا قبیلے کے لوگوں نے ان سے قطع تعلق کرلیا بایں ہمہ ان کو اسی ایک محبوب نام کی رٹ لگی رہی آخرکار لوگوں نے انھیں رسولؐ تک پہونچایا۔ حضورؐ نے یہ حالت دیکھی تو بڑی رقت پیدا ہوئی۔ ان کے اوپر گرے اور ان کا بوسہ لیا

بے پناہ محبت بعض دفعہ دیوانگی کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو جہاں رسولؐ سے والہانہ محبت اور آپؐ کی اطاعت کا سوال سامنے آتا ہے وہاں دیکھنے والوں کو وہ دیوانے نظر آتے ہیں اور یہ سب اتباع رسولؐ کی علامت و جذبہ تھا۔

مثلاً جب عروہ بن مسعودؓ بارگاہِ نبوت سے ہوکر اپنی قوم کی طرف گئے تو انھیں بتایا کہ میں قیصر وکسریٰ کے درباروں میں گیا۔ ان کا جاہ وجلال بھی دیکھا ہے۔ لیکن رسول اللہؐ کی جو عظمت ان کے اصحاب کے دلوں میں جاگزیں ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ آپؐ تھوکتے ہیں تو آپ کا لعاب دہن ہاتھوں میں لے کر منہ پر مل لیتے ہیں۔ آپؐ وضو کرتے ہیں تو آپؐ کے مستعمل پانی کو حاصل کرنے کے لئے یوں ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے ابھی ان میں لڑائی ہو گی۔ اور آپؐ بات کرتے ہیں تو سب تن بے حس کی طرح ساکت وصامت ہوکر سنتے ہیں۔

حضرت اسید بن حضیرؓ بڑے خوش طبع اور شگفتہ مزاج آدمی تھے، ایک مرتبہ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ حضورؐ نے ان کے پہلو میں چھڑی چبھوئی۔ انھوں نے آپؐ سے انتقام لینا چاہا۔ آپؐ اسلامی مساوات کے پیش نظر اس کے لئے راضی ہوگئے لیکن انھوں نے کہا کہ جس طرح چھڑی چبھوتے وقت میرا جسم برہنہ تھا، آپ کے جسم پر بھی قمیص نہیں ہونی چاہیے۔ آپؐ نے بھی قمیص اوپر اٹھادی۔ قمیص کا اٹھنا تھا کہ وہ بے تابانہ آپؐ سے لپٹ گئے پہلوؤں کو بوسہ دیا۔ عرض کیا یارسول اللہؐ! میرا مقصود اصل یہی تھا ورنہ میں آپؐ سے انتقام لینے کی کیسے جرأت کرسکتا ہوں۔

رسولؐ کے دیدار سے صحابہ کرامؓ کے ایمان تازہ ہوجاتے اسی لئے حضورؐ کی جلوہ نمائی کے لئے منتظر و مشتاق رہتے تھے۔ چنانچہ حضورؐ جب مرض الموت میں مبتلا تھے، نماز کا وقت قریب ہوا، پردہ اٹھاکر صحابہ کرامؓ کو نماز کی حالت میں دیکھا تو چہرۂ اقدس متبسم ہوا۔ اس آخری دیدار سے صحابہ کرام پر مسرت وخوشی کی عجب کیفیت طاری ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔

بعض صحابہ آنکھوں کی بینائی کا کام صرف دیدار رسولؐ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کی بینائی جاتی رہی۔ لوگ عیادت کے لئے آئے تو کہنے لگے، اس بینائی سے تو صرف دیدار رسولؐ مقصود ہوتا تھا۔ جب آپؐ دنیا سے رخصت ہوگئے تو اب بینائی ہوتی بھی تو کس کام کی تھی۔ رسول اللہؐ کا فیضِ صحبت صحابہ کرامؓ کے لئے دولتِ جاودانی تھا۔ انھیں ایک پل بھی حضورؐ کی مفارقت گوارا نہ تھی، دشمنوں کی طرف سے خطرات کے موقع پر حضورؐ تھوڑی دیر کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل ہوجاتے تو جاں نثار صحابہؓ کو بے حد پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک بار حضورؐ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ کسی ضرورت سے اٹھے، پلٹنے میں زیادہ دیر ہوگئی تو صحابہ کرامؓ گھبرا گئے

حضرت ابو ہریرہؓ آپ کی جستجو میں نکلے۔ انصار کے ایک باغ کے پاس پہنچے۔ اندر جانے کا راستہ نہ ملا دیوار میں ایک سوراخ نظر آیا۔ اس میں گھس کر اندر پہنچے وہاں حضورؐ کو دیکھ کر اطمینان ہوا۔ اور حضورؐ سے صحابہ کرام کی پریشانی اور اضطراب کا حال بیان کیا

دنیا میں حضورؐ کی صحبت اور دیدار سے سیری نہ ہوئی تو بعض صحابہؓ نے یہ تمنا کی کہ عقبیٰ میں بھی ہم اس دولت سے بہرہ مند ہوں۔ چنانچہ حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی سے جو آپؐ کے خادم تھے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ کچھ مانگو۔ وہ کہنے لگے، جنت میں حضورؐ کی رفاقت کا متمنی ہوں۔ ارشاد ہوا۔ کچھ اور۔ بولے بس اسی ایک چیز کی تمنا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اگر یہی دولت چاہتے ہو تو نماز بکثرت پڑھا کرو۔ حضورؐ کی وفات کے بعد جب آپؐ یاد آتے، صحابہ کرامؓ بے اختیار رو پڑتے اور حضورؐ سے ابدی مفارقت کا تصور انھیں بے تاب کر دیتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ کی زندگی میں جو رفاقت و قرب کا شرف حاصل تھا۔ اس نے انھیں بے حد رقیق القلب بنا دیا تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہؐ نے مرض الموت میں ان کو اپنی جگہ امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ انھیں سمجھئے یہ تو جب حضورؐ کو نہ دیکھیں گے تو خود بھی روئیں گے اور دوسروں کو بھی رلائیں گے

حضرت بلالؓ جو حضورؐ کے مؤذن خاص تھے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اذان چھوڑ دی کیوں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے دل بھر آتا تھا ایک دن حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ان کے اصرار سے مجبور ہو گئے اور اذان دینی شروع کی ان کی آواز سن کر حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ رسول اللہؐ کے مبارک عہد کا نقشہ آنکھوں کے آگے پھر گیا۔ دل بے چین ہو گئے سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا تو حال عجیب ہوا۔ ان کی تو ہچکی بندھ گئی۔ سیرت صحابہؓ میں ہے

حضرت عمرؓ ایام خلافت میں رات کو گشت کے لئے نکلے ایک مکان کے قریب سے گذرے تو آواز آئی، ایک عورت روئی دھنک رہی تھی۔ اور یہ اشعار پڑھ رہی تھی ؎

علی محمد صلوات الابرار
صلی علیه الطیبون الاخیار
قد کنت قواما بکاء بالاسحار
یا لیت شعری والمنایا اطوار
هل یجمعنی وحبیبی الدار

محمدؐ پر ابرار کے درود ہوں ان پر پاک لوگ اور نیک لوگ درود پڑھ رہے ہیں۔ وہ تو راتوں کو جاگنے والے اور سحر کو رونے والے تھے، موت تو بہت طرح سے آتی ہے۔ اے کاش! مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد مجھے حضورؐ کی زیارت نصیب ہوگی، حضرت عمرؓ وہیں بیٹھ گئے، روتے رہے۔ ان اشعار دلگداز نے حضورؐ کی جدائی کے زخم ہرے کر دیئے۔ اس صدمہ سے بیمار ہو گئے اور چند روز تک صاحب فراش رہے۔

اعلان

جامعہ سید احمد شہید (احمد آباد، ملیح آباد لکھنؤ) میں داخلے کے متمنی طلباء آئندہ سال داخلہ فارم ۲ر مارچ ۱۹۹۶ء تک حاصل کر سکتے ہیں اور داخلہ کے لئے امتحان (کمپیٹیشن) ۳، ۴ر مارچ ۱۹۹۶ء بروز اتوار و دوشنبہ ہوگا۔ اس کمپیٹیشن میں کامیاب ہونے والے طلباء ہی داخلہ کے مستحق قرار دیئے جائیں گے داخلہ فارم جمع کرتے وقت اس کے ساتھ تصدیق نامہ منسلک کرنا ضروری ہوگا۔

متمنی طلباء حسب ذیل امور کا لحاظ کرتے ہوئے ہی داخلہ فارم بھریں۔

۱۔ نرسری وابتدائی درجات کے لئے پانچ سے دس سال تک کے طلبہ لئے جائیں گے۔ یعنی نرسری کے لئے عمر پانچ سال اور پنجم مکتب کے دس سال۔

۲۔ درجات متوسطہ میں داخلہ کے وقت عمر دس گیارہ سال ہونی چاہئے۔

۳۔ درجات ثانویہ میں داخلہ کے وقت عمر تیرہ چودہ سال ہونی چاہئے۔

۴۔ عالیہ میں داخلہ کے وقت عمر سولہ سال ہونی چاہئے۔

مذکورہ امور میں عمر کا تھوڑا بہت تفاوت قابل التفات نہیں ہوگا۔ تمام متمنی طلباء سے گزارش ہے کہ جامعہ میں داخلہ کے لیے کمپیٹیشن میں اس وقت بیٹھیں جبکہ جامعہ کے قواعد و ضوابط سے بالکل مطمئن ہوں کیوں کہ جامعہ کے قواعد و ضوابط پر مکمل طور پر عمل کرنا ہر طالب علم پر لازمی ہوگا۔

درجہ حفظ میں وہی طلبہ داخل ہو سکیں گے جو ناظرہ اچھی طرح پڑھ چکے ہو۔ ان کو ترجیح دی جائے گی جو کم از کم پانچ پارے حفظ کر چکے ہوں۔

مہتمم
جامعہ سید احمد شہید

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

نعت، نعت گوئی اور اس کا فن

نعت: ہر اس کلام کو جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و ثنا بیان کی جائے نعت کہتے ہیں۔ اس میں نظم کی کوئی قید نہیں۔ اگر نثر بھی اس معیار پر پوری اترے تو اسے نعت ہی کہنا چاہئے۔ لیکن آج کل صرف نظم ہی کو نعت کہا جاتا ہے اور اس کا رواج زیادہ ہے۔ نیز مضامین تمام اصناف سخن میں موجود ہیں اور ہر صنف میں متعدد کتابیں شعرا نے لکھی ہیں مگر غزل اور قصیدے کا رواج اس باب میں زیادہ مقبول رہا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے لئے آپ کی ذات والاصفات سے آگہی لازم اور ضروری ہے، آپ کے حسن و رعنائی کے چشمہ تک پہونچنا واجب ہے، اور یہ جاننا ناگزیر ہے کہ آپ کی ذات گرامی وہ ذات ہے جس کے افعال محمودہ اور صفات ستودہ نے آپ کو مقام محمود کی بلند ترین مسند پر بٹھا دیا ہے اور مقام محمود وہ مقام ہے جہاں آدمی حزن و خوف سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس مقام پر فائز ہیں ہی ان کا ذکر بھی ان کے مداحوں کو حزن و ملال اور خوف وہراس سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حقائق بہ بانگ دہل اور کھلے عام اعلان کر رہے ہیں کہ آمنہ کے لخت جگر اور عبد اللہ کے نور نظر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کوئی آسان کام نہیں۔ جس کی ثناخوانی خود خالق کائنات فرمائے اور جس کی نعت میں بائے بسم اللہ سے سین والناس تک کلام الٰہی کا ایک ایک شوشہ اور نقطہ رطب اللسان ہو اس کے فضائل و محاسن و کمالات کو کون بیان کر سکتا ہے۔ انسان تو انسان، یہ فرشتوں کے بھی بس کی بات نہیں۔ صاحب سیرۃ النبیؐ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس حقیقت کا اظہار ان اشعار میں اس طرح کیا ہے ؎

فرشتوں میں یہ چرچا تھا کہ حال سرورِ عالم
دبیرِ چرخ لکھتا یا تو خود روح الامیں لکھتے
ندا یہ بارگاہِ عالم قدوس سے آئی
کہ یہ کچھ اور ہی شے ہے اگر لکھتے ہمیں لکھتے

لہٰذا جس بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت اور خراج محبت جلیل القدر نبیوں اور رسولوں نے پیش فرمایا ہو، اس کے دربار عرش وقار میں اگر کچھ عرض کرنے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس سے بڑی سعادت و رحمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس دربار گہربار کے خصوصی نعت خواں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے اس ارشاد میں حقیقت ہی حقیقت ہے ؎

ما ان مدحت محمداً بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

جس ذات گرامی کی نعت سے عہدہ برآ ہونے میں اپنے عجز و قصور کا اعتراف بڑے بڑے علماء، فضلاء، مشائخ، صاحبان علوم معارف اور دانایان اسرار و رموز کرتے آئے ہوں اور حضرت جامی کی زبان میں یہ اعلان صاف طور سے کر رہے ہوں ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر ان کا نام مبارک ہی پورے ادب و احترام سے زبان پر آجائے تو یہی بہت بڑی نعت اور نعمت ہے۔ عقیدت و محبت کی اس کسوٹی پر بھی اترنا ہر ایک کے بس کا نہیں ہے۔ جیسا کہ عرفی شیرازی نے کہا ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

پھر علامہ اقبالؒ کے ان فرمودات کی روشنی میں کہ ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور آخر میں غالب کے الفاظ میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

نعت گوئی

نعت گوئی کی ابتدا کب ہوئی؟ پہلی نعت کب اور کس نے کہی؟ اس کا تعین کرنا دشوار ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری ہو چلا تھا۔ عرب کے نعت گو شعرا میں حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا نام سر فہرست ہے۔ وہ سرور کائنات کی شان میں اشعار لکھا کرتے تھے اور خود خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سناتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اشعار سن کر خوش ہوتے تھے۔ لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل اس نیلے آسمان کے نیچے اور عرش اعظم کی بلندیوں پر کس لمحہ نہیں ہوا۔ رب کریم نے آپ کو بشارت عظمیٰ سے سرفراز فرما کر "رفعنا لک ذکرک" کا بلند ترین درجہ عطا فرمایا۔ اس "رفع ذکر" کا سلسلہ تو نور محمدی کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہو گیا اور اس لمحے جب لوح محفوظ پر آپ کے اسمائے گرامی محمدؐ اور احمدؐ ثبت کئے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم ؎

ازل کے روز سے جاری ہے افسانہ محمدؐ کا
رہے گا تا ابد اعزاز شاہانہ محمدؐ کا

اس میں کوئی شک نہیں کہ عبد کو معبود سے اگر کسی نے ملایا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات

بالکمالات سے جو آپ ہی کے وسیلے سے حقیقت کبریٰ تک رسائی ممکن ہے اور جو مفہوم رسالت اور جو دل آویز مدح وثنا کا سرچشمہ ہے اور ایمان کی بات بھی یہی ہے کہ جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے والہانہ شیفتگی اور شدید جذباتی وابستگی نہ پائی جاتی ہو کامیاب نعت کہنا ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ کامیاب نعت وہی ہے جس سے حضور والا کی متحرک حیات طیبہ اپنی تمام آب وتاب اور اپنے تمام محاسن جمیلہ کے ساتھ جلوہ گر ہو کر دامن دل کھینچنے لگے۔

جب عشق سرمدی کے اس مصدر ومحور سے فنکار اپنا رشتہ جوڑتا ہے تو ایسی نعت پیدا ہوتی ہے جس کا ہر لفظ روح کی اتھاہ گہرائیوں میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال حضرت حسان رضؓ بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعبؓ بن مالک کا وہ نعتیہ کلام ہے جس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔ جناب کعبؓ بن زہیر کی شاعری اور مشہور قصیدہ جو قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کے اس شعر کو سن کر ؎

ان الرسول لنور یستضاء بہ
مھند من سیوف اللہ مسلول

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک جو آپ اس وقت اوڑھے ہوئے تھے، حضرت کعبؓ کو عطا فرمادی، بڑے اور گہرے جذبات کی ناقابل تردید مثالیں ہیں۔ یہ اور اسی طرح کی بہت سی عربی نعتیہ شاعری اپنے سچے جذبات اور تاثیرات کے لحاظ سے محبت رسولؐ کی جیتی جاگتی تصویر اور زندہ مثال ہے۔

جب نیر اسلام کی شعاعیں ایران پہونچیں اور وہاں کے ارباب شعر وسخن نے نظم گوئی کی طرف توجہ کی تو نعت میں بھی قابل قدر گل فشانیاں کی گئیں ان میں عرت وتکریم میں شیخ سعدیؒ، ملا جامیؒ اور حاجی محمد جان قدسیؒ کے نام زیادہ روشن ہیں جن کے رشحات فکر آج بھی لوگوں کے لئے صدر درجہ روح پرور ہیں۔ خصوصاً قدسی کی ایک غزل اکثر خادمان بارگاہ رسالت کی زبان پر ہے جس کا مطلع ہے ؎

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

قدسیؒ نے خدا جانے کس والہانہ کیفیت میں یہ غزل لکھی تھی کہ محبان رسولؐ ورسالت کے دل میں گھر کر جاتی ہے اور مطلع سنتے ہی دل جوش عقیدت سے تڑپنے لگتا ہے۔ قدسی کی مذکورہ غزل کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اردو کے اکثر نعت گو شعراء نے اس کی تضمینیں کی ہیں اور ان تضمینوں کا مجموعہ "حدیث قدسی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے اردو شعراء کو نعتیہ شاعری کی طرف جس قدر توجہ دینی چاہئے تھی نہیں دی۔ یہی سبب ہے کہ ہم خالصۃً نعت گو شعراء کے نام انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ یوں تو بلاشبہ سارے ہی اردو شعراء نے کچھ نہ کچھ نعتیں کہی ہیں لیکن اس سے اس وسیع اور اہم ترین شعبۂ فن کا حق ادا نہیں ہوتا۔

میں نے اب تک نعتیہ شاعری کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس میں نعت کو ایک مخصوص VOCABULARY کا پابند اور رسمی مضامین تک محدود پایا ہے۔ فقط مولانا حالی کی مسدس "مدوجزر اسلام" ایک نعتیہ دستاویز ہے جس میں نعت گوئی روح عصر سے ہمکنار نظر آتی ہے۔ یا اس کے بعد کا ایک بہت ہی قلیل نعتیہ سرمایہ ہماری توجہ کا مرکز بنتا ہے جس میں محسن کاکوروی کا نعتیہ قصیدہ اور مولانا ظفر علی خاں کا بیشتر کلام شامل ہے۔ اقبال کی شاعری کے بہت سے حصے جدید نعت کے ضمن میں ضرور آتے ہیں لیکن جزوی طور پر، کیونکہ ان کے ساتھ بہت سی دوسری فکریں اور جدلیاتی صداقتیں شامل ہوجاتی ہیں؎

فارسی اور اردو میں زیادہ تر نعتیں حضورؐ کے سراپا، حسن وجمال اور ظاہری خدوخال کے گوشوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ پھر ان نعتوں میں ایک اور کمی یہ ہے کہ حضورؐ کی شان میں یا تو غلو برتا گیا ہے یا پھر ان کی حیات آفریں اور عمل انگیز شخصیت کے برعکس انفعالی احساسات ہی کو نعت کا مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے نعت گوئی کے ذیل میں صرف قرآن حکیم کو معیار اور نور ہدایت قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک گو حضور اکرمؐ رجولیت کاملہ کے بہترین مظہر تھے لیکن اس کے باوصف قرآن مجید میں صرف آپ کے روحانی اور اخلاقی فضائل ہی مذکور ہیں۔ اس لئے ان کے خیال میں نعت گوئی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا تتبع کیا جائے۔ عبدالسلام ندویؒ کے انھیں خیالات کی دلنشیں صدائے بازگشت ہمیں پاکستان کے مشہور صاحب قلم ممتاز حسن کے یہاں بھی سنائی دیتی ہے؎

وہ لکھتے ہیں "صفات رسالت محض پیکر نبوی کے حسن وجمال کا نام نہیں۔ یہ نام ہے اس خلق عظیم کا جو ساری نوع انسانی کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم مقصد بعثت سے اس وقت تک واقف ہی نہیں ہوسکتے جب تک حضور خیر البشرؐ کی سیرت کے مختلف پہلو منکشف نہ ہوں۔ جناب رسالتمآب کی زندگی سارے انسانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے..... اگر حضورؐ کی زندگی چند مافوق الفطرت واقعات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہوتی اور اس میں عام انسانوں کے رنج وراحت، مسرت وغم، مصیبت اور کامرانی یہ سب موجود نہ ہوتے تو ہم بحیثیت انسان اس زندگی سے کوئی سبق نہ سیکھ سکتے"؎

حب رسول کریمؐ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نعتوں میں حضور اکرمؐ کی بشر دوستی، حلم وبردباری، عدل وانصاف، رحمت وشفقت، صبر وشکیبائی اور دانش وبینش کو تہذیب کے اعلیٰ نمونے کے طور پر پیش کیا جائے۔ حضور اکرمؐ کے ان اوصاف حمیدہ کو دیکھ کر ان سے قلبی وابستگی پیدا ہونا فطری عمل ہے اور یہی نعت گوئی کا اصل مقصد ہونا چاہئے۔ ممتاز حسن نے اسی بصیرت افروز حقیقت کو یوں اجاگر کیا ہے۔

میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں

رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی کے قریب لے جس میں حضورؐ کی مدح ہو یا حضورؐ سے خطاب کیا جائے۔ صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کے بجائے مقصد نبوت سے دل بستگی پائی جائے۔ جس میں رسالتمآب سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح یا خطاب بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس، اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و منزلت کا دار و مدار اس کے نفس مضمون پر ہے۔ اگر اس کا مقصد ذات رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور سرور کائنات کی بعثت کی جو اہمیت نوع انسانی اور جملہ موجودات کے لئے ہے اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کی مستحق ہے۔[۴]

اگر نعت کی صرف ادبی اور لسانی حیثیت ہی پیش نگاہ ہو تو عربی، فارسی اور اردو میں کثیر مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر نعت تو نام ہے ایک مکمل ضابطۂ حیات کے وضع و نفاذ کی پر خلوص پیش کش کا۔ ادبی اور لسانی عظمت ہی اگر نعت کا طرۂ امتیاز ہے تو پھر عربی زبان کے جدید شاعر احمد شوقی کا نام لیا جا سکتا ہے جس کا میمیہ اس پہلو کا کامیاب عکاس ہے۔ مگر یہ نعتیہ قصیدہ سوز محبت اور سپردگی سے یکسر خالی ہے اور اس میں آورد ہی آورد ہے۔ اردو میں مومن کا نعتیہ قصیدہ ؎

"چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس" میں بھی مقصد تاثیر نہیں نمائش ہے[۵]۔ اردو فارسی شعراء کے یہاں استادانہ صنعت گری ہی کے نمونے نہیں ملتے۔ ان کی نعتوں میں غلو اور کہیں کہیں سوء ادب کا بھی احساس ہوا۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ایسا شعوری سطح پر ہوا۔ عقیدت اور اس کا جوش و غلبہ اپنی جگہ مگر نعت نگاری میں نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہونچ جاتا ہے اور اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے، البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"[۶]

"یہی نازک مقام ہے جس کا متوازن ادراک عہد جہانگیر کے جوانمرگ شاعر عرفی کو تھا۔ اس کے دو شعر نعت گوئی کا بڑا خوبصورت معیار بن چکے ہیں۔ خصوصاً دوسرے شعر میں تو عرفی نے نعت اور قصیدے کے اسلوب کی یگانگت اور مماثلت کو بھی قطعی نامناسب قرار دیا ہے[۷]۔ یہ انتباہ ان لوگوں کے لئے بھی قابل توجہ ہے جو نعت کو "قصیدہ طور" بنانے کے لئے شعوری طور پر بلند آہنگ الفاظ اور دیگر لفظی پینتروں کا سہارا لیتے ہیں۔ تو خیر عرفی کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را

اس نازک مقام کی خبر عزت بخاری کو بھی وللہ در ما قال ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

مگر اس کے باوجود یہ تلخ حقیقت ثابت و مسلّم ہے کہ ہمارے بعض شعراء نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا.... محسن کاکوروی نے اسی غلو سے کام لے کر خالق و مخلوق کی دوئی ہی کو مٹا ڈالا ہے ؎

کہاں اب جبہ سائی کیجئے کچھ بن نہیں پڑتا
احد کو کیجئے یا احمد بے میم کو سجدہ

جبکہ یہ تذبذب اس برگزیدہ کائنات سے متعلق ہے جس نے دو ٹوک فرما دیا تھا کہ لائق سجدہ صرف ذات حق تعالیٰ ہے۔ اسی احمد بے میم کا ذکر اقبال نے بھی اپنے ابتدائی کلام میں کیا گو کہ بعد میں اس کو سوء ادب کے پیش نظر رد کر دیا ؎

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

نیز یہ شعر ؎

پیرہن عشق کا جب حسن ازل نے پہنا
بن کے یثرب میں وہ آپ اپنا خریدار آیا

جگر جیسا محتاط شاعر بھی کبھی کبھی لغزیدہ پائی کا مرتکب ہو جاتا ہے ؎

اے آنکہ درون پردۂ راز
از خویش را خویشتن رسیدہ

ابھی تک جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے قارئین کو نعت گوئی کے سلسلے میں ہونے والی بے اعتدالیوں کا کسی حد تک اندازہ ہو گیا ہوگا اور کامیاب نعت کے لوازم کا ادراک بھی، لیکن میری ان گذارشات سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ فارسی یا اردو نعت گو شعراء کے یہاں یہی کچھ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ ان شعراء کے یہاں معجزات و خوارق، حضورؐ کی سراپا نگاری اور توصیف کے ضمن میں غلو و اغراق سے قطع نظر قابل اعتنا سرمایہ بھی ہے۔"[۸]

اس کا فن

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے "مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا اظہار ممکن ہی نہیں۔ آپ کی ذات مبارک کی صحیح تعریف صرف معبود حقیقی ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے آپ کی ذات کو موضوع بنانا خود اتنا ہی ناممکن ہے جتنا ہر ماوراء الطبع کا بیان۔ اس عقیدے کا بنیادی نکتہ وہی جامی کا مصرعہ ہے ؎ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" چونکہ حضورؐ کی ذات مقدس مسجود ملائک آدم کی غایت اولیٰ ہے اور آپ کے خالق نے آپ کے احترام اور ادب کے مدارج مقرر کر کے آپ کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے اس لئے آپ کی ذات منبع عزت

واحترام ہوگئی ہے اور یہ مقولہ مسلمانوں کا جزوِ ایمان بن گیا ہے

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اس اعتبار سے نعت گوئی کا شرف کوئی آسان مرحلہ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نعت گوئی کا کوئی فنی التزام بھی نہیں رکھتے۔ وہ مرثیہ گوئی کی طرح کوئی ادبی اور فنی صنف نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی فنی اسلوب مخصوص ہے۔ عام طور پر نعت گوئی کے دو کامیاب وسائل اور طریقے مقبول رہے ہیں۔ ایک تو حضورؐ کی ذات وصفات کی قرآنی تلمیحات اور تصوف کی اصطلاحات میں بیانیہ انداز کی مدح، جس میں آپ کے مدارج اور روحانی مراتب کا اظہار اس انداز سے ہوا جیسے قصائد کی کوشش ہوتی ہے۔ اس میں شعراء کے لئے اپنے شعری کمالات دکھانے کی بھی گنجائش نکل آتی ہے اور انداز مجلسی ہوجاتا ہے جیسے محسن کاکوروی کا کلام ہے کہ اردو شاعری میں اپنی انفرادیت منوائے بغیر نہیں رہتا۔ دوسرا اسلوب جو سب سے زیادہ مقبول ہے، یہ ہے کہ کوئی شاعر کسی بھی صنف میں حضورؐ کی ذات سے اپنی والہانہ شیفتگی کی بنیاد پر ایسے پرخلوص انداز میں عقیدت کا اظہار کرے جس میں اس کے جذبات بھی اسی سرمستی کا اظہار بن جائیں جیسا شاعر کا خلوص ہے۔ ان مثالوں میں جامی کے علاوہ خسرو کی یہ غزل ایک مثالی مقام رکھتی ہے ؂ "محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم"۔

اردو شاعری میں تو اس پائے کا ہرگز نہیں، مگر خلوص اور جذبے کے لحاظ سے امیر مینائی، حسرت موہانی اور بعض شعراء کا کلام پیش کیا جاسکتا ہے ؂ میں اس مضمون کو طفیل صدیقی کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں ؂

سلام اے وہ کہ تیری شان میں آدم سے تا ایندم
سبھی ہیں مدح خواں ہر عہد میں فکر و نظر والے

تیری سعی و جستجو کو بھولے گا ندوہ کہاں

بروفات مولانا سید محمد عبد السمیع ندویؒ

معاون ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اشہر بستوی

مرہمِ دردِ دلاں اور دستگیرِ ناتواں ۔۔۔ بے بسوں کے دست و بازو تھے اور غمخوارِ جہاں
صاحبِ زہد و ورع، روشن جبیں، روشن ضمیر ۔۔۔ نفس و شیطاں جس کے عزم و حوصلے کے تھے اسیر
کون سا گوشہ ہے جو خالی ہو مدحت سے تری ۔۔۔ ضعف و پیری میں نمازوں کی نہ پابندی گئی
استقامت کو تری پائے نہیں کوہِ عظیم ۔۔۔ تیرے حسنِ خلق سے شرمندہ ہو بادِ نسیم
تیرے اخلاص و وفا کا گیت گائے گا جہاں ۔۔۔ تیری سعی و جستجو کو بھولے گا ندوہ کہاں
باعثِ صد رشک تھی بے لوث یہ خدمت تری ۔۔۔ تیری فرقت سے سبھی کے دل پہ ہے بجلی گری
زیب دیتا تھا تجھے المومن غرٌ کریم ۔۔۔ صورتِ انور پہ یاد آتا تھا بس ربِ رحیم
دیکھ کر بے ساختہ کہتا تھا دل تکیہ ترا ۔۔۔ حضرت رہبانؒ[1] کی سنت کر رہا جیسے ادا
تیرے شوق و جذبۂ دل عشقِ الٰہی کا بیاں ۔۔۔ ہے کہاں زورِ قلم اِکہ لکھ سکوں یہ داستاں
غیر ممکن ہے کہ پُر ہوجائے یہ تیرا خلا ۔۔۔ ساتھ میں مدفون تیرے ہوچکا ہے حوصلہ
اس کے اوصافِ حمیدہ کو کروں کیسے بیاں ۔۔۔ حسنِ سیرت سے مزین جو رہے ہیں بے گماں
زخمِ دل کیونکر بھرے جب درد کا درماں نہیں ۔۔۔ سوگئے تم میٹھی میٹھی نیند اب زیرِ زمیں
ہوگئے محروم بام و در ترے دیدار سے ۔۔۔ عندلیبانِ چمن دکھڑا سنائیں گے کسے
تیری رحلت سے ہے سونی سونی یہ بزمِ جہاں ۔۔۔ ہو نہ کیوں مضطر جدائی سے امیرِ کارواں
بے حسی کا ہے سماں، خاموش و ساکت بے زباں ۔۔۔ ذرہ ذرہ غم زدہ، پرنم ہے چشمِ آسماں
کاوش و کاہش تری ندوے کی خاطر صبح و شام ۔۔۔ زندگی تیری تھی اک خاموش اور ساکت پیام
ہیں شریکِ غم تمہارے ہم بھی اے پسماندگاں ۔۔۔ اے خدا ان کا تو، ہوجائے کفیل و پاسباں
اے زمانہ کیا کریں بے وجہ ہم شکوہ ترا ۔۔۔ ہے سرِ تسلیم خم اپنا فقط پیشِ خدا
ملتجی ہے اشہرِ مضطر بھی اے ربِّ جلیل ۔۔۔ اقربا و اصدقا، کو ان کے دے صبرِ جمیل

اے خدائے ذوالجلال اے خالقِ کون و مکاں
جنت الفردوس دے اور قربِ محبوبِ جہاں

---

[1] حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی

---

[1] الحاج عبد الحبیب احمد۔ مقدمہ مدحت خیر البشر۔
[2] تحسین فراقی۔ ماہنامہ سیارہ۔ گلبانگ ممتاز حسین خیر البشر کے حضور میں ص ۲۵۔ [3] تحسین فراقی۔ ماہنامہ سیارہ
[4] احمد رضا خاں الملفوظ حصہ دوم ص ۴۰
[5] تحسین فراقی۔ ماہنامہ سیارہ
[6] شمیم احمد۔ رسول نمبر حصہ دوم ص ۶۹۴

یہ ہے عورت کا درجہ بلند تر

جو اس کو قرآن کریم نے دیا ہے

مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب

پانچویں اور آخری قسط

امانت کے سنبھالنے میں دونوں برابر کے شریک ہیں

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

"ایمان رکھنے والے مرد ایمان رکھنے والی عورتیں"۔

مؤمن مرد جیسے اپنی جگہ پر راسخ العقیدہ ہیں اللہ اور اس کی توحید پر پختہ یقین رکھتے ہیں ویسے ہی ایمان والی عورتیں بھی اس بار امانت کو سنبھالتی رہی ہیں۔ دنیا میں جو انسان آیا ہے تو وہ ایک بار امانت لے کر آیا ہے جس نے اس کو یاد رکھا۔ اور جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر اس کے سنبھالنے کے لیے قربانیاں دیں اس کو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور مومنات کا خطاب دیا، سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳ الاحزاب آیت ۷۲)

"ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ایک امانت پیش کی کہ اس کی حفاظت اور ذمہ داری اٹھائیں لیکن انھوں نے عذر کر دیا کہ ہم سے یہ بوجھ اٹھایا نہ جاسکے گا۔ اور اس امانت کو سنبھالنے کی ذمہ داری سے ڈر گئے جبکہ انسان نے اس بار امانت کو اٹھالیا اب یہ اور بات ہے کہ جو ظالم اور جاہل رہا اس نے اس امانت کی اہمیت نہ جانی انکار کر بیٹھا اور بھٹکتا رہا ہے اور پورے طور سے شیطان کے چنگل میں ہے۔

عورت صبر کا پیکر بن جائے تو

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

"اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے مرد اور عورتیں سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں صبر سے جی تھام لینے والے مرد اور عورتیں"۔

خواتین اسلام صبر کرنے میں ساری دنیا کی خواتین سے آگے ہیں، ہم نے اپنے رشتہ داروں میں بعض بعض معمر اور بزرگ خواتین کو دیکھا کہ چالیس چالیس پچاس پچاس سال ایسے آدمی کے نکاح کے بندھن میں گزار دیے جو بالکل نکما تھا اور معاشی اعتبار سے تکلیف دیتا تھا لیکن سب کچھ صبر سے برداشت کر لیا تھا پر شکن تک نہیں آنے دیا، عورتوں کو آپ کیا سمجھتے ہیں کیا یہ کوئی معمولی چیز ہیں، عورت اگر صبر کا پیکر بن جائے تو مرد کے لئے ڈھارس بندھانے اور ہمت بڑھانے کا بڑا سبب بن سکتی ہے کبھی کبھار تنگی ہو جائے اور شوہر کی معاشی حالت کمزور دیکھے تو وہ کہہ سکتی ہے اور کہتی بھی ہے کہ میرے سرتاج فکر کرنے کی ضرورت نہیں آپ بالکل فکر نہ کریں، گھر میں رہ کر میں تھوڑا سینا پرونا کر لوں گی، گودڑیاں سی لوں گی، دو وقت کھانے کے بجائے ایک وقت کھالیں گے، اچھے کپڑے نہ پہنتے ہوئے ٹکڑے ٹکڑے جوڑ کر پہن لوں گی، لیکن میرے سرتاج آپ فکر نہ کریں،

وہ عورتیں کس کام کی جو مطالبہ کریں کہ نہیں نہیں ہمارے مطالبات پورے کرنے ہوں گے چاہے آپ کو کچھ بھی کرنا پڑے، چاہے آپ قرض لیجئے چاہے جیل جائیے چاہے آپ حلال لائیں حرام لائیں ہمارے مطالبات پورے کرنا ہی کرنا ہے چاہے کچھ بھی ہو۔ مطالبات، شوق سنگار کھانا پینا، شادی بیاہ کے تڑک بھڑک کے تماشہ میں میں دلچسپی لینا، گھر میں بیٹھنا، سونا، آرام کرنا بس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ طریقہ ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے، بلکہ گھر کے کام کاج بھی کرے اللہ نہ کرے پھر بھی اگر کوئی ایسا موقع آجائے تو سینا پرونا اور چھوٹی چھوٹی آمدنی والے کاروبار جو گھر میں رہتے ہوئے ہو جائیں وہ کرتے رہنا چاہئے۔ میں کوئی امیر خاندان کا فرد نہیں ہوں آپ میں سے بہت سے لوگوں کو غلط فہمیاں ہیں، میں غریب ماں باپ کا بیٹا ہوں میری والدہ گودڑی سی کر کے پیٹ بھرتی تھیں میں ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ میں وہ وقت بھولا نہیں ہوں۔

خواتین اسلام کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ جب دیکھیں مرد کی اس وقت آمدنی برابر نہیں ہے اور گھر کا خرچ نہیں چلا سکیں گے تو وہ اپنے شوہر کو دلاسہ دلائیں ڈھارس بندھائیں اور کہیں کہ سرتاج آپ فکر کیوں کرتے ہیں، میں گھر میں رہتے ہوئے چھوٹے موٹے کام کروں گی جیسے بڑے سموسے بنالیے، اگربتی، موم بتی وغیرہ بنالیے اس طرح کی اور دوسری بہت سی گھریلو صنعتیں جنھیں خواتین گھر میں رہتے ہوئے اور گھریلو ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے کر سکتی ہیں۔ اس طرح عورت اپنے شوہر کے لیے مددگار بن سکتی ہے اور مرد کو بھی ہمت آجائے گی اس طرح کے کام اس زمانہ میں بھی خواتین سوچ سکتی ہیں اور کر سکتی ہیں ہم اس کے حق میں نہیں ہیں کہ وہ جائے خانہ میں جاکر جائے بیچے یا ہوٹل کی زینت بنے یا گرل سیلس مین بننے کی کوشش کرے۔ گھر کے اندر رہتے ہوئے وہ کیا کر سکتی ہے اس کے بارے میں سوچے

اللہ نہ کرے کہ کسی خاندان میں معاشی پریشانی آئے لیکن اگر کبھی ایسا موقع آجائے تو عورت اپنے شوہر کو ہمت دلائے کہ میرے سرتاج فکر کی بات نہیں ہے میں انشاء اللہ سنبھال لوں گی، عورت کی ان باتوں سے کتنی ہمت آجائے گی اس مرد میں! یہ صفت ہے ایمان والی خواتین کی کہ انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اللہ کا فضل ہے کہ مومن عورتوں کا صبر آج بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

برکت ہی برکت

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

"صدقہ اور خیرات کرنے والے اور صدقہ خیرات کرنے والیاں۔"

دربارِ نبوت میں ایک خاتون حاضر ہوئیں، عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ مجھے تو یہ صفت اور یہ خوبی حاصل نہیں ہوسکتی۔ آپؐ نے فرمایا کیوں؟

کہنے لگی میرے شوہر اتنا کما کر لاتے ہیں کہ کسی طرح روکھا سوکھا پکالیتی ہوں، ان کا، میرا، بچوں کا پیٹ کیسے بھی بھر جاتا ہے، میں کیا خیرات کروں، آپؐ نے فرمایا، اللہ کی بندی تم پہ اللہ کی سلامتی ہو، سالن میں تھوڑا پانی بڑھا دیا کرو۔ اور کسی غریب پڑوسی کے یہاں ہدیہ بھیج دیا کرو یہ بھی صدقہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ پڑوسی کے گھر بکری کا ایک کھر بطور ہدیہ بھیجنا حقیر نہ جانو۔

کبھی بھی ناکام نہ ہوگی

وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

"اللہ کا بہت کثرت سے ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔"

مبارک ہیں وہ بہنیں جو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کام کاج کرتے، چولہے چوکے میں لگے لگے، بستر بچھاتے، گھر اور برتن صاف کرتے ہوئے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ الحمد للہ، سبحان اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، تسبیح فاطمہ، دعاءِ ذوالنون، دعاءِ ایوب اور دعاءِ ابراہیم وغیرہ پڑھتی رہتی ہیں اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں جو دعائیں ہیں وہ پڑھتی رہتی ہیں یا اگر کچھ زیادہ دعائیں یاد نہ ہوں تو ہر کام شروع کرتے وقت بسم اللہ ہی پڑھ لے یا کوئی کام مرضی کے مطابق ہوجائے تو الحمد للہ یا "اللہ کا شکر ہے" اللہ کا فضل ہے اللہ کا کرم ہے وغیرہ وغیرہ یعنی کام کاج کے بیچ بیچ میں اللہ رب العالمین کا نام آتا رہے کوئی مشکل کام سامنے آگیا سہولت اور آسانی سے پورا کردینے کی اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کرلے۔ یہ ساری چیزیں ذکر اللہ میں شامل ہیں۔

بقیہ: نتیجۂ امتحان سالانہ

علیا ثانیہ شریعہ		حبیب الرحمن	فیل	علیا ثانیہ ادب	
شبیر انصاری (مادۂ اختصاص)	ضمنی	محمد عبدالرقیب	،	عبدالغنی (سبعہ معلقات)	ضمنی
محمد شفیق الرحمن	فیل	محمد جسیم الدین (نصوص ادبیہ)	ضمنی	شاہ نواز عالم خاں (مناقشہ)	،
محمد ہارون رشید	،	اقرار الدین (بخاری ج ۱)	،	ابوالاعلیٰ	موقوف
عتیق الرحمن	،	محمد عظمت (مناقشہ)	،	محمد اشرف (مناقشہ)	ضمنی
ظہیر احمد (مادۂ اختصاص، بخاری)	ضمنی	محمد ضیاء الہدیٰ (نصوص)	،	محمد امیر حسن	فیل
محمد فضل الرحمن (حجۃ اللہ)	،	مرزا یونس بیگ محمد عطاء اللہ "	فیل	عبداللطیف	،
یار محمد خاں	فیل	عمران خاں (نصوص، مطالعہ)	ضمنی	انصار الحق (حجۃ اللہ، مناقشہ)	ضمنی
محمد مرسلین (حجۃ اللہ)	ضمنی	شیخ زکریا (نصوص)	،	محمد مصعب (کتاب الخلفاء، تاریخ ادب عربی)	،
محمد طاہر (بخاری، حجۃ اللہ)	،	محمد ابراہیم خلیفہ (بخاری، نصوص)	،	تفضل جمیل (حجۃ اللہ)	،
نجم الہدیٰ	فیل	نتیجہ ضمنی طلباء		امین بن احمد	فیل
محمد اسلام (حجۃ اللہ، نصوص)	ضمنی	ابواللیث (رول نمبر ۱۲۲۵)	پاس	حبیب الرحمن (منتخب)	نامکمل
محمد شاہد خاں (حجۃ اللہ، مناقشہ)	،	محمد اسرافیل (رول نمبر ۱۲۳۶)	فیل	محمد غلام ربانی "	،

اسلام اور شعر و شاعری

حمیدہ بانو: الٰہ آباد

شاعری مادرِ فطرت کا وہ حسین تحفہ ہے جو بلاتفریق ہر ملک، ہر قوم، ہر صنف کو اور ہر زبان کو عطا ہوا ہے دنیا کی قوموں میں عرب وہ قوم ہے جسے شاعری کا ذوق فطری طور پر ملا۔ یہ لوگ فطرتاً شاعر پیدا ہوتے تھے اور بدوی زندگی گذارتے تھے۔ فطرت کی آغوش میں آنکھیں کھولتے تھے اور اسی آغوش میں پروان چڑھتے تھے۔ اس ماحول نے انھیں استقلال حریت اور شجاعت کے بیش بہا جوہر بخشے تھے پھر عربی زبان کی فصاحت و بلاغت وسعت و موزونیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ ان کی زبان انتہائی شیریں ہوتی تھی۔ خیالات و افکار کی سادگی، الفاظ کی خوبصورتی جب موسیقیت سے ہمکنار ہوتی تھی تو جادو بن جاتی تھی۔

عرب میں اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں شعراء اور ان کے کلام کی بڑی اہمیت تھی ان کے یہاں جب کوئی شاعری میں مہارت پیدا کر لیتا تھا تو بڑی خوشی منائی جاتی تھی، جشن منائے جاتے تھے، اور ہر طرف سے یار و احباب اعزہ و اقرباء مبارکباد دینے آتے تھے پکوان پکائے جاتے تھے، عورتیں عود بجاتیں، اس لئے کہ ان کے قبیلے کی عزت دفعتاً بلند ہو جاتی تھی، یہ شاعر ان کی عزتوں کو بچاتا تھا۔ دوسروں کے مقابلہ میں ان کی حمایت کرتا تھا۔ ایک ایک شعر ایک قبیلہ یا ایک شخص کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیتا تھا مشہور مصنف اور راوی ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں روایت کی ہے کہ شاعر کے اس اثر کے پیش نظر جب معلقات کا مشہور شاعر اعشیٰ نے رسول اللہؐ کے پاس آ کر آپ کی شان میں مدحیہ قصیدہ پڑھنا چاہا اور اس کی خبر ابوسفیان کو ہوئی (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) تو انھوں نے قریش کے ممتاز افراد کو جمع کر کے کہا: "خدا کی قسم اگر یہ محمدؐ کے پاس چلا گیا اور ان کی پیروی کر لی تو اپنے اشعار کے ذریعہ سارے عرب کی آگ تمھارے خلاف بھڑکا دے گا اس لئے اس کے لئے سَو اونٹ جمع کرو" چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اعشیٰ نے وہ اونٹ لے کر اپنے شہر کی راہ لی۔

اسی طرح محلق نام کا ایک گمنام اور انتہائی غریب شخص تھا اس کی تین (کہیں کہیں آٹھ کا ذکر آتا ہے) بیٹیاں تھیں جن کی شادی غربت کی وجہ سے نہیں ہو پا رہی تھی۔ اتفاق سے اعشیٰ کہیں سے اس طرف آ نکلا محلق کی بیوی کو اس کی خبر پہنچی تو شوہر سے کہا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کی مدح کر دیتا ہے وہ تمام ملک میں مشہور ہو جاتا ہے محلق نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر فوراً اس کی دعوت کر دی اور عمدہ کھانا کھلایا اور شراب پلائی۔ اعشیٰ نے محلق کی اولاد کا حال دریافت کیا محلق نے اپنی لڑکیوں کی بپتا سنائی۔ اعشیٰ نے کہا اچھا ہم اس کی کچھ فکر کریں گے تم اطمینان رکھو، جب عرب کا سالانہ میلہ (سوق عکاظ) کا وقت آیا تو اس نے مجمع عام میں ایک قصیدہ محلق کی مدح میں پڑھا اس کی سخاوت اور مہمانداری کی تعریف نہایت بلیغ انداز میں کی، چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ جونہی اعشیٰ نے محلق کی شان میں یہ مدحیہ قصیدہ پڑھا چاروں طرف سے امراء و شرفاء اور بڑے لوگوں کے پیغامات اس کی لڑکیوں کے لئے آنے لگے اور ہفتہ کے اندر اس کی تمام لڑکیوں کی شادی اونچے گھرانوں میں ہو گئی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شاعری کا عرب میں بڑا اثر تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جن آ کر انھیں مضامین بتا جاتے ہیں یا شیطان ان کے استاد ہیں۔ ان کو ساحر بھی سمجھا جاتا تھا۔

اس ماحول میں جب ہمارے نبی محمد مصطفیٰؐ مبعوث ہوئے اور آپ کی زبان مبارک سے کفارِ مکہ نے قرآنی آیات سُنی تو اس کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان سے وہ مبہوت ہو گئے ایسا کلام انھوں نے اس سے قبل کبھی نہیں سُنا تھا، چنانچہ جب انھوں نے حسب ذیل دل آویز مسجع عبارت سُنی وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا اور لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا، اسی طرح وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ تو اس کلام میں انھوں نے پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ شعری نغمگی کو بھی محسوس کیا اور عجب نہیں کہ اس کلام کو شاعری اور جناب رسولؐ کو شاعر کہہ بیٹھے۔ یہی نہیں بلکہ کوئی آپؐ کو ساحر کاہن بتاتا تو کہیں سے مجنوں کا لقب ملتا۔ چنانچہ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں۔

۱۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ (سورۂ یٰسین آیۃ ۶۹)

(ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور نہ یہ آپ کی شایان شان تھی وہ تو محض نصیحت اور کھلی ہوئی کتاب ہے)

۲۔ بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (سورۃ الانبیاء آیۃ ۵)

(مشرکین) نے کہا کہ یہ قرآن پریشان خیالات ہیں بلکہ انھوں نے اس کو تراش لیا ہے، بلکہ یہ تو یہ ایک شاعر شخص ہیں تو ان کو چاہئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لادیں جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے۔

۳۔ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (سورۃ الصافات آیۃ ۳۶)

(وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں)

۴۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ (سورۃ الطور آیۃ ۳۰)

(کیا یہ لوگ بھی یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں۔ ہم ان کے بارے میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں)

۵۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (سورۃ الحاقہ ۴۰-۴۱)

(یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان لاتے ہو)

رفتہ رفتہ توفیق الٰہی سے عربوں میں یہ بات ذہن نشین ہوتی گئی کہ درحقیقت یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے نہ وہ شعر و شاعری ہے اور نہ سجع کاہن، تو وہ لوگ مسلمان ہونے لگے اب بجائے شعر و شاعری کے تلاوت قرآن کرنے اسے حفظ کرنے اور اس کے معنی و مطالب پر غور و فکر کرنے میں اپنا زیادہ وقت صرف کرنے لگے، حضرت لبید جاہلیت میں بڑے زبردست شاعر تھے لیکن جب مشرف باسلام ہوئے تو شعر گوئی چھوڑ دی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کے اسلام کے بعد کا کلام سننا چاہا تو حضرت لبید نے سورۂ بقرۃ لکھ کر بھیجدی اور کہلایا۔ ابدلنی اللہ ھذا فی الاسلام مکان الشعر (اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام لانے کے بعد شعر کی جگہ یہ عطا کیا ہے) حضرت حسانؓ کا کلام جاہلیت میں بڑا زبردست تھا لیکن اسلام کے بعد وہ بات نہیں رہی تھی اس کی وجہ خود حضرت حسانؓ نے یہ بتائی کہ شعر کی خوبی کذب و مبالغہ ہے اور اسلام میں یہ کہاں جائز ہے۔

ہمارے نبیؐ کے مزاج اقدس کو شاعری کے ساتھ کوئی مناسبت نہ تھی۔ آپ نے کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ کوئی شعر حضورؐ کو پورا یاد نہ تھا۔ اگر کبھی کسی شاعر کا کوئی اچھا شعر زبان مبارک پر آتا تھا تو غیر موزوں پڑھ جاتے تھے۔ یا اس میں الفاظ کا الٹ پھیر ہو جاتا تھا۔

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران تقریر آپؐ نے کسی شاعر کا مصرعہ یوں نقل کیا۔

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اصل مصرعہ یوں ہے۔

کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا

اس کے علاوہ تاریخ میں آتا ہے کہ اگر کوئی شاعر حاضر ہو کر آپؐ کو اپنا شعر سناتا تو آپ اس کے جواب میں قرآنی آیات تلاوت فرما دیا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں شاعر ہوں میرا کلام سنیے آپؐ نے اجازت دی تو اس نے چند شعر پڑھے آپ نے اس کے جواب میں سورۂ اخلاص پڑھ دی۔

عرب میں اس وقت جس قسم کی شاعری کا رواج تھا اس میں یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین ہوتے تھے یا شراب نوشی کے یا پھر نسلی فخر و غرور کے نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں بہت کم پائی جاتی تھیں چنانچہ نبیؐ نے اس قسم کی شاعری کے بارے میں فرمایا "لأن یمتلئ جوف احدکم قیحا خیر لہ من ان یمتلئ شعرا" (تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے)

مذکورہ بالا واقعات و حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام شعر و شاعری کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے بہت سے عرب مؤرخین اور نقادوں نے مختلف دلیلوں سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ موجودہ زمانے میں تاریخ ادب عربی کے سلسلہ میں جو تحقیقات ہوئی ہیں ان کی روشنی میں دیکھنے سے ہمیں حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے یعنی یہ کہ نہ تو قرآن اور نہ ہی آنحضرتؐ نے شعر و شاعری کو برا سمجھا اور نہ اسلامی زمانے میں شعر و شاعری کمزور اور ماند پڑی اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے قرآن کی اس آیت کی گہرائی میں جاتے ہیں جو شعر و شاعری سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے وہ آیت سورۂ شعراء کی ہے۔ "وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں (اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین) کے ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انھوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا۔ اور انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے اس کا بدلہ لیا) فتح الباری میں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے سرکار دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ خدائے ذوالجلال نے آیت نازل فرمائی ہے۔ اور ہم بھی شعر کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ آیت کے آخری حصہ کو پڑھو مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے اس لئے تم اس استثناء میں داخل ہو جو آخر آیت میں مذکور ہے۔ اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں کیونکہ گمراہ اور سرکش لوگ ان ہی کے اشعار کی اتباع کرتے تھے تاریخ میں ہمیں ایسے چند شعراء کا ذکر ملتا ہے مثلاً ابوعزہ الجمحی نے اپنے قصیدہ المیمیۃ کے ذریعہ بنی کنانہ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ابھارا تھا۔ امیہ بن ابی الصلت الثقفی نے معرکۂ بدر میں مشرکین کے قتل پر مرثیہ کہا۔ اس کے علاوہ عقبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ نے حضورؐ کی ہجو میں

اشعار کہے۔ یہودی شعراء میں کعب بن اشرف تھا جو محمد بن مسلمہ کے ہاتھوں قتل ہوا جبکہ اس نے رسولؐ کی ہجو کی اور ازواج مطہراتؓ اور مسلمان عورتوں سے تشبیب کی۔

اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں یعنی ان کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سخاوت کا مضمون اس زور شور سے بیان کرتے ہیں کہ آدمی سمجھے کہ شاید ان سے بڑھ کر کوئی دریادل نہ ہوگا۔ مگر عمل میں کوئی دیکھے تو معلوم ہوگا کہ سخت بخیل ہیں۔ بہادری کی باتیں کرتے ہیں مگر خود بزدل ہوتے ہیں۔ دوسروں کی ادنیٰ کمزوریوں پر نگاہ رکھتے ہیں مگر خود بدترین کمزوریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اس طرح کی مبالغہ آرائی اور ناپسندیدہ بات سے ایمان والے شعراء جنھوں نے نیک عمل کئے اور ظلم سہنے کے بعد کامیاب ہوئے وہ شعراء کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں ایسے شعراء کی چار خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ مومن ہوں، دوسرے یہ کہ اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں، تیسرے یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں، چوتھی صفت یہ کہ وہ ناحق کسی شخص کی ہجو نہ کریں، اور نہ ذاتی یا نسلی عصبیتوں کے خاطر انتقام کی آگ بھڑکائیں مگر جب ظالموں سے مقابلہ ہو تو زبان سے وہی کام لیں جو مجاہد نیزہ و شمشیر سے لیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شعر گوئی مطلقاً بری نہیں ہے بلکہ جن اشعار میں خداتعالیٰ کی نافرمانی ہو یا فحش کلام ہو یا شخصی اغراض کے لئے ہجو ہو وہ مذموم ہے جہاں تک حضورؐ کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ آدمی اپنا پورا پیٹ پیپ سے بھرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنا پیٹ شعر سے بھرے تو اس حدیث کے پیچھے ایک واقعہ ہے ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ آنحضرتؐ کے ساتھ عرج میں چل رہے تھے اتنے میں ایک شاعر گنگناتا ہوا نمودار ہوا۔ آنحضرتؐ نے جو یہ دیکھا تو فرمایا پکڑنا اس شیطان کو' یا پکڑنا اس شیطان کو کہ تم میں سے اگر کوئی اپنا پورا پیٹ پیپ سے بھرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنا پیٹ شعر سے بھرے۔ اس واقعہ سے یہ بات ضرور سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کے گائے ہوئے اشعار کا لوگوں پر کوئی غیر معمولی اثر ہوا ہوگا جسے آپ نے محسوس کیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شاعر کے کلام میں کوئی بات اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض رہی ہوگی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ، قرآن اور علم کے اشتعال پر غالب آجائے تو مذموم ہے اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں۔

ہمارے نبیؐ نے اگرچہ بذات خود کوئی شعر موزوں نہیں کہا تاہم آپ کا رویہ شاعری کے حق میں بڑا روادارانہ تھا۔ آپؐ عمدہ اشعار کو پسند فرماتے تھے اور دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے، اگر کوئی شعر پسند آجاتا تھا تو شاعر کو دُعائے نیک دیتے تھے چنانچہ جاہلی دور کے مشہور شاعر نابغہ کو آپ نے دعا دی تھی۔ لا یفضض اللّٰہ فاک (اللہ تیرے منہ کو شکستگی لاحق نہ کرے) چنانچہ الاغانی میں روایت ہے کہ سو سال کے قریب عمر کو پہنچ کر بھی نابغہ کے دانت ہلے تک نہیں تھے۔

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے سّو کے قریب اعلیٰ اشعار سنائے اور آپ فرماتے گئے ھیہ (اور سناؤ) صحیح بخاری میں مرفوعاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "شعر بمنزلہ کلام کے ہے اچھا شعر اچھے کلام کے مانند ہے اور برا شعر برے کلام کے مانند ہے شعرائے جاہلیت نے جب اسلام اور نبیؐ کے خلاف الزامات کا طوفان اٹھایا تو آپ نے حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ سے اس کا جواب دینے کی خواہش کی۔ تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت حسانؓ کے لئے مسجد میں منبر بچھا دیا جاتا تھا۔ رسول مقبولؐ فرمایا کرتے تھے، جب حسانؓ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔ تو روح القدس اس کی مدد کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت حسانؓ سے (کہیں کہیں یہ بات کعب بن مالکؓ کے لئے آئی ہے) فرمایا، تو کافروں کی ہجو کر تیری ہجو ان کے لئے تیر سے زیادہ کاری ضرب ہے آپ کا ارشاد تھا ان المؤمن یجاھد بسیفہ ولسانہ۔ (مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی) کسی جنگ میں ایک صحابیؓ زخمی ہوگئے ان کا خون زخم سے بہنا بند نہ ہوا۔ اتنے میں حضرت حسانؓ وہاں آئے انھوں نے کافور منگایا اور اسے زخم پر لگایا جس سے صحابی کا خون بہنا فوراً بند ہوگیا۔ حضورؐ نے پوچھا: حسانؓ تم نے یہ علاج کہاں سے سیکھا انھوں نے کہا ایک شاعر کے اس قول سے:

ذکرت لیلۃ وصلھا فی ھجرھا
فجرت مدامع مقلتی کالعندم
فطفقت أمسح مقلتی بخدھا
اذا عادۃ الکافور امساک الدم

(یعنی میں نے محبوبہ کے ہجر میں اس کے وصل کی رات کا خیال کیا تو میری آنکھوں سے آنسو عندم (سرخ پاؤڈر) کے مانند بہے تو میں اپنی آنکھوں کو اس کے رخسار سے رگڑنے لگا (تو آنسو بہنا بند ہوگیا) جیسا کہ کافور خون روک دیتا ہے) یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا ان من الشعر لحکمۃ اور بعضوں نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی بڑھائے ہیں وان من البیان لسحرا یعنی بعض اشعار حکمت و دانائی اور بعض اسلوب جادو بیانی کا خزانہ ہوتے ہیں۔

کعب بن زہیرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ اسلام لانے سے قبل آنحضرتؐ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ آخر رسول مقبولؐ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا تو یہ اپنے گناہوں سے توبہ کرکے دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ آپؐ کی مدح میں اپنا مشہور لامیہ

قصیدہ کہا جس کو سن کر حضورؐ اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی چادر مبارک اتار کر ان کو اڑھادی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصیدے کا نام قصیدۃ البردۃ (چادر والا قصیدہ) پڑ گیا یہ قصیدہ آج تک عرب ممالک میں سیرت کے جلسوں میں پڑھا جاتا ہے. قصیدہ کا مطلع ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

جاہلی ریت کے مطابق تشبیب سے شروع کیا ہے اور آگے چل کر اپنے اصل مقصد یعنی حضورؐ کی مدح پر آتے ہیں اور کہتے ہیں:

ان الرسول لسیف یستضاء بہ
مہند من سیوف اللہ مسلول

(آپؐ اللہ کی وہ تلوار ہیں جو اپنی روشنی اور نور میں ہندوستان کی آبدار اور چمکیلی تلوار کی طرح ہے) آگے اس قصیدہ میں مہاجرین کی بھی بہت تعریف کی ہے۔

مذکورہ واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے نبیؐ عمدہ اشعار کو پسند فرماتے تھے اور بقول حاتم الرازی "آنحضرتؐ نہ صرف شعر کو پسند کرتے تھے بلکہ فرمائش کر کے سنتے بھی تھے. شعر سن کر مجرموں اور خطا کاروں کو معاف فرمادیا کرتے تھے اور معذرت و توبہ قبول فرماتے تھے اچھا شعر کہنے پر انعام و اکرام سے نوازتے بھی تھے اور اچھا شعر سن کر فرط انبساط سے جھومنے لگتے تھے.

خلفاء راشدین کا رویہ بھی شاعری کے ساتھ وہی رہا جو آنحضرتؐ کا تھا. اس دور میں ادبی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں شعراء عوام شریک ہوا کرتے تھے نعتیہ و اخلاقی شاعری کو فروغ حاصل ہوا. البتہ یہ امر واضح ہے کہ مسلمانوں کی زیادہ توجہ قرآن کی تعلیم کی طرف تھی. ایک مرتبہ فرزدق شاعر کا باپ اپنے بیٹے کو حضرت علیؓ کی خدمت میں لاکر عرض کیا کہ یہ شاعر ہے کچھ اس کا کلام آپ سن لیجئے حضرت علیؓ نے فرمایا اسے قرآن کی تعلیم دو. الفاظ قرآن پاک کی تفسیر میں اشعار جاہلیہ سے مدد ملتی تھی اس لئے بجائے شعر گوئی کے شعر فہمی اور ادب و عربیت کی طرف زیادہ توجہ کی گئی۔ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے "اذا اعیاکم تفسیر آیۃ من اللہ فاطلبوہ فی الشعر فانہ دیوان العرب. (جب تم کو کسی آیت کی تفسیر میں دقت پیش آئے تو اس کے معنی شعر سے حل کرو کیونکہ شعر عرب کا دیوان ہے).

خود خلفاء راشدین نے بھی شعر کہے ہیں لیکن بہت تھوڑے، ابن عبد البر نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور علیؓ تینوں شاعر تھے اور حضرت علیؓ تینوں میں بڑھے ہوئے تھے علی بن شاکر المورستاری نے اشعار صحابہ کرام جمع کر کے ایک مختصر شرح لکھی جس کا نام حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ہے۔ اس میں چند اشعار حضرت ابو بکرؓ کی طرف منسوب کر کے لکھے گئے ہیں حضرت عمرؓ شعر و شاعری کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، دور جاہلی کی شاعری عربوں کے انساب اور ان کی کہاوتیں انھیں یاد تھیں۔ آپؓ فرماتے تھے اردوا من الشعر اعفہ (عمدہ شعر پڑھا کرو) آپ نے تمام عُمّال کو یہ فرمان لکھ کر بھیجا تھا کہ اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلین اور اچھے شعر یاد کراؤ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس طرح خطبات مدون کئے گئے ہیں اس طرح آپ کے اشعار بھی دیوان کی شکل میں جمع کئے گئے ہیں. علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح نہج البلاغہ کے تمام خطبات آپ کے نہیں ہیں اسی طرح دیوان علی کے بھی تمام اشعار آپ کے نہیں ہیں؟

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام مذہب شاعری کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ محض شاعری کی اس قسم کو ناپسند کرتا ہے جو اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرتی ہے. اور دلوں کی پوشیدہ بغض و عداوت کو برانگیختہ کرتی ہے. حقیقت تو یہ ہے کہ غیر اخلاقی جذباتیت خواہ وہ شعر کی صورت میں ظاہر ہو یا نثر میں اسے نہ آنحضرتؐ نے پسند فرمایا اور نہ خلفائے راشدین نے اور نہ ہی کوئی سلیم الطبع انسان پسند کر سکتا ہے۔

نوٹ:۔ اس مضمون کو لکھنے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے.

۱۔ ادب العربی حصہ اول زبید احمد طبع ۱۹۲۶ء
۲۔ افاقۃ عربیۃ (عراقی مجلہ) عراق طبع ۱۹۸۰ء
۳۔ علوم و فنون عہد عباسی میں۔ رضوان علوی طبع ۱۹۸۷ء
۴۔ عربی ادب کی تاریخ؛ حصہ اول و دوئم: ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی طبع ۱۹۸۹ء (۵) تفہیم القرآن۔ ابوالاعلیٰ مودودی.
۶۔ معارف القرآن: مفتی محمد شفیع
۷۔ الاغانی: ابوالفرج اصفہانی.

بقیہ:۔ اولاد کی تربیت

ضروری ہیں بچہ کو علم و عمل کا شیدائی بنانے کی کوشش کریں اس کو ایسے بزرگوں کے واقعات سے روشناس کرائیں جو اس کے اسلاف میں پائے گئے ہوں۔ سچ بولنا. جھوٹ سے نفرت کرنا کسی پر ظلم کرنا، کسی چیز کو بلا اجازت نہ لینا یہ وہ اوصاف ہیں جو ایک بچہ کے ذہن میں بچپن ہی سے پیوستہ کئے جا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ماں کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ ان اوصاف کو بچہ میں پیدا کرے ان پر عمل کرنے اور ان کو اپنانے پر بچہ کو آمادہ کر سکتی ہے کیونکہ بچہ کا زیادہ وقت ماں کے ساتھ ہی گذرتا ہے اور میں نے یہ بات پہلے بھی کہی کہ بچہ بہ نسبت باپ کے اپنی ماں سے زیادہ اُنس رکھتا ہے۔ لہٰذا ایک ماں اپنے بچہ کو ان چیزوں کا اور دوسری وہ باتیں اور وہ اخلاق جو انسانی فطرت سے قریب تر ہیں بخوبی اپنے بچہ میں پیدا کر سکتی ہے اور ان چیزوں کا عادی و عامل بنا سکتی ہے اور یہی چیزیں آگے چل کر بچہ کے لئے ٹھوس بنیاد کا کام کریں گی اور بچہ انھیں زریں اصولوں پر اپنی طویل زندگی اور بہترین مستقبل کی بنیاد قائم کرے گا. اور یہ چیزیں انتہائی مستحکم ہوں گی اور پائے ثبات کو تا زندگی لغزشوں سے محفوظ رکھیں گی۔

ناظر کتب خانہ شبلیؒ ـــــ مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہریؒ

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

مکین اشرف صدیقی۔ متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء

ایک محسن کی یاد میں آج میں اپنے منتشر خیالات واحساسات کو یکجا کر کے خراج عقیدت کی چند سطریں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جو اپنے دل کی آواز، غمزدہ قلب کی شہادت اور رنج و غم میں ڈوبے ہوئے ضمیر کی صدا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے، خوشی کے موقع پر ہنس پڑنا اور غموں پر رو پڑنا انسانی فطرت ہے لیکن اس وقت تمام طلبا ایک ایسے عظیم جانکاہ حادثے سے دوچار ہوئے ہیں جس کے سبب طلبا دار العلوم اساتذۂ کرام، محبین ندوۃ العلماء اور اہل علم حضرات کے قلوب درد والم اور غمناک آنکھیں اشکبار ہیں۔ یعنی ہم سب کے محسن و مربی محترم مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوکر جوار رحمت میں چلے گئے اور ۴ر نومبر ۱۹۹۵ء کو اپنے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سچ ہے کہ دنیا عالَمِ فانی ہے اور مسافران آخرت کی سرائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نہ ایک دن ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

یہ غیر متوقع اور المناک خبر جب کانوں سے ٹکرائی تو چند لمحوں کے لئے دامنِ ہوش ہاتھوں سے جاتا رہا، آپ کے انتقال کر جانے کا غم مجھ کو ہی نہیں بلکہ ہم تمام طلبا ندوہ کو ہے کیونکہ ہم سبھوں پر آپ کا ناقابل فراموش احسان ہے اور اس حقیقت سے انکار کرنا اتنا ہی مشکل ہے، جتنا کہ جلتی ہوئی آگ میں میٹھی نیند سو لینا۔

مولانا مرحوم دار العلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی کے ناظر رہے اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے اس مبارک کام کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر انجام دیا۔ ہم طلبائے ندوہ کے ساتھ جو آپ کا مخلصانہ رویہ تھا وہ لائق تحسین ہے آپ بہت خوش اخلاق صالح و متقی اور ایک وفا شعار انسان تھے ناچیز کو بھی کئی بار آپ سے مقالہ لکھنے کے سلسلے میں ملنے کا موقع ملا، آپ نہایت ہی خلوص کے ساتھ مشورہ دیتے اور چلتے وقت مواد بھی فراہم کرتے، ملنے جلنے کا انداز ایسا ہوتا جیسے لگتا کہ میں آپ کا برسوں پہلے کھویا ہوا لڑکا ہوں اور آج آپ کے سامنے آیا ہوں یہ ایک حقیقت ہے کہ اس جانکاہ حادثہ کے اندر صدائے ماتم کی فغان سنجی ہے جس میں اضطراب والم کی ندا ہے، جس میں چشم خونبار کی اشک فشانی ہے جس میں درد وکرب کی وہ تمام چیخیں ہیں جن کا پیغام ہے کہ اے طلبا (ندوہ) تم ہمارے جانے پہ غم مت کرو کیونکہ ہر جاندار کو ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے اس لئے صبر کرو میرے لئے دعائے مغفرت کرو اور کتب خانہ کی کتابوں کو اپنے سے زیادہ محبوب سمجھو، زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرو اور اپنی شخصیت کو ابھارو تاکہ اگر تم کو باطل خطرات کا سامنا کرنا پڑے تو تم انھیں دنداں شکن جواب دے سکو بس اب میں تم سے جدا ہوکر داعیِ اجل کو لبیک کہتا ہوں یہ تھا مولانا موصوف کی نصیحتوں کا خلاصہ ہم طلبائے ندوۃ العلماء کے نام جس کو میں اپنے منتشر خیالات واحساسات کو قابو میں رکھ کر قلم بند کر رہا ہوں، یہ جذبات کی عکاسی نہیں بلکہ یہ ایک محسن اور مربی کے دل کی وہ صدا ہے جس کو ہم آپ کی زندگی کی صحبتوں میں سنا یا دیکھا کرتے تھے ؎

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

اس جانکاہ حادثہ کی خبر سن کر عالم ربانی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی ضعف عمری کے باوجود جنازہ میں شرکت کے لئے فوراً دار العلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے آپ کو دیکھ کر مرحوم سے آپ کی بے پناہ تعلق و محبت کا اندازہ ہو رہا تھا آنکھیں اشکبار تھیں گویا حزن و ملال کی کیفیت سے نڈھال نظر آرہے تھے اس وقت آپ کی اس اضطرابی کیفیت کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ گویا آپ زبان حال سے فرما رہے ہوں۔

"ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے"

نماز جنازہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے پڑھائی اس کے بعد جب مولانا مرحوم کو قبرستان لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت کا منظر دیکھ کر فارسی کا یہ شعر یاد آیا ؎

"سلطان خوباں می رود ہر سو ہجوم عاشقاں
نازی سواراں اک طرف مسکیں گدایاں اک طرف"

بعد نماز مغرب تعزیتی جلسہ ہوا جس میں ڈاکٹر عبد اللہ عباس صاحب ندوی اور مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا۔ حضرت مولانا نے اپنے شدید رنج والم کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے مولانا کے اوصاف وکمالات پر روشنی ڈالی۔ حضرت مولانا کی تقریر کو سن کر اندازہ ہو رہا تھا کہ مرحوم سے آپ کو زبردست قلبی لگاؤ اور بہت گہرا تعلق ہے چنانچہ مولانا نے اپنے

خاندان کے ایک اہم فرد ہونے کا بار بار اظہار بھی فرمایا اس کے علاوہ کچھ دوسرے تاریخی حقائق بھی بیان فرمائے جن کو سن کر مرحوم کی عبقری شخصیت ہم طلبا ندوہ کے سامنے نکھر کر آئی اور معلوم ہوا کہ مرحوم مختلف میدانوں کے مرد کار اور دز شہسوار تھے۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے احمد آباد کے جلسہ کی کامیابی کا راز مولانا سید محمد مرتضیٰ علیہ الرحمہ کی مخلصانہ جد و جہد کو ٹھہرایا جو ایک حقیقت بھی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا مولانا کو سب سے زیادہ غم اس بات پر ہوا کہ عصر حاضر میں عالموں کی کمی نہیں، کمی تو مخلصین و محبین اور وفا شعار انسانوں کی ہے اور میں بلاشبہ اس بات کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مرحوم مخلصین و محبین اور وفا شعار انسانوں میں سے ایک تھے جن کی آج عالم انسانیت کو ضرورت تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنی صحت کا پاس و لحاظ نہیں رکھا کسی بھی قسم کا غرور و نخوت نہ تھا۔ سادگی ان کی زینت اور صفت خاص تھی۔ اور کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء کو زیادہ سے زیادہ کتابوں سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے تمام تر تعلقات اور قربانیاں صرف کرتے تھے یقیناً مولانا موصوف کا یہ عظیم کارنامہ انفس و آفاق پر چھایا رہے گا، صبح کی برودت دنوں کی حرارت باد سحرگاہی کی لطافت شبنم کی افتادگی ساحل کی بے نیازی غنچوں کی چٹک پھولوں کی مہک اور بجلی کی تڑپ میں آپ کی یادوں کی قندیلیں ہمیشہ ضوء فشاں رہیں گی، اللہ آپ کی قبر کو منور کرے آپ کے درجات بلند کرے، انبیاء صدیقین شہداء اولیاء کے جوار میں جگہ نصیب کرے اور صبح و شام کی ابر ہائے رحمت آپ کے مرقد کو سیراب کرتے رہیں ۔

اللہ ان پہ بارش رحمت ہو دم بہ دم
ان کے لئے کھلیں ترے رحم و کرم کے باب

ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے[1]

خلیل پرتاپ گڈھی

حمد اس رب کی کہ جو ہے خالقِ کون و مکاں ۔۔۔ جس کی ہی تخلیق سے ہیں یہ زمین و آسماں
جس کی رحمت سے ہے یہ شاداب سارا گلستاں ۔۔۔ ہے ثنا خوانی میں جس کی ہر بشر رطب اللساں
ایسے چرچے ہوں جہاں ترجیح ان کو دیجئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

قابلِ تعریف ہیں وہ باغبانِ بوستاں ۔۔۔ جو تھے آزادی کے متوالے وطن کے پاسباں
خون کے اک ایک قطرہ سے ہی سینچا گلستاں ۔۔۔ درسگاہوں کو کیا قائم مٹا کر اپنی جاں
ناز ہے ان پر جو میر کارواں بن کر جئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

ان مدارس نے دیئے دنیا کو گوہر آبدار ۔۔۔ وقت آنے پر جنھوں نے کی ہے اپنی جاں نثار
جو تھے شب بیدار و دن کی روشنی میں شہسوار ۔۔۔ ان پہ رحمت کی گھٹا چھائی بفضلِ کردگار
آپ بھی کچھ کیجئے اپنی بھلائی کے لئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

یہ مدارس ملک کے ہیں مثل شمع انجمن ۔۔۔ روشنی ہے ان کے دم سے انجمن در انجمن
یہ سکھاتے ہیں زمانے کو محبت کا چلن ۔۔۔ دیتے ہیں انسانیت کا درس، ہے وہ بانکپن
یہ رہیں قائم ہمیشہ ایسا ہی کچھ سوچئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

پاور اسٹیشن کے ہیں مانند یہ روح رواں ۔۔۔ بانٹتے ہیں روشنی سکھ شانتی کی بے گماں
یہ نہ رہ پائے تو گھر گھر روشنی ہوگی کہاں ۔۔۔ گر مٹے، تاریکیوں میں ڈوب جائے گا جہاں
کیجئے روشن جہاں میں علم کے بجھتے دیئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

مخزنِ انسانیت، علم و ادب اور فکر و فن ۔۔۔ گر کسی نے ان کو لوٹا، لٹ گیا گویا وطن
روشنی اٹھ جائے گی ہوگا اندھیروں کا چلن ۔۔۔ ہے یہ قول شہرۂ آفاق حضرت بوالحسن
ان کی رکھوالی میں اب راتوں کو جاگا کیجئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

التجا ہے آپ سے یہ اے محبانِ وطن ۔۔۔ ان مدارس کو ترقی دیں بمال و جان و تن
ہوں محافظ آپ اس کے جو کہ ہے روح چمن ۔۔۔ نوچ کھائیں دگر نہ وقت کے زاغ و زغن
وقت اب اس میں لگا کر اپنا حصہ لیجئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

ہے خلیل اپنی دعا دل سے کہ رب ذوالجلال ۔۔۔ ان مدارس دینیہ کا ہر طرف پھیلائے جال
ہو جنھیں ہر دل میں اس کی ذہن میں ہو یہ خیال ۔۔۔ نقش پائے مصطفےٰ ہے رہنمائے باکمال
آپسی نفرت مٹا کر وقت تھوڑا دیجئے
ان مدارس دینیہ کا اب تحفظ کیجئے

[1] یہ نظم غازی پور میں ۸ر نومبر ۱۹۹۵ء کو تحفظ مدارس کانفرنس کے موقع پڑھی گئی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ادارہ)

اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری

مصعب عثمان قریشی

اولاد جو شادی کے بعد خدا کی طرف سے گرانمایہ عطیہ و تحفہ ہے جو دنیا کی بہترین نعمت اور شادی جیسے مبارک رشتہ کا ماحصل ہے اس کا وجود اپنے ساتھ بے شمار حقوق اور ذمہ داریاں رکھتا ہے کسی انسان کے لئے محض اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ صاحب اولاد بن جائے اور دنیا اسے ماں یا باپ کہہ کر بلانے یا پکارنے لگے، خوش نصیب ہیں وہ والدین جن کا کردار اپنی اولاد کی تربیت میں نمایاں اور مؤثر ہے اور بچے ایسے والدین کے زیر سایہ تربیت پاکر نہ صرف ان کے لئے نیک نامی اور باعث افتخار بنتے ہیں بلکہ اپنے اثرات سے ایک بڑی قوم کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔

بچہ جس وقت کائنات عالم میں اپنا وجود لے کر آتا ہے ماں باپ پر اس کی ذمہ داریاں اسی وقت سے عائد ہو جاتی ہیں ان میں بعض تو ایسی ذمہ داریاں ہیں کہ از روئے اخلاق ان کی ادائیگی نہ کرنے پر یا تساہلی اور تغافل برتنے والے پر اس کی ملامت کی جاتی ہے اور بعض وہ ذمہ داریاں ہیں جن کا تعلق شریعت سے مربوط ہے اور ان کو نظر انداز کرنے والا مستحق غضب الٰہی ہوتا ہے۔

بچہ کی تربیت ایک ایسی ذمہ داری ہے جو شریعت مطہرہ کی طرف سے والدین پر عائد ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں جس فریق کی طرف سے بھی کمی یا غفلت پائی جائے گی۔ وہ از روئے شرع عنداللہ ماخوذ ہوگا کیونکہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

(متفق علیہ)

تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

اللہ کے رسولؐ نے ہر شخص کو ذمہ دار بنا دیا ہے ذمہ دار بنانے میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ عورت ذمہ دار ہے یا مرد ذمہ دار ہے بوڑھا ذمہ دار ہے کہ جوان ذمہ دار ہے گورا ذمہ دار ہے یا کالا ذمہ دار ہے بلکہ فرمایا کہ ہر شخص ذمہ دار ہے یعنی جو بھی دنیا میں ہے وہ ذمہ دار ہے ذمہ داری البتہ ذمہ دار کے اعتبار سے ہوگی۔ مرد کو عورت کی ذمہ داریاں نہیں دی جا سکتیں اور عورت کو مرد کی طرح ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ حاکم کی ذمہ داریاں غلام کی ذمہ داریوں سے مختلف ہوں گی، لیکن ایک چیز بہر حال قدر مشترک ہے اور وہ ہے ہر شخص کا ذمہ دار ہونا۔

مذکورہ بالا حدیث کے ضمن میں ہی اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے۔

اَلرَّجُلُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

مرد ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

ایک مرد کی جو ذمہ داریاں ہو سکتی ہیں اور جس انداز کی ہو سکتی ہیں ان سب کا احاطہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرما دیا کہ ان کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا میں اس وقت مرد کی ساری ذمہ داریوں سے قطع نظر کرتے ہوئے موضوع کے تحت اس کی ذمہ داریوں کا ذکر کروں گا۔

اپنی اولاد کے لئے تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام کرنے کا ذمہ دار ایک مرد ہے یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی نشو و نما پر خاص نظر رکھے اس کا ماحول کیا ہے۔ اس کا میلان نفس کیا ہے اس کی رغبت کیا ہے ان چیزوں پر سخت نظر رکھے۔ بچہ کی جو ضروریات ہیں اپنی مقدور بھر ان کو جائز حدود میں رہتے ہوئے پورا کرے۔

خصوصاً اپنے بچوں کے لئے دینی تعلیم کا بہترین انتظام کرے یہ ایک مرد کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی نشو و نما اسلامی ماحول میں کرے اس کو دین اسلام سے آشنا کرائے، اسے توحید کا درس دے، رسولؐ کی محبت اس کے دل میں بٹھائے، اس کو ہر ایسے فعل و قول کی تلقین کرے جسے فطرت صحیحہ اچھا اور بہتر سمجھتی ہو اس کو زندگی کے آداب، کھانے پینے کے آداب، خلوت وجلوت کے آداب اجتماعی و انفرادی زندگی کے آداب، غرضیکہ اپنے بچوں کو ہر اس خوبی سے آراستہ کرے جو تعلیم نبوی اور اسلامی تربیت سے میل کھاتی ہو رسولؐ اللہ کا ارشاد گرامی ہے

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ (ترمذی)

کوئی باپ اپنی اولاد کو حسن ادب (واخلاق) سے بہتر عطیہ و تحفہ نہیں دیتا ہے (ترمذی)

مشاہدہ بتاتا ہے کہ ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بہتر سے بہتر چیز دے کر اسے خوش کرے اور اسے خوشحال دیکھے اور اس کے لئے ہر باپ اپنی استطاعت بھر کوشش بھی کرتا ہے لیکن اللہ کے رسولؐ کا ارشاد واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ اگر ایک باپ نے اپنی اولاد حسن ادب اور حسن اخلاق سے مزین کیا ہے تو پھر اس کے ہر عطیہ و تحفہ کی تعریف ہے لیکن اگر اس نے حسن ادب نہیں دیا، اچھی تعلیمات سے اس کو سجایا سنوارا نہیں، اسے زندگی گذارنے کے سلیقہ سے روشناس نہیں کرایا

تو دنیا کی ہی دولت نہیں بلکہ اگر ہفت اقلیم کی دولت بھی دیدی تو ہیچ ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اپنی اولاد کے ساتھ مشفقانہ اور ناصحانہ سلوک نہیں کیا اس نے اپنی اولاد کے ساتھ محبت کا معاملہ نہیں کیا تو کیا عجب ہے کہ اس نے دنیا کی دولت دے کر اپنی اولاد کے لیے ہی وبال جان بن کر خود اپنے لئے بھی ظلم کیا ہو

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد ہمہ وقت گھر میں نہیں بیٹھا رہ سکتا ہے کیونکہ اس پر گھر کے باہر کی ذمہ داریاں ہیں جن کو پورا کرنا اس سے مطلوب و مقصود ہے اور تساہلی کرنے پر مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ مرد جب گھر پر ہے تو وہ صرف گھر کی ہی ذمہ داری سے کماحقہ بری الذمہ ہو سکتا ہے اور باہر سے تعلق رہتا ہے اور اگر باہر ہے تو وہ صرف باہر کے ہی امور انجام دے سکتا ہے اور گھر کی دیکھ بھال اسکی بساط سے باہر ہو جاتی ہے۔

لیکن اسلام کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو صرف احکام و ہدایات جاری کرتا ہو اور اسے کسی دوسری چیز سے تعلق نہ ہو بلکہ وہ ہر چیز پر نظر رکھتا ہے فطری تقاضوں اور بدیہی مسائل پر اسکی نظر رہتی ہے اور انسان کی کمزوریوں سے بھی بخوبی واقف ہے یہی سبب ہے کہ اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ملتا ہے جو فطرت انسانی کے خلاف ہو ظاہر ہے کہ جب مرد گھر پر نہ ہو تو اس کو گھر کا ذمہ دار بنانا بھی کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں ہے ایسے ہی وقت کے لئے اللہ کے رسولؐ نے بہترین رہنمائی فرمائی ہے ارشاد ہے۔

اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا۔

عورت اپنے شوہر کے گھر میں محافظہ و پاسبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

یہ ہے انسانی فطرت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہدایت جاری کرنا جو محض دین اسلام کا ہی خاصہ ہے آپ نے مرد کی عدم موجودگی میں اس کو بیوی کو ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے یہ نگرانی محض اس حد تک نہیں ہے کہ وہ صرف گھر کی چوکیداری کرے اور اپنے شوہر کی اشیاء کو ضیاع سے بچائے اور چور اچکوں سے ان کی حفاظت کرے بلکہ ہر وہ چیز جو شوہر کی پسندیدہ ہے اسکو اسی طرح برقرار رکھے کہ شوہر کی پسندیدگی اور رغبت اس سے وابستہ رہے اور کسی قسم کا تنفر اس کے دل میں نہ پیدا ہوا اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ایک مرد کو اپنی تمام چیزوں میں عزیز ترین متاع اپنی اولاد ہوتی ہے اس میں کسی قسم کا نقص کسی قسم کی کمی یا کوئی برائی ایک صحیح الفطرت مرد قطعاً پسند نہیں کرتا ہے۔

ایسی صورت میں ایک سلیقہ مند بیوی کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی اولاد کی صحیح دیکھ بھال کرے اور اس کا خاص خیال رکھے۔ ہر ایسی بات سے اولاد کو محفوظ رکھے جو کسی بھی درجہ میں بری سمجھی جاتی ہو بچہ کی صحیح تعلیم و تربیت اور اس کی بہتر نشو و نما ایک عورت کی بڑی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے بچہ کی مکمل نگرانی کرنا اور اسکو اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا ایک عقلمند عورت کی بنیادی ذمہ داری ہے جب تک بچہ ماں کی نگرانی میں ہے یہ ماں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے اخلاق، اس کی عادات اس کا رہن سہن ان سب چیزوں پر ماں نظر رکھے اور اس کو مسلسل اچھی باتوں کی تلقین کرتی رہے اس ذمہ داری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بچہ اپنی ماں سے جس قدر مانوس ہوتا ہے کسی اور سے اس قدر مانوس نہیں ہوتا لہٰذا بچہ ماں کی باتوں کو جس دلجمعی، غور و فکر اور توجہ خاص سے سُنے گا اور قبول کرے گا کسی اور کی بات پر وہ اس قدر دھیان نہیں دے گا۔ یہی سبب ہے کہ ماں کی گود کو بچہ کا پہلا مدرسہ کہا گیا ہے اگر اس مدرسہ نے اپنا کام حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا اور اپنی ذمہ داری کو مکمل طور پر پورا کیا تو یہی بچہ بڑا ہو کر ملک و ملت کے لئے فخر و ناز کا مرکز بنے گا نیک نامی اور عزت و شہرت کا ذریعہ بنے گا اور اس مدرسہ نے بچہ کی تربیت اور اس کی تعلیم میں اپنی حقیقت سے انحراف کیا تو نہ صرف یہ کہ بچہ ملک و ملت کے لئے کار آمد رکن نہ بن سکے گا اور عزت و شہرت کا ذریعہ نہ بن سکے گا بلکہ خود اپنے حق میں بھی کوئی نفع بخش اور لائق تحسین عمل نہ کر سکے گا۔ بچہ کی ترقی اس کا تابناک مستقبل معاشرہ میں اس کا رہن سہن ان چیزوں کا دار و مدار محض تعلیم و تربیت پر ہی ہے بالخصوص بنیادی ابتدائی تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تعلیمات کی اساس اور بنیاد ہوتی ہے۔

یوں بھی بہت آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ آج اگر بچہ تعلیم و تربیت سے آراستہ نہ ہوگا تو کل جب یہ ایک قوم کا امین ہوگا اس پر پوری نسل کی ذمہ داری ہوگی تو کس طرح یہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے گا۔ اور معاشرہ کے تقاضوں سے یہ کیسے برآمد ہو سکے گا۔ بچوں کی صحیح رہبری و رہنمائی کرنا یہ والدین کی اہم ذمہ داری ہے، بچہ کو تمام برائیوں سے بُری صحبتوں سے اور بُری مجلسوں اور بُری نشستگاہوں سے اس کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری والدین کی ہے بچہ کو بچپن ہی سے ایسے ماحول میں رکھنے کی کوشش کریں جو ماحول پاکیزہ و پسندیدہ ہو اور اسلامی تعلیمات سے معمور اور روشن ہو بچہ کا ذہن اس وقت ایک صاف و شفاف آئینہ ہوتا ہے اگر بچپن ہی سے اس کو مناسب اور بہتر ماحول ملے گا تو اس کا ذہن اسی وقت سے بنتا چلا جائے گا۔ اور بچہ دینی چیزیں آہستہ آہستہ اپنے ماحول سے اخذ کرنا شروع کرے گا جو اس کی آنے والی زندگی کے لئے نہایت اہم اور اس کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے انتہائی

باقی صفحہ ۳۶ پر

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا سیّد محمد رابع ندوی مدظلہٗ کو صدمہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب مدظلہ کی اہلیہ محترمہ کا ۱۸ ؍ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کو جمعرات کے دن نو بجے صبح انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کچھ عرصے سے علیل تھیں، رمضان المبارک سے ایک دن قبل علالت میں شدت پیدا ہو گئی، کمزوری کی شکایت ہو گئی تھی، ان کو رائے بریلی کے ایک نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا لیکن طبیعت گرتی ہی چلی گئی اور غفلت کی کیفیت پیدا ہونے لگی، اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور کوما جیسی کیفیت پیدا ہو گئی، ڈاکٹروں کے مشورے سے لکھنؤ لایا گیا جہاں تین دن کے بعد انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے ساتھ خصوصی رحم وکرم اور انعام کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

مرحومہ سیدہ رقیہ بی سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی کی صاحبزادی تھیں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئیں، ڈاکٹر صاحب نے خود تعلیم دی، ترجمہ قرآن اور حدیث کی خاص طور سے تعلیم دی، مرحومہ کو مطالعہ کا بڑا شوق اور کتابوں سے غیر معمولی تعلق اور شغف تھا، اچھا پاکیزہ ادبی ذوق رکھتی تھیں، اسلامیات کا خصوصی مطالعہ تھا اور اس دائرہ کے مسائل پر پختہ رائے رکھتی تھیں، اپنی بات پورے اعتماد سے کہتیں اور اس پر جمتی تھیں۔

مرحومہ کی تربیت میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی والدہ صاحبہ اور ان کی ہمشیرہ والدہ صاحبہ مولانا سید محمد رابع صاحب کا خصوصی حصہ تھا۔ والد محترم کے انتقال کے بعد اپنے عم مخدوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے زیر سرپرستی رہیں جو آپ کے مرشد ومربی ہیں، اور شفیق باپ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان پر اس حادثۂ فاجعہ کا خاص طور سے اثر پڑا۔

مرحومہ جود وسخا، داد ودہش میں ممتاز تھیں۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی ہوتی، خوش خلقی، اکرام وضیافت اور صلہ رحمی آپ کا خاص وصف تھا۔ عبادت ودعا میں خاصا وقت گذارتیں اور وظائف واشراق کی پابندی کرتیں، نماز کے لئے جلدی اٹھنے کی کوشش کرتیں، طہارت کا بڑا خیال رکھتیں، ہر شخص کے ساتھ خیر خواہی چاہتیں اور حسن ظن رکھتیں، کسی کے متعلق برا تصور قائم نہیں کرتیں، اگر کسی غلط بات کو دیکھتیں یا سمجھتیں تو برملا کہنے کی جرأت رکھتی تھیں۔ بڑی خوبیوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، ادھر عرصہ سے بیمار رہنے لگی تھیں، عرق النساء کے مرض نے آپ کو بالکل مضمحل کر دیا تھا، درد کی شدت سے بے چین رہتی تھیں۔

مرحومہ کا زیادہ تر قیام تکیہ ہی پر رہتا تھا، ایسا انھوں نے اپنی پھوپھی صاحبہ والدہ مولانا سید محمد رابع صاحب کی خدمت کے لئے کیا تھا۔

دینی امور کی پابند اور خیال رکھنے والی خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینے والی اور بچوں پر شفیق خاتون تھیں تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی آخری آرامگاہ بنی، بڑے مجمع کو جس میں لکھنؤ، رائے بریلی اور کانپور کے بڑی تعداد میں اہل تعلق کے علاوہ تکیہ پر مقیم وہ حضرات بھی تھے جو رمضان کے ایام گذارنے اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں) بعد نماز عصر حضرت مولانا مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور سب سے پہلے مٹی دی، اپنی والدہ مرحومہ اور ہمشیرہ مرحومہ کے قریب آسودۂ خاک ہوئیں۔

آپ کی وفات ایک حادثۂ فاجعہ اور بڑا سانحہ محسوس کیا گیا، خصوصاً سوگوار خاندان کے لئے اور بالخصوص حضرت مولانا مدظلہ ان کی ہمشیرہ مخدومہ مرحومہ طاہرہ والدہ مولانا سید محمد رابع صاحب کے لئے اور مرحومہ کی منجھلی بہنوں اور بیٹیوں کے لئے (بارک اللہ فی حیاتہم)۔ آپ کے نامور اور قابل فخر بھائی مولانا سید محمد الحسنی اور بڑی ہمشیرہ پہلے ہی وفات پا چکی ہیں۔

تین صاحبزادیاں ہیں، پہلی صاحبزادی مدیر ماہنامہ "رضوان" مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب کو، دوسری صاحبزادی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا عبد اللہ حسنی صاحب کو، تیسری صاحبزادی مولانا سید جعفر مسعود صاحب ندوی کو (جو مدرسہ عالیہ عرفانیہ میں استاذ ہیں) منسوب ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی حسنات کو قبول فرمائے، تقصیرات سے درگذر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، قبر کو منور فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ کے لئے ذاتی طور پر بڑا صدمہ ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تمام فرزندوں اور اس کے کارکنوں کے لئے بھی بڑا سانحہ ہے، ناظرین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

بقیہ: عہد صحابہ کا نظام تعلیم و تعلم

حضرت عثمان کے دور خلافت میں بھی یہی حضرات اس منصب پر فائز تھے۔ معاذ بن جبل سے ان کی وفات کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے علم حاصل کریں تو بتایا کہ ابو درداء، سلمان فارسی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن سلام سے۔ حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں خطبہ دیا اور کہا کہ جس کو فرائض حاصل کرنا ہو زید بن ثابت کے پاس جائے اور جس کو مال حاصل کرنا ہو میرے پاس آئے

مسور بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا علم ان چھ حضرات پر منتہی ہوتا ہے، عمر، عثمان، علی، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، اور زید بن ثابت۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں عمر علم کے دس حصوں میں سے نو حصہ اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اگر عمر کا علم ایک پلہ پر اور دوسرے لوگوں کا علم دوسرے پلہ پر رکھا جائے تو عمر کے علم کا پلہ جھک جائیگا۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب محمدؐ کو جب کسی حدیث کے بارے میں مشکل پیش آئی اور ہم نے حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق سوال کیا تو ان کے پاس علم پایا

نیز ان کا قول ہے کہ میں عبداللہ بن مسعود کی مجلس میں بیٹھتا تھا، میرے نزدیک ان کی ایک مجلس میں بیٹھنا ایک سال کے عمل سے زیادہ قابل اطمینان ہے صحابہؓ کے یہ چند آراء و اقوال علمائے صحابہ کے بارے میں ہیں، اب ان کے تلامذہ تابعین کے چند بیانات اپنے اساتذہ کے بارے میں ملاحظہ ہوں

مشہور تابعی مسروق بن اجدعؒ کا بیان ہے کہ حضرات اصحابہ میں عمر، علی، ابن مسعود زید بن ثابت ابی بن کعب، ابو موسیٰ اشعری اصحاب فتویٰ تھے۔ ان ہی کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک صحابی کو اچھی طرح جانچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کا علم چھ حضرات عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابو درداء، زید بن ثابت پر منتہی ہوتا ہے اور ان چھ حضرات کو جانچا تو معلوم ہوا کہ ان سب کا علم دو حضرات علی، اور عبداللہ بن مسعود پر منتہی ہوتا ہے۔

امام شعبی کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے چھ اہل علم تھے عمر، ابن مسعود، زید بن ثابت، علی، ابی بن کعب، ابو موسیٰ اشعری اور اس امت کے قاضی چار تھے عمر، علی، زید، ابو موسیٰ اشعری. مجاہد بن جبیر کہتے ہیں علماء تو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اہل علم کی رائے میں صحابہ میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم عثمان بن عفان اور ان کے بعد عبداللہ بن عمر تھے میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر سے بڑھکر فقیہ اور ابن عباس سے بڑا عالم نہیں دیکھا ہے۔

ان علمائے صحابہ کے فقہی اقوال و آراء اور فتاوے ضخیم اور متوسط جلدوں میں جمع کئے جا سکتے ہیں چونکہ عہد صحابہ میں باقاعدہ تدوین و تالیف کا رواج نہیں تھا بلکہ بعض صحابہ اور ان کے تلامذہ یاد داشت کے طور پر صحیفے اور نسخے لکھ لیتے تھے اسلئے ان کی روایات اور فتاوے اسوقت مدون نہیں ہو سکے اور بعد میں اسکی باری آئی چنانچہ خلیفہ مامون کے پڑپوتے ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب نے ابن عباس کے فتاوے بیس جلدوں میں جمع کئے تھے، ان کے شاگرد مجاہد اور مولیٰ عکرمہ نے ان سے سن کر نزول قرآن اور تفسیر قرآن پر کتاب لکھی تھی اسی طرح علی بن ابو طلحہ ہاشمی نے ابن عباس کی تفسیری روایات کو جمع کیا تھا. عبداللہ بن عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث کا ایک مجموعہ الصادقہ کے نام سے جمع کیا تھا جس کی روایت ان سے کی گئی، ابوہریرہ، ابن عباس، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک وغیرہ کے تلامذہ نے انکی روایات کو صحیفوں اور نسخوں کی شکل میں جمع کیا تھا (کتاب علل الحدیث و معرفۃ الرجال، طبقات ابن سعد، جامع بیان العلم، اعلام الموقعین وغیرہ)

۔ علم سے مراد کتاب، سنت اور فقہ ہے۔

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں کتاب و سنت اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دی جاتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علم تین ہیں انکے علاوہ زائد ہیں، آیۃ محکمہ، سنت قائمہ فرائض عادلہ، عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ علم تین ہیں کتاب ناطق، سنت ماضیہ اور لا ادری. عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ علم کتاب اللہ سنت رسول اللہ ہے، اس کے بعد جو شخص اپنی رائے سے کوئی بات بیان کرے تو میں نہیں جانتا کہ اسکو اپنی حسنات میں پائے گا یا سیآت میں پائے گا، عبداللہ بن مسعود نے

کہاہے کہ کثرتِ حدیث علم نہیں ہے علم تو خشیت خدا ہے۔

دوسرے علوم اور زبانیں حضرات صحابہ علم یعنی کتاب و سنت اور فقہ کے ترجمان و معلم تھے اسی کے ساتھ دوسرے علوم والسنہ کے عالم بھی تھے، مثلاً علم الانساب میں ابوبکر صدیقؓ ابوالجہم بن حذیفہ، جبیر بن مطعم سب سے بڑے عالم تھے اور جمیع انساب عرب میں رسوخ رکھتے تھے ان کے علاوہ عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عقیل بن ابوطالب بھی عالم الانساب نمایاں مقام رکھتے تھے، حضرت ابوبکر تعبیر رویا میں سب سے آگے تھے، زید بن ثابت سریانی زبان کے عالم تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سترہ دن میں اس زبان میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ جیساکہ صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن عمرو بن عاص بھی سریانی اور عبرانی زبان کے عالم تھے، اور تورات پڑھتے تھے ابوہریرہ نے تورات کو پڑھا نہیں تھا مگر مضامین سے اچھی طرح واقف تھے، اس کی شہادت کعب احبار نے دی ہے نیز ابوہریرہ فارسی زبان سے واقف تھے اور بعض روایات کے مطابق حبشی زبان بھی جانتے تھے انکے وطن نجران یمن میں اہل فارس آباد تھے جن کو ابنا کہتے ہیں، نیز حبشہ بھی یمن کے سامنے واقع ہے اور وہاں کے لوگ ملک عرب میں کثرت سے رہتے تھے سلمان کی مادری زبان فارسی تھی، ایک روایت کے مطابق ایرانیوں نے ان سے سورہ فاتحہ فارسی میں لکھنے کی خواہش کی تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ "بنام یزداں بخشایندہ" لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا ایرانیوں نے اس ترجمہ کو پڑھنا شروع کیا اور جب انکی زبان نرم ہوگئیں تو عربی میں پڑھنے لگے۔

مدینہ منورہ کی دینی وعلمی مرکزیت وارثین علم نبوت میں بہت سے حضرات عہد نبوی اور عہد خلافت میں جہاد وغزوات میں شہید ہوگئے، کتنے حضرات بلاد اسلامیہ میں امارت، قضا اور تعلیم کے لئے روانہ کئے گئے کچھ اپنے اپنے قبائل اور علاقے میں چلے گئے اور ایک بڑا طبقہ دینی علوم کی تدریس و تعلیم سے پہلے دنیا سے رخصت ہوگیا اس دور میں جو حضرات مدینہ منورہ میں رہ گئے وہ خلاصۃ الخلاصہ تھے اور شہر نبوت عالم اسلام کا دینی وعلمی مرکز تھا امام مالکؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں غزوات سے اتنے اتنے ہزار صحابہ کو لیکر واپس ہوئے تقریباً دس ہزار مدینہ میں رہ کر یہیں فوت ہوئے زید بن ثابت کا قول ہے کہ جب تم اہل مدینہ کو کسی مسئلہ پر متفق دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ سنت ہے، عبداللہ بن مسعود کو حضرت عمرؓ نے تعلیم کیلئے کوفہ بھیجا تھا جب وہاں کوئی شخص مسئلہ معلوم کرتا تو جواب دیتے تھے، اور جب مدینہ آکر دیکھتے کہ یہاں کے علماء کا عمل اس کے خلاف ہے تو کوفہ واپس جاکر گھر جانے سے پہلے اس شخص کو بتا دیتے تھے کہ اس مسئلہ میں اہل مدینہ کا یہ عمل ہے ایک شخص نے ابوبکر بن عمر بن حزم سے کہا کہ فلاں مسئلہ میں مجھ کو خلجان ہے انہوں نے کہا کہ بھتیجے! جب تم اہل مدینہ کو کسی بات پر متفق دیکھو تو تمہارے دل میں اس کے بارے میں خلجان نہیں ہونا چاہئے، مجاہد، عمرو بن دینار اور دوسرے علماء مکہ کہتے تھے کہ ہم علم میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، البتہ عطا ابن ابی رباح کو ہم پر اسلئے فضیلت حاصل ہے کہ وہ مدینہ سے علم حاصل کرکے آئے ہیں۔

ابوالعالیہ ریاحی بصری کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں صحابہ سے حدیث سنتے تھے، اس کے بعد مدینہ جاکر وہاں کے صحابہ سے سنکر مطمئن ہوتے تھے شعبی نے کوفہ میں ایک حدیث بیان کرکے شاگردوں سے کہا کہ تم لوگوں کو یہ حدیث مفت مل گئی اس سے کم حدیث کیلئے آدمی سواری کرکے مدینہ جاتا تھا ابوقلابہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں کئی دن قیام کیا حالانکہ اس کے علاوہ میری کوئی حاجت نہیں تھی کہ ایک شخص کے پاس ایک حدیث تھی میں اسکو سنوں یحیٰی بن ابوکثیر نے مدینہ کا سفر کیا تاکہ صحابہ کی اولاد سے علم حاصل کریں۔

عمر بن عبدالعزیز نے بلاد اسلامیہ حدیث و سنن کو مدون مرتب کرنے کیلئے فرمان جاری کیا تو خاص طور سے قاضی مدینہ ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ وہاں کی احادیث خصوصاً عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی مرویات کو مدون کریں، الغرض مدینہ کے دینی وعلمی مرکز سے پورا عالم اسلام وابستہ تھا اور اسی مینارۂ نور سے ہر طرف روشنی پھیلتی تھی

مدینہ کے چار فضلائے صحابہ اور انکی فقہ کے مراکز امام ابن قیمؒ کہتے ھیں!

والدین والفقہ والعلم انتشر فی الامۃ عن اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ واصحاب زید بن ثابتؓ

واصحاب عبداللہ بن عمر، واصحاب عبداللہ بن عباس فعلم الناس عامتہ من اصحاب هؤلاء الاربعة فاما اهل المدينة فعلمهم من اصحاب زيد بن ثابت، وعبدالله بن عمر واما اهل مكة فعلمهم عن اصحاب عبدالله بن عباس واما اهل العراق فعلمهم عن اصحاب عبدالله بن مسعود ۔

دین فقہ اور علم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اصحاب و تلامذہ سے پھیلا ہے اور لوگوں کا عام علم انہی چاروں حضرات کے شاگردوں سے ہے اہل مدینہ کا علم زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر سے، اہل مکہ کا علم حضرت عبداللہ بن عباس کے تلامذہ سے اور عراق کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب سے ہے ۔

اور امام بخاری کے استاد امام علی مدینیؒ کا بیان ہے،

لم يكن من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من له اصحاب يذهبون مذهبه ويفتون بفتواه ويسلكون طريقته الا ثلاثة عبدالله بن مسعود وزيد بن ثابت، وعبدالله ابن عباس ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عباس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی عالم ایسا نہیں تھا جس کے تلامذہ و اصحاب اس کے فقہی نقطہ پر عمل کرتے ہوں اس کے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیتے ہوں اور اسی طریقہ پر چلتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ ان چار یا تین حضرات کا فقہی مسلک بنیادی طور پر امت میں رائج ہوا اور فقہ و فتویٰ میں ان کے اصول پر عمل کیا گیا ان کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کے فقہی آراء و اقوال کم رائج ہوتے، ان تصریحات میں صحابہ کے تفقہ فی الدین کا ذکر ہے، تفسیر و تاویل، تحدیث و روایت اور دوسرے دینی امور میں ان کے رسوخ فی العلم سے بحث نہیں ہے ۔

مسجد نبوی کی تعلیمی مرکزیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مسجد نبوی مرکزی درس گاہ تھی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی مسجدوں میں تعلیمی مجالس اور حلقے قائم ہوتے تھے بلکہ اعیان و اشراف اور اہل علم کی عام نشست مسجدوں میں ہوتی تھی، ابو ادریس خولانی کہتے ہیں المساجد مجالس الکرام، حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک شخص نے جہاد میں شرکت کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو اس سے افضل عمل نہ بتاؤں؟ مسجد بناؤ اور اسمیں فرائض، سنت اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دو دور صحابہ میں مسجد نبوی میں تعلیمی حلقوں میں تدریسی مجلسوں کی کثرت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود کے ایک شاگرد مسجد نبوی میں گئے اور چاروں طرف نظر دوڑا کر کہا کہ

عهدي بهذا المسجد وانه كمثل الروضة اخترمنها حيث شئت ۔

اس مسجد میں میرا دور گزرا ہے جس میں وہ باغیچہ کے مانند تھی تم اس کے جس درخت کے سائے میں چاہو بیٹھ جاؤ ۔

ابو الاحوص کہتے ہیں کہ ہم نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ ان کی مجلسیں صرف مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے علماء کو حکم دیا تھا کہ علم کی نشر و اشاعت اپنی مسجدوں میں کریں کیونکہ یہ سنت مٹ رہی ہے

عہد فاروقی میں مسجد نبوی میں تعلیمی حلقوں کی کثرت ا۔

خلافت راشدہ میں قرآن کی حفاظت و اہمیت کے پیش نظر احادیث کی روایت سے روکا جاتا تھا، اس کے باوجود مسجد نبوی میں فقہ و فتویٰ اور روایت حدیث کے متعدد حلقے قائم تھے، جن میں دور دراز کے طلبہ شریک ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کی کثرت کا اندازہ حضرت ابی بن کعبؓ متوفی ۲۲ھ کے ایک صحابی شاگرد کے بیان سے ہوتا ہے، جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلیؓ بیان کرتے ہیں ۔

اتيت المدينة ابتغاء العلم فدخلت مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذ الناس فيه حلق يتحدثون فجعلت امضي الحلق حتى اتيت حلقة فيها رجل شاحب عليه ثوبان كانما قدم من سفر

میں طلب علم میں مدینہ آیا مسجد نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ حلقہ در حلقہ آپس میں حدیث بیان کر رہے ہیں میں ان حلقوں سے گزرتا ہوا ایک حلقہ میں گیا جس میں ایک

صاحب (ابی بن کعبؓ) متفکر بیٹھے ہیں ان کے جسم پر دو کپڑے ہیں گویا ابھی سفر سے واپس آئے ہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ کے مزاج میں کچھ تندی و تیزی تھی بعض اوقات طلبہ سے بے اعتنائی برتتے تھے ایک مرتبہ ان ہی جندب بن عبداللہ بجلیؓ نے ان کے بے رخی پر کہا

اے اللہ ہم تیری جناب میں ان حضرات کا شکوہ کررہے ہیں ہم طلبہ علم کیلئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، اپنے جسموں کو تھکاتے ہیں، سوار ہوتے ہیں اور جب ان حضرات سے ملتے ہیں تو یہ ہمارے سامنے منہ بگاڑ لیتے ہیں اور نا ملائم باتیں کرتے ہیں

حضرت ابی بن کعبؓ کے دوسرے شاگرد عتی بن ضمرۃ تمیمی بصری کہتے ہیں۔

قلت لابی بن کعب ناتیکم من البعد نرجو عندکم الخیر ان تعلمونا فاذا اتینکم استخففتم امرنا کانا نهون علیکم۔

میں نے ابی بن کعبؓ سے کہا کہ ہم لوگ دور دراز مقامات سے آپ حضرات کے یہاں اس امید پر آتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں گے اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ہم کو حقیر سمجھتے ہیں گویا آپ کے نزدیک ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے اپنے دونوں شاگردوں کا شکوہ سن کر ان کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کا معاملہ کیا اور آنے والے جمعہ کے دن حدیث بیان کرنے کا وعدہ فرمالیا مگر اس سے پہلے انتقال کر گئے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی ہی میں مسجد نبوی میں تعلیم و تدریس کے متعدد حلقے قائم تھے اور مدینہ کے باہر کے طلبہ صحابہ کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے

تعلیمی مجلسوں میں نوجوان طلبہ کی کثرت

صحابہ کی تعلیمی مجلسوں میں شریک ہونے والوں میں نوخیز اور نوجوان طلبہ کی کثرت ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں پیشین گوئی فرما کر ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور دین کی تعلیم دینے کی تاکید فرمائی تھی۔

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا۔

سیاتیکم شباب من اقطار الارض یطلبون الحدیث اذا جاؤکم فاستوصوا بهم خیراً۔

عنقریب تمہارے پاس اطراف زمین سے نوجوان علم کی طلب میں آئیں گے جب وہ آئیں تو تم لوگ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

اور عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔

اخبرنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال اللہ یغرس فی هذا الدین غرسا یشد الدین بهم

ہم کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی اس دین میں پودے اگاتا رہے گا جن سے اس دین کو تقویت دے گا

حضرت عمرو بن عاصؓ اہل قریش کے ایک حلقہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم لوگوں نے ان لڑکوں کو کیوں نظر انداز کر رکھا ہے؟ ایسا نہ کرو، ان کے لئے مجلس میں وسعت پیدا کرو، ان کو حدیث سناؤ اور سمجھاؤ یہ صغار قوم ہیں، عنقریب کبار قوم ہو جائیں گے تم لوگ بھی صغار قوم تھے اور کبار قوم آج ہو گئے ہو۔ حضرت حسن بن علیؓ اپنے لڑکوں اور بھتیجوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ علم حاصل کرو، اگر آج تم صغار قوم ہو تو کل کبار قوم بن جاؤ گے تم میں سے جو یاد نہ کر سکے وہ لکھ لیا کرے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ جب اپنی مجلس میں نوجوانوں کو آتے ہوئے دیکھتے تو نہایت والہانہ انداز میں ان کا استقبال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو مرحبا ہو، آپؐ نے ہم سے فرمایا تھا کہ میرے بعد لوگ تمہارے پاس حدیث کی طلب میں آئیں گے، تم ان کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ کرنا، ان کو حدیث کی تعلیم دینا حسن سلوک سے پیش آنا مجلس میں جگہ بنانا، اس کے بعد ان سے کہتے تھے۔

فانکم خلوفنا واهل الحدیث بعدنا

تم لوگ ہمارے بعد ہمارے جانشین اور حدیث کے عالم ہوگے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب نوجوانوں کو طلب علم میں دیکھتے تھے تو کہتے تھے۔

مرحبا بینابیع الحکمة، ومصابیح الظلم خلقان الثیاب جدد القلوب حبس البیوت ریحان کل قبیلة

مرحبا حکمت کے سرچشمے، ظلمتوں کے چراغ پرانے کپڑے نئے دل والے، گھروں کی زینت اور خاندان و قبیلہ کے گل بوٹے،

درس گاہ صحابہ کے یہ نوجوان طلبہ آگے چل کر علوم نبوت کے وارث و معلم ہوتے اور ان کا شمار طبقہ تابعین کے علمائے کبار میں ہوا۔

صحابہ کی اپنے شاگردوں سے محبت اور انکے ساتھ حسن سلوک

وصیت نبوی کے مطابق حضرات صحابہ نے اپنے حلقہ نشینوں اور شاگردوں کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت اور ایثار و خلوص کا معاملہ کیا ان کی دلداری و دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ۔

حضرت انس رض کے شاگرد حمید کا بیان ہے کہ ہمارے ساتھ ثابت بن اسلم بنانی بھی حضرت انس رض کی مجلس میں جاتے تھے راستہ میں جو مسجد پڑتی ثابت اس میں جاکر نماز پڑھتے جب ہم لوگ حضرت انس رض کے پاس پہنچ جاتے تو کہتے ۔

این ثابت، ان ثابتا دویبة احبھا

ثابت کہاں رہ گیا؟ ثابت ایسا کیڑا ہے جس کو میں محبوب رکھتا ہوں ۔

خود ثابت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت انس رض کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم کو دیکھ کر کہا کہ!

واللہ لانتم احب الی من عدتکم من ولد انس الا من علی مثل ماانتم علیہ ۔

خدا کی قسم میں لوگوں کے برابر انس رض کی (اپنی) اولاد سے زیادہ تم لوگوں کو محبوب رکھتا ہوں البتہ ان میں سے جو تم لوگوں کے مانند ہو ۔

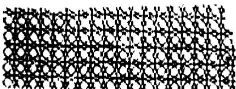
حضرت عبداللہ بن عباس رض سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک سب سے محترم کون آدمی ہے؟ تو بتایا کہ میرا وہ ہمنشین جو حاضرین مجلس کو پھاندتا ہوا میرے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اگر میرے بس میں ہو تو اس کے چہرے پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دوں اس بیچارے پر مکھی بیٹھتی ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے، ان کا قول ہے کہ میرے ہمنشین کا میرے اوپر تین حق ہیں۔ اسکو آتا ہوا دیکھوں تو انتظار کی نظر سے دیکھوں جب بیٹھ جائے تو اس کے لیے گنجائش نکالوں اور جب بات کرے تو اسکو غور سے سنوں ۔

ابو العالیہ ریاحی نے غلامی کی حالت میں قرآن پڑھا اور لکھنا پڑھنا سیکھا وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رض مجھے اپنے تخت پر بٹھاتے تھے حالانکہ قریش اعیان و اشراف نیچے بیٹھتے تھے اور کہتے تھے کہ یوں علم عزت و شرافت میں بڑھ جاتا ہے اور عالم کو بادشاہوں کی طرح تخت پر بٹھاتا ہے

ابو جمرہ نصر بن عمران ضبعی بصری کہتے ہیں ابن عباس مجھے تخت پر بٹھاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم میرے یہاں رہو میں تمہارے لئے اپنے مال سے ایک حصہ مقرر کر دیتا ہوں ۔

زر بن حبیش کا بیان ہے کہ میں حضرت صفوان بن عسال کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ کس کام سے آئے ہو؟ میں نے کہا طلب علم کے لئے حاضر ہوا ہوں یہ سنکر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور مجھے بشارت دیکر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طالب علم کیلئے ملائکہ اس لئے خوش ہوکر اپنے پر بچھاتے ہیں کہ وہ علم طلب کر رہا ہے۔

مدینہ سے ایک طالب علم حضرت ابو درداء کے پاس دمشق گیا انہوں نے اس سے پوچھا یہاں کس لئے آئے ہو کوئی حاجت ہے یا تجارت مقصد ہے یا یہ سفر طلب علم کی غرض سے کیا ہے؟ طالب علم نے کہا کہ میں صرف طلب علم کیلئے آپ کے پاس آیا ہوں اس پر حضرت ابو درداء نے مسرت و بشارت کے انداز میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو بندہ طلب علم کے لئے نکلتا ہے فرشتے اس کے لئے پر بچھاتے ہیں وہ جنت کا راستہ طے کرتا ہے اور عالم کیلئے آسمان اور زمین والے حتی کہ سمندر کی مچھلیاں استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت زاہد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے ہیں بلکہ وہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں جس شخص نے علم کی وراثت حاصل کی اس نے وافر حصہ حاصل کیا۔



نتیجہ امتحان سالانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بابت ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۶ء

ہشتم معہد الف		عبدالرحمن	محفوظ	عبدالرحمن	غ	عبدالماجد	اول	سید غزالی اشرف	اول	محمد عمران لکھنوی	دوم
محمد شفیق	اول	رمضان علی	״	سید طارق	ترقی	امتیاز احمد	״	سید محمد احسن	دوم	محمد ناصر پاشا	ترقی
تفسیر احمد	دوم	عبدالوحید	״	ندیم احمد	״	مظہر الحق اعظمی	״	محمد ندیم خاں	״	محمد شفیع	״
سید راشد علی	اول	محمد معز الدین [illegible]	ضمنی	عارف رزاق	״	محمد جابر	فیل	اشرف علی	اول	محمد داؤد	״
نور الدین	دوم	ہشتم معہد ب		محمد عاقب	״	زبیر احمد انگریزی	ضمنی	محمد آصف	ترقی	محمد زبیر	״
محمد معراج خاں	اول	محمد اشتیاق	اول	عبدالقیوم	ضمنی	ثانویہ رابعہ	الف	محمد ذکاء اللہ صدیقی	״	محمد ارشد عالم تعبیر، القراءۃ الراشدہ	ضمنی
سلطان سیف اللہ	״	محمد فرقان	سوم	عارف علی کتاب النحو والصرف	موقوف	محمد عامر	اول	وسیم احمد	״	محمد صلاح الدین قصص و تعبیر	״
محمد ناصر الدین	״	محمد معروف خاں	اول	اعدادیہ		چودھری صغیر احمد	״	محمد زبیر	״	سراج احمد تعبیر	״
اظہار احمد	״	شعیب بن حسنین	״	عبدالعظیم	اول	محمد اسعد	״	نفیس احمد	״	محمد امین خاں	محفوظ
برکات احمد	״	سید محمد حسن	دوم	محمد مظہر	״	شعیب احسن اعظمی	״	غلام مجتبیٰ	״	محمد شمیم	״
احمد حسن	״	محمد عارف اشتیاق خاں	اول	عماد الدین	״	محمد طارق ایوبی	״	واحد حسین [illegible]	فیل ״	عبدالواحد	موقوف
سمیع احمد	״	شرف الدین	״	محمد اشفاق عالم	دوم	جاوید احمد خاں	״	ثانویہ رابعہ ب		رضوان	فیل
عظمت اللہ	״	شکیل احمد	״	محمد نور الاسلام	اول	محمد تعظیم	دوم	شمس الدین	دوم	کعب اللہ	״
عمر راشد ضیاء	״	محمد شجاعت علی	״	محمد اجمل حسین	״	اختر الزماں اسجد	اول	محمد قمر الزماں	اول	ثانویہ خامسہ	الف
ظہیر احمد فاروقی	״	محمد جنید اکبر کنوزیہ	״	فضیل احمد	״	فخر الاسلام	״	محمد فیضان	دوم	محمد رضاء اللہ	اول
اسعد حسین	״	ندیم اختر	״	محمد یوسف عزیز الرحمن	״	وقار احمد	״	خلیل الرحمن	اول	محمد واثق الخیر	״
نظام الدین	״	خرم علی شہزاد	״	محمد بشیر	״	محمد شاکر	״	حیدر علی	״	محمد خالد	״
حسیب خاں	״	محمد آصف الحسنین	״	محمد شاہد	״	محمد جان نثار اختر	دوم	فقیہ الدین	دوم	ابو ریحان	״
طارق فاروقی	״	محمد صالح ظفر	״	سید محمد عطاء الرحمن	״	شفقت عالم	اول	محمد شاہد	اول	غفران ساجد	״
محمد حبیب اللہ	״	محبوب الرحمن کرکی	״	صغیر احمد	״	محمد علی خاں	״	محمد منتظر	״	عطاء الرحمن	״
رضوان الدین	دوم	محمد طارق کانپوری	״	محمد نظام الدین خاں	״	منت اللہ صدیقی	״	منور علی	״	محمد شعیب	״
نیر اعظم	اول	محمد مسعود عالم	״	مرزا ابراہیم بیگ	״	شیخ احتشام الدین	״	واجد علی	״	ذکی احمد	״
محمد کلیم خاں	ترقی	فضل کریم نور اللہ	دوم	محمد نسیم احمد	״	نظام الدین	دوم	اسد اللہ صدیقی	دوم	مجاہد الاسلام	״
انعام الرحمن	״	فیضان احمد	اول	محمد عظمت علی	״	ندیم احمد	اول	آفتاب عالم	״	ذیشان احمد	״
سید نوید اشرف	״	محمد راغب	״	محمد اسلم	دوم	محمد رضا علی	״	محمد عمران	اول	فضیل عامر	״
محمد رئیس	״	محمد نور الدین	״	محمد ثاقب زبیری	اول	محمد اعظم	״	محمد تنویر عالم	״	محمد اظہار عالم	״
آفتاب الدین	״	محمد کاشف شمسی	״	محمد اقبال	״	محمد سمیر بیگ	״	محمد محمود الحق	دوم	محمد ساجد	״
کلیم اللہ	״	وصی الرحمن	״	سرفراز احمد	״	سید محمد طاہر	״	قاضی ابراہیم صدیقی	اول	سمیع اللہ	״

محمد اعظم حسین — اول
محمد شمس الہدیٰ — ″
محمد جنید انصاری — ″
محمد اظہار انصاری — دوم
محمد سلیم — اول
احمد الیاس — ″
محمد صدیق — ″
محمد مرشد — دوم
محمد ذکاء اللہ — ″
انعام الحسن — ″
اشتیاق عالم — ″
محمد شکیل — مترقی
رفیع الدین — ″

ثانویہ خامسہ ب

اشتیاق احمد — دوم
محمد شمیم خاں — اول
زبیر احمد — دوم
زین العابدین — اول
محمد ایوب — دوم
مشکور العابدین — اول
محمد ظفر — ″
شاہد پرویز — ″
محمد یعقوب — دوم
عبدالرحیم — ″
عبدالحنان — اول
محمد سعید — ″
نشاط عالم — ″
عبدالرحمٰن — ″
مسکین اشرف — ″
معین احمد — ″
محمد شوکت — ″
حبیب الرحمٰن — دوم

ارشاد علی — سوم
عفان احمد عثمانی — اول
اختر حسین — ″
عبدالحق صدیقی — ″
طفیل احمد جیلانی — دوم
محمد اسلم اعظم — سوم
محمد نسیم — ″
محمد اکرم — مترقی
محمد روح اللہ — ضمنی (حدیث، نحو)

عالیہ اولیٰ الف

نذر الہدیٰ — اول
محمد محفوظ الرحمٰن — ″
عبدالرحیم — ″
سید مجیب الحق — ″
محمد یعقوب — ″
نجیب الحسن — ″
محمد عتیق — ″
محمد وقار الدین — ″
عارف قاضی — ″
محمد رضوان سیوانی — ″
عبدالرحیم خاں — ″
محمد جواد الحسن — دوم
محمد عثمان اختر — ″
محمد عامر اعظمی — ″
محمد جنید — ″
محمد امجد حسین — ″
معاذ ابوسعید — ″
نہال احمد صدیقی — ″
محمد مسلم — ″
مغفور الحق — مترقی
عبدالکبیر — ″
محمد ساجد — ″

امیر الحسن (تفسیر، نحو) — ضمنی
محمود عالم (تفسیر، مطالعہ) — ″
عرفان احمد — محفوظ
نصر الامین، محمود عالم، عبدالرحمٰن — موقوف

عالیہ اولیٰ ب

عطاء الرحمٰن — اول
جمال ناصر — ″
عبید احمد — ″
محمد سہیل اختر — ″
جمیل احمد خاں — ″
ضیاء الرحمٰن — ″
محمد اعظم — ″
محمد مطلوب عالم — ″
رافت محمود — ″
سہیل اختر — ″
محمد عدنان عارف — ″
اظہر الدین — ″
ابو الریحان — ″
محمد راشد — دوم
خلیق احمد — ″
عزیر عالم — ″
سید سفیان — مترقی
فاتح اقبال — ″
توحید عالم — اول
انوار (نحو) — ضمنی
معراج الدین (نحو) — ″
نثار احمد — موقوف
محمد عمر ممتاز — ″
حفظ الرحمٰن — محفوظ
سید محمد عبدالحمید — ″
محمد ابرار الحق — ″

مدرسہ مظاہر الاسلام بلوچپورہ لکھنؤ

عالیہ اولیٰ

محبوب عالم خاں — دوم
صلاح الدین خاں — ″
محمد جمال الدین — ″
محمد کبیر نیپالی — ″
مرشد عالم — ″
فیروز احمد — اول
عزیز الرحمٰن — سوم
محمد یوسف — ″
محمد غیاث الدین — ″
ابو طلحہ — مترقی
تبارک حسین — ″
محمد علاء الدین خاں — ″
عبدالوہاب — ″
محمد جمال الدین — ″
محمد ابرار الحسین (فقہ، نحو) — ضمنی
مغیث الدین — موقوف
محمد تحمل حق — فیل
محمد یونس خاں — ″

عالیہ اولیٰ

سنبھل مرادآباد

عبدالحلیم گلزار — اول
شمیم حفیظ راحل — ″
محمد لقمان اسحاق — ″
محمد شاہ نواز عالم — ″

عالیہ اولیٰ

جامعہ سید احمد شہید کٹولی لکھنؤ

محمد رفیق احمد — اول
حافظ محمد سعد الدین — ″
شاہد مبین — ″
محمد جمشید عالم — ″

محمد ندیم اللہ — اول
محمد سراج الہدیٰ — ″

مدرسہ اسلامیہ بیت مئو

عالیہ اولیٰ

محمد جاوید عالم — اول
محمد خالد حبیب — ″
محمد عطاء اللہ — ″
صبیح الدین — ″
محمد عرفان دانش — ″
محمد وثیق — ″
محمد ارمان صدیقی — ″
محمد کلیم اللہ — ″
سہیل اختر — ″
عبدالاحد — ″
محمد عرفان — ″
محمد فخر الدین — ″
محمد ظفیر الدین — ″
محمد عزیز اللہ — ″
شاکر فرخ — ″
شاہد جمال — دوم
مبارک حسین خاں — اول
محمد رونق افروز — ″
محمد انوار الحق — ″
محمد شفیق انور — دوم
احمد علی صدیقی — ″
محمد اسد اللہ — ″
محمد فاروق صدیقی — مترقی
محمد ندیم اختر (نحو) — ضمنی

مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں

عالیہ اولیٰ

محمد اسحاق — اول
محمد مصدق — ″

محمد شاہد الاسلام — اول
محمد حفظ الرحمٰن — ″
محمد رحمت عالم — ″
صغیر احمد — ″
محمد فتح اللہ — ″
محمد ادریس — ″
محمد بلال — ″
سید محمد صادق — ″
اختر عالم — ″
ریاض عالم — ″
مشتاق احمد — دوم
جابر علی — ″
عبدالسلام — ″
سید محمد رضی — ″
نیاز احمد — ″
محمد ظفر احمد ساجد — ″
محمد ادریس خاں — ″
سیف اللہ — ″
عبدالسمیع — مترقی
محمد فیروز عالم — ″

عالیہ اولیٰ

مدرسہ دار التعلیم والصنعت جالیو

محمد یوسف مئوی — پاس
محمد افروز عالم — ″
محمد سجاد عالم — ″
محمد منیر عالم — ″
محمد محب عالم — ″
ابو سفیان — ″
سید محمد یوسف — ″
مشتاق احمد — ″
محمد ثاقب الرحمٰن — ″
محمد راغب اختر — ″
محمد مسعود عالم — ″

اعجاز الحق اعجاز	پاس	محمد ضیاء احمد نو	ضمنی	مدرسہ چشمۂ فیض ململ مدھوبنی بہار		مہدی حسن خاں	اول	ارشد عالم	اول	صفی اللہ	اول
عالیہ اولیٰ		عالیہ اولیٰ		محمد اسعد اللہ الاسعد	پاس	محمد مظفر الحق	"	محمد تنویر	"	ندیم احمد کشمیری	"
مدرسہ اسلامیہ احسانیہ گوپال گنج،	بہار	مدرسہ اصلاح المسلمین کریم گنج سیتامڑھی		محمد ارشد الحسن	"	سید علی میاں	"	محمد طالب	"	جاوید احمد میاں	"
محمد تنویر عالم	پاس	محمد نصر اللہ	پاس	عامر علی	"	اسرار احمد بدایونی سراج	"	محمد ابراہیم	"	عبد الحمید	"
محمد ارشد ہاشمی	مترقی	محمد نوشاد عالم	"	محمد ہارون	"	عبید الرحمٰن	"	محمد زبیر عثمانی	"	محمد فضیل احمد	"
محمد رافع عثمانی	"	ابرار احمد	"	خطیب الرحمٰن	"	محمد انیس الرحمان	"	فرحان الدین	"	محمد رضوان	"
شہید الہدیٰ	"	محمد مطیع الرحمان	"	نور الاسلام صادق	مترقی	محمد عاصم اقبال	"	ارشد یزدانی	"	محمد راشد	"
ظل الرحمٰن	رخ	اختر الزماں اسجد	"	مرزا ارشاد بیگ	فیل	طارق حبیب	"	کمال احمد	دوم	محمد رضوان عاصم	"
محمد امام الحق صدیقی تفسیر، تکبیر	ضمنی	محمد امام الدین	"	المعہد الاسلامی ریاض العلوم	[illegible]	مفیض الرحمٰن	"	محمد اسعد	"	احمد ندیم	"
عرفان عالم	فیل	محمد معین اشرف	مترقی	داؤد فیصل	پاس	محمد عمران انصاری	"	ریحان احمد	"	حبیب الرحمٰن	"
عالیہ اولیٰ		عالیہ اولیٰ		محمد شریف	"	مقصود الرحمٰن	"	شمیم اختر	"	محمد منہاج اختر	"
مدرسہ [illegible] نگرام		مدرسہ عثمانیہ ضیاء العلوم [illegible]		محمد ابو الخیر	مترقی	غفران احمد	"	محمد شکیل	"	محمد اسحٰق	"
محمد شمس الدین	پاس	جلال الدین ارشد	پاس	مدرسہ جلیلیہ جیرول ـ	بہرائچ	انیس الرحمان	"	مسعود الرحمٰن	"	عتیق الرحمٰن	"
ایم خبان نسیم	"	کفایت اللہ خاں	"	محمد عامر بیگ	پاس	محمد اشرف علی	"	نہال احمد	"	عمر نعمان	"
شمس الہدیٰ انور	"	محمد اعجاز خاں	"	محمد انس بیگ	"	نجم الحسن	"	محمد سلیم اعظمی	"	محمد ذکوان	"
عبد الحق انگریزی، تعبیر	ضمنی	معین الاسلام	"	محمد مسعود بیگ	مترقی	اعجاز احمد پاشا	"	شبیر احمد	"	محمد نظر الباری	"
محمد زبیر عالم انگریزی	"	رضی الاسلام اسعد	"	محمد قاسم	"	محمد شفیق عالم	"	نہال احمد	مترقی	محمد محیط عالم	"
محمد سہیل اختر انگریزی تعبیر	"	محمد عمار	مترقی	محمد بشیر خانوری	"	محمد توصیف عالم	"	عبد الواسع محمد سلیم سندیلوی	"	محمد اسامہ	"
عالیہ اولیٰ		محمد سراج الدین	"	عبد السلام	موقوف	محمد غزالی	"	محمد زاہد انگریزی	ضمنی	عبد الرزاق	"
مدرسہ اصلاح المسلمین گوپا	مئو	عبد اللہ غزالی	"	مدرسہ نور الاسلام کنڈہ		محمد افروز عالم	"	اسرار احمد	موقوف	انعام الرحمٰن	"
محمد نور عالم	پاس	حبیب الرحمان فاروقی	"	محمد مطیع الرحمٰن خاں	پاس	محمد طالب حسن	"	محمد ذو القرنین	"	سمیع اللہ	"
زبیر احمد خاں	"	عبید الرحمٰن	فیل	عرفان علی	"	عبد الجبار انوار	"	نوشاد احمد	"	عمر بن عبد العزیز [illegible]	دوم
محمد اویس خاں	"	جامعہ اسلامیہ	[illegible]	عبد الحی	"	محمد مبین خاں	"	مقبول احمد	"	نجیب الرحمٰن	"
محمد فیضان حلیم خاں	"	محمد صغیر عالم	پاس	ریاض الدین	"	محب الدین	"	عالیہ ثانیہ	ب	محمد ابو الحسنات	"
محمد راشد	مترقی	محمد سلیم الدین	"	سید شمس الدین	"	نظام الدین	"	محمد نعمت اللہ	اول	ارشد علی	"
عالیہ اولیٰ		شکیل احمد	"	شیخ عبد الرؤف	"	خالد سیف اللہ	"	عبد المقیت	"	محمد اظہار	"
دار العلوم [illegible] بہار		محمد عبید اللہ	"	عبد الرحمٰن خاں	مترقی	محمد اعظم	"	برکت اللہ خاں	"	ذاکر حسین	"
امتیاز احمد	پاس	محمد حسین	"	زین الدین	موقوف	محمد سالم اشرف	"	شفیع الرحمٰن	"	سراج الدین ذیشان	"
آصف لئیق	"	محمد مجیب اللہ	"	عالیہ ثانیہ	الف	عبد السبحان	"	جاوید عالم	"	سید خطیب اشرف	"
سعید الرحمٰن	"	عبد السلام	"	محمد سیف الاسلام	اول	عابد علی خاں	"	سراج احمد	"	محمد عاصم	"
نور الدین	"	افروز عالم	مترقی	نظام الدین	"	محمد عزیر عالم	"	ارشد جمال	"	عبد الباطن	"
محمد انصار جمیل	مترقی	سید ظفر الحق	"	ارشد ایوب	"	رحمت اللہ نیپالی	"	کوکب المباری	"	صابر عالم	"

محمد کفایت اللہ	دوم	سبحان الشکر	اول	سید عمران حسن	دوم	دار العلوم العربیہ الاسلامیہ		ابرار احمد صدیقی	اول	محمد ذاکر حسین	اول
فیاض احمد محمد عباس	٫	مقصود احمد	٫	نظر الاسلام	٫	محمد صبور راجستھان		محمد امام الدین	موقوف	محمد شعیب انگریزی	ضمنی
محمد منیر	٫	ملک محمد احمد	٫	مشتاق احمد برصنی	٫	مختار احمد	مترقی	محمد منظور عالم	اول	عبد القیوم	اول
افتخار ندیم	مترقی	شہاب الدین	٫	اکرام الحق	٫	محمد قمر عالم	اول	ہارون رشید انگریزی	ضمنی	جنید احمد	دوم
عبد القدوس	٫	ناصر الدین	٫	محمد عبید الرحمن	٫	محمد نور الدین	مترقی	محمد شریف	دوم	محمد مسعود کریم	اول
محمد عرفان	٫	شبیرور عالم غضنفر	٫	محمد حکیم	٫	محمد معقول اشرف ہدایہ انگریزی	ضمنی	محمد عقیل خان	٫	محمد ایوب انگریزی	ضمنی
ابو طلحہ	٫	ابو الکلام	٫	محمد اکبر حسن خان	٫	محمد نسیم الدین	مترقی	صفدر امام	٫	عبد الناصر علی	اول
زبیر عالم خلیلی	٫	ممتاز علی	٫	محمد معین الحق	٫	محمد ضمیر الدین	دوم	وصی احمد	٫	عبد المتین	٫
محمد اسلم محب الحق	٫	فیاض احمد عبد الصمد	٫	کمال الدین	٫	محمد حسان اختر	اول	عبد اللہ	٫	محمد سرفراز عالم	٫
محمد اصغر علی	٫	محمد شاہد علی	٫	محمد رئیس	٫	محمد انور عالم فیاضی	٫	محمد منذر	٫	محمد خلیل اللہ	دوم
محمد ثانی عثمانی	٫	محمد سہیل اختر	٫	محمد متین صدیقی	٫	محمد محفوظ عالم	٫	محمد شہ عالم	٫	سمیع اللہ	مترقی
اعجاز احمد	٫	غیاث الدین	٫	جاوید حسن	مترقی	اسعد احمد	دوم	نسیم احمد	٫	معراج احمد	اول
عبد الاحد	٫	محمد مسعود	٫	صاحب عالم	محفوظ	جامعہ اسلامیہ مظفر پور -	قلندر پور	محمد اسحاق	٫	عبد الستار	دوم
محمد عبد القادر	٫	محمد انظر	٫	محمد سعید احمد صدیقی	نیل	اعظم گڑھ		عنایت اللہ خان	اول	نسیم انور خان	موقوف
سید ایوب علی	محفوظ	آفتاب عالم	٫	مدرسہ فلاح المسلمین	امین نگر	محمد عثمان	اول	محمد نظام الدین	مترقی	محمد مسعود سالک	دوم
محمد خورشید عالم	موقوف	محمد عبد اللہ الصفی	٫	رائے بریلی		حسام الدین انگریزی	ضمنی	محمد انیس	٫	محمد منور عالم انگریزی	ضمنی
اقبال حیدر	٫	شمیم احمد بن محمد قربان علی	٫	محمد شاہد	موقوف	عظیم احمد	مترقی	کفیل احمد	اول	محمد نور اللہ	دوم
محمد رفیع انور	٫	عبد الجبار رجالنہ	٫	محمد شہاب الدین	٫	محمد فیض الحق	دوم	محمد ارشد حسین	دوم	مشتاق احمد	مترقی
عالیہ ثانیہ	ج	خلیق الرحمن	٫	آفاق احمد	اول	اکرام الحق	٫	محمد سہیل عالم	اول	محمد ذو الفقار	دوم
عطاء الرحمن اعظمی	اول	محمد شاکر	٫	محمد مجاہد حسین	٫	زین العابدین انگریزی	ضمنی	محمد منصور عالم	٫	قیام الدین خان	موقوف
محمد شفیق	٫	عبد الماجد	٫	عبد الرشید انگریزی	ضمنی	آفتاب عالم	اول	محمد سعد الاسلام مشکوٰۃ، مختارات	ضمنی	محمد شیث	٫
ریاض احمد	٫	شمیم احمد بن منیر احمد	٫	محمد نعیم	دوم	نجیب الحق انگریزی تعبیر	ضمنی	محمد شاکر حسین	اول	کفیل احمد	مترقی
محمد رضاء الحق	٫	محمد الیاس	٫	عرفان احمد	اول	ہارون الرشید	مترقی	محمد شمس الدین	دوم	انیس عالم	موقوف
محمد مرشد عالم	٫	شکیل احمد	٫	شفیق الرحمن	٫	محمد انوار الحق انگریزی	ضمنی	محمد مرتضیٰ حسن	مترقی	رضوان احمد	اول
معاذ احمد	٫	نثار احمد صدیقی	٫	مجیب الرحمن	مترقی	محمد اکرام الدین	مترقی	محمد غفران خان	دوم	**عالیہ ثالثہ**	الف
محمد شہباز عالم	٫	نثار احمد بن محمین علی	٫	جنید احمد	اول	اقبال احمد انگریزی	ضمنی	محمد فیروز عالم	اول	فیض احمد	اول
محمد ایوب	٫	نظر الحسن	٫	محمد خورشید عالم	٫	محمد کریم اللہ نیپالی	اول	سید افہام احمد	٫	طارق عبد اللہ	٫
وصی احمد	٫	محمد ارشد معروف	٫	ربیع الحسن خان صابر	٫	مدرسہ عالیہ عرفانیہ	لکھنؤ	ایاز احمد	٫	محمد ارشد عالم انگریزی	ضمنی
محمد عمیر طاہر	٫	محمد آصف	٫	نوشاد عالم	٫	محمد صادق علی	اول	مزمل اختر	٫	سہیل احمد ٫ ٫	٫
نثار احمد بن حدیث اللہ	٫	محمد شمیم	دوم	محمد انصار	٫	محمد رضوان	٫	عبد الصمد	٫	محمد محسن ٫ ٫	٫
محمد افتخار	٫	محمد عتیق	٫	عبید الرحمن انگریزی	ضمنی	محمد نسیم الدین	مترقی	عبید الرحمن	٫	محمد عبد اللہ [illegible]	٫
محمد اسلام الحق	٫	محفوظ الرحمن	٫			محمد البصار	اول	محمد جاوید	٫	ابوذر اعظمی	اول

محمد منور حسین مشکوٰۃ۔ مطالعہ	ضمنی	رضی اللہ ذکی	ترقی	قمر علی صفر علی	اول	محمد گوہر عالم	دوم	محمد فرقان رشید	اول	زبید احمد خاں مطالعہ	ضمنی
یحییٰ اللہ حماسہ۔ تعبیر	″	انور قیوم مطالعہ	ضمنی	محمد محمود باشا	″	محمد عبداللہ	″	سیف الرحمٰن	″	محمد مصطفیٰ کمال نحو میں کمی بمطالعہ	″
سعید احمد	ناکام	محمد نور عالم	دوم	شاہ فیصل	″	محمد خورشید انور	″	محمد مستقیم	″	محمد افروز عالم ″	″
زبیر احمد	اول	ارشاد عالم	اول	مطیع الرحمٰن	″	محمد عرفان خاں	″	رضی اللہ خاں	″	عبدالغفار ″	″
محمد ادریس	دوم	میزان الرحمٰن	دوم	محمد نوشاد عالم محب اللہ	″	محمد مصلح الدین	″	اشتیاق احمد	″	سید اکبر بنگلوری ″	″
عظمت علی	اول	زبیر احسن	اول	محفوظ الرحمٰن	″	عبداللہ	″	محمد قاسم	″	شکیل احمد ″	″
محمد فاروق عبدالرب	″	محمد فہیم اعظمی مطالعہ	ضمنی	محمد تبریز عالم	″	محمد تفضل حق	″	محمد تنویر عالم	[illegible]	محمد معروف ″	″
محمد سہیل احمد	″	آفاق اختر	دوم	محمد شعیب اختر	″	محمد اسرار الحق	″	محمد صابر	″	محمد ابو طلحہ	
محمد عمران علی مطالعہ	ضمنی	محمد اخلاق	اول	محمد زین العابدین	″	محمد ذکی اسلم	″	عبدالرحمٰن ثابت	″	محمد رئیس	″
محمد عرفان الدین	ترقی	محمد احتشام الحسن مشکوٰۃ بمطالعہ	ضمنی	عبدالباری	″	ہدایت اللہ انصاری	″	عبدالحلیم	″	حفظ الرحمٰن	″
ظفر عالم	اول	ریاض احمد	اول	محمد عمران الحق	″	محمد عالم	″	اطہر وسیم	″	سید فیصل عمر تبعری	دوم
عثمان حسن مشکوٰۃ بمطالعہ	ضمنی	محمد زین الدین	دوم	محمود احمد	″	فرقان احمد	″	عبدالقادر خاں	″	عبدالرحمٰن	موقوف
حافظ محمد احمد	اول	سید ابرار احمد	اول	محمد جہانگیر عالم	″	محمد فضیل	″	محمد شاکر	″	اکمل حسن صدیقی	″
محمد رضوان خاں	″	محمد وجیہ الزماں	ناکام	محمد کلیم خاں	″	جمال احمد	″	[illegible]	دوم	محمد اسلم	″
محمد علیم	″	مظہر الاسلام	ترقی	ابصار عالم	″	محمد الیاس	ترقی	محمد انظر علی	ترقی	محمد اکبر علی	محفوظ
نوشاد احمد جامی مشکوٰۃ حماسہ	ضمنی	افضال احمد	اول	محمد آصف انور	″	محمد ضیاء الحق	″	شمشیر علی	″	شمشاد عالم	″
محمد حیدر خاں	اول	ثناء اللہ	″	اکبر صادق	″	افضال احمد	″	محمد عدنان	″	معراج احمد	″
محمد شبیر بشیر	″	محمد حنیف الرحمٰن	محفوظ	محمد کلام الدین	″	محمد وقاص مطالعہ	ضمنی	محمد عابد حسین	″	محمد نوشاد عالم زین	″
عبدالمعید	″	رفیق احمد	ناکام	عبدالجبار	″	شعیب عالم ″	″	محمد نوشاد عالم مشتاق	″	قاضی انعام اللہ	کالعدم
محمد امجد مشکی مطالعہ	ضمنی	نذر الاسلام	″	مسیح اللہ	″	شعیب احمد مطالعہ	″	محمد اسلم	″	محمد ارشد	ناکام
وقار احمد	اول	محمد عارف حسین	ترقی	امجد کمال	″	محمد مرتضیٰ عارف مشکوٰۃ بمطالعہ	″	عبدالرحیم	″	محمد حسن	″
شمشاد احمد مطالعہ	ضمنی	محمد وجہ القمر	اول	محمد فاروق	″	محمد آفتاب احمد	موقوف	مقبول احمد مطالعہ	ضمنی	حبیب احمد	″
محمد شفیق	اول	محمد اصطفاء الحسن	″	شعیب احمد خاں	″	محمد سالکین عالم	محفوظ	عبدالمنان بستوی ″	″	عالیہ ثالثہ شریعہ	(د)
محمد تفضل حسین مطالعہ	ضمنی	مصباح احسن	ناکام	محمد فیضان نگرامی	″	عالیہ ثالثہ شریعہ	(ج)	کبیر احمد ″	″	وقار احمد	اول
محمد عالمگیر ″	″	محمد یوسف جمیل	دوم	سید محمد جاوید احمد	″	محمد حسین	اول	محمد مصلح الدین ″	″	محمد خالد	″
محمد بلال احمد	غ	عبدالباسط	″	مناظر منعم رحمانی	″	عتیق اللہ	″	نیاز احمد ″	″	قیصر فیاض	″
محمد مظفر عالم	ناکام	عالیہ ثالثہ	(ب)	محمد مرشد خاں	″	محمد نجم الحق	″	عبدالمعید خاں ″	″	محمد عابد حسین	″
محمد شفیق عالم	اول	اسرار احمد	اول	محمد افضل امام	″	محمد طٰہٰ یوسف	″	عبدالحی ″	″	محمد زکریا	″
محمد سمیع الدین مشکوٰۃ بمطالعہ	ضمنی	محمد شریف بیگ	″	عبدالصمد	″	محمد محبوب	″	محمد شاہد بیگ ″	″	فضل الدین احمد	″
صفی اللہ پرویز مطالعہ	″	معین الدین	″	محمد ارشاد	″	ابوالکلام طاہر	″	ابوالحسن ″	″	ابو عبیدہ المجیب	″
محمد طارق	اول	محفوظ الرحمٰن	″	محمد یونس	دوم	عبدالقدوس	″	انتخاب احمد اعظمی تفسیر ″	″	محمد اسمٰعیل	″
محمد اسامہ صدیقی	″	محمد مشتاق	″	محمد عمران	″	محمد نسیم مقصود	″	قمر الدین — ″	″	سعید الرحمٰن	″

جمیل احمد عباسی	اول	محمد اظہر	دوم	محمد رفیق بی	دوم	ابوالظفر عباسی	اول	عبدالرزاق	اول	عبدالسلام	اول
عبدالرحمٰن زکریا	〃	محمد مجیب اللہ	〃	یوسف کے کم	〃	محمد ضیغم احمد	〃	محمد انصار	〃	محمد عثمان	〃
محمد عارف عاصم	〃	محمد یاسر عرفات	〃	محمد ذاکر	〃	محمد سراج احمد	〃	سید عبدالقادر	〃	ابوالحسن	〃
محمد شمیم	〃	سید محمد سلمان الحسنی	〃	احمد فتحی	〃	سراج احمد	〃	منور حسن	〃	عبدالرحمٰن	〃
ساجد علی	〃	عبدالرحیم	〃	عبداللطیف	مشرقی	اختر حسین بنوی	〃	محمد یونس دہلوی	〃	محفوظ الرحمٰن	〃
محمد عثمان ہارونی	〃	عبدالواحد	〃	کمال الدین	〃	عبداللطیف کے ایم	دوم	محمد قیصر صدیقی	〃	حسین احمد	〃
محمد ضیاء اللہ	〃	[illegible] عبدالقیوم بیگ	〃	الوین تنجو تخ	〃	تاج الدین	〃	فطین احمد	〃	شیخ نذیر احمد	〃
ادیب الرحمٰن	〃	محمد آفاق عالم	〃	عبدالناصر اصول الفقہ	ضمنی	عبدالجلیل	〃	سمیع احمد	〃	حمایت اللہ	سلام
محمد توفیق	〃	حشمت اللہ	〃	عدنان بن یاما مشکوٰۃ اصول الفقہ فلسفہ	〃	سید نور علی	〃	بلال اکبر خاں	〃	بلال احمد	〃
جنید اختر	〃	محمد اسلم	〃	بدری بن محمد فلسفہ	〃	عبدالرزاق	〃	محمد سمیع الزماں	مشرقی	شفیق الرحمٰن	〃
اسرار الحق صدیقی	〃	محمد اشرف حسین	〃	احمد صالح	موقوف	محمد محبوب الرحمٰن	〃	عبدالقیوم	〃	محمد مبین	〃
محمد شاہد ملک	〃	خورشید عالم چمپارنی	مشرقی	سلیمان بن بخاری	〃	اقبال انصاری بلاغت	ضمنی	مجیب الرحمٰن	〃	عبدالرحمٰن اناوی	〃
نسیم اختر	〃	محمد سلیم محمود	〃	عبداللہ بن طہ	محفوظ	ابوبکر اعظمی تفسیر	〃	محمد امان اللہ	〃	محمد شہزاد اکرام	〃
اسرار الہدیٰ شمس	〃	محمد عزیر عالم مشکوٰۃ	ضمنی	بدیع الزماں	ناکام	محمد یعقوب	〃	محمد شعیب	〃	مظفر محمد	〃
محمد راشد	〃	اظہار احمد مشکوٰۃ مطالعہ	〃	عثمان ذوالکفل	〃	بلاغت تاریخ سید احمد مجتبیٰ الجیوری	〃	محمد افضل حسین	〃	محمد اکرم حسین	〃
احتشام احمد صدیقی	〃	محمد ساجد خالد فلسفہ	〃	نعمت بن ابراہیم	〃	مفعولات محمد شعیب	رع	ابوبکر صدیقی	〃	محمد سجاد عالم	〃
عبداللہ فرید	〃	محمد ریحان	موقوف	عالیہ ثالثہ شرعیہ		احمد خاں	موقوف	سمیع الدین خاں	〃	اسلم انصاری	〃
مسعود اختر جمال	〃	نذیر	موقوف	مدرسہ نورالاسلام جیاپور	نیپال	محمد فصیح عالم	〃	محمد قطب الدین	〃	سہیل احمد	〃
انور پرویز	〃	عالیہ ثالثہ شرعیہ	(ع)	محمد صلاح الدین	مشرقی	مغیث الرحمٰن	〃	محمد رضوان نسیم	〃	محمد محی الدین انصاری	〃
ابوالفضل	〃	زبیر خاں	اول	عاطف سمیر	〃	محمد صلاح الدین مجاہد	〃	جمال الخلیل	〃	محمد نور الزماں	سوم
امتیاز احمد	〃	کے عبدالبصیر	〃	عبدالخالق	〃	شیخ محمد لقمان	محفوظ	محمد ہاشم	〃	محمد عبدالرؤف	ضمنی
عبیدالرحمٰن کشمیری	〃	دی علی بن دیران	〃	عبدالرزاق مشکوٰۃ	ضمنی	محمد ظہیر الدین	ناکام	محمد زکریا	〃	تعبیر مطالعہ محمد منصور بخاری	〃
نسیم اختر شمس الحق	〃	رفیق ایم ایچ	〃	محمد ذاکر حسین مشکوٰۃ	〃	عالیہ رابعہ	الف	نوشاد عالم	〃	محمد نیر انیس	〃
محمد شمس الدین	〃	عبدالشریف	〃	عبدالجبار مشکوٰۃ	〃	عبدالقدوس	اول	غلام ربانی	〃	ضیاء الدین تفسیر مطالعہ	〃
محمد عادل	دوم	حیدر علی	〃	عالیہ ثالثہ "ادب"		محمد لطف اللہ	〃	محمد جمیل الرحمٰن شیخ	〃	فیروز عالم انگریزی	〃
عبدالوحید	〃	عبدالحفیظ	〃	آصف انجم	اول	رفاقت حسین	〃	محمد اشتیاق احمد	〃	محمد ریاض الدین	〃
انور حسن خاں	〃	عبدالسلام	〃	یوسف بن محمد	〃	منہاج حسن فریدی	〃	حقیق الدین	〃	محمد عبیداللہ منتصب	[illegible]
ضیاء الرحمٰن	〃	شیخ عبدالصبور	〃	محی الدین بن محمد	〃	محمد راشد اعظمی	〃	محمد انیس	〃	عالیہ رابعہ	[illegible]
محمد انوار الحق	〃	احمد عبداللہ	〃	امتیاز احمد	〃	رضوان حارث	〃	محمد امین	〃	تقی احمد	[illegible]
کفایت اللہ خاں	〃	عبدالقادر مجاہدی	〃	رفیع احمد	〃	محمد اظہر	〃	کمال الدین	〃	محمد شاہجہاں	〃
فردوس عالم انصاری	〃	عبدالصمد	〃	عبداللہ بن عثمان	〃	محمد ثناء اللہ	〃	عرفان احمد	〃	محمد سلیم	〃
محمد عمار	〃	ابوالفتح اللہ ندوی	دوم	ابوذر اعظمی	〃	محمد باسل الرشید	〃	محمد رضوان اللہ	〃	عبدالواحد	〃

عبدالغنی	اول	عبدالقادر ادب عربی	ضمنی	یحییٰ بن محمد	دوم	محمد انور	اول	محمد اکرم	اول	محمد غفران بھٹکلی	اول
محمد ضیاء الحق	″	سراج الدین بخاری [illegible]	″	سعد بن مسعود	″	محمد سلمان	″	جعفر صادق	″	محمد عبدالقادر	″
رضوان اللہ خان	″	محمد مبین تبیر	″	حسین بن محمد سعد ابوبکر مطالعہ	ضمنی	محمد خان	″	محمد جعفر	″	محمد اسلم	دوم
عیاض احمد	″	محمد نور المبین ادب عربی	″	عبدالجبار امین ادب عربی	″	مختار احمد	″	فضیل احمد	″	عطاء الرحمن محمد عمر	″
صلاح الدین	″	محمد مرتضیٰ غفاری ″	″	عمران امین مطالعہ	″	عبدالرحمن بری	″	محمد عابد حسین	″	محمد اسرافیل	″
محمد سیف الدین	″	محمد ندیم اختر ″	″	محمد شکری (ضمنی)	پاس	محمد مظہر	″	محمد سمیع اختر	″	عبدالمنان	″
ابوالکلام	″	عبدالمجید	محفوظ	سید محمد اقبال	محفوظ	عبدالرزاق	″	عتیق الرحمن	″	محمد ابوالہلال تواب	″
رضی احمد	″	ممتاز احمد	″	حسام الدین	″	رضوان احمد	دوم	شبیر احمد بھٹکلی	″	عاطف محمد لقمان	″
مظہر الحق	″	محمد نفیس	فیل	عبدالحکیم	فیل	رضوان اللہ	″	عزیز الرحمن	″	محمد رفیق	″
نسیم احمد	″	محمد زبیر	اول	نذیر یوسف	″	محمد سلیم حدیث	ضمنی	عزیز الرحمن رشید	″	محمد اعجاز	″
محمد اکرم نواز	″	محمد نوراللہ	″	حسن ابن اسحٰق	″	محمد یحییٰ نحو۔ ادب	″	محمد صبیح الدین	″	محمد انیس الرحمن	″
محمد ظفر امام	″	محمد یوسف بھٹکلی	ضمنی	عالیہ رابعہ	ادب	خلیل الرحمن نحو	″	طارق زبیر	″	محمد طیب خان	″
عتیق الرحمن	″	نصیر احمد ترمذی انگریزی ادب عربی	″	محمد وسیم بستوی	اول	محمد ناصر الدین نحو انگلش	″	عبدالودود شعیب	″	محمد مجاہد الاسلام	″
دانش انجم	″	فیروز احمد ترمذی ادب عربی	″	محمد رضوان گونڈوی	″	عبدالرزاق نحو	″	محمد تنویر عالم	″	محمد شعیب بن ابراہیم	سوم
قاضی زبید احمد	″	سید لیاقت اللہ بخاری نحو عربی	″	محمد یوسف صدیقی	″	نفیس احمد ″	″	محمد مسعود عالم	″	عطاء الرحمن	″
محمد عبدالحلیم حامد	″	محمد عارف ندوی ″	″	محمد آصف	″	محمد احتشام الحق ادب	″	محمد طٰہٰ اطہر	″	محمود خان مسلم مطالعہ	ضمنی
عبدالمبین خان	″	شاہد مصطفیٰ ″	″	محمد عارف	″	مظفر	غ	محمد سلمان خان	″	شیخ ابراہیم مطالعہ	″
مسعود الحسن	″	غلام جیلانی نبیر ″	″	عتیق الرحمن	″	محمد سعید	موقوف	مسعود الحسن حسنی	″	محمد نجیب شیخ	″
نفیس الرحمن	″	محمد محی الدین نیپالی انگریزی ″	″	ضیاء الدین	″	محمد حسن	فیل	محمد فہران عالم	″	ظفر علی خان ″ ″ عادہ مطالعہ	″
نفیس احمد	″	مشتاق احمد	موقوف	اعجاز احمد	″	حقیق اللہ	″	احمد کلیم گوہر	″	مقبول احمد ″ ″	″
ذاکر حسین	″	سمیع الدین	″	محمود احمد	″	محمد تصدق حسین	″	ایم۔ ڈی۔ اے۔ کے قلندر	″	نور محمد خان ۔ ″	″
عبدالمنان	″	فیروز عالم نیپالی	فیل	محمد نورالہدیٰ	″	علیا اولیٰ شریعہ		ناہید شریف	″	محمد مختار نیپالی ″	″
عبدالاحد	دوم	قمر الزمان	″	محمد ساجد بستوی	″	محمد حسین ابو محمد	اول	مرزا کلیم بیگ	″	محمد ادریس ″	″
محمد اقبال	″	محمد خالد صدیقی	″	محمد ظفر	″	محمد ارشد	″	محمد ہارون	″	محمد معین الدین ″	″
نعیم اختر آزاد	″	محمد جلال الاسلام	″	محمد بشیر	″	محمد شمیم قیصر	″	محمد عیسیٰ	″	سراج الدین	ترقی
محمد اسعد اعظمی	″	عالیہ رابعہ ع	″	حبیب الرحمن	″	محمد جمیل	″	محمد طارق اقبال	″	محمد یسین نیپالی	″
محمد شفیق عالم ادب عربی	ضمنی	سہیل کے۔ ٹی	اول	ضیاء الرحمن	″	عبداللہ نیپالی	″	عبدالصمد	″	نعمان خان	″
محمد یحییٰ ″	″	موسیٰ	″	محمد حبیب اللہ	″	محمد منیر الدین	″	زبیر ذکی	″	فضل الدین	″
محمد اکرام الحق ″	″	منظور ملک	″	محمد ظفر کیفی	″	ذاکر حسین جمشید	″	محمد مقبول حسین	″	محمد کلیم	″
محمد رضوان عالم ″	″	سہیل الشہاب الدین	″	محمد فاروق	″	صغیر احمد	″	عبدالمقیت قاضیا	″	سید جلیل	محفوظ
محمد اطہر ″	″	کمال زہدی	″	محمد محی الدین	″	خلیل احمد بھٹکلی	″	محمد عمر خان	″	شیخ مشتاق	″
محمد صاحب [illegible]	″	یحییٰ حافظ حسن	″	سید فضل اللہ بخاری	″	حمید الرحمن	″	عمران راجستھانی	″	قاضی عطاء اللہ	فیل

علیا اولیٰ (ادب)	
محمد نبہان ابوبکر	اول
جمال الدین	"
عبداللطیف	"
عبدالرحمٰن	"
رمضان اسماعیل	"
نوشاد احمد صدیقی	"
سید ولی حسن	۔
محمد ضیاء الحق	"
محمد شبلی خاں	"
افضال الحق	۔
سعید رمضان	۔
نثار احمد	دوم
محمد نعین	"
یار محمد	"
کوثر	مترقی
نذیر مرتضیٰ	"
امیر الاسلام	۔
محمد منصور یحییٰ	۔
محمد نظر انباری مطالعہ	ضمنی
ناصر علی	اول
حبیب الرحمٰن	۔
عبدالرحیم بری	۔
محمد صادق عالم	۔
ابراہیم بن عبداللہ	ضمنی
محمد طیب مذاہب دینیہ مطالعہ	موقوف
خصوصی اول	
محمد قاری صالح	اول
شکری	۔
نظام احمد	"
محمد عبدالرحیم	۔
محمد ثناء قادری	"

ولی اللہ	اول
آصف اقبال	۔
عبدالرشید	مترقی
داؤد بن محمد	۔
سید جمشید حسن قادری القراءة الراشدة قصص	ضمنی
عبدالمنان "	"
امین بن عبدالوہاب	۔
سید الطاف حسین حفظ و تجوید	محفوظ
خصوصی ثانی	
محمد نعیم	اول
محمد مقیم الدین	۔
محمد عابد متین	۔
عیسیٰ بن محمد زین	"
فیروز مصطفیٰ	"
رفیق بن ابراہیم	"
ارشد فیضان	۔
عمر بن انوار	۔
بشیر احمد دانی	۔
عبدالسعید	دوم
محمد نظر خاں	"
محمد وہاج الدین	"
شکر محمد	۔
محمد ایوب خاں	۔
نور محمد	۔
عبدالوہاب	۔
نور الحق	۔
رمضان بن محمد	مترقی
عدنان بن ابراہیم نحو صرف	ضمنی
محمد حبیب الرحمٰن	ناکام
سالم بن قاسم	۔
حسین بن محمد	۔

درجہ خصوصی ثالث	
سید فضل حسین	اول
غازی معین الاسلام	"
خلیل احمد	۔
موسیٰ علی	۔
سعید بن جوت	۔
بادشاہ بکشو پٹیل	"
سی۔ کے۔ محمد علی	"
ریاض احمد کشمیر	"
محمد غزالی بن عبدالحمید	"
یحییٰ بن عبدالعزیز	دوم
محمد ایوب	"
سید عبدالرحمٰن	۔
شافعی محمد	"
محمد حفظ الرحمٰن	"
عبدالحکیم	"
افضال الرحمٰن	مترقی
محمد اطہر	۔
مطلب بن عبدالرحمٰن	ضمنی تفسیر
عباس ایم کو تفسیر نحو	ضمنی
محمد ساجد خاں تفسیر بلاغت	۔
محمد راشد	ناکام
فاروق بن یوسف	۔
عالیہ رابعہ شریعہ (ج)	
رضوان اختر	اول
عامر حسین	"
محمد افضل حسین	"
جاوید احمد	۔
سید احمر جعفری	"
محمد ثاقب	"
محمد نیر اقبال	"
محمد اعظم	"

محمد جناح ربانی	اول
نثار الاسلام	"
محمد شبلی	"
مشیر احمد	۔
محمد محی الدین	غیرحاضر
نعمت اللہ	اول
جمیل الرحمٰن	"
محمد عقبان کریمی	"
محب اللہ	"
محمد سخاوت	۔
علی مرتضیٰ	"
محمد قاسم	"
مظفر نعیم	"
عبدالسبحان	"
شعیب عالم	"
شرافت علی انبالوی	"
بدر جمیل	"
خورشید عالم	"
احمد اسامہ لاری	۔
غلام صابر	۔
انیس احمد	"
محمد فہیم خاں	۔
مطیع الحق	"
محمد مجاہد عالم	۔
مختار احمد	"
زبیر احمد تفسیر	ضمنی
جواد حسین	اول
محمد نوشاد عالم	"
محمد نسیم	"
محمد منور	۔
سیف اللہ	۔
محمد سلیم الدین	"

سراج احمد	دوم
عبدالماجد	اول
محمد مفتاح الحق	۔
ارشد حسین	۔
عبدالرزاق	۔
محمد نظام الدین	۔
صدر الدین	۔
محمد صابر عالم	۔
سہیل احمد	۔
منصور حسین	"
عطاء اللہ خاں	۔
زبیر احمد	"
محمد شمیم	"
محمد اسرار	"
عرفان احمد خاں	"

جمال عارف	اول
سید اکرام الدین	غ
عبدالغفار	دوم
اختر عالم انگریزی	ضمنی
محمد لئیق	اول
امتیاز عالم	۔
عزیز احمد	محفوظ
سید طلحہ	اول
فرید احمد	"
عبدالودود انگریزی	ضمنی
محمد محمود	اول
محمد ضیاء الحق	"
محمد اکرم	"
محمد امیر الاسلام منتسب	محفوظ

(باقی ص ۳۲ پر)

اعلان

سالانہ امتحان کے نتائج شائع کئے جا رہے ہیں، کسی بھی فرق کی صورت میں دفتر دارالعلوم کا ریکارڈ اصل تسلیم کیا جائے گا۔

دارالعلوم نئے تعلیمی سال کے لئے ۶؍شوال کو کھلے گا، طلبا اپنی آمد میں تاخیر سے گریز کریں تاکہ ان کو دارالاقامہ اور کتب خانہ کے معاملات میں دشواری نہ ہو۔

جن طلباء کے نتیجے محفوظ، موقوف یا نامکمل ہیں، اور جو ضمنی ہیں، وہ بہرحال ۱۱؍شوال ۱۴۱۶ھ سے دیر نہ کریں تاکہ وہ اپنے معاملات کو وقت کے اندر سمجھ سکیں، اور ان کے سلسلہ میں جو ضروری کارروائی وہ کی جا سکے۔

محمد رابع ندوی
مدیر (پرنسپل)
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳	۲۵ مارچ سنہ ۱۹۹۶ء ـ مطابق ـ ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۴۱۶ھ	شمارہ نمبر ۱۰

نگران اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی ـ مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی ـ مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد اللہ حسنی ندوی ـ مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرتعاون

سالانہ ـــــ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ـــــ پانچ روپے
ـ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ـ
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک
ـــــ ۲۵ ڈالر
ـ بیرونی ممالک بحری ڈاک ـ
بحری ڈاک جملہ ـــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر بار کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــ منیجر

حامد

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پارکھو آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا



اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/۵۰ روپے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)





اسلام تازہ دم ہے

کاش مسلمان بھی تازہ دم ہوتے

خبر ہے کہ عیسائی تنظیموں نے اپنے ۶۴۵۳ تربیت یافتہ مبلغوں کو اس منصوبہ کے ساتھ لائبیریا بھیجا کہ وہ اپنی دعوت خصوصاً مالی لالچ اور دیگر ترغیبات کے ذریعہ جو ان کا ہمیشہ کا وطیرہ رہا ہے، مسلمانوں کو عیسائی بنائیں۔

یہ مبلغین اسلام سے متعلق اپنی ان معلومات اور بدگمانیوں کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوئے جو ان کو اسلام دشمن مصنفین و مستشرقین کی تصنیفات اور تحریروں کے ذریعہ حاصل ہوئی تھیں، لیکن لائبیریا پہونچ کر جب انھوں نے اپنا کام شروع کیا، اور مسلمانوں سے مباحثوں اور مناظروں میں صحیح اسلامی حقائق ان کے سامنے آئے، اور انھوں نے اسلام کو اس کے اصل آئینہ میں دیکھا اور اس کی اعلیٰ تعلیمات روشن ہوکر سامنے آئیں تو ان کے دل بھی اسلام کی طرف مائل ہوگئے اور انھوں نے خود اسلام قبول کرلیا۔

یہ واقعہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ اور بیشتر قومیں اسلام کے فطری نظام و عقیدہ اور اس کے منصفانہ اصول و ضوابط سے ناواقف ہی نہیں بلکہ ان کو ایک منظم سازش کے تحت اسلام سے دور رکھنے کے لئے ایسا غلط لٹریچر تیار کردیا گیا ہے جس میں اسلام و مسلمانوں کے بارے میں نہایت مہمل باتیں پیش کی گئی ہیں، جن کو پڑھ کر اسلام کی نہایت ڈراؤنی اور غیر فطری تصویر سامنے آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی قوم و مذہب کے بارے میں مسخ شدہ اور بگڑی تصویر پیش کی جائے گی تو اس سے نفرت و عداوت ہی کے جذبات پیدا ہوں گے، ایک فرانسیسی مستشرق "آن ماری ویلکابر" جو پیرس یونیورسٹی میں اسلامیات کی پروفیسر ہیں، لکھتی ہیں "کہ علمائے کنیسہ سب منافق ہیں۔ وہ کانفرنسوں میں تو یہ کہتے ہیں کہ اسلام و مسیحیۃ میں کوئی فرق نہیں، لیکن حقیقتاً وہ اسلام کو تسلیم نہیں کرتے، اور مستشرقین کی ایک تعداد تو بالکل شیطان ہے جو اسلامی حقائق کو مسخ کرکے پیش کرتی ہے۔ پروفیسر آن ماری نے بڑی وضاحت کے ساتھ کہا کہ اسلام کی عظمت اور تمام انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کھلی ہوئی حقیقت ہے، مستشرقین اسلام کی صورت بگاڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں" اس لئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامیات پر مختلف زبانوں میں مضامین و کتابوں کو دنیا بھر میں پھیلانے کی کوشش اور جد و جہد کی جائے۔ تاکہ پیاسی روحیں اسلام کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوسکیں۔

عیسائی تنظیموں کے ان ۶۴۵۳ مبلغوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب ان کو اسلام سے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوسکیں اور اگر کہیں انھوں نے لائبیریا کے علاقوں میں اسلام کی عملی تصویر دیکھی ہوتی اور پاکیزہ اور صاف ستھرا اسلامی معاشرہ ان کے سامنے آیا ہوتا۔ انھوں نے دیکھا ہوتا کہ اسلامی معاشرہ میں لوگ ایک دوسرے سے کس طرح محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا کس طرح تعاون کرتے ہیں۔ کمزوروں یتیموں اور بیواؤں کی کس طرح خبر گیری کرتے ہیں، اسلامی محلہ یا شہر کا ہر مسلمان اس تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی یتیم و بیوہ ملے اور یہ اس کی خدمت کا شرف حاصل کرے، دو آدمی کہیں لڑتے جھگڑتے نہیں نظر آتے، کہیں کوئی اختلاف نزاع کی شکل پیدا بھی ہوتی ہے جو خاصۂ بشریت ہے تو وہ اپنے محلے کے قاضی یا امام کے پاس چلے جاتے ہیں وہ اسلامی اصولوں کے مطابق کتاب و سنت کی روشنی میں فیصلہ کردیتا ہے، اور دونوں فریق ہنسی خوشی اس فیصلہ کو مان لیتے ہیں۔

انھوں نے ان کے بازاروں میں دیکھا ہوتا کہ یہاں دوکاندار جھوٹ نہیں بولتا، گاہک پورے اعتماد کے ساتھ صحیح خالص اور بے عیب سودا ملنے کا سودا خریدتا اور مطمئن رہتا ہے۔ اذان ہوتی ہے تو لوگ اپنی دوکانیں کھلی چھوڑ کر مسجد چلے جاتے ہیں۔ جہاں امیر و غریب حاکم و محکوم، مالک و مزدور سب ایک ساتھ کاندھے سے کاندھا ملاکر ایک خدا کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور نہایت وقار و تمکنت کے ساتھ اپنے خدا کے روبرو عبادت و دعا کرتے ہیں۔

مسجد سے نکل کر پھر اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔

وہ دیکھئے کہ یہاں حکام وافسران اپنے فرائض خدمت خلق اور ثواب سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ نہ کہیں رشوت کا مطالبہ ہے نہ ٹال مٹول، تو لا شبہ یا یہ پہونچتے تک ان پر اسلام کا جادو چل گیا ہوتا۔ اور وہ ساحران موسیٰ کی طرح بے ساختہ سربسجود ہو جاتے اور کلمۂ اسلام ان کی زبان پر جاری ہو گیا ہوتا۔ اور جب بھی تاریخ میں ایسا ہوا ہے پوری کی پوری قوم اپنے پرانے اور باطل عقائد کو چھوڑ کر داخل اسلام ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کے مشہور قائد قتیبہ بن مسلم نے اسلامی اصولوں کو نظر انداز کرکے سمرقند پر فوج کشی کی اور پورا ملک فتح کر لیا وہاں کی قوم محکوم ہو گئی۔ سمرقند پر اسلامی پرچم لہرانے لگا اس فتح پر برسوں گذر گئے۔ اور وہاں کے لوگ محکومی کی زندگی گذارتے رہے لیکن جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دور آیا اور اسلامی عدل و انصاف عام ہوا تو سمرقند کے لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ خلیفہ اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے دربار میں سمرقند کا مقدمہ پیش کیا جائے تو انصاف کیا جائے گا چنانچہ وفد خلیفۃ المسلمین کے پاس حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہم کو اسلامی اصولوں کے خلاف محکوم بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اس داد و فریاد پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سمرقند کے قاضی کو پروانہ لکھا کہ مقدمہ کی تحقیق کی جائے اور اسلامی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے، وفد سمرقند واپس پہونچا۔ اہل سمرقند کو شک تھا کہ فضا سے کام لیا جائے گا۔ اس لئے کہ حکومت مسلمانوں کی ہے قاضی و انتظامیہ بھی مسلمان ہے، ہمارے حق میں کیونکر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن قاضی نے پروانہ ملتے ہی فریقین کو طلب کیا مقدمہ کی تحقیق کرکے اہل سمرقند کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ حکم ہوا کہ اسلامی فوجیں شہر خالی کر دیں اور اسلامی اصول کے تحت ملک کو اپنے قبضہ میں لینے کی کوشش کریں۔ قاضی کا فیصلہ صادر ہونا تھا کہ اسلامی فوجوں نے شہر خالی کر دیا۔ اس اسلامی انصاف کو دیکھ کر اولاً تو ان کے دینی پیشوا پھر سمرقند کی پوری آبادی مسلمان ہو گئی۔ تاریخ اسلام میں ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہیں۔ کہ جنھوں نے مخالفین اسلام کا دل جیت لیا ہے اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔

کاش ہم مسلمان دنیا کے سامنے اسلام کی چلتی پھرتی عملی مثال پیش کرتے اور بھولے بھٹکوں کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوتے۔

کاش فرزندان اسلام اپنی حقیقت کو پہچانتے اور اس کی قدر کرتے بلاد اسلامیہ کے فرمانرواؤں کو اسلامی اقدار کو اپنانے کی توفیق ملتی اور ان ملکوں میں رہنے یا داخل ہونے والا عملی زندگی میں اسلام کو دیکھتا اس پر اس کو رشک آتا۔ للچاتا اور پھر اسلام قبول کر لیتا۔

کاش گذاریں اپنا جیون رب کے بندے بن کر لوگ

قمر رام نگری

کرتے ہیں ایمان کا سودا جن کی خاطر اکثر لوگ — فانی ہے دنیا کی ہر شے کاش یہ سوچیں ہم بھر لوگ
بھولے بھٹکے انسانوں کو جب دکھائی سیدھی راہ — دنیا میں جتنے بھی آئے رشی منی پیغمبر لوگ
نجم ہدایت برج سعادت ہیں سارے اصحاب نبیؐ — چشم فلک نے کب دیکھے تھے ان سے بہتر و برتر لوگ
بہکاتے ہیں راہ ہدیٰ سے گمراہی پھیلاتے ہیں — انسان ہو کر بنے ہوئے ہیں شیطانوں کے لشکر لوگ
دنیا بھی جنت بن جائے عقبیٰ میں بھی عیش ملے — کاش گذاریں اپنا جیون رب کے بندے بن کر لوگ
مانگیں کیوں نہ خدا سے اپنے جس کی عطا ہے بے پایاں — کوئی بتائے کیوں پھرتے ہیں مارے مارے در در لوگ
ان کی بے شرمی کی حد ہے ان سے بس اللہ بچائے — باز نہ آئیں بد عملی سے کھا کر بھی جو ٹھوکر لوگ
آنے والی اس دنیا میں ان کو ہوگا خوف نہ غم — اس دنیا میں جیتے ہیں جو اپنے رب سے ڈر کر لوگ
آنکھیں کھولیں خود کو دیکھیں اپنے رب کو پہچانیں — بند کئے بیٹھے ہیں آخر کیوں یہ من کا مندر لوگ
دنیا والوں کی ایذا سے اب کتنے محفوظ ہیں وہ — گہری نیند میں سوئے ہوئے ہیں جو قبروں کے اندر لوگ
کیا کوئی منصور ہوا ہے اہل جنوں میں پھر پیدا — گلی گلی میں کیوں پھرتے ہیں لئے ہاتھ میں خنجر لوگ
دیں کے پیالے دیں کے داعی اپنی مستی میں ہیں مصروف — چاروں طرف ہیں تاک میں بیٹھے لئے ہوئے گو پتھر لوگ

امن و اماں اک عنقا شے ہے رب سے باغی دنیا میں!
امن و اماں کی کھوج میں پھر بھی کاٹ رہے ہیں چکر لوگ

ایک ضروری اعلان :-

مولانا سید محمد عبد السمیع ندوی رحمۃ اللہ کے حالات پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ہے جن حضرات کا ان سے واسطہ پڑا ہو ان حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مولانا کے بارے میں اپنے تأثرات، مشاہدات اور واقعات لکھ کر درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں، مشکور ہوں گا۔

محمد عبد الرشید ندوی، المساندۃ الفنیۃ، پوسٹ بکس ۲۲۳۶۳
الریاض ۱۱۴۹۵ (سعودی عرب)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

سوانحی ادب و تذکرہ نویسی

۱۰ تا ۱۲ نومبر ۱۹۹۵ء میں رابطہ ادب اسلامی نے دارالمصنفین کے تعاون و اشتراک سے اعظم گڑھ میں اپنا بارہواں ادبی سیمینار منعقد کیا تھا جس کا موضوع سوانحی ادب و تذکرہ نویسی تھا۔ حضرت مولانا مدظلہ نے اپنا یہ گراں قدر مقالہ اس موقع پر پیش فرمایا جو افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین ہے۔

(ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین۔

حاضرین کرام! سب سے پہلے تو اس حقیقت کا اعتراف و اظہار اور اس پر تشکر و امتنان ضروری اور ایک اخلاقی و علمی فرض معلوم ہوتا ہے کہ "رابطہ ادب اسلامی" کا یہ اجلاس جس کا عمومی و مرکزی عنوان "سوانحی ادب و تذکرہ نویسی" ہے ایک ایسے مقام و علمی مرکز پر منعقد ہو رہا ہے جس کا شروع سے ایک اہم موضوع اور دائرۂ بحث و تحقیق تصنیف و تالیف سوانح نگاری، تذکرہ نویسی اور اہم ترین تاریخی بلکہ تاریخ ساز اور فکری و اصلاحی شخصیتوں کا علمی و تحقیقی معیار پر تعارف رہا ہے، اور جس میں کم از کم اس برصغیر ہند میں کوئی علمی و تصنیفی مرکز یا ادارہ اس کا ہمسر اور مقابل نہیں، جس کے بانی، ذمہ داروں اور رفقائے کار کے قلم سے "الفاروق" "سیرت عمر بن عبدالعزیز"، "المامون"، "الغزالی"، "مولانا جلال الدین رومی"، "اسوۂ صحابہ"، "اسوۂ صحابیات"، "سیرت عائشہ"، "اقبال کامل"، "خیام"، "حیات شبلی"، "حیات سلیمان"، "امام رازی" وغیرہ جیسی مستند، محققانہ و منصفانہ، فکر انگیز و دل آویز کتابیں نکلیں۔

اس تاریخی حقیقت کے استحضار اور اس پر جائز طور پر تشکر و افتخار کی بنا پر ادارہ کے ذمہ داران اور اجلاس کی دعوت دینے والوں کو قرآن مجید کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق ہے کہ "ہٰذِہٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا"۔

فضلائے کرام! اعتذار و اضطراب کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ بعض اہل قلم اور ادبا کسی نامور شخصیت کا تعارف کرانا، اس کے حالات کا تذکرہ کرنا، اس کی خوبیوں کو بیان کرنا اور اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا، اصناف ادب میں سب سے آسان صنف تصور کرتے ہیں، وہ جب کسی شخصیت کا تذکرہ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں تو نہ تو الفاظ کے استعمال میں احتیاط برتتے ہیں، نہ تعریف و توصیف میں الفاظ کے حجم اور ممدوح کے صفات کی رعایت کرتے ہیں، نہ مطالعہ کی وسعت و گہرائی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ الفاظ کو تنقیدی میزان میں تولنے کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ اس کی مدح سرائی میں پوری آزادی اور بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے الفاظ کا انبار لگا دیتے ہیں۔

آپ سب جانتے ہیں کہ مدح و توصیف میں استعمال کئے گئے یہ الفاظ زیادہ تر مشترک ہوتے ہیں جو عالم، ادیب، صاحب کمال، سیاست داں، دینی رہنما، حاکم وقت، فوجی قائد اور دوسرے کمال رکھنے والے افراد سب پر منطبق ہو سکتے ہیں، لہٰذا ان کے تذکرہ سے نہ تو صاحب تذکرہ کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے، نہ اس کے وصف کی نشاندہی ہوتی ہے، نہ اس کے رنگ و روپ کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، نہ اس کے چہرہ کے خط و خال کا صحیح پتہ چلتا ہے اور نہ اس پر پائی جانے والی کسی ایسی علامت کا اظہار ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ چہرہ دوسرے چہروں سے ممتاز اور نمایاں نظر آتا ہو، اور لاکھوں چہروں کے درمیان ہونے کے باوجود بھی دور سے پہچانا جا سکتا ہو۔

مدح و توصیف اور تعریف و توقیر کے الفاظ کا جو ذخیرہ عربی زبان میں ملتا ہے، وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ملتا، مدح و توصیف کے الفاظ جاننے کے لئے عبدالرحمٰن ابن عیسی الہمدانی (م ۳۲۰ھ) کی کتاب "الالفاظ الکتابیۃ" کا مطالعہ کافی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے ایک سوانح نگار کو الفاظ کا اتنا بڑا ذخیرہ مل جاتا ہے کہ وہ اپنے ممدوح کی تعریف میں قلابے ملا سکتا ہے، لیکن الفاظ کے بے جا استعمال اور تعریف میں مبالغہ سے کام لینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تنوع اور رنگارنگی کے باوجود وہ سب شخصیات ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں، جس کی وجہ سے قاری کے لئے کسی بھی شخصیت کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں صحیح خط و خال کے ساتھ دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے، وہ اس شخصیت کو دیکھتا ضرور ہے لیکن زندگی کا کوئی ثبوت اس کو اس میں نہیں ملتا، نہ وہ اس میں گرمی

محسوس کرتا ہے نہ تپک محسوس کرتا ہے نہ حرکت، نہ وہ جذبات نہ وہ رد عمل جس کی وجہ سے ایک زندہ، متحرک اور باشعور انسان، کا غذی تصویروں، پتھر کے مجسموں اور روئی اور بھوسا بھری گڑیوں سے مختلف نظر آتا ہے۔

کسی نامور شخصیت کا تذکرہ لکھنا یا کسی انسان کے اوصاف بیان کرنا اتنا آسان اور اتنی عمومی نوعیت کا کام نہیں جتنا کہ بعض اہل قلم سمجھتے ہیں، بلکہ اس کے لئے بڑی فراست اور بڑی تلاش و جستجو کی ضرورت پڑتی ہے، اور اس میں وہی سوانح نگار کامیاب ہو سکتا ہے اور اس موضوع کا وہی شخص حق ادا کر سکتا ہے جو اس حقیقت سے واقف ہو کہ الفاظ اور خاص طور پر تعریفی و تنقیدی الفاظ کا بھی ایک درجۂ حرارت بدرجہ (ٹمپریچر) ہوتا ہے اور اس کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اور مدح و ممدوح کا موازنہ کرتے ہوئے ان کا استعمال کیا جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے اصول و شرائط بھی ہیں:۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ سوانح نگار جس شخصیت کا تذکرہ کرے اس سے پوری طرح واقف ہو، اس کے اچھے اور برے پہلوؤں پر اس کی نظر ہو اور ان میں امتیاز کرنے کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہو، اب اگر اس کی یہ واقفیت براہ راست ہے (رفاقت یا ملاقات کے ذریعہ) تو یہ سب سے بہتر شکل ہے، اور اگر اس کی واقفیت کا ذریعہ مطالعہ ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ مطالعہ خالی الذہن ہو کر کیا گیا ہو اور اس میں دوسرے عناصر و موثرات شامل نہ ہوں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ سوانح نگار کو صاحب سوانح سے ایسا تعلق ہو جو اس کے اندر اس کے حالات جاننے کا شوق، اس کی خصوصیات سے واقف ہونے کا داعیہ اور اس کی زندگی کی گہرائیوں میں اتر جانے کا جذبہ پیدا کرتا ہو۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ سوانح نگار زبان کے مزاج سے آگاہ، اس کی روایت، لفظوں کے صحیح معنی اور محاوروں کے صحیح استعمال سے واقف ہو، جو لفظ وہ استعمال کرے موتی کی طرح روشن ہو، الفاظ اس کے اشارہ کے منتظر ہوں، اور ان کا اتنا بڑا ذخیرہ اس کے پاس موجود ہو کہ وہ جس معنی اور مفہوم کو ادا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے موزوں ترین لفظ اسے آسانی کے ساتھ میسر آجاتا ہو۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ امانتدار ہو، ذمہ داری کا اسے پورا احساس ہو، کلمات کی ترتیب کا اسے سلیقہ ہو، جملوں کی بندش کا اسے ملکہ ہو کہ وہ جو لباس صاحب سوانح کو پہنانا چاہتا ہے وہ اس کے قدو قامت اور حجم کے مطابق ہو، نہ کسا ہوا نہ ڈھیلا ہو، کیونکہ اگر وہ چھوٹے قد والے کے لئے لمبا لباس تیار کرے گا تو چھوٹا شخص اور بھی چھوٹا نظر آئے گا اور دیکھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ یہ تو کسی اور کا لباس ہے جو قد میں اس سے لانبا ہے، تو جس طرح انسان کا ایک جسم ہوتا ہے جس کی مناسبت سے لباس تیار کیا جاتا ہے، اسی طرح اس کے اوصاف و کمالات ہوتے ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے، الفاظ کے انتخاب میں ذراسی کوتاہی اور اس کے ٹمپریچر میں ذراسی کمی زیادتی سے صاحب تذکرہ کی شخصیت پر دوسری شخصیت کا خول چڑھ جاتا ہے اور قد و قامت کے ناپنے میں غلطی کرنے سے بڑا جرم مقام و مرتبہ کی صحیح تعیین نہ کرنا ہے۔

اسی طرح کسی شخصیت کا تعارف کرانے یا اس کی سوانح عمری بیان کرنے کے لئے ضروری ہے کہ لکھنے والے کے دل میں اس کے لئے عقیدت و محبت کے جذبات ہوں، دوسروں کے سامنے اس کو پیش کرنے کا اس کے اندر تقاضا ہو، افکار و نظریات میں امکانی حد تک ہم آہنگی ہو اور صاحب تذکرہ کی توصیف اس کے ضمیر کی آواز اور اس کے دل کی ایک آرزو کی تکمیل ہو۔

یا پھر اس کے قلم اٹھانے کا محرک ایسی شخصیت کا دفاع ہو جس کا حق چھینا جا رہا ہو، اس کا وقار مجروح کیا جا رہا ہو اور اس کو بے جا قفص اتہام میں کھڑا کیا جا رہا ہو۔

یا پھر اس کے قلم کو حرکت دینے والی چیز ممدوح پر اعتماد کی بحالی یا اس کے فضل کا اعتراف یا اس کی دل آویز اور باکمال شخصیت کی گرویدگی کا اظہار ہو۔

جس تحریر کے پس منظر میں یہ عوامل کارفرما نہیں ہوتے وہ تحریر بے اثر اور بے جان ہوتی ہے، اس کی مثال لکڑی کے اس تختہ کی سی ہوتی ہے جس کو خوبصورت نقش و نگار سے سنوارا گیا ہو یا کپڑے کے اس ٹکڑے کی سی ہوتی ہے جس کو ریشمی بیل بوٹوں سے آراستہ کیا گیا ہو، اور تجارت کے مقصد سے بازار میں لایا گیا ہو، اور ایسے سوانح نگار کی حیثیت ایک پیشہ ور قوال کی سی ہوتی ہے جو اپنے سامعین پر مصنوعی حال طاری کرتا ہے، یا اجرت پر لائے گئے نوحہ خواں کی سی ہوتی ہے جو مسرت و انبساط کے جذبات کو اپنے آنسوؤں کی لڑی میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

سوانح نگار کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ الفاظ کے زیر و بم، اتار چڑھاؤ اور ان کی گرم و سرد تاثیر سے پوری طرح واقف ہو، گرم لفظ کی جگہ سرد لفظ کا استعمال تو درکنار معمولی حرارت رکھنے والے لفظ کی جگہ تیز حرارت رکھنے والے لفظ کا استعمال بھی نہ کرتا ہو۔

سوانح نگار کے لئے اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی متوسط شخص کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جس سے وہ تصویر سامنے آئے جو کسی باکمال اور عبقری (GENIUS) انسان یا غیر معمولی ذہانت کی حامل، حسن اخلاق سے آراستہ اور وسیع اور عمیق علم رکھنے والی شخصیت کی ہوا کرتی ہے۔

سوانح نگار کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ صاحب سوانح کو اسی طبقہ میں رکھے جس طبقہ کا

وہ نمائندگی کرتا ہو اور اس کی زندگی کے ایسے پہلو کو اجاگر کرے جو اس کو دوسری شخصیات سے جدا کرتا ہے۔

سوانح نگار کے لئے صبر آزما وقت وہ ہوتا ہے جب وہ کسی ایسی شخصیت کا تذکرہ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے جو گوناگوں خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اور علم و فن کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دے چکی ہوتی ہے، جیسا کہ قدیم طرز کے علماء کی شان رہی ہے تو ایسی صورت میں اس کے اس وصف کو متعین کرنا جس میں وہ دوسروں سے ممتاز و فائق ہو، بڑا دشوار اور نازک کام ہوتا ہے، اور اس میں وہی سوانح نگار کامیاب ہو پاتا ہے جو صاحب سوانح سے جزوی نہیں کلی واقفیت رکھتا ہو، اس کی تمام تصانیف کا مطالعہ کر چکا ہو اور اس کے بارہ میں اس کے معاصرین کی رائے اور ان کے خیالات سے پوری طرح آگاہ ہو۔

علامہ شمس الدین احمد بن خلکان (م ۶۸۱ھ) کی شہرہ آفاق کتاب "وفیات الاعیان وانباء الزمان" اپنی اسی خصوصیت کی بنیاد پر سیرت و سوانح کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے، تذکرہ نویسی میں ان کا یہ وہ امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دوسرا تذکرہ نگار ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا ہے۔

علامہ شمس الدین احمد بن خلکان جب کسی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں اور اس کے لئے نحوی، فقیہ، ادیب، مفسر، لغوی اور واعظ جیسے اوصاف میں سے کسی وصف کو استعمال کرتے ہیں تو یہ وصف اس شخصیت کا ایسا امتیازی وصف قرار پاتا ہے جو اس شخصیت کا نہ صرف یہ کہ جزو بلکہ اس کی علامت و پہچان بن جاتا ہے۔

یہ وہ خصوصیت ہے جو بہت کم سوانح نگاروں کے حصہ میں آئی ہے، الفاظ کا حسن انتخاب شخصیت شناسی کا یہ فن اور صفات کے تنوع کے باوجود اس کی صفت ممیزہ تک رسائی صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو سلیقہ، دیانت، قوت فیصلہ اور اصابت رائے کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، علم ان کا گہرا اور مطالعہ ان کا وسیع ہوتا ہے، شعور ان کا بیدار اور ذوق ان کا اعلیٰ ہوتا ہے، توفیق خداوندی ان کا ساتھ دیتی ہے اور تائید غیبی ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں مجھ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ ابن خلکان کی کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس کی "وفیات الاعیان" کو علماء نے ہر زمانہ میں حرز جان بنایا ہے؟ راقم نے اپنے محدود علم و مطالعہ کی بنا پر کچھ عرض کیا فرمایا کہ ابن خلکان کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس کا ترجمہ لکھتا ہے اس کے اصل موضوع اور امتیازی علم کا تعین ابتدائی تعارفی عبارت ہی میں کرا دیتا ہے مثلاً "فلان النحوی" "فلان الجدلی" "الفقیہ" پھر جتنا غور و مطالعہ کیا جائے اس کو اس جگہ سے ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ "یہی خصوصیت مولانا سید عبدالحی صاحبؒ کی "نزھۃ الخواطر" میں ہے۔

نزہۃ الخواطر کی اس خصوصیت کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں، لیکن یہاں چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس کا ذوق اور لطف وہی حضرات اٹھا سکتے ہیں جو ان شخصیتوں کے کمالات کے رنگارنگ مرقع میں ان کا اصل کارنامہ اور ان کی خدمت کے اصل میدان کو جانتے ہوں۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ، محدث، مدرس، مصنف اور صاحب حال و صاحب باطن صوفی تھے، ان کا ترجمہ مصنف اس طرح شروع کرتے ہیں:۔

"الشیخ الامام العالم العلامۃ المحدث الفقیہ، شیخ الاسلام و علم العلماء الأعلام وحامل رایۃ العلم والعمل فی المشائخ الکرام"۔

اس میں دراصل "حامل رایۃ العلم والعمل فی المشائخ الکرام" پوری عبارت کی جان ہے اور ان کی شخصیت کی معرفت کے لئے کلید کی حیثیت رکھتی ہے پھر ان کے کارناموں میں سے وہ ہندوستان میں اشاعت علم حدیث کو اصل کارنامہ قرار دیتے ہیں۔

ملا نظام الدین لکھنوی جن کو درس نظامی کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل ہے ان کا تذکرہ ان شاندار الفاظ سے کرتے ہیں:۔

"الشیخ الامام، العالم الکبیر، العلامۃ الشہیر، صاحب العلم والفنون، وغیث الافادۃ الھتون، العالم بالربع المسکون استاذ الاساتذۃ وامام الجھابذۃ" ان القاب و اوصاف پر انھوں نے خصوصیت کے ساتھ ان کے کارنامۂ اشاعت علمی اور جہاں استادی کی طرف خصوصی اشارہ کیا ہے کہ یہ ان کی زندگی کا عنوان بن گیا ہے، ملا صاحب جامع علوم و کمالات تھے، لیکن مصنف نے اصول و منطق و کلام کو ان کے خداداد کمالات کا اصل مظہر و مرکز قرار دیا ہے، اسی طرح ان کے باکمال و نامور فرزند ملک العلماء ملا عبدالعلی بحر العلوم کی ذکاوت خداداد اور جولانی طبع کا اصل میدان منطق و حکمت و کلام و فقہ و اصول کو قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:۔

"کان معدوم النظیر فی زمانہ، رأسا فی الفقہ والاصول، اماما جوالا فی المنطق والحکمۃ والکلام"۔

اسی طرح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے تذکرہ میں ان کی تصانیف، شروح اور حواشی کی طرف شروع ہی میں خصوصی اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے۔

"أحد مشاهير الهند، ألفق على فضله علماء الآفاق وسارت بمصنفاته الرفاق"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور و باکمال فرزندوں میں شاہ رفیع الدین کو علوم عقلیہ و کلامیہ میں امتیاز خاص حاصل تھا اور اس میں وہ اجتہادی شان رکھتے تھے، ان کے تذکرہ میں لکھا ہے "المحدّث المتکلم، الاصولی الحجة، الرحلة، فرید عصرہ نادرة دھرہ" اسی طرح بسبیل مثال شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں پر چند جملوں نے ان کی پوری شخصیت کی نقاب کشائی کر دی ہے۔

"أعلم العلماء في العلوم النافعة و أحسن المتأخرين ملكة في الفقه وأصوله وأعرفهم بنصوصه وقواعده"

سلطان عالمگیر کا تذکرہ کرتے ہوئے چند الفاظ میں انھوں نے ان کی امتیازی خصوصیات اور ان کے اصل کارنامہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے "المؤید من الله، القائم بنصرة الدين الذي أيد الإسلام وفتح الفتوحات العظيمة وساس الأمور" یہ مختصر عبارت اہل نظر کی نظر میں مآثر عالمگیری کا خلاصہ ہے، بابر کے تذکرہ میں "الملك المؤيد" کے لفظ نے جس سے ترجمہ شروع ہوتا ہے وہ کام کیا ہے جو طویل عبارت بھی نہیں کر سکتی، فیر شاہ سوری کے ترجمہ کو "السلطان العادل" کے لفظ سے شروع کیا گیا ہے، اور سکندر لودی کے تذکرہ میں "العادل" کے ساتھ "الفاضل" کا لفظ بھی بڑھایا گیا ہے پھر "السلطان الصالح" کہا گیا جو اس کی زندگی کا جوہر و اتیاز ہے۔

حسن انتخاب اور مؤرخانہ دیدہ وری

ایک مؤرخ کی صحیح کامیابی کا پیمانہ اور اس بات کی شہادت کہ اس کو اپنے فن میں کس درجہ کا ملکۂ خداداد حاصل ہے اور وہ اس کوچہ کی رسم و راہ سے کہاں تک آگاہ ہے، یہ نہیں ہے کہ اس نے کتنے صفحات سیاہ کئے اور کتنی ضخیم تصنیف اس نے تیار کر دی؟ اس کا راز دراصل اس کے جزئیات و معلومات کے انتخاب اور ردّ و قبول میں پوشیدہ ہوتا ہے، جس سے اس نے اپنی تصنیف میں کام لیا ہے، نیز اس مذاق سلیم میں جو اس پوری کتاب میں نمایاں ہو، ایک مؤرخ جب کسی نامور شخصیت کے تذکرہ پر قلم اٹھاتا ہے تو اس کو حالات و واقعات (یا اگر صاحب ترجمہ کوئی عالی مرتبہ شیخ یا باکمال عالم ہے) تو کرامات و کمالات، روایات و بیانات اور مناقب و فضائل کا ایک جنگل نظر آتا ہے، اس وقت اس کے صبر و ظرف اور اس کی قوتِ انتخاب کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اس میں سے کس کو قبول کرے اور کس کو نظر انداز کر دے، کس کو قابل اعتماد قرار دے اور کس کو ناقابل اعتماد پھر وہ ان منتشر اجزاء سے کس طرح اس کی سیرت کا قالب تیار کرے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے۔ یہاں کے تذکروں میں یہی سقم ہے کہ ان طویل و عریض تراجم میں واقعات اور صاحب سوانح کے حالات کی بعض ایسی ضروری کڑیاں غائب ہیں جن کے بغیر نہ تو کوئی سوانح مرتب کی جاسکتی ہے اور نہ صاحب سوانح کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے آتی ہے، اور نہ بعد میں آنے والی نسلوں کو اس کے تذکرہ میں وہ مواد ملتا ہے جو ان کے لئے قابل تقلید، لائق اتباع، حوصلہ افزا اور ہمت آفریں ثابت ہو، واقعات اور اجزائے زندگی کے اس خلا کو پُر کرنے کے لئے اور اس کے پڑھنے والے کے ذہن میں جو تشنگی اور کمی کا احساس پیدا ہوتا ہے اس کو رفع کرنے کے لئے مؤرخین اور سوانح نگاروں نے یا تو بڑے بڑے القاب تعظیمی الفاظ اور پر ہیبت و پر جلال علمی و روحانی اصطلاحات اور عرفی خطابات استعمال کئے یا کشوف و کرامات کی بھرمار کر دی، ظاہر ہے کہ تاریخ کی جو کڑیاں گزشتہ تذکروں میں آنے سے رہ گئیں یا حوادث روزگار اور مصنفین کی بے اعتنائی سے تلف ہو گئیں، ان کو بعد کا مورخ پیدا نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی اگر طلب صادق اور ہمت مردانہ سے کام لیا جائے تو بمصداق "جوئندہ یابندہ" وہ گمشدہ کڑیاں بعض غیر متعلق کتابوں، بیاضوں، یادداشتوں اور قلمی ذخیروں میں مل جاتی ہیں اور ان سے بہت سے ایسے شگاف بند کئے اور ایسے رخنے بھرے جا سکتے ہیں جو اہل نظر کی آنکھوں کو شدت کے ساتھ ان قدیم تذکروں میں چبھتے ہیں۔

اس مقصد میں مصنف مرحوم کو کہاں تک کامیابی ہوئی ہے، اس کا اندازہ صحیح طور پر جب ہو سکتا ہے جب متعدد شخصیتوں کا تذکرہ پہلے قدیم تذکروں میں پڑھا جائے پھر نزہۃ الخواطر میں ان کا مطالعہ کیا جائے اس وقت اندازہ ہو گا کہ مصنف کی راہ کس طرح ان قدیم تذکروں سے الگ ہے، اور اس نے (خود اپنے الفاظ میں) "رزم و بزم کے افسانوں میں سے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو تلاش کیا ہے جن سے کحل الجواہر تیار ہو سکتا ہے"[1] اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو کسی نامور اور مرجع خلائق شیخ یا کسی باکمال مشہور عالم کا ترجمہ پہلے ان قدیم تذکروں سے نقل کیا جاتا پھر "نزہۃ الخواطر" میں اس کا جس طرح تذکرہ آیا ہے پیش کیا جاتا، مثال کے طور پر شیخ جہانگیر اشرف سمنانی یا شیخ بدیع الدین مدار (م ۸۴۰ھ) کے تراجم یا ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی یا ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے تراجم پہلے قدیم تذکروں میں پڑھ لئے جائیں پھر ان کو نزہۃ الخواطر میں ملاحظہ فرمایا جائے اسی وقت اس کا مشاہدہ ہو گا کہ

تمی رویم زراہے کہ کارواں رفتست

---

[1] حرف آغاز، یاد ایام (تاریخ گجرات)

حقیقت شناسی اور مبصرانہ تبصرہ

سوانح نگار اور مؤرخ کا ایک امتیاز اور اس کی دیانت داری اور حقیقت شناسی بلکہ فراست کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ وہ بغیر کسی ہجو اور مذمت کے صاحب ترجمہ کے بارے میں ایسا اشارہ کر دے جس سے اس کا حقیقی درجہ، وزن اور جس گروہ میں وہ جائز اور استحقاقی طور پر شامل ہے اس کا تعین ہو جائے۔

اس کی بہترین مثال سرسید احمد خاں مرحوم کی شخصیت ہے جن کی خدمات اور کارنامے ایک طرف واجب الاعتراف ہیں تو دوسری طرف ان کے کچھ "تفردات" علمی دینی و تحقیقی طور پر قابل بحث و تحقیق ہیں، اور یہ بات اس وقت اور بھی ان کے بارہ میں توازن اور انصاف کے لئے آزمائش بن جاتی ہے جب ان کو ایک راسخ العلم، عالم دین اور مروجہ دینی و علمی نصاب اور طرز تعلیم کا پروردہ اور ساختہ سمجھ لیا جائے۔

لیکن مصنف "نزہۃ الخواطر" نے اس عقدہ کو اس طرح حل کیا کہ ان کے بارہ میں لکھا کہ "وہ علماء میں نہیں، بلکہ فضلاء میں شمار کرنے کے قابل ہیں" جو اہل ذوق ان دونوں الفاظ کے مفہوم و مصداق سے واقف ہیں وہ اس کا لطف لے سکتے ہیں اور اس سے مصنف کے ذہنی و سوانحی توازن کا اندازہ اور احساس ہوتا ہے۔

زندگی و دلآویزی

ہمارے مشرقی ادب و تاریخ کی ایک خامی یہ ہے کہ شخصیتوں کے چہروں پر عقیدت و تقدس کے ایسے دبیز پردے پڑ گئے ہیں اور ان کے خارق عادت کمالات کو اتنے شغف و انہماک کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے اصل خط و خال اور ان کی بشریت کے مظاہر، ان کی عادات و خصوصیات اور ان کی بے تکلف مجلسوں کی اصل تصویر دب کر رہ گئی ہے، اکثر ان کتابوں کے پڑھنے سے انسان کو ان کا لطف صحبت اور ان کے مزاج و مذاق سے واقفیت حاصل نہیں ہوتی، عام طور پر ایک ہی طرح کے الفاظ اور ایک ہی طرح کے احوال و کرامات دہرائے جاتے ہیں، یہ عیب عربی تاریخوں میں کم فارسی تاریخوں اور تذکروں میں زیادہ ہے۔

مصنف مرحوم نے امکانی کوشش کی ہے کہ تذکرے محض بے جان اور فضائل و مناقب کا ایک بے روح مرقع نہ ہوں، ظاہر ہے کہ قدیم تذکروں کے لکھنے میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، ان کا ذریعۂ معلومات تنہا متقدمین کی کتابیں تھیں اور جب کوئی چیز لکھی ہی نہ گئی ہو تو آدمی صدیوں کے بعد اس کو کہاں سے حاصل کر سکتا ہے، پھر بھی ملفوظات و مکتوبات کی مدد سے اور بعض معاصرین کے تبصروں اور تاثرات سے کام لے کر انھوں نے بہت جگہ ایسا مواد پیش کیا ہے جس سے ان شخصیتوں کی تھوڑی سی جھلک نظر آتی ہے اور ان کے اصل خیالات و جذبات سے کسی درجہ میں واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

لیکن انھوں نے جب معاصرین کے تذکروں پر قلم اٹھایا اور کتاب کی آخری جلد لکھنے کی نوبت آئی تو یہ تاریکی چھٹ گئی اور ان کا یہ ذوق کھل کر سامنے آ گیا، چنانچہ کتاب کی آٹھویں جلد میں ان کے موئے قلم کی کھینچی ہوئی بہت سی تصویریں ملتی ہیں جن میں زندگی، بے ساختگی اور دل آویزی نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک زندہ انسان نے ایک زندہ انسان کا حال بیان کیا ہے نہ کہ ایک بے جان اور چوب خشک نے دوسروں کی زبانی گذشتہ شخصیتوں کے مناقب قلم بند کئے ہیں، ایسے مواقع پر ان کی قوت مطالعہ، سلامت طبع اور قدرت تحریر وانشاء بہت نمایاں نظر آتی ہے کہ شمائل و اخلاق، عادات و اطوار اور حلیہ و سراپا کی تصویر اپنی زبان میں کھینچنا ہر ایک کا کام نہیں، چہ جائے کہ ایک ایسی زبان میں جو اس کے مرکز سے بہت دور محض کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کی گئی ہو۔

آخر میں اس بات کی معذرت کی جاتی ہے کہ راقم کے اس مقالہ میں جس کا رقبہ موضوع کی وسعت، عناوین و مقاصد تصنیف کے تنوع، تاریخی ادوار اور زبانوں کے اختلاف و تعدد کی وجہ سے بہت وسیع تھا، اور اس کی وجہ سے اس مقالہ میں ان سوانحی و تاریخی کارناموں اور شاہکاروں پر اگر تفصیلی نہیں تو اجمالاً تبصرہ آنا یا ان کا تعارف کرانا ضروری تھا، اس میں راقم نے اپنے والد ماجد کی کتاب "نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر" پر جو اب "دار عرفات" رائے بریلی کی طرف سے "الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام" کے نام سے شائع ہوئی ہے، تبصرہ کرنے اور اس کی خصوصیات اور امتیازات کو نمایاں کرنے میں فاضل حاضرین مجلس و شرکائے بزم کا زیادہ وقت لے لیا لیکن اس پر موضوع کے ایک تقاضا و مطالعہ اور ایک ایسی حقیقت کے اظہار میں جو اس موضوع کے نو واردوں اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے فائدہ سے خالی نہیں زیادہ معذرت اور اظہار ندامت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

حج کی حقیقت



شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

حج درحقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے اور اور اس کی ہر ہر چیز میں دو حقیقتیں پنہاں ہیں۔ اگرچہ اللہ جل شانہ کے ہر حکم میں لاکھوں مصلحتیں اور حکمتیں ایسی ہیں کہ جن تک ہر شخص کے خیال کی بھی رسائی نہیں ہوتی لیکن بعض مصالح ایسی کھلی ہوئی اور ظاہر ہوتی ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں آجاتی ہیں اسی طرح حج کے ہر ہر رکن میں بہت سی مصالح تو ایسی ہیں جن تک ذہن کی رسائی بھی نہیں لیکن یہ دو چیزیں اس کے ہر ہر رکن میں ہر ہر جزو میں بالکل عیاں ہیں۔ ایک یہ کہ نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا دوسرا نمونہ ہے، عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا نمونہ کے طور پر دونوں منظروں کی طرف مختصر طریقہ سے تنبیہ کی جاتی ہے اور اس نمونہ پر غور کرنے سے سب چیزوں میں یہ امور ظاہر اور واضح ہو جائیں گے، پہلا نمونہ موت اور اس کے مابعد کا منظر ہے کہ آدمی جس وقت گھر سے چلتا ہے سب عزیز اور اقارب گھر باہر وطن احباب کو ایک لخت چھوڑ کر دوسرے ملک گویا دوسرے عالم کا سفر اختیار کرتا ہے، جن چیزوں کی ساتھ دل مشغول تھا، گھر باہر کھیتی باغ احباب کی مجلسیں سب ہی اس وقت چھوٹ رہی ہیں جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو یک دقت خیرباد کہنا پڑتا ہے حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابل غور و فکر اور قابل عبرت و اعتبار ہے کہ جیسا آج عارضی مدت کے لیے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہے بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں۔ اس کے بعد سواری پر سوار ہونا اگر عبرت اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جنازہ پر سوار ہو کر چل دینے کی یاد تازہ کرتا ہے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ بھی ہر قدم پر وطن اور احباب سے دوری اور جدائی بڑھاتی رہتی ہے اور جنازہ اٹھانے والے بھی ہر قدم پر سب اعزہ اور گھر بار ساز وسامان سے دور لے جاتے ہیں کچھ لوگ ضرور جنازہ کی نماز تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ قبر تک بھی پہونچا دیتے ہیں اور کچھ قبر میں رکھنے اور مٹی ڈالنے تک بھی ساتھ دیتے ہیں یہ سارے منظر حاجی کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں کہ کچھ لوگ گھر ہی سے مصافحہ کرکے فی امان اللہ کہہ دیتے ہیں کچھ اسٹیشن تک تکلیف فرمالیتے ہیں اور کچھ بہت ہی خواص ہوتے ہیں جو آگے جہاز تک بھی پہونچا دیتے ہیں۔ جہاز اور قبر میں جانے والے صرف وہی رفیق اور ساتھی ہوتے ہیں جو اس عالم تک ساتھ دینے والے ہوں چاہے وہ عزیز و اقارب ہوں یا مال و متاع ہو ان میں بعض رفیق سفر ایسے مخلص غمگسار و راحت رساں ہوں گے جو ہر ہر قدم پر راحت پہونچاتے ہیں اور بعض رفیق ایسے بدخلق، کج مزاج، ضدی جھگڑالو، ہوتے ہیں جو سفر کی ہر منزل میں بجائے راحت کے اور مصیبت کا سبب بنتے ہیں۔ بعینہ یہی ساری صورت آخرت کے سفر میں پیش آتی ہے کہ قبر میں ساتھ جانے والے وہی رفیق سفر ہیں جو آخر تک ساتھ رہنے والے ہیں ان میں اعمال حسنہ ہر قسم کی راحت اور آرام کا سبب ہیں اور اعمال سیئہ ہر قسم کی اذیت اور تکلیف کا سبب ہیں اعمال حسنہ نہایت حسین و جمیل آدمی کی صورت میں قبر میں ساتھ رہتے ہیں اور اعمال سیئہ نہایت قبیح صورت ڈراؤنی اور گندی بودار صورت میں ساتھ رہتے ہیں اس عالم میں جتنی راحت پہونچتی ہے۔ وہ اپنے نیک اعمال سے پہونچتی ہے جو مرنے سے پہلے کر لیے ہوں جیسا کہ سفر حج میں جتنی راحت پہونچتی ہے وہ اسی مال و زر اور سامان سے پہونچتی ہے جو سفر سے پہلے مہیا کر لیا ہو ہاں کسی خوش قسمت کے لیے کوئی عزیز قریب یا دوست کچھ پڑھ کر یا صدقہ خیرات کرکے کچھ ایصال ثواب کر دے تو مرنے کے بعد بھی اس کو اپنی نہایت ضرورت کے وقت کام آجاتا ہے جیسا کہ حاجی کے پاس کوئی اس کا عزیز یا دوست بذریعہ ہنڈی وغیرہ کوئی روپیہ پیسہ بھیجدے تو اس سفر میں کتنی مسرت اور خوشی اور راحت کا سبب اس کے لیے بنے اس کے بعد سفر کے درمیان میں جتنے خطرات ڈاکو، چور، سخت مزاج حاکموں کی طرف سے سامان کی تفتیش حالات کی تحقیقات، پاسپورٹ وغیرہ جانچ پڑتال جتنے مناظر حاجی کو دیکھنا پڑتے ہیں وہ قبر کے سارے منظروں کی یاد دلاتی رہتی ہے کہ منکر نکیر کا سوال بھی ہوگا اپنے ایمان کا امتحان بھی ہوگا۔ اور سانپ بچھو وغیرہ کیڑے مکوڑے بھی قبر میں طرح طرح سے ستائیں گے، اعمال نامہ بھی اپنے ساتھ ہی ہوگا۔ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۔ بہت سے مالدار جن کو اللہ نے دولت بے شمار دی ہے وہ معمولی سی تفتیش اور پاسپورٹ وغیرہ کے بعد چند گھنٹوں میں جہاز پر پہونچ جاتے ہیں اور جن کے پاس نیک اعمال کا ذخیرہ مالا مال کر دینے والا ہو وہ قبر کے ان سارے احوال سے بے خبر اور بے فکر دلہنوں کی طرح اس میں ایسے آرام فرماتے ہیں کہ قیامت تک کا سارا طویل زمانہ ان کے لیے گھنٹوں اور منٹوں میں گزر جائے گا جیسا کہ نئی دلہن پہلی شب میں کمخواب اور مخمل کے بستروں پر سوتی ہے اسی طرح یہ لوگ قبر میں سو جاتے ہیں۔ اس کے بعد احرام کی دد

دو سفید چادریں کفن کی چادروں کی یاد ہر وقت تازہ رکھتی ہیں اگر بصیرت کی نگاہ ہو تو جتنے دن احرام بندھا رہے ہر وقت اسی طرح کفن کی دو چادروں میں لپٹے رہنا یاد رہنا چاہیئے اور احرام کے وقت لبیک (حاضر ہوں حاضر ہوں) قیامت میں پکارنے والے کی آواز پر دوڑ پڑنے کی یاد دلاتی ہے۔ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَہٗ (اس دن سب کے سب (خدا کی طرف سے) پکارنے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتہ) کے کہنے پر ہولیں گے۔ وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً کُلُّ اُمَّۃٍ تُدْعٰی اِلٰی کِتَابِہَا۔ تو دیکھے گا ہر اُمّت کو زانوں پر گری ہوئی اور ہر امت پکاری جائے گی۔ اپنی کتاب کی طرف اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا اس عالم میں داخل ہو جانا ہے۔ جس میں اللہ کی رحمت کی امید ہے کہ مکہ دارالامن ہے لیکن اپنی بداعمالیوں سے یہ خوف بھی غالب ہے کہ امن کی جگہ بھی امن نہ ملے مکہ کا سارا قیام اسی بیم و رجاء کی یاد کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ اس جگہ کا امن کی جگہ ہونا اللہ کی رحمت اور مغفرت اور کرم اور لطف انعام و احسان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے اور اپنی بداعمالیوں جو ساری عمر کی ہیں وہ یاد آکر ڈر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ اور بیت اللہ پر نظر پڑنا قیامت میں گھر کے مالک کے دیدار کو یاد دلاتا ہے۔ اور جس قدر خوف اور ہیبت عظمت اور جلال کا وہ مظہر ہے وہی سارے آداب اس وقت ہونا چاہئیں جیسا کہ کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں حاضری کے وقت ہوتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف ان فرشتوں کی یاد تازہ کرتا ہے کہ جو عرش معلّی کا طواف کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر رونا اور ملتزم کو چمٹنا اور اس قصور وار کی مثال ہے جو کسی بڑے محسن و مربّی کا بڑا قصور کرکے اس کا دامن پکڑ کر معافی کے لیے روتا ہے اور اس کے گھر کے در و دیوار کو پکڑ کر روتا ہے کہ قصور کی معافی کے یہی راستے ہیں اور قیامت میں اپنے گناہوں کو یاد کرکے رونے کی مثال ہے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا میدان حشر میں ادھر اُدھر دوڑنے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّہُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے گویا وہ ٹڈی دل ہے جو پراگندہ ہے۔ یہ منظر بندہ کے ناقص خیال میں قیامت کے ایک عجیب منظر کی یاد تازہ کرتا ہے جس کا بڑا مفصّل قصہ احادیث میں آتا ہے کہ حشر کے دن جب مخلوق نہایت پریشان حال ہوگی اور مصائب کی کثرت سے تنگ ہوکر یہ سوچے گی کہ انبیاء کرامؑ بڑی اونچی ہستیاں ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں ان سے جاکر سفارش کی درخواست کریں اس خیال سے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پاس جاکر عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، فرشتوں سے سجدہ کرایا خود ہر چیز کے نام آپ کو تعلیم دیئے وغیرہ وغیرہ آپ ہماری سفارش کردیں تو وہ فرمائیں گے میں تو نہیں کرسکتا اگر مجھ سے اس ممنوع دانے کے کھانے کا سوال ہوگیا تو کیا ہوگا، تم نوح علیہ السّلام کے پاس جاؤ یہ لوگ پریشان حال حضرت نوح علیہ السّلام کے پاس جائیں گے وہ بھی عذر فرمادیں گے کہ میں نے طوفان کے زمانہ میں اپنے بیٹے کے بچانے کا بے محل سوال کرلیا تھا تم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس جاؤ وہ بھی عذر فرماکر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی عذر فرماکر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا حوالہ دیں گے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیں گے اور یہ فخر حضورؐ ہی کے لیے ہے کہ اس جلال کے دن میں سفارش کی ابتدا فرماویں گے یہ قصہ طویل ہے مجھے تو صرف یہی منظر سامنے لانا ہے کہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مارے مارے پریشان حال ایک دن پھرنا ہے جو بڑا سخت دن ہوگا۔ عرفات کا میدان تو حشر کے میدان کا چھوٹا نمونہ ہے ہی کہ آفتاب کی تمازت اور سب کا ایک لق و دق میدان میں ایسی حالت میں اجتماع کی مغفرت کی امید ہے گناہوں کا خوف ہے، بندہ کے ناقص خیال میں عرفات کے میدان میں بڑی غور و فکر کی جو چیز ہے وہ عہد و میثاق ہے جو ازل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سے لیا گیا تھا کہ عالم ارواح میں حق سبحانہٗ و تقدس نے ساری ارواح سے یہ سوال کیا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے ایک زبان ہوکر کہا تھا کہ بیشک آپ ہمارے رب ہیں مشکوٰۃ شریف میں بروایت مسند احمد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ عہد عرفات ہی کے میدان میں ہوا تھا۔ یہ وقت اور یہ جگہ اس کے یاد کرنے کی ہے کہ کیا عہد کیا تھا اور اس عہد کو کس طرح پورا کیا اس کے بعد مزدلفہ، منیٰ وغیرہ کے اجتماعات ہیں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان مواقع میں لوگوں کا اژدہام اور ان کا شور و شغب مختلف زبانیں مختلف آوازیں اور لوگوں کا اپنے اپنے اماموں کے پیچھے چلنا قیامت کے میدانوں میں اپنے اپنے انبیاء اور مقتداؤں کے پیچھے چلنے کی اور حیرانی اور پریشانی کے عالم میں کبھی یہاں اور کبھی وہاں جانے کی یاد تازہ کرتا ہے ان مواقع میں عاجزی اور زاری کا اہتمام کرکے کام آنے والی چیز ہے۔ یہ مختصر خاکہ ہے حج کے اس منظر کا جو قیامت کی یاد کو تازہ کرتا ہے جس کو مختصر الفاظ اور مختصر احوال کے ساتھ اشارات کے طرز پر میں نے لکھا ہے غور کیا جائے تو اسی نمونہ سے بہت سی تفصیلات سمجھ میں آسکتی ہیں دوسرا منظر اظہار عشق و محبت کا ہے وہ حاجی کے حال سے ایسا ظاہر اور واضح ہے کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی حاجت نہیں۔ بندوں کا تعلق حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ دو طرح کا ہے ایک نیازمندی اور بندگی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہے، خالق ہے اس تعلق کا مظہر نماز ہے جو سراسر نیاز و اظہار عبدیت ہے اسی لیے اس میں ساری چیزیں اسی تعلق کا مظہر ہیں کہ نہایت وقار اور سکون کے ساتھ موزوں لباس اور شاہی آداب کے مناسب حالات کے ساتھ حاضری اور بار کی ہے کہ وضو اور پاک کپڑوں کے ساتھ نہایت وقار اور سکون سے اوّل کانوں پر ہاتھ رکھ کر عبدیت اور اللہ جل جلالہٗ کی بڑائی کا اقرار کرے

باقی صفحہ ۳ پر

سید احمد شہیدؒ صاحب کا سفر حج

حج کی عدم فرضیت کے بعد آغاز نو

تحریر: ڈاکٹر [illegible] حمید ابراہیم
ترجمہ: مطیع الرحمٰن عوف ندوی

بعض علماء ہند نے اس فقہی عذر کی بناء پر کہ راستہ پر امن نہیں ہے اور سمندر بھی مانع شرعی ہے کیونکہ اس میں ہلاکت کے اندیشے ہیں [illegible] اور [illegible] کے آس پاس حج کی عدم فرضیت اور ہندوستانی مسلمانوں کے ذمہ سے اس کے ساقط ہو جانے کا باضابطہ فتویٰ صادر کیا۔ ایسے نازک دور میں ہندوستان کے اندر سیّد احمد شہیدؒ جیسا داعی و مجاہد پیدا ہوا، جس نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، سید صاحبؒ کی دعوت شرک و بدعت سے پاک خالص اسلامی عقائد پر مبنی تھی اور آپ نے شرک کی تمام آلودگیوں سے ملک کو پاک کیا۔

ہندوستان میں سیّد صاحبؒ کی تحریک و دعوت جزیرہ عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے ملتی جلتی ہے، اگرچہ براہ راست ان دونوں میں ربط و استفادہ کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے، لیکن دونوں تحریکیں خالص اور صافی اسلام کی دعوت پیش کرنے کو اپنا مشن سمجھتی ہیں، یہی وہ چیز ہے جس میں انجام کار کے اعتبار سے دونوں تحریکوں میں مشابہت پائی جاتی ہے اور دونوں کی منزل ایک ہی نظر آتی ہے۔

حج کی عدم فرضیت کے اس فتوے کی عظیم داعی اسلام شاہ عبدالعزیزؒ نے سخت مخالفت کی اور اس کے بالمقابل آپ نے مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا اسمٰعیلؒ کے جوابات کی بڑی قوت سے تائید فرمائی اور ان کی مدح و توصیف کی اور فرمایا کہ اگر حج فرض نہ ہونے کے فتوے پر اعتماد کرکے عمل شروع کر دیا جائے تو گمراہی کا دروازہ کھل جائے گا اور احکام و فرائض دین اور ارکانِ اسلام معطل ہو جائیں گے آج حج ساقط ہوتا ہے، کل روزہ، پرسوں نماز کی باری ہے اور زکوٰۃ تو اس سے زیادہ خطرے میں ہے۔

ان حالات میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے حج کی ادائیگی کے لئے لوگوں کو دعوت دی اور خطوط و وفود روانہ کئے ان کی آواز پر علماء و مشاہیر کی اتنی بڑی جماعت اکٹھا ہوئی کہ ہندوستان کی ہزار بارہ سو سال کی تاریخ میں اس کی قطعاً نظیر نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت نے اس ذوق و شوق اور جوش و خروش اور الفت و محبت اور اس متحرک اسلامی ماحول کے ساتھ حج کا سفر کیا ہو۔ حج کرنے والوں کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد سات سو تک پہنچی، یہ جماعت جس خطہ سے گذری وہ پیہم جنبش میں آگیا، اس کے جلو میں دینی اصلاح و تبلیغ کا ایک عظیم سیلاب تھا جس میں شرک و بدعت، فسق و فجور اور جاہلیت کے رسوم خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔

سید صاحبؒ نے دہلی اور سہارنپور اور دوسرے علاقوں میں خطوط روانہ کئے، ان خطوط کا مضمون یہ تھا "ہم ادائے حج کے واسطے بیت اللہ شریف کو جاتے ہیں، جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو ان کو اپنے ہمراہ لائیے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے نہ خزانہ، محض اللہ پر توکل کرکے جاتے ہیں، اور ہم کو اس کی پاک ذات سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے کرم و فضل سے ہماری مراد پوری کریگا اور جہاں کہیں راستے میں خرچ ختم ہوگا وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے، اور جو ضعیف عورتیں اور مرد مزدوری کے قابل نہ ہوں گے تو ہم ہی میں قدرت رکھنے والے ان کے مکلف ہوں گے"۔

شوال کے آخر ۱۲۳۶ھ مطابق ۳۰ جون ۱۸۲۱ء کو دوشنبہ کے دن لوگ سید صاحب کے وطن رائے بریلی میں جمع ہوئے جیسا کہ بعض قافلے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور بعض مولانا عبدالحئیؒ کی دعوت پر اور بعض قافلے والے دور دراز علاقوں سے آئے جنکی تعداد چار سو سے زیادہ تھی، حاجیوں کے ان قافلوں کی نگہداشت و نگرانی کے لئے سید صاحبؒ نے مولوی محمد یوسفؒ پھلتی کو متعین کیا، چار روز مولانا عبدالحئیؒ نے وعظ فرمایا اور اس میں شرک و بدعت کی برائی اور توحید و سنت کی خوبی اور حج و عمرہ کے فضائل بیان کئے، پھر سید صاحب نے لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا۔

"بھائیو! اگر تم اپنے گھر بار چھوڑ کر حج و عمرہ ادا کرنے اس نیت سے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں مل کر ایسا اتفاق اور خلق رکھو، جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں، ہر ایک کی راحت کو اپنی راحت ہر کسی کے رنج کو اپنا رنج سمجھو اور ایک کے کاروبار میں بلا انکار حامی و مددگار ہو اور ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ و عار نہ جانو بلکہ عزت و افتخار سمجھو"

یہ قافلہ توحید کے پیغام کو عام کرتے ہوئے اور شرک و بت پرستی کا قلع قمع کرتے ہوئے ہندوستان کے مختلف علاقوں اور شہروں سے گذرا، ان کا گذر بنارس، مرزا پور، عظیم آباد اور کلکتہ سے ہوا، کلکتہ میں دعوت کے نتائج سامنے آئے، لوگ پروانہ وار جمع ہوتے اور اسلام قبول کرتے، کلکتہ میں یکلخت شراب کی بکری موقوف ہوگئی اور پردہ کا اہتمام بڑھ گیا۔ اور وہ ہال اور عمارتیں جو نوحہ ماتم اور سینہ کوبی کے لیے بنائی گئی تھیں ان کو نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تبدیل کردیا گیا، صفر ۱۲۳۷ھ دو مبر ۱۸۲۱ء کو کلکتہ سے مکہ کا سفر حج کرنے کی تیاریاں اور اس کی ترتیب و تنظیم شروع ہوئی قافلہ کو دس کشتیوں میں تقسیم کیا گیا، اور ہر کشتی پر ایک امیر مقرر کردیا گیا۔ سید صاحب کی کشتی کے ناخدا بندرگاہ مخہ کے باشندے عبدالرحمن حضرمی تھے، اور فتح الباری نام کے جہاز کے ناخدا عبداللہ بلال مصری اور عطیۃ الرحمٰن کے محمد حسین ترکی تھے اور کہا جاتا ہے کہ وہ سات توپوں سے مسلح تھا۔ قافلے میں شریک لوگوں کی تعداد ۷۵۳ بتائی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ مساکین ۷۰۰ کی تعداد میں تھے۔

حاجیوں نے حسب ضرورت و استطاعت اشیاء خوردنی ساتھ لے لیا اور کشتی پر لوگوں کو کاموں کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی، بعض حضرات کو وعظ و ارشاد کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا تھا، جہاز لنکا سے گذر کر بندرگاہ ہالفی (ایلپی) جو جنوبی و مغربی ہندوستان کا مشہور بندرگاہ ہے پہونچے۔ اس کے بعد کالی کٹ، پھر الشہیب اور امین دیپ پہونچے۔

سرزمین عدن کے نظر آتے ہی لوگ مسرور ہوگئے اور تکبیر و تہلیل اور شکر و انبساط کی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔ سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ عدن میں اترے، وہاں بہت سے لوگ آپ کے استقبال کو آئے، آپ شہر میں ایک مسجد میں اترے، اور باب سکندر سے جہاز بخیریت گذر گیا، قافلہ بحر احمر سے گذرتا ہوا مخہ پہونچا، مخہ میں ناخدا نے ایک مہینے کے لیے اپنے مکان پر قافلہ کو قیام کرانے کا فیصلہ کیا اس طرح سید صاحب اور ان کے رفقاء ایک ماہ مخہ میں رہے مخہ میں پتہ چلا کہ محدث قاضی محمد بن علی شوکانی نے موضوع روایات کو "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں جمع کیا ہے، سید صاحب نے مولانا عبدالحئی کو ایک نسخہ حاصل کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے قاضی مخہ کے تعاون سے اس کتاب کو حاصل کیا اس طرح یہ کتاب ہندوستان تک پہونچی۔

ایک مہینے کے بعد جہاز نے لنگر اٹھایا، اور مخہ سے روانہ ہوگیا، سید صاحب کے معتقدین میں سے ایک ہندی سید وہاں مقیم تھے وہ آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے اور انھوں نے قافلہ کی ضیافت کی، چوتھے روز قافلہ یلملم کے مقابل پہونچ گیا، حاجیوں نے احرام باندھا، تلبیہ کہا اور بڑی گریہ و زاری کے ساتھ دعا کی نیز دو رکعت شکرانہ کی ادا کیں۔

۲۳ شعبان چہارشنبہ کے روز سید صاحب کا جہاز جدہ پہونچا۔ کچھ ہمراہی جدہ میں آپ کے منتظر تھے، اور بعض مکہ معظمہ روانہ ہو چکے تھے، نواب محمود نواز خاں اور سلطان حسین خاں دونوں بھائی جو امرائے حیدرآباد میں سے تھے اور ایک سال پہلے سے حج کے لیے آئے ہوئے تھے، آپ کی تشریف آوری کے مشتاق تھے، وہ اور سطوف محمد رئیس آپ کی تشریف آوری کو سن کر مکہ معظمہ سے جدہ آئے تاکہ قافلہ کا تعاون کریں، انھوں نے سند پیش کی کہ وہ دوسرے مطوف سے زیادہ حقدار ہیں، سید صاحب نے جدہ میں پانچ دن قیام فرمایا اور آپ نے اس دوران دوسرے جہازوں کے مسافروں کا حال احوال دریافت کیا اور ان کے احوال سے مطمئن ہوئے۔

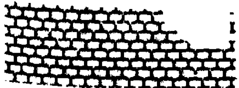
۲۹ شعبان ۱۲۳۷ھ کو قافلہ مکہ معظمہ کے قریب پہونچا اور وہ رفقاء جو پہلے سے مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے آب زمزم سے بھرے ہوئے لوٹے اور صراحیاں لئے ہوئے استقبال کو موجود تھے، تمام قافلہ زمزم سے سیراب ہوا، اور باب السلام سے قافلہ حرم میں داخل ہوا اور طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور بڑے تضرع کے ساتھ دعا کرکے چاہ زمزم پر جاکر زمزم پیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سعی کے لئے تشریف لے گئے، سعی سے فارغ ہونے کے بعد سر کے بال منڈائے اور احرام سے باہر ہوگئے، سید صاحب کے اپنے گھر سے نکلنے کے بعد اس طرح دس ماہ گذر گئے، یہ قافلہ باب العمرہ کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں ٹھہرا، مکہ میں یومیہ اخراجات اس طرح تھے روزانہ تیس ریال کا آٹا صرف ہوتا تھا۔ (آٹے کا نرخ ایک روپیہ کا گیارہ کیلو) مختلف سامان، ۲۰ ریال تا ۱۱ ریال سوختنی لکڑی ۳۰ ریال اس طرح روزانہ کے اخراجات تقریباً ۳۹ ریال یومیہ تھے، اور معاشی تنگی کے باعث انھوں نے گوشت کے بجائے مسور کی دال پکانا شروع کردی تھی، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اشیاء خوردنی کی خرید و فروخت پر مامور تھے، رمضان میں افطار کے وقت روزانہ گوشت پکایا جاتا تھا، پھر سید صاحب نے روزانہ دال مسور اور آٹھویں دن ایک بار گوشت پکانے کا حکم دیا، سید صاحب اور ان کے رفقاء روزانہ مکہ کے علماء و شیوخ سے ملاقات کرتے اس کے بعد حرم شریف میں حاضر ہوتے تھے اور مغرب تک وہاں رہتے تھے۔ اور رمضان کی بیسویں اور اکیسویں شب کو حرم میں شوال تک اعتکاف فرمایا اور عید کے روز سید صاحب نے مکہ مکرمہ کے علماء و صلحاء سے ملاقات کی۔

قافلہ کے لوگوں نے مناسک حج کی ادائیگی بایام تشریق ۸ ذی الحجہ ۱۲۳۷ھ کو شروع کردی اور محرم کے آخر میں قافلہ کے لوگوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا ارادہ کیا، اس موقع پر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنی والدہ اور قافلہ کے معذور و کمزور افراد کی نگہداشت کی بنا پر سفر نہ کرسکے، سید صاحب نے سفر کے لئے محمد رئیس مطوف اور شیخ الجمالین کے ذریعہ پچاس اونٹ اور احمد پاشا حاکم مکہ کے ذریعہ ۱۴۰ اونٹ کرایہ پر لئے، ۱۰۰ اونٹ سلطان حسین خاں اور محمود نواز خاں حیدرآبادی نے کرایہ کئے اور سید صاحب نے اسلحہ کو مکہ میں چھوڑ دینا ہی مناسب خیال کیا اور فرمایا "ہمارے نزدیک جزیرۃ العرب کے خاص و عام شہری و بدوی سب واجب التعظیم ہیں۔"

جہاد کے لئے ان سے مقابلہ کرنا ہرگز روا نہیں" یہ کہہ کر آپ نے چاقو بھی کمر سے کھول کر زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ "اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو ہم سارا سامان اس کے سامنے ڈال دیں گے۔ اللہ دینے والا ہے وہ ہم کو پھر عطا کرے گا۔" یہ سن کر تمام اہل قافلہ نے اپنے ہتھیار نکال دیئے اور اس طرح خالی ہاتھ مدینہ منورہ جل کھڑے ہوئے وہ شنبہ ۵ رصفر کو غیر مسلح ہوکر مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے میدان طولی میں آپ نے قیام فرمایا وہاں سے کوچ کرکے وادی فاطمہ اور وہاں کے بعد طلیس میں قیام فرمایا اور نماز جمعہ ادا فرمائی۔ راستے میں شتربانوں نے کچھ لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کی۔ اس وقت شیخ الجبالین نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ مسلح ہوکر سید صاحب کے قافلہ کی مدافعت کی۔

قافلہ وادی صفراء (جہاں کا شیخ الجبالین باشندہ ہے) پہونچا، ایک دن قافلہ وہاں ٹھہرا اور پھر وادی صفراء سے روانہ ہوا۔ وادی خیف میں قیام کیا، شفق کے ڈوبنے کے وقت قافلہ ایسی جگہ پہونچا جہاں سے روضۂ منورہ نظر آتا تھا۔ ہر ایک پر محبت و اشتیاق کا غلبہ تھا۔ درود و قصائد مدحیہ اور اشعار نعتیہ زبان پر تھے رات کے پچھلے پہر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے کچھ دیر مقام "مناخہ" میں آرام کیا، پھر غسل کیا، کپڑے بدلے اور جب مدینہ طیبہ کی فصیل کا دروازہ کھلا اور مصطفیٰ داغستانی معلم جن کو محمد رئیس معلم نے آپ کے آنے کی اطلاع کر دی تھی، آئے تو آپ ان کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے، اور باب السلام سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے نماز سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ کی زیارت کی اور آپ پر درود و سلام بھیجا، اور سید صاحب نے سید سمہودی مصنف کتاب "وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ" کے مکان میں باب الرحمۃ (باب جبرئیل) کے قریب قیام کیا، دوسرے رفقاء کرایہ کے دوسرے مکانوں میں ٹھہرے، مدینہ طیبہ کے قیام میں آپ نے مسجد قباء، بقیع وغیرہ ماثر و مشاہد کی زیارت کی۔ ....

مکہ مکرمہ میں شیخ نے چاروں مصلوں کے امام صاحبان سے ملاقات کی اور جب رمضان المبارک کا مہینہ دوبارہ سید صاحب اور ان کے رفقاء کو وہاں گذارنے کو ملا تو پچھلے سال کی طرح تمام اہل قافلہ روزہ و نماز اور عمرہ و طواف میں حسب معمول سرگرم و مشغول ہوئے، شوال کی ۱۵ تاریخ کو قافلہ نے لوٹنے کی تیاریاں شروع کر دیں قاضی حمید اللہ سیرٹھی کو جہازوں کے انتخاب و انتظام کے لئے جدے بھیجا لیکن اہل کلکتہ نے آپ کے رفقاء سفر کے لئے ملک البحر نامی جہاز تجویز کیا، یکم ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۰ جون ۱۸۲۳ء کو آپ نے طواف وداع کیا اور مکہ معظمہ کو الوداع کہا ہر شخص بیت اللہ کی جدائی سے اشکبار اور دل تنگ تھا دوسرے روز بندرگاہ جدہ پہونچنا ہوا۔ حجاج وطن واپسی کے لئے اپنے اپنے جہازوں پر سوار ہوئے، نور ایمانی سے اپنے دلوں کو منور اور روشن کرنے کے بعد انھوں نے اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد بالسیف کا قصد کیا، اور انھوں نے جہاد نفس اور شیطان کے وسوسوں اور خواہشات کو کچلنے کی تربیت حاصل کی اور ان کی جوانمردی اور شجاعت اسلام دشمنوں کے خلاف اور برصغیر میں ایک خالص اسلامی حکومت کے قیام کے سلسلے میں پوری دنیا میں مشہود ہوئی۔



طیبہ کے مسافر سے

ذکی پرواز

حوالے ترے دل جگر جانے والے
لئے جا تو میری نظر جانے والے

قدم چومتے ہیں ترے ماہ و انجم
مبارک تجھے یہ سفر جانے والے

مرادوں کی منزل، حد کا مرانی
لے گی در پاک پر جانے والے

یہ شہر مکرم، یہ شہر مبیں ہے
بچھے یاں فرشتوں کے پر جانے والے

یہاں جذب ہے جلوۂ طور ہر سو
یہ جنت کی ہے رہ گزر جانے والے

دیارِ حرم ہے یہ ارضِ مقدس
تو چلنا یہاں رکھ کے سر جانے والے

ادب سے لگانا تو آنکھوں سے اپنی
گزرگاہِ خیر البشر جانے والے

ترے سامنے ہوگا جب سبز گنبد
لٹائیں گی آنکھیں گہر جانے والے

ملا ہے وہ رتبہ، کہ قسمت پہ اپنی
ہے کم، ناز جتنا بھی کر جانے والے

کیا دل کو آباد تیرے خدا نے
دکھا کر تجھے اپنا گھر جانے والے

طوافِ حرم بوسۂ حجرِ اسود
سرِ حشر ہوں گے سپر جانے والے

خدا کی قسم میری دنیائے دل کو
کیا تو نے زیر و زبر جانے والے

تری خاکِ پا اپنے دل کو بنا دوں
کروں روح کو ہم سفر جانے والے

سلامت رہے تیری یہ شادکامی
مرے دل کو بے چین کر جانے والے

تو پرواز کا یہ سلامِ عقیدت
لئے جا شۂ دیں کے گھر جانے والے

اپنے گھر سے بیت اللہ تک

انیس چشتی

زیر نظر مقالہ "رابطۂ ادب اسلامی" کے مذاکرۂ علمی مورخہ ۹ر اپریل ۱۹۹۵ء منعقدہ اورنگ آباد کے اختتامی اجلاس میں پڑھا گیا تھا۔ مذکورہ مذاکرۂ علمی کا عنوان "ادب میں سفرناموں کی اہمیت" تھا۔ اس اجلاس کی صدارت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمائی تھی۔ چونکہ اس سفرنامہ کا تعلق مہبط وحی اور دیار حبیب ہے اس لئے ربیع الاول کی مناسبت سے مقالے کے اہم حصے ہدیۂ ناظرین ہیں ——— (ادارہ)

سفرنامے گھر سے شروع ہوتے ہیں اور گھر پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ طویل بھی ہوتے ہیں اور مختصر بھی۔ ان کا مطالعہ بعض مرتبہ قاری کو تھکا بھی دیتا ہے اور اکتاہٹ کے باوجود پڑھنے پر آمادہ بھی کرتا ہے، سفرنامے کبھی سفرنامے میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اکثر سفر کے دائرے سے نکل کر حضر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کا لکھنے والا کبھی عجب و خودنمائی کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی اخفاء کے اس مقام پر پہونچ جاتا ہے کہ پڑھنے والے کو سفر کی راکھ کرید کر اس کی جستجو کرنی پڑتی ہے۔

سفر کی قسمیں اور افتاد بھی مختلف ہوتی ہے یعنی سیاسی، سماجی، تعلیمی، معاشی، مذہبی اور ذوقی وغیرہ۔ ہر سفرنامہ مسافر کی افتاد طبع، ذہنی ساخت، مخصوص تہذیبی وراثت، معاشی حیثیت اور اس کے وجدان کا عکاس ہوتا ہے۔

اردو میں سفرناموں کی تاریخ اردو سے بھی کم پرانی ہے۔ اچھا سفرنامہ لکھنے کے لئے مسافر کا ادیب ہونا ضروری نہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اچھا ادیب اچھا سفرنامہ بھی لکھ سکے گا۔ بعض سفرنامے ایسے بھی ہیں جو اس کے مصنف کی واحد تصنیف ہیں۔ بعض غیر ادیب مصنفوں نے جرس غنچے کی صدا پر چلی جانے والی نسیم کے تعاقب میں قافلۂ نوبہار کو جا لیا ہے۔ اور ادب کے وہ گل بوٹے تراشے ہیں کہ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اردو میں حج کے سفرناموں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ حج کے سفرنامے کیفیت اور تاثر میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس سفر میں تقویٰ اور وارفتگی کا ایسا حسین و جمیل امتزاج ہوتا ہے کہ یہاں کبھی جنیدؒ و بایزیدؒ نفس گم کردہ نظر آتے ہیں تو کبھی جوشِ جنوں اس طرح سے بے حال کر دیتا ہے کہ آگے آگے مشعل سی لئے جانے والے شخص کا نام پوچھ لینے کا بھی یارا نہیں رہتا۔ یہ سفرنامے ہدیہ میں ناظرین سے آنسو طلب کرتے ہیں اور عوض میں اس سفر کے لئے تیار ہونے کی امنگ بخشتے ہیں۔ ان سفرناموں میں خلوص و للّٰہیت بے ساختگی اور آمد دیگر سفرناموں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

اسی طرح کا ایک سفرنامہ آج سے تقریباً ۵۰ سال پہلے لکھا گیا تھا اور لکھنے والا بیک وقت مفکر، مورخ، محقق، اہل زبان، صاحب قلم اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل دل تھا، اس کے شعلہ نگار اور برودت سامان قلم نے آج مشرق و مغرب کی علمی محفلوں پر اپنی ایک جداگانہ دھاک بٹھا دی ہے۔ میری مراد کسی اور شخصیت سے نہیں بلکہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ آج سے تقریباً نصف صدی قبل کا لکھا یہ حج نامہ "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" پہلی مرتبہ ۱۳۶۶ھ میں ماہنامہ "الفرقان" کے "حج نمبر" میں اس شرط کے ساتھ اشاعت کے لئے ایڈیٹر کے اصرار پر دیا گیا تھا کہ "اس مضمون کے لکھنے والے کا نام ظاہر نہ کیا جائے" پھر یہ مضمون ارکان حج سے متعلق ایک کتاب میں ایک ذیلی مضمون کے طور پر شائع ہوا۔ اب یہ مضمون ایک مستقل کتاب کی صورت میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اور کتاب کا عنوان ہے "اپنے گھر سے بیت اللہ تک"۔

اس کتاب کے مصنف کے لئے یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ اس نے کرۂ ارض کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کا اتنا سفر کیا ہے کہ "خضر ثانی" کہلائے جانے کا مستحق ہے اور اگر بس چلے تو مولانا یہ کہنے سے بھی دریغ نہ کریں کہ ؎

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

مصنف نہ صرف حج سے واقف ہے بلکہ حج کی سرزمین سے بھی واقف ہے۔ وہاں کی زبان و تہذیب سے واقفیت اسے ورثے میں ملی ہے۔ بیت اللہ شریف میں داخلے کا شرف اسے متعدد بار میسر آ چکا ہے۔ گویا روحانی اعتبار سے مصنف "محرم رازِ درونِ مے خانہ" ہے لیکن اپنے سفرنامے میں تحریر اور الفاظ کی سادگی ملاحظہ فرمائیے:

"... اس سادہ سے چوکور گھر میں خدا جانے کیا حسن و جمال اور کیا دلکشی و محبوبیت ہے کہ آنکھوں میں کھب جاتا ہے اور دل میں سما یا

جاتا ہے۔ کسی طرح نظر ہی نہیں بھرتی۔ تجلیات الٰہی اور انوار کا ادراک تو اہل نظر ہی کر سکتے ہیں، لیکن جلال وجمال کا ایک پیکر ہم جیسے بے علم اور کم نظروں کو بھی نظر آتا ہے۔"

اس سفرنامے کا انداز دھیما اور دل میں گھر کرنے والا ہے۔ اس میں فراز کوہ سے اترنے والے سرکش آبشار کا شور نہیں بلکہ میدان مرغزار میں بہنے والے سبیلِ مسلسل کا بہاؤ ہے، جو احترام مکاں اور عام حاجی کی تربیت کے لئے ضروری ہے۔ سفرنامہ آہستہ آہستہ سفر کی تیاریوں اور گھر سے رخصت ہونے سے شروع ہوتا ہے اور ریل، ساحلِ بمبئی، بحرِ عرب سے ہوتا ہوا ساحلِ جدہ پر جا پہونچتا ہے۔ اس وقت مصنف کو اپنے قلم پر قابو رکھنا دشوار ہے۔ اس کی تیز دھار دل میں اترتی محسوس ہوتی ہے۔ دیکھئے:۔

"وقت گذرتے دیر نہیں لگتی۔ اب جدہ پہونچنے کی باتیں ہونے لگیں۔ تیر کی طرح ایک کشتی آئی۔ ارکانِ عرب جہاز پر چڑھا اور حجاج یورپین کپتان کی ناخدائی سے نکل کر ایک ناخدا جہاں کی رہنمائی میں آگئے ــــ جہاز لنگر انداز ہوا۔ حجاج عرب کی سرزمین پر پہونچ گئے۔ دل سینے سے نکلا جاتا ہے۔ کیا واقعی ہم عرب کی سرزمین پر ہیں؟ کیا ہم اب دیارِ محبوب میں ہیں۔ کیا ہم مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر ہیں؟ آنچہ می بینم به بیداریست یارب یا بخواب؟"

بظاہر اس سفرنامے کا مقصد حرمین شریفین کی منظرکشی نہیں بلکہ حجاج کی جذباتی و روحانی تربیت اور اخلاقی دروبست ہے۔ آپ نے حج کی متعدد کتابیں پڑھی ہوں گی۔ ان میں مناسک وارکان کی فہرست نسخۂ بازار یا حاذق حکیم کے نسخے کی طرح نازل ہوتی اور فوجی حکم کی طرح اباؤٹ ٹرن۔ کوئک مارچ پر ختم ہوتی ہے۔ زیر بحث پورے سفرنامے میں مصنف نے کسی رکنِ حج کا اعلان نہیں کیا ہے اور نہ کوئی نفلی سرخی قائم کی ہے۔ اس کی وجہ سے تاثر میں زبردست وقت اور اسلوب میں انفرادیت پیدا ہوگئی ہے۔ پورا سفرنامہ ایک شش جہتی (SIX DIAMENSIONAL) فلم کی طرح قاری کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔ یہ اسلوب فلمی منظرکشی اور فلمی وڈیو کیمرے (عکس اندازی) سے زیادہ دلچسپ اور دل کو موہ لینے والا ہے۔ ہلکے مناسک وارکان، درود وسلام، مناجات اور دعائیں، ہلکی پھلکی تاریخ اور عرب کا جغرافیہ، غرض کہ حاجی کی ضرورت کی ہر وہ چیز اس سفرنامے میں در آئی ہے جو "یاد کروہتے" اور معنیٰ "طرز کی سیکڑوں کتابیں پڑھنے کے بعد بھی حاصل نہ ہوں گی۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا قاری مصنف کی انگلی تھامے ایک معصوم بچے کی طرح مناسکِ حج ادا کر رہا ہے، غیر محسوس طریقے پر حاجی اپنی ناکارگی، گنہگاری اور شامتِ نفس کے استحضار اور اللہ کے بے استحقاق عطا کا مراقبہ کرتا ہے۔"

آج کل کے مسافرانِ حرم اور حج نامہ نگار تنقید کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی آواز صدا بصحرا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حکومت کے ایوانوں میں برق بن کر برستے اور رعد بن کر گونجتے ہیں۔ انھیں سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے کا بھی شرف حاصل ہے۔ مولانا نے عالمِ اسلام کی قیادت اور رہنمائی کا فریضہ ہر آڑے وقت میں انجام دیا ہے۔ انھیں بیک وقت مسلم اور غیرمسلم قوموں کا اعتماد حاصل ہے۔ دنیا کی شاید ہی کوئی یونیورسٹی ہو جہاں آپ کی کتب داخلِ نصاب نہ ہوں۔ اور پھر یہ کہ یہ ان کا واحد سفرنامہ بھی نہیں ہے۔ دس کے قریب سفرنامے مولانا کے سیال قلم سے نکل چکے ہیں۔ شرقِ اوسط کی ڈائری، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، اشرقِ اوسط میں کیا دیکھا؟، مغربِ اقصیٰ مراکش میں دو ہفتے، ان میں سے چند ایک نہایت معروف سفرنامے ہیں۔ بعض مقامات پر ان سفرناموں میں مولانا نے کھل کر تنقید کی ہے اور بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ تنقید کے مواقع زیر تبصرہ سفرنامے "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" میں بے شمار تھے۔ لیکن مصنف نے تنقید سے احتراز کیا ہے، اور جہاں تنقید بھی کی ہے وہاں لہجہ ایک مخلص مصلح اور مربی کا ہے۔

مصنف نے جس زمانے میں یہ مقدس سفر کیا تھا اس وقت کی حالات اور حرم شریف کا نقشہ آج بھی لفظوں میں اس سفرنامے کے ذریعہ محفوظ ہوگیا ہے۔ کوئی اور مصنف ہوتا تو سارے تنقید کے حاجیوں اور پورے نظامِ حرم کے بخیے ادھیڑ دیتا۔ مسعیٰ کا ذکر ملاحظہ فرمائیں:۔

"ملتزم سے ہم زمزم پر آئے۔ پہلی مرتبہ آسودہ ہوکر زمزم شریف پیا۔ اس کے اصلی مقام پر پیا۔ پھر باب الصفا سے نکل کر ہم سعی کے لئے مسعیٰ آئے۔ ہمیشہ سے یہ تصور تھا کہ صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں۔ ان کے درمیان غیر آباد سا راستہ ہوگا۔ طویل طویل، اس پر لوگ دوڑتے ہوں گے۔ یہاں کچھ اور ہی نظر آیا۔ پہاڑ کٹ کر اس سے بڑی بڑی عمارتیں بن گئی تھیں۔ پختہ سڑک کے کنارے ایک ذرا سی بلندی تھی۔ چند سیڑھیوں کا ایک زینہ تھا۔ اس پر چڑھ کر سعی کی اور کہا:

"ابدأ بما بدأ اللّٰه به ان الصفا والمروة من شعائر اللّٰه (جس چیز کو اللہ نے مقدم رکھا ہے اس کو میں بھی مقدم رکھتا ہوں۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) بیت اللہ کی طرف منہ کرکے ہاتھ اٹھاکر حمد و ثنا، تکبیر و تہلیل کی۔ دعا کی۔ پھر اترے اور مروہ کی طرف چلے ..... ادھر مروہ کی طرف جانیوالوں اور مروہ سے صفا کی طرف آنے والوں کے قافلے قطار اندر قطار ملتے رہے۔ کبھی جاوی پاس سے گذر جاتے۔ کبھی مصری بھیجے ہوئے نکل جاتے۔ کبھی مراکشی جاکر

سامنے سے آتے نظر آتے کبھی ترکی و بخاری راستے میں ساتھ ہو جاتے۔ کبھی تکرونی و سوڈانی قدم بڑھا کے آگے ہو جاتے۔ ہر ایک احرام میں ملبوس، ننگے سر ننگے پاؤں، عاشقانہ حال، مستانہ چال۔ دنیا سے بے خبر اپنی دھن میں مست ..... دونوں طرف پر رونق دوکانیں مسفلہ کا بازار اپنے پورے شباب پر اور بہار پر۔ موٹر کاریں ہارن بجاتی ہوئی اور آدمیوں کو بھگاتی ہوئی نکلتی رہتی ہیں۔ دوکانوں پر سوڈے بک رہے ہیں۔ شربت کے گلاس کے دور چل رہے ہیں۔ صرافوں کی دوکانوں پر روپیہ گننے اور سکوں کے گرنے کی آواز کانوں میں آرہی ہے۔ لیکن عشاق کا مجمع سر جھکائے نظریں بچائے اپنی دھن میں چلا جا رہا ہے۔ عشق کی پوری تصویر۔ دنیا میں مومن کے رہنے کی مکمل تفسیر، خلوت در انجمن کا پورا منظر۔ دنیا کے بازار میں چلتی پھرتی مسجدیں اور گونجتی ہوئی اذانیں، سعی کیا ہے؟ مومن کی پوری زندگی! بھرے بازار، پھولوں سے لدے گلزار میں رہنا اور دل نہ لگانا، مقصد کو پیش نظر رکھنا۔ مبدأ اور منتہی کو نہ بھولنا۔ اپنے کام سے کام رکھنا۔ صفا سے چل کر مروہ کو فراموش کرنا نہ مروہ سے چل کر صفا کو بھول جانا۔ کہیں نہ اٹکنا، کہیں نہ الجھنا۔ پیہم گردش، مسلسل عمل، سعی کی دونوں طرف دوکانوں کے ہونے اور سعی کے اس محل وقوع نے سعی میں ایک خاص معنویت اور لطف پیدا کر دیا ہے۔"

ساحل جدہ پر اترنے کا منظر آپ دیکھ چکے ہیں جدہ کا یہ حصہ بھی دیکھ لیجئے:

"جدہ کوئی مقدس مقام نہیں۔ نہ یہاں بیت اللہ نہ مسجد نبوی۔ نہ یہ حرم ابراہیم نہ حرم رسول۔ لیکن محبت کا آئین نرالا ہے۔ اس کو کیا کیجئے کہ جدہ کی گلیوں سے بھی انس و محبت معلوم ہوتی ہے۔ غریب الدیار مسافر کو یہاں پہنچ کر بوئے انس آئی۔ برسوں کی محبت نے اپنی پیاس بجھائی۔ محبت فلسفہ اور قانون سے آزاد ہے۔ یہاں کے قلی اور مزدور، سیاہ فام سوڈانی اور بربری دیدہ بد دید بھی دل کو اچھے لگتے ہیں۔ یہاں کے دوکانداروں، خوانچہ فروشوں کی صدائیں، معصوم بچیوں اور بچوں کے گیت، جن میں وہ حاجی سے سوال کرتے ہیں۔ دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ محبت عقل کو تنقید کی فرصت ہی نہیں دیتی اور اچھا ہے کہ اس کو کچھ دن فرصت نہ دے ۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جب جدہ سے عقیدت کا یہ عالم تو دیار حبیب پر حاضری کی کیا کیفیت ہوگی۔

"نظر اٹھا کر دیکھئے۔ یہ دونوں پہاڑوں کی قطاریں ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ناقۂ نبوی اسی راستے سے گذری ہو۔ یہ فضا کی دلکشی، یہ ہوا کی دلآویزی اسی وجہ سے ہے۔ لیجئے شہداء آگئی۔ اب بیر علی (ذوالحلیفہ) کی باری ہے

منزل دوست چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

درود شریف زبان پر جاری ہے۔ دل وفور شوق سے امنڈ رہا ہے۔ عرب ڈرائیور حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے اور کیوں روتا ہے؟ کبھی عربی میں گنگناتا ہے، کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے۔

بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی جس قدر طیبہ قریب ہوتا جا رہا ہے ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک لیکن دل کی گرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ سنئے کوئی کہہ رہا ہے

باد صبا جو آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

داغ غلامیت کرد رتبۂ خسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطان طیبہ

میں نے عرض کیا تھا کہ پورا سفرنامہ کشش جہتی نظم بندی کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ اس بیچ میں مصنف نے اپنی قلبی کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنانے کے لئے عربی، فارسی اور اردو کے بیش بہا اشعار کا سہارا لیا ہے۔ آگے چلئے:۔

"صبح ہوئی۔ نماز پڑھی، موٹر روانہ ہوئی، کیا جہاں سر کے بل آنا چاہئے تھا وہاں موٹر پر سوار ہو کر جائیں گے؟ بات کرتے کرتے بیئر عروہ آگیا، الحمد للہ اتریئے، وہ دیکھئے جبل احد نظر آرہا ہے۔ وہ سولو مدینہ کے درخت نظر آئے، کیا یہ وہی درخت ہیں جن کے متعلق شہیدی مرحوم نے کہا تھا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھیں
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

وہ گنبد خضرا نظر آیا۔ دل سنبھالئے اور قدم اٹھائیے۔"

پورا سفرنامہ صرف وفور شوق اور جذبات کی آفاقی کیفیت میں گم نہیں بلکہ بعض ارضی حقائق کی نشاندہی ایک ماہر نباض کی حیثیت سے کرتا ہے۔ یہ بیچ کا یہ حصہ دیکھئے:۔

"ہم نے دین و دنیا کی خیرات یہیں سے پائی ۔ آدمیت یہیں سے سیکھی۔ یہاں کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم میں سے کتنے معاذ اللہ بت خانہ، آتش کدہ اور کلیسا میں ہوتے۔ لیکن ہم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ فاصلے کا عذر صحیح نہیں۔ ان کے بزرگوں نے سمندر اور صحرا عبور کر کے اور پہاڑوں کو طے کر کے دین کا پیغام ہم تک پہنچایا۔ ہم نے بھی اپنے فرض کا احساس کبھی کیا؟"

آج کی نہایت اعلیٰ درجے کی خوش حالی سے پہلے حجاز مقدس کی تعلیمی اور معاشی کیفیت پر مشتمل سفرنامے کا یہ حصہ پڑھنے اور عمل کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ ریالات کی فراوانی کے باوجود بعض بنیادی کمزوریاں آج بھی وہاں کی مدنی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔

مدینہ منورہ کی حاضری کے بعد مکہ مکرمہ کی حاضری کی

ایک حاجی نہ مدینے سے رخصت ہونا چاہتا ہے نہ مکہ چھوڑنا چاہتا ہے، اس عجیب کیفیت سے ہر عاشقِ حرم کو سابقہ پڑتا ہے۔ مصنف نے دل پر پتھر رکھ کر لیکن نہایت چابکدستی سے اس کیفیت کو محو کرنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"آخری سلام عرض کیا، مسجدِ نبوی پر حسرت کی نگاہ ڈالی اور باہر نکلے۔ غسل کرکے احرام کی تیاری کر لی تھی۔ ذوالحلیفہ میں جانے کا موقع ملے نہ ملے۔ موٹر پر بیٹھے، محبوب شہر پر محبت کی نگاہ ڈالتے چلے۔ اُحد کو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اب مدینہ سے باہر ہو گئے۔ جو لمحہ گذرتا ہے مدینہ دور اور مکہ قریب ہوتا جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ ہم حرمین کے درمیان ہیں ہیں ؏

صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم"

چلئے مصنف کے ساتھ مکہ سے قریب قریب موٹر میں سوار ہوتے ہیں:۔

"جدہ آیا اور گذر گیا۔ اب شہنشاہ ذوالجلال کا شہر اور اس کا گھر قریب ہے۔ باادب باہوشیار! مدینہ اگر مرکزِ جمال تھا تو یہ مرکزِ جلال ہے۔ مدینہ کے در و دیوار سے اگر محبوبیت ٹپکتی ہے تو یہاں کے در و دیوار سے عاشقی نمایاں ہے۔ یہاں عاشقانہ آنے کی ضرورت ہے۔ برہنہ سر، کفن بردوش۔ پریشاں حال، یہی یہاں کے آداب میں سے ہے۔"

اے اللہ! مجھے اپنے شہر میں ... ٹھکانا عطا فرما اور مجھے اس میں رزقِ حلال نصیب فرما۔

حج کا سفر تمہارا صد بار ہو مبارک

مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی موجودہ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء جب ۱۹۶۳ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کا منظوم خط لکھا جو ایسی معنویت رکھتا ہے کہ ہر حاجی کو زادراہ کا کام دے سکتا ہے اس لئے وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

میرے عزیز بھائی تم کو سلام پہونچے — بعد از سلام میرا تم کو پیام پہونچے
تم کو بہت مبارک کعبہ کی ہو زیارت — قابل ہے رشک کے جو تم کو ملی سعادت
جتنا بھی فخر تم کو محسوس ہو وہ کم ہے — بس میں نہیں کسی کے، اللہ کا کرم ہے
اس وقت تم جہاں ہو وہ ہے مقام رحمت — مینہہ کی طرح برستی ہے صبح و شام رحمت
ہے ایک کام تم سے میرا اگر کرو تم! — بھولوں نہ عمر بھر میں احسان گر کرو تم!
مجھ کو بھی یاد رکھنا شام و سحر دعا میں — کعبہ کے پاک در پر عرفات میں منیٰ میں
کوہ صفا پہ چڑھ کر کعبہ ہو جب کہ رخ پر — مروہ کی سیڑھیوں پر مسعیٰ میں رہ گزر پر
منبر کے سائے میں بھی اندر حطیم کے بھی — رکن یمانی چھو کر در پہ کریم کے بھی
دیوار سے لگا کر سینے کو ملتزم پر — چل کر مطاف میں پھر رک کر ہر اک قدم پر
پردے سے تم لپٹ کر آنسو بہا کے کہنا — کعبہ کے پاک در پہ سر کو جھکا کے کہنا
بیت عتیق کے رب اپنے کرم کا صدقہ — اور رحمت و محبت بے کیف وکم کا صدقہ
تونے مجھے بلایا تیرا بہت کرم ہے — ایک اور مضطرب ہے جو مبتلائے غم ہے
بے تاب ہو رہا ہے اس کو بھی تو بلا لے — دنیا سے دل ہٹا کر اپنا ہی تو بنا لے
دن رات جاکے زمزم تم بار بار پینا — میری طرف سے بھی تم دو چار بار پینا
لللہ میری جانب سے بھی طواف کرنا — آنسو جو چند نکلیں نذر غلاف کرنا
ہوگا نویں کو عرفہ، رحمت کا روز ہوگا — قلب و زباں میں پیدا جب درد و سوز ہوگا
تم بے قرار ہو کر سجدہ میں جب پڑے ہو — پہلو بدل رہے ہو مبہوت سے کھڑے ہو
اشکوں سے بھیگ جائیں جب حاجیوں کے دامن — ایسی جھڑی لگی ہو بھادوں ہو یا کہ ساون
چیخوں سے اپنی حاجی تھرّا دیں جب فضا کو — جب رحم آ کے سب پہ بے ساختہ خدا کو
ہوگا وہ ایسا عالم ہر سمت نور ہوگا — قلب و نظر پہ طاری کیف و سرور ہوگا
ایسے ہی پیارے عالم میں مجھ کو... یاد رکھنا — ذکر و دعا سے لللہ مجھ کو بھی شاد رکھنا
اللہ تم کو ہر دم اپنی اماں میں رکھے — اپنا بنا کے تم کو دونوں جہاں میں رکھے

حج کا سفر تمہارا صد بار ہو مبارک
جانا بھی ہو مبارک آنا بھی ہو مبارک

پرانے زمانہ کا ایک تجربہ

جانوروں کی عدالت

مصطفیٰ السباعی
ترجمہ: انور حسن

اگر اس سلسلہ میں آپ غور و فکر کریں تو دوسری قوموں کی تعلیم میں جانوروں پر رحم و کرم کا حکم نہیں پائیں گے اور اسی طرح ان کے یہاں جانوروں کے مالک پر دیکھ بھال اور خرچ کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

دوسری طرف قابل توجہ بات یہ ہے کہ جانوروں پر اس کی زیادتی یا اس کے مالک کی زیادتی پر مواخذہ کیا جاتا ہے اور ذمہ داری میں اس کا معاملہ اس انسان کی طرح ہے جو عقل و خرد اور فکر و نظر رکھتا ہے۔ اور یہ انوکھا معاملہ قرون وسطیٰ کی تاریخ کے مختلف ادوار میں حتیٰ کہ انیسویں صدی میں ملتا ہے۔ جانوروں پر انسان ہی کی طرح مقدمات دائر کئے جاتے ہیں اور ان پر قید و بند، جلاوطنی اور موت کی سزا کا حکم سنایا گیا ہے ٹھیک انسان ہی کی طرح۔

یہودی قوانین میں یہ ہے کہ اگر کوئی بیل کسی مرد یا عورت کو سینگ سے زخمی کر دے اور اس زخم سے اس کی موت ہو جائے تو بیل کو رجم کیا جائے گا اور اس کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ اور اگر یہ بیل سینگ مارنے کا عادی نہ ہو تو مالک پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور اگر اس کی یہ خصلت بن گئی ہو اور عوام نے مالک کو متنبہ کیا ہو اور اس نے لوگوں کے متنبہ کرنے پر کوئی توجہ نہ دی ہو اور اسے آزاد چھوڑ دیا ہو یہاں تک کہ وہ جانور کسی مرد یا عورت کے ہلاکت کا سبب بنا ہو تو بیل کو رجم کیا جائے گا اور مالک کو پھانسی دی جائے گی۔

وہیں ایک دوسری صورت بھی تھی، وہ یہ کہ اگر کوئی مرد یا عورت کسی جانور سے اپنی جنسی خواہشات پوری کرے تو مرد یا عورت اور جانور دونوں کو قتل کیا جائے گا۔

قدیم یونانی قانون میں جانوروں اور وہ پتھر جو سبب بنا ہو کسی انسان کی ہلاکت کا اس کے لیے خاص عدالت تھی۔ اس کو (بر تانیوں) سے موسوم کیا جاتا تھا اور یہ اس جگہ کا نام جہاں عدالت لگتی تھی۔ اور جیسا کہ افلاطون نے اپنی کتاب "القوانین" میں ذکر کیا ہے کہ جب کوئی جانور کسی انسان کو مار ڈالے تو مقتول کے ورثا کو یہ حق ہے کہ وہ عدالت میں جانور پر دعویٰ دائر کرے اور ورثہ کو کسانوں میں سے قاضی مقرر کرنے کا اختیار ہے اور جانور پر ثبوت جرم کے بعد قصاص واجب ہوگا۔ اور اس کے مردہ جسم کو شہر سے دور ڈلوا دیا جائے گا۔ اور اس حکم سے وہ قتل مستثنیٰ ہے، جو انسانوں اور حیوان کے درمیان مقابلہ آرائی کے اسٹیج سے وجود میں آیا ہو اس پر کسی قسم کا فرد جرم عائد نہیں ہوگا۔ اور جب کوئی پتھر کسی انسان پر آگیا ہو اور وہ جانبر نہ ہو سکا ہو تو قریب ترین ورثہ کو یہ حق ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے پڑوسی میں سے کسی کو قاضی مقرر کرے تاکہ وہ پتھر کے خلاف فیصلہ صادر کرے کہ اسے شہر کے حدود سے باہر پھینک دیا جائے۔ اور ان کے نزدیک جانور کی ذمہ داری قتل کے حالات پر محدود نہیں تھی بلکہ قتل سے کم تمام زیادتیوں میں وہ ذمہ دار ٹھہرائے جاتے تھے۔

مثلاً کوئی کتا کسی انسان کو کاٹ کھاتا تو اس وقت کتا کے مالک پر ضروری ہو جاتا کہ وہ فوراً اس کے حوالہ کر دے جسے اس نے کاٹا ہے رسّی وغیرہ میں باندھ کر تاکہ وہ جس طرح چاہے اپنے زخم کا بدلہ لے، خواہ قتل کر کے یا کسی دوسری سزا کے ذریعہ اسی طرح ان کے نزدیک یہ قانون تھا کہ جانوروں کو سزا دی جاتی، آقا کی زیادتی پر یا اس کے خاندان کی زیادتی پر بعض احوال میں، چنانچہ جس پر کسی جرم کے ارتکاب کے سلسلے میں فیصلہ جاری کیا جاتا، جلاوطنی کا خواہ وہ جرم دینی یا حکومت کے خلاف ہو۔ آقا اور اس کے اہل بیت اور اس کے تمام جانوروں اور اس کی ساری جائداد پر حکم لگایا جاتا جلا ڈالنے کا، منہدم کرنے کا اور قرقی ضبطی کا۔

قدیم رومیوں کے قانون کی ایک دفعہ ہے جس کے ذریعہ بیل اور اس کے مالک کو جلاوطنی کرنے کا حکم نافذ کیا جاتا۔ جب بیل ہل جوتتے ہوئے کھیت کے مینڈ پار کر جائے اور روم میں اس کتے کی یہ سزا مقرر کی گئی تھی۔ جو کسی انسان کو کاٹ کھائے تو کتے کا آقا اپنے کتے کو زخم خوردہ شخص کے حوالے کر دے اور جس طرح چاہے اس کتے کے ساتھ معاملہ کرے اسی طرح ایک دفعہ اس جانور کے لیے بھی تھی جو اپنے ملک کے علاوہ کسی اور کے علاقے کی گھاس چر جائے۔

اور بالکل اسی طرح کے قوانین جانوروں کی سزا کے سلسلہ میں قدیم جرمنی اور یونان میں تھے۔

قدیم فارس کے نزدیک معاملہ اس سے بھی زیادہ انوکھا اور نرالا تھا وہ یہ کہ وہ کتا جو ایک دوسرے سے لڑ کر زخمی ہو گیا ہو اور وہ کسی بکری کو کاٹ کھائے۔ بعد کو وہ بکری مر گئی، یا اس نے انسان کو زخمی کر دیا تو اس صورت میں اس کا دایاں کان کاٹا جائے گا اور اگر اس نے دوبارہ یہ حرکت کی تو بایاں کان کاٹا جائے گا اور تیسری حرکت میں دایاں پیر کاٹا جائے گا اور۔

چوتھی حرکت میں بایاں پیر کاٹا جائے گا اور پانچویں مرتبہ اگر اس سرکشی سے اس طرح کی حرکت صادر ہوتی تو اس کی قوم کو جڑ سے کاٹ دیا جائے گا۔

یورپ کے عصور وسطی میں فرانس وہ پہلا ملک ہے جو تیرہویں صدی عیسوی میں جانوروں کی جنایت پر سزا کا مقدمہ اس عدالت میں پیش کیا جہاں سے انسانوں کے مقدمات فیصل ہوتے ہیں، پھر چودھویں صدی میں سے دنیا کا اس پر عمل ہونے لگا۔ پھر "بلجیکا" میں پندرھویں صدی میں بعد ازاں یکے بعد دیگرے ہالینڈ، جرمنی، اٹلی اور سوئڈن میں سولہویں صدی میں اور یہ عمل انیسویں صدی تک ان کی قوموں میں جاری رہا۔

یورپ میں جانوروں کا مقدمہ ٹھیک علیہ بالذات کی طرح سے دعوے پر قائم ہوتا تھا، پھر مجرم جانور کی طرف سے ایڈوکیٹ دفاع کرتے، اور عدالت جانور کو احتیاطاً حراست میں رکھے رہتی ہے پھر جج حکم صادر کرتا اور یہ حکم عوام کی موجودگی میں نافذ ہوتا جس طرح انسانوں کے بارے میں فرمان جاری ہوتے ہیں، اور کبھی جانور کو سنگسار کرکے ختم کرنے کا فرمان جاری ہوتا ہے اور کبھی سر قلم کرنے اور کبھی بعض اعضاء کو کاٹتے۔ کسی کے ذہن و دماغ میں یہ بات نہیں آسکتی ہے کہ فیصلہ صرف تفریح طبع کے لیے ہے بلکہ یہ قطعی اور حتمی فیصلہ ہوتا۔ اس دلیل کی بنیاد پر اس پر یہ فیصلہ کیا گیا مثلاً عدل کے تقاضہ سے یا اس کو پھانسی دی جاتے جرم کی سزا میں۔ ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ اسباب جو اہل یورپ کو جانوروں کے خلاف معاملہ کو عدالت تک پہونچانے میں آمادہ کرتے تھے ان کے نزدیک طبعی اور فطری قوانین کی خلاف ورزی ہی تھی۔ چنانچہ اس پر جادو کا الزام لگایا جاتا تھا اور یہ ایک بہت بڑا جرم ہے، جس کے مرتکب کو آگ میں جلانے کی سزا دی جاتی تھی۔ بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اس موقع پر ایک عظیم الشان تقریب منعقد کرتے تھے۔ اور ایک بڑے مجمع کے سامنے حکم صادر کیا جاتا تھا۔ پھر جلاد لکڑی کے ایک گٹھر کے ساتھ آتا تھا، اور اسے وہ ایک میدان کے بیچوں بیچ رکھ دیتا تھا اور وہ بلیاں حاضر ہوتی تھیں، جن کے خلاف فیصلہ صادر کیا جاتا ہر بلی لوہے کے ایک مضبوط پنجڑے میں ہوتی ہے اور جب حکم جاری کرنے کا وقت قریب ہوتا، اس وقت بعض پادری آتے اور ان کے ساتھ بعض سرکاری افسران بھی ہوتے، چنانچہ ان میں سے ایک آگے بڑھتا اس کے دونوں ہاتھوں میں آگ کا انگارہ ہوتا۔ لکڑی کو سلگانے کے لیے پھر ایک افسر بلیوں کو آگ میں ڈالنے کا حکم جاری کرتا ہے یہاں تک کہ ساری بلیاں خاکستر ہو جائیں۔ (یا خاک کا ڈھیر ہو جائیں) جادو کی سزا میں۔

مناسب ہے کہ ہم جانوروں کے سلسلے میں یورپ میں جو مشہور فیصلے ہوئے قرون وسطی میں اس کا تذکرہ کریں۔

سب سے مشہور مقدمہ پندرہویں صدی میں فرانس کے شہر "اوتون" میں چوہوں کا پیش آیا۔ تو لیجئے گوش گذار کیجئے

اس گاؤں کے چوہوں پر الزام تھا کہ یہ سڑکوں پر جمع ہوگئے، پریشانی کی شکل میں جس سے لوگوں کے آرام میں خلل واقع ہوا۔ اور اس کی وکالت "شانیہ" فرانسیسی تھے اور اس نے مہلت طلب کی اس لیے کہ چوہے حاضر ہونے پر قادر نہ تھے

ندوۃ العلماء کی صدا

تعمیر حیات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا تو لوگوں نے اسے بہت اعلیٰ معیاری پرچہ کہا اور ندوہ کے بارے میں اپنے عقیدت و محبت کا اظہار کیا پھر اس کے بعد میرج، شولاپور، بیجاپور، اور کرناٹک کے چند علاقوں کا دورہ ہوا تمام جگہوں پر تعمیر حیات کا تعارف کرایا، الحمدللہ بڑے ذوق و شوق سے اس پرچہ کو پسند کیا گیا اور کچھ مزید خریدار فوراً بڑھ گئے لوگ اپنے تعلق و محبت کا اظہار ندوہ کے بارے میں بھی کرتے رہے خصوصاً پونہ کے عبدالوحید ندوی صاحب و سیٹھ سمیع اللہ صاحب، میرج کے مولانا عبدالعزیز ابوبکر صاحب صدر جمعیۃ العلماء ضلع سانگلی و ڈاکٹر عثمان صاحب، شولاپور کے حاجی حنیف صاحب موتی والا۔ و سیٹھ معین الدین خان نے کافی لگاؤ و تعلق کا اظہار کیا اور ہاتھوں ہاتھ اس کے خریدار بنے، خاکسار کا یہ دورہ تقریباً ایک ماہ تک ان جگہوں پر رہا جس میں تقریری پروگرام بھی ہوئے لوگوں نے بڑی قدر و منزلت کی اور بہت ہی جذبہ و محبت کے ساتھ پیش آئے ان دوروں میں سیٹھ عظیم اللہ خاں میرج والے و سیٹھ صادق صاحب مدراسی اچلکرنجی والے کو بھی بھلایا نہیں جاسکتا جو ہر قدم ہر موڑ پر دینی جذبہ کے ساتھ رہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دونوں عالم میں ترقی عطا فرمائے آمین۔

گذارش:۔ والد معظم جناب مولانا سید محمد عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء اور بعض اہل تعلق حضرات کے فرزندان و اعزہ کی ذمہ داری اور مختلف افراد اور اداروں سے مالی لین دین رہا کرتا تھا۔

قارئین تعمیر حیات اور تمام اہل تعلق حضرات سے درخواست ہے کہ اگر ان میں سے کسی کا یا ان کے علم میں کسی ادارہ یا فرد کا والد صاحب کے ذمہ سرکاری یا ذاتی کوئی حق نکلتا ہو تو ہمیں براہ راست یا بذریعہ تعمیر حیات مطلع کریں ہم سب ان کے ممنون ہوں گے۔ ان شاء اللہ ادائیگی کی سعادت حاصل کریں گے۔

فقط والسلام
محمد عبدالحی (ندوی)
دفتر نظامت دارالعلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس نمبر ۹۳ لکھنؤ

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

چوتھی قسط

پروفیسر وصی احمد صدیقی

بنارس آپ تشریف لائے۔ بارش کا موسم تھا اور یہاں صدہا آپ کے مرید تھے اس لیے ایک مہینہ قیام کا ارادہ فرمایا رؤسائے شہر حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔ بارش میں لوگ آتے اور اپنے گھر لے جاتے۔ حضرت اور ان کے رفقاء کو زحمت ہوتی مگر یہ احساس کہ اس کیچڑ پانی میں پھرنا صرف اللہ کے لیے ہے سب کی طمانیت کا باعث ہوتا۔ ہزاروں لوگ راہ راست پر آئے۔ ایک جگہ تو لوگوں نے تعزیوں کو توڑ کر کھانا پکانے کے ایندھن کے طور پر استعمال کیا۔ مریضوں کو دیکھنے اسپتال تشریف لے گئے۔ ایک چمار اور اس کے ہم قوم بھی بیعت سے سرفراز ہوئے اس کا نام تلوکا سے بدل کر الٰہی بخش رکھا بعد میں پتہ چلا کہ اس نے دین اور دنیا دونوں پائی۔۔۔ نور باڑوں میں دو جماعت آپس میں برسر پیکار تھی ان میں صلح کرائی اور نصیحتیں کیں۔ برادری کے ہزارہا لوگوں نے اور مستورات نے بیعت کی، سید صاحب نے بدعات اور رسوم کے اصلاح کے لیے وعظ کہے۔ اس نکتہ کو واضح کیا کہ اللہ کے دربار میں صرف اپنے اعمال کام آئیں گے۔ کوئی اور پیر و مرشد مددگار نہیں ہوسکتا۔ وہ خود اپنے اعمال کی حساب دہی میں مبتلا ہے سید صاحب بنارس سے چلے اور عظیم آباد پہونچے جہاں گئے لوگ جوق در جوق بیعت سے سرفراز ہوتے گئے۔ اور منہیات سے توبہ کرتے رہے انگریز حاکم سے شکایت کی گئی مگر اس نے شکایت پر اعتنا نہیں کیا۔

عظیم آباد میں چند تیلیوں سے ملاقات ہوئی وہ بھی حج کے لیے ہمراہ ہونا چاہتے تھے مگر حضرت نے انھیں اپنے وطن واپس بھیجا تاکہ وہاں لوگوں کی اصلاح کریں۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان تیلیوں نے نصیحت کا حق ادا کیا تھا اور اللہ نے انھیں بہت خوشحال کر دیا تھا۔ یہاں شیعہ روسا بھی بہت خدمت میں آئے اور توبہ کر کے بیعت کی۔

عظیم آباد سے حضرت کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے راہ میں یہی تبلیغی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت کلکتے پہنچ گئے۔ ایک مخلص نے پیش قدمی کر کے حضرت کو اپنے یہاں ٹھہرنے پر آمادہ کر لیا بعد میں اور لوگ بھی اس فرمائش کے ساتھ پہنچے مگر حضرت وعدہ کر چکے تھے، نماز مغرب کے بعد حضرت منشی امین الدین صاحب کے باغ اور محل سرا میں آئے۔ یہ بہت بڑے رئیس تھے بے حد خلیق متواضع تھے مگر اپنی رندانہ زندگی اور آزاد خیالی کی وجہ سے بیعت سے گریز کرتے رہے مگر جلد ہی حضرت سے بیعت و تعلق کی برکت اور کرامت کی دیکھ کر منکرات سے توبہ کی اور مذہبی پابندی اختیار کی۔

دو مہینہ تک روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوتے وعظ میں اتنا ہجوم بڑھتا جاتا تھا کثرت بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دو ڈھائی پہر رات گئے تک مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہتا شربت کی مانگ دیکھ کر اہل مطابع نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مجموعے چھاپے اور دکانیں لگادیں۔

غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں قبول اسلام کرتے رہے۔ نکاح کے بغیر ازدواجی تعلقات والوں کا نکاح پڑھایا جاتا۔ برادریوں اور خاندان کے چودھریوں نے خلاف شرع کام کرنے والوں کا مقاطعہ کیا۔ شراب کی وہ کساد بازاری ہوئی کہ اس کے تاجر بدحواس ہوگئے۔ مسلمانوں میں بے پردگی کا بے حد رواج تھا۔ ایک رئیس شیخ امام بخش نے بتایا کہ ہمارے اس پورے ملک میں کسی کے یہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا۔ اور عورتیں بیحد شرک و بدعت میں مبتلا ہیں۔ سید صاحب نے ننگے سر ہو کر بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ سب کے لیے دعا کی۔ ڈھاکہ، سلہٹ، چاٹ گام اور آسام وغیرہ کے لوگ کلکتہ آئے۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ رہنا سہنا اور سارے رسوم ہندوؤں کے سے ہیں۔ نہ کوئی نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے۔ سید صاحب نے ان میں بہت سے لوگوں کو اپنا خلیفہ بنایا۔ توحید سنت کی خوبیاں اور شرک بدعت کی برائی کے مسائل ان کو خوب سمجھائے اور رخصت کیا۔

سلطان ٹیپو کے پوتوں نے جو وہاں نظر بند تھے جب سید صاحب کی شہرت سنی تو ایک خواجہ سرا کو اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا اور حال دریافت کیا کہ سید صاحب کس کے خاندان کے ہیں کیوں کہ سید ابو سعید اور سید ابو اللیث مرحوم و مغفور ہمارے خاندان کے مرشدوں میں ہیں سید صاحب نے بتایا کہ وہ ہمارے حقیقی نانا اور ماموں ہیں یہ شاہزادے عبدالرحیم نام کے ایک فلسفی بڑے بہت متاثر تھے مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس شخص کو لاجواب کیا پھر شاہزادوں کے پاس پہنچے۔ بڑے شاہزادے نے جو کہ اپنے استاد کی شکست سے آزردہ تھا عربی اور فارسی میں گفتگو کی مگر سید صاحب نے اردو میں بات کرنے کی ہدایت کی، بیگمات نے بیعت کی اور شاہزادے بھی بیعت سے سرفراز ہوئے

سارے شاہزادوں نے کہا کہ حضرت ہم تو آج از سر نو مسلمان ہوئے ہیں آپ ہمارے لیے دعا کریں۔ اس طرح ایک گمراہ پیرزادے کی اصلاح ہوئی۔

کلکتہ میں صدہا سائل اور شرفا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور امداد طلب کرتے، آپ کسی کے سوال پر نہیں نہیں کہتے تھے۔ بغداد کے ایک پیرزادے نے جو وہاں ایک امیر کے گھر قیام پذیر تھے اپنے گھر سید صاحب کو بلایا تاکہ ان کا اعزاز ہو۔ حضرت تشریف لے گئے۔ انھوں نے پوچھا کہ اتنے بڑے قافلہ کا کرایہ اور خرچہ آپ کیسے برداشت کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کرایہ دے کر سب بھائیوں کو ہمراہ لے کر جاؤں گا۔

اسی طرح بہت سے اہل خیر احرام اور کپڑے لے کر آئے۔ حضرت نے لینے سے اس لیے انکار کیا کہ ان کی ضرورت نہ تھی اور وہ بوجھ ہوتے مگر اصرار پر دو احرام ہر شخص کے لیے قبول کیا۔

۱۱ جہاز کرایہ پر لیے گئے ہر جہاز پر ایک امیر مقرر ہوا۔ اور ۱۲ ہزار روپے کی اجناس خرید کر جہازوں پر رکھ دیا گیا۔ ایک صاحب خیر نے اپنے جہاز پیش کیے مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ہم نے عہد کیا ہے کہ جب بیت اللہ جائیں گے۔ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی مخلوق کے احسان کا بار نہیں اٹھائیں گے ناخداؤں کو مسافروں کو آرام پہونچانے کی تاکید کر کے سب سے آخر میں جہاز پر سوار ہوئے۔

کلکتہ سے آپ کی روانگی کا منظر بہت جذباتی تھا۔ حضرت بگھی پر سوار بڑے مجمع سے گزرے اتنا مجمع کہ لگتا تھا بگھی پس جائے گی۔ غیر مسلمین بھی بہت متاثر اس قافلہ کے مسافروں کو دیکھ رہے تھے عصر کی نماز دریا کے کنارے پڑھی اور مغرب کی کشتیوں پہ جہازوں پر اہل قافلہ کی تعداد ۶۹۳ تھی ان کے علاوہ ساکین ۰۰۱ کی تعداد میں تھے حضرت نے فرمایا تھا سفر کے دوران سارے کام کاج عبادت ہیں۔ آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد حزب البحر پڑھتے اور مولوی یوسف صاحب سے سورہ زخرف کا پہلا رکوع سنتے۔ سوا پہر دن تک لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے رہتے، پھر آپ اندر تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے۔ حضرت نے اس اندیشہ سے کہ اگر نماز جمع نہیں کی تو ضائع ہو گی۔ جمع بین الصلاتین کو قبول کیا۔ جہاز سیلون سے گذرتا ہوا مراس کماری کا چکر لگا کر الٹی لہر پہ سفر جاری رہا۔ جب عدن کا پہاڑ دکھائی دیا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے عدن میں اتر کر شکر کا دوگانہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ سخت تپش تھی نہ کہیں سایہ دار درخت تھا۔ یکدم چار اونٹ نظر آئے ان پر چڑھ کر لوگ عدن پہونچے۔ یہ اونٹ اور اونٹ والے پھر نظر نہیں آئے۔ ہر چند کرایہ کی ادائیگی کے لیے بہت ڈھونڈھا گیا۔ ایک رات وہاں مسجد میں قیام کر کے پھر سوار ہوئے اور باب المندب ہوتے ہوئے جہاز آگے بڑھے جہاز میں حضرت پر اور دوسرے مسافروں پر جو کیفیت طاری تھا اس کی لذت بقول ایک راوی سید زین العابدین کے زبان سے بیان نہیں کی جاسکتی۔ مخا میں آپ نے ضروری سامان اتار کر ایک مکان کرایہ پر لیا۔ اس دیار میں برہنہ غسل کا رواج تھا جس کو حضرت نے روکنے کی کوشش کی۔ وحدت الوجود پر گفتگو سے سختی سے منع فرمایا۔

سفر پھر جاری ہوا۔ میقات پر آپ نے غسل مسنون فرمایا اور احرام باندھا۔ ۲۴ر شعبان کی رات آپ جدہ پہنچے۔ بہت سے لوگ منتظر تھے۔ معلم صاحب نے آپ کے ماموں حضرت شاہ ابو اللیث کی سند پیش کی وہی معلم مقرر ہوئے راستہ میں کچھ دیر حدیبیہ میں ٹھہرے اور ساتھیوں سے بیعت جہاد لی۔

سرزمین حجاز میں:۔

۲۸ر شعبان ۱۲۳۷ھ کو آپ کچھ دن چڑھے مکہ معظمہ کے قریب پہنچے۔ رفقا جو پہلے پہنچ چکے تھے آب زمزم سے بھرے لوٹے اور صراحیاں لے کر موجود تھے۔ مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت ہر شخص پر گریہ طاری تھا۔ باب عمرہ کے قریب ایک حویلی میں آپ کا قیام ہوا۔ دوسرے روز رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا۔ حرم میں سکون ہونے کے بعد آپ تراویح پڑھتے۔ حافظ سید محمد بن شاہ ابو اللیث دو پارے روز سناتے۔ ۲۱ر رمضان المبارک کی شب سے آپ نے اعتکاف فرمایا۔ عید کے روز مکہ معظمہ کے علماء اور صلحاء ملاقات کے لیے تشریف لائے شیخ عمر بن عبد الرسول حنفی جنھوں نے سلطان ترکی کا ہدیہ قبول نہیں کیا تھا۔ اور اشرفیوں سے لدا ہوا اونٹ واپس کر دیا تھا۔ انھیں پانچ ریال بطور ہدیہ دیا جسے انھوں نے قبول کیا۔ لوگ کہتے تھے کہ مکہ مرجع عالم ہے لیکن جو انجذاب اور کشش سید صاحب کی طرف ہے وہ کسی کی طرف نہیں دیکھی گئی۔

مناسک حج:۔

۸ر ذی الحجہ کو آپ نے اپنے رفقا کے ساتھ حطیم میں بڑے تضرع و زاری کے ساتھ طویل دعا فرمائی، صبح عرفات روانہ ہوئے آپ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اس قافلہ کا کوئی فرد حاجی کے لقب سے مشہور نہ ہو، غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ تشریف لے گئے۔ رات وہاں گزاری پھر نماز فجر کے بعد منیٰ کو روانگی ہوئی۔ آپ نے قربانی کے لیے سو سے زیادہ جانور خریدے تھے۔ طواف زیارت کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوئے، طواف سعی مفادوہ اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر منیٰ واپس تشریف لائے۔

عقبہ میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے جہاد کی

بیعت لی۔ رمضان المبارک سے ۵ صفر تک آپ نے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ کے سفر کے لیے پابہ رکاب ہوئے۔ تمام ہتھیار اہل حرم کے احترام میں ایک مکان کے حجرے میں بند کر دیے اور خالی ہاتھ مدینہ چلے۔

راستہ میں بدوؤں نے چھیڑ چھاڑ کی۔ یہ دو مرتبہ ہوا۔ لیکن قافلہ بخیر و عافیت مدینہ طیبہ پہنچا۔ مدینہ منورہ پہنچنے سے دو رات پہلے آپ کی طبیعت سخت ناساز ہو گئی۔ خواب میں آنحضرتؐ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کی زیارت ہوئی۔ ہر ایک نے آپ کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔

بہتر از صحت است آں مرضم
کہ تو بہر عیادتم آئی

شفق کے ڈوبنے کے وقت قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا ہر ایک پر محبت و اشتیاق کا غلبہ تھا۔ رات کے پچھلے پہر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے باب الرحمۃ کے قریب قیام کیا۔ مزاج کی ناسازی کے باوجود ہر نماز مسجد نبوی میں پڑھتے۔ ۱۲ ربیع الاول کو مسجد میں محفل میلاد کی شرکت سے معذرت کی۔

بیت المقدس جانے کی نیت کی لیکن ساتھیوں کی درخواست پر ارادہ فسخ کر دیا۔ مدینہ طیبہ میں سردی تیز ہو گئی اور رفقا کے پاس سرمائی سامان کافی نہ تھا۔ خواب میں حضورؐ کی زیارت ہوئی ارشاد ہوا کہ اب یہاں سے جاؤ تمہارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہے۔ آپ نے قیام کے دوران مسجد قبا، مسجد قبلتین وغیرہ اور جنت البقیع کی بار بار زیارت کی۔ جبل احد تشریف لے گئے اور سیدنا حمزہؓ اور دوسرے شہدا کے مقام کی زیارت کی پھر مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئے۔ دوران قیام مولانا عبدالحی صاحب مشکوٰۃ کا اور مولانا اسمٰعیل نے حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا شروع کیا۔ لوگوں کو عام استفادے کا موقع ملا۔ پھر دوبارہ قیام کے دوران دوسرا رمضان آ گیا۔

۱۵ شوال کو سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ آپ نے طواف وداع کیا۔ جدے سے روانہ ہو کر بندرگاہ مخا پہنچے۔ وہاں سے چلے تو بمبئی پہنچے۔ ۸ روز قیام کے بعد مالابار کے لیے روانگی ہوئی۔ سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے حضرت کلکتہ تشریف لائے۔ مرشد آباد میں دیوان غلام مرتضیٰ کی درخواست پر قافلہ کے ساتھ ان کے مقام پر پہنچے، دیوان صاحب نے بازار میں منادی کرا دی کہ سید صاحب کے قافلہ کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت اور اجرت اُن کے ذمہ۔

مونگیر، عظیم آباد ہوتے ہوئے داناپور کے راستے سے کشتیاں رائے بریلی کے لیے روانہ ہوئیں غازی پور سے چل کر بنارس آئے وہاں سے مرزاپور بنارس سے روانگی کے بعد ہر منزل پر شیخ غلام علی کی طرف سے دعوت کا سامان پہنچتا تھا۔ الٰہ آباد سے آپ خشکی کی راہ رائے بریلی کی طرف روانہ ہوئے سید صاحب دو سال دس مہینے کے بعد وطن واپس ہوئے بے حد مسرت اور شادمانی کی فضا تھی۔ ایک شاعر نے جو حسن تخلص کرتے تھے قصیدہ لکھا۔

حاجیانِ حرم کعبہ بہ آدان مجید
آئے حج کر کے بڑے دھوم سے اب اپنے گھر
ہو حسن بھی تیرے الطاف سے ممنون سدا
رہے جمعیتِ باطن سے نہایت خوشتر

رائے بریلی کا آخری قیام:-

ایک سال دس مہینے رائے بریلی میں قیام رہا یہ زندگی کا آخری قیام تھا۔ اس زمانہ قیام کے اہم مشاغل میں سے مکانوں کی مرمت۔ مساجد کی تعمیر، جہاد کی ترغیب و دعوت اور رفقا کی ایمانی اور عملی تربیت ہے۔ تکیہ پیران بندگان خدا کے شب و روز کیسے گزرتے تھے اور بلند مقصد رضائے الٰہی کے شوق اور رہبر کامل کی صحبت نے ان میں کیا انقلاب اور کس درجہ کی عشق و مستی پیدا کر دی تھی اس کی مثال مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کی زندگی میں ملے گی۔ رئیس خاندان کے ناز پروردہ کو ان کے ملازم نے دریا کے کنارے مٹی پر کام کرتے ہوئے دیکھا اور نہیں پہچانا۔

ایں مدعیان در طلبش بے خبر اند
کاں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد

اب سید صاحب کی زندگی کا وہ باب شروع ہوتا ہے جس کی سرخی کتاب میں سب سے زیادہ روشن ہے یہ ہجرت و جہاد کا باب ہے۔ (جاری)

مدت دراز کے بعد مادر علمی

نظام الدین بستوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حاضری

خاکسار بستی سے ۵ راکتوبر کو بذریعہ بس لکھنؤ گیا وہاں اپنے مادر علمی ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی علوم کی یونیورسٹی "دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ" عرصہ دراز کے بعد پہونچا، ندوہ کے گیٹ پر پہونچتے ہی عجیب نقشہ نظر آیا سامنے گیٹ کیپر بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے ایک رجسٹر تھا، جانے والے لوگ اپنا نام و پتہ اس پر لکھ رہے تھے پھر اسے اندر جانے کی اجازت ہوتی طلباء کی بھی آمد و رفت جاری تھی چند لمحوں کے لئے ناچیز گیٹ پر ٹھہر گیا گیٹ کے داہنے جانب دیوار سے لگا ہوا ایک خوبصورت دلکش پارک نظر آیا جس میں گلاب کے رنگ برنگ پھول دارالعلوم کو اپنی خوشبوؤں سے معطر کر رہے تھے بائیں طرف سامنے ایک پرکشش عمارت تھی جو نگاہوں کو چکاچوند کر رہی تھی۔ راقم کھڑے کھڑے اپنے ماضی کی یادوں میں کھو گیا یہی چمن ہے جس کے ہم بلبل ہیں یہاں پر ہم نے زندگی کی مختصر بہاریں گذاری ہیں جس کی گواہی یہ سرزمین دے رہی ہے۔ یہاں کے ذرہ ذرہ سے ہمیں پیار ہے یہ دیکھو بائیں جانب ایک دلکش عمارت نظر آرہی ہے جو کبھی سنسان و ویران رہی تھی لیکن اب جنگل میں منگل نظر آرہا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے قدم آگے بڑھایا تو اس میں اسٹیٹ بینک، دفتر تعمیر حیات، مکتبہ و دفتر دارالعلوم وغیرہ نظر آیا۔ جو کبھی یہ تمام شعبے دارالعلوم میں نہ تھے۔ نظر لطف اندوز ہو رہی تھی قدم آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک امرود کے باغ میں مسحور کر دینے والی عمارت نظر آئی، ہم نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ یہ کیسی عمارت ہے اس نے بہت اچھے انداز میں جواب دیا کہ یہ حفظ کے طلباء کا دارالاقامہ ہے اس کے دائیں طرف ایک وسیع میدان ہے جس میں سے طلباء دارالعلوم کی طرف اپنے ہاتھوں میں کتابیں لئے ہوئے جا رہے تھے۔ یہ عجیب غریب منظر دکھائی دے رہا تھا سارے طلباء کرتا پائجامہ میں ملبوس سر پر ٹوپی لگائے ہوئے قطار در قطار چلے جا رہے تھے کچھ تیزی سے چل رہے تھے، کچھ آہستہ آہستہ، میدان کے آخر میں ایک خوبصورت لائبریری بھی ہے جس کی عمارت بھی جاذب نظر تھی میں قدم بڑھاتا اور لطف اندوز ہوتا ہوا آگے بڑھا تو سامنے سلیمانیہ، شبلی، اطہر ہوسٹل نظر آیا اور ہوسٹلوں کے سامنے خوبصورت پارک جس میں گلاب کے رنگ برنگ کے پھول ہوسٹلوں کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے اور اپنی بھینی بھینی خوشبوؤں سے پورے ہوسٹل کی فضا کو معطر کر رہے تھے یہ تمام مناظر کو دیکھ کر دل پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوئی اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں بے ساختہ زبان سے یہ دعا نکلی کہ خدایا ہمارے اس چمن کو قیامت تک باقی رکھنا اور کسی کی نظر لگنے نہ دینا۔

یہ دعا دل سے نکلتی ہے وطن باقی رہے
ہند میں دین صدی کا یہ چمن باقی رہے

شبلیؔ، مونگیری، کی یارب انجمن باقی رہے
اور علیؔ با صفا سا یہ لگن باقی رہے

مہمان خانہ پہونچا، استاذ محترم و ایڈیٹر تعمیر حیات حضرت مولانا شمس الحق صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی، ملاقات کے بعد پھر کیا تھا وہی شفقت و محبت سے ہنستے ہوئے حالات کو پوچھنا اور محبت آمیز لہجے میں ڈانٹنا شروع کیا کہ تم لوگ ایسے اجنبی بن گئے کہ اپنے مادر علمی کو فراموش کر دیئے یہ کیا ظلم تم لوگ کرتے ہو۔ استاذ محترم کے یہ جملے مجھے ایسے اچھے لگ رہے تھے کہ طبیعت چاہتی تھی کہ آپ مجھے ڈانٹتے جائیں اور میں سنتا جاؤں کیونکہ میں ماضی کی یادوں میں پہونچ گیا اور ایسا محسوس کر رہا تھا کہ آپ مجھے کلاس روم میں تنبیہ کر رہے ہیں بار بار ۸۲ء کا زمانہ نظروں کے سامنے آرہا تھا پھر آپ نے مجھ ناچیز کو ندوہ کے مہمان خانہ میں بحیثیت مہمان رکھا یہ میرے لئے بڑی عزت کی بات تھی اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے گھر میں ہوں۔

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو
میں اپنے آپ کو مانند مہمان لے کے آیا ہوں

ندوہ میں دو دن قیام کے دوران اپنے دیگر اساتذہ کرام سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، رخصت کے وقت ناچیز دفتر تعمیر حیات میں حاضر ہوا تو مولانا نے مجھے حضرت کا وہ پیغام پڑھنے کے لئے دیا جو مربی جلیل حضرت مولانا علی میاں مدظلہ العالی نے ندوی برادری کے نام دیا ہے، پیغام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ساتھ ہی ساتھ اپنی کوتاہیوں پر بڑی شرمندگی ہوئی۔ اس کے بعد سلام و دعا کے بعد حضرت نے فرمایا کہ جنوبی ہند کے سفر میں بھی اپنے احباب سے تعمیر حیات کا تعارف کرائیں میں نے کہا ضرور۔ اس کے بعد جنوبی ہند کے لئے روانہ ہو گیا لکھنؤ سے سب سے پہلے پونہ پہونچا، پونہ میں اپنے احباب کے پاس چند دن تک قیام رہا اسی دوران ہم نے اپنے احباب سے

(باقی صفحہ ۳۳ پر)



رابطۂ عالمِ اسلامی مسلمانوں کی وہ باوقار عالمی بین الأقوامی تنظیم ہے جو تقریباً رُبع صدی سے دعوت الی اللہ اور مسلمانوں کے مسائل کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔ اِس کی اَساس ۱۹۶۲ء میں رکھی گئی۔ ہیڈکوارٹر مکۂ مکرمہ میں ہے۔ روزِ اوّل ہی سے اِس تنظیم کا مقصد یہی رہا ہے کہ دعوت کے میدان کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے۔ تاکہ پوری دنیا میں اسلامی تعلیمات کا رواج ہو۔ لوگ اسلامی شریعت کی پاکیزگی اور اُس کی شستگی سے واقف وآگاہ ہوں۔ چنانچہ اِسی تنظیم کی طرف سے اِسی مقصد کی تکمیل کے لیے دنیا کے مختلف گوشوں میں ہزاروں داعی وعلَما بھیجے گئے، جن کی مخلصانہ کوششوں سے بہت سے خدا کے بندوں کو اسلام کی دولت ملی۔ اور آج بھی یہ تنظیم پوری تندہی کے ساتھ اپنی پُرانی روِش پر گامزن ہے بلکہ پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ اس کا دائرۂ عمل وسیع ہو چکا ہے۔

چوں کہ یہ تنظیم ایک بین اقوامی تنظیم ہے جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے اِس لیے دنیا کے مختلف ومتعدد ممالک کے اصحابِ علم وفضل اس کی رکنیت میں داخل ہیں۔ جو برابر اس کے اجلاس میں شریک ہوتے ہیں، اور مسلمانوں کے مسائل کے سلسلے میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔

اِس تنظیم کا پورا انتظام وڈھانچہ شورائی طریقے پر قائم ہے، اِس عہدے اس کے سب سے اعلیٰ عہدے ـــ جنرل سکریٹری ـــ کے منصب پر مختلف لوگ فائز ہوتے رہتے ہیں۔ اِس منصب کے لیے جس شخص کا انتخاب عمل میں آتا ہے اُس میں سعودیہ عربیہ کے شاہ کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سے یہ تنظیم وجود میں آئی ہے اُس وقت سے لیکر آج تک اس کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر پانچ لوگ فائز ہو چکے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

شیخ محمد سرور صبان۔
شیخ محمد صالح قزاز۔
شیخ محمد علی حرکان۔
شیخ عبداللہ عمر نصیف۔
شیخ احمد محمد علی۔

پانچویں جنرل سکریٹری شیخ احمد محمد علی تھے لیکن ابھی حال ہی میں شیخ کو معزول کرکے اُن کی جگہ پر اس کے چھٹے جنرل سکریٹری شیخ عبداللہ بن صالح عبید کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ چنانچہ اس کی تنفیذ کے لیے ۸ر شعبان ۱۴۱۶ھ کو سعودیہ عربیہ کے مفتیٔ عام کی صدارت میں رابطے نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں رابطے کے ارکین اساسی کو دعوت دی گئی اور اُن کی موجودگی میں مفتیٔ عام نے شاہ فہد کی طرف سے جنرل سکریٹری کے عہدے کے لیے شیخ عبداللہ بن صالح عبید کی نامزدگی کا اعلان کیا۔ تمام اراکین نے اتفاق کا اظہار کیا۔ منتخب جنرل سکریٹری نے سعودیہ عربیہ کے شاہ ملک فہد اور تمام اراکین کا شکریہ ادا کیا۔ اِس موقع پر سعودیہ کے اسلامی اوقاف کے وزیر شیخ عبداللہ بن عبد المحسن ترکی نے نو منتخب جنرل سکریٹری کو مبارکباد دی اور اُن کے سابقہ کارناموں کو سراہا۔ جلسے کے اختتام پر سعودیہ کے مفتیٔ عام شیخ ابن باز نے حاضرین کو خطاب کیا۔

نو منتخب جنرل سکریٹری کے بارے میں چند اہم ومفید معلومات:

موصوف منطقہ قصیم کے مقام بدائع میں ۱۳۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۳۸۸ھ میں محمد سعود ریاض اسلامی یونیورسٹی سے بکالوریس کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۳۹۲ھ میں اقوامِ متحدہ کے اوکلاھوما یونیورسٹی سے اخلاقیات وتربیت کے موضوع پر ماجستر کی ڈگری حاصل کی۔ اور اسی یونیورسٹی سے مذکورہ موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی اور ۱۳۹۹ھ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

موصوف کی عملی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔ چنانچہ ۱۳۸۳ھ میں مقام زلفی میں تعلیمِ بنات کی ذمے داری سنبھالی۔ پھر ۱۳۸۴ھ میں وزارتِ دفاع وطیران کے عہدے پر فائز ہوئے۔ شاہ فیصل کالج میں عربی زبان کے استاد بھی رہے۔

۱۴۰۱ھ میں حرمین شریفین کے امور کی دیکھ ریکھ کے لیے معاون کی حیثیت سے تعین کیا گیا۔ ۱۴۰۳ھ میں مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے نائب صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر سال بھر کے بعد اسی جامعہ کے صدر بنا دئے گئے۔ سالِ رواں کے ماہ ربیع الاوّل تک اِسی عہدے (صدارت) پر برقرار رہے یہاں تک کہ اب جدید تبدیلی کے بعد رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔

[illegible]

محمد عمر خان ندوی

شعبان المعظم کے اخیر عشرہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں سالانہ امتحانات حسب معمول سکون و اطمینان کی فضا میں اپنی انتہا کو پہنچے پانچ شوال تک کے لیے تعطیل کا اعلان ہوگیا، اور طلباء ہنسی خوشی اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

چھ شوال کو دار العلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا قدیم و جدید دونوں ہی قسم کے طلباء کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا، تقریباً ڈیڑھ ماہ کے سناٹے کے بعد دار العلوم میں پھر سے چہل پہل شروع ہوگئی اور دار العلوم کی فضا قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونجنے لگی۔

دار العلوم کا ثقافتی ہفتہ

گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی حضرت مہتمم صاحب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ایماء پر دار العلوم میں طلباء کے سامنے ان کی ضرورت اور تعلیمی سال کے آغاز کی مناسبت سے عشاء بعد مختلف موضوعات پر اساتذہ کرام کی تقریریں ہوتی رہیں ان تقریروں میں طلبہ کو ان کا مقام و مرتبہ بھی یاد دلایا جاتا رہا۔

پہلے دن تمہیدی طور پر مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کی تقریر ہوئی اس کے بعد موضوعات کے اعتبار سے تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا سب سے پہلے جناب مولانا شمس الحق صاحب ندوی نے "ندوۃ العلماء کی تاسیس کا مقصد اور اس کے امتیازات و خصوصیات" کے موضوع پر نہایت جامع تقریر کی جو طلباء کے لیے ندوۃ العلماء کے مقصدِ تاسیس کے اعتبار سے بالخصوص جدید طلبہ کے لیے چشم کشا تھی۔

اس کے بعد استاد گرامی مولانا عبد القادر صاحب ندوی نے بدلتے ہوئے عالمی حالات اور مدارس کا کردار کے موضوع پر تقریر کی، مولانا نے اپنی تقریر کا آغاز کلام پاک کی آیت تبارك الذی بیدہ الملك الخ سے کیا، اس کے بعد فرمایا کہ:

دنیا کی جتنی درسگاہیں ہیں وہ خدا کی طرف سے ایک نعمت ہیں لیکن آپ کا یہ ادارہ (ندوۃ العلماء) دو حیثیتوں سے قابل قدر ہے کیونکہ یہ صرف دینی تعلیم و تربیت کا ادارہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک دبستان فکر اور جدید حالات کی روشنی میں دعوتی ادارہ بھی ہے۔

مولانا نے یورپ امریکہ کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آج ساری دنیا یورپ و امریکہ کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہتی ہے حالانکہ آج وہاں انسانیت ذلت و نکبت کی اس پستی تک پہنچ چکی ہے جس کا تصور کرنا ناممکن ہے اس کے بعد استاد محترم مولانا محمد عارف صاحب ندوی نے "مادر علمی ندوۃ العلماء میں ہم اپنا وقت کس طرح گذاریں" کے موضوع پر نہایت جامع تقریر کی۔

مولانا نے طلباء کو وقت کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ:

جتنے طلباء یہاں آئے ہیں خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید وہ سب یہ سمجھیں کہ یہ ہمارا نیا تعلیمی سال ہے وہ یہ طے کریں کہ وہ اپنا وقت فضول ضائع نہیں کریں گے، ہر کام وقت پر کریں گے اور دار العلوم کی طرف سے جو پابندیاں ان پر عائد کی جائیں گی، وہ اس پر عمل پیرا ہوں گے پھر ان شاء اللہ خدا بھی انہیں ضائع نہیں کرے گا۔

دار العلوم کے یہ پروگرام برابر اسی طرح جاری تھے، طلباء ہر روز نئی نئی باتوں اور نئے نئے تجربات سے مستفید ہو رہے تھے۔

انہی ایام میں دار العلوم میں ایک بزرگ مہمان (مولانا سعید الحسن صاحب) کی تشریف آوری ہوئی ان سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ اپنے کلمات سے طلباء کو مستفید فرمائیں۔ چنانچہ انھوں نے بخوشی اسے منظور کیا۔

مولانا طلباء کی توجہ علم کے ساتھ عمل کرنے کی طرف مبذول کراتے ہوئے فرمایا کہ: صرف جاننا ضروری نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے جب تک عمل نہ ہو اس وقت تک علم حقیقی حاصل نہیں ہوگا مولانا نے فرمایا کہ تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تمہیں ہزاروں لاکھوں انسانوں میں سے انتخاب کرکے یہاں بھیجا ہے۔ اس لیے تمہیں اس کی قدر کرنا چاہیے اور ساری دنیا کے لیے نمونہ بننا چاہیے۔ مولانا کی تھوڑی دیر کی گفتگو کا طلباء پر کافی اثر ہوا۔

آخر میں طلباء دار العلوم کے ... جناب مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ندوی ازہری نے دین و شریعت کے لیے ادب عربی کا سیکھنا ضروری کیوں ہے؟ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

مولانا نے اس اہم موضوع کو اس انداز سے بیان کیا کہ گویا سمندر کو کوزہ میں بند کردیا ہو۔

مولانا نے فرمایا کہ انسان کو اللہ نے درحقیقت آخرت کے لیے پیدا کیا، تخلیق انسانی کا مقصد اساسی آخرت ہے، اور حصول آخرت کے لیے نوع انسان کو اعمال کا مکلف بنایا اور اعمال کی حقیقت سے آشنائی علم کے بغیر نہیں ہو سکتی، اور علم کی اساس قرآن و حدیث پر ہے اور یہ تمام عربی زبان میں ہے لہٰذا بدیہی طور پر اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کما حقہ دین و شریعت پر

باقی صفحہ ۳۰ پر

بقیہ: حج کے آداب

ترجمہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا کہ جب حاجی حلال مال کے ساتھ حج کو نکلتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر کہتا ہے لبیک اللّٰھم لبیک۔ تو فرشتہ بھی آسمان سے (اس کی تائید اور تقویت میں) لبیک وسعدیک کہتا ہے (یعنی تیرا لبیک کہنا مقبول ہے) وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تیرا توشہ بھی حلال ہے، تیری سواری بھی حلال ہے (کہ حلال مال سے حاصل ہوئے) اور تیرا حج مبرور ہے (جس کا بیان فصل اول حدیث ۱۲ میں گذر چکا ہے) اور کوئی وبال تجھ پر نہیں اور جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ آسمان سے کہتا ہے کہ نہ لبیک نہ سعدیک یعنی تیری لبیک مقبول ہے تیرا توشہ حرام ہے تیرا خرچہ حرام ہے تیرا حج معصیت ہے یہ حج مبرور نہیں۔

ف:۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور لبیک کہتا ہے، تو اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ تیری لبیک نہیں یہ مردود ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حج تیرا مردود ہے یعنی مقبول نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا حج لپیٹ کر اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص حرام کمائی کے ساتھ حج کو جائے اس کا سفر اللہ کی اطاعت میں نہیں ہے اور جب وہ سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ نہ لبیک نہ سعدیک۔ تیری کمائی حرام تیرا لباس حرام (کہ حرام کمائی سے تیار ہوا) تیری سواری حرام تیرا توشہ حرام تو ایسے حال میں لوٹ کہ تجھ پر وبال ہے اور برائی کا مژدہ لے ساتھ لیتا جا اور جب آدمی حلال مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ بھی اس کے ساتھ لبیک وسعدیک کہتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری کمائی حلال ہے تیرا لباس حلال ہے، تیری سواری حلال ہے تیرا توشہ حلال ہے حج مبرور کے ساتھ واپس ہو تجھ پر کوئی وبال نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا تو صفا مروہ کے درمیان وہ لبیک کہتے ہوئے دوڑ رہے تھے کہ آسمان سے آواز آئی لبیک عبدی انا معک (میرے بندے میں بھی لبیک کہتا ہوں اور تیرے ساتھ ہوں) یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے۔ (در منثور)

حضرت زین العابدینؓ کا قصہ فصل اول میں گذر چکا ہے کہ جب احرام باندھا تو لبیک کہنے کے وقت چہرہ زرد ہو گیا اور بدن پر کپکپی آگئی اور لبیک نہ کہہ سکے کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کے جواب میں "لا لبیک" نہ کہہ دیا جائے کہ تیری لبیک معتبر نہیں۔ اگرچہ فقہا کے نزدیک حج فرض اس سے بھی ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا اور اس حرام کا گناہ مستقل علاحدہ رہتا ہے ہم لوگ اس میں بہت تساہل اور غفلت کرتے ہیں اپنی قوت اور زور کے گھمنڈ پر دوسروں کے مال پر ظلم سے قبضہ کر لیتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے ہیں کہ کس کی مجال ہے جو ہم سے مطالبہ کر سکے یا ہم پر الزام قائم کر دے لیکن کل جب ہر مظلوم قوی ہوگا اس وقت اپنے اس ظلم کی حقیقت واضح ہوگی جب ایک دانق جو تقریباً دو پیسے کے برابر ہوتا ہے اس کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں ادا کرنا پڑیں گی حالانکہ اتنی مقبول نمازیں شاید ہمارے پاس ہوں بھی نہیں لیکن فی دو پیسہ یہ ادائیگی قیامت میں کرنا پڑے گی (شامی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال ومتاع نہ ہو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مفلس تو وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں روزے وغیرہ لے کر آئے لیکن کسی کو دنیا میں گالیاں دی تھیں کسی پر تہمت لگائی تھی کسی کا مال کھا لیا تھا۔ کسی کو مارا تھا۔ قیامت میں اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس نے لے لیا کچھ اس نے لے لیا اور جب نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان مظلوم لوگوں کے گناہ اس کے ظلم کی بقدر لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر جب نیکیاں ختم ہو گئیں اور گناہ اپنے علاوہ دوسروں کے بھی سر پڑ گئے تو اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس کے ذمہ کسی دوسرے کا حق ہو، آبرو ریزی کا ہو یا کسی اور قسم کا وہ آج دنیا میں معاف کرالے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں روپیہ پیسہ آدمی کے پاس نہ ہوگا اگر کوئی نیک عمل اس کے پاس ہے تو اس سے ظلم کا بدلہ ادا کیا جائے گا اور اس کے پاس نیک عمل نہیں ہے تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت زمین کسی دوسرے کی ظلم سے چھین لے گا قیامت کے دن وہ حصہ سات زمینوں تک طوق بنا کر اس ظالم کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ) اس کا جتنا بوجھ اور وزن گردن پر پڑے گا وہ ظاہر ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ سورج گرہن کی نماز پڑھ رہے تھے اس میں حضورؐ کے سامنے جنت اور دوزخ کے احوال ظاہر ہوئے تو حضورؐ نے جہنم میں ایک عورت کو دیکھا جس نے کسی بلی کو دنیا میں باندھ رکھا تھا اور اس کے کھانے کی خبر گیری میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا تھا کہ نہ اس نے اس کے کھانے کی خبر رکھی اور نہ اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ اپنے آپ زمین پر گری پڑی چیزوں سے پیٹ بھر لیتی۔ (مشکوٰۃ)

جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں اور ان پالنے والوں کو اپنے کاروبار میں خیال بھی نہیں رہتا۔ ایک حدیث میں حضورؐ پاک کا ارشاد ہے کہ قیامت میں بدترین شخص

وہ ہے جو دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہونچائے (مشکوٰۃ) کہ دوسرے نے کسی پر ظلم کیا آپ تعلقات کے زور میں اس کے حامی بن گئے جس سے دنیا کا نفع تو اس کو حاصل ہوا اور آخرت اس کے ساتھ انکی بھی برباد ہوئی اسی لئے نہایت اہتمام سے ایسے امور سے بچنا چاہئے اور ہر وقت اس کی فکر چاہئے کہ معلوم کب موت آجائے اور یہ وبال سر پر رہے بالخصوص سفر حج کو جاتے وقت بہت اہتمام سے ان امور سے پاکی حاصل کرے کہ طویل سفر ہے نہ معلوم واپسی مقدر ہے یا نہیں۔

(بقیہ) حج کی حقیقت

پھر ہاتھ باندھ کر معروضہ پیش کرے پھر سر جھکا کر تعظیم کرے اور پھر زمین پر ماتھا رگڑ کر اپنی نیازمندی اور عجز کا اظہار کرے اور آقا کی بڑائی کا زبان سے اقرار کرتا رہے۔ اور کوئی قول و فعل اس کی بڑائی اور اپنے عجز کے خلاف نہ ہو اس نوع میں سکون و وقار کی جتنی پابندی کی جائیگی وہ اس کے شایان شان ہوگا اسی لیے نماز کے لیے بھاگ کر چلنا مکروہ ہے۔ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے بھی انگلیوں میں انگلیاں ڈالکر بیٹھنا مکروہ ہے نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے بے ضرورت کھانسنا مکروہ ہے حتیٰ کہ ادھر اُدھر نظر کرنا مکروہ ہے بے ترتیب یعنی ملبوزدلی ہیئت سے کپڑا پہننا مکروہ ہے ایسے ہی بدن پر کپڑا لٹکانا مکروہ ہے یہ عبادت نماز میں بات کرنے سے ضائع ہوجاتی ہے وضو ٹوٹ جانے سے جاتی رہتی ہے حتیٰ کہ بے اختیار اور بے ارادہ بھی ہنس پڑنے سے ضائع ہوجاتی ہے حتیٰ کہ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اُٹھ جانے سے ضائع ہوجاتی ہے اس لیے کہ یہ بھی سکون اور وقار کے خلاف ہے حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ دوسرا تعلق محبت اور عشق کا ہے کہ وہ مربی ہے منعم ہے محسن ہے اور جمال و کمال کے جتنے اوصاف ہوسکتے ہیں ان سب کے ساتھ متصف ہے ادھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق و محبت کا مادہ موجود ہے۔

بیاد مولانا سیّد محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

نہیں سید محمد مرتضیٰ ہر چشم گریاں ہے
کہ دل اس رحلتِ جاں کاہ پر سب کا پریشاں ہے

نہیں وہ ناظم خوش نظم و خوش اخلاق و خوش طینت
تو اب شبلی کتب خانہ یہ لگتا ہے کہ ویراں ہے

وہ تھا چشم و چراغ خانہ جعفر علی بے شک
تعلم کا یہ گلشن جن کی خدمت سے گلستاں ہے

رفیقِ بوالحسن، صدیق و ثانی کا تھا ہم مکتب
جہاں میں جن کا علم و فضل اور تقویٰ نمایاں ہے

بہت سی خوبیاں ایسی تھیں اس مردِ مجاہد میں
کہ جن کا معترف ندوے کا یہ سارا گلستاں ہے

خدا کا نیک بندہ جاملا ہے اپنے خالق سے
کہ انساں دارِ فانی میں تو بس کچھ دن کا مہماں ہے

اٹھا سایہ عمیر و خالد و عمار کے سر سے
عبید اللہ کی ہر آرزو بھی خوں میں غلطاں ہے

محمد اجتبا غمگین، عبد اللہ رنجیدہ
سعید و طاہرہ کو بھی الم بے حد و پایاں ہے

الٰہی صبر دے مرحوم کی بیوی خدیجہ کو
کہ اب تیرے سوا دنیا میں اس کا کون نگراں ہے

یہ صالح خانوادہ منسلک ہے سید احمدؒ سے
عمل میں اس لئے تقویٰ ہے، دل میں خوف یزداں ہے

محمد مرتضیٰ کے خوشنما اعمال کا بدلہ!
یقیناً خلد میں قربِ شہنشاہ و رسولاں ہے

دعائے مغفرت پر ختم کرتا ہوں کلام اپنا
یہ مرحومین کے حق میں شعارِ اہل ایماں ہے

گذارش مکرر: والد معظم جناب مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ کی ذمہ داری دارالعلوم کی طرف سے مختلف اور متنوع اسفار، اور بعض اہل تعلق حضرات کے فرزندان و اعزہ کی دوران تعلیم دارالعلوم میں نگرانی اور سرپرستی کی وجہ سے مختلف افراد اور اداروں سے مالی لین دین رہا کرتا تھا۔ قارئین تعمیر حیات اور تمام اہل تعلق حضرات سے درخواست ہے کہ اگر ان میں سے کسی کا یا ان کے علم میں کسی ادارہ یا فرد کا والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ سرکاری یا ذاتی کوئی حق نکلتا ہو تو ہمیں براہ راست یا بذریعہ تعمیر حیات مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، ہم سب ان کے ممنون ہوں گے اور انشاء اللہ ادائیگی کی سعادت حاصل کریں گے۔

محمد عبید اللہ الاسعدی و برادران

(بقیہ) شب و روز

حل کرنے کے لیے عربی زبان و ادب کا سیکھنا نہایت ضروری ہے۔

الحمد للہ دارالعلوم کا یہ ثقافتی پروگرام حسن و خوبی اپنی انتہا کو پہونچا اور اب باقاعدہ تعلیمی گھنٹوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔

اس اثنا میں حضرت مولانا مدظلہ العالی دارالعلوم ہی میں قیام پذیر رہے کہ مگر طبیعت ناساز رہی ضعف بہت رہا اس لیے ابھی تک مولانا مدظلہ کی تقریر نہیں ہوسکی

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ مذہبی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۱۰ اپریل ۱۹۹۶ء مطابق ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ | شمارہ نمبر ۱۱

زر تعاون

سالانہ ـــــ ۱۰۰ روپئے

فی شمارہ ـــــ پانچ روپئے

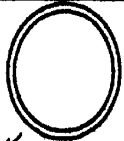
بیرونی ممالک فضائی ڈاک۔

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک

ـــــ ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک۔

بحری ڈاک جملہ ـــــ ۱۰ ڈالر



اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔



خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــ مینجر

حامد

خط وکتابت کا پتہ

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر و پبلشر شاہد حسین نے پارکھ آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا



اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال

اسباب و محرکات

جب ہم بدیسیوں کے محکوم تھے تو بہت ذلیل و رسوا تھے، بدیسی ہم کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، حقیر و بے وقوف سمجھتے تھے، ہمارے ساتھ ہر طرح کا توہین آمیز سلوک روا رکھتے تھے، جب ان کو یہ خیال ہوتا کہ یہ ہندوستانی اگر متحد ہوکر ہمارے خلاف ہو گئے تو پھر ہمارا بستر گول ہو جائے گا، اس وسیع و شاداب ملک سے نکل کر پھر اپنے ملک کے تنگ دائرہ میں پہونچ جائیں گے، لہٰذا وہ ہم کو آپس میں لڑانے کی اسکیم تیار کرتے اور لڑاتے رہتے اور خود قاضی اور منصف بن جاتے، انھوں نے ہم کو خوب لڑایا، خوب مارا، خون خرابہ کیا، ہماری عورتوں کی عزت لوٹی، جوانوں کو موت کی نیند سلایا، اس لئے کہ وہ انسان نما درندے تھے، اپنی درندگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے انھوں نے ایسی تاریخ گڑھی جس میں انسانیت کا پیام سنانے والوں کو درندہ ثابت کیا گیا۔

وہ اپنی اس چال میں کامیاب رہے اور نہ صرف یہ کہ وہ یہاں کے باشندوں کو لڑاتے اور حکومت کرتے رہے بلکہ انھوں نے ہمارے اندر سے محبت و یگانگت کو ختم کرنے کے لئے ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس میں محبت و انسانیت کا شائبہ تک نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون بھی بہاتے رہے، ذہنی و فکری لحاظ سے بھی دنائت و پستی کے گہرے غار میں گرتے چلے گئے، مسلسل سو سال تک پٹتے رہنے کے بعد ہم میں کچھ ایسے افراد پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے ہم وطنوں کو بیدار کرکے آزادی کی جنگ شروع کی، جنگ نے طول پکڑا، بہت قربانیاں دینی پڑیں، جیلیں بھریں، تختہ دار پر بھی چڑھے اور بہتوں کے تو گھروں تک کو گرا کر ان پر ہل چلوا دیا گیا، مگر اہل ہند کی غیرت جاگ اٹھی تھی، اس لئے اب کوئی طاقت ان کو دبا نہیں سکتی تھی، بالآخر یہ قربانیاں رنگ لائیں اور بدیسیوں کو ملک چھوڑ کر جاتے ہی بنی مگر وہ نہایت ہی مکار تھے جاتے جاتے بھی وہ ہم پر ایسا وار کر گئے کہ اس کی ٹیس سے ہم آج تک تلملا رہے ہیں اور زخم ہے کہ کسی طرح مندمل ہوتا نظر نہیں آتا۔ وہ وار تھا ملک کو ہندوستان و پاکستان کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا، اتنا تو سب لوگ جانتے ہیں، اور یہ کہانی پندرہ اگست کی تمام ملکی تقریبات اور اخبارات میں ضرور ہی دہرائی جاتی ہے۔

لیکن سب سے بڑا نقصان جو وہ ہمیں پہونچا گئے اس کو کم ہی لوگ محسوس کرتے ہیں حالانکہ یہ وہی نہ مندمل ہونے والا زخم ہے جس سے مسلسل خون بہہ رہا ہے اور جو ہمیں کسی طرح چین و قرار نہیں لینے دیتا، اور وہ ہے گمراہ کن تعلیمات اور اپنی تہذیب کے ذریعہ ہمارے اندر ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج بو دینا چنانچہ ان کے عہد حکومت سے ہم ہندو مسلم اور مندر و مسجد کے نام پر برابر لڑتے رہے اور ان کے جانے کے بعد اس سے کہیں زیادہ خون بہایا جا چکا ہے پہلے یہ بات بڑی حد تک مسلمانوں ہی تک محدود تھی جن کو وہ اصل فریق بنا گئے تھے۔

کچھ اہل نظر اور درد مند حضرات نے برادران وطن کو مطمئن کرنے، سمجھانے بجھانے کی پوری کوشش کی، انسانیت کا سبق پڑھایا مگر چونکہ ان بدیسیوں کے جادو سے انسانیت گہری نیند سو چکی تھی، اس لئے یہ آوازیں صدا بہ صحرا ثابت ہوئیں جس کا یہ نتیجہ ہونا ہی چاہئے تھا کہ مظلوموں کی آہ دلوں کو مردہ بناتی جائے اور ان کا محبت و انسانیت کو ختم کرتی جائے اور اس حال تک پہونچا دے کہ مختلف ذات و برادریوں کے نام پر جھگڑے شروع ہو جائیں، زبان و علاقائیت کے نام پر انسانی خون بہایا جائے، اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر صرف اپنی ذات اور مفاد یاد رہے چاہے پورا ملک ڈوب جائے اس کی کوئی فکر نہ ہو، جس کو ہم اس وقت کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ اب ہمارا ملک بگاڑ کے اس درجہ کو پہونچ گیا ہے کہ جگہ جگہ مختلف عنوانوں سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہے، ملک کا ہر سے بڑا آدمی اپنے کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہے جو لوگ حفاظت کے لئے مقرر ہوتے ہیں وہ تک ناقابل اعتبار ہوتے جا رہے ہیں، وجہ وہی ہے کہ جب یہ محافظ بے معصوم و بے گناہ، سادے اور بھولے بھالے لوگوں کو مار رہے تھے اور ان کا خون چوس رہے تھے تو ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا، ان کی کوئی تربیت

نہیں کی گئی، ان کے دلوں میں کوئی اخلاقی ضابطہ نہیں باقی رہا، کہنے والے کہتے رہے کہ یہ کھیل اچھا نہیں ہے، یہ درندوں کی حرکتیں ہیں مگر ساری سنی ان سنی کردی گئی اور افسوس یہ ہے کہ اب بھی خطرہ انھیں سے محسوس کیا جارہا ہے جن کے آباؤ اجداد نے اس ملک کو سنوارا اور محبت و بھائی چارگی کا سبق پڑھایا ہے یہاں حق و صداقت کا پرچار کیا ہے، لیا کچھ نہیں دیا بہت کچھ ہے۔

اب وہ آگ جو کسی خاص طبقہ کے گھر کو جلاتی تھی اب پورے ملک کو جلاکر راکھ بنا دینا چاہتی ہے، اس سے پہلے کہ ہر گھر میں آگ لگے ہم اپنے حالات کو تبدیل کریں اپنے اندر سے کھوئی ہوئی محبت و انسانیت کی دولت کو پھر سے زندہ کرلیں، تاریخ میں ایسا بار بار ہوا ہے کہ مظلوموں پر جب ظلم کی حد نہ رہی تو مظلوموں کو جلانے والی آگ نے ظالموں کو بھی جلاکر رکھ دیا ہے، آسمان والے نے تاریخ میں بار بار اس طرح اپنی کبریائی قدرت اور بے نیازی کو ظاہر کیا ہے تاکہ بعد میں آنے والے انسان اس سے سبق لیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یمن کا بادشاہ بڑا ظالم تھا وہ خود کو سارے انسانوں سے برتر سمجھتا تھا حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، اور خدائے برحق کے ماننے والوں کو سخت سزائیں دیتا تھا لیکن جو لوگ خلوص دل کے ساتھ اس کائنات کو بنانے والے ایک خدا پر ایمان لاچکے ہوتے تھے وہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے چنانچہ ظلم و جور کی داستانوں کے ساتھ یہ نقوش بھی بہت روشن و نمایاں طور پر تاریخ میں موجود ہیں کہ خدائے برحق پر ایمان رکھنے والے جان قربان کردیتے ہیں مگر اپنے دین و عقیدہ سے دست بردار نہیں ہوتے، اپنی قدروں پر آنچ نہیں آنے دیتے چاہے خود جل جائیں۔

چنانچہ جب یمن کے لوگوں نے بادشاہ کے حکم کو ٹھکرا دیا تو اس نے خندقیں کھدا کر ان میں آگ جلوائی اور اپنے مخالفوں کو اس میں جھونکنا شروع کردیا جلنے والے جلتے رہے اور جلانے والے ان کے جلنے کا تماشا دیکھتے اور لطف اٹھاتے رہے، مگر پھر ظلم کی یہ آگ چاروں طرف پھیل گئی اور پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور سب کو جلاکر خاک کردیا بادشاہ بھاگا اور آگ سے بچنے کے لئے سمندر میں کود پڑا، ملک جل کر خاک ہوگیا اور بادشاہ ڈوب مرا، قرآن کریم نے اس واقعہ کو مختصراً اس طرح بیان کیا ہے"

"قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ الخ"

ہمارے ملک میں جو فضا بنائی گئی ہے اور جو حالات پیدا ہو رہے ہیں، یہ ہر ذی عقل و ہوش کے کان کھڑا کردینے کے لئے بالکل کافی ہیں، اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ازبس ضروری ہوگیا ہے کہ ہنگامی اور ایمرجنسی کے طور پر ملک کے تمام باشندوں میں انسانیت کو بیدار کیا جائے۔ انسانیت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ نہ ہندو ہوتی ہے نہ مسلمان (بلکہ وہ انسانی فطرت و جبلت ہوتی ہے جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے) اگر اس کام کی طرف جلد توجہ نہ کی گئی تو ہمارا ملک ایک مرتبہ پھر آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر بھسم ہو جائے گا، تاریخ پر نظر رکھنے والے پکار پکار کر کہتے رہے کہ حالات کو تبدیل کیجئے، اپنے اندر بیٹھے ہوئے راکشش کو نکالئے مگر نہیں سنا گیا نہیں مانا گیا، اب وہ اندر کا راکشش نت نئے روپوں سے سامنے آرہا ہے، اور بدامنی و بے اطمینانی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا بڑھتا جارہا ہے، اہل ملک کے دلوں سے اس راکشش کو نکالنے اور اس میں محبت و انسانیت اور دوستی و بھائی چارگی کو بٹھانے کی کوشش کیجئے ورنہ ہم وہاں پہونچ جائیں گے جہاں رونے کو آنسو نہ ملیں گے اور ملک کی فضا لے بسیط میں یہ آواز گونجے گی۔

"فما بکت علیهم السماء والارض"

تو ان (کرتوتوں کے سبب ان مٹا لے جانے والوں) پر زمین و آسمان بھی نہ روئے۔

حمد شریف

مشیر رامپوری

ہے دعا تجھ سے یہ توفیق خدا دے ہم کو
اپنے محبوب سی جینے کی ادا دے ہم کو
خواب غفلت میں ہیں بدمست جگا دے ہم کو
بغض و نفرت سے جہالت سے چھڑا دے ہم کو
ہم گنہگار سہی پھر بھی ہیں بندے تیرے
بھٹکے ہیں راہ سے منزل پہ لگا دے ہم کو
پینے سے جس کے مسیحا بھی شفایاب ہوئے
وہ دوا عشق محمد کی پلا دے ہم کو
گھیرے ہیں کفر کی گھنگھور گھٹائیں یارب
شمع توحید و رسالت کی ضیا دے ہم کو
ملک و ملت بھی ہے تفریق کی لعنت کا شکار
بھائی چارے و محبت کی فضا دے ہم کو

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات، اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(١) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(٢) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر مکمل نام و پتہ کے ساتھ خریداری نمبر کا حوالہ دینے سے کارروائی میں جلدی اور آسانی ہوتی ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

دعوتِ ایمان اور پیامِ انسانیت

دعوت کی خاصیت

دوستو اور بھائیو! آج میں آپ کی خدمت میں دو باتیں عرض کروں گا۔ ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح اشیاء میں خاصیتیں پیدا کی ہیں اور وہ ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں برسوں سے چلی آرہی ہیں، زمانہ میں کتنے انقلابات آئے، سلطنتوں کے چراغ گل ہو گئے، کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں خلیج عربی کا کوئی وجود نہ تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبھی شام اور ہندوستان کی سرحد ایک تھی، مصر اور ہندوستان کی تہذیب میں جو مماثلت پائی جاتی ہے ان کے عقائد میں بلکہ مزاج تک میں جو اشتراک ہے اس سے لوگوں نے اندازہ کیا ہے کہ کسی زمانہ میں مصر و ہندوستان قریب تھے اور یہ ایک تختہ تھا جو یہاں سے وہاں تک چلا گیا تھا یہ سب انقلابات ہوئے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اشیاء میں جو خصوصیات رکھی تھیں وہ آج تک چلی آرہی ہیں، پانی آگ بجھاتا ہے، آگ جلاتی ہے، سنکھیا اور زہر کی جتنی قسمیں ہیں وہ کام تمام کر دیتی ہیں، سردی گرمی کے وہی اوصاف ہیں اور انسانوں کو کھانے کی ضرورت ہزاروں لاکھوں برس سے ہے، غرض ہمیشہ سے پایا جاتا ہے، انسان کے لئے اس کے ماحول میں جو چیزیں رکھ دی گئی ہیں ان سے اس کا تعلق بہت قدیم ہے، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اخلاق میں، اعمال میں اور معنویات میں تاثیر رکھی ہے۔ ایمان میں اس نے جلانے تعلق کی صفت رکھی ہے اپنی یاد میں، اپنے ذکر اور اپنی عبادت میں، توجہ میں جو خصوصیت رکھی ہے وہ لاکھوں برس سے ہے اور اگر ابھی دنیا کے مقدر میں ہزاروں برس باقی رہنا ہے تو یہ خاصیت رہے گی۔

تاریخ کی کسی ایک شہادت سے نہیں معلوم ہوتا کہ ان اخلاق، اعمال اور عقائد کی خاصیت کسی زمانہ میں کچھ اور تھی، تاریخ تو کیا بتاتی کوئی صحیفۂ آسمانی بتاتا کہ توحید میں جو خاصیت ہے وہ کبھی شرک میں تھی جو نیک اعمال میں خاصیت ہے کبھی بداعمالی میں تھی، جو ہمدردی میں خاصیت ہے وہ کبھی بے دردی میں تھی، جو عدل میں خاصیت ہے وہ کبھی ظلم میں تھی کوئی آسمانی صحیفہ یہ نہیں بتاتا، توریت ہو، انجیل ہو، صحف ابراہیم ہوں، زبور ہو اور پھر آخری صحیفہ قرآن مجید ہو، سب یہی بتاتے ہیں کہ ایمان میں توحید میں، نیک اعمال میں، عبادات میں، عدل میں، انصاف میں، ہمدردی میں محبت میں یہ ہے، جب یہ حقیر اشیاء جو انگلیوں سے مسلی جا سکتی ہیں، پیروں سے روندی جا سکتی ہیں انہیں استعمال کر کے انسان نہایت خراب حالت میں پہونچ سکتا ہے جن کو جانور چر جاتے ہیں، کھا جاتے ہیں، جن کو پانی بہالے جاتا ہے ان میں یہ خاصیت ہے تو وہ چیزیں جو خدا سے اور اس کی ذات عالی سے تعلق رکھتی ہیں ان میں یہ خاصیت کیوں نہ ہو گی۔

صفات میں تغیر پیدا کیجئے

میرے دوستو اور بزرگو! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے اور آپ کے لئے دنیا میں نجات کا، عزت کا اور حفاظت کا راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم خدا کے پیغمبروں کی تعلیمات پر چلیں اور اپنے اندر وہ صفات پیدا کریں جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے "وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ"

بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے بے شک ہمارے ہی لشکر کی مدد کی جائے گی۔

وہ اخلاق پیدا کریں جو دلوں کو کھینچتے ہیں، جو دشمنوں کو دوست بناتے ہیں، ہمارے اندر سچی ہمدردی پیدا ہو بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا ہو، ہمارے اندر درد پیدا ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے ہم اپنے اندر سے حسد کو نکال دیں، کینہ کو نکال دیں، خود غرضی کو نکال دیں، ہماری سطح بلند ہو جائے، ہم مال و دولت کے پرستار نہ ہوں ہم نوکریوں اور آسامیوں کے عبادت گزار نہ ہوں، ہم عروج و اقبال، طاقت و دبدبہ اور اقتدار کے پجاری اور غلام نہ ہوں، ہم ابن الوقت اور موقع پرست نہ ہوں، ہم پیسہ پر جان دیتے اور جان لیتے نہ ہوں، یہ اخلاق اگر ہم اپنے اندر پیدا کر لیں گے تو سارے عالم کی کیفیت بدل جائے گی اور ہم خدا کے محبوب بن جائیں گے اور پھر آسمان سے صدا آئے گی کہ مجھے اپنے فلاں بندہ سے محبت ہے تم بھی اس سے محبت کرو، اس سے بڑھ کر کوئی اکسیر، اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر، پیغمبر سے لے کر اولیاء اللہ تک اور اولیاء اللہ سے لے کر عام مسلمانوں تک نہ کبھی تھی اور نہ کبھی ہو گی، کوئی سیاسی رہنما کوئی دنیا کا فلسفی اور دانشور آپ کو اس سے بہتر مشورہ نہیں دے سکتا اور کسی کے مشورہ سے آپ کو وہ فائدہ نہیں ہو سکتا جو آپ کو خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے سے ہے۔ یہ عالم بہت وسیع ہے اور اس کثرت میں اتنا انتشار ہے اور اس میں اتنی چیزیں اتنی اکائیاں پھیلی ہیں کہ آپ ان کو سمیٹ بھی نہیں سکتے، آپ ایک شہر کی ایک محلہ کی بھی اکائیوں کو نہیں سمیٹ سکتے، اس کثرت میں اگر آپ وحدت پیدا کریں، اس کثرت میں اگر اس ذات واحد سے آپ کا تعلق پیدا ہو جائے اور اس کو آپ اپنا بنا لیں تو پھر سارا عالم آپ کا بن جائے گا۔ صفات میں جب تک تغیر نہ ہو گا حالات میں تغیر نہ آئے گا آپ

اپنی صفات میں تغیر پیدا کیجئے، اپنی افادیت ثابت کیجئے اور اس لئے ثابت نہ کیجئے کہ آپ کو فائدہ ہو بلکہ آپ مجسم افادیت بن جائیے، ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، ثابت کرنا بھی ایک طرح کا تصنع ہے، نہیں آپ مفید بن جائیے یہ نہ دیکھئے کہ دوسروں نے آپ کو مفید مانا یا نہیں، پانی کب کہتا ہے کہ میں پیاس بجھاتا ہوں، کیا آپ نے کبھی سنا ہے پانی کے وکیل آئے ہوں، پانی کے مبلغ آئے ہوں، پانی کے سفیر آئے ہوں کہ پانی یہ کہتا ہے کہ میں بہت کام کی چیز ہوں مجھے پینا چاہئے مجھ سے پیاس بجھتی ہے؟ آگ نے کبھی کہا تھا یا اپنا سفیر بھیجا تھا کہ میں کھانا پکاتی ہوں، میں بہت کام نکالتی ہوں، یہ سب بے زبان چیزیں ہیں یہ نہ کبھی بولی ہیں اور نہ بولیں گی مگر ان کی افادیت مسلم ہے، ساری دنیا ان کی پابند اور محتاج ہے، ایسے ہی مسلمان کسی ملک میں بھی محبوب بن کر رہنا چاہتے ہیں تو اپنی صفات میں تغیر پیدا کریں۔ تمام سیرت کی کتابیں اور تاریخ کی کتابیں اس کے دلائل سے بھری ہوئی ہیں، آپ نے بارہا یہ ایمان افروز واقعات سنے ہیں میں صرف دو واقعات سناتا ہوں۔

داعی کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی

ایک واقعہ تو وہی دجلہ والا ہے جب مسلمان مدائن فتح کرنے کے لئے دجلہ کے قریب پہونچے تو مدائن کا شہر سامنے تھا لیکن پل توڑ دیئے گئے تھے، کشتیاں وہاں سے ہٹادی گئی تھیں، مسلمانوں کے لئے اس کے پار کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، آپ کو معلوم ہے کہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے عرب دنیا میں گھوڑے کے سب سے بڑے شہ سوار تھے لیکن پانی سے ان کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا یہ پیرنا کیا جانیں، اور سمندر بھی ہر جگہ نہیں ہے، صرف ساحل عرب پر ہے، جو اس کے قریب رہتے ہیں اور وہ بھی اکثر کشتیوں پر بیٹھنے کے عادی ہوا کرتے ہیں، عام طور پر تو عرب کچھ بھی جانتے ہوں لیکن پیراکی سے ناواقف تھے، اب سوال یہ ہے کہ مدائن اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ سامنے ہے مگر اس میں جایا کیسے جائے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وہاں لشکر چند منٹ کے لئے روکا اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، میں یہ واقعہ کئی بار ذکر کرچکا ہوں، لکھ چکا ہوں، مگر اس سے بہتر واقعہ تاریخ عالم میں نہیں مل سکتا اور یہ ایسی بولتی ہوئی کہانی ہے، سچا واقعہ ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی تو انھوں نے حضرت سلمان کی طرف دیکھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ انھوں نے کہا "ایھا الامیر" اے ہمارے قائد! میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے "ان ھٰذا الدین لجدید" اللہ کا یہ دین اس کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے یہ ابھی ابھی آیا ہے دنیا کو نجات دینے کے لئے، میری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس کا بیڑا یہیں غرق ہوجائے جس کام کے لئے بھیجا جائے وہ کام پورا نہ ہو بشرطیکہ بھیجنے والا قادر ہو، آپ نے اپنے نوکر کو بھیجا اور آپ کی حکمرانی ہے، آپ کا سکہ چل رہا ہے تو کیا مجال ہے کہ کوئی آپ کے نوکر کو روکے یا راستہ ہی میں اس کا کام تمام کردے، تو انھوں نے کہا یہ دین ابھی تازہ ہے، اسے ابھی دنیا میں آئے کتنے دن ہوئے ہیں اور اس کے نمائندے ڈوب جائیں؟ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ کہیں لشکر میں گناہ تو عام نہیں ہوگئے ہیں۔ لشکر میں گناہ کا رواج تو نہیں ہوگیا ہے؟ بس انھوں نے یہ کہا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے لشکر پر ایک نگاہ ڈالی، وہ نگاہ بھی کیا نگاہ تھی اور وہ لشکر بھی کیا لشکر تھا کہ اس کی صورتوں سے معصومیت ٹپکتی تھی، اور وہ نگاہ بھی کیا نگاہ تھی جو ایک نظر میں سب کا جائزہ لے لے، آج جانے کے لئے کیسے کیسے محکمے قائم ہیں پھر بھی اس کا پتہ نہیں چلتا ہے اور انھوں نے ایک مرتبہ دیکھا اور کہا بسم اللہ چلو! بس سب نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور نہایت اطمینان سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے کسی صحابی کا ایک برتن گرگیا لوگوں نے انھیں طعنے دیئے کہ آپ کا برتن گرگیا؟ انھوں نے کہا کہ جائے گا کہاں اس کی مجال کیا ہے، ایک لہر آئی اور برتن بہتا ہوا ان کے پاس آگیا، انھوں نے اسے اٹھالیا، ان کے اطمینان کی اس وقت یہ حالت تھی لکھا ہے کہ اس طرح باتیں کررہے تھے کانھم یمشون فی البرّ ایسا پتہ چل رہا تھا جیسے خشکی پر چل رہے ہوں، جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا دیواں آمدند، دیواں آمدند یہ تو دیو آرہے ہیں دیو آرہے ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت عقبہ بن نافع کا ہے جب وہ قیروان گئے اور وہاں چھاؤنی ڈالنے کا ارادہ کیا کہ یہاں سے بیٹھ کر سارے شمالی و مغربی افریقہ کو فتح کریں اور جگہ ان کو پسند آئی تو لوگوں نے کہا یہ جگہ مناسب نہیں ہے، شیر، چیتے، بھیڑیئے بہت ہیں جو بھی جانور رہے ہوں، شیر کا نام تو خاص طور پر لیا اور بھی جانور رہے ہوں گے، تو کہا آپ یہاں چھاؤنی نہ چھائیں آگے چھائیں، معقول بات تھی اور معمولی بات تھی، اللہ کی بڑی زمین پڑی ہوئی تھی لیکن صحابہ کرامؓ کا ذہن ہی اور تھا وہ حالات کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے تھے، حالات کو اپنے موافق بناتے تھے، انھوں نے کہا ہم تو جو اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں چلے جائیں اور یہ شیر اور چیتے ہیں رہیں؟ رہنا تو اسے چاہئے جس کی ضرورت ہو، اس لئے یہ تو الٹی بات ہوئی کہ ہم کہیں بھائی یہ جگہ مناسب نہیں ہے آگے چلو، اور شیر کون سا مفید کام کررہے ہیں، یہ کون سا اللہ کا پیغام پہونچا رہے ہیں، یہ بھیڑیئے کون سے مفید ہیں اس لئے ہم نہیں جائیں گے، ان کو جانا چاہئے اور یہ کہہ کر انھوں نے ایک آدمی کو بلایا، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، افسانہ نہیں ہے اور عرب ایرانیوں اور ہندوستانیوں کی طرح تاریخ میں افسانہ لکھنے کے بالکل عادی نہیں ہیں، تاریخ بالکل سچی لکھتے ہیں جبھی تو حدیث محفوظ رہی، تو انھوں نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا دیکھو اعلان کرو کہ اے شیرو اور اے چیتو! بھلا ہی کہنا گھبرانا نہیں، تم کو اس سے بحث نہیں کہ وہ سنتے نہیں اور بے زبان ہیں، ایسے ہی کہنا اے شیرو! اے چیتو! اے بھیڑیو!

اسے تہدید دو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ہم یہاں چھاؤنی چھانا چاہتے ہیں، ہم یہاں بیٹھ کر اللہ کا پیغام پہونچانا چاہتے ہیں اور اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، جن کو اپنی جان پیاری ہو فلاں وقت تک مہلت ہے چلا جائے اور اگر وہ رہے گا تو اس کی جان کی خیر نہیں، لوگوں نے کہا د اللہ العظیم ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چیتا بھاگا چلا جا رہا ہے، اور اس کی مادہ اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے ہے، بغل میں دبائے ہے اور بھاگی چلی جا رہی ہے تھوڑی دیر میں میدان صاف.

یہ تھا ان کا طریقہ، انھوں نے ایک بار خدا کے حکم سے تغیر پیدا کیا اور اس کے بعد اس پر ثابت قدم رہے. ان کا طرز عمل یہ نہیں تھا کہ حالات کا تقاضہ یوں ہے تو یوں ہو جاؤ پھر تقاضا یوں ہو تو یوں ہو جاؤ، فلاں پارٹی جوائن کر لو، وہ دَل بدلی نہیں کرتے تھے اور دِل بدلی بھی نہیں کرتے تھے، نہ وہ دِل بدلتے تھے اور نہ دَل بدلتے تھے، ایک دِل اور ایک دَل، یہ صفات میں تغیر تھا۔

ہندوستان میں ہمیں کس طرح رہنا ہے

مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر ہندوستان میں رہنا ہے، عزت کے ساتھ رہنا ہے، محبوبیت کے ساتھ رہنا ہے تو یہ لڑتے بھڑتے کب تک رہیں گے، یہ حالت جنگ کہاں تک قائم رہے گی کہاں تک یہ شکوے شکایت کہ ہمیں چھیڑتے ہیں، جیسے بعض بچے ہوتے ہیں، احساس کمتری کے مریض ہوتے ہیں، وہ چلاتے ہیں ہمیں چھیڑتے ہیں، دیکھئے ہمیں چھیڑتے ہیں، بعض کسی چیز سے چڑھتے ہیں، یہ ایک نفسیاتی مرض ہے اس میں خبط سا ہو جاتا تھا کہ دیکھئے بچے چھیڑ رہے ہیں، کوئی کریلے سے چڑھتا ہے اور کوئی جلیبی سے چڑھتا ہے، کوئی کسی نام سے چڑھتا ہے اور بچے اسے چھیڑتے ہیں، تو ہم کب تک ہندوستان میں نعرے لگاتے رہیں گے کہ بچے ہمیں پریشان کرتے ہیں، یہاں کی صورت یہ ہے کہ ایک تو اپنے اندر صفات میں تغیر پیدا کریں آپ اپنے اندر ایمان پیدا کریں، عمل صالح پیدا کریں، اخلاق حسنہ پیدا کریں جیسے ہمارے دوست ناصر العبودی نے بڑی اچھی بات کہی کہ اگر آپ کے اخلاق درست ہیں، اور آپ کے معاملات درست ہیں تو لوگ آپ کو دیکھ کر کہیں گے کہ ان کا دین بھی اچھا ہے، اور انھوں نے یہ بات بھی خوب کہی تھی کہ اکثر لوگ سطحی نظر کے ہوتے ہیں، زیادہ گہرائی میں نہیں جاتے، وہ آدمی کو دیکھتے ہیں، کتاب پڑھنے کی کسے فرصت ہوتی ہے، یہاں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے، انھوں نے خواجہ معین الدین چشتی کو دیکھا تھا، خواجہ معین الدین چشتی قطعاً مصنف نہ تھے، چشتی حضرات یہ کہتے ہیں کہ خواجہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ہمارے بزرگوں نے کتاب نہیں لکھی نہ جس کتاب کی نسبت خواجہ معین الدین چشتی کی طرف ہے وہ صحیح، نہ جس کتاب کی نسبت خواجہ قطب الدین کعکیؒ کی طرف ہے وہ صحیح، نہ جس کتاب کی نسبت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی طرف ہے وہ صحیح، تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی کتاب نہیں لکھی، ان حضرات نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ اور تقریر و خطابت کے ذریعہ دلوں کو نہیں جیتا، انھوں نے اپنے اخلاق سے جیتا ہے، قربانی سے ایثار سے، کسی سے جیتنے والے تھے جیت سکتے تھے لیکن ہار مان لی، دب گئے، غصہ پی گئے، گالی سن لی، کسی نے لوٹ لیا، چوری کی تو اس کو معاف کر دیا، غریب کا بچہ اور رونے لگے، اس کو سینہ سے لگا لیا، دوسروں کو کھلا کر خود کھایا، یا بھوکے رہے، یہ اخلاق تھے جنھوں نے دلوں کو کھینچا ہے اور انھیں اخلاق نے، انھیں صفات نے انڈونیشیا میں بھی اپنا کام کیا ہے، سارا انڈونیشیا عرب تاجروں کے اخلاق دیکھ کر یا صوفیائے کرام کی روحانیت دیکھ کر مسلمان ہوا اور آج تک کوئی سراغ نہیں لگا سکا کہ انڈونیشیا میں یا چین میں کوئی اسلامی لشکر گیا ہو، اسلامی لشکر ان دور دراز مقامات تک گیا ہی نہیں اور آج دیکھ لیجئے ہندوستان میں جن مقامات پہ سات سو برس تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی وہاں آج تک مسلمان اقلیت میں ہیں، یہ آپ کو یو پی کا صوبہ، مدھیہ پردیش کا صوبہ، بہار کا صوبہ اور راجستھان بھی ان سب جگہوں میں اسلامی حکومت قائم رہی، خاص دلی میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے، لیکن مسلمان اکثریت میں کہاں ہیں؟ کشمیر میں ہیں جہاں ایک اللہ کا بندہ، امیر کبیر سید علی ہمدانی تشریف لائے اور سارا کشمیر ان کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گیا، اسی طرح بنگال ہے خاص طور پر مشرقی بنگال سارا کا سارا صوفیائے کرام کے حساب میں ہے۔

تو اخلاق بدلنے کی ضرورت ہے یعنی یہ کہ آپ خوف لے کر کھڑے ہوں اور اپنے درمیان بھی داعی بنیں، مسلمانوں کو آپ تبلیغ کریں تاکہ آپ کی بات کا مسلمانوں میں وزن ہو اور آپ مسلمانوں پر اثر انداز ہو سکیں اور مسلمانوں میں اصلاح کی رو چلے، تعلق باللہ کی رو چلے، ان کے اخلاق درست ہوں وہ نمونہ بنیں، تو پہلے تو مسلمانوں میں ضرورت ہے پھر مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ بجائے علمی انداز میں تبلیغ کرنے اور اس طرح دعوت دینے کے کہ آؤ مسلمان ہو جاؤ، اپنے اخلاق سے ان کے قلب میں، ان کے دل میں جگہ پیدا کرنی چاہئے اور ہمدردی کا جذبہ کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہ ملک ڈوب نہ جائے.

طفلانہ ذہنیت

اب مسلمانوں کی ذہنیت ایسی ہو گئی ہے کہ کوئی سیلاب بھی آ جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں چلو اچھا ہوا جتنی ہی پریشانی ہو ٹھیک ہے، کہیں آگ لگ جاتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اب ایسی ذہنیت پست ہو گئی ہے کہ اگر کرکٹ میں، ہاکی میں ملک کی ٹیم ہار جائے تو خوش ہوتے ہیں اور کسی اسلامی ملک کی ٹیم جیت جائے تو خوش ہوتے ہیں، یہ بالکل طفلانہ ذہنیت ہے، اس سے کام نہیں چلے گا، یہی ہمدردی آپ کے اندر پیدا ہونی چاہئے کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس سے ہمیں ہمدردی ہو، دیکھئے اگر آج ہمارے اسلاف کرام نے اس ملک کو نہ بنایا ہوتا، نہ سنوارا ہوتا تو آج ہم اس ملک کو

باقی ص ۱۳ پر

معاشرہ کی اصلاح سے متعلق کچھ ضروری باتیں

مولانا شاہ محمد برہان الدین سنبھلی استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سب واقف جانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس کی تعلیمات وہدایات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں پیدائش سے لے کر وفات تک جتنے مراحل آتے ہیں ان سب کے لیے احکام وضوابط موجود ہیں، اس وقت ان تمام احکام کا بیان اور پیش کرنا مقصود نہیں صرف اس حصہ کا ذکر مقصود ہے جو شادی بیاہ، طلاق ووراثت وغیرہ سے متعلق ہے، جسے عام طور پر "عائلی نظام" کہتے ہیں، کیونکہ آج کل ان کی خلاف ورزی عام ہو رہی ہے جس کے نتیجہ میں مسلمان دنیا میں بھی سخت پریشانی کا شکار ہو رہے ہیں اور آخرت میں بھی باز پرس اور سزا کا خطرہ ہے۔ عائلی قوانین کی پابندی نہ کرنے کی ایک وجہ مسلمانوں کی ان قوانین سے لاعلمی بھی ہے اس لیے بھی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ان کا مختصر انداز میں تذکرہ کرکے عام مسلمانوں کو باخبر کیا جائے۔ اس قسم کے قوانین (عائلی قوانین) کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے تنہا یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن مجید کی چھ سورتوں۔ بقرہ، نساء، نور، احزاب، ممتحنہ، اور طلاق میں تقریباً چالیس آیتوں کے اندر یہ بیان ہوئے ہیں اور ان احادیث نبویہ کا تو شمار بہت مشکل ہے جن میں اس قسم کے احکام وہدایات دی گئی ہیں۔ ان میں جو بہت اہم ہیں ان پر علیحدہ علیحدہ یہاں گفتگو کی جا رہی ہے۔

نکاح:۔ سب سے زیادہ شرعی قوانین کی خلاف ورزی۔ بلکہ پامالی۔ نکاح یعنی شادی بیاہ کے موقع پر کی جاتی ہے اور عجیب قابل افسوس بات ہے کہ شادی کے موقع پر ہر ایک عزیز کو راضی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حتیٰ کہ ملازموں، خادموں اور نوکروں کو بھی۔ مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے بجائے شرعی احکام کی خلاف ورزی کرکے ناراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے موقع پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی پوری کوشش کی جاتی (خواہ اس کے نتیجہ میں کوئی بھی ناراض ہوتا) شادی کے موقع پر، عورت (دلہن) پر شرعاً کوئی خرچ لازم نہیں ہے، نہ جہیز، نہ بارات کو کھانا کھلانا نہ باراتیوں کی خاطر مدارت کرنا۔ بلکہ لڑکے (ہونے والے شوہر، دولہا) کی یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے، ہونے والی بیوی (دلہن) یا اس کے سرپرستوں (باپ وغیرہ) سے جہیز کا یا بارات کو کھانا کھلانے کا یا ان کی خاطر مدارات کرنے کا مطالبہ کرنا اور انھیں اس پر مجبور کرنا۔ شرعاً ممنوع ہے، اگر بارات کے لیے کھانے یا ناشتہ کا۔ لڑکی یا اس کے سرپرستوں نے جبراً انتظام کیا تو اس کا کھانا کسی باراتی یا دولہا اور اس کے رشتہ داروں تک کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ (حدیث شریف میں ہے:

لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ) اسی طرح اگر فرمائش کرکے جہیز لیا گیا یا نقد رقم لی گئی تو وہ بھی مرد (دولہا) کے لیے جائز نہیں، نہ اس کا استعمال کرنا جائز ہے بلکہ شرعاً اسے واپس کرنا ضروری ہوگا۔ نکاح کے وقت جو اور بہت سی رسمیں۔ غیر مسلموں کے دیکھا دیکھی مسلمانوں میں رواج پاگئی ہیں ان سے بھی بچنا چاہیئے مثلاً گانا، باجا، "وڈیو" کا استعمال غیر محرم مردوں اور عورتوں کا ایک ساتھ بیٹھنا اٹھنا، کھانا پینا۔ غیر محرم مردوں کے سامنے عورتوں کا بے حجاب سامنے آنا وغیرہ، عقد نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چند مسلمانوں۔ کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو چونکہ دلہن (عورت) گھر کے اندر ہوتی ہے۔ اس لیے ایک اس کی منظوری لے کر آئے (ایجاب کرائے) اور اس وقت دو اور مردوں کو وہاں موجود رہنا چاہیئے تاکہ وہ ایجاب کی تصدیق کر سکیں۔ اور ضرورت پڑے تو گواہی دے سکیں۔ اجازت لینے والا شخص دولہا کے پاس آکر دلہن کے ایجاب کو پہونچائے اور اسی مجلس میں دولہا اسے قبول کرے۔ نکاح (ایجاب وقبول) کے وقت خطبہ پڑھنا بھی مسنون ہے فرض نہیں ہے، (خطبہ کے بغیر بھی دو مردوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو جانے سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے) نکاح ہونے کے بعد کھجور یا چھوارہ تقسیم کرنا بھی مستحب ہے۔ نکاح کے وقت ہی مہر مقرر ہو جانا چاہیئے، جو نہ بہت کم ہو کہ جس سے عورت کی بے وقعتی ظاہر ہو اور نہ اتنا زیادہ کہ جس کا ادا کرنا شوہر کے لیے ناممکن ہو، مہر کی ادائیگی یا کم از کم اس کے کچھ حصہ کی ادائیگی فوراً ہو جائے تو بہتر ہے۔ آجکل چونکہ روپیہ کی قیمت بہت جلد جلد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے (گھٹتی زیادہ ہے) اس لیے اچھا یہ ہے کہ مہر سونے یا چاندی کی متعینہ مقدار میں مقرر کیا جائے ویسے کسی بھی مالیت رکھنے والی چیز (خواہ غلہ ہو، جائداد ہو، کپڑا ہو، یا اور کوئی قیمتی چیز ہو، بشرطیکہ متعین کی جا سکتی ہو) کا مہر مقرر کیا جا سکتا ہے، مہر کا ادا کرنا دوسرے قرضوں کی طرح ضروری ہے، مہر

ادا کرنے کی جلد سے جلد کوشش کرنی چاہیئے۔ عورت کی طرف سے رسمی اور دکھاوے کی معافی سے مہر معاف نہیں ہوتا۔ ہاں واقعتاً خوش دلی سے۔ بغیر کسی دباؤ اور دھونس کے وہ معاف کر دے تو معاف ہو سکتا ہے نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا گیا ہے۔ اس میں اضافہ اور کمی بھی زوجین کی حقیقی رضامندی سے ہو سکتی ہے نکاح کے بعد زوجیت کا عملی تعلق قائم ہو جانے، یعنی صحبت کے بعد ولیمہ کرنا مسنون ہے، اس میں نام و نمود اور دکھاوے کے لیے بہت سے لوگوں کو بلا کر کھلانا شرعاً پسندیدہ نہیں بلکہ بہ آسانی (بلا قرض لیے) جتنے لوگوں کو کھلایا جا سکے کھلا دیا جائے، غریبوں اور ناداروں کو اس میں ضرور دعوت دی جائے کیونکہ کھانے کی جس دعوت میں صرف مالداروں اور دولتمندوں کو بلایا جائے، غریبوں کو چھوڑ دیا جائے اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین دعوت قرار دیا ہے۔

زوجین کے حقوق و فرائض

بیوی کے تمام اخراجات، کھانا، کپڑا، رہائش شوہر کے ذمہ ہیں خواہ بیوی کتنی ہی دولتمند ہو اور چاہے شوہر غریب ہو، بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی (بلا وجہ اس کی دل شکنی نہ کرنا) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اسے معقول اور مناسب وجہ کے بغیر ڈانٹ ڈپٹ کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ اس کے عزیزوں بالخصوص والدین کو بھی نامناسب انداز میں یاد کرنا جس سے بیوی کی دل آزاری ہو شرعاً ممنوع ہے، اس کی جائز اور مناسب باتوں پر روک ٹوک کرنا درست نہیں البتہ ناجائز اور نامناسب باتوں پر روک ٹوک کرنی چاہیئے مثلاً بے پردہ گھومنے پھرنے، غیر محرم کے سامنے آنے سے منع کرنا چاہیئے۔ کہنا نہ ماننے پر تنبیہ بھی کی جا سکتی ہے۔

بیوی کے ذمہ ہے اپنے شوہر کی ہر جائز کام میں اطاعت کرنا اور اسے خوش رکھنا ہے، اس کے مال اور اولاد کی نگہداشت کرنا بھی بیوی کی ذمہ داری ہے خاص طور پر جبکہ شوہر موجود نہ ہو (سفر وغیرہ پر گیا ہو)۔ اُس وقت بیوی کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ خلاف شرع کام کرنے پر ہر ایک دوسرے کو ٹوک سکتا ہے (مگر مناسب انداز میں اور فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے) کسی خلاف شرع کام میں اطاعت نہ کی جائے چاہے اس پر شوہر ناراض ہی ہو، مثلاً شوہر اگر غیر محرم کے سامنے آنے کے لیے اپنی بیوی سے کہے تو بیوی اس کی یہ بات نہ مانے۔ دونوں ایک دوسرے کی دلجوئی کی کوشش کرتے رہیں اور دل آزاری سے بچیں۔ ایک دوسرے کے عیبوں کو حتی الامکان چھپائیں۔

تعلقات خراب ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے

خدانخواستہ اگر میاں بیوی میں سے کسی کو دوسرے سے شکایات پیدا ہو جائیں تو انھیں آپس میں ہی دور کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اس بارے میں شوہر کو اپنی بیوی سے اگر شکایات ہیں تو وہ بیوی کو پہلے سمجھائے بجھائے اس سے بھی شکایات دور نہ ہوں اور بیوی کے نامناسب رویہ میں تبدیلی نہ آئے تو وہ کچھ عرصہ کے لیے بیوی کی خوابگاہ سے علیحدہ سوئے، اس سے بھی کام نہ چلے تو ہلکی تنبیہ کر سکتا ہے۔ یہ علاج بھی کارگر نہ ہو تو دونوں (میاں بیوی) کے قریبی رشتہ دار درمیان میں پڑ کر صلح صفائی کرانے اور دونوں کے تعلقات درست کرانے کی پوری کوشش کریں، یہ تدبیر بھی دونوں کے تعلقات خوشگوار بنانے میں بے اثر ثابت ہو۔

طلاق کب اور کیسے دی جائے؟

تو پھر صرف ایک طلاق دی جائے وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ عورت پاک ہو اور اس سے قریب زمانہ میں اسی پاکی کے زمانہ میں صحبت نہ کی ہو، اگر یہ پہلی صریح طلاق ہے (یا دوسری) تو عدت پوری ہونے سے قبل تک شوہر کو حق رہتا ہے کہ وہ، نیا نکاح کیے بغیر ہی جب چاہے اسے بیوی بنالے، مثلاً وہ اس کے ساتھ اس طرح کا کوئی عمل کرے جو بیوی ہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے یا زبان سے کہہ دے کہ میں پھر بیوی بناتا ہوں، یا اس جیسی کوئی اور بات کرے جس سے دوبارہ ازدواجی تعلقات قائم ہونے کا پتہ چلتا ہو۔ عدت مکمل ہونے کے بعد اس شخص کے لیے یہ عورت بالکل اجنبی ہو جائے گی جیسے کہ نکاح سے پہلے تھی البتہ عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرکے بیوی بنا سکتا ہے (جس طرح پہلے نکاح کرکے بیوی بنایا تھا) عوام میں یہ غلط مشہور ہو گیا ہے کہ "تین سے کم طلاق ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ بیوی ہی رہتی ہے" حالانکہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا عدت ختم ہونے کے بعد ایک طلاق دینے سے بھی وہ عورت بالکل غیر اور اجنبی ہو جاتی ہے۔ البتہ تین طلاقیں دینے سے۔ خواہ ایک ساتھ دی گئی ہوں یا الگ الگ، دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہرگز تین طلاقیں نہ دی جائیں تین طلاقیں ایک ساتھ دینا بہت بڑے گناہ کی بات ہے اس سے دینی اور دنیاوی دونوں نقصانات پہنچتے ہیں اس لیے اس سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔

طلاق کے اسباب دور کرنے کی کوشش

عام طور سے معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے طلاق دے دی جاتی ہے، حالانکہ معمولی بات پر دفعتہً ایک طلاق دینا بھی گناہ ہے، طلاق دینے سے پہلے وہ تدبیریں کرنی چاہیئں جن کا ذکر ابھی ہوا۔ آجکل شرعی احکام سے غفلت اور بے دینی کی وجہ سے مردوں۔ بالخصوص نوجوانوں میں نشہ (ڈرگ) کی بری عادت بھی طلاق کا اکثر سبب بن جاتی ہے اور لاٹری (جو درحقیقت شرعاً جوا ہے) کے ٹکٹ خریدنے اور معمّہ حل کرنے کے لیے فیس جمع کرنے جیسے اخراجات بڑھ جانے سے بہت سے شوہر اپنی بیویوں کے واجب حقوق ادا نہیں کر پاتے اس لیے بھی طلاق کی کثرت ہو رہی ہے ان اسباب سے جو خود اپنی جگہ بڑے گناہ ہیں اور خداوند تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والے

ہیں۔ سب سے پہلے بھرپور کوشش کرنی چاہیے تاکہ دنیا و آخرت کی بربادی سے بچا جاسکے۔ شریعت نے شوہر اور بیوی دونوں کے انتخاب کے لیے دینداری کو سب سے زیادہ اہم اور قابل ترجیح وصف بتایا ہے، اس لیے شادی کے وقت ہی اس وصف کا خیال کیا جائے۔ اگر دیندار سے شادی ہو تو بہت سکون رہے۔

طلاق کے بعد شوہر کی ذمہ داریاں

طلاق : خواہ ایک دی ہو یا زیادہ، کے بعد عدت ختم ہونے تک مطلقہ (طلاق شدہ) عورت کے تمام ضروری اخراجات (کھانا، کپڑا، رہائش) طلاق دینے والے کے ہی ذمہ رہتے ہیں۔ البتہ تین طلاق کے بعد اس مطلقہ عورت کا طلاق دینے والے سے پردہ ضروری ہوجاتا ہے۔ اگر طلاق دینے والے کے گھر میں، طلاق دینے والے سے مطلقہ کے پردہ کا اہتمام نہ ہوسکتا ہو یا اس سے کسی قسم کا خطرہ ہو تو مطلقہ عورت کہیں اور محفوظ جگہ۔ مثلاً اپنے میکہ منتقل ہوسکتی ہے۔ اگر طلاق دینے والے شوہر سے اس مطلقہ کے چھوٹے بچے ہیں تو یہ چھوٹے بچے (لڑکا سات سال کی عمر تک اور لڑکی بالغ ہونے تک) اپنی والدہ (مطلقہ عورت) کے پاس پرورش پانے کے حقدار ہوں گے۔ اور ان بچوں کے تمام اخراجات باپ پر یعنی طلاق دینے والے پر ہی ہوں گے۔ اگر یہ مطلقہ بچوں کی ماں بچوں کی پرورش کی خاطر اپنا نکاح کسی اور شخص سے نہیں کرتی ہے تو وہ جب تک پرورش کرتی رہے گی اس کے اور ان کے بچوں کے تمام ضروری اخراجات بچوں کے باپ کے ذمہ رہیں گے۔ ہاں اگر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے گی تو پھر اس کا بچوں کی پرورش کا حق ختم ہوجائے گا۔

ترکہ کی تقسیم

مسلمانوں کے اندر جن شرعی احکام کی خلاف ورزی کا رواج بڑھ گیا ہے ان میں غالباً سب سے زیادہ ترکہ کی تقسیم کے حکم کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اور یہ برائی نماز، روزہ، جیسے شرعی احکام کے پابند بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ (یہ اور تکلیف دہ اور افسوسناک بات ہے) حالانکہ ترکہ شرعی مستحقین میں تقسیم کرنا بھی دیگر فرائض کی طرح ایک اہم فریضہ ہے۔ خود قرآن مجید میں اسے "فریضہ" قرار دیا گیا ہے۔ اور ترکہ سے متعلق تفصیلی احکام بھی قرآن مجید کے اندر (سورۂ نساء میں) بیان ہوئے ہیں۔ عام طور پر اس بارے میں کوتاہی، عورتوں کو۔ بالعموم مرنے والے کی بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ سے محروم رکھ کر کی جاتی ہے، کسی بھی ترکہ کے مستحق کو ترکہ نہ دینا اور اس کا حصہ دبالینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کا مال غصب کرلینا یا زبردستی چھین لینا۔ اس کا استعمال غیر مستحق کے لیے حرام ہے اور حرام مال استعمال کرنے والے کے نماز، روزے بھی قبول نہیں ہوتے۔ خوف آخرت کے پیش نظر ترکہ کے مسائل جاننے والے کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرکے تمام شرعی مستحقین تک ترکہ پہونچایا جائے، اس حکم کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں بہت سی دنیاوی مشکلات سے بھی دوچار ہو رہے ہیں، مثلاً غیر مسلموں کی طرح بہنوں بیٹیوں کو ترکہ نہ دینے کے رواج کی ہی یہ نحوست معلوم ہوتی ہے کہ غیر مسلموں ہی کی طرح مسلمانوں میں بھی جہیز اور تلک جیسی برائیاں عام ہوتی جارہی ہیں اور اس کے نتیجہ میں بہت سی جوان لڑکیاں رشتوں سے محروم رہ جاتی ہیں، اور پھر بعض تو اخلاقی خرابیوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں بلکہ غیر مسلموں تک سے شادی کرکے اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں (اعاذنا اللہ منہ)

لڑکیوں یا بہنوں کی شادی بیاہ میں ہونے والے اخراجات سے ان کا ترکہ میں استحقاق و حصہ ختم نہیں ہوتا اور نہ جہیز دینے سے ترکہ والا حصہ ادا ہوجاتا ہے بلکہ ترکہ تو حساب لگا کر انہیں ان کا پورا حصہ دینے سے ہی ادا ہوگا۔ ورنہ شرعاً وہ ان لوگوں کے ذمہ باقی رہے گا جنہوں نے ترکہ نہیں دیا اور خود دبا رکھا ہے۔ (ان تمام مسائل کے دلائل اور مزید تفصیلات جاننے کے لیے دیکھئے راقم کی کتابیں "معاشرتی مسائل" شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ اور "موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل" شائع کردہ مکتبہ حرم لکھنؤ) اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو تمام شرعی احکام پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت کی فکر نصیب فرمائے۔

عشرۂ ذی الحجہ کا پیغام

مولانا محمد خالد ندوی

اسلامی تقویم کا آخری مہینہ عیدالاضحیٰ ہے جس کو عام طور پر بقرعید بھی کہا جاتا ہے، اس مہینہ کی آمد سے قربانیوں کا وہ عظیم تصور پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا شعار رہا ہے۔

انسانی عظمتوں کی معراج اس مہینہ کی عظیم قربانیوں سے وابستہ ہے، یوں تو پورا مہینہ خدا کی قدرتوں اور حکمتوں کی نیرنگیوں کا آئینہ دار ہے لیکن عشرۂ اولیٰ (شروع کے دس دن) کی عظمتوں کا کیا پوچھنا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں اس کے بندوں پر کس کس انداز میں سایہ فگن ہوتی ہیں اور اس کی نوازشیں کس کس عنوان سے اس کے دامن مراد کو بھرتی ہیں احادیث نبوی کے آئینہ میں ان کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یوں تو پورا عشرہ نہ صرف برکتوں سعادتوں سے بھرا ہوا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ایک ایسے عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ولولہ، انقیاد، تسلیم ورضا، ایثار وقربانی کی تاریخ وابستہ ہے، جو اپنی فطری تعلیمات اور اپنے پیغام کی دلکشی اور ہمہ گیری کی وجہ سے مسلمانوں ہی کا نہیں دنیا کی دیگر اقوام کا بھی پیشوا سمجھا گیا ہے۔

جہاں تک ان دنوں کی غیر معمولی خصوصیتوں کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات میں ان کا مقام بہت اونچا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں آیئے ان عظمتوں کی تحصیل کی کوشش کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس پیارے اسلوب میں ان عظمتوں کی نشاندہی فرمائی ہے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"اچھے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی دن ان دنوں سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔" (ترمذی)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

"ذی الحجہ کے دس دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب دنوں سے افضل ہیں، ان دنوں میں عبادت اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے لہٰذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے رہو، ذکر الٰہی بہت کرتے رہو، اور ان دنوں میں ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور نیکیوں کا ثواب سات سو نیکیوں تک ہے۔" (ترغیب وترہیب)

اس پورے عشرہ میں نویں تاریخ جسے عرفہ کہا جاتا ہے ایک خاص حیثیت کی حامل ہے، حدیث پاک میں ایک خاص انداز میں اس کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، پورے سال کے دن سے اس کو افضل قرار دیا گیا ہے اس خاص دن کے اعمال کی فضیلت نہایت ہی اثر انگیز انداز میں یوں بیان فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے:

"عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں سے بہت قریب ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور ان کے بابرکت اعمال کو فرشتوں کے سامنے رکھتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے فرشتو! دیکھو یہ ہیں میرے بندے۔"

اس کے روزے کے متعلق ارشاد گرامی ہے:

"جو شخص عرفہ کے دن یعنی (نویں ذی الحجہ کو) روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس روزے کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کی لغزشوں کا کفارہ بنا دے گا۔" (مسلم)

اسلام کا عظیم رکن حج اس کی ادائیگی کے لئے لاکھوں انسان اسی تاریخ میں میدان عرفات میں اپنے مالک کے حضور میں جمع ہوتے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں کبھی جبل رحمت کو دیکھتے ہیں اور اس تصور میں کھو جاتے ہیں کہ اسی تاریخ میں سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پہاڑی کے دامن میں اپنے ایک لاکھ سے زائد جاں نثاروں کے ساتھ وقوف فرمایا تھا، اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر دعائیں کی تھیں۔ لہٰذا حجاج کرام سر برہنہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں، غیر حجاج کے لئے اس دن روزے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اس تصور کا استحضار قائم رہے لہٰذا اس دن خاص طور پر روزوں کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ اس مہینہ کی ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ان چار تاریخوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ کی ان عظمتوں کا تصور کیجئے اور ان آیتوں کی تلاوت کیجئے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "والفجر ولیال عشر" اور قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی، اکثر مفسرین نے اس سے مراد ذی الحجہ کی ان دس راتوں کو لیا ہے، تو جس عشرہ کی خالق کائنات نے قسم کھائی ہو، اس کی عظمتوں کا کیا پوچھنا، لیکن افسوس کہ یہی عشرہ ہماری غفلتوں کا شکار ہو جاتا ہے، قربانی کے جانوروں کی خرید وفروخت، پلاؤ، زردہ، بریانی، قورمہ، سویاں اور دیگر اشیاء کی فراہمی میں ہمارا سارا وقت صرف ہو جاتا ہے اور ہم اس طرف

توجہ نہیں دینے پاتے، حالانکہ قربانی کا عظیم فریضہ جس کے سو تقبہ بکرا بکری کی شکل میں ذبح کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ پہلے اپنے نفس کی قربانی اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مضمر ہے اور وہی مطلوب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ"

ہرگز اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہونچتا تمہاری طاعت و انقیاد کا مظہر، تقویٰ خدا کے یہاں پہونچتا ہے

یعنی بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت اسی کو ملتی ہے اور روزہ سراسر اسی طاعت و انقیاد کے استحضار کا نام ہے "لعلکم تتقون" روزہ اس لئے فرض کیا گیا تھا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ اس آیت میں روزہ کے اسی استحضار کی معنویت اور اثر انگیزی کو بیان کیا گیا ہے اور قربانی سے پہلے اس عشرہ میں روزہ کی ترغیب دے کر انسان کو اس بلند مقام پر فائز کرنے کی عملی ترکیب بتادی گئی جہاں سے اس کی قربانیاں زمین پر خون گرنے سے پہلے مقبول ہو جاتی ہیں۔

اسلامی عید کا تصور بھی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبدیت کا تصور قائم ہو اپنے گناہوں کو یاد کیا جائے اور اپنے مالک کے احسانات عظیمہ کا شکر ادا کیا جائے، اس کے شکر کا طریقہ خانہ ساز نہیں، بلکہ اس نے خود فرمایا:

"ولتکبروا اللّٰہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون"

اور یہ اس لئے ہے تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور تاکہ تم شکر گذار بنو۔

یہی وجہ کہ عشرۂ ذی الحجہ میں کثرت سے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ نویں تاریخ کی صبح کی نماز سے تیرہویں تاریخ کی عصر کی نماز تک تکبیرات تشریق کا کہنا واجب قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ہر فرض نماز کے بعد امام و مقتدی خواہ منفرد ہی کیوں نہ ہو بلند آواز سے تکبیر کہیں گے۔ "اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد"۔ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ ہی کے لئے ساری تعریف ہے۔

مردوں کو بلند آواز سے اور عورتوں کو پست آواز سے کہنا واجب ہے، اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو بھی تکبیر کہے گا۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے:

"عید تو یہ ہے کہ انسان میں قبولیت و اطاعت اور عبادت الٰہی کے آثار پائے جائیں اور گناہوں کے کفارہ کے لئے کوشش کی جائے، برائیوں کو نیکیوں سے بدلنے کے لئے جد و جہد ہو، دل قوت ایمان اور یقین سے معمور ہو۔"

زبدۃ السالکین میں لکھا ہے:

"عید میں مومن اور کافر دونوں شریک ہوتے ہیں اور ہر ایک کے واسطے اپنی اپنی علاحدہ علاحدہ عید ہے، مومن کی عید تو رضائے الٰہی ہے اور کافروں کی عید لہو و لعب اور بے ہنگم خوشی ہے، مومن تو اپنی عیدگاہ کی طرف جاتا ہے اور اس کے سر پر تاج ہدایت ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں میں عبرت اور فکر کی علامت ہوتی ہے اور اس کے دل میں نور مغفرت ہوتا ہے، عاجزی و انکساری کا شیوہ ہوتا ہے۔"

حقیقت میں عیدین انھیں جذبوں کے فروغ کا اہم ذریعہ ہیں۔ لیکن کچھ غفلت و جہالت اور کچھ برادران وطن کی تقالی و مصاحبت نے اس جذبہ ہی کو سرے سے ختم کر دیا ہے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس جذبہ کو بیدار کیا کریں، اور عید الاضحیٰ کی آمد سے پہلے اس فکر کو جمعہ کے خطبوں کے ذریعہ عام کرنے کی کوشش کی جائے، اس سلسلہ میں ائمۂ عظام کو متوجہ ہونا چاہئے، اور خاص طور سے اس موقع پر بھی سادگی کا لحاظ رکھا جائے، نام و نمود، ریا اور ہر قسم کے دکھاوے سے پرہیز کیا جائے، بکرے کی خریداری میں بعض جگہوں پر متمول طبقے میں جو ایک دوڑ ہوتی دیکھی جاتی پائی جاتی ہے کہ فلاں کا بکرا پانچ ہزار کا ہے تو ہمارا بکرا دس ہزار کا ہوگا، اور اس میں اسراف کی حد تک اپنے قیمتی سرمایہ کو لگا کر ضائع کیا جاتا ہے۔ موجودہ حالات کی روشنی میں اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ جانور ایک دو ہزار میں اچھے مل جائیں گے اگر بقیہ پیسے سے کسی یتیم کی دادرسی، کسی بیوہ کی اشک شوئی ہو جائے تو یہ بڑا عظیم کام ہوگا۔ دنیا کی نظر میں اس کی واہ واہ شاید نہ ہو سکے لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کا بڑا اونچا مقام ہے۔

بقیہ:۔ دعوت ایمان

دکھانے کے قابل نہ ہوتے اتنے آدمیوں کو ہم نے دکھایا آپ ہماری نمائش گاہ میں جائیے دار العلوم میں جہاں نمائش ہال ہے وہاں دیکھئے کہ اس ملک کو ہمارے بزرگوں نے کیا دیا ہے اور اس ملک کو کیسا مالامال کر دیا، اگر ان کے اندر یہ جذبہ نہ ہوتا اور ہمیشہ ان کا ذہن مصائب سے خوش ہونے کا ہوتا کہتے کہ لعنت ہو اس سرزمین پر، ڈوب جائے یہ ملک، ہمارے ساتھ یہ ناانصافی ہوئی ہے، وہ ناانصافی ہوئی ہے، تو کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن انھوں نے اس ملک کو اپنا ملک سمجھا، اور اس ملک کی مخلوق کو اللہ کی مخلوق سمجھا الخلق عیال اللّٰہ، مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کی، اللہ کا پیغام پہنچایا اس کو انسان بنانے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ محبوب بن گئے، ہر دلعزیز بن گئے آنکھوں کا تارا بن گئے۔

(ماخوذ بہ رودادِ چمن)

صلہ رحمی

از: مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری

تلخیص: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

اس وقت ہمارا معاشرہ نہایت انتشار و بگاڑ کا شکار ہے اس بگاڑ کا ایک بہت بڑا بلکہ بنیادی سبب رشتوں کو توڑنا اور ایک دوسرے کی حق تلفی ہے اور رشتوں کو توڑنا اتنی خطرناک بات ہے کہ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ رشتہ کی فریاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تم کو کاٹے گا اور توڑے گا اس سے میں قطع تعلق کر لوں گا اور جس سے اللہ تعالیٰ قطع تعلق کرے اپنی توفیق سلب کرے اور اس کی بدحالی کا کیا عالم ہوگا۔ اس کو سمجھنے کے لیے معاشرہ کے بگاڑ و فساد پر ایک ہلکی سی نظر ڈالنا کافی ہے ہم کو صاف نظر آرہا ہے کہ آج صلۂ رحمی کے حکم پر عمل نا کے برابر ہے۔ جبکہ قطع رحمی کا فساد عام ہے جس کے نتائج سامنے ہیں ایسی صورت میں دین کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صلۂ رحمی کا حکم اور اس کے فضائل و فوائد سے واقف ہو کر امت میں عام کریں اور قطع رحمی کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری کی کتاب "صلۂ رحمی" اس مقصد کے لیے ازحد مفید ہے لہٰذا اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔ پڑھئے پڑھائیے اور سنائیے۔ (ادارہ)

رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ اور حسن و سلوک کی کتاب و سنت میں بڑی تاکید آئی ہے اور اس کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اسی طرح قطع رحمی، یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

جن رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہے قرآن و حدیث میں عموماً ان کے لیے دو لفظ ذوی الارحام اور ذوی القربیٰ آئے ہیں۔

ذوی الارحام اور ذوی القربیٰ وہ رشتہ دار ہیں جن سے نسبی رشتہ ہو چاہے والد کی طرف سے جیسے دادا، پردادا، دادی، پردادی، بھائی بھتیجے بھتیجی اور ان کی اولاد در اولاد اور چاہے ماں کی طرف سے جیسے نانا، پرنانا، نانی، پرنانی، خالہ اور ان کی اولاد در اولاد ماموں اور ان کی اولاد در اولاد، نیز سسرالی اور دامادی رشتوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور ان سب سے حُسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔ سورہ نساء آیت نمبر ۱ میں یوں آیا ہے۔

اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو اور خبردار رہو قرابت والوں سے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم کے بعد تم کو یہ حکم ہے کہ رشتہ داروں سے بھی ڈرو، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحمی اور بدسلوکی سے بچو۔ حسن سلوک کا حکم تو عام انسانوں کے ساتھ ہے جیسا کہ آیت کے پہلے حصہ میں مذکور ہے لیکن اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ اہمیت ہے اس لیے ان کے ساتھ بدسلوکی سے خاص طور سے ڈرایا گیا ہے۔ ایک حدیث قدسی کا خلاصہ یہ ہے کہ جو صلۂ رحمی کرے گا اس کو اپنی رحمت سے ملاؤں گا اور جو قطع رحمی کرے گا اس کو اپنی رحمت سے کاٹوں گا (ترمذی ج ۲ ص ۱۴)

ایک اور حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم سے دریافت کیا کہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے اس کو میں اپنے انعام و اکرام سے جوڑ لوں اور جو تجھے کاٹے اس کو اپنے انعام و اکرام سے کاٹ دوں تو رحم نے عرض کیا کہ ہاں میں اس پر راضی ہوں۔

لفظ ارحام جمع ہے رحم کی، رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں بچہ پیدائش سے پہلے ماں کے پیٹ میں رہتا ہے چونکہ قرابت کا ذریعہ یہ رحم ہی ہے اس لیے اس سلسلے کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور رشتہ داری کی بنیاد پر جو فطری طور پر تعلقات پیدا ہو گئے ہیں ان کی طرف سے بے توجہی و بے التفاتی برتنے کو قطع رحمی کہا جاتا ہے۔

صلہ رحمی سے رزق میں کشادگی اور عمر میں زیادتی ہو جاتی ہے، حدیث کا مفہوم یوں ہے۔

یعنی جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو۔ اور اس کی عمر دراز ہو جائے تو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے (مشکوٰۃ ص ۴۱۹)

لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو اللہ کی رضا جوئی کے لیے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کیا کرو اور ایسے وقت میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو جبکہ عام لوگ نیند کے مزے میں ہوں یاد رکھو ان امور پر عمل کرکے تم حفاظت اور سلامتی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۸)

ایک اور حدیث یوں ہے:۔

یعنی کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب کی مدد کرنا دو امروں پر مشتمل ہے ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی؛

اب قطع رحمی کے سلسلہ کی دو حدیثیں ملاحظہ ہوں:

جو آدمی رشتہ داری کے حقوق ادا نہیں کرتا

جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۱۹)

اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۰)

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں مراد وہ قوم ہے جو قطع رحمی کرنے والے کی مدد کرتی ہو اور قطع رحمی کرنے کے باوجود اس پر نکیر نہ کرتی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ رحمت سے بارش مراد ہو۔ قطع رحمی کرنے والے کی وجہ سے بارش روک دی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث کا مفہوم یوں ہے۔

رحم عرش الٰہی سے لٹک کر دعا کرتا ہے کہ جو مجھے جوڑے اللہ اسے جوڑے رکھے۔ اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹے۔ چنانچہ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ: قرابت کا لحاظ واجب ہے اور قطع رحم کرنا جرم ہے (قرطبی)

سورۂ نساء کی آیت ۳۶ بھی صلۂ رحمی کے بیان میں اہم ہے مفہوم ملاحظہ ہو۔

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔

یہ آیت لوگوں کے حقوق بیان کرنے میں بڑی اہم ہے، والدین سے خاص قسم کے حسن سلوک کا حکم اس آیت میں بھی ہے، اور دوسری آیتوں میں بھی، بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ اگر والد کافر ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس سے سبق ملا کہ دوسرے اہل حقوق بھی اگر کافر ہوں تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔

سورۂ لقمان آیت نمبر ۱۴ میں یوں ارشاد ہے:۔

یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو۔ متعدد آیات میں (وبالوالدین احسانا) آیا ہے، احسان کا لفظ بڑے وسیع معنی رکھتا ہے جس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ سلوک میں ان کی ہر ضرورت کا لحاظ رکھا جائے۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ والدین کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھنا حج مقبول کا ثواب رکھتا ہے۔

بیہقی ہی کی ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں لیکن جو شخص ماں باپ کی نافرمانی اور دل آزاری کرے اس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۷۷ میں نیک کاموں کا شمار کراتے ہوئے اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور گردن چھڑانے میں مال خرچ کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۱۵ میں یوں فرمایا ہے کہ:۔

جو کچھ مال تم کو خرچ کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا۔۔۔

سورہ نحل آیت ۹۰ میں یوں ارشاد ہے کہ:

بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور کھلی برائی، اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے عدل و احسان کو اپنا لینے والا حسن سلوک کا مجسمہ ہو جائے گا۔ ایتاء ذی القربیٰ میں صلہ رحمی کا حکم ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۳ بھی صلہ رحمی میں اہم ہے دوسرے احکام کے ساتھ ارشاد ہے:

اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کیا جائے۔ ان سے بہ ادب پیش آیا جائے۔ ان کے حکموں کی تعمیل کی جائے اور ان کی وفات کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور ان کے دوستوں سے حسن سلوک کیا جائے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۶ میں صلہ رحمی کا حکم ہے اور قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا، اور محتاج و مسافر کو بھی ان کا حق دیتے رہنا۔

سورہ روم آیت نمبر ۳۸ کا مفہوم ملاحظہ ہو۔

پھر قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین و مسافر کو بھی یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا نام ہی صلہ رحمی ہے، مسافروں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک اسی کڑی کی ایک چیز ہے۔

ذوی القربیٰ کا حق صرف مالی امداد ہی نہیں ان کی خبر گیری، جسمانی خدمت اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم زبانی ہمدردی اور تسلی وغیرہ بھی صلہ رحمی کی قبیل سے ہے (قرطبی)

سورہ نساء آیت نمبر ۸ میں بھی صلۂ رحمی کا حکم ملاحظہ ہو۔ اور جب وارثوں میں ترکہ کے تقسیم کے وقت رشتہ دار آموجود ہوں اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو بھی اس ترکہ میں سے (بالغوں کے حصے سے) کچھ دے دو اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو۔

صحیح بخاری میں ہے کہ وہ شخص کامل صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔

صلہ رحمی پر بعض اور احادیث ملاحظہ ہوں:۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا خاندان میں محبت، مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے (مشکوٰۃ ص ۴۲۰)

مشکوٰۃ ص ۴۲۰ پر ایک حدیث میں ہے کہ:

ظلم اور قطع رحمی سے زیادہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس گناہ کرنے والے کو جلد دنیا میں سزا دی جاتی ہو۔ اس عذاب کے ساتھ جو اس کے لیے آخرت میں بطور ذخیرہ رکھا گیا ہے۔

یعنی یہ دو گناہ ظلم اور قطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں ان پر جو کچھ وبال ہوگا وہ تو ہوگا ہی۔ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی سزا بہت جلد ملتی ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر گناہ کو جب چاہیں مغفرت فرما دیتے ہیں مگر والدین کی قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے ہی دے دیتے ہیں (مشکوٰۃ)

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ قطع رحمی اس قدر بد ترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں ہے کہ جس کا بدلہ بہت جلد ملتا ہو۔ اور قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں جلدی نہ مل جاتا ہو۔ (تنبیہ الغافلین)

بیہقی کی ایک روایت میں شب برات میں گنہگاروں کے معاف کئے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں جن گنہگاروں کی معافی نہ ہوگی ان میں قاطع رحم۔ (قطع رحمی کرنے والا) بھی ہے۔

علامہ سیوطی کی جامع الصغیر میں ایک روایت یوں ہے کہ جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو اور سچی بات کہو اگرچہ تمہارے خلاف ہو۔

مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے:-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میرے قرابت داریاں ہیں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ حلم کا برتاؤ کرتا ہوں وہ میرے ساتھ جہالت برتتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کو ریت پھنکا رہے ہو اور جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا ایک مددگار (فرشتہ) رہے گا۔

مسلمانوں کو ایسی پاکیزہ تعلیم کی قدر کرنا چاہیئے اور اسے عظیم نعمت الٰہی سمجھ کر دل وجان سے عمل کرنا چاہیئے اگر خدانخواستہ آپس میں رنجش ہو جائے تو جلد از جلد اسے ختم کر کے تعلقات استوار کر لینا چاہیئے۔ احادیث میں بات چیت بند کر دینے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے (یعنی بات چیت بند کر دے) کہ دونوں کا آمنا سامنا ہو تو ایک ادھر کو منہ پھیرے اور دوسرا ادھر کو منہ پھیرے اور دونوں میں بہترین شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے (مشکوٰۃ ص ۴۲۷)

نوٹ: یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ فاسق سے بوجہ فسق قطع تعلق جائز ہے اور اس حکم سے مستثنیٰ ہے ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو خراش سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے رکھا (بات چیت بند اور تعلقات توڑے رکھے) تو اس نے گویا اپنے بھائی کا خون کر دیا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۸)

ایک حدیث میں یوں آیا ہے:-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس بندہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۷)

قطع رحمی میں دوسروں کا حق مارا جاتا ہے اور کسی کی حق تلفی خود ایک گناہ کبیرہ ہے، اور بسا اوقات اس میں ظلم کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ ہر طرح کی حق تلفی اور ظلم سے پرہیز کریں ورنہ مظلوم کی آہ اور بددعا ہماری تباہی کا سبب بنے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مظلوم کی بددعا سے بچو وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا (مشکوٰۃ ص ۴۳۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو اس لیے کہ وہ بادلوں پر اٹھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت اور میری بزرگی کی قسم ضرور میں تمہاری مدد کروں گا۔ اگرچہ وہ کچھ دیر کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ (الکلم سید الامم ص ۴۳، ۴۴)

ایک اور حدیث میں صلہ رحمی اور قطع رحمی کے بارہ میں یوں آیا ہے:-

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ، نماز کے درجہ سے بہتر ہے، ہم نے عرض کیا ضرور، ارشاد فرمایا باہمی تعلقات کی درستگی اور باہمی فساد (ثواب اور نیکیوں کو) مونڈنے والا ہے۔ (واضح رہے کہ یہاں نفل روزہ نفل صدقہ اور نفل نماز مراد ہے) (مشکوٰۃ ص ۴۲۸)

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے :۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن کر رہو۔ جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم فرمایا ہے (مسلم ۲ ص ۲۱۶)

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے :۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بیٹا! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ تم اس حالت میں صبح و شام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف کھوٹ (کینہ کپٹ) نہ ہو تو تم ایسا ضرور کرو۔ پھر ارشاد فرمایا: یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

آج کل بہنوں کو میراث میں حصہ نہ دینا عام ہو چکا ہے بعض جگہ تو ماں کو بھی حصہ نہیں دیا جاتا قطع رحمی کی یہ بدترین شکل ہے۔ چاہے ان بہنوں سے بڑے اچھے تعلقات ہوں، شریعت نے ان کو ایک حق دیا ہے اور ہم نے اسے ہڑپ کر لیا۔ اس کا بدل اچھے تعلقات ہرگز نہیں ہو سکتے چاہیئے کہ ان کا حق بھی دیں اور اچھے تعلقات بھی رکھیں۔ اس لیے کہ ان کے حقوق قرآن نے بیان فرمائے ہیں اور یہ حقوق بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

(باقی ص ۳۰ پر)

ماں باپ کو ستانے کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے

عبرت ناک واقعہ

دیوبند کا واقعہ ہے کہ ایک بڑے میاں تھے، بازار میں کہنے لگے، یہ میرے سامنے دو کاندار ہے میں نے دیکھا ہے کہ اس کا باپ بوڑھا آدمی ہے اس بوڑھے آدمی نے میرے سامنے اپنے باپ کو مارا اور اس کا باپ بوڑھا اس نالی میں گر گیا بعد میں باپ مر گیا کہتے ہیں کہ اب اس بڑھے آدمی کے یہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں، یہ بڑھا لکھا آدمی یہ جو بیان کر رہا تھا کہنے لگا، میں یہ سوچتا تھا کہ عالموں سے میں نے یہ سنا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ جو بُرا سلوک کرتا ہے اسے دنیا ہی میں اس کی سزا اور اس کا پھل ملتا ہے اولاد اس کے ساتھ وہی سلوک کرتی ہے، میں سوچتا تھا کہ اس کا تو کوئی لڑکا ہے ہی نہیں، اس کو اس کا بدلہ کہاں سے ملے گا؟ کہنے لگا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ کل اس کی لڑکی آئی اور اس نے مارا اور جس طرح اس کا باپ نالی میں گرا تھا اسی طرح میں نے اس کو گرتے ہوئے دیکھا۔

ماں باپ کا احسان تو بڑا عظیم احسان ہے اس کا کوئی دنیا میں بدلہ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جب ان کے ساتھ معاملہ خراب ہونے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت کے دروازے بند ہو رہے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم شاہ اختر صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ :

"میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کے گلے میں رسی باندھی اور اسکو گھسیٹ کر بانس کے درختوں تک لے گیا جو سامنے دس بیس گز پر تھے باپ نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا اب اس کے آگے مت کھینچنا ورنہ تو ظالم ہو جائے گا"۔

اس نے کہا کہ ابا کیا ابھی تک ظالم نہیں ہوں یہ جو بیس گز تک رسی باندھ کر کھینچا ہے؟ باپ نے کہا کہ ہاں تو ابھی تک ظالم نہیں ہوا کیونکہ میں نے بھی اپنے باپ کو یعنی تیرے دادا کو یہاں تک کھینچا تھا لہٰذا ابھی تک تو مجھے اس کا بدلہ ملا۔ اب اس جگہ سے اگر تو آگے بڑھے گا تو ظالم ہو جائے گا۔ (منقول از تسلیم و رضا ص...)

فرمانبردار لڑکے کی اللہ تعالےٰ سے دُعا

رحم والد پہ کر ہر نفس ہر قدم — والدہ پر ہمیشہ کر اپنا کرم
جن پہ قرباں دل و جان کرتے ہیں ہم — جن کے قدموں تلے ملک و جاہ و حشم

ان کو آغوش رحمت میں لے صبح و شام
تو ہمارا ہے مالک ترے ہم غلام

ان بزرگوں نے بچپن میں پالا ہمیں — لمحہ لمحہ انھوں نے سنبھالا ہمیں
غم اٹھا کر دکھوں سے نکالا ہمیں — ہر قدم ہر نفس دیکھا بھالا ہمیں

ان بزرگوں پہ یارب کرم کر مدام
تو ہمارا ہے مالک ترے ہم غلام

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

مولانا محمد عبدالسمیع ندوی صاحب رح

مولانا سید محمد رابع ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کے شعبۂ تعمیر و ترقی کے معاون ناظر مولانا سید محمد عبدالسمیع صاحب ندوی ایک باوقار با اخلاق خادم ملت، عالم دین اور کارپرداز شخصیت تھے جو سال رواں ماہ شعبان کے اوائل میں ایک قلبی دورے کے نتیجہ میں اس حیات فانی سے حیات باقی کی طرف کوچ کر گئے۔ انھوں نے ۷۵ سال عمر پائی۔ مرنجاں مرنج متحرک اور فعال طبیعت کے مالک تھے زندگی علوم دینیہ کی خدمت کتابوں کی اشاعت اور علوم دینیہ کے اعلی مقاصد کے اداروں کی خدمت میں صرف کی۔

انھوں نے تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند دونوں جگہوں سے حاصل کی اور دونوں جگہوں کی خصوصیات سے استفادہ کیا تعلیم سے فراغت کے بعد چند سال کانپور کی ایک معروف قومی و ملی انجمن جمعیۃ مرکزیۃ تبلیغ الاسلام کے کاموں سے دلچسپی لی پھر ندوۃ العلماء کے کارگذاروں میں شامل ہوئے۔ شعبہ تعمیر و ترقی کے قیام کے بعد اس کے ناظر کے معاون کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی جو تاحیات قائم رہی۔ شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء کے تعمیری، اشاعتی اور ترقیاتی کاموں کے ذمہ دار شعبہ کی حیثیت سے ۱۹۵۸ء میں قائم ہوا۔ اس کے تحت مطبعہ، تجارتی مکتبہ اور ندوۃ العلماء کی امداد کے لیے تحصیل وحصول کے کاموں کے فکر و انتظام کی ذمہ داری ہے۔ مولانا مرحوم کو کتابوں کی طباعت و اشاعت کے معاملات سے آگہی پہلے ہی سے تھی۔ انھوں نے عملی زندگی کے آغاز سے ہی پانچویں دہائی کے آخر سے چھٹی دہائی کے نصف تک جو مشغولیت اختیار کی تھی اس میں نظیر آباد لکھنؤ میں واقع حنفی اسلامی کتابوں کے ایک بڑے مرکز شبلی بک ڈپو کی ذمہ داری بھی تھی یہ ایک پرائیویٹ مرکز تھا جو مصری، شامی کتابیں نیز دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین کے تعلق کی کتابوں کا تجارتی مرکز تھا۔ اس کو اوّلاً کتب خانہ ندوۃ العلماء کے سابق مہتمم مولانا کلیم احمد بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ شخصی مکتبہ کی حیثیت سے چلاتے تھے اس کے چلنے میں دشواری اور دیگر اسباب کی بنا پر قابل فروخت ہوا، تو مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سنبھالا لیکن مکتبہ زوال کے راستہ پر آگیا تھا لہٰذا ان کے قابو میں بھی نہ آسکا اور انھوں نے اس سے دست برداری اختیار کرلی، اسی درمیان ان کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اسی جیسے کام کی جگہ مل گئی۔

مجھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعارف اسی زمانہ میں حاصل ہوا۔ اوّلاً شبلی بک ڈپو کے واسطے سے کیونکہ اس میں مولانا کلیم احمد بہرائچی کے زمانہ ہی سے آنا جانا رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور کے تھے جہاں ہمارے خاندان کے متعدد افراد کی رشتہ داریاں رہی ہیں، تیسرے ندوۃ العلماء میں مولانا کی تعلیم کے دوران جو رفقاء ان کے قریبی تھے ان میں میرے بڑے بھائی سید محمود حسن اور مولانا محمد ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہما بھی تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے محلہ محمد علی لین میں آنا اور ملنا ہوتا تھا اس وقت میرے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی کے مظاہر علوم سہارنپور کے رفیق درس مولانا سید محمد مرتضی صاحب نقوی بھی وہیں رہتے تھے۔ یہ دو تین دوستوں کا ایک حلقہ بن گیا تھا جو بے تکلف عمر اور علمی و درسی شغلہ سے دلچسپی میں وحدت کی بنا پر دوستانہ اور رفیقانہ انداز سے ملتے اور کچھ وقت گزارتے مجھے بھی ان مجلسوں میں شرکت کا موقع ملتا تھا۔ اس سے میرا مولانا مرحوم سے عزیزانہ اور قدرے بے تکلفی کا ربط قائم ہو گیا جو ان کے ندوۃ العلماء سے متعلق ہو جانے کے بعد قائم رہا بلکہ پختہ ہوا۔ ندوۃ العلماء میں مولانا مرتضی صاحب مرحوم بھی آگئے تھے اور مولانا قاضی محمد معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوہ بھی تھے جن سے ندوۃ العلماء میں مرحوم کے تعلیم کے زمانہ میں معاصرت رفاقت رہ چکی تھی چنانچہ مولانا معین اللہ صاحب نے ان کو اپنا معاون بنالیا۔ مولانا اس وقت شعبہ کے ناظر تھے۔ مولانا مرحوم معاون ناظر مقرر ہوگئے۔ مولانا مرحوم نرم خو اور خوش اخلاقی کی صفات کے حامل تھے۔ سب سے اخلاق و ہمدردی سے پیش آتے وہ باوقار طبیعت کے آدمی تھے لیکن ان کا وقار دوسروں پر بار نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ وہ برادرانہ دائرہ میں رہتا تھا ان میں انتظامی صلاحیت بھی تھی۔ چنانچہ ندوہ کے انتظامی دائرہ میں بھی بعض کام ان کے سپرد کئے جاتے تھے۔ خاص طور پر جن کاموں کا مزاج علمی ہوتا کچھ عرصہ دو رواق سلیمانی کے نگراں بھی رہے ان کو مجلس انتظامی ندوۃ العلماء کے مشاورتی جلسوں کی تیاری کا کے موقع کے بعض کام ان کے سپرد کئے جاتے تھے۔ ندوہ کی نصابی کتابوں کی اشاعت کی فکر کرتے تھے اور ان کے نئے ایڈیشنوں کی ضرورت محسوس کرکے اشاعت کی تجویز کرنے کا کام بھی انجام دیتے۔ ندوہ کے لئے حصول تعاون کے لئے جو حضرات بھیجے جاتے ان کے سلسلہ کے امور میں متعلقہ حضرات کے مشورہ، پھر ناظم صاحب کی اجازت پر ان کے پروگرام کو طے کرنے اور بھیجنے کے کاموں میں ان کی ذمہ داری ہوتی۔

مولانا مرحوم سنجیدہ طبیعت کے تھے لیکن اس کے ساتھ مزاج میں انبساط رکھتے تھے۔ وہ اپنے رفقاء اور دوستوں سے بے تکلف رہتے تھے۔ ان میں دینداری

دوعیوں وفضل اولیں کی صفات نمایاں تھیں۔ نماز باجماعت کا اہتمام مسجد کی پابندی کے ساتھ بیماری کے زمانے میں بھی حتی الوسع نبھاتے تھے۔ مولانا عبد السمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا عبد الحی صاحب ایک معروف عالم کانپور میں قائم معروف علمی و دینی ادارہ کے ناظم اعلیٰ تھے مولانا مرحوم کو دین و ملت کی خدمت کا جذبہ وہیں سے ملا تھا وہ اس میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نائب اور قائم مقام پھر ناظم اعلیٰ ہوگئے جس کو ندوہ میں مشغول ہوجانے کے باوجود انھوں نے برابر نبھایا۔ اور اس کے تحت نکلنے والے ایک پرچہ کو "کمالات" کے نام سے نکالتے رہے جو انجمن کے اپنے حلقہ میں زیادہ تر جاتا تھا۔

مولانا مرحوم نے ندوہ کے بعد دیوبند میں تعلیمی زمانہ گذارا غالباً اس زمانہ میں مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے پیچھے بار بار نمازیں پڑھی ہوں گی۔ چنانچہ ان کا لحن ان کے ذہن میں رچ بس گیا تھا جس کا اثر ان کی قرأت سے ظاہر ہوتا تھا حتیٰ کہ بعض وقت بعض لوگوں کو شبہ ہوجاتا تھا کہ قاری طیب صاحب نماز پڑھا رہے ہیں۔

مولانا مرحوم مولانا معین اللہ صاحب ندوی ناظر شعبہ تعمیر و ترقی و نائب ناظم ندوۃ العلماء کے تعلیمی عہد کے ساتھی و معاصر ہونے کے سبب ان سے بہت قریب تھے بلکہ تعلق ایک طرح سے دوستانہ کیفیت کا حامل بن چکا تھا۔ عمر میں بھی یکسانی تھی لہٰذا مولانا مرحوم کی وفات ان کے لیے خاص محسوس ہونے والی بات تھی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ سے مولانا مرحوم عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے کچھ تو کوڑا جہان آباد کے تعلق سے اور کچھ دینی احترام اور قدردانی کی بنا پر اور یہ بات ملاقات پر ظاہر ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا سے اسفار کے موقعوں پر رخصت کرنے کے لیے آکر تعلق خاطر کے ساتھ رخصت کرتے حضرت مولانا کے اس سفر کے موقع پر بھی آکر ملے اور رخصت کیا۔ جب خود ان کے دنیا سے رخصت اختیار کرنے میں چند گھنٹے باقی رہ گئے تھے کسی کو معلوم نہ تھا ان کو سفر آخرت اسی رات پیش آجائے گا جو رات حضرت مولانا کی لکھنؤ سے دہلی کے درمیان سفر میں گذری اس کی صبح قیام گاہ پہنچنے پر وفات کی رنجیدہ خبر ملی چونکہ اس روز جدہ کا سفر تھا اس لیے جنازہ میں شرکت بھی ممکن نہ ہوسکی میں بھی حضرت مولانا کے ساتھ تھا لہٰذا میں بھی محروم رہا۔

اگلی رات ریاض میں گذری وہاں مولانا مرحوم کے ایک بڑے بیٹے مولوی عبد الرشید ندوی سے ملاقات ہوئی یہ مرحوم کے پسماندگان سے پہلی ملاقات تھی تعزیت پیش کی۔ فیکس کے ذریعہ دوسرے صاحبزادگان کو بھی لکھنؤ میں تعزیت پیش کی۔ ان کی وفات ندوہ کے کارپردازوں میں ایک قیمتی شخصیت کا خسارہ ہے اور ان کے محبین کے لیے ایک اچھے دوست محب اور محترم عزیز کا خسارہ ہے یہ خسارہ ایک دوسری طرف قابل قدر شخصیت مولانا مرتضیٰ صاحب ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء کے انتقال کے بعد ہونے والے خسارہ کے فوراً بعد پیش آیا۔ اس لیے اس کا اثر مزید محسوس کیا گیا۔

مجھ کو اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر مضمون بھی لکھنا تھا جو سفر کی واپسی پر لکھتا لیکن سفر سے واپسی پر مجھ کو خود اپنے ذاتی گھرانے کی بیماریوں اور حوادث سے گذرنا پڑا اور میں یہ کام فوراً نہ کرسکا۔ اب اس کو انجام دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنے خصوصی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کے ساتھ خصوصی رحمت و نعمت کا معاملہ فرمائے آمین! مولانا مرحوم نے پس ماندگان میں چھ صاحبزادگان چھوڑے، ڈاکٹر عبد العزیز مولوی عبد الرشید ندوی، مولوی عبد الجلیل ندوی، عبد الرحمٰن، حبیب الرحمٰن اور عبد الحی، اللہ تعالیٰ ان سب کو ترقی اور اعلیٰ مقامات مرحمت فرمائے۔

فتنوں کی برسات اور اس سے بچاؤ

احادیث نبوی کی روشنی میں

قسط ۱

نوٹ: ذیل کا مضمون محض معلومات کے لیے نہیں بلکہ درس وعبرت کے لیے ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے کہ آج ہم ان فتنوں کو جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں لیکن بچنے کی فکر نہیں کرتے ان فتنوں سے تو اسی لیے ڈرایا گیا تھا کہ جب یہ سامنے آجائیں تو ان سے بچنے اور بچانے کی فکر کی جائے اور عارضی زندگی کے فائدے پر دائمی زندگی کے فائدے کو ترجیح دی جائے افسوس کہ ہم پڑھ اور سن کر بھول جانے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس میں تبدیلی لانے کی فکر نہیں کرتے یہ بڑے خطرے کی بات ہے (ادارہ)

"فتنہ" ایک ایسا لفظ ہے۔ جو ہماری عام بول چال میں دن رات استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کا متعین مفہوم پوچھا جائے تو بہت کم لوگ ہیں جو بتانے کی پوزیشن میں ہوں وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ لاتعداد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں جابجا فتنوں کا ذکر بھی ہے ان سے بچنے کی تدبیریں بھی بیان ہوئی ہیں اور اس معاملے میں بہت سی پیشگی خبریں دے کر ان سے امت کو خبردار بھی کیا گیا ہے۔ حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں ایک مستقل باب "فتنوں" ہی کے لیے مخصوص ہوتا ہے لیکن آنحضرتؐ کی تعلیمات کا یہ پہلو آج عام مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہے اس لیے وہ فتنوں کی دلدل میں پھنستے ہی چلے جارہے ہیں اور اس سے نکلنے کا راستہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے اس لیے خیال آیا کہ آنحضرتؐ کے ارشادات کا یہ پہلو اختصار کے ساتھ سامنے لایا جائے کیا بعید ہے کہ کچھ سعید روحیں اس سے رہنمائی حاصل کرکے اپنی نجات کا سامان کریں۔

"فتنہ" عربی زبان کا لفظ ہے اور لغت میں اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ سونے کو آگ پر تپا کر یہ دیکھا جائے کہ وہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ چونکہ اس عمل کا مقصد سونے کی آزمائش ہوتا ہے۔ اس لیے ہر آزمائش کو فتنہ کہہ دیا جاتا ہے۔ جب کوئی بدعملی زمانے کا فیشن بن جائے تو وہ بھی ایک فتنہ ہے کیونکہ یہ انسان کی آزمائش کا موقع ہے کہ وہ فیشن کے آگے ہتھیار ڈالتا ہے یا اس کی حقیقی برائی کا ادراک کرکے اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھتا ہے جب کوئی فکری گمراہی نظر فریب دلیلوں کا ملمع چڑھا کر معاشرے میں پھیلتی ہے تو وہ بھی ایک فتنہ ہے اس لیے کہ اس میں انسان کی بڑی آزمائش ہے کہ آیا وہ ظاہری ملمع سے مرعوب ہوکر حق کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا گمراہی کی تہہ تک پہنچ کر اس کا مقابلہ کرتا ہے جب مسلمانوں میں رنگ ونسل کی بنیاد پر باہم خونریزی شروع ہو جائے۔ تو یہ بھی بڑا زبردست فتنہ ہے اس انسان کی آزمائش یہ ہے کہ وہ اپنی نسل، اپنی زبان بولنے والوں اور اپنے رشتہ داروں کا ساتھ دے یا حق کو مضبوطی سے تھام کر اپنے صحیح موقف پر ڈٹا رہے جب مسلمانوں کے کسی بھی دو گروہوں میں اختلاف ہو لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے اور معاملہ اتنا پیچیدہ ہو جائے کہ حق وناحق کا پتہ چلانا دشوار ہو جائے تو یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جسے بعض احادیث میں "اندھے بہرے فتنے" سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہاں انسان کی آزمائش یہ ہے کہ آیا وہ کسی ایک فریق کا ساتھ دیکر خود بھی اس اندھے بہرے فتنے کا حصہ بن جاتا ہے یا اس فتنے میں پارٹی بنے بغیر اس کے انسداد کی کوشش کرتا ہے یا کم از کم اس سے دامن بچا کر وقت گذار دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے کی ان تمام قسموں کے حالات بہت کھول کھول کر بیان فرمادیئے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان حالات میں ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیئے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس قسم کے فتنوں کی بڑی فکر تھی آپ نے بار بار مسلمانوں کو ان سے خبردار کیا اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں فتنے تمہارے گھروں میں اس طرح آکر گریں گے جیسے بارش کے قطرے (صحیح بخاری کتاب الفتن باب)

اور واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فتنوں کے جو عمومی حالات احادیث میں بیان فرماتے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپ آج کے ماحول کو واقعی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی تصویر کھینچ رہے ہوں آج ان میں چند باتیں مختلف احادیث سے انتخاب اور تلخیص کرکے نقل کر رہا ہوں ان کو غور سے پڑھئے اور یہ دیکھئے کہ یہ ہمارے گردوپیش کی تصویر ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فتنوں کے بارے میں بتایا ہے کہ:۔

زمانہ جلدی جلدی گزرے گا (یعنی بڑے بڑے انقلابات تیزی سے آئیں گے۔

نیک عمل کی کمی ہو جائے گی۔

دین سے ناواقفیت پھیل جائے گی۔ اور دین کا (حقیقی) علم اٹھ جائے گا۔

بخل اور پیسہ کی محبت عام ہوگی۔

قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگا (بخاری نقل باش)

خود قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا (صحیح مسلم حدیث ۱۰-۲۹)

شراب کو شربت کہہ کر حلال کہا جائے گا۔ سود کو تجارت کہکر حلال کہا جائے گا۔ رشوت کو ہدیہ کہکر حلال کیا جائے گا۔ زکوٰۃ کو تجارت بنالیا جائے گا (کنزالعمال ۱۴-۲۲۹)

اولاد کی خواہش کے بجائے اس سے کراہت ہوگی

اور بارش سے ٹھنڈک کے بجائے گرمی کی سی تکلیف ہوگی

اور بدکاری سیلاب کی طرح پھیل جائیں گے۔

جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور سچّے کو جھوٹا۔

خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن بنایا جائے گا

غیروں سے رشتہ جوڑا جائے گا اور اپنوں سے توڑا جائے گا۔

ہر قبیلے اور گروہ کی سربراہی انکے منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور بازار کی سربراہی اس کے بدکاروں کے ہاتھ میں ہوگی۔

جو شخص صحیح معنی میں مومن ہوگا وہ معاشرے میں چھوٹی چھوٹی بکریوں سے زیادہ بے وقعت سمجھا جائے گا۔

مسجد کی محرابیں زرکاری سے مزین ہوں گی لیکن دل ویران ہوں گے۔

مرد مردوں سے جنسی خواہش پوری کریں گے اور عورتیں عورتوں سے۔

مسجدوں کے احاطے بڑے بڑے اور منبر اونچے اونچے ہوں گے۔

دنیا کے ویران علاقے آباد ہو جائیں گے اور آباد علاقے ویران۔

گانے بجانے کا دور دورہ ہوگا اور شرابیں پی جائیں گی۔

پولیس والوں کی کثرت ہوگی۔

عیب چینی کرنے والوں، چغلی کھانے والوں۔ اور طعنہ بازوں کی بہتات ہوگی (کنزالعمال ۱۴-۲۲۴)

لوگ نمازوں کو ضائع کریں گے اور امانتیں برباد ہونگی

سود خوری کو حلال قرار دیا جائے گا اور جھوٹ عام ہوگا۔

لوگ انسان کی جان کی کوئی وقعت نہ سمجھیں گے اور اونچی اونچی عمارتیں بنوائیں گے۔

دین کو دنیا کے بدلے فروخت کریں گے۔

انصاف کمزور ہو جائے گا۔ اور ظلم کا دور دورہ ہوگا

طلاقوں کی کثرت ہوگی اور ناگہانی اموات بڑھ جائیں گی۔

لوگ ایک دوسرے پر جھوٹی تہمتیں لگائیں گے۔

کمینے لوگ سیلاب کی طرح امڈ پڑیں گے اور شریف لوگ سمٹ جائیں گے۔

امیر اور وزیر جھوٹے ہوں گے امانت والے خائن ہوں گے۔ قومی نمائندے ظالم ہوں گے۔ اور قرآن کے قاری بدکار ہوں گے۔

لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنیں گے اور ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔

امن کم ہو جائے گا۔

قرآن شریف کے نسخوں کو آراستہ کیا جائے گا

مسجدیں خوبصورت بنائی جائیں گی ان کے منارے اونچے اونچے ہوں گے مگر دل ویران ہوں گے۔

قرآنی حدود معطل ہوں گی۔

ماں اپنی مالکہ کو جنے گی (یعنی بیٹی ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسے مالکہ اپنی کنیز کے ساتھ کرتی ہے)

جو لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن پھرتے تھے وہ حکومتوں کے سربراہ بن جائیں گے۔

عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ تجارت میں شریک ہوں گی۔

مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کریں گے اور عورتیں مردوں کی نقالی کریں گی۔

اللہ کے بجائے دوسری چیزوں کی قسمیں کھائی جائیں گی۔

مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دے گا۔

دین کا علم اللہ کی خوشنودی کے بجائے کسی اور مقصد سے پڑھا جائے گا۔

آخرت کے کاموں سے بھی دنیا مقصود ہوگی۔

مال غنیمت (قومی خزانے) کو ذاتی سرمایہ تصوّر کر لیا جائے گا۔ اور امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے گا۔

قوم کا لیڈر ان کا ذلیل ترین فرد ہوگا۔

انسان اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا۔ ماں کے ساتھ سنگدلی کا برتاؤ کرے گا۔ دوست کو نقصان پہونچائے گا۔ اور بیوی کی فرمانبرداری کرے گا۔

مسجدوں میں بدکاروں کی آوازیں بلند ہوں گی۔

گانے والی عورتیں داشتہ بنا کر رکھی جائیں گی۔

گانے بجانے کے آلات سنبھال سنبھال کر رکھے جائیں گے۔

راستوں میں شراب نوشی ہوگی۔

ظلم پر فخر کیا جائے گا۔

عدالتی فیصلوں کی خرید و فروخت ہوگی۔

قرآن کو موسیقی سمجھ لیا جائے گا۔

آخر زمانے کے لوگ اپنی امت کے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے۔ (الدرالمنثور ۷-۵۲)

قلم (یعنی قلم سے لکھی ہوئی تحریریں) پھیل جائے گا اور حق بات چھپائی جائے گی۔

لوگ مسجد کے اندر آئیں گے مگر دو رکعت پڑھنے کی توفیق نہ ہوگی۔

ایک چھوٹا سا بچہ بوڑھے کو صرف اس کے غریب ہونے کی وجہ سے لتاڑے گا۔

ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ملاقات کا آغاز ہی (سلام کے بجائے) گالی اور لعنت سے کریں گے۔

لوگ ٹھاٹھ سے شاندار زین پوشوں پر بیٹھ کر مسجد کے دروازوں پر اتریں گے اور ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی انکے سروں پر دبلے اونٹ کے کوہان کی طرح بال ہوں گے۔ (ایضاً ۲۔ ۵۵)

دین کو الٹ دیا جائے گا یعنی حرام چیزوں کے نام بدل کر انھیں حلال قرار دیا جائے گا (مشکوٰۃ ص ۴۶)

یہودیوں اور نصرانیوں کی پوری پوری نقالی کی جائے گی (ایضاً ص ۴۵۸)

امانتداروں کا فقدان ہوگا۔ یہاں تک کہ یوں کہا جائے گا کہ فلاں مقام پر ایک امانت دار شخص رہتا ہے۔

ایک شخص کی عقلمندی، زندہ دلی اور بہادری کی تعریف کی جائے گی جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان نہ ہوگا۔ (بخاری ۲۔ ۱۵۰)

معمولی نا اہل آدمی جمہور کے اہم معاملات میں رائے زنی کریں گے۔ (کنز العمال ۱۴۔ ۲۱۶)

یہ چند مثالیں ہیں ان پیشگی خبروں کی جو آنحضرت نے فتنوں کے دور کے بارے میں چودہ سو سال پہلے بیان فرمائی ہیں اور صدیوں سے احادیث کی کتابوں میں لکھی چلی آرہی ہیں میں نے یہ باتیں حدیث کی صرف چند کتابوں سے اس وقت سرسری طور پر جمع کی ہیں ورنہ اس قسم کی احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ (برادر مکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک بصیرت افروز کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینے میں"۔ اس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث جمع فرمائی ہیں۔ اور آج کے دور میں یہ کتاب ہر مسلمان کی نظر سے گذرنی چاہیے) لیکن جو مثالیں میں نے سرسری طور پر ذکر کی ہیں صرف انھیں کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرکار دو عالم کیا کچھ بتا کر تشریف لے گئے ہیں؟ اور چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ آج کس قدر حیرت انگیز طور پر موجودہ حالات کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ آپ نے یہ باتیں وحی الٰہی کی روشنی میں بیان فرمائی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی آنے والے ان فتنوں کا علم عطا فرمایا تو یقیناً یہ بھی بتایا ہوگا کہ ان فتنوں کے درمیان رہنے والوں کا کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟ چنانچہ جہاں آپ نے ان فتنوں سے خبردار کیا ہے وہاں ایک مسلمان کے لیے وہ راہ عمل بھی بتائی ہے جو ایسے موقع پر اختیار کرنی چاہیے اس سلسلہ میں ارشادات نبوی سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ میرے اس مضمون کا دوسرا حصہ ہے جو ان شاء اللہ آئندہ ہفتے کے کالم میں عرض کروں گا۔ (جاری)



ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

پانچویں قسط

پروفیسر وصی احمد صدیقی

ہجرت و جہاد اس جد و جہد کے محرکات اور اسباب کیا تھے۔ آپ کے قلبی کیفیات اور عزائم معلوم کرنے کے لئے مصنف کتاب سید صاحبؒ کے خطوط کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

تعمیل حکم اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرو۔ فرمانبردار بندے کو مالک کے حکم کی تعمیل کرنی ہے ہم نے جہاد پر کلام الٰہی کو ناطق مان لیا ہے۔ اسوۂ رسول کے اتباع میں سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

رضا و محبت الٰہی ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کو غیر اللہ کی طرف سے بند کر چکے ہیں ہم مال و منال جاہ و جلال، امارت و ریاست اور حکومت و سیاست کے طلب اور آرزو سے آگے نکل گئے ہیں۔ خدا کے سوا ہمارا کوئی مطلوب نہیں۔

مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ

اس زمانے میں کہ اہل کفر و طغیان کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے مظلوموں کی آہ و فریاد کا غلغلہ بلند ہے۔ شعائر اسلام کی توہین ان کے ہاتھوں صاف نظر آرہی ہے اس بنا پر اب اقامت رکن دین یعنی اہل ضرر سے جہاد عامۂ مسلمین کے ذمہ واجب ہو گیا ہے۔

ہندوستان پر انگریزوں کا تسلّط

جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے (تاجران متاع فروش) سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ جو حکومت اور سیاست کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اس لئے مجبوراً چند غریب بے سر و سامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ مال و دولت کی ان کو ذرہ بھر طمع نہیں۔

اعلائے کلمۃ اللہ و احیائے سنت

اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ رسولؐ کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ایک ملک کفار و مشرکین کے قبضہ سے نکل آئے، دین کا قیام سلطنت سے ہے اور سلطنت کے نہ ہونے سے دینی احکام صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، میرا اس منصب (امامت) کا مقصود یہ ہے کہ جہاد کو شرعی طریقہ پر قائم کیا جائے۔ اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے کسی کی مخالفت کے بغیر جاری ہو جائیں۔

عزم راسخ اس عبادت عظمٰی کا ادا کرنا اور سعادت عالیہ کے حصول کا عزم اس فقیر پر القا کیا گیا ہے۔ کہ اس عظیم المرتبت کام کے انجام دینے میں جان و مال قربان کر دینا۔ اہل و عیال کو خیرباد کہنا اور وطن سے ہجرت کر جانا خس و خاشاک کو دور کرنے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔

ہمارا جھگڑا امراء و رؤسائے اسلام سے نہیں بلکہ ہم کو لانبے بالوں والے بلکہ تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے، میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحد افغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔

منفعت عامہ اہل حکومت کے انصاف اہل معاملات کی دیانت داری اہل دولت کی سخاوت و فیاضی اور عام لوگوں کی نیک نیتی سے آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں آسمانی برکتوں کے نزول کے سلسلے میں روم اور ترکی سے ہندوستان کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ آج کے ہندوستان کا مقابلہ دو سو تین سو برس پہلے کے ہندوستان سے کرو آسمانی برکتوں کا کیا حال تھا اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کی کتنی بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔ جہاد کے میدان کارزار کے جواں مردوں کو جو فوائد پہنچتے ہیں اُن کے تفصیل کی ضرورت نہیں ان کے علاوہ ارباب باطن کو تھوڑے وقت میں بڑی بڑی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں اور معمولی ریاضتوں سے مراتب ولایت اور مناصب وجاہت پر فائز ہوتے ہیں علوم حقہ کی عام اشاعت ہوتی ہے۔ دین حق کی طرف کھلی ہوئی عمومی دعوت اور عقائد حق اور احکام شریعت کی اشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ انبیاء علیہ السلام کی نیابت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ عام اہل صلاح بھی اس کی برکات سے محروم نہیں ہوتے۔ نیکوکار انسانوں کا اعزاز ہوتا ہے اور فاجر انسانوں کی تذلیل کا زمانہ ہوتا ہے گو فساق بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتے وہ منکرات و بدعات کے اظہار سے دستکش ہو جاتے ہیں اہل نفاق بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتے۔ اولیائے عظام اور علمائے کرام کے ساتھ اختلاط اور رہنے سہنے کی وجہ سے اُن کے انوار کا ان کے قلوب پر عکس اور ان کے مواعظ کا ان کے دلوں پر اثر پڑنے اس کی بھی امید کی جاتی ہے کہ دین کا نور ان کے دلوں کی گہرائی میں اتر جائے گا ذمی کافر بھی جو جزیہ دیں اُس کی

برکات سے محروم نہیں رہتے، تجارت کے فروغ بادشاہوں کے انصاف اور رہزنوں سے امن و اطمینان کے سبب سے وہ اسلامی ممالک میں فارغ البال اور خوشحال رہتے ہیں۔ اہل حرب بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے۔ اُن کے حق میں ان کا قتل ہونا عذاب خداوندی کی تخفیف اور سزا کی تقلیل کا سبب ہوتا ہے۔

جہاد کی مثال بارش کی سی ہے

بارش جس کا نفع عام انسانوں کے حق میں بدیہی ہے گو بعض آدمی عمارتوں کے انہدام یا سیلاب اور نہروں کی طغیانی سے تلف ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود بارش کی برکت اور نفع میں کلام نہیں۔

محض جنگ آزادی

بعض فاضل اہل علم کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب جنگ آزادی کے ایک رہنما تھے جن کا مقصد ہندوستان سے انگریزوں کا اخراج اور ملک کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کرا کر ایک خالص ملکی حکومت قائم کرنا تھا جس میں عقیدۂ و اصول اور حکمرانی کے ذہن و عمل کی کوئی بحث نہ تھی یہ نتیجہ شاید اُس خط سے نکالا گیا ہے جو آپ نے مہاراج دولت راؤ سندھیا کے وزیر برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو تحریر کیا تھا۔ اس خط کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔ اس کے آخر میں انگریزوں کے تسلط و اقتدار اور اس کے تباہ کن نتائج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے جن کو ان کی طلب ہوگی اور ان حکام و اہل ریاست کی شوکت و قوت کی بنیاد مستحکم ہوگی ہم درویشوں کو والیان ریاست اور بڑے بڑے سرداروں سے صرف اس بات کی خواہش ہے کہ جان و مال سے اسلام کی خدمت کریں اور اپنی مسند حکومت پر برقرار رہیں۔

بلاشبہ سید صاحب انگریزی اقتدار کو حقیقی خطرہ سمجھتے ہیں اور اس خطرے کے ازالے اور ان "بیگانگان بعید الوطن" اور "تاجران متاع فروش" کے اخراج کے لیے غیر مسلم والیان ریاست کو اپنے ساتھ جدوجہد کرنے اور تعاون کی دعوت دیتے ہیں جو ان کے اعلیٰ سیاسی بصیرت کی دلیل ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ گویا انگریزوں کے اخراج کے بعد سید صاحب اقتدار اعلیٰ اور ہندوستان کی حکومت والیان ریاست اور غیر مسلم اشخاص کے حوالے کر کے خود گوشہ نشین اور ذکر و عبادت میں مشغول ہو جائیں گے۔ اور ایسی ریاست کے قیام پر رضامند ہو جائیں گے، جس میں اسلام اور قوانین اسلام کو کوئی بنیادی اور مرکزی حیثیت نہ حاصل ہو سید صاحب کی زندگی اُن کے اصلی جذبات اور اُن کے روح تحریک سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ انھیں خطوط کے اندر اس کے خلاف صریح شہادتیں موجود ہیں۔

مکتوب بنام شاہ سلیمان

اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور رسول کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ملک کفار اور مشرکین کے قبضہ سے نکل جائے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔ سید صاحب کے سامنے ایک ملک کی آزادی اور غلامی کا مسئلہ نہیں ہے۔ ان کے سامنے تو ساری دنیا پر خدا کی حکومت قیام اور تمام انسانوں پر قوانین الٰہیہ کے نفاذ کا مسئلہ ہے۔

" اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افراد انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے بلا کسی مخالفت کے جاری ہو جائیں" (مکتوب بنام سردار سلطان محمد خان والی پشاور) اس داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر فکر اسلامی کا حامل اور خلافت نبوت کا پرتو کامل ہندوستان کے ہزار سالہ تاریخ میں نہیں ہے۔

سرحد کا انتخاب اور پنجاب، افغانستان اور سرحد کے حالات

سید صاحب کا پروگرام تھا کہ ملک ہندوستان کو کفر و شرک سے پاک کیا جائے۔ سرحد افغانستان میں سکونت اختیار کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔ مگر پنجاب میں رنجیت سنگھ کی حکومت میں مسلمانوں کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے اور ان کے فوری امداد کی ضرورت تھی۔ فوجی مصالح کا تقاضہ تھا کہ یہ مہم ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد سے شروع کی جائے۔ انھوں نے ہندوستان کے اندر اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کا کوئی مرکز نہیں بنایا جس کے ایک ایسا جزیرہ بن جانے کے قوی امکانات تھے جس کے چاروں طرف مخالفتوں، مزاحمتوں اور سازشوں کا سمندر پھیلا ہوتا۔ نواب امیر خاں کی بے بسی اور سلطان ٹیپو کی شہادت نظر کے سامنے تھی۔

افغانستان اور سرحد اپنی بے پناہ فوجی صلاحیتوں کے باوجود چھوٹے چھوٹے مناقشات میں اپنی طاقت کو ضائع کر رہے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ وہ جہاد سنت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور انھیں بلوہ کرنا مقصود نہیں

پنجاب میں مسلمانوں کی حالت

اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر سکھوں کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا اب پنجاب میں مسلمان ایک ایسی غلام قوم کے فرد تھے جس سے حاکموں کو شدید مذہبی نفرت تھی مسلمانوں کو ایک نیم وحشی اور فتح کے نشہ میں سرشار فوجوں کے ہاتھ سخت ذلت و عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

جھنگ۔ ملتان میں ان لوگوں نے جو کچھ کیا

انسانیت اُن پر شرمندہ ہے۔ قتل اور غارتگری، عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک جس شدت کے ساتھ کیا جارہا تھا تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملے گی۔

ہری سنگھ نلوہ، پھولا سنگھ اکالی اور دوسرے فوجی سردار سفاکی آدم خور اور وحشی انسانوں کی طرح مشہور تھے۔ مسجدوں کا گرانا یا ان کو توپ خانہ اور چھاؤنی بنالینا ان کا دستور تھا۔ اس سلوک سے مسلمانوں میں دینی حمیت اور اسلامی روح ختم ہوتی جارہی تھی۔ اقبال نے کہا ہے۔

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

افغانستان و سرحد

یہ ملک طوائف الملوکی اور بے نظمی کا شکار تھے، پنجاب کے مسلمانوں کی مدد تو درکنار ان کو اپنی آزادی اور اپنے مقبوضات کو برقرار رکھنا مشکل ہوگیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کو اورنگ زیبؒ کی طرح صحیح جانشین نہیں ملا۔ ان کے بیٹے تیمور نے ۲۰ سال کمزور حکومت کی اور کئی فرزند چھوڑے جو تخت سلطنت کے مدعی اور اس کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔ شاہ زماں نے پائندہ خاں کی مدد سے جو طاقتور قبیلہ بارک زئی کا سردار تھا۔ اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا۔

زماں خاں نے نااہل وزیر کو مقرر کیا۔ سازش ہوئی لیکن زماں خاں نے چھ سرداروں بشمول اپنے محسن پائندہ خاں کو قتل کرادیا۔ یہاں سے سلطنت کے زوال اور خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی۔ پائندہ خاں کے بیٹے فتح خاں نے فوجی طاقت اکٹھا کرکے خود مختاری کا اعلان کیا۔ زماں خاں کی آنکھ میں سلائی پھیر کر قید کردیا اور محمود خاں کو تخت پر بٹھایا اور زمام وزارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ فتح خاں نے بڑے بڑے منصب اور عہدے اپنے بھائیوں میں تقسیم کردیے۔

اب اندرونی چپقلش شروع ہوئی فتح خاں نے حسن علی مرزا والی ایران پر اعلانِ جنگ کیا لیکن افغانی فوجوں نے شکست کھائی۔ ایک پلان کے تحت شاہزادہ کامران کی مجلس میں حاضرین نے فتح خاں کو بددینی ایرانیوں سے شکست کھانے اور افغانوں کے نام پر بٹہ لگانے کا طعنہ دیا۔ فتح خاں آنکھیں برچھے کی نوک سے نکالی گئیں اور قید کر لیا گیا۔ اس کے بھائی بھتیجوں نے بھاگ کر جان بچائی حالات ایسے ہوئے کہ فوج کا بڑا حصہ بادشاہ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ درّانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اور افغانستان پر پائندہ خاں کے لڑکوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

بارک زئی خاندان جو اب حاکم تھا مگر جس نفاق سے اور افتراق کا شکار درّانی خاندان تھا وہی اس خاندان پر مسلط ہوگیا۔ رنجیت سنگھ نے افغانستان کے ان حالات کا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور پشاور پر قبضہ کرلیا رنجیت سنگھ نے شہر کو تباہی سے بچالیا۔ اس وقت سے پشاور اور یوسف زئی کا علاقہ لاہور کا باجگذار بن گیا۔ عظیم خاں اپنے بھائی یار محمد خاں کی اس بے حمیتی پر ناراض تھا۔ اس نے پیرزادوں اور شائخ وعلماء کی تبلیغ سے کوہستانی اور یوسف زئی مجاہدین کو جہاد کے لیے جمع کیا اور نوشہرہ پر زبردست لڑائی شروع ہوئی۔ شروع میں مجاہدین کا پلڑا بھاری رہا مگر پھر سکھوں کو فتح ہوئی۔

ہزار برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ یہ خالص اسلامی علاقہ غیر مسلم حکومت میں آیا۔ نوشہرے کی جنگ سے اٹک اور پشاور کے درمیان کا سارا علاقہ سکھوں کے قبضہ میں آگیا۔ افغانوں کی قومی ذلّت اور شکست خوردگی اپنے انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

یہ تھے وہ حالات جب سیّد صاحب نے جہاد کے عزم سے ہندوستان کو خیرباد کہا۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچنے کے لیے آپ نے ہندوستان بلوچستان اور افغانستان کا نہایت طویل اور بے حد پر مشقت سفر اختیار کیا۔

سفر سے پہلے زوجہ محترمہ سے وہ رقوم طلب فرمائیں جو ان کے پاس امانت تھیں۔ نصف گھر والوں کے حوالے کرکے ۷ جمادی الآخر ۱۲۴۱ھ روز دوشنبہ آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے۔ اپنے اپنے لشکر کو چند جماعتوں میں تقسیم کردیا تھا۔ یکے بعد دیگرے یہ جماعتیں روانہ ہوئیں۔ ۹ رجمادی الاوّل کو آپ فتح پور میں رونق افروز ہوئے شیخ غلام علی نے سفر کا سامان تیار کرایا۔ آپ دریائے جمنا عبور کرکے باندے پہونچے اور جلال پور کے راستے جالون ہوتے ہوئے گوالیار آئے۔ دولت رائے سندھیا حاکم گوالیار کے لشکر کے بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔

مہاراجہ گوالیار کی طرف سے دعوت

گوالیار میں نواب فتح علی خان کے باغ میں آپ فروکش ہوئے اس روز نواب صاحب کی طرف سے دعوت ہوئی۔ دوسرے روز ہندو راؤ نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ مہاراج نے کہلایا ہے کہ میں بیمار ہوں حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر سرفراز فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا۔ آپ تشریف لے گئے۔ (باقی آئندہ)

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب نے دنیا بھر کے عازمین حج کو آگاہی دی ہے کہ وہ اپنے ساتھ کسی قسم کا سیاسی لٹریچر یا تصویریں نہ لائیں یہ اعلانیہ ریاض میں وزارت داخلہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے وزارت داخلہ کے ترجمان نے بتایا کہ جو لوگ اس کی خلاف ورزی کریں گے ان کو سخت سزا دی جائے گی اور ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی سعودی حکومت اور عوام عازمین حج کو ہر ممکن سہولت پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ وہ حج کے ارکان بخوبی انجام دے سکیں۔ سعودی حکام اس بات کا عزم کئے ہوئے ہیں کہ حج کے دوران احترام اور عبادت کے ماحول کو خراب نہیں ہونے دیں گے۔

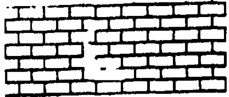
● فلپائن کے مشہور اداکار رابن پڈیلا نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ جیل میں آتشیں اسلحہ رکھنے کے جرم میں ۲۱ سال کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ رابن کا کہنا ہے کہ اسلام نے جذباتی طور پر مجھے مزید مستحکم بنا دیا ہے۔ ۲۴ سالہ اداکار نے بتایا کہ اس سال جیل میں پہلی بار رمضان کے روزے رکھے۔ انھوں نے فلپائن کے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اسلام کو بہتر طور پہ سمجھنے کی کوشش کریں واضح ہو کہ فلپائن کی ۶ کروڑ ۹۰ لاکھ کی آبادی میں ۸۵ فیصدی کیتھولک عیسائی اور دس فیصدی مسلمان ہیں۔

● روس کے انسداد منشیات مرکز کے سربراہ نے اپنے ایک اخباری بیان میں بتایا کہ روس میں تقریباً ۱۵ لاکھ افراد منشیات کے عادی ہیں جن میں بیشتر منشیات کے عادی نوجوان ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ سن ۲۰۰۰ء تک منشیات کا استعمال کرنے والوں کی تعداد دوگنی ہو جائے گی۔ جبکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۵ لاکھ لوگ منشیات کا استعمال کرتے ہیں۔

● اسرائیل جلد ہی اپنی اور فلسطین حکومت کے علاقوں کے درمیان ایک دیوار تعمیر کرے گا جس کی لمبائی تقریباً ۲۱۰ کیلو میٹر ہوگی۔ دیوار کا منصوبہ اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ یہودی بستیوں کو مقامی فلسطینی اور خاص طور سے حماس تنظیم کے لوگوں سے محفوظ رکھا جائے۔

● روس کے مسلح افواج کے جنرل اسٹاف کے اول نائب چیف مسٹر وکنٹر نے روسی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں میں بتایا کہ چیچنیا میں روس کے اب تک ۲۱۴۴ فوجی مارے جا چکے ہیں ان میں نیم فوجی دستوں کے جوان شامل نہیں ہیں۔ انھوں نے ممبران پارلیمنٹ کے سوال پر بتایا کہ چیچنیا میں فوجی کارروائی پر دفاعی بجٹ سے اب تک ۵ کھرب روبل خرچ کئے جا چکے ہیں

● سعودی عرب کے طباعتی مرکز نے سب سے چھوٹا قرآن مجید شائع کیا ہے۔ یہ پاکٹ سائز قرآن مجید ۱۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جس کی موٹائی ۲ سینٹی میٹر اور وزن دو سو گرام ہے۔ یہ قرآن شریف ہالینڈ کے پریس میں خصوصی اہتمام کے ساتھ شائع کرایا گیا ہے قرآن مجید کا کاغذ فرانس سے ہی حاصل کیا گیا ہے۔



سحر مدینے کی

ہلسری بلند شہری ندوی

حیات خیز ہے شام و سحر مدینے کی
ہے خوش نظر سی ہر اک رہگذر مدینے کی

قدم پڑے ہیں یہاں پر رسول اکرمؐ کے
ہے خاک سرمۂ چشم بشر مدینے کی

انھیں فضاؤں میں گونجی تھی کل نوائے رسولؐ
ہر اک روش ہے بڑی معتبر مدینے کی

رسولؐ محو یہاں پر ہیں استراحت میں
ہوائیں ہیں بڑی صہبا اثر مدینے کی

وہ سیل نور کا عالم، وہ گنبد خضریٰ!
وہ تیرگی سے ابھرتی سحر مدینے کی

کھلے ہیں کتنے ہی اسرار قلب مومن پر
وہ کیفیات لئے ہے سحر مدینے کی

ہیں اہل دل کی نگاہوں میں معتبر وہ لوگ
ہے جن کے چہروں پہ گرد سفر مدینے کی

تم آرہے ہو دیار رسولؐ سے ہو کر
سناؤ کچھ تو مجھے بھی خبر مدینے کی

اسی پہ کھل گیا تخلیق کائنات کا راز
وہ جس نے دیکھ لی ہمدم کی سحر مدینے کی

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س:۔ قربانی کس پر واجب ہے!

ج:۔ قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔

س:۔ کیا قربانی واجب ہونے کے لیے سال گذرنا شرط ہے؟

ج:۔ قربانی واجب ہونے کے لیے سال گذرنا شرط نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے پھر بھی نہیں کرتا ہے تو کیا اس پر کچھ وعید ہے؟

ج:۔ ہاں اس کے لیے سخت وعید ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (یعنی وہ خدا کے حضور میں حاضری کے لائق نہیں ہے)

س:۔ عیدالاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے یہ حکم کس کے لیے ہے جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لیے؟ یا سب کے لیے

ج:۔ قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ کھانے سے رکا رہے اور قربانی کے گوشت سے کھانے کی شروعات کرے۔

س:۔ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن اس نے قربانی نہیں کی یہاں تک کہ دن گزر گئے تو وہ اب کیا کرے؟

ج:۔ قربانی کی قیمت صدقہ کرے۔

س:۔ چرم قربانی خود استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ خود استعمال کرسکتے ہیں لیکن اگر اس کو فروخت کردیا ہے تو اب قیمت کا صدقہ ادا کرنا لازم ہے۔ اس کو خود استعمال نہیں کرسکتے ہیں۔

س:۔ اگر بچہ صاحب نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

ج:۔ بچہ پر قربانی واجب نہیں اگرچہ وہ صاحب نصاب ہو۔

س:۔ ایک شخص قربانی کا گوشت تقسیم نہیں کرتا بلکہ فریج میں رکھ کر کھاتا ہے شرعاً یہ عمل کیسا ہے؟

ج:۔ اس کا یہ عمل خلاف اولیٰ ہے کیونکہ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرے ایک حصّہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھے، ایک حصّہ احباب وغیرہ میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے،

س:۔ کیا اس جانور کی قربانی کرسکتے ہیں جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہو؟ اسے دوسری آنکھ سے دکھائی نہ دیتا ہو؟

ج:۔ نہیں ایسے جانور کی قربانی نہیں کرسکتے ہیں۔

س:۔ کیا اس جانور کی قربانی کرسکتے ہیں جس کے کان کٹے ہوں؟

ج:۔ نہیں ایسے جانور کی قربانی نہیں کرسکتے ہیں جس کے پورے کان کٹے ہوں یا اکثر کان کٹے ہوں؟

س:۔ کیا بیوی کی طرف سے قربانی واجب ہے؟

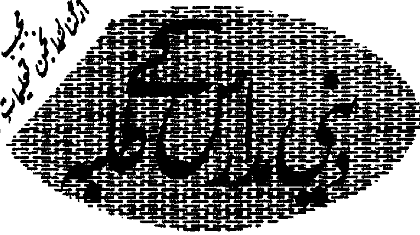
ج:۔ واجب نہیں ہے۔ اگر بیوی کی اجازت سے قربانی کردے تو وجوب بیوی کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا۔

س:۔ ایک بکرا لنگڑاتا ہے تو کیا اس کی قربانی کرسکتے ہیں؟

ج:۔ اگر اتنا لنگڑاتا ہے کہ خود مذبح تک نہ جاسکے تو قربانی درست نہیں ہے۔

س:۔ ذبح کرتے وقت جانور کا رخ قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ مسنون ہے، بغیر عذر قبلہ کی جانب منہ نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔



مجیب بستوی
آرگنائزر دینی تعلیمی کونسل ضلع بستی

مکرمی!

دینی مدارس کے طلبہ کے اندر آج کل دینی رجحان اور علمی ذوق و شوق اور محنت کی افسوسناک حد تک کمی آگئی ہے، ہر سال پورے ملک سے ہزاروں کی تعداد میں مختلف اداروں سے طلبہ فارغ ہو کر نکلتے ہیں لیکن دس فیصد بھی کام کے نہیں ہوتے، مقرر تو ملتے ہیں مدرس نہیں ملتے اس کا زبردست فقدان ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ طلبہ خود اپنی تعلیم و تربیت و اصلاح کی قطعاً فکر نہیں کرتے، داخلہ بھی ایسے مدارس میں چاہتے ہیں جہاں ان کو سیر و تفریح کی مکمل آزادی ملے۔

اسی کے ساتھ ایسے بہت سے مدارس بھی میری نظر میں ہیں جہاں کے اساتذہ بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی تعلیم اور اس کے اعلیٰ معیار کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسی مرکزی درسگاہوں میں جاکر داخلہ کے امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہتے کہ ہمارے یہاں سے جو بچے دوسری بڑی درسگاہوں میں جاتے ہیں تو صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوتے ہیں، وضع قطع میں فرق نہیں آتا ان کے اخلاق و اطوار قابل اطمینان ہوتے ہیں اساتذہ انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے ساتھ خصوصی مراعات ہوتی ہیں۔

آج دیکھا یہی جاتا ہے کہ بڑے بڑے اداروں میں طلبہ غیر شرعی لباس استعمال کرتے ہیں غیر شرعی سے مراد یہ ہے کہ علماء کے لباس سے انھیں بیر ہوتا ہے ٹخنے سے نیچے پائجامہ اور سر پہ انگریزی بال تو عام بات ہے۔

میں دینی تعلیمی کونسل کا آرگنائزر ہونے کے ناطے برابر مدارس کا دورہ کرتا رہتا ہوں اس لئے مجھے اس کا تجربہ ہے طلبہ کی حالت اتنی قابل افسوس ہے کہ اگر اساتذہ ہدایت نہ کریں تو وہ کسی مہمان کو سلام نہ کریں۔

مندرجہ بالا سطور سے میرا مقصد مدارس پر تنقید نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اساتذہ طلبہ کی تعلیم و تربیت دونوں کی طرف دھیان دیں، سختی سے نہیں سمجھا بجھا کر تاکہ وہ جہاں بھی رہیں اس پر کاربند رہیں۔ نماز باجماعت کے عادی بنیں، اساتذہ، درسگاہ، کتابوں کا احترام کریں جس پر صحیح علم کا حصول موقوف ہے۔ والدین کے ادب و احترام کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں، وضع قطع میں فرق نہ آنے دیں، اخلاقی حالت نہ گرنے دیں، اسی کے ساتھ تعلیمی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعی کریں اور طلبہ کو اپنے یہاں صرف مقرر نہیں، ایک باصلاحیت استاذ، مدرس بنا کر بھیجیں کیونکہ انھیں مدارس سے ہیرے، جواہرات بھی نکلتے ہیں اور کنکر پتھر بھی، اساتذہ سے میں باادب یہ بھی عرض کروں گا کہ وہ علماء پر تنقید و تنقیص کا طریقہ ترک کریں، ورنہ اساتذہ کا رنگ طلبہ پر چڑھے گا اور وہ بجائے بننے کے بگڑیں گے۔ گستاخ اور بے ادب ہوں گے یہ باتیں آج کل مدارس میں ہیں جن کا دور کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

ہیلری کے بیان کے بعد امریکہ میں اسلام کی تفہیم نو کی کوششیں

واشنگٹن۔ امریکہ کی خاتون اول ہیلری کلنٹن کے اس بیان کے بعد کہ امریکا میں اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی ملک میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی تگ و دو شروع ہو گئی ہے محکمہ انسداد دہشت گردی کے کوارڈینیٹر سفیر فلپ ولکاکس نے کہا کہ اسلام امن کا مذہب ہے مسٹر ولکاکس نے اسلام اور تشدد دہشت گردی کے درمیان کسی قسم کے تعلق یا مماثلت کے تصور کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا ہے انھوں نے کہا کہ عرب دنیا میں اس بات پر عمومی اتفاق رائے کی صورت میں پیدا ہو رہی ہے کہ دہشت گردی کی مذمت کی جائے اور مشرق وسطیٰ میں امن کے جاری عمل کی حمایت کی جائے امریکہ کے ایک نائب وزیر خارجہ ایڈورڈ جی جیری جیان نے کہا کہ امریکہ اسلام کو ہرگز کوئی ایسا نیا ازم نہیں سمجھتا جو مغرب سے متصادم ہو۔ اور عالمی امن کے لئے ایک ابھرتا ہوا خطرہ بنتا جا رہا ہو۔ امریکہ میں اسلام کے بارے میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اس کے بارے میں تجسس کا اندازہ اس جائزے سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے ١٩٩٣ء کے بعد سے کیا گیا، سروے کے مطابق چار فیصدی امریکی اسلام کے بارے میں کوئی رائے نہیں رکھتے تھے جبکہ ٢٦ فیصد امریکیوں نے اسلام کے بارے میں مثبت رائے کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کے بارے میں تمام سوالوں کے جواب دینے والوں میں سے ٢٥ سے ٣٠ فیصد ایسے تھے جو یا تو غیر یقینی کیفیت سے دوچار تھے یا کوئی رائے ہی نہیں رکھتے تھے۔ اس جائزے سے ہیلری کلنٹن کے اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ امریکیوں کو اسلام کے بارے میں ابھی بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے۔

بقیہ: درس حدیث

ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔

"اگر تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہونچ جائیں"۔ بڑھاپے کا معاملہ بالکل الگ ہے بڑھاپے کی عظمت وشان اس کے تقاضے اور اس وقت کے احساسات جلد متاثر ہونے کی کیفیت جوانی کے احساسات سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا لڑکے کو ان نزاکتوں کو سمجھنا چاہئے۔ اور حسن سلوک اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ فرمانبردار بیٹا محترم والدین سے پورے ادب و لحاظ کے ساتھ بات کرے، لڑکے سے کوئی ایسی بات نہ سرزد ہو جس سے اکتاہٹ و بے رخی کا مظاہرہ ہو، یا اس میں توہین بے ادبی کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

"ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا"۔ یہ ادب کا اعلیٰ درجہ ہے کہ ماں باپ سے گفتگو کے انداز میں ادب و تعظیم کی ادا پائی جاتی ہو۔

"عجز و نیاز سے ان کے سامنے جھکے رہو"۔ ان الفاظ میں ان کے ادب و لحاظ کو نہایت لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو دل کے پردوں پر دستک دیتا اور احساسات محبت کو بیدار کرتا ہے۔

رہی دوسری بات جس کی طرف حدیث رہنمائی کرتی ہے کہ بندۂ مومن کی شخصیت بالکل جداگانہ ہوتی ہے، وہ خاموشی، وقار، کم بات کرنے اور سوال کرنے اور سوال میں اصرار کرنے، اور بلا وجہ کی باتوں سے دور رہنے میں اوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

"منعاً و ھات" روکنا اور طلب کرنا یعنی خود پر جو حقوق واجب ہیں ان کے ادا کرنے سے پہلوتہی کرنا اور جس کا اسے حق نہیں پہونچتا اسے مانگنا آیت پاک (وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ) برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے۔ اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حافظ کہتے ہیں روکنے کا مطلب جس چیز کے دینے کا اسے حکم دیا گیا ہے اسے روکنا اور جس کا اسے حق نہیں پہونچتا اسے مانگنا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ مطلق سوال ہی سے روکا گیا ہو، جس کا ذکر یہاں اس کے مدمقابل کے ساتھ کیا گیا ہے"۔

حدیث کی تشریح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ "منع و ھات" اور دوسری روایت میں ہے "ولا و ھات" ت پر زیر کے ساتھ، حدیث کے معنی ہیں کہ آدمی کو اپنے اوپر واجب حقوق نہ ادا کرنے سے روکا گیا ہے، یا جس چیز کا اسے حق نہیں پہونچتا ہے مانگے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

بقیہ: صلہ رحمی

یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں

اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ (یعنی جہنم) میں داخل کریں گے۔ اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے (سورۂ نساء آیت ۱۳-۱۴)

کیا اس کے بعد بھی کسی ایمان والے میں یہ جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ بہنوں کو ان کے شرعی حق سے محروم کرے ایک حدیث میں یوں آیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے وارث کی میراث کو کاٹ دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے (مشکوٰۃ ص ۲۶۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنی تحریر یا تقریر یا وصیت سے اپنے کسی وارث کو محروم نہ کرنا چاہئے۔

حق العباد کی بڑی اہمیت ہے، جب تک حق والا اپنا حق نہ پا لے گا یا معاف نہ کر دے گا حق مارنے والا چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ لہٰذا ہم کو چاہئے کہ پہلی فرصت میں ہم اپنے معاملات صاف کر لیں۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق اس کی آبرو ریزی یا مال سے متعلق ہو تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کر لے۔ اس سے پیشتر کہ (قیامت کا دن آئے) وہاں اس کے پاس نہ دینار ہوں گے، نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے (مشکوٰۃ ص ۴۳۹)

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی کی ظلماً ایک بالشت زمین لے لی تو قیامت کے دن اس ایک بالشت کے بقدر ساتوں زمین کا حصہ اس کے گلے میں طوق (ہار) بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۵۴)

(تلخیص مکمل ہوئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے) آمین۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے خریدار جناب مولانا حیات الرحمن مظاہری کے والد محترم جناب منشی برکات احمد کا ۸۰ سال کی عمر میں بلند شہر میں ۴ مارچ ۹۶ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ ۱۰ر مئی ۱۹۹۶ء مطابق ۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ شمارہ نمبر ۱۳

نگرانِ اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی۔ مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی۔ مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی۔ مولانا محمد رضوان ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرِ تعاون

سالانہ ـــــ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ـــــ پانچ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک:۔

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

ـــــ ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک:۔

بحری ڈاک جملہ ـــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــ مینیجر

خط و کتابت کا پتہ

مینیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی -/۱۰ روپئے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

اسلامی شریعت

(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

ایک محکم قانون اور انسانی زندگی کی ضرورت

مسلمانوں کی دینداری اور ان کی اسلامی زندگی پر نام نہاد دانشوروں اور اہلِ قلم بعض وقت عجیب اعتراضات کرتے ہیں، ان کے اعتراضات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان اعتراضات کرنے والوں میں سے اکثر لوگ علم و دانش کے جو معمولی تقاضے ہیں ان کا بھی خیال نہیں کرتے۔

ہماری مسلم سوسائٹی میں جو خرابیاں بے راہ رو اور منحرف لوگوں کی بدعملی سے پیدا ہوگئی ہیں۔ صرف ان کو دیکھ کر یہ لوگ اسلامی سوسائٹی کے عقیدہ اور مذہبی تعلیمات کے خلاف رائے زنی کرتے ہیں، اور اسلامی احکامات کو پوری طرح پڑھے اور جانے بغیر محض اپنی اٹکل سے مذمت کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ایک جگہ شراب کی تدریج حرمت کے دوران ایک مرحلہ پر قرآن مجید میں یہ حکم آیا ہے کہ اگر تم نشے میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ تو اس "تم اگر نشے میں ہو" کو چھوڑ کر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں تو یہ ہے کہ تم نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، اس کے باوجود مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اسلام سے کدورت رکھنے والے ایک صحافی ارون شوری صاحب نے اخبار میں متعدد مضامین اسلامی تعلیمات کی مذمت میں لکھے ہیں ان میں اسی طرح کی حرکتیں کی ہیں، ارون شوری صاحب نے قرآن و حدیث کا جو اسلامی احکامات و تعلیمات کا منبع ہے ـــ اور اسلامی فقہ کا جو کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے الفاظ سے حاصل ہونے والے اشاروں اور وضاحتوں کا موضوع ہے۔ کیا مطالعہ کیا ہے؟ وہ اپنے کو اس کی تشریح کرنے اور نقص نکالنے کا کام کرنے کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔

ارون شوری صاحب ہی کی طرح بعض ان ہی جیسے دانشور ایسے ہی جاننے اسلام سے ناواقف لوگوں کے لئے شائع کرتے ہیں۔ ابھی چند دنوں قبل ایک جائزہ بہت طمطراق کے ساتھ اخبار میں شائع ہوا ہے کہ مسلمان عورتوں کی ایک بڑی تعداد سے دریافت کرنے پر ان میں ۹۰ فیصد عورتوں نے بتایا کہ اسلام میں عورتوں پر ظلم ہے۔ اس کی اصلاح ہونا چاہئے۔ یہ کون عورتیں تھیں؟ قرآن و حدیث سے اور اسلامی احکام سے کتنا واقف تھیں؟ یا غیر مسلم عورتیں تھیں جن کو برقع پہنا کر یا مسلمان عورتوں کے لباس میں لاکر سوالنامے کے دائرے میں لایا گیا تھا۔ پھر دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں یوں بھی تعلیم یافتہ افراد کا اوسط کم اور عورتیں تو زیادہ غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ پھر ملک کی آبادی کا بیشتر حصہ دیہاتوں میں رہتا ہے جو ہل بیل اور کھیت کی معلومات سے زیادہ معلومات نہیں رکھتا۔ مسلمان عورتوں میں تعلیم یافتہ عورتوں کا تناسب اور بھی کم ہے، ان میں سے بیشتر پرسنل لا وغیرہ کی اصطلاحات ہی سے ناواقف ہیں ان سے شریعت اسلامی کے متعلق دریافت کرنا بیکار بات ہے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے کہ کسی پرائمری اسکول میں جاکر پوچھا جائے کہ امریکہ کا لایا ہوا عالمی نظام ہندوستان کے لئے کہاں تک مناسب ہے؟ اور اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا؟ بچے جو جواب دیں آپ اس کو عقل کی بات قرار دے کر پیش کردیں۔

یہ ہے مثال اس طرح کے جائزے کی جو اسلام سے ناواقف اور مخالف لوگ اپنا دل خوش کرنے کے لئے لیتے رہتے ہیں۔ اسلام کے سیکڑوں قوانین میں سے ایک قانون کا بھی پورا مطالعہ نہیں کرتے پھر بھی اس کی بال کی کھال نکالتے ہیں۔

اسی طرح کی ایک کوشش کے بارے میں مجھے ایک صحافی شاہد نے بتایا کہ دہلی کی ایک یونیورسٹی کی متعدد غیر مسلم لڑکیوں کو جن کو وہ پہچانتے تھے برقع پہنا کر یا مسلمان لباس میں پرسنل لا کے موضوع کے ایک سیمینار میں لایا گیا اور اس کی کوشش کی گئی کہ کوئی ایسا مسلمان شرکت نہ کرے جو ان لڑکیوں کو پہچانتا ہو یا شریعت اسلامی کا ناقد نہ ہو۔ اس صحافی شاہد کو بھی اندر نہیں جانے دیا گیا۔ لیکن اس نے کوشش کرکے ان نمائندوں کو دیکھ لیا جو مسلمان بنا کر لڑکیاں لائی گئی تھیں۔ اور دوسرے دن اخبار میں ان کی قیمتی آراء چھاپ دی گئیں۔ اب اس کو اگر کوئی کہے کہ غلط ہے تو اس کو کٹھ ملا، زندگی کے تقاضوں سے ناواقف بنیاد پرست کہہ کر مسترد کردیا جائے گا۔ یہ طریقے نہ صرف یہ کہ حقائق کو توڑ مروڑ کے پیش کرنے کے ہیں بلکہ قوم کو بہت سے حقائق سے اندھیرے میں رکھنے کے ہیں، یہ نہ تو قوم کے

مفاد میں ہیں اور نہ ملک کے مفاد میں، عامۃ الناس کا مزاج زیادہ غور کرنے اور سمجھنے کا نہیں ہوتا۔ ان کو تو قوم کے نمایاں افراد جو بتادیں اس کو مان لیتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں ان سے کہہ دیا جائے کہ سنکھیا روز کھایا جائے، تو جسم کے سارے امراض دور ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا تم سب لوگ روز صبح سنکھیا کھالیا کرو تم سب کی صحت بہتر ہوجائے گی۔ یا یہ کہا جائے کہ روزانہ تم فلاں مقدار میں افیم کھایا کرو، تم دن بھر راحت کے ساتھ رہو گے۔

اس خیال کو رواج دیا جائے تو پھر قوم کا کیا ہوگا۔ اور ملک کہاں جائے گا؟ مسلم معاشرہ کی صحیح خصوصیات سے ناواقف لوگ اسی طرح سے اپنی قابلیت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ان کو اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ صحیح علمی طریقہ سے معلومات کرکے رائے قائم کریں۔

مسلم معاشرہ کے بالکل جاہل اور مذہب سے بے تعلق رہنے والوں میں جو عادتیں پیدا ہوگئی ہیں، اور ان کے اندر جو بدعملیاں آگئی ہیں، صرف ان کو دیکھ کر پورے مسلم معاشرہ پر ہی نہیں بلکہ اسلام اور اس کے احکامات پر بھی بآسانی رائے زنی کی جانے لگی ہے۔ اور جو باتیں اور عادتیں خود اسلام کی نظر میں بدترین ہیں اور ان سے سختی سے روکا جاتا ہے۔ ان کو بھی اسلام کے سر لگا کر اسلام کا عیب بتایا جانے لگا ہے۔ حالانکہ ان میں متعدد باتیں اپنے ساتھ رہنے والے غیروں سے آئی ہیں، مثلاً جہیز کا مسئلہ کہ لڑکی اگر مطلوبہ جہیز نہیں لائی تو اس کو سخت اذیت دی جاتی ہے حتیٰ کہ جلا ڈالا جاتا ہے۔ اگرچہ مسلمان معاشرہ میں یہ واقعات ہندو معاشرہ کے مقابلے میں بہت کم ہیں اور اصل تو یہ ہے کہ اسلام میں شادی کے تعلق سے لڑکی پر کسی طرح کے صرفہ کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے۔ نکاح کے سلسلہ میں جو مصارف آتے ہیں وہ سب لڑکے کے ذمہ رکھے گئے ہیں۔ نکاح کے وقت جو مٹھائی چھوہارے تقسیم ہوتے ہیں وہ بھی لڑکے کے ذمہ ہوتے ہیں نکاح کے موقع پر کھانا بھی لڑکی والوں کے ذمہ نہیں ہے۔ نکاح کے بعد بیوی شوہر سے مل جانے کے بعد کی دعوت شوہر کے ذمہ ہوتی ہے، جس کو ولیمہ کہتے ہیں، نکاح کے تعلق سے بیوی کو ایک وقیع رقم مہر دی جاتی ہے، وہ بھی لڑکے کے ذمہ ہوتی ہے، لڑکی نہ تو کچھ دیتی ہے اور نہ اس پر کچھ لانے کی ذمہ داری ہے۔ لڑکی اپنے گھر سے اگر خود کچھ لے کر آتی ہے تو اس کے بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہوتا، وہ خالص لڑکی کی ملکیت رہتی ہے۔ لڑکی کے اپنے شوہر کے پاس پہونچنے کے بعد سے اس کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں، اور وہ اخراجات اسی معیار کے ہوتے ہیں جس معیار پر شوہر رہتا ہے اور جب تک لڑکی اپنے شوہر کی زوجیت میں رہتی ہے اس کے مصارف شوہر پر لازمی ہوتے ہیں۔ اور جو مہر ہوتا ہے اس کی ادائیگی بھی لازمی ہوتی ہے۔

اگر کوئی مرد اس خیال کے ساتھ شادی کرے کہ مہر نہ دیں گے تو اسلامی قانون میں اس کی شادی صحیح نہیں ہوتی اور شوہر بیوی کا رشتہ ہی نہیں بنتا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ لڑکی اپنے شوہر سے خوش ہوکر خود سے اس کو مہر کی رقم ہدیہ کردے۔ لیکن شوہر کے دباؤ سے ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں عورت کے لئے سب فائدہ ہی فائدہ ہے، اور مرد کے ذمہ خرچ ہی خرچ ہے، اس کے بعد کیا مرد کا اتنا بھی حق نہیں کہ وہ عورت سے اس کا مطالبہ کرے کہ وہ گھر کے اندرونی انتظام کا بوجھ اٹھائے اور شوہر کی راحت کا باعث بنے، وہ شوہر کے معیار زندگی کے مطابق معیار پر رہتے ہوئے گھر کی اور بچوں کی فکر رکھے، پھر جب مرد پر اللہ تعالیٰ نے مصارف کا اپنی بیوی کی حیثیت کے مطابق اس کا خرچ برداشت کرنے کا سارا بوجھ ڈالا ہے تو اس کو یہ حق دیا ہے کہ بیوی سے اس کی حیثیت بڑی ہو جیسے دو ساتھیوں میں ایک کی سینئر اور دوسرے کی جونیئر کی حیثیت ہوتی ہے، پھر اگر دونوں میں نااتفاقی ہوجائے اور ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہ ہوسکے تو شریعت کا حکم ہے کہ دونوں کے اعزہ کوشش کرکے دونوں کے اختلافات دور کرائیں اور صلح کرانے کی کوشش کریں اگر صلح نہ ہوسکے اور دونوں کا ساتھ رہنا قابل برداشت نہ رہے تو اختیار دیا گیا ہے کہ تعلق توڑ لیں لیکن شریعت کے بتائے ہوئے طریقے سے۔ تعلق توڑنے کا طریقہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مرد پہلے ایک طلاق دے اور الگ رہے اگر ایک ماہ کے اندر مصالحت کی صورت نہ بنے تو دوسری طلاق دے اور پھر ایک ماہ انتظار کرے اور مسئلہ حل نہ ہو تو تیسری طلاق دیدے اس پر دونوں میں جدائی ہوجائے گی اس طرح اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرنے اور مصالحت کی کوشش کرنے کے لئے دو ماہ کی مدت مل جاتی ہے لیکن شوہر بیوی میں جھگڑا ایسا بڑھ گیا ہو کہ نہ اعزہ کی کوشش کامیاب ہو رہی ہو اور نہ بار بار کی وارننگ کا اثر ہو رہا ہو تو پھر کون سا انصاف ہے کہ کہا جائے کہ جھگڑا کرتے رہو اور ساتھ رہو علاحدہ نہیں ہوسکتے، تو پھر تعجب نہیں کہ نتیجہ اس طرح کا نکلے کہ جس طرح دو حقیقی بھائی بعض وقت سخت اختلافات کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو قتل تک پر آمادہ ہوجاتے ہیں شوہر بھی بیوی کو ختم کردے گا۔ چنانچہ یہ بات علی الاعلان ہو رہی ہے کہ مرد اپنی بیوی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے باورچی خانے میں اس کو آگ لگا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کھانا پکانے میں جل گئی اور چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے، کیا عورت اس بات کو پسند کرتی ہے اور کیا کسی حال میں عورت علاحدگی کے لئے تیار نہیں بعض مواقع ایسے بھی آسکتے ہیں کہ طلاق دینے کی ضرورت ایسے حالات میں پیش آجائے کہ دو ماہ کا انتظار بھی قابل عمل نہ ہو ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے تینوں طلاقیں ایک ساتھ دینے کی بھی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کو بہت برا قرار دیا گیا ہے اور ناپسند کیا گیا ہے بلکہ اسلامی قانون کے بعض ماہرین نے اس کو ناجائز بھی قرار دیا ہے لیکن بلاشبہ ایسی صورت پیش آسکتی ہے اور اس کے لئے گنجائش کا ہونا ضروری .... کا لحاظ رکھنا ہے، لہٰذا شریعت اسلامی کے

اکثر ائمہ نے اس کی گنجائش اور یہ حل شریعت کے حکم کے مطابق تسلیم کیا ہے۔

شریعت میں طلاق دینے کا حق مرد کو دیا گیا ہے بعض ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ اس میں عورت کے ساتھ انصاف نہیں ہے عورت کو بھی حق ہونا چاہئے حالانکہ یہ خیال بہت سطحی ہے کیونکہ شوہر بیوی دونوں کی حیثیت علاحدہ علاحدہ ہے مثلاً یہ کہ زوجیت کا تعلق قائم ہونے میں سب مصارف اور بوجھ مرد پر ڈالا گیا عورت پر ایک حبہ بھی خرچ نہیں ڈالا گیا اس لئے طلاق کی صورت میں سارا نقصان مرد کا ہوتا ہے عورت کا کوئی نقصان نہیں ہوتا وہ تو اپنے مہر کی رقم اور اپنی ملکیت کا سارا سامان لے کر اپنے باپ یا بھائی کے پاس واپس آجائے گی اور اگر اس کے پیٹ میں بچہ ہے تو بچہ کی ولادت تک بلکہ اس کے بعد دو سال یعنی دودھ چھڑانے تک وہ اپنا سارا خرچہ مرد سے لیتی رہے گی، دودھ چھڑانے کے بعد بھی بچوں کی پرورش کے مصارف وصول کرے گی، اگر بچہ نہیں ہے تو عورت عدت کی مدت تک خرچہ مرد سے لے گی۔ اور عدت کے بعد وہ اپنی نئی زوجیت قائم کرنے کے لئے بغیر کسی زائد بوجھ کے اپنا نیا پروگرام بنائے گی، اور اسلامی شریعت میں اور مسلمانوں کی سوسائٹی میں دوسری شادی مذموم بھی نہیں سمجھی جاتی اس لئے عورت کو اس سلسلہ میں کوئی پریشانی نہیں البتہ مرد طلاق دینے کے بعد جب دوسری شادی کرے گا، تو پہلی شادی کی طرح اس دوسری شادی کے سارے مصارف اس کو دوبارہ کرنے ہوں گے، اور عورت دوسری شادی کرے گی تو بلا ادنیٰ مصارف کے دوسرے شوہر کی ..... بیوی بنے گی اور اس کو اس نئی جگہ بھی وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے جو پہلے شوہر کے یہاں حاصل تھے تو دیکھنا یہ ہے کہ طلاق دینے میں اصلاً کس کو نقصان پہونچتا ہے، اور کس کو نہیں پہونچتا، اگر عورت کو طلاق دینے کا حق مرد کی طرح یا مرد کے بجائے عورت کو دیدیا جائے تو کتنی عورتیں ہوں گی جو اس کو کاروبار اور تجارت بنالیں گی کہ ایک شادی کی جب مہر کی ہزاروں کی رقم لے لی اور شوہر کے یہاں کے سارے فوائد بھی حاصل کر لئے تو طلاق دے کر دوسرا شوہر کر لیا اور وہاں اسی طرح دولت اور فائدے اکٹھا کر لئے، پھر اس کو چھوڑ کر تیسرے کے پاس بآسانی چلی جائے گی کیونکہ عورت کو طلاق کا فیصلہ کرنے میں کوئی بوجھ یا دشواری تو ہوگی نہیں، لیکن مرد طلاق دینے کے وقت ... یہ سوچے گا کہ اس کے نتیجہ میں اس پر کیا بوجھ پڑ رہا ہے اور کیا نقصانات ہو رہے ہیں شادی کرنے میں جو مصارف ہوئے وہ ضائع گئے مہر کی رقم جو بیوی کو تا حیات اپنے پاس رکھنے کے لئے صرف کی وہ بھی ہاتھ سے گئی اور دوران زوجیت جو کچھ بیوی پر خرچ کیا اور اس کو دینا پڑا وہ بھی گیا، اب نئی بیوی کرنے پر یہ سب خرچہ دوبارہ کرنا ہے، تو کیا یہ عقل کی بات نہیں کہ طلاق دینے کا حق اسی کو ملنا چاہئے جس کو فیصلہ کرنے میں دس بار سوچنا پڑے اب رہا یہ کہ بعض حالات ایسے ہو سکتے ہیں کہ مرد طلاق نہیں دے رہا ہے اور عورت پریشان ہے اور وہ مرد کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی تو اس کے لئے شریعت نے خلع کی صورت رکھ دی ہے کہ وہ قاضی کے یہاں شکایت کر کے مرد سے طلاق حاصل کرے، قاضی حالات کا جائزہ لے کر مرد سے طلاق دلوائے گا۔ یہ سب سہولتیں اور گنجائشیں اور پابندیاں شریعت نے رکھی ہیں اس میں دونوں کے لئے انصاف ہے کہیں کسی کے حق کا نقصان نہیں ہے اگر کچھ لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو اس میں شریعت اسلامی کا کیا قصور ہے اور مسلم معاشرہ میں ان باتوں پر پورا عمل نہ کرنے کے باوجود ایک حد تک عمل کیا جاتا ہے اور اس سے خاصا فائدہ ہے مسلمانوں کے متعلق بدگمانی جو کہ اس وقت عمداً پھیلائی گئی ہے اس سے غیر جانبدار ہو کر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس میں پروپیگنڈے کا اثر بھی ہے ورنہ مسلمانوں کا معاشرہ نکاح وطلاق کے سلسلہ میں دوسرے معاشروں سے اب بھی خاصا بہتر ہے۔ اس میں مساوات اور ہمدردی کی مثالیں زیادہ ملیں گی اور وہ تنگی اور پریشانی بہت کم ملے گی جو دوسرے معاشروں میں پائی جاتی ہے اگر عدل وانصاف کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور موازنہ کیا جائے

افسوس کی بات ہے کہ بعض جدید تعلیم یافتہ مسلمان عورتیں بھی مخالفین اسلام کے پروپیگنڈے کے اثر سے یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ واقعی اسلام میں ظلم ہے یہ عورتیں پڑھی لکھی ضرور ہیں لیکن شریعت کا علم نہیں رکھتی ہیں ان کا حال اسی طرح کا ہے کہ کوئی شخص سائنس کا علم رکھتا ہو اور مسئلہ آجائے قانون کی بعض دفعات کا اور وہ بغیر ان دفعات کو پڑھے ہوئے یا اس کے ماہرین سے دریافت کئے بغیر اپنے کو اس کا حقدار سمجھے کہ وہ قانون کی کسی دفعہ پر جو رائے چاہے قائم کر سکتا ہے، چاہئے یہ کہ جو شخص جس چیز کا علم رکھتا ہے وہ اسی کے بارے میں رائے دے وہ دوسرے علم کے بارے میں کیسے رائے دے سکتا ہے، اسی طرح اگر کسی سوسائٹی میں کسی ملک میں دستور اور ضابطوں پر عمل نہ کیا جا رہا ہو اور لوگ من مانی کر رہے ہوں تو پھر دستور کو برا کہنا کوئی عقل کی یا پسندیدہ بات نہیں ہو سکتی کیا اس وقت ہندوستان میں جو فرقہ وارانہ دہشت انگیزی ہوتی ہے، فساد ہوتے ہیں گھر جلائے جاتے ہیں، رشوت عام ہے محض قانونی حق کی بنا پر کام نہیں کیا جاتا بلکہ رشوت دے کر ہوتا ہے تو کیا اس بنا پر ہندوستان کے دستور کی خرابی بتائی جائے گی۔ اس وقت ہمارے ملک اور دنیا میں کیا کیا لاقانونیت ہے معاشرے میں کس قدر بگاڑ آچکا ہے سب کس مانی زندگی گذار رہے ہیں اور ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، یہ ایسے حالات ہیں کہ اس میں مذہب پر اعتراض کرنے پر محنت کرنا اور معاشرہ میں سنگین برائیوں کی کوئی فکر نہ کرنا کون سی معقول بات ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ کوئی یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ ملک اخلاقی انارکی اور تہذیبی بربادی کی راہ پر جا رہا ہے حیا واحتیاط کا چلن ختم ہو رہا ہے خود غرضی اور نفس پرستی عام ہوگئی ہے دھوکہ اور چالاکی کا دور دورہ ہے اصل مال عنقا ہوتا جا رہا ہے اور ڈپلیکیٹ کا بھی ڈپلیکیٹ

(بقیہ صـ۲۲ـ پر)

وقت کی سب سے نایاب جنس مردانِ کار اور مخلص عاملین

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کے حادثۂ وفات پر پرسوز و پراز معلومات تقریر فرمائی تھی جس میں مولانا سید محمد مرتضیٰ کے ساتھ مولانا مدظلہ کی محبت و شفقت اعتماد و تعلق اور مرحوم کے اخلاص و لگن کے ساتھ تواضع و خاکساری کا لباس پہن کر کام کی دھن کی ایک قابل تقلید مثال سامنے آتی ہے چونکہ یہ تقریر ٹیپ سے نقل نہیں ہوسکی تھی یہ سعادت ان کے سعید فرزند عزیزم سعید حسن سلمہ کے لیے مقدر تھی۔ انھوں نے ٹیپ سے نقل کر کے بذریعہ فیکس ریاض سے بھیجا اس لیے تاخیر کے ساتھ شائع ہو رہی ہے اشاعت اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس میں قاری کے لیے بڑا سبق ہے حضرت مولانا کی یہ تعزیتی تقریر دارالعلوم کی سوگوار فضا میں طلبا و اساتذہ کے سامنے مسجد میں ہوئی جو کھچا کھچ بھری تھی۔ (ادارہ)

حمد و صلوٰۃ کے بعد:

میرے رفقائے کار اور عزیزو!

آپ کو معلوم ہے کہ کئی تنظیموں سے وابستگی اور اداروں سے تعلق کی بنیاد پر مجھے مختلف موضوعات پر تقریریں کرنی پڑتی ہیں، لیکن میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ سب سے مشکل موضوع تعزیت کا موضوع ہے اس کا تعلق انسان کے تعلقات سے ہے، قلب سے ہے، دماغ ہی سے نہیں قلب سے بھی ہے اور خاص طور پر تعزیت بھی ایک ایسی شخصیت کی جس سے عزیزانہ، روحانی اور خاندانی تعلق ہو، اور تعلق بھی ایک دو برس، دس بیس برس کا نہیں بلکہ دو ڈھائی سو برس کا ہو۔

آپ میں سے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا مرتضیٰ صاحب (اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے) ان کا تعلق مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی بستوی کے خاندان سے تھا وہ ان کے احفاد میں تھے۔

مولانا سید جعفر علی صاحب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاص رفقا، رفقائے دعوت اور رفقائے جہاد میں سے تھے، وہ جب سرحد میں گئے جہاں حضرت سید صاحب کا قیام تھا تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور بڑی گرمجوشی سے ملے اور وہاں جانے سے پہلے بھائیوں میں ایک مقابلہ سا تھا کہ کون جائے، پھر معاملہ والدین پر چھوڑا گیا، مولانا سید جعفر علی صاحب کا انتخاب ہوا۔ اس کے لیے اور وہ جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ جب سید صاحب کی قیام گاہ کے قریب پہونچے تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال فرمایا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور پھر ہمارے یہاں ہمارے خاندان کی رائے بریلی کی خیریت پوچھی اور فرمایا آپ خود گئے تھے یا معلوم ہوا۔ کہا نہیں معلوم ہوا پھر وہاں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص رہے اور حالات میں آتا ہے کہ ایک شعبہ غالباً خط و کتابت کا شعبہ حضرت سید صاحب نے مولانا سید جعفر علی صاحب کے سپرد فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کو مولانا سید جعفر علی صاحب سے کام لینا تھا اس لیے شہدا میں ان کا نام نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شہادت کے بجائے سعادت مقدر فرمائی تھی اور دعوت کا کام مقدر فرمایا تھا چنانچہ وہ ہندوستان واپس ہوئے اور انھوں نے ایسے وسیع پیمانہ پر اور عمیق اور موثر انداز سے دعوت کا کام کیا کہ جس سے زندگیوں میں تبدیلی آگئی اور بستی سے لے کر نیپال کی سرحد تک اور نیپال کی سرحد سے بھی آگے مدارس قائم کئے اور عقائد کی اصلاح ہوئی، رسوم کی اصلاح ہوئی اور اخلاق کی اصلاح ہوئی۔ اور بالکل ایک انقلاب آگیا جس کو ابھی تک ضلع بستی اور اس کے آس پاس کی بستیوں کے لوگ یاد کرتے ہیں۔ بہار کی سرحد پر ایک مدرسہ ہے جو ان کا قائم کیا ہوا ہے اور اس کا ندوہ کے ساتھ الحاق ہے۔

پھر انھوں نے حضرت کی شہادت کے بعد ٹونک کا سفر بھی کیا جہاں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متعلقین تھے اور اہل خاندان کا بڑا حصّہ وہاں موجود تھا۔ اور کتاب لکھی "منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشھداء" جو ہمارے کتب خانہ کی زینت ہے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے معتمد ترین مآخذ میں سے ہے۔

سید صاحب کے حالات میں دو کتابیں ہیں جو سب سے زیادہ معتبر ہیں اور گویا معاصرین اور رفقا کی ہیں، ایک منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء، مولانا سید جعفر علی صاحب کی اور دوسری وقائع احمدی شیخ محمد علی کی جو نواب وزیر الدولہ نے لکھوائی تھی جو والی سلطنت تھے۔ نواب صاحب سید صاحب کے جو رفقا میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس آئے انھوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ لوگ روزانہ بیٹھ کر حضرت کے حالات اور ان کے بارے میں معلومات بیان کریں۔ املا کرایا کریں

اور ایک جماعت لکھنے والوں کی مقرر کیا جو اس کو لکھے۔ وقائع احمدی کچھ تو ہمارے تعلق کی وجہ سے اور پھر مولانا مرتضیٰ صاحب کی دلچسپی اور ان کی وابستگی کی وجہ سے وہ بھی کتب خانہ میں آگئی جو ہمارے خاندان میں محفوظ تھی اور بالکل گھر کی چیز سمجھی جاتی تھی یہ تعلق اتنا مستحکم ہے کہ جن لوگوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوا وہ اس کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے کہ سید صاحب سے بیعت، دعوت اور مقصد کا تعلق رکھنے والوں کو سید صاحب کی ذات سے سید صاحب کے خاندان سے کیا تعلق ہوا اس کا اندازہ کوئی ایسا شخص نہیں کرسکتا جس نے تجربہ نہیں کیا۔ ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن لوگوں کو سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا موقع مل گیا۔ اور ان کے دامن سے وابستہ ہونے کا ان کی حالت یہ تھی کہ وہ شمع کے پروانے بن گئے۔ اور وہ آخیر وقت تک بالکل دم آخر تک بلکہ آخری سانس تک ان کا دم بھرتے رہے اور اس پر فخر کرتے رہے اور اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے رہے۔

مولانا مرتضیٰ صاحب سے ہمارا تعلق اس وقت ہوا جب وہ مظاہر علوم میں پڑھتے تھے اور ہمارے عزیز بھانجے مولوی محمد ثانی مرحوم (جو مہتمم دارالعلوم مولانا محمد رابع کے بڑے بھائی تھے) غالباً ان کے ہم سبق تھے یا ہم زمانہ تھے بہرحال ان دونوں کو ساتھ دیکھا اور دونوں میں روحانی اور خاندانی تعلق کی بنا پر ...... اخوت پیدا ہوگئی تھی، ایک عقیدتمندانہ تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ یہاں آگئے، اور ملتے رہے اور اس تعلق کو انھوں نے قائم رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع عطا فرمایا اور اس کی توفیق دی کہ وہ یہاں آکر اپنی زندگی اس ادارہ کے لیے وقف کردیں۔ وہ یہاں آئے، ابتدا میں مدرس رہے پھر کتب خانہ کے لیے ان کا انتخاب ہوا، اور جیسا کہ مولوی محمد رابع نے ابھی بیان کیا اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں شہادت دیتے ہیں کہ کتب خانہ سے انھیں تعلق کتب خانہ کا نہیں گھرانہ جیسا تھا۔ ایک عزیز امانت کا تعلق تھا کہ وہ اس کو ہر طرح سے ترقی دینا چاہتے تھے، اور اس میں قیمتی چیزیں اور بیش قیمت مسودات اور نایاب کتابیں جو کہ ہندوستان میں عام طور پر نہیں ملتیں۔ ان کو مہیا کرنے میں ان کا خاص دخل تھا۔ کتب خانہ نے جو ترقی ان کے دور میں کی وہ اس سے پہلے اس کو نصیب نہیں ہوئی انھیں کے زمانہ میں یہ عمارت بنی۔

جب انھوں نے کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت سے اگر آپ مقابلہ کریں کمیت کے لحاظ سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تو آپ کو بہت بڑا فرق معلوم ہوگا کہ پہلے کتب خانہ کی وسعت کیا تھی اس میں کتابوں کی تعداد کیا تھی اور اب تعداد کیا ہے اور صرف تعداد ہی نہیں بلکہ وہ بنیادی کتابیں جن کا کتب خانہ میں ہونا بہت ضروری تھا اور بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ ہندوستان میں ان کا بس نام ہی نام تھا کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا یا ان کے نئے ایڈیشن شائع ہوئے تھے تحقیق کے ساتھ اور تحشیہ کے ساتھ اور تعلیق کے ساتھ اس کو کتب خانہ کے لیے مہیا کرنا اور حفاظت سے رکھنا تاکہ اساتذہ اور مدرسین پھر طلبا ان سے فائدہ اٹھائیں۔

کسی کتب خانہ یا کسی ذخیرۂ کتب کے لیے سب سے زیادہ بیش قیمت اور سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہاں اہم کتابیں جو مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں، وہ وہاں مہیا ہوں اس سے بڑھ کر کتب خانہ کے لیے جگہ کا ہونا اور اس کے لیے بڑی عمارت کا ہونا اور نہ روشنی کا انتظام اور نہ ہوا کا انتظام کوئی چیز اتنی اہم نہیں جتنی یہ بات اور یہ بات وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ نے علم بھی دیا ہو، اور ہمدردی بھی دی ہو اور امانت کا احساس بھی دیا ہو۔ ذمہ داری کا احساس دیا ہو تو مولانا مرتضیٰ صاحب نے کتب خانہ کو گویا مالا مال کردیا اور چونکہ مجھے ذمہ دارانہ حیثیت سے بھی ایک تعلق تھا اس لیے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ اب انھوں نے فلاں جگہ سے کتابیں منگوائی ہیں، اب انھوں نے حجاز سے اپنے فرزند کے ذریعہ (اللہ ان کے علم و عمر میں برکت دے) .... سے یا اور احباب کے ذریعہ سے یا ندوہ کے فضلاء کے ذریعہ سے انھوں نے کتابیں مہیا کیں۔

پھر اس کے بعد ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تواضع، سادگی اور جو خاندانی خصوصیات ہوتی ہیں عالی نسبی کی جو خصوصیات ہیں موروثی، وہ سب ان کے اندر پیدا کردی تھیں۔ دین کی خدمت کا ایک شوق اور صحیح مقصد کے لیے محنت اور جفاکشی۔

ابھی گجرات میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ ہوا۔ بورڈ کا بارہواں اجلاس، وہ بورڈ کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب اور پر ازدحام اجلاس تھا، اس میں بہت بڑا حصہ اور دخل مولانا مرتضیٰ صاحب کی کوشش کا تھا دو تین مرتبہ انھوں نے گجرات کا سفر کیا اور گجرات کے لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں، میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ ان کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جلسہ کی کامیابی میں مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا دخل ہے۔ وہ خود بار بار گئے اور یہاں سے جو لوگ مفید ہوسکتے تھے مولوی عبدالقادر گجراتی، مولوی سلمان اور مولوی خالد غازی پوری خاص طور سے ان تین حضرات کو وہ لے گئے اور ان کا دورہ کرایا، زمین تیار کی اور ایسا جلسہ ہوا جس کی مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ میں اب تک نظیر نہیں ملتی۔ میں خود اس میں شریک تھا اس کے بعد گجرات کا ایک دورہ بھی کیا۔ وہ چونکہ دارالعلوم کے کام سے گجرات جایا کرتے تھے اس لیے وہاں سے بہت واقف تھے وہاں کون سا مدرسہ ہے یا کتنے مدرسے ہیں یہ تو بہت سے لوگ جان سکتے ہیں

را فراد میں کون کس حیثیت کا ہے۔ کس مرتبہ کا ہے اور ان کے لوگوں کو اس سے کتنا تعلق ہے اور اس پر کتنا نماد ہے اور کتنا وثوق ہو سکتا ہے۔ یہ بات وہی جان سکتا ہے جو کچھ دن رہے اور اللہ نے اسے شعور بھی عطا کیا ہو اور سلیقہ بھی عطا کیا ہو اور تجربہ بھی اور پھر س کی فکر بھی۔

تو انھوں نے وعدہ کر لیا تھا بعض مدارس اور داروں سے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وقت تنگ ہے اور میری صحت بھی متحمل نہیں تو انھوں نے ایک دو کو حذف کیا لیکن کچھ ان کے مفاد اور کچھ دینی مفاد ور کچھ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مفاد میں اور کچھ اس تعلق کی بنا پر جو ہم سے رکھتے تھے ان کی خواہش تھی کہ خواہ تھوڑی دیر کے لیے جایا جائے لیکن بعض مدرسوں اور مراکز میں ضرور جایا جائے چنانچہ پانچ چھ مراکز جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ کاروان زندگی کی چھٹی جلد میں آئے گا کہ وہ کہاں کہاں لے گئے۔ ترکیسر لنتھارپہ ساور مختلف مقامات پر لے گئے۔ کہیں بنیادیں رکھوائیں، کہیں خطاب کروایا، کہیں رات گذاری اس کے بعد سورت آئے، اور پھر سورت میں انھیں کے مشورہ اور ان کی دلچسپی کی بنا پر اور عقیدت کی بنا پر مفتی عبدالرحیم لاجپوری کی خدمت میں حاضری ہوئی وہ بڑی قیمتی ملاقات تھی پھر وہ ہمارے ساتھ بمبئی آئے اور بمبئی سے پھر ان کی واپسی لکھنؤ ہوئی۔

ان کی محنت اور کوشش کا احساس پورا پورا مولانا نظام الدین صاحب جو مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری ہیں انھیں اس کا بہت احساس ہے، ایک سے زائد مرتبہ مجھ سے ذکر کر چکے ہیں، شکریہ ادا کر چکے ہیں اور انھیں اندازہ ہے، ان کا ٹیلی فون بھی آیا مگر ابھی براہ راست ہم سے بات نہیں ہوئی ان کو بڑا صدمہ ہوگا اور ان کے دل پر اس کا اثر پڑے گا۔ اس لیے کہ ان کو پورا پورا احساس و اعتراف تھا کہ جلسہ کی کامیابی میں مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا حصہ تھا۔

ایک تو یہ ہے کہ سب سے بڑی نایاب جنس جو ہے وہ اس وقت مردان کار کی، عاملین کی اور مخلصین کی، سب کچھ مہیا ہو سکتا ہے۔ آپ انجمن بنائیں چاہیں تو پانچ سو ممبر ہو جائیں آپ چاہیں تو ہزار دو ہزار اور چند ہزار اس کے ممبر ہو جائیں۔ سیاسی جماعتوں کو دیکھ لیجئے اور بھی بہت سے کلب ہیں، اور بہت ساری آرگنائزیشن ہیں کہ ان کو ممبر حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں لیکن کسی ادارہ کو، کسی دینی مقصد کو، کسی منصوبہ کو کسی مخلصانہ اور داعیانہ منصوبہ کو اپنے فکر کے آدمی مل جائیں جن کو اس کی دھن لگی ہو، اور ان کے دل و دماغ پر یہ چیز سوار اور پیوست ہو جائے وہ بالکل ایک عنقا چیز بن چکے ہیں کہ جیسے عنقا کا ملنا ضرب المثل بن گیا ہے۔ اس طرح ایسے لوگوں کا ملنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے عنقا کی صورت میں ہمیں ایک مرد کار، مرد کامل، مخلص مرد کار عطا کیا تھا۔ اللہ کی چیز تھی اس نے دی تھی اس نے اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور قادر ہے اور حقیقی مالک وہی ہے اور بہر حال اس کا فیصلہ ہر چیز سے قیمتی ہے اب اس سے زیادہ ہم کیا کہیں۔ کہ ہمارے چھوٹے سے علمی و دینی خاندان کا ایک عزیز فرد، ایک رکن، ایک وقیع رکن ہم سے جدا ہو گیا۔ ہم اس پر اپنے سے خود تعزیت کرتے ہیں آپ سے بھی تعزیت کرتے ہیں اور ایک طرح سے ہم دینی کاموں سے اور دینی ادارہ سے تعزیت کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں اور آپ سے ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ آپ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور انھیں ایصال ثواب بھی کریں اور ان کو یہاں سے جانے کے بعد بھی یاد رکھیں جب کبھی یاد آجائیں دعا کر لیا کریں اور ایصال ثواب کر دیا کریں کہ یہی ایک مسلمان کا تحفہ دوسرے کے لیے ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ تعزیت ہے نہ شاعری ہے اور نہ کسی اور طرح سے اس کا اعتراف ہے اور ان کا شکریہ ہے، سب سے قیمتی چیز یہی ہے کہ آپ ان کے لیے دعا کریں اور ایصال ثواب کریں۔ اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ آپ کو اس کی توفیق دے گا تو آپ کی توفیق میں اضافہ کرے گا۔ اور آپ سے کام بھی لے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



رواق عبدالحی کا افتتاح

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ایک نئے دارالاقامہ کا افتتاح ۹ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۹۶ء عمل میں آیا۔ اس تقریب میں طلبہ و اساتذہ دارالعلوم اور شہر کے متعدد اعیان نے شرکت کی۔ اور کاندھلہ سے مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی اور اعظم گڑھ سے مولانا حکیم عبداللہ المغیثی مہتمم جامعہ اسلامیہ نے اس تقریب میں حصہ لیا۔

افتتاح کی کوئی مروجہ رسم نہیں ادا کی گئی عمارت کی دوسری منزل میں دارالمطالعہ میں مہمانوں اور اساتذہ کے ساتھ حضرت ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی ندوی مدظلہ تشریف لے جا کر دعا کی، دعاء کے درمیان خشوع اور یکسوئی کا روحانی منظر قابل دید تھا۔

مغرب سے پہلے کارکنان ندوہ کی طرف سے ایک عصرانہ دیا گیا اور نماز مغرب کے بعد رواق اطہر کے سامنے لان پر ایک جلسہ ہوا۔ ایک بہت ہی سادہ لیکن انتہائی دلکش اور جاذب دل و نظر بزم آراستہ ہو گئی۔ طلبہ بلا تکلف سبزہ زار پر بیٹھ گئے کچھ کرسیاں مہمانوں اور اساتذہ کے لیے بچھا دی گئی تھیں ایک مختصر سا ڈائس بھی تیار کرایا گیا تھا جس پر میر کارواں قبلۂ دیدہ و دل حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم جلوہ افروز ہوئے ان کے دائیں بائیں ندوہ کے اعلیٰ ذمہ دار اور وہ مہمانان کرام جن کو اس موقع پر خطاب کرنا یا کوئی مقالہ پڑھنا تھا تشریف فرما تھے۔

معتمد تعلیم مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ نے نظامت جلسہ کی خدمت خود انجام دی تلاوت و ترانۂ حمد کے بعد مولانا نے تمہید و تعارف کے طور پر ایک بہت ہی معلومات افزا اور جامع تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:۔

دارالعلوم کی طرف طلبۂ علوم دین کا رجوع عام ہے تعلیم گاہ اور اقامت گاہ دونوں میں وسعت کی ضرورت ہے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں درخواستیں آتی ہیں اور ان سے معذرت کی جاتی ہے۔ لیکن ملحقہ مدارس سے جو طلبہ آتے ہیں ان کو قبول کرنے کے ہم اخلاقاً اور ضابطہ کی رو سے پابند ہیں مگر ان کے لیے بھی یہاں اقامت گاہیں ناکافی ہیں بیرون ملک اور خاص طور پر عرب ممالک کے طلبہ کو ہم قبول نہیں کر سکتے کیوں کہ ان کے لیے متوسط درجہ کا دارالاقامہ نہیں بنا سکے جو عصری درسگاہوں کے دارالاقامہ کے طرز پر ہو (یعنی ہر طالب علم کے لیے ایک مختصر لیکن علیحدہ کمرہ) کئی سال کی جد و جہد کے بعد اہل خیر کی مدد سے ایک نیا دارالاقامہ تیار ہوا ہے جس کا آج افتتاح عمل میں آیا جب یہ دارالاقامہ تیار ہو چکا تو اس کے لیے کوئی نام بھی ہونا چاہیئے تھا۔ اس وقت تک جو دارالاقامے یہاں ہیں ان کے نام ندوہ کے محسنوں اور بانیوں کے نام سے موسوم ہیں، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور ان کے خلیفۂ اول اور بانی ندوۃ العلماء مولانا محمد علی مونگیری رحمانی کے نام پر ایک دارالاقامہ ہے، علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ کے نام پر ایک دارالاقامہ ہے جو سب سے قدیم اقامت گاہ ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام سے ایک دارالاقامہ موسوم ہے۔ دارالاقامہ جس کے سامنے لان پر آپ تشریف فرما ہیں یہ منشی اطہر علی صاحب رئیس کاکوری مرحوم کے نام پر ہے یہ وہ نام ہے جس کو تاریخ کا حافظہ فراموش کر چکا تھا۔ حالانکہ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی بدولت ندوہ کا مستقر لکھنؤ قرار پایا۔ ان کی مالی مدد سے ندوہ کا مدرسہ یہاں قائم ہوا۔ اور جن کے ذریعہ ندوہ کا شہرہ حرمین شریفین تک پہونچا۔ مگر سو برس گزر جانے کے بعد وہ لوگ بھی ختم ہو گئے جنکو ندوہ کی اس بنیادی تاریخ کا علم تھا۔ ہمارے مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے اندر احسان شناسی اور محسنوں کی خدمات کا اعتراف اور اس کی قدر دانی مزاج کا جزء اور طبیعت کا خاصہ ہے اور اس معاملہ میں آپ کا حاسہ بہت نازک اور گہرا ہے آپ نے حضرت مرحوم منشی اطہر علی کاکوری کے نام سے اس وسیع و عریض دارالاقامہ کا نام رواق رحمانی تجویز فرمایا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کا ندوہ پر جو احسان ہے اور علمی و تحقیقی ذوق پیدا کرنے میں آپ کا جو کارنامہ ہے ندوہ کو ملک گیر شہرت دینے میں آپ کی خدمات کا اعتراف اور اس کی صحیح قدر دانی حضرت والا (مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ) نے کی اور ندوہ کے مرکزی کتب خانہ کی سہ منزلہ عمارت تیار ہوئی تو آپ نے ان کے نام معنون کیا۔ جب یہ نیا ہوسٹل بن کر تیار ہوا تو اس کا نام ندوہ کے ایک بزرگ استاذ مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ازہری نے جو یہاں کے دارالاقاموں کے نگران اعلیٰ ہیں۔ رواق عبدالحیؒ تجویز کیا مولانا قاضی معین اللہ صاحب نائب ناظم نے تائید کی۔ اور ہم خدام نے اس کو ایک حق بجانب تجویز سمجھا اور اس طرح اس ہوسٹل کا نام رواق عبدالحیؒ رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی علیہ الرحمہ کے احسانات کا کوئی بدل نہیں ہے۔ بلکہ ہم سے اس معاملہ میں کوتاہی اور تاخیر ہوئی۔ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی خدمات کو ندوہ کی تاریخ اگر فراموش کرتی تو یہ ایک بڑا تاریخی جرم ہوتا۔ حضرت مولانا سید عبدالحیؒ نے آج سے ٹھیک سو برس پہلے یعنی ۱۸۹۶ء میں ندوہ کے اس اجلاس میں شرکت کی جو لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا اور ان لوگوں میں سے

جنھوں نے اس کی ابتدا میں مالی مدد کی اور چندہ دیا اور پھر عملاً اس کی ذمہ داری اپنے سر اوڑھ لی حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے معاون کی حیثیت سے بلامعاوضہ خدمت انجام دی، ندوہ پر ایک دور ایسا آیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا چراغ اب بجھا اور اب بجھا، ملک میں اس کے مخالفین کے متعدد گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ اور اندرونی اختلافات بڑھ کر اس کے شیرازہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے بیرونی مخالفت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک حلقہ کے سرخیل نے ندوہ کی مخالفت میں ۴۲ رسائل لکھے اور اس کو آج بھی ان کے خلاف ان کا ایک کارنامہ سمجھتے ہیں اور متعدد مقامات سے مستقل رسالے ماہوار اس کی مخالفت کے لیے جاری ہوئے تھے۔ اندرونی اختلافات اور بیرونی مخالفتوں کے اس طوفان میں ندوہ کا چراغ جب لَو دے رہا تھا۔ اس آندھی میں جب بڑے بڑے درخت جڑ سے ٹوٹ کر باہر گر جاتے ہیں مولانا سید عبدالحی حسنیؒ نے اس شمع کو اپنے دامن میں لیکر آندھیوں کا مقابلہ کیا اور اپنی صلح جو طبیعت سے اور عالمانہ بصیرت و حکمت سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑا۔ بیگانوں کو یگانہ کیا، روٹھوں کو منایا۔ اور ندوہ کو اس کی ڈگر پر قائم رکھا۔ مولانا مونگیریؒ بانی ندوہ کو آپ کی بصیرت اور غیرت دینی اور حمیت اسلامی پر ناز تھا۔ جب حضرت مونگیری حج کو جا رہے تھے، ندوہ کو آپ کے سپرد کر کے لکھا۔ یہ امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ اور آپ سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جو اس امانت کا حق ادا کر سکے۔"

مولانا سید عبدالحیؒ ان افراد امت میں نہیں ہیں جن کے نام کو باقی رکھنے کے لیے کسی مادی سہارے کی ضرورت ہو۔ آپ خود ایک عظیم مؤلف صاحب قلم ادیب تھے۔ آپ کی تالیف نزہۃ الخواطر اور ثقافۃ الہند دنیا کی اکثر و بیشتر یونیورسٹی میں موجود ہے۔ اصحاب علم واقف ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کے مؤرخ جب بھی برصغیر کے علماء کی تاریخ پر ریسرچ کرنا چاہیں گے وہ نزہۃ الخواطر کے مؤلف کو فراموش کر کے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ندوہ نے اس ۴۵ کمروں پر مشتمل ہوسٹل کو ان کے نام کو روشن نہیں کیا ہے بلکہ ایک فرض ادا کیا ہے جس میں تاخیر و کوتاہی ہوئی ہے حق کی ادائیگی نہیں کی ہے۔

حضرات میں اس تمہیدی تعارف کے سلسلہ میں مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی سلمہ اللہ استاد حدیث دارالعلوم کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا سید عبدالحیؒ کی سوانح پر مشتمل مختصر و محتاط الفاظ میں تحریر کردہ مقالہ کو پڑھ کر سنائیں۔

مولانا محمد خالد غازی پوری استاذ حدیث دارالعلوم نے اپنے مقالہ میں حضرت مولانا عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ کی سیرت و سوانح کے نقوش نمایاں کئے، مقالہ اپنی جامعیت اور حسن ترتیب کے لحاظ سے قابل قدر تھا۔ باہر سے آنے والے مہمانوں میں مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے حیات عبدالحی پر ایک پراثر مقالہ پڑھا جس میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر خاندانی بزرگوں کے حوالے تھے۔

پروفیسر محمد یونس نگرامی نے اپنی مختصر تقریر میں کہا تھا کہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ پر ایک عالمی سمینار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ پروفیسر محمد یونس اردو اکیڈیمی کے چیئرمین بھی ہیں۔

اقلیتی کمیشن کے چیئرمین احمد حسن صاحب نے ندوہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار مناسب الفاظ میں کیا۔ آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے نزہۃ الخواطر کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ اب تک ترکی سے لیکر انڈونیشیا تک جو کتابیں علماء مشائخ کے حالات میں لکھی گئی ہیں ان میں ایک ایک صدی کے مشاہیر علم کے حالات تو ملتے ہیں مثلاً ساتویں صدی ہجری، آٹھویں صدی ہجری، نویں صدی ہجری کے علماء و مشائخ کے حالات پر کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ایسا مجموعہ جس میں صدیوں کے اندر پیدا ہوئے علماء مشائخ کا حال ہو، علمی امانت کے ساتھ تعصبات سے دور ہو کر صحیح اعترافات ہوں اور ہر مکتب خیال کے علماء کے حالات ہوں اور ان کو کتاب میں مناسب مقام دیا گیا ہو ان کے نام کے ساتھ القاب بھی ایسے انتخاب کئے گئے ہیں جو ان کے علمی فضائل کا عنوان بن سکیں یہ صرف نزہۃ الخواطر کا امتیاز ہے۔

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری کتاب ثقافۃ الہند کا تعارف ایک ریکارڈیا ایک علمی، تاریخی و اجتماعی اور علمی ڈائرکٹری کی حیثیت سے کرایا۔

رواق عبدالحی کا افتتاح کسی منصوبہ کے بغیر ہی ایک جلسہ بن گیا جس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی۔ اور اگر تیاری کی جاتی تو شاید اتنا آراستہ اجتماع نہ ہوتا۔ لو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد کا منظر سامنے تھا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ

بھائی صاحب

عبدالحق تمنا صدیقی

میں ایک بیٹی اور تین بیٹوں کا باپ ہوں۔ سب
کی شادیاں ہو چکی ہیں اور میں عرصہ ہوا نانا اور
ن چکا ہوں۔ عمر کے ۶۹ سال گذر چکے ہیں لیکن
ہ قبل تک میں جوان تھا پھر ایسا ہوا کہ وہ
جس نے مجھے جوان بلکہ بچہ بنا رکھا تھا تاریخ
اکتوبر ۱۹۹۵ء بروز پیر بوقت تقریباً تین بجے
یکایک بند ہو گئی اور میں ایک لمحے میں جوان سے
ا ہو گیا۔ بھائی صاحب مرحوم میرے بھائی تھے
دل میں باپ کی شفقت رکھتے تھے۔ اس طرح
تیں کرتے تھے جس طرح بچوں کو کی جاتی ہیں۔
ں کہ کبھی کبھی ان کی نصیحتیں ناگوار ہوتی تھیں۔
اللہ سے اس ناگواری کی معافی مانگتا ہوں۔)
بھی ہنسی بھی آتی تھی کہ وہ ابھی تک مجھے بچہ سمجھتے
اب سوچتا ہوں کہ ان کی شفقت اور محبت کا
کیسے دوں۔ بس دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کے
ں کو معاف فرمائے، ان کی عبادات کو قبول
ے اور ان کی شفقت اور محبت کو ان کی عبادات
شامل کر کے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم تین بھائی ہیں۔ بھائی صاحب (مولانا اسحٰق
مرحوم) ہم سب سے بڑے تھے۔ منجھلے بھائی
شمشاد حسین طارق جواب فاکر تخلص کرتے
صاحب دیوان ہیں، میں سب سے چھوٹا ہوں،
اور جوانی میں میرا اور بھائی صاحب مرحوم کا
بہت کم رہا۔ ان کا زیادہ وقت لکھنؤ میں گذرا
میری ابتدائی تعلیم سندیلہ میں ہوئی۔ وہ جمعرات
ام کو آتے تھے اور جمعہ کی شام کو واپس چلے جاتے
پھر لکھنؤ جب میں میٹرک کرنے گیا تو ایک سال
ان کے ساتھ رہا جب وہ قاسم کے باغ میں کرائے
کے مکان میں رہتے تھے۔ درمیان میں وہ کانپور سے
مطب ختم کر کے سندیلہ آگئے تھے اور تقریباً آٹھ ماہ
رہے تھے اور اس دوران وہ مجھے ایک بہت ظالم
شخص لگتے تھے جس کی وجہ بعد میں بیان کروں گا۔
میٹرک کے بعد میں تعلیم کے سلسلے میں سندیلہ سے
باہر چلا گیا، علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی، دو تین سال
ملازمت کی پھر پاکستان آ گیا اور یہاں سے ملازمت
کے سلسلے میں نائجیریا چلا گیا جہاں سے مستقل طور پر
۱۹۸۲ء میں پاکستان واپس آیا اور ۱۹۸۳ء سے
بھائی صاحب میرے ساتھ رہنے لگے اور آخری
دن تک میرے ہی ساتھ رہے، مجھے افسوس ہے کہ
میں ان کی وہ خدمت نہ کر سکا جو مجھے کرنا چاہیے تھی۔

اس مضمون کا مقصد نہ تو ان کی علمی سرگرمیوں
کا جائزہ لینا ہے نہ ان کی تصانیف اور عقائد پر تبصرہ
کرنا ہے۔ کیونکہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میرا مقصد
مختصر طور پر ان کے حالات زندگی بیان کرنا ہے اور
چند ایسے واقعات بیان کرنا ہے جن سے آئندہ نسلوں
کو کچھ سبق حاصل ہو سکے۔

میرے بہت ضد کرنے پر بھائی صاحب مرحوم
نے اپنے حالات زندگی ۱۹۹۰ء میں ایک ڈائری میں
لکھنا شروع کئے تھے لیکن ان کو اپنی ذات کے بارے
میں سوچنے اور لکھنے سے بہت دلچسپی تھی۔ ۱۹۹۵ء
اور ۱۹۹۶ء کے درمیان انھیں صرف چند صفحات
لکھنے کا موقع ملا۔ لکھتے ہیں:۔ "اندازاً دو سال کے
بعد آج ۱۲ محرم ۱۴۱۵ھ ۲۳ جون ۱۹۹۴ء کو یہ
سطریں لکھ رہا ہوں۔"

چنانچہ اس مضمون میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنے
حافظے کے زور پر لکھ رہا ہوں اور کچھ بھائی صاحب
مرحوم کی اس نامکمل ڈائری سے جس کا ذکر اوپر کیا ہے۔
بھائی صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں "میں
بتاریخ ۲۴ صفر ۱۳۳۱ھ (۱۲ فروری ۱۹۱۳ء) بوقت
صبح صادق اپنے ننھیال واقع محلہ کٹرہ ابو تراب خاں
لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ ددھیال قصبہ سندیلہ میں ہے
ابتدائی تعلیم اپنے مکان (سندیلہ) تین معلمین سے
حاصل کی (اس میں قرآن مجید ناظرہ، حساب، فارسی
اور ضروری دینیات شامل ہے۔) تقریباً دو سال
ندوۃ العلماء لکھنؤ میں پڑھا، وہاں میرے اساتذہ مولانا
عبدالودود صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبلی نعمانی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید علی زینبی رحمۃ اللہ علیہ
رہے اس کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بعض اسباق
پڑھے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں داخل
ہو گیا۔ درمیان میں ایک سال کے لئے مرادآباد چلا گیا
جہاں مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد میں تعلیم حاصل
کی۔ پھر واپس آکر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے
فراغت حاصل کی اور درس نظامی کے ساتھ قرأت
سبعہ کی سند بھی حاصل کی۔ قرأت سبعہ کی
تحصیل قاری عبدالمعبود صاحب سے کی۔ پھر منبع الطب
کالج لکھنؤ میں داخلہ لے کر طب کی سند حاصل کی۔
(۱۳۵۴ھ میں درس نظامیہ دورۂ حدیث کی سند
حاصل کی)۔

بھائی صاحب نے اپنی ڈائری میں اپنے تمام
اساتذہ کا تذکرہ بڑے عقیدت اور احترام سے
کیا ہے۔ جن میں ندوۃ العلماء کے مندرجہ بالا اساتذہ
کے علاوہ مولانا عبدالحلیم صدیقی صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کا نام بھی شامل ہے۔ شاہی مسجد مرادآباد کے
مولانا فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اختر الاسلام
صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محب نور صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کا تذکرہ خصوصیت سے کیا ہے۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ

کے مولانا مفتی ظہور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد اسباط صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بڑی عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔

طب کی سند حاصل کرکے حسین گنج کانپور میں مطب شروع کیا اللہ نے ہاتھ میں شفا دی تھی چند ہی دنوں میں ان کا شمار کانپور کے چوٹی کے طبیبوں میں ہونے لگا لیکن یہ پیشہ بھائی صاحب کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ مطب کے دوران علوم عربیہ کی درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مدرسہ تکمیل العلوم میں جزوی طور پر پڑھایا اور گھر پر ایک سنی خراسانی عالم کو طب کی کتاب تنقیشی پڑھائی، چند ماہ جامع العلوم میں بھی پڑھایا۔ میں ایک بار کانپور گیا ہوا تھا شام کا وقت تھا بھائی صاحب کے پاس ان کے ایک بچپن کے ساتھی بیٹھے تھے جن کا ایک جملہ آج تک مجھے یاد ہے۔ بولے "اسحق! تمہارا تو آئیڈیل ندوۃ العلماء ہے لیکن وہاں تمہیں کوئی گھاس نہیں ڈالے گا" بھائی صاحب ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گئے۔ اب اس جملے پر غور کرتا ہوں اور ندوہ سے بھائی صاحب کی محبت کے اظہار کا تجزیہ کرتا ہوں تو ... ۱۹۸۳ء سے اس دنیا سے رخصت کے وقت تک...... بھائی صاحب کو ندوۃ العلماء کا تذکرہ کرکے ہمیشہ آنسو بہاتے دیکھا...... .... ایک بار میں ان کے کمرے میں کسی کام سے گیا تو انھوں نے مجھے دیکھ کر جلدی جلدی اپنے کرتے کے دامن سے آنسو پونچھے اور اپنا غم مجھ سے چھپانے کی کوشش کی لیکن میں نے ضد کی تو دریا کا بند ٹوٹ گیا اور داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور بہت دیر تک ندوہ کے بارے میں گفتگو کرتے رہے اور وہاں کی خوبیاں بیان کرتے رہے۔ اس ادارے سے انھیں بے حد محبت تھی۔ وہاں کی اینٹوں سے گھاس سے مٹی سے اور درختوں سے انھیں گلاب کی خوشبو آتی تھی۔ وہاں کے اساتذہ انھیں سگے بھائیوں کی طرح عزیز تھے اور وہاں کے طلباء اولاد کی طرح پیارے لگتے تھے۔ وہاں کی کتابیں انھیں اپنی طرف کھینچتی تھیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ انھوں نے اس ادارے کی ملازمت کے لئے کبھی کوئی درخواست نہیں دی اور باوجود اس کے اس سے علاحدہ بھی نہ رہ سکے۔ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں "دارالعلوم میں خود سے نہیں گیا تھا۔ میں نے کوئی درخواست بھی ملازمت کے لئے نہیں دی تھی بلکہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود گرامی نامہ لکھ کر مجھے دارالعلوم کی خدمت کے لئے بلایا تھا۔ حضرت سید صاحب سے تعارف تو طالب علمی کے زمانے سے تھا لیکن موصوف نے جو مخصوص عنایت فرمائی اس کا محرک "اسلام کا نظام سیاسی" میری کتاب تھی۔ یہ کتاب حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ملاحظہ فرمائی اور پسند فرمائی۔ اسی دوران مسلم لیگ کی طرف سے اسلامی نظام کا خاکہ تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر ہوا۔ صدر علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ شاید میری کتاب یا میرے بعض سیاسی مضامین سے متاثر ہو کر مجھے اس کمیٹی کا رکن بنا دیا گیا کمیٹی کا پہلا اجلاس دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہال میں ہوا لیکن بدنظمی کی وجہ سے مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ سید صاحبؒ نے مجھے خط لکھا کہ اسلام کا سیاسی نظام مرتب کرنے کا کام آپ کے سپرد ہوا ہے۔ جو بفضلہ تعالیٰ ایک سال سے کم کی مدت میں پورا کر لیا۔ اس کے بعد مجھے سید صاحبؒ کا خط ملا جس میں مجھے دارالعلوم سے وابستہ ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ میں فوراً تیار ہو گیا چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں میرا تقرر بحیثیت استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہو گیا۔"

میرے والد صاحب مرحوم اور ان کے ہم عصر بزرگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بچوں کی اصلاح کا واحد طریقہ ڈنڈے کا استعمال ہے۔ بچوں کو پڑھنے کی طرف راغب کرنے یا ان کے کردار کی اصلاح صرف جسمانی سزا سے ممکن ہے۔ "خطائے بزرگاں گرفتن خطاست"۔ میں اپنے بزرگوں کی نیت پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا وہ اپنے خیال میں بچوں کی بھلائی کے لئے ایسا کرتے تھے۔ بھائی صاحب مرحوم بھی شروع میں اسی فلسفے کے قائل تھے چنانچہ والد صاحب کے علاوہ وہ بھی میری مرمت نیک نیتی اور خلوص سے کرتے رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بھائی صاحب کانپور سے واپس آکر سات یا آٹھ ماہ سندیلہ میں مقیم رہے۔ اس زمانے میں میری عمر تیرہ یا چودہ سال تھی۔ اسی وجہ سے میں والد صاحب اور بھائی صاحب کو بہت ظالم سمجھنے لگا تھا۔ زیادہ تر مرمت مغرب سے پہلے گھر نہ پہونچنے پر، نماز قضا کر دینے پر یا قصبے کسی بزرگ سے بدتمیزی سے پیش آنے پر ہوتی تھی۔ اتفاق کی بات کہ اسی زمانے میں ایک بزرگ جناب عبدالجلیل صاحب مرحوم جو کہیں ہیڈ ماسٹر تھے ریٹائر ہو کر سندیلہ آگئے اور بھائی صاحب سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ میری اصلاح میں مصروف تھے۔ عبدالجلیل صاحب مرحوم نے بھائی صاحب کو بہت بلند آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ بھائی صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے تو میں گھر کے اندر بھاگ گیا۔ عبدالجلیل صاحب میرے والد صاحب کے دوست تھے۔ والد صاحب موجود نہ تھے اس لئے اپنا تعارف کروایا اور بھائی صاحب سے باتیں کرنے لگے۔ یکایک بھائی صاحب کے رویہ میں تبدیلی آنے لگی۔ کئی سالوں کے بعد معلوم ہوا کہ انھوں نے بھائی صاحب کو بچوں کی نفسیات پر کچھ کتابیں دی تھیں جن کا بھائی صاحب نے اثر قبول کیا اور مارنے پیٹنے کے بجائے سمجھانے بجھانے کا طریقہ اپنایا جس سے میرے اندر بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ اور یہ تبدیلی اتنی نمایاں تھی کہ والد صاحب مرحوم نے بھی محسوس کی۔ جہاں تک میرے علم میں ہے بھائی صاحب نے اس کے بعد سے اپنے تمام

شاگردوں سے نرمی کا رویہ اختیار کیا۔ اور اس کے علاوہ نفسیات کے مضمون سے ان کو اتنی دلچسپی پیدا ہوگئی کہ انھوں نے اس کی ساری شاخوں کا بغور مطالعہ کیا۔

بھائی صاحب مرحوم کو مختلف زبانیں سیکھنے کا بڑا شوق تھا اردو، فارسی اور عربی تو خیر ان کے کورس کا حصہ تھیں۔ ایک بار انھوں نے جرمن اور فرانسیسی زبانیں سیکھنے کی کوشش بھی کی لیکن بہت معمولی حد تک کامیاب ہو سکے کیونکہ کوئی استاد نہ مل سکا اور جنگ عظیم دوم کی وجہ سے وہ کتابیں نایاب ہوگئیں جو اس مقصد سے لکھی جاتی تھیں۔

اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں "طبعاً میں مطالعہ اور کتب بینی کا شائق ہوں چنانچہ بچپن سے یہ عادت رہی کہ جو کتاب سامنے آئی اور اسے پڑھنے کی استعداد اپنے اندر پائی تو اسے پڑھ لیا۔ امام غزالی کی کیمیائے سعادت کا ترجمہ اکسیر ہدایت کا مطالعہ میں نے دس سال کی عمر میں کیا تھا۔ کیمیائے سعادت (فارسی) کا کچھ حصہ تو اپنے نصاب میں استاد ہی سے پڑھا تھا۔ ایسے ہی بعض طب کی کتابیں اور بعض تصوف کی بہت کم عمری میں دیکھ لی تھیں، اس شوق کو پورا کرنے کا موقع دار العلوم ندوۃ العلماء میں خوب ملا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء سے ستائیس سال تک وابستگی کا دور میری زندگی کا سب سے اہم حصہ ہے۔ دار العلوم کا کتب خانہ علم و فن کا خزانہ ہے جس سے میں نے استفادہ کیا۔ بکثرت علوم و فنون کی کتابیں وہاں موجود ہیں۔ بعض ایسی کتب کا میں نے مطالعہ کیا کہ پھر وہ کتابیں کسی دوسرے کتب خانے میں دستیاب نہ ہو سکیں۔ اس کے علاوہ امیر الدولہ لائبریری کا بھی ممبر تھا اور وہاں سے بھی کتابیں لاتا تھا ایک مدت کے بعد امریکن لائبریری جو ندوہ سے زیادہ دور نہ تھی کتابیں لا کر پڑھتا تھا۔ یہاں مجھے علاوہ علوم دینیہ کے ریاضی، سائنس (فزکس کیمسٹری) فلسفہ جدید، معاشیات، سیاسیات اور علوم جدیدہ کے مطالعہ کا موقع خوب ملا۔ فطرتاً شعر و سخن کا دلدادہ ہوں باوجود مشغولیتوں کے یہ شوق ابھرتا رہتا ہے۔ ۱۷ یا ۱۸ سال کی عمر تھی کہ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور موصوف سے اصلاح لینے لگا۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ لکھنؤ میں ہونے کے باوجود دار العلوم کے لوگ شعر و سخن سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ جب میں دار العلوم میں پڑھتا تھا تو میرے استاد مرحوم سید علی زینبی صاحب اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے۔"

بھائی صاحب مرحوم کو ہومیوپیتھی کی کتابیں پڑھنے اور اس کے ذریعہ علاج کو سیکھنے کا بھی شوق تھا۔ قیصر باغ کے ایک ہندو ڈاکٹر کے پاس کبھی کبھی جا کر مشورے کرتے تھے۔ ان ڈاکٹر صاحب کا نام یاد نہیں۔ شاید پیارے لال سریواستو تھا۔ لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ۱۹۴۵ء میں انھوں نے رگیولر ہومیوپیتھک میڈیکل کالج لکھنؤ سے ایچ۔ ایم۔ بی کا ڈپلوما حاصل کیا۔

بھائی صاحب مرحوم مولانا عبدالشکور صاحب رح سے بہت متاثر تھے۔ ایک بار مدح صحابہ کے جلوس کے ساتھ گرفتار ہوئے اور جیل میں رہے، بھائی صاحب مرحوم کے لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹر فریدی صاحب مرحوم سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے دوسرے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک تحریک چلائی تھی جس کے مطابق ہر مسلمان کو فوجی تربیت حاصل کر کے جہاد کے لئے تیار رہنا تھا۔ فوجی تربیت کا انتظام بھوپال میں تھا۔ بھائی صاحب بھی اس میں شریک ہوئے اور باقاعدہ تربیت حاصل کر کے ندوہ واپس آگئے۔

بھائی صاحب مرحوم کی شادی بتاریخ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۳۵ء سندیلہ میں ہوئی۔ میری بھابھی صاحبہ مرحومہ ایک تعلقہ دار کی بیٹی تھیں اور گھر میں اتنی ملازمائیں تھیں کہ پانی پینے کے لئے بھی انھیں پلنگ سے اترنا نہیں پڑتا تھا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق ان کی تعلیم قرآن (ناظرہ) اور اردو تک محدود تھی۔ شادی کے بعد جب تک ان کی تندرستی ٹھیک رہی انھوں نے بھائی صاحب کی بہت خدمت کی۔ میں قاضی کے باغ میں ایک سال ان کے ساتھ رہا اس دوران بھابھی باورچی خانہ کا سارا کام خود کرتی تھیں اور برتن بھی خود ہی دھوتی تھیں کسی دوسرے سے کام لینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان کی موجودگی میں ایک بار بھائی صاحب نے مجھ سے کہا "اپنی بھابھی کی کچھ مدد کر دیا کرو" تو اپنی سندیلہ اور ردولی کی ملی جلی زبان میں بولیں "رہن دیو۔ وے کا پڑھن لکھن دیو۔ ہم خود سب کر لیبا۔" نہایت بھولی نیک سیرت، غیور اور صاف گو تھیں۔ مجھے خود ہی ڈانٹ لیتی تھیں، میری غیر موجودگی میں انھوں نے بھائی صاحب سے کبھی میری کوئی شکایت نہیں کی۔ ہر وقت بولتی رہتی تھیں اور بھائی صاحب پر مختلف اعتراضات کرتی رہتی تھیں جن میں کچھ صحیح بھی تھے۔ بھائی صاحب کی موجودگی میں مجھ سے کہتی تھیں "ان کا کچھ آوت ہی نہیں ہے.......
.......کچھ خریدے جات ہیں تو جو دکاندار مانگت ہے دے دیت ہیں۔" یہ سچی بات ہے بھائی صاحب کو چکانا نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی بھائی صاحب کوئی کتاب پڑھ رہے ہوتے تھے تو کہتی تھیں "کاہے کا پڑھت ہو۔ اتنا پڑھ لیو تو کا کر لیو"۔ بھائی صاحب مسکراتے رہتے تھے اور اپنا کام جاری رکھتے تھے۔

پھر بھابھی مرحومہ ایسی بیمار ہوئیں کہ بقیہ زندگی بستر پر گذاری۔ بھائی صاحب بھابھی سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اور آخر وقت تک ان کے علاج اور تیمارداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

ہم سب بھائی بہن والدین کی حیات ہی میں

ستان آگئے تھے۔ والدین کی حیات ہی میں ایک رمیں لکھنؤ گیا تو بھائی صاحب نے کسی صاحب کا خط لھایا جنھوں نے ان کو کراچی آنے کی دعوت دی تھی۔ ہ سے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے"۔ میں نے کہا "اچھا ہے ہم سب ایک جگہ ہو جائیں گے"۔ انھوں نے ناگواری سے کہا "تم نے جواب دیتے وقت ابا اور اماں کا خیال کیا"۔ میں شرمندہ ہوگیا۔ یہ حقیقت ہے کہ بھائی صاحب کے علاوہ ہم میں سے کسی نے والدین کی خدمت نہیں کی۔ بھائی صاحب عالم، فاضل، طبیب سب کچھ تھے لیکن جب سندیلہ جاتے تھے تو والد صاحب مرحوم کے پاؤں دباتے تھے۔ حقہ بھی بھر دیتے تھے لیکن والد صاحب نے انھیں اس کام سے منع کر دیا تھا۔ اور عالم ہونے کے بعد سے وہ بھائی صاحب کو "مولانا اسحٰق" لیتے تھے۔ میری والدہ اور بھابھی کی بنتی نہیں تھی لیکن بھائی صاحب مرحوم نے دونوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا۔ والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد بھائی صاحب نے ہم سب کی اجازت سے مکان اور جائداد بیچی اور ایک ایک پائی کا حساب رکھا اور سارے حقداروں کو ان کا حق پہونچایا۔

تین مرتبہ آواز دیئے بغیر کبھی گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے میں نے سندیلہ میں بھی یہی دیکھا اور کراچی میں بھی یہی دیکھا۔

میرے لئے یہ بات بڑے سکون کا باعث رہی کہ میرے بیٹے جن کی تعلیم نائجیریا، سعودی عرب، انگلینڈ اور امریکہ میں ہوئی ہے بھائی صاحب کا بے حد ادب اور احترام کرتے تھے جو شاید بھائی صاحب کی بے لوث محبت اور شفقت کا رد عمل تھا۔ مجھ سے تو اپنی اختلاف رائے کا اظہار کر لیتے ہیں لیکن بھائی صاحب سے کبھی اختلاف رائے نہیں کیا۔ یہ بھائی صاحب مرحوم کے کردار اور نصائح کا نتیجہ ہے کہ میرے تینوں بیٹوں نے رشوت والے محکموں میں ملازمت سے دامن بچایا۔ میرے چھوٹے بیٹے کمال صدیقی کو بی۔ سی۔ سی۔ آئی بنک (جواب بند ہوگیا) سے ۲۵ ہزار روپیہ ماہانہ کی پیشکش ہوئی۔ بھائی صاحب کو لے جاکر خط دیا، بھائی صاحب چپ ہوگئے۔ کمال نے کہا "بڑے ابا آپ اجازت دیں گے تو یہ ملازمت کروں گا ورنہ نہیں کروں گا"۔ بھائی صاحب مرحوم نے کہا "یک دم تم سے نہیں کہتے ہوئے جھجک رہا تھا اب کہتا ہوں کہ میری مرضی نہیں ہے"۔ کمال نے وہ خط پھاڑ کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ بھائی صاحب نے گلے لگالیا اور خوشی سے رونے لگے۔ اور کہا "انشاءاللہ تم کو اس سے اچھی ملازمت مل جائے گی"۔ اللہ کے فضل سے بھائی صاحب کی زندگی ہی میں کمال کو اس ملازمت سے بہتر ملازمت مل گئی۔

بھائی صاحب مرحوم انتقال سے تین چار سال قبل کئی مرتبہ سخت بیمار ہوئے لیکن چند دنوں کے بعد ٹھیک ہو گئے۔ رمضان کے روزے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لیکن آخری سالوں میں حالت یہ ہوگئی تھی کہ روزہ رکھ کر بے ہوشی کی سی کیفیت ہو جاتی تھی میرے منع کرنے پر کہتے تھے "معلوم نہیں کس وقت بلاوہ آجائے اس لئے اس وقت کی تیاری کرتے رہنا چاہئے"۔ میں ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا جو مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ تھے اور بھائی صاحب ان کا اور وہ بھائی صاحب کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ ان سے میں نے بھائی صاحب کی حالت بیان کی اور روزہ کی ضد کی شکایت۔ وہ بچارے (اللہ ان کو جنت نصیب کرے) خود تشریف لائے اور بھائی صاحب کو ان کی حالت کے پیش نظر روزہ رکھنے سے منع کیا۔ اس کے بعد سے بھائی صاحب مرحوم دو تین دن بیچ کر کے روزہ رکھنے لگے۔

آخری سال میں بے حد کمزور ہو گئے تھے لیکن مسجد میں ساری نمازیں ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو محلے کے بچے دوڑ کر ان سے ہاتھ ملاتے تھے اور دعائیں لیتے تھے۔ مسجد سے واپسی پر بھی یہی ہوتا تھا۔

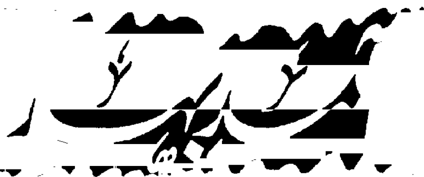
جو باتیں انھوں نے اپنے انتقال سے ایک ہفتہ قبل کہنا شروع کر دی تھیں اب ان کو سوچتا ہوں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کو اپنا آخری وقت آجانے کا یقین ہوگیا تھا۔ جب بھی کھانا کھانے یا چائے پینے آتے تھے تو کہتے تھے "میرے بعد، فلاں چیز فلاں شخص کو دے دینا"۔ آخری دن بتایا "میرا وصیت نامہ فلاں صندوق میں رکھا ہے"، اور بہت سی ایسی باتیں کیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو یقین تھا کہ اس کے بعد انھیں گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ آرام سے سوئے لیکن اللہ کے مقرر کردہ وقت پر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کسی کو نہ دوا کے لئے تکلیف دی نہ علاج کے لئے زحمت دی۔ اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو ان کی نصیحتوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ان کی کئی کتابیں اردو، انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں اور دو کتابیں زیر اشاعت ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ میرے منجھلے بھائی ان کے مضامین یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں نور حیات ، نفسیات نظریۂ امامت، اظہار حقیقت بجواب خلافت اور ملوکیت، قادیانی فتنہ، BEHIND THE CARTAIN ہیں۔ "اسلام کا سیاسی نظام" کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن کسی نے ان کی بغیر اجازت کچھ ردو بدل کے ساتھ شائع کر دیا جس سے بھائی صاحب کو بہت تکلیف پہونچی۔

دعائے مغفرت

علیا اولیٰ شریعہ کے طالب علم شرافت علی انبالوی کی کی والدہ محترمہ کا ۷ار اپریل ۱۹۹۶ء کو ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ مرحومہ نیک سیرت اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

جناب شعیب صاحب نگرامی



حجاز مقدس سے واپسی کے وقت حضرت مولانا مدظلہ کو ۲۴ گھنٹے ظہران میں گذارنے تھے جہاں مولانا کے مرحوم و محبوب دوست شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا محمد اویس کے بڑے صاحبزادہ محمد شعیب صاحب نے اپنا مہمان بنانا باعث ہزار سعادت سمجھا، شعیب صاحب نے اپنے اس وقت کے تاثرات تحریر کئے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔ (ادارہ)

دسمبر، جنوری کے ماہ یہاں سعودی عرب کے منطقہ شرقیہ کے بڑے حسین ماہ ہوتے ہیں، ساون بھادوں کی ایسی جھڑی لگتی ہے کہ کئی کئی دن سورج دیکھنے کو آنکھیں ترس جاتی ہیں، بادلوں سے لدے ہوئے آسمان اور برفیلی سرد ہواؤں کی وجہ سے درجہ حرارت گر کر چار ڈگری تک پہونچ جاتا ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی وجہ سے نشاط و سرور کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے حسین موسم میں ہم لوگ خیر و برکت اور رحمت مغفرت کے ماہ صیام کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے، قرآن کے مہینہ کی آمد آمد تھی کہ جمعرات کی ایک شام کو میرے عزیز دوست اور یہاں کے مشہور تاجر عبدالمتین بھٹکلی کا فون آیا کہ قبلہ آپ ہیں کہاں؟ آپ کو شاید یہ اطلاع نہیں ملی کہ حضرت مولانا "عم مکرم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حفظہ اللہ لنا و للامۃ الاسلامیہ" کل جمعہ کی شام یہاں ظہران تشریف لا رہے ہیں اور ظہران انٹرنیشنل ہوٹل میں رات گذار کر سنیچر کی صبح دہلی کے لئے روانہ ہو جائیں گے، متین بھائی جو "شاب نشأ فی عبادۃ اللہ تعالیٰ و رجل قلبہ معلق فی المساجد" کی جیتی جاگتی تصویر ہیں، انھوں نے کہا کہ لیکن میری دلی خواہش اور تمنا ہے کہ ان چند گھنٹوں کی مولانا کی ضیافت کی سعادت مجھ کو نصیب ہو، اور چونکہ آپ حضرت مولانا کے ساتھ اپنے خاندانی تعلقات کا دم بھرتے ہیں اس لئے اس سعادت کے حصول کی ذمہ داری میں آپ کو سونپتا ہوں، متین بھائی سے بات کر کے ابھی فون رکھا ہی تھا کہ دوبارہ فون کی گھنٹی بجی، اس بار دوسری جانب جدہ سے میرے چھوٹے بھائی "یونس" جن کے نام کے ساتھ اب "ڈاکٹر اور پروفیسر" لگا ہوا ہے، ان کا بڑا لڑکا عمار انیس تھا اس نے کہا کہ اچھے ابا ابھی میں مولانا سے مل کر آ رہا ہوں اور مولانا سید محمد رابع صاحب نے کہا ہے کہ میں آپ کو اطلاع کر دوں کہ مولانا کل شام ظہران پہونچ رہے ہیں اور رات ظہران ہوٹل میں گذار کر سنیچر کی صبح دہلی کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔

عمار سے بات کرنے کے بعد میں نے فوراً جدہ جناب نور ولی صاحب کے گھر فون کیا، دوسری جانب سے ہمارے مشفق و محترم استاذ مولانا رابع صاحب کی محبت و شفقت سے بھری آواز نے کانوں میں رس گھول دیا میں نے اترا کر کہا کہ یہاں ظہران میں میری موجودگی میں بھی آپ لوگوں کا قیام ہوٹل ... کیا ہوا کہ اگر بھائی جان ... وہ یہاں آکر اپنے گھر کے بجائے ہوٹل قیام کرتے؟ اس پر میرے استاذ کا جواب تھا ٹھیک ہے تم جو بھی فیصلہ کرو بہرکیف ہم لوگ کل شام انشاء اللہ ظہران پہونچ رہے ہیں۔ استاذ مکرم جب باتیں ہو رہی تھیں میرے دونوں لڑکے اسا عقبہ اور لڑکی نائلہ انیس کھڑے میری باتیں سن رہے تھے، فون رکھنے کے بعد خوشی و مسرت سے پورا گھر اٹھا، بچے بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ "ڈیڈی "دادا" کی پرواز یہاں کس وقت پہونچے گی اور ہر شخص ایرپورٹ جانے کے لئے تیار۔ میں نے فوراً متین بھائی کو فون کیا اور "نگرام ہاؤس" جو تین کمروں پر مشتمل ایک فلیٹ سے عبارت ہے اس کے پیش نظر ان کو اطلاع دی کہ وہ جس ضیافت کی سعادت کے حصول کے لئے بے قرار ہیں وہ صرف چند گھنٹوں کا فاصلہ پر ہے میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ چونکہ مولانا حجاز میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے تھک گئے ہیں اور کئی راتوں سے ان کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے آپ اس خبر کو صیغۂ راز میں رکھیں کیونکہ اگر عقیدت مندوں اور نیاز مندوں کو مولانا کی آمد کی بھنک بھی مل گئی تو آپ کا کئی منزلوں پر مشتمل محل بھی ان محبت کے متوالوں کے لئے ناکافی ہوگا کہا جاتا ہے کہ انتظار کے لمحات بڑے کٹھن اور صبر آزما ہوا کرتے ہیں اس کا اندازہ اگلے دن یعنی جمعہ کو ہوا صبح ہی سے ہر شخص کی نظریں بار بار گھڑیوں کی جانب اٹھتی ہیں اور ہر شخص کو ... کا انتظار تھا کیونکہ یہی وقت جدہ سے ظہران آنے والی پرواز کا تھا، جمعہ کے دن ام اسامہ نے پہلے سے ہی چند احباب اور ان کے اہل خانہ کو عشائیہ پر مدعو کر رکھا تھا ان احباب میں میرے ایک عزیز دوست جناب معارج کرمانی ... خرم امریکی بھی تھے، میں نے جب ان کو فون کر کے مولانا کی آمد کی اطلاع دی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے

کہنے لگے کہ شعیب صاحب کیا آپ ہم کو اپنے ساتھ مولانا ستقبال کی سعادت میں شریک نہیں کرسکتے ؟ رج بھائی جو تیس سال سے "بوسٹن" میں مقیم اور وہاں کی علمی وادبی محفلوں کی جان ہیں مولانا ساتھ ان کے والہانہ تعلق کے پیش نظر یہ طے ہوا کہ دونوں ایک ساتھ ایرپورٹ چلیں گے۔ جیسا کہ ابھی عرض کرچکا ہوں کہ جدہ سے آنے والی پرواز کا ن تو ۴۰۔۷ تھا لیکن میں اپنے دوست کے ساتھ ساتھ ساڑھے سات ہی بجے ایرپورٹ پر موجود تھا۔ اس شام ظہران کا موسم بڑا ہی حسین تھا، ہلکی ہلکی پھوار ساتھ بڑی ہی خوشگوار ہوا چل رہی تھی ہر طرف طاوانبساط کا عالم تھا ایسے میں مجھے حسان بن ثابت یہ دو شعر بار بار یاد آرہے تھے۔

ولما نزلنا منزلاً طلہ الندی

انیقاً وبستاناً من النور حالیاً

أجدّ لنا طیب المکان وحسنہ

منیً فتمنینا فکنت الامانیاً

عالم تصور میں میں اس ہواباز سے باتیں کررہا جس کا طیارہ عالم اسلامی کا "کوہ نور" اپنی آغوش لئے ظہران کی جانب محو پرواز تھا، میں اپنے بھائی کی زبان میں اس سے کہہ رہا تھا کہ آج تجھے اپنی قسمت پر نازاں ہونا چاہئے کیونکہ آج تیرے طیارے آغوش میں ایک ایسی شخصیت موجود ہے جو "دنیا علمی محفلوں اور دانش گاہوں کی رونق اور ان باعث صد افتخار ہے اور جس کی موجودگی فکروفن نت نئے افق اور علم ودانش کی سحر تازہ پیدا کرتی ہی ہے اور جس کی شخصیت نے دنیا کے بڑے بڑے ی ودینی اعزاز وایوارڈز کو قابل اعتبار بنایا ہے راس کے وقار میں اضافہ کیا ہے اور جس کی جھونپڑی مرا وسلاطین اور حکمرانوں نے اپنی جبین نیاز خم کے "نعم الأمیر علی باب الفقیر" کی بشارت ی سے اپنے کو سرفراز کیا ہے، اور جس کی درویشی شہنشاہی کے لئے باعث رشک اور جس کی قلندری کے سامنے شانِ سکندری بے نور بے رونق ہیں اور جس کے کردار میں وہ بانکپن اور البیلا انداز ہے جس میں حلم وعفو، جود وسخاوت، عبادت وریاضت، استغنا، وبردباری اور تواضع وخاکساری اس طرح پیوستہ ہوگئی ہے. جیسے پھولوں میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی" یونس نے اس حقیقت کا اعتراف اپنے اس سپاسنامہ میں کیا تھا جو انھوں نے نگرام میں مولانا کی آمد کے موقع پر پیش کیا تھا، مجھے اپنے بھائی یونس کی قسمت پر ناز ہے کہ جیسے بھائی جان کے انتقال کے بعد ہمارے مولانا جیسا مشفق مربی ملا اور یونس نے رائے بریلی اور نگرام کے دونوں خاندانوں کے ان روحانی تعلقات کو برقرار رکھا جن کا ذکر خود مولانا نے اپنی کتاب "پرانے چراغ" کی جلد دوم میں کیا ہے اور یونس نے جو ہمارے خاندان کی روایات کے تنہا محافظ ہیں انھوں نے مولانا کے حکم اور ہمت افزائی پر نگرام کے مدرسہ معدن العلوم میں نئی روح پھونک کر اسے ماضی کی داستان ہونے سے بچا لیا۔

میں ابھی انھیں خیالات میں گم تھا کہ معارج بھائی نے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ آپ کہاں گم ہیں جدہ کی پرواز آگئی ہے اور مسافر آمد ہال میں آنا شروع ہوگئے ہیں، ایرپورٹ کے باہر عقیدت مندوں کا ایک ہجوم اور کاروں کا ایک قافلہ تھا میں نے متین بھائی سے کہا کہ میرا آپ کا معاہدہ تھا کہ اس خبر کو صیغۂ راز میں رکھا جائے لیکن یہ آپ نے کیا کیا ؟ وہ خوشی ومسرت کے اس عالم میں تھے کہ میری بات کو سنی ان سنی کردی اور میں بھی عمر بن ربیعہ کی یہ بات کہ چاند بھی کہیں چھپ سکتا ہے یاد کرکے خاموش ہوگیا۔ بمشکل کے مہمان خانہ میں جشن کا سماں تھا، الخبر اور دمام کی نمائندہ اور سربرآوردہ شخصیات اپنی قسمت پر نازاں اس شخصیت کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں جو "ازھد فی الدنیا یحبک اللہ، وازھد فیما عند الناس یحبک الناس" کی حدیث نبوی کی جیتی جاگتی تصویر ہے" مولانا مدظلہ کے چہرے پر تکان کے اثرات نمایاں تھے اس لئے صبح کے ناشتہ کی درخواست کی منظوری کے بعد گھر واپس ہوگیا جہاں مہمان کھانا شروع ہونے کے لئے نہیں بلکہ مولانا کے بارے میں باتیں کرنے کے لئے بے چین تھے، میں نے ان سے کہا کہ بمشکل مہمان خانہ کی صورتحال یہ ہے کہ:

روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام

دھکا ہوا ہے آتش گل سے چمن تمام

میرے مہمانوں کو ہم لوگوں کے ساتھ مولانا کی محبت وشفقت کا علم تھا، انھیں نگرامیوں کا تکیہ کے حسنی خاندان کے ساتھ عقیدتمندانہ تعلقات کا بھی بخوبی اندازہ تھا، میں نے انھیں بتایا کہ رافضیوں کی "اہل بیت" کی جھوٹی اور بے معنی اصطلاح کو آپ اگر اپنے ذہنوں سے نکال دیں تو برصغیر کا یہ وہ واحد خاندان ہے جس پر مجازاً "اہل بیت" کا اطلاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس خاندان کی تاریخ سید احمد شہید نے اپنے خون سے لکھی ہے اور مولانا عبدالحیؒ نے اپنی تبحر علمی سے اس کا لوہا منوایا ہے

اور ہمارے مولانا اپنی تبحر علمی، اپنے اخلاص وتواضع اور عربی تحریر وتقریر پر عبور کی وجہ سے دنیائے عرب کے ہر طبقہ میں ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں، وہ مصر کے ۱۹۵۲ء کے انقلاب سے قبل متعدد بار قاہرہ تشریف لے گئے، وہاں ان کے استقبال وپذیرائی کی داستانیں آج بھی زندہ ہیں، قاہرہ میں جمعیۃ الشبان المسلمین" میں ان کی سحر انگیز تقریروں کی بازگشت آج بھی سنی جاسکتی ہے۔ مذکورہ جمعیت کے صدر میجر جنرل صالح حرب مرحوم سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ مولانا کا نام بڑے ادب احترام کے ساتھ لیا کرتے تھے، مصر الجدیدۃ میں امام شیخ محمد ابو زہرہؒ اور مشہور محقق شیخ محمود شاکر کی محفلوں کا موضوع سخن اکثر ہمارے مولانا ہوا کرتے تھے۔ "فقہ السنۃ" کے سید

سابق اور مشہور مبلغ محمد غزالی جو اس وقت وزارت اوقاف میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے وہ اکثر دھیمی آواز میں مجھ سے مولانا کی خیریت معلوم کیا کرتے تھے اور خود وزیر اوقاف احمد حسن الباقوری کی آنکھوں میں مولانا کے ساتھ ان کی محبت کی جھلک دیکھی جا سکتی تھی، خاموش زبانیں آنکھوں کے سہارے مولانا کے ساتھ محبت و تعلق کا اظہار کیا کرتی تھیں کیونکہ صرف چند سال قبل یعنی ۱۹۶۵ء میں اخوان کے ممتاز رہنماؤں کے تختۂ دار پر چڑھنے کا سانحہ تازہ تھا، اخوان سے تعلق رکھنے والا ہر شخص مشتبہ تھا، عقیدۂ توحید کے علمبرداروں کی نقل و حرکت پر "زوار اللیل" کے شعبہ کا پہرہ تھا۔ عہد فکری کا ہر طرف بول بالا تھا، منافق اہل قلم "وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ" کی آیت شریفہ کے ذریعہ "مارکس" کی اشتراکیت کا جواز تلاش کر رہے تھے، اس فکری انارکی کے دور میں قاہرہ کی "مجمع البحوث الاسلامیة" کی سالانہ کانفرنس صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی کے متعدد علماء و مشائخ کو اس حاکم وقت کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے دیکھا جس کے دامن پر عبدالقادر عودہؒ اور سید قطبؒ کے خون کے دھبے تھے، متنبی کے قول کے مطابق ان نام نہاد علماء و مشائخ کی قاہرہ سے واپسی کے وقت ان کی جیبیں "قصر قبہ" کے حاکم کے جود و سخاوت کی چغلی کھایا کرتی تھیں، میں نے اپنے مہمانوں کو بتایا کہ میں یہ بات بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، تکیہ رائے بریلی کے عقیدۂ توحید کے اس متوالے نے اس بازار پر نظر بھی نہ ڈالی جہاں بے ضمیر قلوں، آبرو باختہ افکار اور عقائدی و فکری وفاداریوں کی تبدیلی کا کالا دھندا ہوتا ہے، میں نے اپنے دوستوں کو مزید یہ بھی بتلایا کہ ہمارا یہ مہمان اپنی اس پختگیٔ ایمان کی وجہ سے آج تاریخ اسلامی کا جز اور اٹوٹ حصہ ہے اور جس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تاریخی حکیمانہ اور غیرت ایمانی سے بھرپور قول "أینقص الدین وأنا حی" کو حرز جان اور مقصد حیات بنا رکھا ہے اور جو ساری دنیا میں اسلامی تعلیمات کو جاری و ساری دیکھنا چاہتا ہے اور جس کے حصول کے لئے وہ صحرا بہ صحرا، جنگل بہ جنگل، دریا بہ دریا، فضا در فضا دیوانہ وار

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

کی زندہ و عملی تفسیر بن کر مانند شبنم جگر لالہ میں ٹھنڈک پیدا کر رہا ہے۔ میرے دوست اور ان کے اہل خانہ ہمہ تن گوش تھے اور وہ اس طرح کہ عربی محاورے کے مطابق گویا کہ چڑیاں ان کے سروں پر بیٹھی ہوں۔ لیکن ابوالکلام کی زبان میں لیلائے شب کی زلفیں نصف کمر تک پہونچ چکی تھیں اور مدعوئین کو صبح دفتر جانا تھا اس لئے وہ "ھل من مزید" کہتے ہوئے رخصت ہو گئے لیکن میرے گھر میں تو آج چاند رات تھی، ہر شخص چاق و چوبند میری بیٹی نائلہ اپنی ماں کے ساتھ باورچی خانہ میں مصروف میرے دونوں لڑکے اسامہ اور عقبہ گھر کی صفائی ستھرائی میں مگن۔ غرضیکہ گھر کے ہر فرد نے صبح سعادت کے انتظار میں پوری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ فجر کے بعد متین بھائی کا فون آیا کہ آپ کے جانے کے بعد مولانا نے آپ کا ذکر متعدد بار کیا اور اب ہم لوگ بجائے ساڑھے سات بجے کے سات ہی بجے آرہے ہیں۔ اور وقت مقررہ پر سعادت کی گھڑی آگئی جس کو بیان کرنے کے لئے جب خزینۂ الفاظ کے دروازہ پر دستک دی تو انھوں نے غالب تیموریہ کی زبان میں اپنے بانجھ پن ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ جذبات کے تلاطم ہمیشہ الفاظ کے ذریعہ ہی نہیں بیان کئے جاتے ہیں بلکہ آنکھوں سے رواں آنسو بڑی مؤثر زبان بن جاتے ہیں اور شاید وہ بلاغت کی منتہی بھی ہوتے ہیں جس کا ذکر عبدالقاہر جرجانی کرنا بھول گئے۔

ناشتہ جیسے ہمارے مشفق استاذ مولانا سید محمد رابع صاحب نے خالص اودھ کا ناشتہ قرار دیا اور ان کی یہ بات ام اسامہ کی محنت کا صلہ تھی، اس فارغ ہونے کے بعد "کاروان سید" ایرپور لئے روانہ ہو گیا جہاں "روانگی ہال" کے باہر عقی کا ایک ہجوم تھا جن میں سب سے آگے امگریشہ تھے جو میرے عزیز دوست ہیں اور مولانا کی عر پڑھ چکے ہیں وہ بڑے اصرار سے مولانا کو اپنے د گئے جہاں سب کی روایتی قہوہ سے ضیافت کی گ نوشی کے دوران ہی اس نے امگریشن کی کار ختم کرادی اور پھر دہلی کی پرواز سے چند منٹ قب سب امگریشن ہال سے گذرتے ہوئے جہاز کی جا روانہ ہوئے، امگریشن اور روانگی ہال میں کام کر والے اداروں کے ملازمین مجھ سے بار بار پوچھ تھے کہ "أھذا ھو العلامة الھندی" اور پھر محبت بھری نظروں سے انھیں الوداع کہہ رہا تھ سعودیہ کی پرواز نے وقت مقررہ پر دہلی کے اندرا گا ایرپورٹ کی جانب اپنی پرواز شروع کر دی او ابوفراس الحمدانی کا یہ شعر

لیت الکواکب تدنو لی فانظمها
عقود مدح فلم ارض لکم من کلم

پڑھتا ہوا گھر واپس ہو گیا تاکہ ان روٹھے ہوئے د کو منا سکوں جنہیں میں نے آمد بہار کی اطلاع نہیں دی تھی۔

دعائے مغفرت

ندوۃ العلماء کے میڈیا ریسرچ سینٹر کے کارکن جناب منظور احمد عباسی صاحب کے چھوٹے بھائی جناب حکیم حافظ مسعود احمد عباسی (مستقر مرحوم) جو اس سال حج بیت اللہ کے لیے مع اہلیہ تشریف لے گئے تھے۔ ۱۸ر اپریل کی شب میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرحوم بڑے ملنسار، بااخلاق اور ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شیخ محمد الغزالی مرحوم

تحریر: ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی
ترجمہ: محمد سالم اشرف علیہ ثالثہ شریعہ
قسط (۲)

شیخ محمد الغزالی کی پوری زندگی
[illegible] کے کاز کے لیے قربانیوں اور جاں فشانیوں
[illegible] پر ہے۔ وہ ہر لمحہ اس کے لیے بے چین دکھائی
[illegible] ہیں۔ انہوں نے ہندوستان، پاکستان
[illegible] لیج کے ملکوں میں، اور افغانستان، الجزائر و
[illegible] بائیجان اور شام کے علاقوں کی کانفرنسوں
[illegible] سیمینارز میں شریک ہو کر اپنے افکار و
[illegible] ت کو تحریری و تقریری طور پر پیش کیا۔
[illegible] وہ جامع مسجد کے ممبروں خاص طور پر جامع ازہر
[illegible] عمر مکی اور جامع عمرو بن العاص سے لوگوں کو
[illegible] ب کیا کرتے تھے۔ شیخ کی یہ تقریریں موجود
[illegible] ل و مشکلات کے علاج اور حقیقت سے
[illegible] آہنگی کی بنیاد پر بہت ممتاز ہوا کرتی تھیں۔
موجودہ اسلامی سرگرمیوں کے سلسلے
[illegible] شیخ کے دو نظریے تھے۔ ایک محبت،
[illegible] ت اس معنیٰ کر کے کہ جس حق کی تقلید
[illegible] رہا ہوں اُسے عنقریب ان شاء اللہ غلبہ
[illegible] ل ہوگا۔ اور وہ دنیا کے اندر پھیلی ہوئی تمام
[illegible] ئیوں کو مٹا سکے گا ـــــــ دوسرے خوف،
[illegible] معنیٰ میں کہ دشمن پورے مادی و جسمانی وسائل
[illegible] مسلح ہو کر دین کا کام تمام کرنے پر تلا ہوا
[illegible] اور وہ ہر آن کسی مناسب موقع اور نازک
[illegible] لت کی تاک میں لگا رہتا ہے۔

نوجوانوں سے امیدیں

فرماتے ہیں کہ: میرا تعلق اسلامی بیداری کے حامل اُن نوجوانوں سے ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان نوجوانوں نے افغانستان کے اندر روسیوں سے برسرِ پیکار ہو کر انہیں پیغام موت سنایا اور اُن کو راہِ فرار پر مجبور کر دیا۔ اس سے پہلے وہ الجزائر میں فرانسیسیوں کے دانت کھٹے کر چکے تھے، تاوقتیکہ خدا نے ان کے مقاصد کو پورا نہیں کر دیا پورے جسم و جان اور مال و زر کے ساتھ ان کی قربانیاں جاری رہیں۔ اور جس وقت اسلامی فلسطین کی قیادت کا معرکہ رُونما ہوا تو اس کے نتیجے میں یہودیوں کو اپنی ناکامی کے آثار نظر آنے لگے، اور ان کی آرزوئیں چکنا چور ہوتی دکھائی دینے لگیں۔

فرماتے ہیں کہ: میری فکر اس اسلامی بیداری کے ساتھ ہے جس کے لیے عالمی سازشیں خطرے کا الارم بن رہی ہیں۔ اسلامی جیالے مسلسل ظلم و ستم اور قتل و غارت گری کا شکار بن رہے ہیں۔

شیخ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: دراصل دینِ الٰہی کا قیام جو کہ ہر چیز پر اوّلیت رکھتا ہے یہی تنہا خالق و مخلوق کے درمیان خالص تعلق و تزکیہ کی بنیاد ہے جو انسان کو جاہ طلبی اور دنیا کے لذائذ سے لطف اندوز ہونے سے بے نیاز کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۝ (القصص: ۸۳)

مسلم نوجوانوں کی رہنمائی

مُدافعینِ اسلام میں جوش و جذبہ اور اخلاص سے کہیں زیادہ گہرے تجربے اور فہم و زیرکی کی کمی نظر آتی ہے۔ نوجوان یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ دِگرگوں حالت چند ایسے عوارض و محرکات کا نتیجہ ہے جس کا ازالہ چند ایام یا زیادہ سے زیادہ چند سالوں میں ممکن ہے۔ اور از سرِ نو صحابہ و تابعین کی شرافت و مروّت حاصل کر سکتے ہیں۔ حالاں کہ اِس جلد بازی کے پسِ پردہ اور اس کے نتیجے میں دعوتِ اسلامی کو بڑے عظیم نقصانات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایسے اُفتادہ دَور میں مسلم نوجوانوں کے لیے کیا طریقہ کار ہونا چاہیے جب کہ خانہ جنگیاں آئے دن اپنا کام تمام کر رہی ہیں اور ہر طرح کی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ سب سے پہلے دین کے ماننے والوں کے لیے اپنے مذہب سے تعلق اور شریعت کی حقیقی عملی تصویر پیش کرنا ضروری ہے۔

شیخ نے اسلامی نوجوانوں کے لیے عقیدہ کے موضوع پر ایک جامع کتاب "عقیدۃ المسلم" اور اسلامی طرزِ زندگی کے لیے "خلق المسلم" لکھی، اور اس کتاب کا آغاز اسلام کے اندر اخلاق کی اہمیت اور مذہبِ اسلام کا تعلیم و تعلم سے ربط اور دیگر عبادات سے کیا۔ اور ان کی کتاب ـــــ "خلق المسلم" نے دعوت کے حلقہ میں بڑی مقبولیت

حاصل کی اور پسندیدگی کے ساتھ وہ ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ امت کے اسباب زوال کے سلسلے میں غور و خوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت فکری طور پر سراسیمگی کے ماحول میں سانس لے رہی ہے۔ اور اس کی جذباتی، عقلی، معاشرتی اور نفسیاتی غذا نایید ہو چکی ہے۔ نوجوانوں کی تربیت اور اس مرض کے مداوا کے لیے شیخ نے "کیف نفہم الاسلام؟" اور "من ھنا نعلم" جیسی شہرۂ آفاق کتابیں تصنیف کیں، جس کے اندر شیخ خالد محمد خالد کی کتاب "من ھنا نبدأ" کا جواب دیا ہے۔ اس کتاب میں شیخ خالد نے ثقافتی گمراہی کو پیش کیا ہے اور اسلام کی جانب ایسی چیزیں منسوب کی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ فکر اسلامی کے میدان میں شیخ محمد الغزالی کی جاں فشانی اور ان کی سرگرمیاں بیش بہا ہیں۔ شیخ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی معالم کے ان تاریک پہلوؤں کو روشن کیا جن پر غلط افکار و خیالات، اور اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے مسائل کے گرد و غبار سے اشکالات کا انبار لگا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ نے ان موضوعات پر مختلف کتابیں تصنیف کیں:

(١) الاسلام والمناھج الاشتراکیۃ۔
(٢) الاسلام المفتری علیہ بین الشیوعیین والرأسمالیین
(٣) الاسلام والاوضاع الاقتصادیۃ۔
(٤) التعصب والتسامح بین المسیحیۃ والاسلام۔
(٥) الاستعمار احقاد واطماع وظلام من الغرب۔

سیرت نبوی پر فقہ السیرۃ — دستور الوحدۃ الثقافیۃ۔

روزانہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اجتماعات میں شیخ کے علمی و دعوتی پروگرام نشر ہوتے جسے لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ خاص طور پر ان کی توجہ اعلیٰ علوم کے طلبہ کی تدریس کی جانب ہوتی تھی۔ انہوں نے مملکت سعودیہ عربیہ سے اپنے تعلق کا اس وقت پُرزور انداز میں اظہار کیا، جب ان کو شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انہوں نے اس موقع پر کہا کہ: یہ مملکت سعودیہ عربیہ کا پرچم ہے، جس نے محض کلمۂ توحید کی وجہ سے ایک سو ساٹھ ملکوں کے لوگوں میں ان کو امتیاز اور شرف و فضیلت بخشا ہے۔ اس کلمۂ توحید نے ان کو رسم و رواج سے پاک رکھا، اور جس کو مملکت نے اپنے پرچم پر واضح الفاظ میں ظاہر کیا جب کہ دیگر دسیوں ممالک نے اپنے جھنڈوں پر دوسری علامتیں رکھ رکھی ہیں۔ الجزائر میں اسلامی فکر کی نشر و اشاعت کے لیے ان کی قابل تحسین کوششیں کارفرما ہیں اور غالباً وہ اس سلسلے میں صدر شاذلی بن جدید کے اعتماد سے فائدہ اٹھاتے رہے، جو قسطنطنیہ کے جامعہ "جامعۃ الامیر عبد القادر الاسلامیۃ" کی مکمل دیکھ ریکھ کر رہے تھے۔ اور ایک دوسرے کا ربط اس حد تک بڑھا کہ جامعہ جو صرف ایک ہی کالج تھا، چھ ایسے کالجوں پر مشتمل ہو گیا جو الجزائر کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مسجدوں، مجلسوں اور ایسی ملاقاتوں کے توسط سے کلیۃ الشریعۃ کی ترقی اور اسلامی بیداری کی اشاعت میں شیخ کا بہت اہم رول رہا ہے۔

شیخ کی عزت و تکریم ملک کے ایسے نمائندے کی حیثیت سے کی جاتی تھی۔ یورپ امریکہ کے بہت سے امور میں ان سے مشو[رہ] بھی کیا جاتا تھا۔ وہ کانفرنسوں و سیمنار[وں] میں مدعو ہوتے، نوجوانوں، کالجز کے طلباء عز[یز] سے ملاقات کرتے اور دعوت و تبلیغ کی جانب ان کی رہنمائی کرتے۔

شیخ بالغ نظر و دور بین تھے۔ عالمی دعو[ت] کی اشاعت اور راسخ العقیدہ ہونے کی بنیا[د] پر بہت پُرامید تھے کہ عنقریب دین [حق] کا بول بالا ہوگا۔

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

لیکن ترقی یافتہ ملکوں کو دیکھ کر یاس و ندا[مت] اور شرمندگی سے دوچار ہونا پڑتا کہ پہلی اور دوسری دہائی میں کوئی صحیح اسلامی ملک نہیں نظر آتا۔ مشہور ہے کہ جاپان نے ایک صدی میں ترقی کے وہ مراحل طے کیے جسے اسلامی قوموں نے نصف صدی میں طے کی[ا]۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ جاپان آسمان[ی] بلندیوں کو چھو رہا ہے اور ہم کھائی میں گر[ے] جا رہے ہیں۔ ایسا صرف سیاسی بگاڑ [کی] بنیاد پر نہیں بلکہ یہ محض تہذیبی و ثقافتی بگ[اڑ] کا نتیجہ ہے۔

شیخ کا نظریۂ اجتہاد و تقلید:

اس سلسلے میں شیخ نے معتدل طریقہ اختیار کیا۔ ادیب و فقیہ شیخ علی الطنطاوی کی رائے سے بہت متاثر ہوئے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اولاً کسی ایک مسلک میں تفقہ پیدا کریں اور اس کے دینی احکا[م] مستحضر کر کے دلائل میں تدبر سے کام لیں، طریقۂ استدلال اور پختہ و مستحکم دلائل جاننے کے لیے ایسے علوم حاصل کریں جو اس میں مد[د گار] ثابت ہوں۔ پھر نظر ثانی کرنے کے بعد

اند اُس سے زیادہ قوی دلیل ملے تو اُسے
رنا چاہیے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ
ضح کیا ہے کہ جب مسلک حنفی پر چلنے والا
ہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث
، تو اس پر عمل کرے۔ خاص کر عبادات
لسلے میں۔ کیوں کہ یہ کوئی ایسی چیز
جو اُسے حنفیت سے خارج کردے۔
الیٰ نے مسلمانوں پر کتاب و سنت
اع لازم قرار دیا ہے۔ شیخ اعتدال
اور شریعت کے اسرار و رموز سے
تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن
علامہ ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ، ابن
وغیرہ کی تحریروں کو پڑھا اور ان کے
ت حسنہ سے مستفید بھی ہوا اور میں نے
ور کو جن میں متاخرین علماء الجھے ہوئے
یکسر ترک کر دیا۔ شیخ غزالی حقیقت میں
بازی کے ساتھ اپنے دینی و علمی
کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف
۔ اور وہ دعوتی و اصلاحی میدان
ہر موڑ پر بلند فکری و بالغ نظری کی
سے ممتاز سمجھے جاتے رہے۔

ی و دعوتی قافلے کے متعلق
خ کے افکار و خیالات :

شیخ کی تالیفات اسلامی دعوت
جدید نقوش اور روشن و پُرامید
کی جانب رہنمائی کرتی ہیں۔ جس کی
میں ہر طرح سے روڑے پیدا کیے
ہے ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے
م ہوتا ہے کہ تخریج و تبویب کے
میں علمی طریقۂ کار کا بالکل پاس و

لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔
ظاہری صورتِ حال کو مدِنظر رکھتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ: میں نے علمی آسودگی کی خاطر
اتنا کچھ نہیں لکھا جتنا کہ موجودہ حالات اور
رائج غلطیوں کی اصلاح سے متعلق لکھا۔
اپنے ہم عصر داعیوں اور مصنفین
میں سے شیخ کا تعلق شیخ عبدالعزیز بن باز،
شیخ ناصر الدین البانی، ——— سید
ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید
ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ وغیرہم سے تھا۔ شیخ
ان حضرات سے تبادلۂ خیال کرتے اور بعضوں
سے بحث و مباحثہ اور جزئی مسائل
میں اختلاف بھی کرتے۔ کتاب "السنۃ النبویۃ
بین اهل الفقه واهل الحدیث"
کی روشنی میں بعض لوگوں سے مناقشہ کرتے
کرتے ناراض بھی ہو جاتے۔ لیکن یہ تمام
اختلافات جزئیات میں ہوتے تھے۔ اساسیات
میں بالکل اختلاف نہ کرتے تھے۔
قرآن و حدیث کی زبان نے شیخ کو
اتنا بے نیاز کیا کہ دوسری زبانیں پسند
ہی نہ آئیں۔ اس کے باوجود انھوں نے
خالص عصری مسائل سے متعلق بہت سی
ابتدائی کتابیں تصنیف کیں۔ شیخ اپنی
تقریروں میں آیات و احادیث اور ایسے
اشعار پیش کرتے جو سرد جذبات و
احساسات میں روح پھونک دیتے۔ شیخ
اپنی کتابوں کے عناوین بڑے انوکھے اور
دل نواز رکھتے۔ مثلاً "جدد حیاتك"
"هذا الحق، حصاد الغرور، هموم داعية".
شیخ معاشرتی اتحاد و اتفاق کے
عملی پیکر تھے اور کسی سیاسی پارٹی سے
کوسوں دور تھے۔ آج یقیناً شیخ کے

انتقال سے ایک بہت بڑا خلا محسوس ہو رہا ہے
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت
نازل فرمائے، اور انھیں جنت نعیم میں
بہترین ٹھکانا عطا کرے۔ اور مسلمانوں
کو بہترین نعم البدل سے نوازے۔
آمین

بقیہ:۔ اسلامی شریعت

مارکیٹ میں چل رہا ہے، بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے
اپنا فرض صرف اسی وقت انجام دیتے ہیں جب ان کو
اس فرض شناسی کا علاحدہ سے صلہ (یعنی رشوت)
ملتا ہو، عوام کے نمائندے جو منتخب ہو کر حکومت میں
جاتے ہیں کتنا خرچ کر کے جاتے ہیں پھر اس خرچ کو
دوگنا تگنا وصول کرنے میں کیا کیا جائز ناجائز طریقے اختیار
کرتے ہیں۔
ذات پات کے تعصب اور فرقہ وارانہ جبر و زیادتی
کا چلن کتنا بڑھ گیا ہے ملک و قوم کے رکھوالے ملک
و قوم کے لئے کچھ کرنے کے بجائے اپنی ذاتی ترقی اور
دولت و خوشحالی کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، ملک کی
بدنامی دنیا میں کتنی ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے لیکن اسلام
کے مخالف اہل قلم کو دلچسپی ہے تو اسلام اور مسلمانوں
میں عیب تلاش کرنے کی اور ان کی خوبیوں سے صرف نظر
کرنے کی اور جو خود ان کے معاشرے میں بگاڑ کی باتیں
ہیں ان کو نظر انداز کرنے کی یا بہت چھوٹا بنا کر ظاہر
کرنے کی، اس طرح نہ اپنے ساتھ انصاف ہوتا ہے نہ
دوسرے کے ساتھ۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی
معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا
احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج
ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہید

قسط نمبر

پروفیسر وصی احمد صدیقی

شیدو کی جنگ

۱۲ رجمادی الاخری ۱۲۴۲ھ کو سید صاحب نے بیعت امامت لی تھی اور جمعہ کے خطبہ میں آپ کا نام داخل کیا گیا تھا۔ اس کی اطلاع سید صاحب نے بڑے اہتمام سے نامور سرداروں، علماء ومشائخ اور رؤسائے ہندوستان کو بھیجی تھی۔ یوسف زئی سرداروں نے سردار یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں والیان پشاور کو ایک پرزور دعوتی خط لکھا جس میں انھوں نے سید صاحب کی رفاقت کی دعوت دی۔ سردار یار محمد خاں نے حالات پر نگاہ ڈالتے ہوئے سید صاحب سے بذریعہ خط آپ کی فوجی طاقت اور مالیت کے متعلق استفسار کیا۔ معلومات پر نظر رکھتے ہوئے ان دونوں بھائیوں نے سید صاحب کو اپنی رفاقت اور شرکت جہاد کی اطلاع دی اور لشکر اور توپ خانہ کے ساتھ پشاور سے نوشہرے کا رخ کیا۔ یہ لوگ موضع سرمائی میں داخل ہوئے۔ آپ خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں اور کئی سو آدمیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ ان سرداروں نے بیعت کی۔ نوشہرے سے لشکر نے شیدو کی طرف کوچ کیا۔ ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ کی جمعیت تھی۔ یہیں پر زہر خورانی کا واقعہ پیش آیا۔ لشکر میں چرچا ہوا کہ یار محمد خاں نے آپ کو زہر دلوایا ہے۔ سید صاحب کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی مگر یار محمد خاں کے اصرار پر آپ مولانا اسماعیل کے ساتھ ہاتھی پر بیٹھ کر مورچے پر نکلے۔ غنیم نے بندوقیں اور توپ چلانی شروع کیں۔

لڑائی کی صورت حال ایسی ہوئی کہ صاف نظر آنے لگا کہ لشکر اسلام کو فتح ہوئی مگر دشمنوں کے ایک گولے سے جس سے کئی سوار شہید ہوئے یار محمد خاں پر ہیبت طاری ہوگئی اور اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ سید صاحب بیہوشی کے عالم میں مع الخیر پہونچ گئے ہوش آنے پر آپ نے پوچھا کہ ہمارے مجاہدین بھائی کہاں ہیں۔ مولانا اسماعیل نے بتایا کہ پنجتار اور تورو میں۔ حضرت نے ننگے سر ہوکر جناب باری میں الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی۔ یہ وقت بہت سخت تھا اور ہر طرح کی تنگی تھی۔

(یار محمد خاں نے وہی کیا جو میر جعفر نے سراج الدولہ کے ساتھ کیا تھا اور میر صادق نے سلطان ٹیپو کے ساتھ۔ اس کو سید صاحب اور ان کے مشن سے کوئی خلوص نہ تھا۔ سیاسی اور ملکی مصالح کی بنا پر ساتھ آیا تھا۔ شیدو کی جنگ سے پہلے سکھ سپہ سالار سردار بدھ سنگھ نے اس کو ملالیا تھا۔ یہ مسلمانوں کے ہر دور کی ٹریجڈی ہے۔ لاہور میں اس جیت کا جشن منایا گیا۔)

سید صاحب کے عزم وہمت میں اس سے کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ علاقہ بونیر کی طرف روانہ ہوئے۔ مجاہدین کی جماعت پانچ چھ سو کی ہوگئی۔ کچھ روز آپ نے تختہ بند میں قیام کیا۔ مولانا اسماعیل اور شیخ ولی الدین پھلتی بیمار ہوگئے تھے۔ ان کو وہیں چھوڑا اور سفر کرتے ہوئے علاقہ سوات میں داخل ہوئے۔ مولوی قلندر صاحب ۷۰ یا ۸۰ آدمیوں کے ساتھ آکر ملے۔ حضرت مسرور ہوئے۔ کوٹی گرام میں آپ نے نماز عید پڑھی وہاں سے درخواست پر پیر سمات کی طرف روانہ ہوئے۔ قاضی احمد اللہ صاحب بھی اپنے قافلہ کے ساتھ آکر ملے۔ مولانا اسماعیل بھی تندرست ہوکر آگئے تھے۔ راہ میں مولانا محمد یوسف صاحب کا انتقال ہوگیا۔ سب کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت آگے بڑھے اور بستی باڈہ میں مولوی رمضان صاحب سو آدمیوں کے ساتھ آکر ملے۔ منگورے میں تین دن قیام کرکے آپ چار باغ آئے۔ بیعت کا سلسلہ بڑے شد ومد سے جاری ہوا۔ آپ ایک بڑے رئیس اور پیرزادے کے مہمان ہوئے۔ وہاں سے شاہ چترال کو تحائف بھیجے۔ مولانا عبدالحی صاحب تشریف لائے۔ آپ چار باغ سے کوٹی گرام تشریف لائے وہاں میاں مقیم صاحب رامپوری ۳۰، ۴۰ آدمیوں کے ساتھ آکر ملے۔ وہ کچھ نقد روپئے اور اسلحے لائے تھے اسے نذر کیا۔ حضرت مختلف علاقوں سے گذرتے ہوئے پنجتار واپس آئے۔ بونیر اور سوات کا یہ دورہ تبلیغ ودعوت، افادہ اور ہدایت اور جہاد کی ترغیب کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ ہندوستان سے تازہ دم مجاہدین کے قافلے پہونچے۔ الغرض مجاہدین کی تقویت اور راحت کا پورا سامان تھا۔

پنجتار کا مرکز مجاہدین

بونیر وسوات کے دورہ کے تقریباً تین ماہ بعد آپ نے پنجتار کو اپنا مرکز بنایا۔ اس مقام کو اسلام کی جہادی اور مرکز اصلاح وارشاد بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجاہدین کے یہاں کے مشاغل قرون اولیٰ کی یاد دلاتے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے ہندوستانی احباب کو یہاں سے جو خط لکھا اس میں وہاں کے حالات تحریر کئے۔

(۱) یہاں کے رئیس فتح خاں کا سلوک مجاہدین کے ساتھ انصار کے سلوک وعمل کی یاد دلاتا ہے۔

(۲) مہاجرین مختلف مواضع میں بٹے ہوئے ہیں دس بارہ من جنس بیت المال سے روزانہ تقسیم ہوتی ہے

اور اسی حساب سے کپڑے۔

(۳) مجاہدین کا عجب عالم ہے۔ جہاد کفار کے ساتھ جہاد نفس بھی اور مجاہدہ روحانی خانقاہوں سے زیادہ ہو رہا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی کاموں کو انجام دینے کو ننگ و عار کا باعث سمجھتے تھے سید صاحب نے ایک انتہائی اثر انداز تقریر میں یہ غلط فہمی رفع کی آپ چکی پیسنے میں شریک ہوتے، لوگوں کے ساتھ کلاڑھیاں لے کر جنگل میں لکڑی کاٹنے جاتے نماز جمعہ کے لئے میدان میں گھانس چھیلنے میں شریک ہوتے۔ جھونپڑیاں بنائیں۔ کپڑے دھوئے۔ ہر شخص کو اندازہ ہو گیا کہ یہ ایک صاحب عزم شخص ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کی مختلف تائیدیں ہیں۔

ہزارے کے سرداروں کی امداد

اس خطہ کی تاریخ اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع کی نفاق، دغا بازی، قتل، خانہ جنگی اور عام بدامنی کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہزارے میں سکھوں کی حکومت ۱۸۱۸ء میں قائم ہوئی۔ دو قبیلوں کے سرداروں میں آپس میں لڑائی ہوئی۔ ایک نے بدلہ کے لئے سکھوں کی مدد چاہی۔ سکھ داخل ہو گئے۔ رنجیت سنگھ نے جب کشمیر پر قبضہ کر لیا تو مکھن سنگھ، حکما سنگھ، دیوان رام دیال وغیرہ نے ہمت پا کر مختلف علاقوں پر قبضہ کرنا چاہا۔ کچھ حصہ سکھوں کے قبضہ میں آ گیا۔ رنجیت سنگھ نے امر سنگھ مجیٹھ کو جنوبی ہزارے کا گورنر مقرر کیا۔ وہ مارا گیا۔ اس کے بعد مائی سداکور اور رنجیت سنگھ کے لڑکے شیر سنگھ کی سرکردگی میں لاہور سے مزید کمک آئی۔ تربیلہ میں اس نے قلعہ تعمیر کیا۔ سداکور نے ترین کے سردار محمد خاں کو متبنّیٰ کر لیا۔ رنجیت سنگھ نے کشمیر کے گورنر سردار ہری سنگھ نلوہ کو اپنی علمداری کا حساب پیش کرنے کے لئے بلایا۔ راستہ میں ہری سنگھ نے حملہ کرنے والے بہت سے قبائل کو شکست دی۔ اس سے خوش ہو کر رنجیت سنگھ نے اسے حساب داخل کرنے سے معاف کر دیا اور اسے کل ہزارے کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔ ہری سنگھ نے قبائل کو بڑی سختی سے دبایا اور سکھوں کی طاقت میں بہت اضافہ کیا۔

نارا میں ہری سنگھ سے شوانیوں اور سید خانی اُتمان زئیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور اس کی فوج کو شکست دی۔ ہری سنگھ کی موت کی خبر مشہور ہو گئی مگر وہ پتھروں سے ٹکراتا ہوا زندہ بچ گیا اور قتل و غارت گری سے بدلہ لینے کی کوشش کی۔

ہری سنگھ کی شکست کی خبر سن کر رنجیت سنگھ خود آیا۔ آکر مواضع کو برباد کیا اور ترین کے محمد خاں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔ اس کی واپسی کے بعد ہری سنگھ نے سخت کارروائی کی۔ محمد خاں کو جسے اس نے پچاس ہزار روپئے میں خرید لیا تھا زہر دلوایا اور دوسرے ممتاز اشخاص کو توپ سے اڑا دیا یا ملک بدر کر دیا، ہزارے کے زخم خوردہ سرداروں نے سید صاحب سے اپنے تعلق کا اظہار اور حمایت اور امداد کی درخواست کی، پائندہ خاں کی بھی عرضی آئی۔ سید صاحب نے اس کی جوانمردی اور شجاعت کی تعریفیں سنی تھیں۔ خوانین نے اس کی بدعہدی اور بے وفائی کے واقعات سنائے مگر سید صاحب نے فرمایا کہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ انھوں نے جواب لکھا کہ ہمیں پشاور کی مہم اور کفار سے جہاد، دو مہمیں درپیش ہیں، سید اخوندزادہ اور خاں عالیشان سید مقیم کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ آپ ان کو اپنے خیالات سے آگاہ کریں۔

اگرڈر اور پکھلی کے علاقہ میں

سید صاحب نے پکھلی کے لئے لشکر مرتب فرمایا اور مولانا اسمٰعیل شہید کو امیر جیش مقرر کیا۔ انھوں نے خطوط سے سید صاحب کو پورے حالات سے باخبر کیا۔ خطوط کے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

(۱) جناب والا سے رخصت ہو کر موضع لونی میں پہونچے۔ راستہ میں پتہ چلا کہ کسی تقریب کے سلسلے میں اس علاقہ کے خوانین اور اکابر تھانے میں جمع ہیں۔ میں شاہ سید کو لے کر وہاں گیا اور سب حضرات کو جہاد کی ترغیب دی اور جناب والا کی بیعت امامت لی موضع امب میں سردار پائندہ خاں نے ہمارا استقبال کیا۔ گفتگو سے اندازہ ہوا کہ پائندہ خاں ہمارا ساتھ دینے کے لئے بالکل ہمت اور آمادگی نہیں رکھتا۔ ہم نے ایک گھاٹ کو چھوڑ کر جس سے دشمنوں کے قلعے راستہ میں پڑتے تھے دوسرے گھاٹ کا انتخاب کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے پر جو قبائل آباد تھے ان کو دعوت اور ترغیب کے لئے ملا عصمت اللہ اخوندزادہ اور مولوی عبد اللہ خاں کو دو تین آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔

ہم لوگ اس گھاٹ سے خیر و عافیت کے ساتھ پار آ گئے۔ وہاں سے چل کر موضع نکا پانی پہونچے۔ وہاں علما ملنے آئے اور جہاد کی نیت ظاہر کی۔ پائندہ خاں سے ابھی تک حسن سلوک کا معاملہ رہا ہے۔

(۲) گزارش ہے کہ چونکہ یہ پہاڑی علاقہ ہے ایسی جماعتیں بھیجئے جو اہل ایمان کے لئے ہمت اور رغبت اور اہل کفر کے لئے مرعوبیت اور دہشت کا باعث ہوں۔

(۳) نکا پانی سے کوچ کر کے ہم لوگ شیر گڑھ پہنچے یہاں کے رئیس عبد الغفور خاں بیمار تھے۔ ہم لوگ ان کے بھائی کے ساتھ عیادت کو گئے۔ جو لوگ موجود تھے انھوں نے میرے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔

(۴) شاہ غلام حسین کی طرف سے آدمی آیا اور پیغام لایا کہ جب تک دوسرا لشکر نہیں آتا یہاں کے لوگ جہاد اور آپ کی رفاقت کے لئے نہیں اٹھیں گے۔

(۵) سید محمد علی شاہ اور ناصر خاں کے خطوط آئے جن کا مدعا یہ تھا کہ ابھی مجاہدین اگمد رہی میں قیام کریں، یہاں کے لوگ بظاہر سکھوں کے ساتھ دنیاوی مصالح کی بنا پر وابستگی رکھتے ہیں۔

(۶) اگرچہ یہ خوانین زبانی ایک دوسرے سے بڑھ کر خاطر تواضع کی بات کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں

میں اسلامی حمیت اور اطاعت الٰہی کا کوئی جذبہ نہیں۔

(۷) اتفاق سے روپیہ بالکل ختم ہوگیا۔ صرف ایک اشرفی تھی جس کے نرخ سے یہ لوگ ناواقف تھے اس لئے غلہ بیچنے پر بالکل آمادہ نہ تھے۔ میں نے منشی خواجہ محمد کو اشرفی دے کر سربلند خاں کے پاس بھیجا۔

(۸) ارسلان خاں نے کہا کہ میں حبیب اللہ خاں کی مدد کو جاتا ہوں۔ جس کو جہاد کا شوق ہو میرے ساتھ آئے۔ خرچ میرے ذمہ، لوگ میرے پاس اجازت کے لئے آئے، منع کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔

سربلند خاں، شاہی خاں اور ان کے بھائیوں سے ملاقات ہوئی لیکن وہ یکسوئی کے ساتھ گروہ مجاہدین میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں۔ سربلند خاں کا مقصود پائندہ خاں کی سرکوبی اور شکست ہے۔

مولانا اسماعیل شہید پائندہ خاں سے بےتعلقی کو خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔ پائندہ خاں کا تعلق حبیب اللہ خاں سے تھا اور حبیب اللہ خاں کا تعلق سلطان زبردست خاں سے تھا۔ مولانا سلطان زبردست خاں سے تعلق پیدا کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ نواحِ کشمیر کا رئیسِ اعظم تھا۔

مولانا اس نتیجہ پر آگئے تھے کہ یہ خوانین صرف حشمت و شوکت کے ساتھی تھے۔ (شاید) دل سے تو اسلام کا غلبہ چاہتے تھے لیکن معرکہ کارزار میں حصہ لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔

مولانا نے لکھا کہ جہاد صرف اس بات کا نام ہے کہ دین کی نصرت کے سلسلے میں مساعی جمیلہ کام میں لائی جائیں جو وقت کے مناسب حال ہوں۔ بغیر غور و فکر اور تدبیر کے حملہ خلاف مصلحت ہے۔ اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ خوراک اور پوشاک کی تنگی پر صبر کریں۔ پہاڑوں کے نشیب و فراز اور گھاٹیوں کے طے کرنے کے لئے مستعد رہیں۔

ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں اور ہندوستانی مجاہدین کے قافلے

یہ شہرت ہوئی کہ مجاہدین ڈمگلا پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جو فوجی اہمیت کا مقام تھا۔ پھول سنگھ کے ماتحت لشکر آیا اور اس نے وہاں ڈیرہ کیا۔ رات میں یہاں مقیم کے پیچھے مجاہدین نے شب خون مارا مقامی لوگوں نے بجائے لڑائی کے لوٹ مار شروع کر دی مگر مجاہدین نے بے مثال بہادری دکھائی اور غنیم کو شکست فاش ہوئی۔

جنگ شنکیاری بالکل اتفاقی طور پر ہوئی۔ مولانا اسماعیل نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا ان کی انگشت شہادت میں گولی لگی۔ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب یہ جماعت لوٹ کر سید صاحب کے مستقر پر آگئی۔ ہندوستان سے مجاہدین کے قافلے آنے شروع ہوئے۔

مولوی محبوب علی صاحب کا اختلاف

مولوی میر محبوب علی شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور نامور علماء میں تھے وہ بھی تشریف لائے لیکن راہ کی صعوبتیں مزاج کو برہم کر گئیں۔ انھوں نے درانیوں سے صلح کو توکل و عزیمت کے منافی بتایا اور کہا کہ پہلے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرنا چاہئے۔ مولوی صاحب پنجتار کے مرکز پر آئے۔ انھوں نے سید صاحب کے کھانے اور طرز رہائش پر اعتراض کئے۔ اہل لشکر سے کہتے تھے کہ تمہارے اوپر بیوی بچوں کے حقوق ہیں تم یہاں کیوں ہو۔ لوگوں نے کہا جہاد کے واسطے، مولوی صاحب نے کہا کہ جہاد کہاں ہے اور کون سے کفار سے مقابلہ ہے۔ ان باتوں سے انتشار پیدا ہوا۔ مولوی محمد حسن رامپوری وغیرہ نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی۔ سید صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب آپ نے اپنی نفسانیت سے اس لشکرِ اسلام میں تفرقہ ڈالا ہے۔ مولانا محمد اسماعیل کے آنے سے پہلے مولوی صاحب بغرض واپس چلے گئے۔ چند لوگ اور بھی واپس ہو لئے۔

ہندوستان سے امدادی رقمیں آتی رہیں۔ سید صاحب نے داعیوں اور مبلغوں کو اِدھر اُدھر بھیجنا شروع کیا، بہت سے لوگ جو نہیں جانا چاہتے تھے سید صاحب نے اصرار کر کے انھیں بھیجا۔

مولوی مظہر علی عظیم آبادی تشریف لائے۔ سید صاحب ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ شاہ چترال کو تحائف بھیجے۔ انھوں نے بھی اپنے خط کے ساتھ قیمتی تحائف بھیجے۔

۔جاری۔

محمد طارق ندوی

سوال وجواب

محرم الحرام کے مسائل

س :۔ تعزیہ سازی جائز ہے یا نہیں نیز اس سے مرادیں مانگنا کیسا ہے!

ج :۔ تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا، اور اس کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے۔ قرآن پاک میں ہے :۔ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (کیا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جن کو خود ہی تراشتے اور بناتے ہو) ظاہر ہے انسان اپنے ہاتھوں سے تعزیہ بناتا ہے اور پھر اس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں منتیں مانی جاتی ہیں، اس سے اولاد وصحت کی دعا کی جاتی ہے، سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس کی زیارت کو زیارت حسینؓ سمجھا جاتا ہے یہ ساری باتیں شریعت کے منافی ہیں۔ علامہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ رافضیوں کی برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ حضرت حسینؓ کی قبر کی تصویر بناتے ہیں اور اس کو مزین کرکے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یاحسینؓ یاحسینؓ پکارتے رہتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں یہ سب باتیں بدعت وناجائز ہیں اور اس مسئلہ میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں کہ تعزیہ داری قطعاً بدعت وناجائز ہے۔

س :۔ ماہ محرم کا تاریخی پس منظر کیا ہے اس کی ابتدا کیسے ہوئی۔ اس کی اہمیت کیا ہے۔ اسی طرح اور دوسرے مہینوں کی اہمیت کیا ہے اور کس لئے معروف ومشہور ہیں؟

ج :۔ عربی سال کا ابتدائی مہینہ محرم ہے اور آخری ذی الحجہ یہ قدیم زمانہ (زمانہ جاہلیت) سے انھیں ناموں کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ اہل عرب نے مہینوں کے نام موسم یا کسی اور وجہ سے رکھ لیے تھے مثلاً محرم اس لیے کہ اس میں جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے اور ذی قعدہ اس لیے کہ یہ زمانہ فراغت کا ہے مثلاً رجب اس لیے کہ اس کے معنی عظمت کے ہیں اس ماہ میں ایک خاص قسم کی قربانی فرض کر رکھی تھی، جس کی وجہ سے اس مہینہ کو عظمت حاصل تھی، اس کے ساتھ کبھی اہل عرب اپنی ضرورت کے لحاظ سے مہینوں میں تقدیم و تاخیر کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً ان کو محرم میں جنگ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس میں جنگ کرلی اور محرم کو دوسرا مہینہ قرار دے دیا اسلام نے ان مہینوں کو تو باقی رکھا، مگر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقدیم وتاخیر سے جو فرق پیدا ہوگیا تھا اس کو ختم کردیا۔

س :۔ ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کی محبت کے گمان میں تعزیہ داری کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی کیا اصل ہے؟

ج :۔ ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کی محبت کے گمان میں تعزیہ داری بدعت ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر سال حضرت حسینؓ کی تعزیت کی جاتی ہے یہ مکروہ تحریمی ہے، اصلاً ماہ محرم میں تعزیہ داری روافض کی ان بدعات میں سے ہے جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں، اس کی اسلام میں کوئی اصل نہیں، خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

س :۔ بغیر اعتقاد کے محض تماشائی کی صورت میں تعزیہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ تعزیہ داری بدعت ہے اور بدعت کے کام کو خواہ تماشائی کے طریقہ پر ہو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ بدعت کے ہر کام کو اولاً ہاتھ سے روکنا چاہیئے نہیں تو زبان سے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے نفرت کی جائے اور یہ ایمان سب سے ضعیف درجہ کا ہے، اور حدیث شریف میں یوں آتا ہے :۔

"من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فإن لم یستطع فبلسانه وإن لم یستطع فبقلبه وذالك أضعف الایمان۔"

س :۔ تعزیہ سے مراد مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ جائز نہیں! کیونکہ مراد مانگنا صرف اللہ رب العزت سے درست ہے غیر اللہ سے نہیں بلکہ تعزیہ غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ خود مراد پوری کر سکتا ہے، کفر ہے اور حقیقتاً تعزیہ سے مراد مانگنا جہالت ہے کیوں کہ وہ نہ ہی مانگنے والے کی مراد سن سکتا ہے، اور نہ اس کی حالت دیکھ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی فائدہ پہونچا سکتا ہے۔

س :۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تعزیہ بنانا سنت ہے ایسا شخص شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

ج :۔ وہ شخص جاہل، خطاوار، مجرم ہے، تعزیہ سازی بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں صاحب شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان ہے : کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔ (ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔)

س :۔ کیا ماہ محرم میں شادی کرنا شرعاً ممنوع ہے؟

ج :۔ نہیں شریعت مطہرہ میں کوئی ایسا مہینہ نہیں ہے جس میں شادی کرنے سے منع کیا گیا ہو لہٰذا محرم میں بھی دیگر مہینوں کی طرح شادی کر سکتے ہیں اس میں شرعاً کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے۔

مدرسۃ المحسنات آزاد نگر اندور کی تقریب سنگ بنیاد

مشاہدات وتاثرات

ابو حامد ندوی

مدرسۃ الفلاح آزاد نگر اندور جو ۱۹۷۲ء میں قائم ہوا۔ جس کے بانی و موسس حضرت مولانا معین اللہ صاحب ندوی دامت برکاتہم نائب ناظم ندوۃ العلماء ہیں، جہاں ندوۃ العلماء کے نصاب و نظام کے مطابق تعلیم و تربیت کا معقول نظم ہے، بیرونی طلباء کے لئے دار الاقامہ کی سہولت بھی ہے۔ مدرسہ کے احاطہ میں پرشکوہ مسجد بھی موجود ہے، یہ مدرسہ سرزمین مالوہ کے ان اہم اداروں میں ہے جو علم و ہدایت کی ساقی گری کا فریضہ اس پرآشوب و پرفتن دور میں انجام دے رہے ہیں۔

اس مدرسہ میں اس سے قبل بھی حاضری ہوئی تھی، اور قریب سے اس کی سرگرمیوں کو دیکھنے کا موقع ملا تھا لیکن اس دفعہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم جناب مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور استاذ ادب جناب مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی، جناب مولانا ضیاء الحسن صاحب ندوی پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور مولانا محمد رضوان صاحب ندوی کی معیت میں حاضری کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ اس مبارک موقع پر مدرسۃ الفلاح کی زیر نگرانی بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے ایک الگ ادارہ مدرسۃ المحسنات کے سنگ بنیاد کی تقریب ہونی تھی۔

بعد نماز جمعہ مورخہ ۱۹/اپریل ۱۹۹۶ء کو مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء اور دیگر اساتذہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے بدست اس ادارہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر اعیان شہر کی معتد بہ تعداد موجود تھی، جمعہ کی نماز سے پہلے مولانا محمد رضوان صاحب ندوی نے بچیوں کی تعلیم و تربیت کے موضوع پر مؤثر تقریر فرمائی، اور لوگوں کو بچیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے پر زور دیا۔

اندور بذریعہ ٹرین جمعہ کی شب میں حاضری ہوئی، اسٹیشن پر ڈاکٹر محمد آصف خاں صاحب اور مدرسۃ الفلاح کے مہتمم جناب حافظ عبید اللہ صاحب صدیقی استقبال کے لئے موجود تھے۔ مہتمم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء کی آمد کی وجہ سے اہل اندور کو بڑی مسرت تھی، جناب ملک صاحب اور ڈاکٹر آصف خاں صاحب اور ان کے دیگر برادران نے پرتکلف کھانوں کا نظم کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف جو ایک کامیاب سرجن ہیں اپنے نرسنگ ہوم بھی لے گئے اور بچیوں کی تعلیم کے لئے جو ادارہ انھوں نے قائم کیا ہے اس کا بھی معائنہ کرایا، جناب ذکاء اللہ صاحب جو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم سے خصوصی ربط و تعلق رکھتے ہیں، ہر وقت ساتھ رہے، اپنے ادارہ میں بھی لے گئے۔ جناب قاضی عبد المجید صاحب جو حضرت مولانا مدظلہ کی بعض کتابوں اور تقریروں کو انگریزی میں منتقل کرنے کی خدمت بڑی محبت و خلوص سے انجام دیتے ہیں، ہمہ وقت معزز مہمانوں کے لئے فرش راہ بنے رہے، اصرار کے ساتھ دولت کدہ پر بھی لے گئے، ان کے گھر کو دیکھ کر ان کی علمی کاوشوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔

جناب مولانا ابو البرکات صاحب ندوی مفتی مالوہ کے مدرسہ ریاض العلوم میں بھی مہتمم صاحب کی حاضری ہوئی۔ مفتی صاحب موصوف نے بے حد ممنونیت کا اظہار فرمایا۔ مہتمم صاحب اس ادارہ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے چند سالوں میں اس ادارہ نے بڑی ترقی کی ہے، وسیع بارونق مسجد، دار الاقامہ اور درسگاہوں پر مشتمل یہ ادارہ سرزمین مالوہ کا معروف و مشہور دار العلوم بن چکا ہے، جہاں دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب کے مطابق تعلیم کا نظم ہے۔

جمعرات کی شب میں بعد نماز مغرب مدرسۃ الفلاح میں معزز مہمانوں کے اعزاز میں خصوصی پروگرام ہوا۔ جس میں مدرسہ کے بعض طلباء نے مؤثر تقریریں کیں۔ مدرسہ کے نائب مہتمم جناب سراج الرحمان صاحب نے معزز مہمانوں کی خدمت میں ہدیہ سپاس پیش کیا۔ مدرسہ کے استاذ مولوی کلیم اللہ صاحب ندوی نے منظوم گلہائے عقیدت اس تقریب سعید کے موقع پر پرسوز لہجے میں پیش کیا جس کو مولانا محمد خالد صاحب ندوی نے ترتیب دیا تھا۔ مدرسہ کا ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ اس موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری نے ولولہ انگیز اور مؤثر تقریر فرمائی۔ اخیر میں صدر جلسہ جناب مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا، جس میں آپ نے اپنے اس دیرینہ ربط و تعلق اور ذہنی و فکری انسجام کا تذکرہ فرمایا جو اس مدرسہ کے ناظم جناب مولانا معین اللہ صاحب ندوی دامت برکاتہم سے ہے، اس مدرسہ کو دیکھ کر اور اس کی سرگرمیوں کا قریب سے مشاہدہ فرما کر اپنی دلی مسرت کا اظہار فرمایا، اور مدرسہ کی اہمیت و ضرورت پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ صدر جلسہ کی دعا پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

روانگی سے قبل جناب مولانا ولی اللہ صاحب ندوی کے دولت خانہ پر پرتکلف دعوت کا اہتمام تھا مولانا نے بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ مہمانوں کا استقبال کیا اور بے حد مسرور ہوئے۔

باقی صـ ۳۰ پر

تاثرات

بروفات حسرت آیات مخدومی حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نور اللہ مرقدہ:

از: محمد عبد القیوم شاکر الاسعدی بستوی

مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحبؒ کے جد امجد حضرت مولانا جعفر علی صاحب نے جہاد سے واپسی کے بعد بستی اور اس کے قرب و جوار کے ضلعوں میں بڑا دعوتی کام کیا تھا۔ مدارس قائم کئے تھے اس کی وجہ سے ان اطراف کے لوگوں کو آپ کے خاندان سے عقیدتمندانہ تعلق تھا مولانا محمد مرتضیٰ صاحب اسی تعلق کی بنا پر ان اطراف میں بہت محبوب و مقبول تھے۔ اور ان کے دورے ہوتے رہتے تھے۔ ان اطراف کے مدارس سے آپ کو خصوصی ربط و تعلق تھا۔ لہٰذا آپ کے انتقال کا اثر ان علاقوں میں غیر معمولی محسوس کیا گیا جس کا اندازہ ذیل کی نظم سے لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا مرحوم کے ساتھ اس علاقہ کے بعض حصوں میں .... سفر کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اور محبت و عقیدت کے یہ مناظر دیکھے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب مولانا عبد القیوم صاحب ندوہ آئے تو مولانا کو نہ پاکر اجنبیت محسوس کی اور وہ نقوش ابھر آئے جن کی نظم میں ترجمانی کی گئی ہے۔
(ادارہ)

پیش آیا ندوۃ العلماء میں ایسا سانحہ
میکشوں کا ذکر کیا روتا ہے خود پیر مغاں

رو پڑے صدیق جس کے آخری دیدار پہ
پھر ہماری آنکھ سے کیسے نہ ہو آنسو رواں

آپ سے ہو کر جدا رونا ہے مجھ کو عمر بھر
ایک دہقانی پہ اتنا کون ہوگا مہرباں

عمر بھر دیتے رہے بھر بھر کے وہ جام کتاب
ایسا ساقی تشنگان علم پائیں گے کہاں

سچ کہا جس نے کہا سید تھے سر سے پاؤں تک
پیکر مہر و وفا صدق و صفا تھے بیگماں

کتنی بیواؤں یتیموں کے تھے مولانا کفیل
اب سنے گا کون بے چاروں کے غم کی داستاں

گو سفر مشکل ہو رہتے تھے ہمیشہ مستعد
اس بڑھاپے میں تھی کتنی آپ کی ہمت جواں

اس سفر میں لطف آتا تھا حضر سے بھی سوا
جس سفر میں آپ ہوتے تھے امیر کارواں

دین کی خاطر کیا تھا آپ نے ترک وطن
جانشین حضرت جعفر علیؒ تھے بے گماں

سید احمد سے عقیدت کی ہے یہ روشن دلیل
عمر بھر چھوڑا نہ ہرگز بوالحسن کا آستاں

جو خدا کی راہ میں مرتے ہیں وہ مرتے نہیں
حق تعالیٰ ان کو دیتا ہے حیات جاوداں

ان کے چھٹنے کا الم کرتا ہے دل کو پاش پاش
صبر کی توفیق دے ہم سب کو اے رب جہاں

ایک دو خوبی ہو تو لکھنے کی کچھ کوشش کروں
اتنے اخلاق کریمہ کا کروں کیوں کر بیاں

حشر تک سوتے رہیں آرام سے پروردگار
قبر کو ان کی بنا مولیٰ مرے جنت نشاں

روح بن کر طائر قدسی صفت اڑتی پھرے
جنت الفردوس میں اپنا بنائے آشیاں

جس نے دنیا میں نہیں اپنا بنایا کوئی گھر
جنت الفردوس میں یا رب بنا اس کا مکاں

زندگی تھی باعث صد رشک حضرت آپ کی
آپ دنیا سے گئے ہیں کامیاب و کامراں

شاکر خستہ جگر تھا ان کا اک ادنیٰ غلام
جس کے باعث تا فلک پہونچی کلاہ دیہقاں

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
قبر کو تیری منور فضل رحمانی کرے

بارگہ اقبال میں

امین عالم راہی امروہوی

عجیب و سادہ و دلکش پیام ہے تیرا
دلوں میں اہل نظر کے مقام ہے تیرا

ہوا جوار نبی میں بھی تیرا ذکر جمیل
یہ شان ہے تری یہ احترام ہے تیرا

ہیں تیری دیدہ وری کے حرم میں بھی چرچے
علی میاں کی زباں پر بھی نام ہے تیرا

ہے میری چشم تصور میں وہ نماز اس وقت
جب ایک مرد مجاہد امام ہے تیرا

مری زبان و قلم پر گرفت ہے تیری
مرا کلام ہی کیا ہے، کلام ہے تیرا

"اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار تو ام
وگر کشادہ جبینم گل بہار تو ام

بقیہ:- درس حدیث

اس کے مطابق بلاکسی کمی زیادتی کے صحیح حساب لگا کر دیا جائے، اور بلاکسی تاخیر و تقدیم کے وقت پر دیا جائے۔

نمبر۹: باصلاحیت اور امانت دار لوگوں کو کام پر لگانا اور مالوں کو ان کے حوالہ کرنا تاکہ کام ٹھیک ٹھیک انجام پائیں، مال محفوظ ہوں۔

نمبر۱۰: حاکم بذات خود کاموں کی نگرانی کرے اور حالات کی تحقیق کرتا رہے تاکہ امت کی قیادت اور ملت کی حفاظت کا فکر و اہتمام رہے، لذت کوشی میں پڑکر یا عبادت میں مشغول ہوکر دوسروں ہی پر بھروسہ نہ کرے، کہ کبھی کبھی امانت دار شخص سے بھی خیانت سرزد ہوجاتی ہے اور کبھی خواہ دھوکا دے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

"یَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ"

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستہ سے بھٹکا دے گی۔

اللہ تعالیٰ نے صرف کام حوالہ کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملاً کرنے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں کا ہر شخص اپنی نگہبانی کے بارے میں جوابدہ ہے۔" لہ

امام کی ذمہ داری زبردست ذمہ داری اور گرانبار امانت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنا پھر کوئی کام کسی ایسے شخص کے حوالہ کیا جس سے بہتر آدمی موجود تھا تو اس نے اللہ و رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا ارتکاب کیا۔" ۲ہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو شخص مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی کام کا ذمہ دار بنا پھر اس نے اس میں سے کوئی ذمہ داری، دوستی یا رشتہ کی بنا پر کسی شخص کے حوالہ کی تو اس نے اللہ اور اللہ کے رسول نیز مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ حاکم اپنے نائب کے طور پر دوسرے شہروں پر جو گورنر، قاضی یا فوجی جنرل مقرر کرے ان کی صلاحیت اور کام کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی صفات کو اچھی طرح معلوم کرے، ایسے ہی لشکروں کے سپہ سالار اور مالیات کے ذمہ دار وزراء، کلرک، سرکاری دفاتر سے ایسے حقوق نکلوانے والے جن کے حصول میں دشواری ہوتی ہے، ایسے ہی خراج و صدقات اور دیگر مالوں کو جو مسلمانوں کے لئے ہیں وصول کرنے والے عمّال، ان میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ اپنا نائب و عامل اس شخص کو بنائے جو اس کام کے لئے سب سے باصلاحیت ہو، یہاں تک کہ مساجد کے ائمہ اور مؤذنوں، قاریوں اور استاذوں، حج کے امیروں، مالوں کے خزانچی، قلعوں کے پہریدار، لشکروں کے نگراں، قبیلوں، بازاروں کے حالات معلوم کرنے والے ان تمام قسم کے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ جو شخص بھی مسلمانوں کے ان معاملات میں سے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنے تو اپنے دائرۂ اختیار میں ایسے ہی شخص کا تقرر کرے جو اس کام کے لئے سب سے بہتر اور اہل ہو، اگر اہل و مستحق کے ہوتے ہوئے محض رشتہ، دوستی، آزاد کردہ غلام یا ایک شہر میں رہنے کے تعلق یا مذہب و قومیت جیسے عربی و فارسی، یا رشوت کی وجہ سے خواہ وہ مال کی شکل میں ہو یا نفع کی یا کسی اور سبب کی بنا پر جیسے باصلاحیت شخص کی طرف سے دل میں کینہ یا رنجش ہو یا دونوں میں دشمنی ہو، اس لئے غیر مستحق کو ذمہ داری دے دی تو اس نے اللہ و اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی اور آیت پاک میں جس چیز سے اس کو منع کیا گیا ہے اس کا مرتکب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

"یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ" ۳ہ

اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔

"وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ" ۴ہ

اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ خدا کے پاس نیکیوں کا بڑا ثواب ہے۔

انسان اپنے بیٹے کی محبت و آزاد کردہ غلام کے تعلق کی بنا پر متاثر ہوکر ان کو ایسا منصب دیدیتا ہے جس کی ان میں صلاحیت نہیں ہوتی ایسے ہی اپنے کسی خوشامدی کو عہدہ دیدیتا ہے ان سب صورتوں میں وہ امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی خیانت کرتا ہے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا حکمرانی ایک امانت ہے جس کا ان مواقع کا لحاظ رکھتے ہوئے جن کا ذکر ہوا ادا کرنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امارت کے سلسلہ میں حضرت ابوذرؓ سے فرمانا کہ "وہ ایک امانت ہے جو قیامت میں ندامت و شرمندگی کا سبب ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے اس کے حقوق کے ساتھ اس ذمہ داری کو سنبھالا اور اس امانت کے سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داری تھی اس کو پورا کیا۔"

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو"۔ حدیث کے اس معنی پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے

لہٰذا جس شخص کو یتیم کے مال کے سلسلہ میں (دیکھ بھال کی۔) وصیت کی گئی ہو، یا جو شخص وقف کا نگراں ہو، یا کسی شخص نے اپنے مال میں کسی اور شخص کو وکیل بنادیا ہو، تو ان سب کو ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بہتر سے بہتر طریقہ اپنانا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو۔ [2]

آپ نے اُحسن کے بجائے حسنۃ کا لفظ نہیں استعمال فرمایا اس لئے کہ حاکم لوگوں کا بالکل ایسے نگراں ہے جیسے بکریوں کا چرواہا بکریوں کا نگراں ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں تفصیل گذر چکی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بھی نگراں نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے نگرانی سونپی ہو پھر وہ اس حال میں مرے کہ دھوکہ دہی سے کام لیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی خوشبو حرام فرما دیتا ہے۔

(رواہ مسلم)

[1] الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ لابی الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی ص ١٨۔
[2] رواہ حاکم فی صحیحہ
[3] انعام ۔ ٢٧-٢٨۔ [4] اسراء - ٣٤

بقیہ: اسلام ہی دینِ حق ہے

وقلب کی پاکیزگی اور صفائی کی طرف خصوصیت سے زور دیتا ہے، اور اعلیٰ اخلاقی کردار پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

ایک نومسلم یورپین خاتون نے یورپین تہذیب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمان خاتون دوسری خواتین سے اپنی بہت سی چیزوں میں ممتاز ہے، یہ باوجود عمر زیادہ ہوجانے کے اپنی نسوانیت کی حفاظت کرتی ہے اور اسے ضائع ہونے نہیں دیتی، برخلاف یورپین عورتوں کے کہ تیس سال سے عمر متجاوز ہو تو کریم و پاؤڈر سے اپنا چہرہ بگاڑ لیتی ہیں، میک اپ کرکے اپنی ہیئت خراب کر دیتی ہیں، ایک فرق اور امتیاز یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی بیوی کا زیادہ خیال رکھتا ہے، اور اس کی ذات کو معاشرہ کی خرابیوں سے دور رکھتا ہے، اس کی جنس کا احترام کرتا ہے، بہت سی یورپین عورتیں اس وجہ سے بھی اسلام لائیں۔

اخبار نے آخر میں اس شکایت کا ذکر کیا ہے کہ یورپ میں اسلام کو بری شکل میں پیش کیا جارہا ہے، اور اس کو ایک بڑے دشمن کی حیثیت سے بتایا جارہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو اس کی اصلی اور صحیح شکل میں پیش کیا جائے، افسوس کی بات تو یہ کہ میڈیا جس کو امانتدار اور سچا ہونا چاہئے، وہ بھی اسلام کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے۔ اور یہ باور کراتا ہے کہ اسلام تشدد، تخریب وفساد کا نام ہے، جبکہ اسلام امن وسلامتی اور بھائی چارگی، اعلیٰ اخلاق وکردار کی دعوت دیتا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام جو سب سے بہتر مذہب ہے، اور سب سے بہتر راہ عمل رکھتا ہے، آخر کیوں پورا یورپ و مغرب اس کے پیچھے پڑا ہے، اور اسکی تعلیمات کے آگے رکاوٹ بن رہا ہے۔

بقیہ مشاہدات و تاثرات

اندور سے واپسی پر یہ تاثر پیدا ہو رہا تھا کہ ہولکر راجاؤں کا پایہ تخت اندور جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور ان راجاؤں کے زیر اثر اس علاقے کے ہونے کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں غیر اسلامی طور طریق اور ہندو تہذیب کا اثر جس حد تک پیدا ہوگیا تھا، اس کی بنیادی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری اور صالح مسلم معاشرہ کا فقدان ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

الحمد للہ آج نہ صرف اس شہر میں بلکہ اس کے مضافات میں بھی بہت سے دینی وعلمی مراکز قائم ہوگئے ہیں، جہاں نونہالان اسلام کی تعلیم وتربیت کا نظم کیا جارہا ہے، تبلیغی مراکز میں جماعتوں کی آمد ورفت اور اعیان شہر کی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ تبلیغی اور دعوتی کاموں میں حصہ لینا علماء کی قدر، مرکزی اداروں سے والہانہ عقیدت اور وابستگی، یہ وہ باتیں ہیں، جن سے اس علاقہ میں مسلمانوں کے حق میں ایک اچھے مستقبل کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور اس کے لئے دردمند حضرات کوشاں بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ان دردمندوں کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ان دینی، علمی اور دعوتی مراکز کو ترقی وفروغ سے نوازے۔ آمین۔

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات اشاعتی ادارے یا ادیب وشاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(١) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(٢) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔



پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳	۲۵ مئی ۱۹۹۶ء مطابق ۶ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ	شمارہ نمبر ۱۴

نگرانِ اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی۔ مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی۔ مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبداللہ حسنی ندوی۔ مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ــــــ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ــــــ پانچ روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک:
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ــــــ ۲۵ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک:
بحری ڈاک جملہ ــــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ــــــ منیجر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پارکھ آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپے کے حساب سے زرِ ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخِ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

الکشن کے نتائج

الکشن کا ڈرامہ ختم ہوا "این جناب" آئے اور "آں جناب" گئے۔ کچھ اٹھے اور کچھ بیٹھے۔ کوئی گرا اور کوئی ابھرا۔ اور ہم مسلمان نہ ابھرے اور نہ گرے۔ جہاں تھے وہیں آج ہیں۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ ہم اس ہنگامے سے بے تعلق اور نتائج سے بے پروا ہوں۔ ہاں ہماری امیدوں اور اندیشوں کا میدان الگ تھا۔ ہماری فکر زندگی ،ہ یہ تھا کہ یہ زیادہ زہریلا ہے یا وہ، زیادہ خطرناک یہ ہے یا وہ، غرّا کر حملہ آور ہونے والا مناسب ہے یا بغیر غرّائے کاٹ لینے والا۔ کردار ملتے جلتے ہیں۔ نصف صدی ,بات اس کی نشاندہی کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، اسٹیج اور کرسی وہی ہے، کردار ایک ہی ہے، البتہ اداکار بدل گئے۔

الکشن کے اس "بھیڑ اور بلوے" میں کسی کو "چکھا بکھا" کسی کو تھوڑا حلوہ اور ہمیں دور کا جلوہ ملا، مگر سب سے زیادہ محروم و بدقسمت یا جو جانیں کھو بیٹھے۔ اور ان کا خون برسات کے پانی کی طرح بہہ گیا۔ ان بدنصیبوں کے نام بھی نہیں سنے گئے، اخباروں میں صرف دہ بتائی گئی کہ بہار کی پولنگ میں اتنے ہلاک ہوئے، اور یوپی میں مرنے والوں کی تعداد اتنی تھی۔ آخر یہ جانباز کس کے لئے جان ہارے، جیتنے والا امیدوار ان کو کیا دے دیتا، اور ہارنے والا ان کی ہمدردی کے عوض کیا کرتا۔ عربی کے محاوروں میں انہی لوگوں سا جاتا ہے۔ بے جنگ کے جنگ کرنے والے، ٹھنڈے لوہے پیٹنے والے، بغیر آگ کی لکڑی میں پھونک مارنے والے۔ نہ ان پر آسمان سم آیا نہ زمین کو۔

ان سے بھی ایک قدم آگے بہار کے ایک وزیر صاحب نے اٹھایا۔ الکشن کے نتائج جب ان کی آرزوؤں کے خلاف آنے لگے تو ,ں نے اپنے پیٹ میں چھرا بھونک لیا۔ حسرت و غم کی یہ "تجسیم" شاید ہی کہیں سنی گئی ہو، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ الکشن ,امہ جنگ زرگری کا ایک شاخسانہ ہے۔ کامیابی کے لئے کسی اخلاق و کردار کی شرط نہیں ہے، قوت خرید اور قوت بازو مطلوب ۔ اور قوت بازو بھی ایک اصطلاح یا رمز ہے، مقصد شوریدہ سر، جان باز، کارگزار عملہ کی قوت عمل ہے، اگر وزیر موصوف مسلمان ہوتے تو مصلحت وندی میں ان کو تسکین کا سامان ملتا ۔ ان کا ضمیر اندر سے آواز دیتا۔

ہاں مشو نومید چوں غافل نۂ از سرِّ غیب
باشد اندر بازی ہائے پنہاں غم مخور[1]

ایک وہ ہیں جو ایک گرم جھونکے کی تاب نہ لا سکے۔ اور ایک ہم ہیں کہ آگ کی آندھیوں میں اپنے ایمان کا چراغ روشن کئے بیٹھے ہیں۔ ئے برق و باراں قریب سے سن رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہواؤں کا رخ کدھر ہے، اقبال کا مصرعہ

"کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی"

ا کی داستان ہی نہیں حال کا ترجمان بھی ہے اور عزم و ارادوں کا نشان بھی ہے۔

---

[1] حافظ شیرازی۔ یعنی ناامید نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ اس بازی میں کوئی راز پنہاں ہو۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

جاہلیت کسی خاص عہد کا نام نہیں

۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء کو تحفظ شریعت ہفتہ کے موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے طلبہ کے سامنے تقریر فرمائی جو افادۂ عام کی غرض سے شائع کی جا رہی ہے۔ (ادارہ) ——— ناقل:۔ ذاکر حسین بھٹکلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ۔

میرے دوستو، بھائیو اور عزیزو! عام طور پر پڑھے لکھے اور اچھے خاصے فاضل حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ایک عہد کا نام ہے اور خاص طور پر اس عہد کا نام ہے جو بعثتِ محمدیؐ سے پہلے اور اشاعتِ اسلام سے پہلے دنیا میں عام طور پر اور جزیرۃ العرب میں خاص طور پر اور حجازِ مقدس میں اور اس کے قرب و جوار میں جو عہد تھا وہ جاہلی عہد ہے۔

عام طور پر جب جاہلیت کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ پسماندہ عہد تھا انحطاط پذیر اور بربریت پسند اور ایک بالکل افراتفری کی زندگی تھی جس میں اللہ کا قانون اور اللہ کا فرمان اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو تعلیمات مختلف صحیفوں کی صورت میں آئیں پھر انبیاءؑ کے ذریعہ ان سے دنیا نا آشنا ہو چکی تھی یہ بھی بہت بعد میں پھر لکھنے والوں نے لکھا اور جن کو اللہ نے توفیق دی اور جن کا زیادہ گہرا مطالعہ تھا تاریخ کا جاہلیت کو ایک وسیع نظر سے دیکھنے لگے، صرف عرب میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں وہ چھٹی صدی مسیحی اور اس سے پہلے کی ساری دنیا میں جاہلیت کا ایک شامیانہ تنا ہوا تھا اور جاہلیت کا بادل چھایا ہوا تھا اور جاہلیت کا ایک اندھیرا تھا۔ اور عام طور پر سیرت نگاروں نے بھی جب جاہلیت سے بحث کی ہے تو صرف عرب کے ماقبل اسلام عہد کو سامنے رکھا ہے لیکن اب بھی جن لوگوں نے دنیا کی جاہلیت کا مطالعہ کیا اور اس کے حالات پیش کئے اور اب جو کتابیں لکھی جانے لگی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ایران میں بھی جاہلی عہد تھا، جاہلی عادات تھے، جاہلی عقائد تھے اور جاہلی دور دورہ تھا، اور روم میں بھی ایسے ہی تھا۔ بازنطینی سلطنت کے علاقوں میں بھی ایسے ہی تھا اور یہاں تک لوگوں نے جب مغربی زبانوں کا مطالعہ کیا خاص طور پر انگریزی کا (ہندوستان میں انگریزی کا رواج ہے) تو انھوں نے یورپ میں بھی عہدِ جاہلیت کی تصویر کھینچی اور مصنفین اور مؤرخین کے حوالے سے اور ان کی کتابوں کے حوالے سے، صفحات کے حوالے سے انھوں نے بتایا کہ انگلستان میں یہ حال تھا، جرمن میں یہ حال تھا اور یورپ کے مختلف ملکوں میں یہ حال تھا، لیکن ابھی تک جاہلیت کا جو وسیع مفہوم ہے اور جو یہ اصطلاح اللہ تبارک و تعالیٰ نے استعمال فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی بار دہرایا ہے: "أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ" "وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ" ایسے ہی قرآن مجید میں کئی جگہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ہوتا ہے اور انسانوں کو یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ خود نفسانفسی کی زندگی اور نفس پرستی کی زندگی اور اپنی خواہش اور لذت یا اپنے منفعت، محدود شخصی منفعت کے لئے کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس کو جاہلی فعل کہتے اور جاہلی عہد کہتے ہیں، لیکن ابھی تک اس پر زیادہ عمیق، عمیق تر اور وسیع تر مفہوم سوچا نہیں گیا کیونکہ یہ ہمارے طلبائے علوم دینیہ کا اور عربی زبان کے طلباء کا اور تفسیر و حدیث اور تاریخ اسلامی کے مطالعہ کرنے والوں کا کام تھا وہ اس کی حقیقت تک پہونچ سکتے تھے اس لئے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو نفس کے تقاضہ سے کی جائے یا رسم و رواج کی پابندی میں کی جائے یا اس میں محدود منافع سامنے ہوں اور اس کا کوئی ماخذ شریعت الٰہی نہ ہو اور جس چیز کا ماخذ شریعت الٰہی نہ ہو اور جس چیز کی نص کتاب اللہ میں، حدیث نبوی میں، اور سنتِ رسول میں، اسوۂ رسول میں، اور اس زمانہ میں اسلام کی تعلیمات سے جو تمدن رائج ہوا، جو طرزِ زندگی جاری ہوا جو چیز اس میں نہیں پائی جاتی، قرنِ اوّل میں نہیں پائی جاتی، عہدِ نبوی میں نہیں پائی جاتی، عہدِ خلافت راشدہ میں نہیں پائی جاتی وہ جاہلیت ہے، اور جاہلیت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کام کو اللہ کے حکم اور رسولؐ کے فرمان، ہدایت اور شریعت اسلامی کے سہارے کے بغیر، اس کے حوالہ کے بغیر، اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی تعمیل میں جو کام نہ کیا جائے بلکہ محض اس کو رواج کی خاطر کیا جائے اس کو رواج کی پابندی میں

ائے، اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنے کے لئے
چیز اختیار کی جائے اور اس میں تمام حدود سے
ز کر دیا جائے، اس کو بھی ایک قانون سمجھا جائے،
یت سمجھا جائے وہ سب جاہلیت ہیں۔ اب اس
ہمارے مشرقی ممالک میں بالخصوص ہندوستان
خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں اکثریت غیر مسلموں
ہے وہاں پر زندگی میں جو چیزیں شامل ہوگئی ہیں،
تک کہ بالکل شریعت کی طرح ان کی پابندی کی
ہے بلکہ شریعت سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے
سب جاہلیت ہے، اور اس معنی میں جاہلیت کا
تعمال آپ کو حدیث میں اور سیرت کی کتابوں میں
گا مثلاً ایک صحابی سے کوئی ایسا عمل ہوا جو اسلامی
ات اور اسلام کی تربیت کے خلاف تھا تو آپ نے
یا "انک امرؤ فیک جاهلية" تم ایک ایسے
ی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو پائی جاتی ہے،
اہلیت محض ایک دور سے مخصوص اور اس کے ساتھ
ود نہیں تھی بلکہ قیامت تک جو کتاب الٰہی کتاب وسنت
وشنی کے بغیر، کتاب وسنت کی اطاعت کے بغیر
اس کے برخلاف کیا جائے گا وہ جاہلیت ہے
لئے کہ اس میں یہ منافع ہیں، شخصی منافع ہیں،
لتی منافع، خاندانی اور قومی منافع ہیں، سیاسی
فع ہیں، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ ایسا ہوتا آیا
ر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایسے ہی پایا ہے، یہ
ب جاہلیت میں شمار ہوگا۔ ہر وہ چیز کہ جس میں کوئی
ن کی حدیث کی اور شریعت کی دلیل نہ پائی جائے،
کے بارے میں کوئی حکم الٰہی پایا نہ جائے اور تشریع
ی نہ پائی جائے محض نام ونمود کے لئے کیا جائے،
ں لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کیا جائے، عزت
صل کرنے کے لئے کیا جائے اور شہرت حاصل کرنے
لئے کیا جائے، نفس کی تسکین کے لئے کیا جائے، لوگوں
مطالبات اور توقعات کو پورا کرنے کے لئے کیا
ئے یہ سب امور جاہلی ہیں، اب اس وقت یہ ہمارے

یہاں اللہ کے قانون، تشریع الٰہی اور قرآن مجید کے نصوص، اور احادیث کے صاف صاف اور واضح احکام سے قطع نظر کر کے آنکھیں بند کر کے بلکہ ان کی ایک طرح سے "استہانت" جس کو عربی میں کہتے ہیں، اسے معمولی سمجھ کر، ناقابل توجہ سمجھ کر جو چیزیں ہماری اجتماعی زندگی میں داخل ہوگئی ہیں وہ سب جاہلیت میں شمار ہوں گی، مثلاً شادی ہے، میراث کی تقسیم ہے، بچوں کی ولادت ہے اور بہت سے خوشی کے کام ہیں ان سب میں یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے اور اگر معلوم ہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے کہ اس میں اللہ کا حکم کیا ہے، رسولؐ کا فرمان، رسولؐ کی ہدایت کیا ہے، قرآن سے کیا ثابت ہے، حدیث سے کیا معلوم ہوتا ہے؟ بس یہ کہ ایسا ہوتا آیا ہے "وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا" ہم نے اسی پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا، یا بس یہی معیار ہے، یا اس حیثیت کو جو ہمیں حاصل ہے اس کو برقرار رکھنے کے لئے، اس کو بلند کرنے کے لئے ہمیں ایسا کرنا ضروری ہے۔ ہمارے اس شہر میں جو ہماری عزت ہے ہمارے معاشرے میں جو ہمارا مقام اور مرتبہ ہے ہمیں جس نظر سے لوگ دیکھتے ہیں ہمیں جس معیار سے جانچتے ہیں اس کے لحاظ سے اگر شادی کے لفظ سے تینوں نقطے نکال کر اگر سادی کر دی گئی تو لوگ کہیں گے کہ بیچارہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب ہوگیا ہے، پیسہ پاس نہیں رہا، یا بہت بخیل ہے یا ان کو معلوم نہیں کہ شرفاء میں کیا ہوتا ہے، خاندانوں میں کیا ہوتا ہے تو ہم اس بدنامی کو مول نہیں لے سکتے پھر سب کچھ کیا جائے جو ہوتا آیا ہے یا جو غیر مسلموں میں ہو رہا ہے یا غیر مسلموں میں جو رواج ہے سب اختیار کیا جائے، محض اس بنا پر کہ ایسا ہوتا آیا ہے، یہاں تک کہ ہماری برادری میں، ہمارے خاندان میں بھی اسی طرح کا رواج رہا ہے کہ بہت ہی دھوم دھام سے شادی کی جائے اور اس میں اس طرح کھانا کھلایا جائے اور اس طرح اس میں اپنی شان وشوکت دکھائی جائے، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے اور اپنے خاندان میں بھی ذلیل ہوں گے، شہر میں بھی ذلیل ہوں گے، معاشرہ میں بھی ذلیل ہوں گے، یہ سب جاہلیت ہے۔

جاہلیت ایک ایسا بلیغ معجزانہ لفظ ہے کہ اس کے بدلے کوئی لفظ نہیں ملتا، عربی کے ایک طالب علم ہونے کے باوجود اور زبان اور ادب اور پھر اس کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث اور قدیم وجدید زبانیں اور اصطلاحات سے تھوڑے بہت واقف ہونے کے باوجود ہم صفائی کے ساتھ آپ سے کہہ رہے ہیں کہ جاہلیت کا سا طاقت رکھنے والا، وسعت اور گہرائی رکھنے والا کوئی لفظ ہمیں عربی میں نہیں ملتا اور ویسے کسی زبان میں بھی اس کا صحیح ترجمہ جس کو انگریزی میں PAGA-NISM کہتے ہیں سب کچھ کہتے ہیں، لیکن جو بات جاہلیت میں ہے وہ بات مشکل سے ادا ہو سکتی ہے، کسی دوسرے لفظ سے، یہ بہت بلیغ عمیق اور علمی لفظ ہے تو اب کیا ہے یہ تحفظ شریعت کا جو ہفتہ منایا گیا اور یہ جو ہندوستان میں خدا کا شکر ہے روز آپ اخبار میں دیکھتے ہوں گے کہ کوئی شمارہ خالی نہیں جاتا کہ ایک، دو، تین، چار جلسے نہ ہوتے ہوں، ہمارے شہر میں بھی اور اطراف میں بھی جلسے ہوئے، ان سب کا مقصد اصل میں اس کی دعوت ہے، اس کی تحریک ہے اور اس کی جد وجہد ہے کہ جاہلیت سے نکل کر ہم خالص اسلام حاصل کریں اور جیسے ہم نام رکھنے میں مسلم ہیں اس کا لحاظ رکھتے ہیں اگرچہ جاہلوں میں ناواقفوں میں غیروں جیسا نام ہونے لگا ہے جس طرح نام رکھنے میں ہم اس کا خیال رکھتے ہیں کہ معلوم ہو کہ مسلمان کا نام ہے اور اسی طرح ہم نماز شریعت کے مطابق پڑھتے ہیں ابھی تک الحمد للہ اس میں کوئی تحریف نہیں ہوتی روزہ بھی ویسا ہی جب چاند نکلتا ہے جب ہی رمضان شروع ہوتا ہے اور روزہ رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ بھی علماء سے اگر اللہ توفیق دیتا ہے، بہت بڑی تعداد زکوٰۃ نکالا جاتی ہی نہیں اور وہ زکوٰۃ ادا ہی نہیں کرتی، لیکن جو جانتے

ہیں وہ ادا کرتے ہیں اور علماء سے پوچھ لیتے ہیں کہ کتنے نصاب میں کتنی مالیت میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور کتنے میں کتنا نکالنا چاہئے، اور حج ہے کہ لمبا سفر کرکے جاتے ہیں، اگرچہ اس میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں کہ بہت سے اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہاں سے کچھ وہاں کی چیزیں لائیں گے پھر یہاں بڑی قیمت میں بکتی ہیں اور یہ بات بھی بہت ہوگئی ہے کہ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی معلوم ہوگیا ہے وہ بھی بعض مرتبہ طعنہ دیتے ہیں ہم نے خود سنا طعنہ دیتے ہوئے کہ پہلے تو حج سے لوگ چند کھجورے کر آتے تھے زمزم کا پانی لے کر آتے تھے لیکن اب فلاں چیز لے کر آتے ہیں، فلاں چیز لے کر آتے ہیں، لوگوں نے بتایا کہ حجاج کرام جدہ میں اپنے پاسپورٹ دکھا رہے تھے اور ابھی ان کو داخلہ کی اجازت نہیں ملی تھی تو دیکھا کہ سامنے سے ایک ہندوستانی شیروانی وغیرہ پہن کر جا رہے تھے، انھوں نے کہا مولوی صاحب یہاں آنا یہاں آنا، بتایئے گھڑی کہاں سستی ملتی ہے، کہا بھائی شرم کرو، ابھی تم اندر داخل بھی نہیں ہوئے ہو، ابھی اس کی کارروائی بھی نہیں ہوئی، ابھی سے تم کو فکر ہے کہ گھڑی کہاں سستی ملتی ہے تاکہ گھڑیاں خرید کر ہندوستان میں جاکر چوگنے دس گنے دام میں بیچو، اور ایسے ہی واقعات ہیں چونکہ الحمدللہ حجاز مقدس جانے کی بار بار سعادت حاصل ہوتی ہے، دیکھتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی حج میں جو اس کے مسائل ہیں معلم کی ہدایت کے مطابق یا کسی عالم کی صحبت میں اور اس کی رہنمائی سے حج کیا ہے، مگر اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی زندگی میں اپنے کو بالکل آزاد سمجھ لیا ہے، اس کا دین سے کیا تعلق ہے، حج اس طرح ہو اس میں ان چیزوں سے بچا جائے۔

بعض دوستوں نے بتایا کہ بمبئی میں شادی کے موقع پر بجائے کھجور اور چھوہارے تقسیم کرنے کے نوٹ تقسیم کئے گئے، پچاس پچاس کے نوٹ، سو سو روپے کے نوٹ تاکہ معلوم ہو کہ بہت ہی دولت مند آدمی کے یہاں یہ رسم ہو رہی ہے، تھری اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانا، فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانا، ہزاروں روپیہ اس میں صرف کرنا اور پھر اس کا ولیمہ بھی اس شان کا، اب بہت دن سے یہ رواج ہے کہ انگریزی میں ویڈنگ کارڈ جو آتے ہیں، شادی کے دعوت نامہ انگریزی میں ہوتے ہیں، اتنا بھی احساس نہیں مسلمانوں کو کہ نکاح ایک شرعی عبادت ہے اس پر ثواب ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ عہد اول، قرن اول کے طریقہ کے مطابق ہونا چاہئے۔

اس فضول خرچی سے بہتر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو اور صحابہ کرامؓ کے عمل کے مطابق کرنا چاہئے، تو اس میں پرواہ نہیں کرتے صرف ویڈنگ کارڈ پر لوگوں نے بتایا کہ کئی کئی ہزار روپیہ صرف ہو جاتے ہیں، پاکستان سے ہمارے پاس کارڈ یہاں آتے ہیں، یہاں سے وہاں جاتے ہیں، دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں، اس کے علاوہ پھر اس میں اور جو رسمیں ہوتی ہیں کہ بس الامان والحفیظ۔ اسی طرح میراث کی تقسیم کہ بالکل یعنی بہت ہی چند نیلا اور خوش قسمت خاندان ہیں کہ جن کے یہاں میراث کی تقسیم بالکل قرآنی تعلیمات کے مطابق ہوتی ہے اور اللہ نے جس کا جو حصہ مقرر کر دیا ہے اس کو دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اسی طریقہ سے عقیقہ کی رسم، ختنہ کی رسم، اور شادی کی تو رسموں کو پوچھنا کیا ہے، ہر ایک کے یہاں ایک الگ شریعت سی بنی ہوئی ہے، ایک پورا قانون بنا ہوا ہے کہ اس علاقہ میں، اس میں ملکوں کا بھی فرق ہے، صوبوں کا بھی فرق ہے، اور بعض جگہ شہروں کا فرق ہے، اور سوسائٹیوں اور اس کے معیاروں کا بھی فرق ہے وہاں اس طرح شادی ہوگی، یہاں اس طرح شادی ہوگی، آپ کو ان شاء اللہ، اللہ مبارک فرمائے، اور آپ کو ان شاء اللہ واسطہ پڑے گا شریک ہونے اور کچھ کہنے سننے کا بھی تو ابھی اس کو سمجھ لیجئے کہ یہ عہد جاہلی کی رسمیں جو ہیں اس جاہلیت کا مقابلہ کرنا ہے ہم کو اور تحفظ شریعت اور پرسنل لا بورڈ کا جو کام ہے دراصل جاہلیت کے خلاف ایک محاذ ہے لیکن وہ محاذ نیا نہیں ہے، وہ محاذ اسلامی محاذ ہے، وہ محاذ سنت کا ہے شریعت کا محاذ ہے اور قرآن کا اور حدیث کا محاذ ہے، جس کو اب اس کے بعد جب آپ سمجھ جائیں کہ دو چیزیں ہیں اور یہ رہیں گی، بظاہر قیامت تک یہ دو محاذ رہیں گے، یہ دو ماحول رہیں گے یہ دو قانون رہیں گے، اور یہ دو طرح کا طرز زندگی رہے گا، ایک طرز زندگی خالص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق، آیات قرآنی کے مطابق، احادیث نبوی کے مطابق اور عہد نبوی کے عمل کے مطابق۔

اب ہو کیا رہا ہے ایک دوسرے سے پوچھا جاتا ہے، آپ کے یہاں کیا معیار ہے اور جانتا ہے ہر ایک کہ یہاں یہ معیار ہے بتایئے فلاں جگہ شادی ہوئی تھی ایسی دھوم دھام سے کہ پورے شہر میں ایک زلزلہ سا آگیا ہے اور ایک ہنگامہ ہے، اور پھر اسی طریقہ سے دوسرے مواقع ہیں جن میں آدمی کو اپنے تمول کا اظہار یا اپنے خاندان کی حیثیت کی بلندی کا اظہار کرنے کا موقع ملتا ہے، اس کو مسلمانوں نے بالکل اپنا ایک آلۂ کار بنا لیا ہے، ایک ذریعہ بنا لیا ہے شہرت کا، عزت کا، اور اس کے سامنے بالکل وہ سرافگندہ ہوگئے ہیں، سربسجود ہوگئے ہیں اسی کا نام جاہلیت ہے اور اسی کا نام جاہلیت کی پیروی ہے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے "أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ" اور یہ جو حکم کا لفظ ہے یہ عربی میں اور قرآن مجید کی اصطلاح میں بھی بہت وسیع ہے اس کے معنی صرف امر کے نہیں ہیں، اس کے معنی فیصلہ کے بھی ہیں اور اس کے معنی حکومت کے بھی ہیں اور آئین اور قانون جس پر چلا جائے سب حکم کے اندر آتا ہے، حکم کا لفظ بڑا بلیغ اور وسیع ہے ایسے ہی سمجھ لینا چاہئے کہ درحقیقت یہ جاہلیت عربیہ، جاہلیت عالمیہ کی مرکز اسلام میں جیسا کہ اس وقت بعثت نبوی سے پہلے کا جو عہد تھا اس پر عمل کرنا ہے، بہت سے

سلمانوں میں بھی ہوتا ہے کہ جو نماز روزہ کے بھی پابند ہیں اور حج بھی کئی کئی کر چکے ہوں گے اور رمضان کے وزے بھی رکھتے ہیں، یہ سب کرتے ہیں لیکن جب بھی کوئی ایسی خوشی کا موقع آتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد شریعت کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور بعض اوقات اگر سنایا جائے کہ للہ اور رسول کا حکم یہ ہے تو ان کی زبان سے بعض مرتبہ یسے لفظ نکل جاتے ہیں کہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں س سے کوئی حبط اعمال نہ ہو اور کہیں کفر کا ان پر نتوی نہ لگ جائے۔

بس عزیزو! اس کو تم لوگ یہاں اپنی تعلیم کا ثمرہ سمجھو اور اس کا ایک فرض سمجھو، اس کا ایک فریضہ سمجھو، اس کا ایک تقاضا سمجھو، اور اس کا ایک حق سمجھو کہ تم اس بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پیکر بن جاؤ اپنے خاندانوں میں اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ خوشی کے ساتھ وہ مرحلہ گذارے، اپنے خاندان میں بھی، محلہ میں بھی، اور گاؤں، قصبات سے تعلق رکھتے ہو تو گاؤں قصبات میں، اگر شہر سے تعلق رکھتے ہو تو شہر میں اور نگریزی تعلیم یافتہ طبقہ سے اگر تمہارا تعلق ہے تو اس میں ور اگر دیندار طبقہ ہے تو اس میں مطمئن نہ ہو کر دیندار طبقہ ہے اس کے یہاں تو ایسا نہیں ہوتا ہوگا، سب کچھ ہو رہا ہے اور آخری درجہ پر بات پہونچ گئی ہے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وبال کوئی بے برکتی نہ ہو اور بے برکتی ہو رہی ہے، تو یہ ایک بہت بڑا فریضہ ہے، تم لوگ ابھی سے اس کا عہد کر لو جہاں رہوگے کام کروگے۔ انشاء اللہ مدارس کا قیام بھی تعلیم کی اشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ور وعظ سب کچھ کروگے لیکن یہ تحفظ شریعت کا بھی کام کروگے اور رسوم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کروگے اور یہ سب خوشی کے مواقع اور یہ تقریبات جو ہیں خالص سنت و شریعت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کروگے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہم کو سب کو توفیق عطا فرمائے۔

یہی عشقِ نبی کی انتہا ہے

خلیل پرتاپگڈھی

نظر میں گنبد خضرا بسا ہے
مکیں جس جگہ محبوب خدا ہے

خدا کے بعد ہے جس کی بزرگی
محمد مصطفیٰ صلے علیٰ ہے

یہی کیا شرف کم اپنے لیے ہے
نبی اپنا امام الانبیاء ہے

ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ
سبھی کی رہ نبی کا نقش پا ہے

ملی تھی جو رسالت اس کا پرچم
جہاں میں آج بھی لہرا رہا ہے

اندھیری رات میں دن کا اجالا
کرم سارا خدائے پاک کا ہے

رضائے رب میں راضی رہنے والو
یہی عشقِ نبی کی انتہا ہے

خلیل اے کاش مل جاتی مجھے بھی
وہی جو خاکِ پائے مصطفیٰ ہے

بقیہ: بے خطر کود پڑا..........

الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ"

اور ہم نے پکارا اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچا کر دکھایا ہم نیکوں کو یونہی جزا دیتے ہیں، بیشک یہ صاف آزمائش ہے ہم نے اس کا فدیہ ذبح عظیم کے ساتھ کر دیا اور اسے بعد والوں میں باقی رکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور بطور یادگار جانوروں کی قربانی قیامت تک واجب قرار دیدی جسے ہم عید قرباں کے نام سے یاد کرتے ہیں، آج عالم کے گوشے گوشے میں ہر سال ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو اسی عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو مینڈھے ذبح فرماکر اس یادگار کو دوام بخش دیا اس لئے عمل قربانی میں سنت ابراہیم اور سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی ادائیگی ہوتی ہے، اور دنیا اس بے مثال قربانی کو یاد کرکے اس عظیم پیغمبر علیہ السلام کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں۔

شہدائے اسلام کا تذکرہ

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

شہداء زندہ ہیں

شہیدوں کو مردہ نہ ہرگز کہو تم !؟
وہ زندہ ہیں بے شک یہ کہتے رہو تم
کتاب خدا میں بیاں یہ ہوا ہے
رسولِ خدا سے عیاں یہ ہوا ہے
شہادت کی عظمت کچھ اتنی بڑھی ہے
کہ پیارے نبی نے دعا اس کی کی ہے

"وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ"

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں بلکہ وہ تو (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں لیکن تم (ان حواس سے اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔ (سورہ بقرہ)

آج ان سطور میں شہداء کی تاریخ نہیں بیان کرنا ہے بلکہ ان کے ذکر سے ایمان کو تازہ کرنا ہے۔

موت سے کس کو چارہ ہے لیکن کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو شہادت کی موت پا کر حیات جاوید سے نوازے جاتے ہیں، کسی کی بھی موت پر اس کے متعلقین کو غم ہوتا ہے اور مرنے والا بھی ہوش و حواس تک اپنے متعلقین کی جدائی کے تصور سے غمگین ہوتا ہے اور نہیں چاہتا کہ موت آئے مگر وہ تو آ کے رہتی ہے۔ اور اپنی آمد کے تصور سے اچھے اچھوں کو لرزہ براندام کر دیتی ہے۔

لیکن جو نیک بندے شہداء کے بارے میں قرآن کے بیان کو سمجھ لیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ذریعہ شہادت کے مقام کو پہچان لیتے ہیں وہ موت سے ڈرنے کے بجائے شہادت کی تمنا کرنے لگتے ہیں، واضح رہے کہ موت کی دعا اور تمنا کرنا ممنوع ہے جب کہ شہادت کی دعا کرنا محمود بلکہ قوی الایمان ہونے پر دلیل ہے۔

شہادت کی بہت سی قسمیں ہیں اور اسی اعتبار سے شہیدوں کے درجات ہیں جو زہر کے اثر سے مرے وہ شہید، جو پیٹ کے مرض میں مرے وہ شہید، جو اپنے جان و مال کی حفاظت میں مرے وہ شہید، جو جل کر یا ڈوب کر مرے وہ شہید، جو عورت اسقاط حمل یا بچہ جننے میں مرے وہ شہید حتیٰ کہ جو شخص موت کی تمنا کرے اور اپنے بستر پر مرے وہ بھی شہید، علماء نے ایسے شہداء کی تفصیل بیان فرمائی ہے لیکن اعلیٰ درجہ کی شہادت وہ ہے جو میدان جہاد میں کافر کے ہاتھوں حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معنوی شہادت

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں جو سانپ نے کاٹا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے اس کے سبب موت تو نہ ہوئی تھی مگر زہر کا اثر تا زندگی رہا اور آخر میں اسی کے اثر سے ۲۲ جمادی الآخری ۱۳ھ کو وفات ہوئی لہٰذا آپ کو بھی ایک قسم کی معنوی شہادت نصیب ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شہادت کی دعا کرتے تو لوگ خیال کرتے کہ اس وقت مسلمانوں کی جو پوزیشن ہے کس کی مجال ہے کہ مدینہ طیبہ میں آ کر آپ کو شہید کرے لیکن بہرحال اللہ کو منظور تھا کہ شہادت کی عظمت والی موت سے آپ کو نوازا جائے چنانچہ آپ شہید ہوئے

شقی ازلی ابولولو مجوسی، ۲۶ر ذی الحجہ ۲۳ھ کی صبح کو محراب مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور فجر کی نماز کی نیت کرتے ہی زہر آلود خنجر سے آپ کو زخمی کر دیا، آپ امامت فرما رہے تھے، امامت حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے سنبھالی۔ صفوں سے قاتل کا نکلنا آسان نہ تھا۔ اگرچہ سب نماز میں تھے۔ چنانچہ قاتل ابولولو لوگوں کو زخمی کر کے نکلنے لگا۔ اس طرح اس مردود نے مزید ۱۳ر صحابہؓ کو زخمی کیا جس میں سے سات شہید ہو گئے۔ آخر کار نماز تمام ہوئی اور وہ پکڑا گیا اس کو سزا ملی۔ آپ بے ہوش ہو گئے تھے اٹھا کر گھر لے جایا گیا۔ ہوش آیا، فجر کی نماز ادا کی۔ دوا علاج کی ساری کوششیں ہوئیں مگر آپ جانبر نہ ہو سکے، نماز کے اوقات میں ہوش آ جاتا نماز ادا کرتے اور فرماتے "ہاں اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا" پانچویں دن یکم محرم ۲۴ھ یکشنبہ کو اپنے رب سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لے اور شہادت نصیب فرمائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت

خلیفۂ ثالث داماد رسول، ذو النورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا گھر فتنہ پردازوں نے گھیر لیا مطالبہ کرنے لگے کہ خلافت سے معزول ہو جائیں۔ ابن سبا کا فتنہ کام کر رہا تھا۔ صحابہ نے چاہا بلکہ اجازت مانگی کہ وہ ان فتنہ پردازوں سے لڑیں اور ان کو مار بھگائیں لیکن آپ نے فرمایا میں کسی کلمہ گو کا خون نہیں بہانا چاہتا اور اجازت نہ دی، محاصرہ طول پکڑ گیا۔ ۴۰ روز ہو گئے کھانا پانی بند تھا۔ دروازہ پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما جیسے صحابیوں اور صحابی زادوں کا پہرہ تھا۔ بدبخت فتنہ پرور ۱۸ر ذی الحجہ ۳۵ھ کو عقبی دیوار سے چھت پر چڑھ کر گھر میں اتر آئے آپ روزے سے تھے اور تلاوت میں مشغول تھے۔

ی حالت میں آپ کو شہید کر دیا گیا خون کے قطرات قرآن
ی آیت "فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم" ٥
پر گرے، بڑی مظلومانہ شہادت ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
ے اللہ ہم کو بھی دین پر استقامت نصیب فرما اور شہادت
صیب فرما۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

یہ چوتھے خلیفہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے
چھوٹی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ کے شوہر حضرت
حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے والد مکرم حضرت علی رضی اللہ
عنہ فجر کی نماز کے لیے "الصلاۃ۔ الصلاۃ" کی آواز سے
لوگوں کو جگاتے ہوئے ادائیگی نماز کے لیے مسجد کی طرف
جا رہے ہیں۔ منصوبہ کے تحت مسجد کے قریب بدبخت
عبدالرحمن بن ملجم چھپا ہوا ہے اس نے اچانک آپ پر تلوار
چلادی، آپ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ کہہ کر زمین پر
گرے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیچھے تھے مگر ضرب کاری
لگ چکا تھا یہ جمعہ کا دن تھا۔ ابن ملجم پکڑا گیا۔ ١٨ رمضان ٤٠ھ
شب یکشنبہ کو آپ اپنے رب سے جا ملے اور شہادت کی عظمت
سے سرفراز ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی
شہادت کے بعد ابن ملجم بری طرح قتل ہوا۔

شہدائے بدر کی شہادت

امت میں خلفائے راشدین کا مرتبہ سب سے اونچا ہے
پھر بقیہ عشرۂ مبشرہ کا یعنی سعدؓ وسعیدؓ وزبیرؓ و
عبدالرحمنؓ وطلحہ وابوعبیدہؓ اس کے بعد اہل بدر کا مرتبہ ہے
غزوۂ بدر ١٧ رمضان ٢ھ کو پیش آیا جس میں مسلمانوں
کو زبردست فتح حاصل ہوئی مگر ١٤ صحابہؓ شہید ہوتے
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی پیروی میں ہم کو
بھی شہادت نصیب فرمائے۔

شہدائے احد اور حضرت حمزہؓ کی شہادت

٧ر شوال ٣ھ کو غزوۂ احد پیش آیا جس میں ٧٠
صحابہ شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم انھیں شہداء میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں
جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید
الشہداء حمزہ۔

پہلی خاتون اسلام حضرت سمیہؓ کی دردناک شہادت

ہجرت سے قبل حضرت سمیہؓ کی شہادت ہوئی جو اسلام
کی پہلی شہیدہ ہیں ان کے شوہر حضرت یاسر بھی شہید
ہوئے ان دونوں کی مظلومانہ شہادت کافروں کے ظلم
سے ہوئی۔ ہجرت کے تیسرے سال ٦ مبلغین کو کافروں
نے دھوکے سے شہید کیا۔ انھیں میں حضرت خبیب بھی تھے
حضرت خبیب کو جس طرح شہید کیا گیا اس کی مثال ملنا
مشکل ہے، بئر معونہ میں ٦٩ شہیدوں کی شہادت کا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اثر پڑا۔ اور آپ نے شہید
کرنے والوں کو بد دعا دی۔ ان شہداء کو تبلیغ کے بہانے
بلایا گیا اور پھر دھوکا دے کر شہید کر دیا گیا۔

شہدائے غزوۂ خندق وغزوہ موتہ

غزوۂ خندق میں سات صحابہ شہید ہوئے، غزوۂ
موتہ میں جعفر طیار، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ
شہید ہوئے یہ وہ شہداء ہیں جو سب کے سب صحابہؓ ہیں
اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں شہادت
سے سرفراز ہوئے۔ انھوں نے اپنے اللہ کو راضی کیا اور اللہ
ان سے راضی ہوگیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

عہد نبوی کے بعد شہدائے اسلام

عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جو شہداء یاد آئے
ان کا ذکر کیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں کتنے جہاد
ہوئے اور کتنی فتوحات ہوئیں ان میں کتنے صحابہؓ اور
غیر صحابہ شہید ہوتے ان کا احاطہ مشکل ہے۔ سب کے
درجات اللہ بلند فرمائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے
عہد خلافت میں ارتداد کا فتنہ اٹھا۔ لڑائیاں ہوئیں اللہ نے
کامیابی دی مگر حفاظ صحابہؓ کی خاصی تعداد شہید ہوئی۔ اللہ
ان سب سے راضی ہوا۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے زمانہ میں شیطان کی کوششوں سے باہمی لڑائیاں ہوگئیں
ان لڑائیوں کا تذکرہ کرنا اچھا نہیں لیکن یہ ضرور معلوم رہنا چاہیے
کہ ان کی باہمی لڑائیاں اخلاص پر مبنی تھیں اس لیے دونوں جانب
کے لوگ اللہ کے یہاں اجر پائیں گے۔ البتہ لڑائی میں ساتھ دینے
اور لڑنے والوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔ اگر وہ مخلص
تھے تو حق پر تھے اور مارے گئے تو شہید ہوئے۔ اور جو لوگ
سازش کے تحت لڑائی میں شریک ہوئے وہ چاہے حضرت
علیؓ کی طرف رہے ہوں چاہے حضرت عائشہؓ کی طرف اور چاہے
حضرت معاویہؓ کی طرف وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سزا پائیں
گے چاہے وہ جنگ میں ہلاک ہوئے ہوں ایسے لوگ ان
جنگوں میں ضرور تھے مگر ان کی تعداد بہت کم تھی البتہ ان
لڑائیوں میں شریک ہونے والے صحابہؓ سب مخلص تھے ان میں سے جو بھی
ان جنگوں میں کام آئے وہ شہید ہوئے، پس بقیہ لوگوں میں
سے کتنے شہید ہوئے اس کو اللہ ہی بہتر جانے البتہ تاریخ یہ
بتاتی ہے کہ جنگ جمل میں تیرہ ہزار جانیں گئیں اور ہم حسن ظن
رکھتے ہوئے سب کو شہید سمجھتے ہیں اسی طرح جنگ صفین
میں پچاس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو
باہمی لڑائیوں سے محفوظ رکھے اور ایسی شہادت سے
نوازش فرمائے جو اعلیٰ مرتبہ والی ہو۔

واقعہ کربلا اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ

دور یزید میں دو حادثے بڑے ہی ناگوار ہوئے
حادثہ کربلا اور واقعہ حرہ ان دونوں حادثوں میں کافی
مسلمان شہید ہوئے۔ واقعہ کربلا ماہ محرم میں پیش آیا معلومۃ
یہاں واقعہ کربلا کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں
یزید کی ولی عہدی سے پانچ صحابہؓ نے کھل کر اختلاف کیا تھا
حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ
حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب یزید تخت پر بیٹھا تو
اس نے اپنے لیے بیعت لی، جیسے بھی ہوا لوگوں نے بیعت کرلی،

ان بانچوں میں سے عبدالرحمٰن وفات پاچکے تھے، چاروں نے اختلاف کیا۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے، جب ان سے بیعت کا مطالبہ ہوا تو راتوں رات مکہ چلے گئے وہاں امن وامان سے رہ رہے تھے کہ کوفہ کے شیعوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس خطوط ووفود بھیجنا شروع کر دیا اور بہت زور دیا کہ وہ کوفہ آجائیں کوفہ کے سارے لوگ ان کو اپنا قائد ورہنما بنائیں گے اور یزید کی مخالفت کرتے ہوئے ان کی بھر پور مدد کریں گے۔ ہم نہیں کہتے کہ ان شیعہ حضرات نے سازش سے یہ خطوط لکھے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ اپنے ایمان میں پختہ نہ تھے اگر ایمان کے پختہ ہوتے تو سب کے سب اگر نہ لڑ سکتے تو شہادت قبول کر لیتے مگر حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ بہرحال ان کے خطوط ووفود کا اتنا دباؤ پڑا کہ حضرت نے کوفہ کے سفر کا ارادہ کر لیا مگر اس سے پہلے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تفتیش حال کے لیے بھیجا۔ وہ کوفہ پہنچے۔ ایک روایت کے مطابق ۱۸ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر حضرتؓ کے لیے بیعت کی، مسلم بن عقیل نے اس کی رپورٹ حضرت حسینؓ کو بھیج دی اب حضرت نے سفر کے ارادہ کا اظہار کر دیا۔ مکہ میں موجود صحابہ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ وغیرھما اور سبھی ہمدردوں نے روکنے کی کوشش کی مگر حضرت عزم مصمّم کر چکے تھے بال بچوں کے ساتھ عین ایام حج یعنی ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہو گئے اور کسی کی بھی کوشش سے نہ رُکے، بعض ہمدردوں نے عورتوں اور بچوں کو لے جانے سے روکا مگر آپ نے یہ مشورہ بھی قبول نہ فرمایا۔ اگر حضرتؓ مکہ میں بیعت جہاد لیتے تو بڑی امید تھی کہ ایک فوج تیار ہو جاتی مگر مقدرات کے آگے سعی بے کار رہتی ہے آپ نے اس پر بھی توجہ نہ فرمائی۔ راستہ میں کوفیوں کی غداری اور مسلم کی شہادت کی اطلاع ملی، اب واپسی کا کچھ خیال بھی ہوا مگر مسلم بن عقیل کی محبت اور ان کی جانب سے انتقام کے جذبہ سے آگے بڑھتے رہے اب بھی عورتوں اور بچوں کو واپس نہ کیا۔ کوفی وفد کے لوگوں نے سبز باغ دکھایا کہ آپ میں اور مسلم میں فرق ہے آپ کے پہنچتے ہی حالات کا رخ بدل جائے گا۔ حضرت کو کشف وخواب سے نتیجہ معلوم ہو چکا تھا آپ اپنی تقدیر پر راضی رہتے ہوئے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ یزیدی فوج سامنے آگئی اور آپ کو کوفہ جانے سے روک کر میدان کربلا میں اتار دیا۔ ایک طرف چار ہزار کی یزیدی فوج تھی دوسری طرف ۷۲ افراد، دونوں طرف سے گفتگو چلتی رہی نتیجہ کچھ نہ نکلا، عبیداللہ بن زیاد کا حکم ہوا کہ سر اتار لیا جائے، ۱۰ر محرم کو یزیدی فوج نے حملہ کیا، دفاع میں ان حضرات نے بھی تلواریں نکالیں، یکے بعد دیگرے سبھی مردوں نے جام شہادت پیا۔ آخر میں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون

بیشک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہمارے امام ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں مگر اس معنی میں امام نہیں جس معنی میں شیعہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو امام کہتے ہیں یعنی امام معصوم شریعت میں تحلیل وتحریم کا اختیار رکھنے والے اس معنیٰ سے امام کہنا ہم ناجائز سمجھتے ہیں اور اسی لئے دھوکے سے بچانے کے لیے حضرات حسنین کے ساتھ امام کا لفظ لگانے سے عموماً گریز کرتے ہیں اور کبھی کبھی استعمال بھی کرتے ہیں۔

حضرت حسنؓ کی زہر دینے سے وفات

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر دینے سے ہوئی لہٰذا وہ بھی شہید ہیں حضرات حسنین کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں سیّدا شباب اہل الجنۃ آیا ہے لہٰذا یہ دونوں حضرات پہلے ہی سے جنت کی خوشخبری پائے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو ان کی سچی محبت عطا فرمائے اور ان کی طرح دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کی راہ میں سر کٹانے کی ہمت عطا فرمائے۔

یوم عاشورہ اور بدعات

شہداء کا ذکر ابھی بہت ہے مگر ہم اب اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے واقعہ کربلا سے پیدا ہونے والی بعض بدعات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ماہ محرم اور یوم عاشورہ میں ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔

شیعہ حضرات نے عشرۂ محرم میں عزاداری کی بدعت نکالی جس میں نوحہ و ماتم کی مجلسیں کرنا، عَلَم نکالنا، تعزیہ رکھنا، سبیل لگانا، شربت پلانا وغیرہ۔

چونکہ اہل سنّت حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں اس لیے شیعوں کی یہ بدعات ان کو بھا گئیں اور بہت سے سنّیوں نے بھی یہ بدعتیں اپنالیں تعزیہ داری اور عزاداری کی بدعتیں ناجائز ہیں۔ اس میں بریلوی اور دیوبندی علماء کا اختلاف نہیں ہے یہ بدعات سب کے نزدیک قابل ترک ہیں۔ لہٰذا ہم سنّیوں کو یہ بدعتیں ترک کر دینی چاہیئے۔

غور کرنے کی بات ہے کتنے شہداء کا پیچھے ذکر آچکا ہے ان میں کتنے ایسے ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مرتبہ میں بہت بڑے ہیں اور کتنے ہیں جو بہت ہی مظلومانہ شہید کئے گئے۔ بدعت تو بری ہے ہی مگر ان میں سے کسی کے لیے نہ تعزیہ رکھا گیا نہ علم اٹھایا گیا۔ نہ سبیل لگائی گئی، نہ نوحہ و ماتم کی مجلسیں منعقد ہوئیں آخر کیوں؟ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب شیعہ حضرات کی کارگذاری ہے خود ہی دھوکا دیا، شہید کرنے میں حصّہ لیا اور خود ہی عزاداری کرنے لگے۔ انھوں نے تو اس میں کوئی برائی دیکھی نہیں ہم سنیوں کو بھی اس برائی میں مبتلا کر دیا۔

محرم الحرام اور نکاح

شیعوں نے اس مہینہ کو غم کا مہینہ قرار دیا، سنیوں نے بھی اس کو قبول کر لیا چنانچہ محرم کے مہینہ میں نکاح کی تقریبات تقریباً متروک ہیں جبکہ ۱۰ر محرم کو بھی نکاح کرنا بالکل جائز ہے اور یہ جواز دیوبند وندوہ ہی کی طرف سے نہیں

باقی ص۱۶ پر

مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی

پھلت کی زیارت

خوشا مسجد و مدرسہ، خانقاہے
کہ در وے بُوَد قیل و قالِ محمدؐ

ضلع مظفر نگر میں ایک چھوٹا شہر، یا بڑا سا قصبہ کھتولی نام کا ہے، اس سے تین کیلو میٹر پر پھلت نام کی ایک بستی ہے۔ اس میں بہت سے اولیاء اللہ گزرے ہیں، اس بستی کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور آپ کے شاہزادوں کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، انوار و برکات سے معمور بستی آج بھی اہل قلب و نظر کے لئے روحانی کشش رکھتی ہے، مگر ان انوار کا مشاہدہ کرنے کے لئے جو نظر اور "ذوق تماشا" درکار ہے وہ ہمارے جیسے عامیوں کو کہاں میسر، ہاں دلجمعی اور سکینت کی فضا عام و خاص، مسافر و مقیم سب ہی محسوس کرتے ہیں، در و دیوار مانوس سی خوشبو میں بسے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، ایک روز کا مسافر بھی یہ محسوس کرتا ہے جیسے برسوں سے یہاں مقیم ہے، اجنبی جگہ کی وحشت کسی گلی کوچے میں بھی نظر نہیں آتی ہے۔ قبرستان جہاں کبار اولیاء اللہ مدفون ہیں ایک دلفریب و دیدہ زیب چمن نظر آتا ہے اینٹ کے چوکھٹوں میں کچی قبریں اور ان پر درختوں کا سایا اس درجہ دل کو کھینچتا ہے کہ:

"السلام علیکم یا اھل القبور انتم لنا سلف و انا بکم لاحقون"

کہتے وقت آخری فقرہ "انا بکم لاحقون" جملہ خبریہ نہیں بلکہ تمنائیہ بن جاتا ہے۔

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

پھلت کی پوری بستی گل و گلزار ہے اور چمن اندر چمن ایک نعمت عظمیٰ یہاں محفوظ ہے یعنی سید الاولین والآخرین، ہادی سُبل، مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش اطہر کا ایک بال۔ جس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسلسلات میں پندرہویں حدیث اسی طرح نقل فرماتے ہیں:۔

"أخبرني والدي انه كان مريضاً فرأى النبي صلى الله عليه وسلم في النوم فقال (صلى الله عليه وسلم) كيف حالك يا بُنَيّ؟ ثم بشره بالشفاء واعطاه شعرتين من شعور لحيته، فتعافى من المرض في الحال، وبقيت الشعرتان عنده في اليقظة فأعطاني أحدهما فهو عندي"۔

میرے والد بیمار تھے، انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (آپؐ نے) دریافت فرمایا میرے بچے تم کیسے ہو؟ پھر آپؐ نے اپنی ریش اطہر کے دو بال عطا فرمائے، میں اسی لمحہ تندرست ہو گیا اور وہ دونوں موئے مبارک جو خواب میں مرحمت ہوئے تھے بیداری کی حالت میں بھی باقی رہے، (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں) میرے والد نے ان دو بالوں میں سے ایک بال مجھے عطا فرمایا۔

یہی موئے مبارک پھلت کے ایک قدیم طرز کے مکان میں محفوظ ہے، اس مکان کے سائبان میں ایک قلمدان سائز کا چوبی بکس ہے، اس میں ایک دوات نما قدیم طرز کی شیشی جوڑے منہ کی ہے، اس کے نصف حصہ میں عطر بھرا ہوا ہے اور اس کے کنارے چپکا ہوا موئے مبارک ہے۔ اب خواہ کوئی کچھ کہے، مگر یہ دو شعر جو مجھے یاد آگئے ہیں پڑھ کر رہوں گا۔

دو عالم بر کاکل گرفتار داری
بہ ہر مو ہزاراں سیہ کار داری
تو تا سر تا بہ پا رحمتی یا محمدؐ
نظر جانب ہر گنہ گار داری

ہر گنہگار کو آپؐ کی تعلیمات نے راہ حق دکھائی ہے آپؐ کا اسوۂ مبارکہ ایک دائمی سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت ہر گنہگار پر قائم ہے۔

پھلت کے سفر کی قیمت تو اس زیارت سے وصول ہو گئی، بلکہ سچ پوچھئے اگر اپنے گھر سے پیدل سفر کر کے جاتے اور اس نعمت مبارکہ کو آنکھوں سے دیکھ لیتے تو ساری تھکن کافور ہو جاتی۔ لیکن یہاں صورت حال اس شعر کا مصداق ہے۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

یہاں ایک مدرسہ ہے "فیض الاسلام" اور مدرسۃ نسواں فخر النساء بھی قائم ہے اور ان دونوں کا تاریخی رشتہ اور ان کی روحانی نسبت حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مربوط ہے مناسب ہوگا کہ اس کی مختصر اور جامع تاریخ مدرسہ فیض الاسلام کے تعارف نامہ سے نقل کر دی جائے۔

"اس بستی میں حضرت شاہ ولی اللہ کے محرم راز، آئینہ کمال، آپ کی کل تصانیف کے محرک آپ کے کل صاحبزادگان کے اصل استاذ شیخ و مربی، شاہ صاحب کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی بھی پیدا ہوئے، جن کے بارے میں شاہ ولی اللہ جیسی قائم الزماں شخصیت نے وہ الفاظ فرمائے ہیں جو کسی دوست کے بارے

میں کسی کی انتہائی قدر دانی کا آئینہ دار ہیں اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "وہ سراپا میری نصیحت میرے علم کا خزینہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے علوم لوگوں میں انھیں کے ذریعہ سے پھیلیں گے" ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم مجھے سب سے زیادہ محبوب و افضل ہو میرے قلب میں سمائے ہوئے ہو۔ شاید تم اس راز سے واقف نہیں یا تم چشم پوشی کر رہے ہو، اگر تم نہ ہوتے تو دنیا نہ ہوتی" ایک جگہ شاہ محمد عاشق کے اوصاف میں ارشاد فرماتے ہیں "میں یہ بات خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ وہ (شاہ محمد عاشق رح) اس مخلوق میں برگزیدہ ہستی اور اس زمین میں حجت ہیں، صاحب اسرار و انوار و صاحب نفحات ہیں، برکتوں کی کان، ترقی کرنیوالوں میں سب سے سبقت کرنے والے آفاق میں نادر مجوبۂ روزگار، صاحب صدق و یقین و صاحب وجدان ہیں۔ اولیائے کاملین میں کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم جیسے ہمارے نبی ﷺ کی شہادت کے مطابق انبیاء علیہم السلام میں حضرت یوسف صدیق کریم ابن کریم ہیں۔ وہ میرے اسرار کا مخزن، میرے انوار کے حامل ہیں، میرے قلب و نظر ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں۔ ان کا ہاتھ میرا ہاتھ، ان کی صحبت میری صحبت، ان کے اقوال و افعال دراصل میرے اقوال و افعال ہیں۔ ان کی رضا کشف وجدان میں میری رضا کشف و وجدان ہے" یہی شاہ محمد عاشق ہیں جن کے شاگردوں اور خلفاء میں عالم اسلام کے مایہ ناز علماء، امام شریعت و طریقت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح، مفسر قرآن شاہ عبدالقادر، ترجمان القرآن حضرت شاہ رفیع الدین اور عالم ربانی حضرت شاہ عبدالغنی (والد ماجد مولانا اسماعیل شہید رح) جیسے اکابر امت شامل ہیں اور حسن تقدیر کہ ان سب کی ولادت بھی پھلت میں ہوئی۔

بارہویں صدی میں تحریک اصلاح و جہاد کے سب سے بڑے علمبردار، مجاہد کبیر سید احمد شہید رح بھی اسی خانوادے کے تربیت یافتہ تھے اور اس بستی کو یہ اہمیت بھی حاصل ہے کہ سید صاحب نے جہاد کا عزم اور حرب و ضرب کی مشقیں اسی قصبہ میں شروع فرمائیں اور اس قافلۂ مجاہدین کے اکثر سپہ سالار اور زعماء پھلت کے رہنے والے تھے (بحوالہ مولانا غلام رسول مہر) حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب کی روایت کے مطابق سید صاحب کے نورانی قافلۂ جہاد میں پھلت کے ہر خاندان سے ایک فرد شہادت کی سرخروئی حاصل کرنے کی نیت سے شریک ہوا اور جام شہادت سے سرفراز ہوا۔ مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی پھلتی لشکر میں قاضی تھے۔ مولانا یوسف صاحب پھلتی (نبیرہ شاہ اہل اللہ صاحب) کو سید صاحب نے لشکر کا قطب بنایا تھا وہ لشکر میں راشن تقسیم کرتے تھے۔ مولانا شیخ ولی محمد پھلتی لشکر کے ایک حصے کے سالار تھے۔ میاں جی محی الدین اور قطب الدین پھلتی جیسے دوسرے متعدد مجاہدین اسی مبارک سرزمین کی پیداوار تھے۔ گویا ؎

این سلسلہ طلائے ناب است
این خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے اپنے ایک مکتوب میں یہ پیشین گوئی فرمائی "مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ قریۃ الصالحین کبھی اہل اللہ سے خالی نہ ہوگا" بعد کے دور میں بھی اس بستی میں بڑے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جن میں مولانا وحید الدین اور مولانا قطب الدین پھلتی سرفہرست ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ مولانا عبدالسمیع صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "دیوبند میں دین سے بہت بے رغبتی ہوگئی تھی تو مولانا وحید الدین پھلتی رح تبلیغ و وعظ کے لئے دیوبند آیا کرتے تھے۔ ان کے وعظ سے رشد و ہدایت کا بازار دوبارہ گرم ہوا اور دین کا جذبہ پروان چڑھا" شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب بھی اسی بستی کے چشم و چراغ تھے جن کے درس حدیث سے عرب و عجم میں ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے تین خلفاء مولانا قاضی ایوب صاحب، مولانا محمد فاضل صاحب اور مولانا محمود احمد صاحب پھلتی رح ایک زمانہ میں بیک وقت موجود تھے اور ان سے ملاقات کی غرض سے حضرت شیخ الہند بلحاظ ادب کھتولی سے پاپیادہ تشریف لاتے تھے۔

حضرت مولانا قاضی ایوب صاحب ریاست بھوپال کے قاضی تھے جو فقیہ العصر حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب پھلتی (صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالحی رح) کے بعد ریاست کے قاضی ہوئے۔ ان کے بعد قاضی محمد یحییٰ صاحب پھلتی رح اس منصب پر فائز ہوئے۔ ان حضرات کی برکت سے ریاست بھوپال اور ٹونک علم دوستی اور دینی تفوق میں مشہور ہوئی۔ مولانا فاضل صاحب رح دارالعلوم دیوبند کے شروع کے اساتذہ اور جمعیۃ الانصار میں حضرت شیخ الہند رح کے رفقاء میں تھے۔ وہ جمعیۃ الانصار کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔

حضرت مولانا محمود احمد پھلتی رح حضرت اقدس مولانا قاسم نانوتوی رح کے خاص دوست بڑے صاحب باطن بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے شروع کے استاذ تھے۔ آپ کی تبلیغ سے سادات خانجہانپور اور منصورپور تشیعیت سے تائب ہوئے۔ افغانستان و بلوچستان تک کے لوگ آپ سے بیعت تھے۔ اور حضرت گنگوہی رح

باقی صفحہ ۳۰ پر

تبلیغی جماعت

صلح و امن کے پیامبر کیا ملک کے دشمن ہیں؟

مشارق علوی

تبلیغی جماعت کے متعلق قومی پریس کے ایک حصے میں جو خبریں شائع ہوئی ہیں وہ یقیناً قابل مذمت ہیں کیونکہ اس جماعت کے قیام کے بعد سے آج تک اس کے کسی ہمنوا پر کبھی کوئی مقدمہ چلا ہے، نہ ہی اس کے کسی اجتماع پر کسی انتظامیہ نے کبھی پابندی عائد کی ہے۔

البتہ جن شہروں میں بھی اس کے اجتماعات ہوتے وہاں کی پولیس اور انتظامیہ نے اس کی تعریف ہی کی ــ دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے بیشتر اجتماعات غیر مسلم حضرات کے کھیتوں اور زمینوں پر منعقد ہوئے ہیں جس کی وہ حضرات رضا کارانہ پیشکش کرتے رہے ہیں۔

پتا نہیں وہ مضمون ہمارے بعض صحافی کیسے پڑھ لیتے ہیں جو مضمون انٹلی جینس اور سی آئی ڈی بھی نہیں پڑھ پاتی۔ تبلیغی جماعت سے ہماری اطلاعات کے مطابق مسلمانوں ہی کا ایک طبقہ ناراض ہے اور بس۔ دوسروں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

(ادارہ)

کچھ عرصہ قبل اترپردیش کے مشرقی ضلع دیوریا کے شہر پڈرونا میں تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع ہوا تھا۔ اس طرح کے اجتماعات ملک میں ہر سال مختلف مقامات پر ہوتے ہیں جن میں شرکاء کی تعداد لاکھوں میں شمار کی جاسکتی ہے اس کے فوراً ہی بعد بنگلہ دیش میں عید کے بعد عالمی اجتماع ہوا جو وہاں ہر سال ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حج کے زمانے میں عرفات کے میدان میں شریک ہونے والے مسلمانوں کے بعد اگر عالمی سطح پر مسلمان کہیں جمع ہوتے ہیں تو وہ یہی موقع ہے۔ غریب بنگلہ دیشی جو حج بیت اللہ کی سعادت سے محروم رہتے ہیں وہ اسی عالمی اجتماع میں اپنی شرکت کو باعث نجات سمجھتے ہیں، غرضیکہ ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ کے ممالک سے جماعتیں بنگلہ دیش کے اس اجتماع میں شریک ہوتی ہیں اور امسال تقریباً تیس لاکھ مسلمانوں نے اس میں شرکت کی۔

بنگلہ دیش کا عالمی اجتماع یا ہندوستان میں منعقد ہونے والے اجتماعات چونکہ پوری طرح مذہبی رنگ لیے ہوتے ہیں اور ان میں کی جانے والی تقریریں اور مشورے سیاست کی چاشنی سے مبرا ہوتے ہیں اس لیے عام طور سے ہمارے اخبارات یا دیگر ذرائع ابلاغ ان کی طرف توجہ نہیں دیتے اور نہ ہی ان اجتماعات کے داعی کسی قسم کی تشہیر کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر تبلیغی جماعت کے کام اور ان کے پیغام کے بارے میں غیر مسلموں کو تو معلومات ہوتی ہی نہیں ہیں زیادہ تر مسلمان جو اس تحریک سے وابستہ نہیں ہیں انہیں بھی اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اتفاق سے امسال بنگلہ دیش کا اجتماع اس زمانے میں ہوا جب وہاں بیگم خالدہ ضیاء کی حکومت کے خلاف حزب اختلاف نے زبردست تحریک چلا رکھی تھی اور پوری دنیا میں بنگلہ دیش کی صورتحال اخبارات اور ریڈیو ٹیلی ویژن کی خبروں میں چھائی ہوئی تھی۔

اجتماع کے دوران حکومت کے خلاف چلائے جانے والے ایجی ٹیشن کو ملتوی کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اجتماع کے انعقاد اور اس کی اہمیت کے بارے میں عالمگیر پیمانے پر تشہیر ہوگئی چونکہ اس سے کچھ ہی دن قبل پڈرونہ میں اجتماع ہوا تھا اس لیے ہمارے کچھ باریک بین اخبار نویسوں کو جو ایک مخصوص سیاسی نظریے سے تعلق رکھتے ہیں ہندوستانی مسلمانوں کی حب الوطنی پر نہ صرف شبہ کرنے بلکہ پڑوس کے مسلم اکثریت والے ممالک سے ساز باز کر کے ملک میں افراتفری پھیلانے اور امن وامان کو برہم کرنے کے الزامات تراشنے کا موقع مل گیا۔ پڈرونہ اتفاق سے ہند نیپال سرحد سے ملحق ہے وہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کا دو دن کے لیے اکٹھا ہونا دن میں علمائے کرام کی تقاریر سننے اور رات میں عبادت و ریاضت میں ان کی مصروفیات کو مختلف پہلوؤں سے جامہ زیب کیا جانے لگا۔ ملک کے کثیر الاشاعت انگریزی روزنامے نے پڈرونا کے اجتماع کو مسلم شدت پسندوں بلکہ تشدد کے یکجا ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ اور اپنی تفتیشی صحافت سے یہ خبر لائے کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی (آئی ایس آئی) نے اجتماع میں شریک لوگوں میں اسلحہ تقسیم کیے۔ اس طرح کی رپورٹ کسی معتبر کہے جانے والے اخبار میں شائع ہو تو "سنگھ پریوار" کے افراد کو مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کا اچھا مسالہ ہاتھ لگ جاتا ہے۔ اور وہی ہوا۔ ان کے اخبارات میں تبصرے شائع ہونے لگے۔ اور تبلیغی جماعت کے خلاف کانا پھوسی کی تحریک چل نکلی۔

تبلیغی جماعت دراصل کوئی منظم جماعت نہیں ہے بلکہ دینی سطح پر ایک تحریک ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی مذہبی وراثت سے واقف کرانا اور پیام انسانیت کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح کی طرف قوم کو متوجہ کرنا ہے۔

نہ تو ان کا کوئی باقاعدہ دفتر ہے اور نہ ہی عہدیدار نہ کوئی فنڈ ہے اور نہ کوئی اثاثہ تحریک کو نظم دینے کے لیے ایک مرکز ضرور بستی حضرت نظام الدین دہلی کی بنگلہ والی مسجد کو قرار دے دیا گیا ہے جہاں سے چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں ملک کے مختلف مقامات پر روانہ ہوتی ہیں اور اصلاح کا کام کرتی ہیں۔ جماعتوں میں شرکت کرنے والے اپنے اخراجات کے خود کفیل ہوتے ہیں، انھیں کسی طرح کی کوئی مالی اعانت مہیا نہیں کی جاتی، تبلیغی جماعت نہ تو کسی سیاسی جماعت سے متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے اجتماعات یا جلسوں میں کسی سیاسی مسئلہ پر بات کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔

اس تحریک سے غیر مسلم تو بالکل ہی نابلد ہیں مسلمانوں کا بھی ایک وسیع طبقہ اس سے اپنی "سیکولرزم" "کمیونزم" جیسی آئیڈیالوجی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے دور رہتا ہے۔ اس تحریک کو سمجھنے کے لیے مناسب ہوگا اگر اس کے ارتقاء پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔

دلی سے تقریباً ۵ کلومیٹر دور ہمایوں کے مقبرے کے قریب ایک تاریخی عمارت چونسٹھ کھمبا کے نام سے مشہور ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے آستانے سے قریب واقع ہے۔ ۱۸۶۷ء میں اتر پردیش کے ضلع مظفرنگر سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ مولانا محمد اسمٰعیل اس عمارت میں قیام پذیر تھے، مولانا اسمٰعیل کا یہ دستور تھا کہ وہ پنجاب (اب ہریانہ) کی طرف سے دلی آنے والے زیادہ تر مزدور پیشہ لوگوں کو جو پیدل اس راستے سے گزرتے تھے۔ ان کی ہر ممکن مدد فرماتے تھے ان کے لیے کھانے پانی کا انتظام اور اگر ضرورت ہو تو آرام کے لیے جگہ بھی فراہم کر دیتے تھے ان میں سے جو مسلمان ہوتے تھے ان کو دین سے بھی صحیح واقفیت دلانے کی کوشش کرتے تھے اس سلسلے میں قریب ہی بنی بنگلہ والی مسجد میں انھوں نے باقاعدہ درس و تدریس اور تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مولانا کی رحلت کے بعد ۱۸۹۸ء میں ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد میاں اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔

مدرسہ میں پنجاب کے مشہور علاقے میوات (جواب ہریانہ کے ضلع گڑگاؤں میں ہے) کے رہنے والے کچھ ایسے طلباء کو پڑھنے اور رہنے کا موقع دیا گیا جن کے والدین اور گھر والے سرکش اور جرائم پیشہ تھے میواتی طلباء پر تعلیم و تبلیغ کا اچھا اثر مرتب ہوا۔ اور میوات سے آنے والے طلباء کی تعداد بڑھ گئی۔ اُدھر مدرسے سے فارغ ہونے والے طلباء نے میوات میں واپس جاکر اصلاحی کام شروع کیے اور اپنے خاندان والوں کو جائز و ناجائز کے فرق سے آگاہ کیا۔ خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب میوات تشریف لے گئے اور وہاں مختلف مقامات پر قیام فرمایا۔ اور مسلمانوں کو اپنی دعوت سے روشناس کیا۔ مولانا کی کاوش سے پورے علاقے میں ایک انقلاب آگیا۔ اور جرائم کی دنیا کو خیرباد کہہ کر مسلمانوں نے صالح اور پاک زندگی کو اپنا لیا۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک بڑھتی گئی اور دلی و پنجاب سے نکل کر اس نے ملک گیر حیثیت اختیار کر لی۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں ملک کے کونے کونے میں پہنچنے لگیں اور اسلام کا صلح و آشتی اور صاف ستھرے سماج کے قیام کا پیغام گھر گھر پہنچانے لگیں

تبلیغی جماعت کے رکن مذہبی معاملات میں غیر مسلم تو درکنار مسلمانوں سے بھی اختلافی مسائل پر گفت و شنید نہیں کرتے۔ گناہوں کی اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور آخرت کے سنورنے کے لیے آنسو بہاتے ہیں دعائیں مانگتے ہیں۔ ان کی تقریروں اور مشوروں کا مرکزی محور صرف مسلمانوں میں اسلام کی صحیح تعلیم کا فروغ اور عمل ہوتا ہے یہ نہ تو کوئی خفیہ جلسہ کرتے اور نہ ہی بند کمروں میں مشورہ، ان کے اجتماعات زیادہ تر مساجد میں ہوتے ہیں جن میں بغیر کسی مذہبی تفریق کے ہر کوئی شریک ہو سکتا ہے ایسے مخلص بندوں پر دہشت پسندی اور ان کے اسلحے سے لیس ہونے جیسے الزامات غلط ہی نہیں بلکہ شرمناک حد تک قابل ملامت ہیں۔

(بشکریہ بلٹز بمبئی)

بقیہ: شہدائے اسلام

بریلوی حضرات کی طرف سے بھی ہے۔ (احکام شریعت ص ۱۲۴)۔ پر مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ یوں درج ہے۔

سوالات

۱۔ بعض اہل سنت والجماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

۲۔ ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

۳۔ ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے۔

۴۔ ان ایام میں سوائے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب

پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے اور چوتھی بات جہالت ہے، ہر مہینے میں ہر تاریخ پر ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ
بمحمد ن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس فتویٰ کی رو سے ۱۰ محرم کو سوگ میں جھاڑو نہ دینا، کھانا نہ پکانا، کپڑے نہ بدلنا اور شادی بیاہ نہ کرنا حرام ہے جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود حرام کام کرتے ہیں اور اگر کوئی ۱۰ محرم یا محرم کی کسی تاریخ میں نکاح کی تقریب کرتا ہوتا ہے تو اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔

ہم اہل سنت کو چاہیے کہ کوشش کرکے محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ کریں تاکہ یہ رسم بد ٹوٹے۔

اسلامی تاریخ میں محرم کا مہینہ ہجری سن کا پہلا بابرکت مہینہ ہے۔ اس میں عبادات کی کثرت سے اس کو اور بابرکت بنانا چاہیے، ۱۰ محرم کو روزہ رکھنا چاہیے یہ روزہ فرض و واجب تو نہیں مگر صحابہ کرام پابندی سے اس دن روزہ رکھتے تھے اس روزہ کا واقعہ کربلا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دن پہلے سے بابرکت ہے اور روزہ پہلے سے چلا آرہا ہے۔

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

قسط نمبر ٨

پروفیسر وصی احمد صدیقی

تھوڑی سی فرصت دیکھ کر سید صاحب نے ایک تبلیغی دورہ کیا قرب و جوار میں تشریف لے گئے ہر جگہ لوگوں نے بیعت کی۔ سفر کرتے ہوئے علاقہ سوات میں خہر تشریف لے گئے اور وہیں لشکر کو طلب فرمایا یہاں پورے ایک سال لشکر مجاہدین کا قیام رہا۔

مولانا عبد الحیؒ صاحب کی وفات

مولانا مرض بواسیر میں مبتلا تھے روز بروز بیماری بڑھتی گئی یہاں تک کہ نزع کی حالت ہوئی سید صاحب تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا اور پہچانا۔ فرمایا کہ میرے واسطے دعا کریں اور میرے سینے پر پیر رکھ دیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دے سید صاحب نے فرمایا آپ کے سینے میں قرآن و حدیث کا علم ہے۔ آپ نے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اللہ الرفیق الاعلیٰ کہہ کر انتقال فرمایا۔ نماز جنازہ سید صاحب نے پڑھائی اور اعزار کو تسکین دی۔ ایک خورد سال بیٹا عبد القیوم تھا مولانا عبد الحی کے سوتیلے بھائی انتقال کے بعد تشریف لائے دونوں بھائی کبھی نہیں ملے تھے سید صاحب کے ساتھ رہے اور بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

سید صاحب پر زہر کا بہت اثر تھا لوگوں کے مشورہ پر آپ نے اپنی دوسری زوجہ محترمہ جو نہ میں تھیں کی اجازت سے ایک چترالی لڑکی سے شادی کی۔

اس قیام کے دوران حربی مشقیں جاری رہیں۔ آپ نے معائنہ کیا اور بہت مطمئن اور خوش ہوئے۔ فرمایا کہ بھائیو اس پر اعتماد نہ کرنا پھر اس کو موتوف کیا۔

سرحد کے ایک مخلص عالم تشریف لائے آپ نے پہلے بیعت کرائی پھر ایک ناخواندہ آدمی نظام الدین نے آپ کے حکم سے توجہ کی۔ یہ عالم بہت خوش اور مطمئن ہوئے۔ مردان کی جنگ میں شہید ہوئے۔

اُتمان زئی کی جنگ

موضع اُتمان زئی کے عالم خاں اور جلالہ کے رسول خاں سید صاحب کے پاس آئے اور اپنی جلاوطنی کا شکوہ کیا اور کہا کہ درّانیوں نے ہمارے گھر کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور ہمیں بستی سے نکال دیا۔ آپ ہمارا کچھ انتظام فرمائیں ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں بھی ان کے ستائے ہوئے پہلے سے موجود تھے۔ درّانی سکھوں کے خیر خواہ معاون اور مددگار تھے۔ آپ نے علماء سے فتویٰ پوچھا کہ یہ لوگ باغی ہیں کہ نہیں فیصلہ ہوا کہ باغی ہیں اور ان سے لڑنا درست ہے۔ دونوں ارباب بھائی کو حکم دیا گیا کہ وہ خیبر جائیں اور اپنی قوم کو متفق کرکے پشاور پر لائیں۔ سب لوگ خیریت کے ساتھ خیبر میں داخل ہوئے اور وہاں سے قبائل کے اتفاق کی خبر بھیجی۔ آپ نے کوچ کی تیاری کی۔ منزل طے کرتے ہوئے موضع لوٹھی میں داخل ہوئے۔ مشورہ ہوا کہ اُتمان زئی پر چھاپہ مارا جائے۔ راہ بڑی کٹھن تھی۔ مجاہدین کی آزمائش سخت پیاس سے ہوئی۔ راہبر کو ملامت کر رہے تھے۔ آخر اس راہبر نے کہا کہ صحیح جگہ پہنچ گئے۔ دو ٹیلے چھوڑ کر تیسرا ٹیلہ تھا جہاں گوجروں کی آبادی تھی مجاہدین کی پیاس بھی دور ہوئی اور دودھ وغیرہ سے تواضع ہوئی۔ لوگوں نے چھاپہ کے لیے کہا لیکن سید صاحب سب کی خستگی دیکھ رہے تھے۔ ایک رات اسی چراگاہ میں رہے۔ نماز فجر کے بعد کوچ ہوا۔ پانی کا انتظام کر لیا گیا تھا، پتہ چلا کہ درّانیوں کا لشکر پیادہ اور سوار ملا کر چار ہزار کے قریب تھا۔

آپ نے لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ نے شبخون مارا۔ درانیوں کی دونوں توپیں لے لیں۔ ان کا ایک گولنداز مارا گیا۔ لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ سید صاحب بھی آ گئے صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ مجاہدین کو شاہینوں کی گولیاں نقصان پہونچا رہی تھیں مرزا احسن بیگ کی حکمت عملی سے شاہینوں کا چلنا بند ہو گیا عالم خاں جو اس لڑائی کا باعث تھا اُس کی نیت میں فتور آیا۔ ساتھ ہی خیبر کے جو لوگ متحد ہوئے تھے وہ لوٹ کر درّانیوں سے جا ملے۔ طے ہوا کہ درّانیوں کی پشت پر چل کر شبخون مارا جائے سید صاحب نے زبردست حکمت عملی سے کام لیا۔ عالم خاں سے کہا کہ ہم چھاپہ ماریں گے۔ اس نے فوراً درّانیوں کو اس کی اطلاع دی۔ یہاں ایک ہندو راجہ رام سلون ضلع رائے بریلی کا دونوں توپوں پر رہ گیا۔ وہ توپ چلاتا رہا۔ سید صاحب تو لشکر کے ساتھ رات کو کوچ کرکے جلالہ کی طرف لوٹ گئے مگر درّانی خوف کے مارے دن چڑھے تک توپوں کے پاس نہیں آئے۔

ی طرف سفارت جہاد

سید صاحب نے لوگوں کے مشورے سے ی چشتی کے ساتھ نو آدمیوں کو تحائف کے شاہ بخارا کے پاس بھیجا۔

مولوی محبوب علی صاحب کے ساتھ بہت ف واپس لوٹ گئے تھے۔ آدمیوں کی کمی ہو ی۔ دو سو پنجابی مسلمانوں کو چار چار روپیہ رح سے ملازم رکھا گیا۔ اندازہ ہوا کہ ان کا کوئی ں نہ تھا۔ غیر ضروری طور پر تنخواہیں دی جا رہی انھیں موقوف کر دیا گیا۔ حضرت نے اُن اد کے فضائل پر بات کی تیس چالیس آدمی گئے۔ اور باقی اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ام شریعت کا نفاذ اور اجرا

سید صاحب کو خیال ہوا کہ ان اطراف کے مانوں کو احکام شرع کے قبول کرنے۔ رسوم افغانی ک کرنے اور امام کے اطاعت کی دعوت دی جائے ر فتح خاں اور اشرف خاں نے مدعو کیا س سلسلہ میں بات کرنی چاہی۔ مختلف ں پر علمار اور سربرآوردہ اشخاص کی میٹنگ ۔ اور اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی۔ پنجتار میں اتذہ، علمار خواتین وغیرہ کی بڑی ضیافت نظام ہوا۔ اور سید صاحب نے سب کو بشمول ان سمجھایا۔ کہ ہمارے مطالبہ کو قبول کرتے ہو تو مجمع میں قبول کر و۔ ورنہ ہمارے اتحاد سے دستبردار او۔ فتح خاں بھی راضی ہو گیا۔ تمام علمار اور رؤسا بعت امامت کی تجدید کی۔ مولانا نے قاضی منصب کا تقرر کیا۔ اس نظام شرعی کے برکات ر ہوتے۔ اس کی ایک مثال مانیری کے ایک گاؤں یفیت تھی جہاں سو برس سے جھگڑا چل رہا تھا۔ زبردست اور شورہ پشت لوگ حقدار لوگوں کو بے حق بنائے ہوئے تھے۔ سید صاحب ان کی تادیب کے لئے چلے اور لوگوں نے مرعوب ہو کر فیصلہ کو فوراً قبول کر لیا۔ اسی طرح کوسوں دور تک کوئی بے نمازی نہیں ملتا۔

ممتاز مجاہدین کے ڈیرے

پنجتار کی چھوٹی سی پہاڑی مجاہدین کی ایک بارونق چھاؤنی تھی جس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد اور ذکر و عبادت، جہاد و مجاہدے، محبت اور اخوت سے گلزار تھا۔ شہر پناہ کے مشرق اور شمال کے کونے میں جو برج تھا اس میں سید صاحب مع اپنی جماعت خاص کے قیام پذیر تھے۔ دوسرے برج میں باورچی خانہ اور غلّہ کی تقسیم کا کوٹھا تھا یہیں مسجد کے حجرے تھے۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی ہوراؤں کے بیرغان، مولوی سید مظہر علی عظیم آبادی اور اُن کی جماعت مولوی احمد اللہ ناگپور، مولوی وارث علی بنگالی، مولوی امام الدین بنگالی، سید احمد علی، سید ابو محمد، سید ابوالحسن اور سید موسیٰ، امان اللہ لکھنوی، حافظ کانی اور حافظ مانی اپنے رفیقوں کے ساتھ۔ قاضی حمایت اللہ، قاضی برہان الدین۔ شیخ عبدالوہاب، شیخ عبدالحکیم پھلتی اور سید اسمٰعیل رائے بریلوی۔ ابراہیم خاں خیرآبادی، امام خاں، شیخ حسن علی، صوفی نور محمد، مولوی خیرالدین، شیخ صلاح الدین، حاجی زین العابدین وغیرہ وہ حضرات تھے جن کا ڈیرہ سید صاحب سے متصل تھا۔ غلّے کی تقسیم کے لیے میر امانت علی مامور تھے۔ ان کی غیر معمولی احتیاط سے سہولت میں فرق آتا تھا۔ پھر مولوی عبدالوہاب صاحب کا تقرر ہوا۔ وہ بیمار تھے لیکن اس ذمہ داری نے ان کو تندرست کر دیا۔ غرض ایسے حضرات سید صاحب کے قریب جمع تھے جن کا عزم بالجزم ایثار اور بے نفسی بڑے بزرگان دین کی یاد دلاتی ہے۔

خادی خاں کا اختلاف و انحراف

یہ شخص والیٔ ہنڈ ایک با اثر اور صاحب رسوخ سردار فتح خاں پنجتاری کی اہمیت بڑھنے سے کبیدہ خاطر اور آزردہ ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے شرارت شروع کی۔ مختلف واقعات ایسے ہوتے رہے جس سے اس کی دشمنی بڑھتی گئی۔

اس زمانہ میں اکثر سردار رفع شر کے خاطر رنجیت سنگھ کو نعل بندی دیتے تھے۔ سید صاحب نے اس کو رکوایا۔ فرانسیسی فوجی افسر وینٹورہ جو رنجیت سنگھ کا ملازم تھا فصل بندی لینے آیا۔ سوائے خادی خاں کے کسی نے نہیں دیا اور خادی خاں نے وینٹورہ کو اپنی فوج لے کر آنے کا دعوت نامہ دیا اور اپنے بھائی امیر خاں کو بطور ضمانت بھیجا۔ وینٹورہ سید صاحب کو تعظیم کے ساتھ خط لکھ کر ان کے ارادہ کے متعلق پوچھا اور بتایا کہ یہ ملک خالصہ جی کے زیر نگیں ہے۔ آپ نے سخت جواب لکھا اور مولوی خیرالدین صاحب کو بطور وکیل بھیجا۔ مولوی خیرالدین صاحب نے چیلنج قبول کیا وینٹورہ کو پتہ چلا کہ سید صاحب شبخون ڈالنے والے ہیں وہ مع فوج فرار ہو گیا۔

سید صاحب نے قلعہ اٹک کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ قلعہ دار کو مخبر نے اطلاع دے دی۔ خادی خاں نے بھی مخبری کی۔ وہاں مسلمان عورتیں اور بچے پھنس گئے مگر وینٹورہ کی دخل اندازی سے رہا کر دیئے گئے۔

مسلمانوں کی نااتفاقی کا گلہ

سیّد صاحب غدّاری اور سازشوں سے بہت بیزار ہو گئے تھے۔ خادی خاں کی کمینہ سازشیں سامنے تھیں فتح خاں کے مشورہ سے آپ نے اجتماع کیا نماز پڑھ کر سید صاحب نے تقریر کی۔ کامل آخون زادے قریب کھڑے اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ سیّد صاحب کی تقریر میں عجیب رقت اور تاثیر تھی

سید صاحب واپس چلے گئے اور مولانا اسمٰعیل صاحب نے گفتگو شروع کی۔ اس نکتہ پر جو کلام پاک کی آیت سے ماخوذ ہے تقریر کی کہ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو۔ اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔ خادی خاں دعا سے اٹھ گیا۔ اور سید صاحب سے گفتگو میں متکبرانہ لہجہ اختیار کیا۔

وینٹورہ کی دوبارہ آمد اور جنگ پنجتار

مہاراجہ کی ملامت سے وینٹورہ شرمندہ تھا خادی خاں نے اسے بلایا۔ وہ جرات کر کے آ گیا۔ سید صاحب پنجتار کے درّے کی طرف چلے۔ دو پہاڑوں کے بیچ میں آپ نے دیوار تعمیر کا حکم دیا۔ صورت حال بالکل غزوہ خندق کی سی ہو رہی تھی۔ پورے انتظام کے بعد پوری حربی حکمت عملی اختیار کی، مولانا اسمٰعیل نے آیت بیعت رضوان کی تلاوت کی، سب شہادت کے لیے تیار ہو گئے۔ وینٹورہ نے پسپائی اختیار کی۔ سید صاحب نے خادی خاں سے پھر گفتگو چاہی اس نے کہلایا کہ ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں۔ سید بادشاہ کی طرح ملّا مولوی نہیں۔ ہماری شریعت جدا ہے۔ ان کی جدا۔ بار بار سید بادشاہ ہمارے پیچھے کیوں پڑتے ہیں۔ جو کر سکیں کریں۔ ننگی والوں نے بھی فریب دہی کی۔

سید صاحب نے قلعہ ہنڈ کی تسخیر کا پروگرام بنایا۔ عصر کے وقت کوچ ہوا۔ مگر چونکہ پورا علاقہ تقریباً ایک دشت تھا۔ راہبر بھٹک گیا۔ دوسرا رہبر جو خادی خاں کا عزیز تھا۔ صحیح راستہ پر لے گیا۔ صبح کی سفیدی جب ظاہر ہوئی تو قلعہ کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ اندر گئے۔ خادی خاں جو بہت اطمینان سے تھا بدحواس ہو گیا۔ مجاہدین کی گولیوں سے اس کا کام تمام ہو گیا۔

مولانا اسمٰعیل کے حسن تدبیر سے ہنڈ کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس طرح کہ کسی مجاہد کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ مخالفین میں صرف ایک ہلاک ہوا اور وہ خادی خاں تھے۔

جنگ زیدہ اور یار محمد خاں کا قتل

خادی خاں کے حقیقی بھائی امیر خاں نے انتقام لینا چاہا اور ان رشتہ داروں سے مدد کا خواستگار ہوا جو سید صاحب کے قریبی تھے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ سید صاحب نے ملا سید شاہ نامی ایک معتمد کو جو دو غیر مسلح آدمیوں کے ساتھ ایک ضرب شاہین لانے کے لیے پنجتار بھیجا۔ امیر خاں کے سواروں نے ان پر حملہ کیا۔ بارہ کو شہید کر دیا اور شاہین اپنے ساتھ لے گئے۔ مقرب خاں اس اندیشہ سے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے اس کی شکایت تو نہیں کی ہے۔ سید صاحب سے الگ ہو کر اپنے گھر بیٹھ گیا حالات ایسے ہوئے کہ بہت سے لوگ دشمن ہو گئے اور راستے مسدود کر دیئے۔ امیر خاں صلح کی بات چیت کرتا رہا۔ اور یار محمد خاں سردار پشاور کے پاس گیا۔ وہ بہت سی منفعتوں کا خیال کر کے لڑنے کے لیے آ گیا۔ سید صاحب نے جو لڑائی کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت دی تھی اسے لوگ فراموش کر گئے لیکن مجاہدین اللہ کی مدد سے کامیاب رہے۔

یار محمد خاں توپوں کے ساتھ آیا تھا اور وہاں کے لوگ توپوں کی آواز سے بہت ڈرتے تھے۔ سید صاحب مصالحت کی گفتگو کر رہے تھے لیکن یار محمد خاں نے بہت متکبرانہ جواب دیا۔ سید صاحب کی حمیت کو جوش آیا اور شبخون کا حکم دیا۔ مولانا اسمٰعیل نے لشکر کو زیدہ کے باہر مرتب کیا۔ مجاہدین نے آگ کی بارش میں کود کر چار توپوں پر قبضہ کر لیا۔ درانی بے تحاشہ بھاگے۔ باقی دو توپیں بھی قبضہ میں آ گئیں قندھاری اور ولایتی اپنی عادت کے مطابق لوٹ مار میں لگ گئے۔

یار محمد خاں کو کاری زخم لگا تھا وہ پشاور پہنچنے سے پہلے مر گیا۔ اس کے سات بڑے سردار اور تین سو کے قریب لشکری مقتول ہوئے مجاہدین میں صرف چار آدمی شہید ہوئے۔

حضرت امیر المومنین (سید صاحب) توپ خانہ۔ لشکر، شتر، ہاتھی اور اپنے اہل لشکر کے ساتھ پنجتار میں داخل ہوئے، حضرت نے لوٹ مار کی مذمت پر ایک بہت پُر اثر وعظ فرمایا اس لڑائی سے غریب الوطن مجاہدین کو امان ملی راستے کھل گئے۔

یہ سال منافقین کی نکبت اور زوال کا تھا۔ مال غنیمت کی تقسیم میں ایک حصہ بیت المال میں داخل کیا گیا۔ اور چار حصے غازیوں میں تقسیم کئے گئے، ہندوستانی غازیوں میں زیادہ تر نے اپنے حصے بیت المال میں داخل کر دیئے۔

ایک روز پنجتار اور زیدہ کے دونوں فتح خاں آپس میں مشورہ کر کے سید صاحب کے پاس آئے اور اپنے واسطے ایک قاضی کے تقرر کے لیے درخواست کی۔ کہا کہ ہماری بستیوں سے عشر کی ادائیگی ہوگی۔ اپنے قاضیوں کا تقرر حسب فرمائش کیا۔

حضرت نے توپ خانہ کا مرکز چنا۔ غازیوں نے توپیں وہاں پہنچا دیں۔ گولندازوں کے مکان بنائے گئے۔ توپوں کے گولوں کو کم جان کر موضع قاسم خیل میں کارخانہ قائم کیا۔

حضرت نے فنون سپہ گری کی مشق میں بہت دلچسپی ظاہر کی۔ گھوڑ سواری، نیزہ بازی، پھری گدہ، رستم خوانی سب کی مشق شروع ہوئی۔

(جاری)

فرانسیسی ڈاکٹر کے قبول اسلام کی کہانی، خود اپنی زبانی

ایک فرانسیسی ڈاکٹر سمندری جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ سفر کے پاس اپنا سفر منقطع کر کے وہ ایک عالم پہونچا۔ اور مسلمان ہوگیا۔

یہ ڈاکٹر عزبنیہ تھے جو پیرس کے ایک کامیاب پریکٹشنر کے علاوہ فرانسیسی ہونے کے علاوہ فرانسیسی پارلیمنٹ تھے اسلام قبول کرنے کے بعد وہ پارلیمنٹ سے الگ ہ پیرس کی سکونت ترک کر کے فرانس کے ایک چھوٹے ں میں سکونت اختیار کر لی اور خدمت خلق میں مشغول

۔

دبے مصری نے ان سے ان کے مکان پر مل کر ان سے ول کرنے کا سبب دریافت کیا۔

ایک آیت" ڈاکٹر عزبنیہ نے جواب دیا۔

آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا ہے؟

نہیں ابھی میری اب تک کسی مسلمان عالم سے ملاقات نہیں ہوئی"

پھر یہ واقعہ کیونکر پیش آیا؟

ڈاکٹر عزبنیہ نے جواب دیا: "مجھے اکثر سمندری سفروں کا اتفاق ہوا ہے، میری زندگی کا بڑا حصہ پانی ن کے درمیان بسر ہوا ہے۔ اسی طرح کے ایک سفر میں مجھے قرآن کا ایک فرانسیسی ترجمہ ملا یہ موسیو سا ترجمہ تھا میں نے اسے کھولا تو سورۂ نور کی ایک آیت تھی جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان ہے۔ أَوْ كَظُلُمَاتٍ ...... فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ۞ (سورۂ نور آیت ٤٠)

یعنی اگہرے سمندر میں اس کو ڈھانپ لیا ہو۔ موج نے۔ پر لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے پر اندھیرا اس حالت شخص اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے و خدا نور نہ دے اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔"

میں نے اس آیت کو نہایت دلچسپی سے پڑھا جس میں نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور انداز بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایک ایسے شخص ہوں گے جن کے رات اور دن میری طرح سمندری سفروں میں گزرے ہوں پھر بھی مجھے حیرت تھی کہ انھوں نے گمراہوں کی آوارگی اور ان کی جد وجہد کی حاصلی کو کیسے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے گویا کہ وہ خود رات کی سیاہی، بادلوں کی تاریکی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اتنے کم الفاظ میں اتنے کامیاب طور پر خطرات بحر کی تصویر کشی نہیں کر سکتا ہے۔

لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربیؐ محض امی تھے اور انھوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہوگیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ محمدؐ کی آواز نہیں بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے اس کے بعد میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

(شکریہ ہفت روزہ الجمعیۃ)

بقیہ:- پھلت کی زیارت

کے یہاں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

اس روشن وتابناک تاریخ کے بعد اس دورِ انحطاط میں بھی استاذ العلما حضرت مولانا علاء الدین صاحب کی ذات گرامی پھلت کے لئے قدرت کا ایک بے مثال عطیہ تھی۔ انھوں نے اسی مدرسہ فیض الاسلام میں تقریباً ساٹھ سال تک مسند درس کو رونق بخشی اور بلا معاوضہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے لاتعداد تلامذہ اس وقت ہند و پاکستان میں دین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مولانا مرحوم نے آخری عمر میں لاہور کی طرف انتقالِ مکانی کی اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

ان کے تمام تلامذہ میں مفسر قرآن مولانا ذاکر حسین عبیدی پھلتی مصنف خطبات موعظت نے مدرسہ کی ایک عرصہ تک نہایت اخلاص کے ساتھ خدمت انجام دی۔ اور اپنے علاقہ کے علاوہ جنوبی خصوصاً بنگلور اور مدراس میں احیاءِ سنت، ردِّ بدعت اور علوم قرآن وحدیث کے سلسلے میں شاندار قابل فخر خدمات انجام دیں۔

گویا صدیوں تک یہ بستی علم وعلماء کا مرکز رہی ہے اور اس نے ہر دور میں امت اسلامیہ کی قیادت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اور اس کی ... تاریخ ... درخشانی اور تابانی میں اپنی

آپ ...

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است"

یہ درس گاہ اب جناب مولانا محمد کلیم صدیقی کی سرپرستی میں، دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک شاخ بن چکی ہے۔ مولانا محمد کلیم صدیقی سے جو لوگ ناواقف ہیں ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے جواں سال وجواں بخت ہیں اور اپنے جذب وکیف، کام کی دھن، اصلاح معاشرہ، دعوتِ حق میں بڑی عمر کے علماء ومشائخ کے نمائندہ ہیں۔ صاحب عزم وحوصلہ، دل پُرسوز وچشم پُرنم اور دلِ بیدار کی دولت رکھتے ہیں۔ وقت کے تمام اہل اللہ کی شفقتوں کے حامل ہیں، اور آج حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فیوض کو عام کرنے میں منہمک ہیں۔ بارک اللہ فیہ ولہ۔

دہلی کا نیشنل کنونشن

از: انیس چشتی
۱۹۷، رانا پرتاپ روڈ، پونہ ۴۱۱۰۴۲

فارسی کا ایک مشہور مصرعہ ہے کہ

لیلیٰ بہ نگاہِ مجنوں باید دید

یعنی لیلیٰ کالی کلوٹی سہی لیکن اس کے حسن کو دیکھنا ہے تو مجنوں کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

اسی مصرعے کو اگر ہمارے ملک سے متعلق کہنا چاہیں تو کچھ اس طرح ہوگا کہ

بھارت بہ نگاہِ بیرون باید دید

یعنی اگر آپ بھارت کی اصلیت سے واقف ہونا چاہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ بھارت سے باہر قدم رکھیں اور وہاں سے بھارت کو دیکھیں۔ یا باہر والوں کی آنکھ سے دیکھیں۔ کسی زمانے میں یہ سپیروں، جادوگروں فقیروں، سادھوؤں اور مہاراجوں کی نگری سمجھا جاتا تھا لیکن اب یہ "اسکینڈلوں" اور "حوالوں" کی سرزمین کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اس میں غیر ملکیوں کیلئے بڑی دلچسپیاں ہیں۔ کوئی ایک اسکینڈل ہو تو بیان کیا جائے۔ جیپ اسکینڈل کیس ۷۷ء۱۹، سینٹ کٹس فورجری ۱۹۸۹ء، پولینڈ ریوالور اسکینڈل ۱۹۸۵ء، ویسٹ لینڈ ہیلی کاپٹر اسکینڈل ۱۹۸۴ء، ائیربس اسکینڈل ۱۹۹۰ء، شکر اسکینڈل ۱۹۹۴ء، ہرشد مہتا (رزروبنک) اسکینڈل ۱۹۹۲ء اور اب حوالہ معاملہ۔

ملک کے باہوش اور دردمند شہریوں کو ان تمام باتوں نے پریشان کر رکھا ہے اور ملک سے سچی محبت کرنے والوں کی راتوں کی نیند حرام ہے۔ پھر اس کے علاوہ سیاست کا غنڈہ عناصر سے الحاق اور بڑھتا ہوا فاشسٹ اور فرقہ وارانہ رجحان اس ملک کیلئے ایک چیلنج ہے۔

ان خطرات کو مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے آزادی کے وقت ہی محسوس کر لیا تھا۔ جیسے جیسے دن بیتتے گئے ان معاملات میں مزید سنگینی آتی گئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ سیاستدانوں نے آج پورے ملک کے عوام کو زندگی اور موت کے دوراہے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جب اس خطرے کو محسوس کیا تو انہوں نے ۱۹۷۴ء سے باقاعدہ ملک گیر پیمانے پر تحریک پیام انسانیت کا آغاز کر دیا اور بھارتی عوام کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے کام میں جٹ گئے، انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہاں کی عوام کو انسانیت کی بنیادوں پر جوڑا جا سکتا ہے۔ یہ ان کا بھولا ہوا سبق ہے، چنانچہ ملک کے طول و عرض میں دورے کئے گئے، جلسے، سیمیناروں اور عوامی خطابات کے ذریعے انسانیت کا پیغام انسانوں تک پہنچایا گیا، ان تمام جلسوں میں غیر مسلموں کی بھاری اکثریت شریک ہوتی رہی اور انہوں نے بڑا اچھا اثر لیا۔

اسی طرح کا ایک نیشنل کنونشن ۷ار مارچ ۱۹۹۰ء کو دہلی میں طلب کیا گیا تھا جبکہ بابری مسجد کی تحریک اپنے شباب پر تھی، اس کنونشن کے دوران راقم الحروف نے ذمہ داروں کے سامنے ایک تجویز یہ بھی رکھی کہ یہ کنونشن محض وقتی ثابت نہ ہو بلکہ ان سماجی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کے لئے ایک مستقل پلیٹ فارم کو وجود بخشا جائے اسی نظریے کے تحت مشہور مفکر اور مؤرخ نیز گاندھی جی کے قدیم ساتھی ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے صاحب کی صدارت میں قومی سطح کی ایک تنظیم (SOCIETY FOR COMMUNAL HARMONY) وجود میں آئی اور جس کا صدر دفتر دہلی میں ایودھی اسٹیٹ میں رکھا گیا، اس کی مجلس عاملہ میں مولانا علی میاں اور پی این ہکسر اور بیگم عابدہ علی احمد اور سریندر موہن کے علاوہ ملک کے چوٹی کے افراد رکھے گئے اور (PRESSURE LOBBY) کی حیثیت سے یہ تنظیم برابر کام کرتی رہی۔

حالیہ "حوالہ" معاملہ نے ملک کے دانشوروں کو پھر ایک بار بے چین کر دیا اور اس کی سب سے بڑی وجہ چوٹی کے سیاستدانوں کی اس میں شمولیت تھی، چنانچہ ۱۱ر مارچ ۹۶ء دہلی میں پھر ایک بار نیشنل کنونشن بلانے کی بات طے کی گئی۔

یہ کنونشن گاندھی اسمرتی کے تعاون سے دہلی میں پارلمنٹ انیکسی میں منعقد ہوا۔ اور ملک بھر سے تقریباً ۳۵۰ دانشوروں، قانون دانوں، سماجی کارکنوں، مصنفوں، اخبار نویسوں اور مختلف جہتوں میں کام کرنے والے افراد کو دعوتنامے بھیجے گئے، مرکزی خیال کے طور پر اس کنونشن میں بحث و تمحیص کے لئے ۳ ر نکات رکھے گئے۔

۱۔ سیاست میں غنڈہ گردی کا بڑھتا ہوا رجحان (Criminalisation of the Politics)

۲۔ رشوت ستانی (Corruption)

۳۔ فرقہ واریت (Communalism)

اس کنونشن میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے

لق جج ، تین سابق گورنر ، ۶ رسے زائد سابق
رلمنٹ ، ۵ رسابق ہائی کمشنر اور سفراء
یوں کے وائس چانسلر ، ان کے علاوہ تعلیمی
تی نیز سماجی میدانوں میں کام کرنے والے
کے نمائندوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی ۔
یہ کنونشن ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے صاحب کی
میں منعقد ہوا ۔ اور انہیں کے کلیدی خطبے سے
غاز ہوا ، پانڈے صاحب کی عمر ۹۲ سال کی
ں وھیل چیئر پر لایا گیا ۔ پچھلے دنوں وہ صحت
ے ۔ لیکن اسکے باوجود وہ سارا دن کنونشن
گرام کو کنڈکٹ کرتے رہے ، انہوں نے بڑے
رے بلکہ ایک حد تک مایوسی کے لہجے میں کہا کہ "میرے
یہ پوری صدی پھیلی ہوئی ہے ، میں نے اس کی
ع ہنیچ کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے ، گاندھی جی
دی کے بعد ایک بار کہا تھا کہ ملک اندھکار
ر جارہا ہے " پانڈے جی نے یہ بھی کہا کہ
۹۱ء میں لوگ رتنا گیری جیل میں تھے ، اس وقت
س ، ایس کے بانی ڈاکٹر ہیڈگے وار بھی ہمارے
تھے ، بالکل ایک عام مجاہد آزادی کی طرح لیکن ایک
ع ڈاکٹر مُنجے آئے اور انہیں ساورکر کے پاس
۔ پھر وہ روز جانے لگے اور وہ اتنے بدل گئے
، وہ جیل سے باہر آئے تو انہوں نے ایک نہایت
ارانہ تحریک اور تنظیم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ قائم
۔ اس کے نتائج آج ہم دیکھ رہے ہیں ، انہوں
گاندھی جی کا قتل کیا جس کا اعتراف خود سردار
نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے ، میں حکومت سے
رتا ہوں کہ سردار پٹیل کی وہ رپورٹ آج حکومت
ے سامنے رکھے " دوسری ایک اور اہم بات
منے یہ کہی کہ "ہم نے بھارت کے پورے دستور
پ سے لیا ہے ، چنانچہ وہاں جو خرابیاں تھیں
ی کی پوری آگئی ہیں ۔ آج اس بات کا پرچار
ں دنیا میں ہو گیا ہے کہ بھارت کے سارے نیتا راشی

(لٹمانو) ہیں ۔ اسی طرح احمدآباد کے بھیانک فساد کی ذمہ داری بھی سپریم کورٹ نے آر ، ایس ، ایس پر رکھی ہے ، نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم نے بڑے بڑے باندھ اور بجلی گھر بنائے لیکن ہم نے بھارت کے بچوں کو بنانے کا کام آر ، ایس ، ایس پر چھوڑ دیا ہے ۔

کنونشن میں گاندھی جی کے پوتے راج موہن گاندھی بھی شریک تھے ، انہوں نے اپنی تقریر میں الیکشنی اصلاحات سے متعلق بہت ساری باتیں کہیں ، ان میں ایک اہم بات یہ تھی کہ " الیکشن لڑنے سے پہلے ہر امیدوار کو اپنے اثاثہ (ASSEAS) بتانے ہوں گے ۔ وہ اپنے کھاتے کھلے رکھیں ، کیونکہ گاندھی جی اور پٹیل بھی الیکشنی اخراجات سے بہت پریشان تھے ، حالانکہ ان دنوں میں یہ اخراجات صرف چند ہزار تک محدود تھے ۔ " وہ ہندوتوا سے متعلق سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کے بھی حق میں نظر آئے اور یہ کہا کہ اس کا تمام تر انعقاد اس کی تشریح پر موقوف ہے ۔

موصوف کے بعد مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے قرآن وسنت کی روشنی میں اتحاد ویک جہتی اور انسانیت نوازی کی متعدد مثالیں پیش کیں اور اس روانی سے اپنی بات کہی کہ شرکائے محفل مبہوت ہو کر رہ گئے ۔

سابق جسٹس کھنا اپنی خرابی صحت کے باوجود تشریف لائے ۔ انہوں نے کہا کہ " ہم ابھی تک سیکولرزم کی صحیح تفہیم نہیں کر سکے ہیں ۔ سیکولرزم نہ تو خدا مخالف ہے اور نہ ہی خدا موافق ہے ۔ بابری مسجد کی شہادت ہمارے ملک کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے ۔ ہندوازم کے صبر ورضا اور قوت برداشت (TOLLERANCE) کی سوامی وویکانند ، آچاریہ گھوش ، گاندھی جی ، ٹیگور سے لے کر ڈاکٹر رادھا کرشنن سب نے تعریف کی ہے ہندو مذہب میں تمام مذہب کے اجزاء موجود ہیں ۔ ہمیں ان کا احترام کرنا چاہئے ۔

جسٹس بھرنے ہندوتوا سے متعلق سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کی کھل کر مذمت کی اور اسے انہوں نے (UNFORTUNATE) قرار دیا ۔ اور کہا کہ اس فیصلے کو حکومت لا منسٹری سے اکثرامین کردائے اور پارلیمنٹ کے اسی اجلاس میں آرڈی ننس آنا چاہئے " انہوں نے یہ بھی کہا کہ " پولس کا بڑھتا ہوا دباؤ (TERRORISM) کو جنم دیتا ہے بلکہ کسی حد تک پولس خود ٹیررایسٹ بن جاتی ہے "

دسنت ساٹھے مشہور دانشور ، مقرر اور پارلمنٹ کے ممبر ہیں ۔ یہ مرکزی وزیر بھی رہ چکے ہیں ۔ " انہوں نے کہا کہ " وینکٹ چلیا رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک میں ہر سال ایک لاکھ ساٹھ ہزار کروڑ روپیہ کالا پیسہ پیدا ہوتا ہے جبکہ قومی آمدنی صرف ۶۸ ہزار کروڑ روپئے ہے ، ہم انسانیت کے دھرم کو نہ مانتے ہوئے الگ الگ فرقہ دارانہ اکائیاں ملنے لگے ہیں ۔

سُبّا راؤ جی نوجوانوں میں کام کرنے والے ایک عمر رسیدہ مجاہد آزادی اور گاندھی جی کے ساتھیوں میں سے ہیں ۔ وہ اپنے بچپن سے نوجوانوں میں کام کر رہے ہیں ۔ انہیں مرکزی حکومت نے ایک پوری ریل دے رکھی ہے کہ وہ پورے ملک میں نوجوانوں کی فوج کو لے کر گھومیں اور ان میں اتحاد ویکجہتی پیدا کریں ۔ انہوں نے کہا کہ " بھارت کا ہر شخص ایماندار ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتبار کرنا سیکھیں ، اس ملک میں ۱۶۵۲ مادری زبانیں بولی جاتی ہیں ، اس کے برعکس کناڈا میں صرف دو زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن دو ماہ پہلے وہ ملک بھی ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گیا ، چنانچہ بھارت میں توڑنے کے لئے بہت کچھ کیا جارہا ہے ، جوڑنے کیلئے کچھ نہیں کیا جارہا ہے ان کے دلدوز بیان نے لوگوں کو چونکا کر رکھ دیا ۔

گاندھیائی تحریک سے منسلک ایک عمر رسیدہ خاتون ادشا بین بھی اس مجلس میں موجود تھیں ، انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے مقرروں کا ایک طائفہ بنانا چاہئے جو ملک میں گھوم پھر کر اس پھیلائے ہوئے زہر کا اپنی

باقی ص۲۷ پر

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س: مسجد کی رقم سے لائبریری کھول سکتے ہیں؟

ج: اس رقم سے لائبریری قائم نہیں کر سکتے ہیں۔

س: میوزک کے ساتھ نظم سننا کیسا ہے؟

ج: میوزک کے ساتھ کچھ بھی سننا شرعاً ممنوع اور باعث گناہ ہے۔

س: گھڑی کس ہاتھ میں پہننا چاہئے؟

ج: دائیں یا بائیں کسی بھی ہاتھ میں پہن سکتے ہیں۔

س: ایک شخص کے پاس بقدر نصاب شرعی نقد روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کی شادیوں کی ذمہ داری اس پر ہے کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی؟

ج: اگر مال پر حولان حول (سال گزرنا) ہو جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اور اگر سال گزرنے سے پہلے ہی اس کو ان مصارف میں صرف کر دیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

س: کیا سودی رقم سے کوئی اسلامی شعبہ قائم کرنا درست ہے؟

ج: سودی رقم سے جس کی حرمت قرآن وحدیث کے صریح نصوص سے ثابت ہے، کوئی بھی اسلامی شعبہ قائم کرنا خواہ وہ کتنا ہی بڑا کار خیر ہو شرعاً درست نہیں ہے۔

س: نوٹ اور پوسٹ کارڈ کو جیب میں رکھ کر جبکہ اس میں تصویر بنی ہوئی ہے، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

ج: تصویر والے نوٹ اور پوسٹ کارڈ وغیرہ کو جیب میں ضرورتاً رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔

س: ایک شخص ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھتا ہے جس میں بقدر معافی نجاست لگی ہو تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

ج: کسی شخص کا ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جس میں بقدر معافی نجاست لگی ہوئی ہو مکروہ ہے۔

س: پردہ وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے کیا مستورات کی تعلیم ہو سکتی ہے، بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں؟

ج: پردہ وغیرہ کے اہتمام کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کا نظم کرنا اور دینی تعلیم کو عام کرنا کار خیر ہے لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لیے اس قسم کے ادارے پورے ہندوستان میں قائم ہیں شرعاً ان کے قیام میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ جس طرح مردوں پر تعلیم فرض ہے اسی طرح عورتوں پر بھی البتہ پردہ وغیرہ کا اہتمام کرنا لازم ہے۔

س: کیا اسلامی نقطۂ نظر سے محدود کنبہ یعنی فیملی پلاننگ جائز ہے یعنی کیا کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے اولاد کو روکا جاسکے۔ مثلاً نرودھ و مانع حمل دوائیوں کا استعمال کرنا؟

ج: خاندانی منصوبہ بندی کی خاطر مانع حمل دوائیاں یا نرودھ وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے، رزاق تو خدا تعالیٰ ہے محض فقر وفاقہ کے خوف سے مانع حمل کے ذرائع استعمال کرنا صحیح نہیں ہے قرآن مجید میں ہے کہ اپنی اولادوں کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔

س: مدرسہ کی ایک بڑی رقم بینک (BANK) میں ہے جس پر انٹریسٹ بھی ملتا ہے۔ کیا مدرسہ کے کسی کام میں یہ انٹریسٹ کی رقم لگا سکتے ہیں اگر نہیں تو اس کا کیا مصرف ہوگا، زید کہتا ہے کہ اس رقم سے بیت الخلاء واستنجا خانہ تعمیر کر سکتے ہیں؟

ج: مدرسہ کی جو رقم بطور انٹریسٹ ملتی ہے یہ سود ہے۔ جو شرعاً حرام ہے اس رقم سے بیت الخلاء اور استنجا خانہ کی تعمیر درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے بیک وقت امیر وغریب دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں، البتہ یہ رقم کسی محتاج کو بغیر نیت ثواب دے سکتے ہیں۔

س: ایک شخص حرام وحلال دونوں قسم کے کاروبار کرتا ہے اور اس کا الگ حساب نہیں ہے اگر وہ دعوت دے تو کیا لوگوں کو اس میں شرکت کرنی چاہئے؟

ج: مذکورہ صورت میں اگر مذکورہ شخص کی اکثر آمدنی حلال وجائز ہے تو اس کی دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں۔

س: گورنمنٹ کی جانب سے دیہاتوں میں ہینڈپمپ لگائے جاتے ہیں اگر کوئی غیر مسلم یا حکومت کسی مسجد میں از خود ہینڈ پائپ لگانے کو کہے یا کوئی امداد مسجد کو اپنی مرضی سے دے تو کیا ہینڈ پائپ لگانا یا امداد قبول کرنا شرعاً درست ہوگا؟

ج: اگر غیر مسلم یا حکومت مسجد میں ہینڈ پائپ لگانے کا نظم کرے یا کسی قسم کی امداد بلا قید وشرط کرے تو مسجد میں اس کا قبول کرنا درست ہوگا اس کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

س: کیا اگر نمازی زیادہ ہوں تو اقامت درمیانی صف سے کہہ سکتے ہیں؟

ج: نمازی کم ہوں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہنچتی ہو تو اقامت صف اول میں کہنا بہتر ہے۔ البتہ اگر تعداد زیادہ ہو اور اگلی صف میں پہنچنے میں حرج لاحق ہو تو اقامت درمیان کی کسی بھی صف میں پڑھنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔

دعائے مغفرت

شعبۂ تعمیر وترقی کے کارکن سید محمد علی جعفری کے بڑے بھائی جناب سید شفیق علی جعفری صاحب کا مختصر علالت کے بعد ۱۱ر اپریل ۱۹۹۶ء کو انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین لڑکے، دو لڑکیاں ہیں اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ندوہ کے شب و روز

نجیب الرحمٰن ملکی

دارالعلوم میں تعلیم کا آغاز داخلہ مکمل ہونے
ہو گیا ابتدائے سال اور جدید طلبہ کی ایک بڑی
ں آمد کی وجہ سے حسب ایما حضرت مہتمم صاحب
برکاتہم ثقافتی ہفتے کے تحت متعدد اساتذۂ کرام
بہ کو یہاں آنے کا مقصد اور قیام کو کس طرح مفید
ر آمد بنایا جائے، کے موضوع پر اہم تقریریں کیں۔

ی العربی کا انتخاب

النادی العربی جو طلبہ میں عربی تحریر و تقریر اور
کا ذوق پیدا کرتی ہے اور ان کو ایسے مواقع فراہم
ہے کہ وہ بے جھجک تقریر کر سکیں، اپنے مقالات
ر سکیں، باطل قوموں سے مناقشہ و مباحثہ کر سکیں،
انتخاب دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کے لئے
ی العربی کے صدر جناب مولانا سعید الرحمن صاحب
ندوی اور مہتمم دارالعلوم جناب مولانا سید محمد
صاحب حسنی ندوی کی موجودگی میں ۱۳ ذیقعدہ
لیہ کو عمل میں آیا، اور برادرم عبد الصمد مدراسی
ین العام اور برادرم ولی حسن کو ان کا نائب مقرر
.

طلبہ کی اس تنظیم نے اپنا افتتاحی جلسہ ۱۵ ر
دہ ۱۴۱۶ھ کو استاذ محترم جناب ڈاکٹر عبد اللہ
ں صاحب ندوی کی صدارت میں منعقد کیا۔
ی تقریر میں مولانا نے النادی العربی کے جلسوں میں
رکت، اور مکتبۃ الرائد سے استفادہ کی ترغیب
، اس کے بعد صدر النادی العربی اور حضرت مہتمم
صاحب دامت برکاتہم نے بھی طلبہ سے خطاب کیا۔

جمعیۃ الاصلاح کا انتخاب و افتتاح

جمعیۃ الاصلاح جس کا پورا نظم و نسق طلبہ کے ہاتھ میں رہتا ہے، اس کے نو منتخب اراکین نے ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ کو عباسیہ ہال میں مہتمم دارالعلوم جناب مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی اور مربیانِ الاصلاح جناب مولانا شمس الحق صاحب ندوی اور جناب مولانا خالد صاحب ندوی کی موجودگی میں اتفاق رائے سے برادرم مسعود الحسن کو نائب صدر، برادرم محمد عابد حسین مظفر نگری کو ناظم اور برادرم عبد المقیت قاسمیا کو نائب ناظم منتخب کیا۔

اس کے بعد اراکین جمعیۃ الاصلاح کی طرف سے الاصلاح کے افتتاحی جلسے کے انعقاد کا اعلان کیا گیا اور ۱۸ ر ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ کو یہ افتتاحی جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی الاصلاح کے جمالیہ ہال میں منعقد ہوا۔ تلاوتِ کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا، تلاوت کے بعد برادرم محمد ہارون مہاراشٹری نے کلامِ اقبال پیش کیا، اس نظم کے بعد ناظم الاصلاح محمد عابد حسین نے مختصراً اپنا مقالہ پیش کیا جس میں الاصلاح کی اہمیت اور اس کے اہم شعبوں پر روشنی ڈالی۔

اس کے بعد میر کارواں صدر جلسہ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ "میں جمعیۃ الاصلاح کو ندوۃ العلما کے مقاصد کی تکمیل کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں اور میں نے اپنے تعلق و رابطے کے اس پورے دور میں جمعیۃ الاصلاح کو اسی نظر سے دیکھا اور اس کی ترقی کو، اس کی اچھی تنظیم کو اور اس کے طلبہ کو نفع پہونچانے کی صلاحیت کو قائم رکھنے کی نہ صرف یہ کہ قدر کی بلکہ اپنی حیثیت، اپنے امکانات اور اپنے دائرۂ عمل کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ ندوۃ العلما کی تحریک کا ایک بڑا جزیہ تھا کہ دارالعلوم کے طلبہ درسیات میں محبوس و مقید نہ رہیں بلکہ اسلامی ادبیات سے، دنیا کی تاریخ فکر و نظر اور علم و ادب اور دعوت و تحریک کے جو مد و جزر آئے ہیں اور جن مراحل سے انسانی ثقافتی قافلہ علمی ادبی قافلہ، یہاں تک کہ مذہبی اور اعتقادی قافلہ گذرا ہے اس سے واقف ہوں۔ اس لئے اگر ہمارے مدارس کے طلبہ درسیات میں اپنی پوری صلاحیت پوری محنت و جفاکشی بلند ہمتی کے ساتھ محصور ہے، اس میں انھوں نے امتیاز پیدا کر لیا تو اس کا اندیشہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی نئی تعلیم یافتہ نسل کو متأثر نہیں کر سکیں گے تو یہ بہت بڑی کوتاہی ہوگی۔

اس کے بعد مولانا نے اپنے دعائیہ کلمات پہ تقریر ختم فرمائی اور اس کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

نئے تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت مولانا مدظلہ کا طلبہ سے عمومی خطاب

حسب سابق دارالعلوم کے تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت مولانا مدظلہ العالی نے مسجد دارالعلوم میں طلبہ سے خطاب فرمایا اور ان کو یہاں آنے کا مقصد بتایا اور ان پر واضح کیا کہ اچھی نیت سے پڑھو گے تو برکت ہوگی اور اسی میں تمہاری کامیابی ہے، تقریر بڑی دلنشیں اور دل پذیر تھی جس کی وجہ سے طلبہ پر اس کا گہرا اثر پڑا۔

انجمن الاصلاح (رواق سلیمانی) کا افتتاح

اس انجمن کا نظام طلبہ کی کثرت کی وجہ سے الگ

ہے جس میں طلبہ حصہ لیتے ہیں اور اپنے علمی و ادبی ذوق کو پروان چڑھاتے ہیں، اس انجمن کا افتتاح ۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ کو بعد نماز مغرب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد ناظم انجمن الاصلاح برادرم محمد شعیب پرتاپ گڈھی نے انجمن کے اغراض و مقاصد پر اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی، اس کے بعد صدر جلسہ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ "آپ بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ آپ کو یہاں اپنے آپ کو بنانے اپنے اندر علمی و تحقیقی صلاحیت پیدا کرنے کے مواقع فراہم ہیں تو آپ کو چاہیے کہ آپ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں"۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی کی صدارتی تقریر کے بعد مشفق و محترم استاذ گرامی اور مربی انجمن الاصلاح خورد جناب مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی کی خواہش پر استاذ مکرم جناب مولانا نذر الحفیظ صاحب ازہری ندوی نے بھی مطالعہ کتب کے سلسلہ میں مفید و کارآمد باتیں بتائیں اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اس کے بعد اس جلسہ کے مہمان خصوصی جناب پروفیسر محمد یونس نگرامی صاحب ندوی نے اپنی مختصر سی تقریر کے دوران بڑی اہم اور قابل عمل باتیں بتائیں اور اتر پردیش اردو اکیڈمی کے چیرمین ہونے کی حیثیت سے یہ اعلان کیا کہ انجمن الاصلاح خورد کو اکیڈمی کی جانب سے وہاں کی اب تک کی تمام مطبوعات کا ایک سیٹ مکمل دیا جائے گا۔

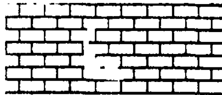
آخر میں ناظم الاصلاح نے صدر جلسہ، اساتذہ کرام اور عزیز ساتھیوں کے شکریہ کے ساتھ جلسے کے اختتام کا اعلان کیا۔

انجمن الاصلاح معہد القرآن کا افتتاح

چھوٹے طلبہ کی اس انجمن کا انتخاب مربی الاصلاح خورد جناب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ندوی کی موجودگی میں عمل میں آیا محمد ابراہیم بھٹکلی نائب صدر اور منہاج الدین گھیم پوری ناظم بنائے گئے۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ کو زیر صدارت مہتمم دارالعلوم جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اس کا افتتاحیہ جلسہ تلاوت کلام پاک سے ہوا، تلاوت کے بعد ناظم الاصلاح نے اپنا مختصر مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد صدر جلسہ نے اپنی تقریر میں بڑی ہی سبق آموز باتیں بتائیں اور قیمتی نصیحتوں و مشوروں سے نوازا اور ساتھ ساتھ طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا کہ اس سلسلے میں جس قسم کے تعاون کی بھی ضرورت ہوگی انشاء اللہ پیش کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

عید الاضحیٰ کی تعطیل

یہ تعلیمی سرگرمیاں ۸ر ذی الحجہ تک باقاعدہ جاری رہیں۔ دارالعلوم کی جانب سے عید الاضحیٰ میں ایک ہفتہ کی تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ طلباء اپنے اپنے گھروں کو عید قرباں منانے کے لئے چلے گئے۔ چھٹی مکمل ہوتے ہی طلباء وقت پر دارالعلوم آگئے۔ اور تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔



بقیہ :- امریکہ میں اسلام

امریکی لیڈروارث دین محمد مسلم تنظیموں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں یہ مسلم تنظیمیں امریکا میں ہزاروں مساجد اور مدرسوں کا انتظام چلا رہی ہیں۔ اگر امریکی مسلمانوں میں سیاسی اور جمہوری شعبوں میں زیادہ سرگرم ہونے کا یہ عمل جاری رہا تو امید ہے کہ مستقبل قریب میں مسلمان حکومت کی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکیں گے

(بشکریہ دعوت دہلی)

اعلان منجانب

كلية التربية دار العلوم ندوة العلماء

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فضلاء کو تدریس کی مشق کرانے کے لیے ایک پندرہ روزہ تربیتی کیمپ اس سال جامعہ اسلامیہ مظفر پور تلندر اعظم گڑھ میں ۱۰ر جولائی سے ۲۵ر جولائی تک قائم ہوگا اس کیمپ میں شرکت کے لیے دیگر مدارس کے فارغ التحصیل اور مدارس اسلامیہ کے مدرسین بھی شرکت کر سکتے ہیں۔

خواہشمند حضرات دفتر دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مہتمم صاحب جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندر پور اعظم گڑھ کے نام درخواستیں ۵ر جون تک بھیج دیں۔

زاھد حسین ندوی

کرکٹ کی بے اعتدالیاں

جسمانی وذہنی صحت وتوانائی کے ضمن میں ں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ورزشی ں ایسی فطری چیز ہے جو ایک طرف جسمانی صحت انائی کا سبب ہے تو دوسری طرف دل ودماغ کی ت وتازگی اور صحت مندی کا بھی ذریعہ ہے۔ وجہ ہے کہ عہد قدیم سے ہی کھیلوں کی تاریخ کا چلتا ہے۔ اگرچہ ہر عہد کے کھیلوں کی نوعیت ا گانہ رہی ہوگی اور قیاس غالب ہے کہ عہد قدیم ں زیادہ تر کھیل فن سپہ گری اور ورزشی نوعیت رہے ہوں گے۔

قبل مسیح کا یونان جو اپنے علم وفلسفہ اور تہذیب مدن کے لئے مشہور رہے، اجتماعی کھیلوں کے دان میں بھی اپنی تاریخ رکھتا ہے، دور حاضر کے یمپک (OLYMPIC) مقابلے اسی عہد قدیم یادگار ہیں جو یونان میں ہر چار سال بعد ہوا کرتے ے لیکن اولیمپک (OLYMPIC) کا لفظ صرف ی اور ورزشی مقابلوں کے لئے ہی خاص تھا۔

عربی کا مقولہ" العقل السلیم فی الجسم سلیم اور انگریزی کا مقولہ SOUNDBODY HAS SOUNDMIND (یعنی صحت مند سم میں صحت مند دماغ ہوتا ہے) بالکل درست ے۔ ورزشی کھیل جہاں جسمانی وذہنی نشوونما اور ساط کا موجب ہے وہیں باہمی اتفاق واتحاد اور تماعی انس ومحبت کے معصوم جذبے کے اظہار کا ں ذریعہ ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ کھیل یا ورزش کے لئے ایک معیّن اور محدود وقت کا ہونا ہی مفید وضروری ہے۔

ہاکی، فٹ بال، والی بال یا اس قسم کے کھیل جو ایک معین اور محدود وقت میں ہوتے ہیں، تیز رفتاری سے کھیلے جاتے ہیں اور ان کھیلوں کی تیز رفتاری ایک طرف کھلاڑی کی جسمانی قوت وچستی کی طالب ہوتی ہے تو دوسری طرف کھیل کی تکنک اور اصولوں پر گرفت رکھنے کے لئے ہر لمحہ ذہنی بیداری اور چوکسی کی متقاضی بھی، اور ایک محدود وقت میں مسابقت کا یہ تیز رفتار مظاہرہ حاضرین اور تماش بینوں میں بھی انشراح وانبساط کی لہر دوڑائے بغیر نہیں رہتا اور ایک محدود وقت میں کھلاڑیوں کے لئے انبساط وصحت مندی کی وہ مکمل غذا ہوتی ہے جو کھیل کا مقصد ہے۔

لیکن کرکٹ جس کا شمار ورزش کی قسموں میں سے کسی قسم میں تو کیا جاسکتا ہے لیکن دن بھر کھیلا جانے والا اور بعض صورتوں میں پانچ چھ روز تک سارے دن جاری رہنے والا یہ کھیل کسی طرح کھیل کہلانے کا مستحق نہیں اور اگر کسی طرح کھیل کہلانے کا مستحق ہو جب بھی اس میں تضیع اوقات کی جو خاصیت اور وبا کی شکل اختیار کر لینے کی جو صلاحیت ہے اور جس طرح یہ عوام کو اپنے وبائی شکنجے میں لے لیتا ہے وہ ملک ومعاشرہ کے لئے انتہائی افسوسناک اور خسارے کا سبب ہے۔ ہفتوں جاری رہنے والا یہ سیریز وار کھیل جس ملک اور جس شہر میں ہوتا ہے سیکڑوں آفتیں اپنے ساتھ لاتا ہے۔ تمام تعلیمی ادارے خواہ اسکول کالج ہوں یا یونیورسٹیاں عملاً معطل ہو کر رہ جاتی ہیں اور خواہ امتحانات کا قریبی زمانہ کیوں نہ ہو، طلبہ کا قیمتی وقت کرکٹ کی نذر ہو کر رہ جاتا ہے۔ تمام سرکاری ونیم سرکاری دفاتر بھی اس طرح معطل ومفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں کہ ان کے عملے کے لوگ یا تو کھیل کے میدان میں پہونچ کر بہ نفس نفیس محو تماشا ہوتے ہیں یا ٹیلی ویژنوں سے اپنا اٹوٹ رشتہ جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ کئی روز تک بلکہ کئی ہفتوں جاری رہتا ہے۔ اس عرصے میں نہ جانے حکومتی سطح پر کیا کیا نقصانات ہوتے ہوں گے اور کتنے ضرورت مندوں پر کیا کیا گذر جاتی ہوگی لیکن حکومتیں مہر بلب اور بے دست وپا نظر آتی ہیں۔ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا عوام کا ایک بڑا طبقہ تو اپنی تمام ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر ریڈیو اور ٹیلی ویژنوں کے سامنے اس طرح دھرنا دے کر بیٹھتا ہے جیسے اس سے بڑھ کر خوشی کا کوئی اور موقع ہو ہی نہیں سکتا ہے اور استغراق کا یہ عالم کہ گھریلو سودا وسلف تک کا بھی ہوش نہیں رہتا، ہلکی پھلکی اور معمولی چیزیں کھا کر رہ جاتے ہیں لیکن ٹیلی ویژنوں کے پاس سے ان کا ہٹنا آسان نہیں ہوتا۔

برطانوی دانشور برنارڈ شا (BERNARD SHAW) نے کرکٹ کی لایعنیت اور لچرپن پر کچھ انھیں لفظوں میں کہا تھا کہ "گیارہ بے وقوف (کھلاڑی) وہ ہوتے ہیں جو اسے کھیلتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور گیارہ سو بے وقوف وہ ہوتے ہیں جو اسے بیٹھ کر دیکھتے اور تالیاں بجاتے ہیں اور گیارہ ہزار بے وقوف وہ ہوتے ہیں جو محض سن کر ہی تالیاں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں" لیکن اب تو گیارہ کروڑ بلکہ ایک سواد اعظم اس کا دیوانہ نظر آتا ہے اور دوران کھیل نہ جانے کیا کیا قبائح، ہوٹنگ، شور شرابے اور لغویات کھیل کے میدان میں اور جا بجا آبادیوں میں عام ہوتے ہیں اور کھیل کا نتیجہ خلاف منشا ہو جانے پر ایسی وحشت وناشائستگی اور ناہنجاری کا مظاہرہ

کیا جاتا ہے کہ اپنی ہی ٹیم کے ارکان کو جوتے چپلوں اور اینٹ پتھروں سے نوازا جاتا ہے اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا جاتا بلکہ کھلاڑی کے گھر پہونچنے سے پہلے ہی کھلاڑی کے گھر پر اور اس کے بے قصور گھر والوں پر پتھراؤ کیا جاتا ہے اور شکست کا بدلہ ان سے بھی لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وحشت کا یہ انداز کرکٹ کے علاوہ دوسرے کھیلوں میں کم ہی نظر آتا ہے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ ہے کہ کرکٹ کے شائقین چونکہ ایک طویل وقفہ تک اپنی مختلف ضروریات اور اپنا بیشتر وقت قربان کرکے اسی میں منہمک رہتے ہیں یہاں تک کہ اپنی بھوک پیاس سے بھی صرف نظر کرکے اسی کے ہو رہتے ہیں اس لئے ان کے دل و دماغ بڑی حد تک اس سے متأثر ہو چکے ہوتے ہیں لہٰذا خلاف منشا فیصلہ ہونے پر وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور وحشت و تخریب اور ناہنجاری پر اتر آتے ہیں۔

قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ کرکٹ کے نتیجہ کو "بائی چانس" (BYCHANCE) پر محمول کیا جاتا ہے یعنی کرکٹ کی ہار جیت میں کھلاڑیوں کی کارکردگی سے کہیں زیادہ اتفاقات کو دخل ہوتا ہے اور جس نتیجۂ عمل کو کارکردگی سے زیادہ اتفاقات نے شکل و صورت عطا کی ہو ظاہر ہے کہ اس کی لغویت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے اور اس کی تحسین یا تنقیص کس بنیاد پر کی جاسکتی ہے! لیکن تعجب ہے کہ ایسے مہمل اور لایعنی کھیل کی حکومتوں کی جانب سے بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اس کے کھلاڑیوں کو نہ معلوم کن خدمات کے عوض موٹی رقموں اور انعامات و اکرامات سے نوازا جاتا ہے جبکہ اس کھیل کے لئے بین الاقوامی سطح پر کچھ ایسے ضابطے ہونے چاہئیں جن کے ذریعہ افراتفری، وحشت، بے اعتدالی اور انتشار پھیلانے والے اس بے زمام جانور کو حدود میں رکھا جاسکے۔

ہندوستان کے نکمے رئیسوں نے شطرنج کو حرز جاں بنایا تھا، برطانیہ کے نکمے رئیسوں نے کرکٹ کا مشغلہ ایجاد کیا تھا۔ جس چیز کی بنیاد ہی تضیع اوقات اور بگاڑ پر ہو اس سے اچھی توقع بھی کیا رکھی جاسکتی ہے!!

بقیہ:- دہلی کا نیشنل کنونشن

اپنی جادو بیانی سے تریاق کا کام لے، الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے بعد ہم لوگوں کے سامنے ایک (COMMON MININUM PROGRAMS) رکھیں، انہوں نے ملک کے تعلیمی ڈھانچے اور مائناریٹی کمیشن کے بے اثر ہونے پر بھی سخت نکتہ چینی کی۔

دن بھر کے اس کنونشن میں کئی لوگوں کی تقریریں ہوئیں۔ جنمیں شری باغنا، سید شہاب الدین (ایم پی)، جتھے دار ہربندر سنگھ (سابق ایم پی) بریگیڈیر چترنجن ساونت، ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا دیوندر بھائی، ڈاکٹر وائی پی آنند اور پروفیسر کپل کمار اور راجیہ سبھا کی نائب صدر نجمہ ہبت اللہ قابل ذکر ہیں

کنونشن کے وسط میں بدمزگی اس وقت پیدا ہوئی جب گاندھی جی کے پرانے ساتھی اور مشہور مفکر سریش رام بھائی جی نے اپنی تقریر میں کھل کر پاکستانی اخبارات، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال اور اسلام کے نظریۂ وحدت پر تنقید کی۔ کہا کہ "ہمارا آپ کا اتحاد ہو ہی نہیں سکتا جبکہ تم تصور وحدت کے قائل ہو اور ہم ایک سے زیادہ خداؤں کی عبادت کرتے ہیں۔ ساتھ رہنے کے عمل کو اتحاد نہیں کہہ سکتے، پاکستانی اخبارات کرکٹ جیسے کھیل میں بھارت کی ٹیم کو کافر لکھتے ہیں جبکہ مولانا محمد علی جوہر نے خود گاندھی جی کو کافر کہا ہے اور لکھا ہے کہ ایک تانگے والا مسلمان میری نظر میں گاندھی جی سے افضل ہے۔ اسی طرح اقبال نے پاکستان بنایا۔ انہوں نے مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا کیوں لکھا؟ یہ کیوں نہیں لکھا مذہب ہمیں سکھاتا آپس میں پیار کرنا۔

پانڈے صاحب نے راقم الحروف کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اس پیدا شدہ بدمزگی کا جواب دینے کے لئے کہا۔ چونکہ یہ دھماکہ اچانک تھا اور اس موقر محفل میں کوئی اس کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے راقم الحروف نے اپنے تمامتر حواس اور نام نہاد علمی اور تقریری صلاحیتوں کو مجتمع کرکے بھرپور وار کیا اور تالیوں اور تحسین کی گونج میں اس نظریے کا مسکت جواب دیا اور تعمیری جہت میں سوچنے کی بات کہی، اسکے بعد کنونشن کا رخ بدل گیا اور ہر مقرر اس نئے نظریے کی خوب خوب غبرلی

اس کنونشن کی جملہ کارروائی اور تجاویز ابھی مرتب ہو رہی ہیں اور ایک (PRESSURE Lobby) کی تشکیل ہو رہی ہے کہ وہ مندرجہ تمام برائیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے عملی میدان میں کود پڑے۔

طلبہ کا صفحہ

محمد عرفان صدیقی ندوی

"بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق"

ہزاروں سال قبل جب دنیا تہذیب و تمدن کے لفظ سے ناآشنا تھی اور زندگی گذارنے کے آداب اور طور طریقے انسانوں کے دسترس سے باہر تھے جہالت لوگوں میں عام ہو چکی تھی ظلم و ستم کو انسانوں نے اپنا طرزِ عمل اور شرک و بدعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا انسانیت پر شیطانیت شب خون مار رہی تھی، قتل و غارت کا بازار گرم تھا انسان حلال و حرام کے تمیز کے بغیر ہر ناجائز چیز سے فائدہ اٹھا رہا تھا اپنے بغض و عداوت کے اظہار کے لئے غیر ضروری چیزوں کو بہانا بنا کر لوٹتا تو حریفوں کے گھروں میں آگ لگا دیتا اور ان کو تباہ و برباد کر دیتا تھا بے پردگی کا عالم یہ تھا کہ عورتیں ستر پوشی کرنا کافی سمجھتی تھیں لیکن اس کے باوجود اس وقت بھی اس دنیا میں زندگی کو کامیابی اور خوش حالی سے ہمکنار کرنے کا جذبہ موجود تھا اس جذبہ کو عام کرنے اور عملی جامہ پہنانے کے لئے انسانوں نے اپنی طاقت کے مطابق کوششیں کیں کسی نے بہادری کے میدانوں میں عوام کو خوش کر کے اس جذبہ کو تسکین پہونچایا تو کسی نے اپنی قوت و ہمت پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو خوش حالی سے ہمکنار کیا لیکن تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھی جنہوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ پر اعتماد کیا، اپنی ذات پر یقین رکھا، منزل کی جستجو میں کانٹے دار راستہ کو بھی طے کیا اور سنگلاخ راستوں کو ہموار کر لیا جانی، مالی قربانی دی یہاں تک کہ اپنی محبوب اولاد اور عزیز جان کو بھی اس راہ میں پیش کرنے میں ماتھے پر شکن تک آنے نہیں دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا ان کے قدم چومنے پر مجبور ہو گئی۔

جب ہم تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بے مثال قربانی کی ایک مثال قائم کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ماں باپ، عزیز و اقارب سے الگ تھلگ ہو گئے اور کسی کی پروا نہیں کی اور عزیز ترین اولاد کو بھی قربان کرنے میں تامل نہیں کیا نمرود نے آپ کو عقیدۂ توحید سے ہٹانے کے لئے آگ جلائی، آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے شعلوں میں پھینکنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں، کفر خوش ہے کہ آج کے بعد ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے والا کوئی نہیں ہوگا ادھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے اللہ کے پیارے خلیل! کوئی حکم، کوئی حاجت، آپ نے فرمایا "اما الیک فلا" تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں پھر جبریل نے عرض کیا اچھا تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کیجئے! آپ نے فرمایا ؎

جانتا ہے وہ مرا رب جلیل
آگ میں پڑتا ہے اب اس کا خلیل

بالآخر نمرود نے آپ کو آگ میں ڈالا اور آپ آگ میں خوشی سے داخل ہو کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور دنیا اس منظر کو دیکھ کر حیران ہو گئی علامہ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عقل ابھی تماشا ہی دیکھ رہی تھی کہ عشق نے چھلانگ لگا دی، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:۔

"یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ"

اے آگ میرے ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی ہو جا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دنیا میں دو چیزیں سب سے عزیز ہوتی ہیں جان، اولاد، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان قربان کر کے رضائے مولیٰ حاصل کی پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کا لقب عطا فرمایا، لقب کو مزید پختہ کرنے کے لئے لختِ جگر کو قربان کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ جان کے بعد اولاد کا مقام آتا ہے، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر بلوغت کے قریب پہونچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی قربانی کا حکم دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر سے فرماتے ہیں:۔

"یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی"

اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں بتا تیری کیا مرضی ہے

سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ"

اے ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے بلا خوف و خطر پورا فرمایئے مجھے آپ انشاء اللہ صبر کرنے والے پائیں گے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام امتحان میں کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ

باقی ص ۹ پر

مطالعہ میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

"اسلام خصوصیات اور عقائد" ترجمہ از مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری، اصل عربی کتاب کا نام "الاسلام وحاجة الانسانية اليه" از ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ۔ (یہ اردو ترجمہ اصل کتاب کے پانچ بابوں میں سے صرف تین بابوں کا ترجمہ ہے) سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۲۲۴، کتابت وطباعت متوسط، قیمت پچاس روپئے۔

ملنے کا پتہ:۔ دار التصنیف والترجمہ۔ ۲۷ رفیقیہ اسکول روڈ۔ بھوپال۔

جناب حبیب ریحان صاحب ندوی محتاج تعارف نہیں، آپ سابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء اور دار العلوم تاج المساجد بھوپال کو قائم کرنے والے اور اس کے سابق روح رواں اور تاج المساجد جیسی شہرۂ آفاق فنادر مسجد کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے والے جناب مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ہیں اور اصحاب قلم وتدریس میں ایک مقام رکھتے ہیں۔

——— کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ عام کتابوں جیسی کوئی کتاب ہوگی، لیکن ایسا نہیں ہے، کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے، دینی مدارس کے اونچے درجات کے طلبہ کے لئے اس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے، علماء واساتذہ کو بھی اس کتاب کے مطالعے سے ان کے کام میں بڑی مدد ملے گی۔

کتاب کے بعض عناوین درج کر رہا ہوں جن سے اہل علم کو کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔ "اسلام واضح اور فطری دین ہے" "اسلام انسانیت کا دین ہے" علم کلام کی ابتداء وارتقاء، اللہ کی وحدانیت ہدایت وضلالت، نبوت ورسالت، اخروی زندگی" معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان مصنف کا محاکمہ قابل دید ہے۔

کتاب کو تین ابواب پر منقسم کیا گیا ہے، پھر ہر باب فصلوں پر منقسم ہے ہر فصل کے عناوین پر اطمینان بخش گفتگو ہے، مترجم کے حواشی اور آخر کے ضمیموں نے ترجمہ میں چار چاند لگا دیا ہے۔

ہر بیان آیات قرآنی اور تاریخ اسلامی کے استدلالات سے مزین ہے لوذ دل کو لگتا ہے۔ بعض بیانات کے مراجع کے حوالوں کی کمی محسوس ہو رہی ہے مترجم خود کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب کا ترجمہ نہ لفظی ہے اور نہ لسن ترجمانی ہے بلکہ اس طرح ترجمانی کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو اسلوب میں مصنف کا صحیح اور پورا مفہوم منتقل ہو جائے بعض جگہوں پر حواشی اور ضروری تشریح بھی کی گئی ہے، ڈاکٹر صاحب نے بعض مقامات پر مراجع کا حوالہ نہیں دیا ہے اس کی کمی محسوس کی جائے گی"۔

کاش کہ کتابت ذرا واضح ہوتی تو پڑھنے والے کا دل پڑھنے میں زیادہ لگتا۔

مشورے:۔ آئندہ ایڈیشن میں بعض اصلاحات کا مشورہ ہے۔

ص ۴۶ سطر ۱۳ اپنی رام کہانی سنانی کی تعبیر کو بدل دیا جائے۔

ص ۱۸۱ "ایمان کی تعریفات ومباحث" عنوان کی ترکیب پر نظر ثانی فرمائی جائے۔

ص ۱۵۹ پہلے پیراگراف کی چار سطروں میں "کیونکہ" کا تین بار استعمال نظر ثانی کا محتاج ہے۔

مجھے یقین ہے کہ مولانا نے کتاب پڑھ کر خود فیصلہ فرمایا ہوگا کہ اردو ادب کے لحاظ سے متعدد جگہیں قابل اصلاح وترمیم ہیں لیکن اس کا موقع تو اب اگلے ایڈیشن سے پہلے ممکن نہیں۔

ان مشوروں سے کتاب کی افادیت متاثر نہیں ہوتی، کتاب بہر حال حد درجہ مفید وکار آمد ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

بقیہ:۔ درس حدیث

خَیْرًا کَثِیْرًا (نساء ۔ ۱۹)

اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس میں سے بہت سی بھلائیاں پیدا کر دے۔

اس آیت کی روشنی میں مرد کو حلم و صبر سے کام لینا ہوگا، خواہ ناگوار بات ہی کیوں نہ پیش آئے، مرد کا حلم و صبر ناگواری کے پس پردہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سی بھلائیاں ہوتی ہیں جو صبر کا مرحلہ گذار کر ہی حاصل ہوتی ہیں، آیت کہ " فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا " کیا معلوم کہ یہی عورتیں جو ناپسندیدہ ہیں بڑی خیر و برکت کا سبب بنیں، اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس خیر کو محفوظ رکھے، لہٰذا یہ ٹھیک نہیں کہ یہ خیر ہاتھ سے نکل جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصہ میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دوگے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کروگے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت ہے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت ابوہریرہ ہی سے ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی مومن بندہ مومن عورت کو نقصان نہ پہونچائے اگر اس کی ایک عادت ناپسند آئے گی تو اس کی دوسری عادت کو وہ پسند کرے گا۔" (احمد، مسلم)

اسلام بیوی کے انتخاب میں اس کی نشانیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے کہ اس کی روشنی میں آدمی بیوی کا انتخاب کرے،

حضرت سعید مقبری حضرت ابوہریرہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی بیوی اچھی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:- " اچھی بیوی وہ ہے کہ اسے دیکھ کر شوہر خوش ہو، اور اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کو مانے، عورت اپنے جان و مال میں شوہر کی مرضی کے خلاف ایسا تصرف نہ کرے جو اس کو پسند نہ ہو۔ (سنن نسائی)

بندہ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں اہل و عیال اور خود بیوی کی تربیت، دعوت و اصلاح کی فکر کرے اس لئے کہ مسلم گھرانا ہی جماعت اور مسلم معاشرہ کا بیج اور بنیاد ہے۔ گھر ہی وہ خلیہ ہے کہ اس سے اور دیگر خلایا سے اسلامی معاشرہ کا زندہ جسم تیار ہوتا اور پروان چڑھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مرد و عورتوں دونوں کے لئے نازل ہو رہا تھا اور گھریلو نظام کو اسلامی طریقہ پر منظم و درست کر رہا تھا۔ مسلمانوں پر ان کے گھر والوں کی ذمہ داری ایسے ہی ڈال رہا تھا جیسے کہ خود ان کی ذات کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

" یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ "

مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں، جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (تحریم ۔ ۶)

بقیہ:۔ امریکہ میں اسلام

اپنی بات حکومت تک پہنچا سکیں اور منوا سکیں۔

۱۹۹۶ء کے امریکی انتخابات میں مسلم گروہوں نے امریکی کانگریس کے ۷۷ امیدواروں اور گورنروں کی حمایت کا اعلان کیا تھا اس سال مسلمان صدارتی انتخاب میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں اور خیال ہے کہ مسلمان اس امیدوار کی حمایت کا اعلان کریں گے جو صدر منتخب ہونے کے بعد کسی مسلمان کو کم سے کم ایک اعلیٰ عہدہ پر نامزد کرے گا۔ ماضی میں امریکی مسلمانوں نے اپنی سرگرمیوں کو چند غیر اہم مسائل تک محدود رکھا ہے لیکن اب وہ سیاسی عمل میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ امریکی مسلم کونسل کے علاوہ امریکی اسلامی تعلقات کمیٹی اور مسلم سیاسی امور کونسل اپنی سے دوسرے شعبوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہیں اور انھوں نے اسقاط حمل، جرائم، منشیات کے استعمال اور بوسنیا جیسے مسائل پر اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا ہے یہ تنظیمیں عام امریکی مسلمان کو اس کے سیاسی جمہوری اور شہری حقوق سے باخبر کرنے کا کام بھی سر انجام دے رہی ہیں۔ ان تنظیموں کو اپنے کام میں افراد اور سرمایے کی کمی کا سامنا ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کے لیے سرگرم افراد کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں ہے جبکہ امریکی یہودی کانگریس کے سرگرم کارکنوں کی تعداد کئی لاکھ ہے۔ امریکی یہودی کانگریس کے اسٹاف کی تعداد ایک سو ہے اور اس کا سالانہ بجٹ ۷۵ لاکھ ڈالر ہے۔ اس کے مقابلے میں امریکی مسلم کونسل کے اسٹاف میں صرف دس افراد ہیں اور اس کا سالانہ بجٹ صرف چار لاکھ ڈالر ہے۔

مذکورہ بالا مسلم تنظیمیں پہلے سے قائم دو مسلم تنظیموں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (اسنا) اور اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (اکنا) کے تعاون سے سرگرم عمل ہیں اور فرقی نسل سے ایک

باقی ص ۲۵ پر



پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۱۰ جون ۱۹۹۶ء مطابق ۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ | شمارہ نمبر ۱۵

نگران اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی ۔ مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی ۔ مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی ۔ مولانا محمد رضوان ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ـــــــ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ـــــــ پانچ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک :۔

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

ـــــــ ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک :۔

بحری ڈاک جملہ ـــــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــــ منیجر

حامد

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے بارکہ آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

اداریہ

شمس الحق ندوی

جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

انسانی برادری کو تباہ کرنے کا خطرناک کھیل

ہماری آج کی دنیا جن طوفانی حوادث اور انسانی برادری کی تباہ کاریوں کے دور سے گذر رہی ہے۔ عقل و فہم اور علم و فراست رکھنے والوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے صرف ایک دن کی اخباری خبریں کافی ہیں۔ لیکن ان حوادث و تباہ کن حالات پر غور کرنے، ان کے حقیقی اسباب و محرکات کو معلوم کرنے اور اس کا اعتراف کرنے اور پھر ان کے ازالہ و مداوی کرنے کے سلسلہ میں سوچنے اور فکر کرنے والے لوگ دور دور تک نظر نہیں آتے۔

بلکہ اگر اس کی کچھ لوگ فکر کرتے ہیں تو الٹے انھیں کو مجرم ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کوشش ہی نہیں بلکہ ان سے ایسا ڈرایا جاتا ہے جیسے پھاڑ کھانے والے درندوں اور زہریلے سانپوں اور بچھوؤں سے ڈرایا جاتا ہے۔ جو لوگ انسانوں میں انسانیت کی جوت جگانے، ایک دوسرے سے پیار و محبت کرنے، ایک دوسرے کے رنج و غم میں شریک ہونے کی تعلیم دیتے ہیں، اچھے اخلاق سکھانے اور اچھا سماج بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کام کے لئے جگہ جگہ مدرسے قائم کر رکھے ہیں، انھیں کے کام کو تخریب کاری اور فساد پھیلانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دینی مدرسوں کا پہلا کام

ان دینی مدرسوں کا پہلا کام انسانی آبادی کے لئے ایسے انسان تیار کرنا ہوتا ہے جن کو انسانوں سے محبت ہو، وہ انسانوں کی بھلائی اور سکون و اطمینان پیدا کرنے والی باتوں کو رواج دیں۔ ان کے اخلاق اچھے ہوں، وہ سچے ہوں اور سچائی کا سبق سکھاتے ہوں، ان کے اندر کمزوروں کی مدد کرنے کا شوق اور جذبہ ہو، وہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں، ان کے ذہنوں میں خدا کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تازہ ہو۔ "الراحمون یرحمہم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (ترمذی، ابوداؤد)۔ (رحم کرنے والوں پر رحمان رحمت بھیجتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔) اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ نے ہر جاندار مخلوق کے ساتھ رحم و محبت کا حکم دیا آپ نے فرمایا: "الخلق عیال اللہ، فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ"۔ (بیہقی فی شعب الایمان) (مخلوق اللہ کی عیال (کنبہ) ہے تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب مخلوق وہ ہے جو اس کے عیال (کنبہ) کے ساتھ حسن سلوک کرے۔) اعلیٰ اقدار کی حامل اسی طرح کی بہت سی چیزیں مدرسوں میں بتائی اور سکھائی جاتی ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم ظلم و زیادتی سے روکتی اور اس کے خطرناک نتائج سے ڈراتی ہے جو انسانوں کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ دوست تو دوست دشمنوں تک کے ساتھ انصاف کرنے کا مدرسہ سبق پڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ"۔ (اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس گناہ پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو، تم ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو تقویٰ کی شان کے یہی زیادہ مناسب ہے)۔ (مائدہ)

یہ ہے بہت مختصر بلکہ خلاصۃ الخلاصہ مدرسہ کے اس کام کا جس میں پوری انسانیت بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساری مخلوق کی راحت کا سامان ہے اور آج اسی کے نہ ہونے سے پوری دنیا میں قتل و خونریزی کا بازار گرم ہے اور انسانی جانوں کی قیمت کیڑے مکوڑوں کے برابر بھی نہیں رہ گئی ہے فحش کاری اور بے حیائی نے جانوروں کو بھی مات کر دیا ہے۔

مگر یہ کتنی حیرتناک بات ہے کہ انسانیت کا سبق پڑھانے والے انھیں مدارس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، حد یہ ہے کہ اخلاقی انارکی اور دہشت و بربریت سے روکنے کی جتن کرنے والے انھیں مدرسوں کو دہشت گردی کی تربیت گاہ بتایا جارہا ہے ع

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے

کیا برسہا برس سے سری لنکا میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ کرنے والے لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ برما میں ظلم و جور کے جو پہاڑ مسلمانوں پر توڑے جا رہے ہیں کیا یہ ظلم کرنے والے لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ امریکہ و افریقہ میں سیاہ فاموں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا ہے کیا یہ لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے اور ہیں؟ فلسطینیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ برسہا برس سے توڑے جا رہے ہیں کیا یہ ظلم کرنے والے لوگ کسی مدرسہ کے تربیت یافتہ ہیں؟ روسی مسلمانوں کے ساتھ ستر سال تک جو سلوک کیا گیا اور اب بھی جاری ہے کیا یہ سب لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں؟ اور جو دو عظیم جنگیں ہوئی ہیں جن میں بے شمار جانیں گئی ہیں کیا یہ جنگ کرنے والے لوگ کسی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے؟ ہیروشیما اور اس سے قبل جلیان والا باغ میں جو کچھ ہوا ہے کیا یہ سب مدارس کے فارغ لوگ تھے؟ اور ہمارے ملک میں جو رہ رہ کر ایک طوفان سا اٹھتا رہتا ہے، عزتیں لٹتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، املاک و جائدادیں جلا کر خاک کر دی جاتی ہیں، اور حد یہ ہے کہ بسا اوقات خود وہ لوگ اس میں پورے دھیان گیان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں جو حفاظت کے لئے متعین ہوتے ہیں، بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے کیا یہ خون بہانے والے مدرسہ کے پڑھے ہوئے لوگ ہیں؟ آنکھ میں دھول جھونکنے کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔

جس جگہ اگر سانپ نکل آئے تو مارنے کے لئے ڈنڈا بھی نہ ملے اور جس جگہ پولیس وانتظامیہ کے لوگ آکر یہ کہیں کہ یہاں آکر آتما کو بڑا سکون ملتا ہے اس کو تو دہشت گردی کی تربیت گاہ کہا جائے اور جہاں قتل کے واقعات ہوں، ناجائز اسلحے برآمد ہوں، بم پھٹتے ہوں، ہر وقت پولیس کو چوکس رہنا پڑتا ہو، گرفتاریاں ہوتی رہتی ہوں اس کو امن و شانتی کی جگہ کہا جائے، یا کم از کم یہ کہ اس کے بارے میں زبان تک نہ ہلائی جائے۔

اس وقت مغربی میڈیا اپنی پوری توانائی اس پر صرف کئے دے رہا ہے کہ اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے، مسلمان دہشت گرد ہوتا ہے اور اپنے گریبان میں ہاتھ نہیں ڈالتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

اس وقت پورے میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے اس نے اسلام و مسلمانوں کے خلاف آگ اگلنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے، یہ ان کے پروٹوکول میں شامل ہے کہ "ہمارے قبضہ و تصرف میں ایسے اخبارات ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید کریں گے خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا انقلاب کی حامی، حتیٰ کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے، جو انتشار و بے راہ روی، جنسی و اخلاقی انارکی استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے۔" (مغربی میڈیا از مولانا نذر الحفیظ ندوی)۔ (تعمیر حیات ۲۵ نومبر ۱۹۹۳ء)

انسانیت سے قدیم بغض و عداوت، یہودی نسل کے تقدس پر ایمان کامل، اسرائیلی خون کی عبادت و پرستش کی حد تک عظمت اور تاریخ انسانی کے ہر دور اور روئے زمین کے ہر گوشہ میں بقیہ انسانی نسلوں اور قوموں کو ہر اہلیت و صلاحیت سے محروم سمجھنا، پوری دنیا پر تسلط حاصل کرنے کا منصوبہ، شر و فساد کا طبیعت ثانیہ اور افتاد طبع بن جانا، تشدد اور دہشت انگیزی کا قومی خصائص اور موروثی عادتوں کا درجہ اختیار کر لینا۔

یہ تصویر یہودیوں کی تاریخ کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح مزاج انسان کے ساتھ، اس لئے کہ سازش ان کی تاریخ کی سب سے بڑی بنیاد اور ان کے نظام زندگی کا سب سے بڑا ستون ہے یہ وہ محور ہے جس کے گرد ان کی ساری ذہانت اور کاوش گھومتی ہے، یہی وہ دماغ یا خفیہ ہاتھ ہے جو ہر بغاوت، انقلاب، سازش، تخریبی نظریات تباہ کن فلسفوں اور ہر قسم کی بے چینی، اضطراب، انارکی اور ہر طرح کے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی بحران کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ ان ساری باتوں کی تصویر ایک ممتاز یہودی ڈاکٹر آسکر کیوی نے اپنے اس فخریہ جملہ میں کھینچ دی ہے:۔

"ہم ہی دنیا کے حاکم اور مفسد ہیں، ہم ہی تمام فتنوں کو ہوا دیتے ہیں، ہم ہی جلاد ہیں۔"

جن یہودیوں نے اپنی تصویر خود اس طرح پیش کی ہے اور اس پر فخر کرتے ہیں وہ کس منہ سے ان اسلامی تعلیمات کو دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، تلمود تک کی تعلیم یہ ہے کہ "مسیحیوں کا قتل ان فرائض میں سے ایک ہے جن پر یہودی قاتل کو اللہ تعالیٰ بھرپور بدلہ عطا فرمائے گا۔"[1]

جن کی مذہبی تعلیم یہ ہو اور جن کا منصوبہ یہ ہو کہ پوری انسانی برادری کو اخلاق و اقدار سے عاری کر کے جانوروں کی صف میں لا کھڑا کیا جائے، وہ ان لوگوں کو دہشت گردی کا الزام دیں جو انسانیت کا سبق پڑھاتے ہیں، ان کے اخبار، ٹیلی ویژن اور ریڈیو سب اس کے لئے وقف ہوں اور اس جھوٹ میں ان کو ذرا جھجک نہ ہو یہ کتنی حیرتناک بات ہے، اور اس سے بھی حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں بھی انھیں کی راہ چلنے لگیں اور انھیں انسانیت دشمن لوگوں کی بولیاں بولنے لگیں اور یہ معلوم کرنے کی قطعاً فکر نہ کریں کہ انسانوں کی فلاح و بہبود کا سبق کہاں سے ملتا ہے، امن و سکون کے چشمے کہاں سے پھوٹتے ہیں، دنیا میں جہاں کہیں اخلاق و کردار کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہو وہ انھیں مدرسوں کی دین ہے، وہ اس اسلام ہی کی دین ہے جس کو بدنام کرنے اور جس کی صورت کو بگاڑ کر پیش کرنے کے لئے مغربی میڈیا اربوں بلکہ کھربوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔ یہودیوں کے پروٹوکول میں،

[1] عالم عربی کا المیہ از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

یہ بات بھی شامل ہے کہ میڈیا کے ذریعہ ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے اور جب مصلحت دیکھیں گے، انھیں پرسکون کر دیں گے، اس کے لئے ہم صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم یہودی ایسے مدیروں، ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جو بدکردار ہوں اور ان کا مجرمانہ ریکارڈ ہو، ہمارا یہی معاملہ بدعنوان سیاست دانوں، لیڈروں اور مطلق العنان حکمرانوں کے ساتھ ہوگا جن کی ہم خوب تشہیر کریں گے اور ان کو دنیا کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کریں گے، لیکن ہم جیسے ہی محسوس کریں گے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں بس فوراً ہم ان کا کام تمام کر دیں گے۔

جو بات ان کے پروٹوکول میں شامل تھی، آج کتنا کھل کر اپنے پورے اثرات کے ساتھ دنیا کی قوموں کے سامنے آگئی ہے۔ مگر اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی اپنی دانشوری کے دعوے کے ساتھ قومیں ان کے جھوٹے پروپیگنڈوں سے کس طرح متاثر ہیں کہ عقل و خرد سے ادنیٰ کام لئے بغیر انھیں مکاروں کے دام فریب میں پھنستی جا رہی ہیں۔ اور انسانوں کی فلاح و بہبودی کے راستہ کی جستجو میں نہیں لگتیں بلکہ یہودی جو کہہ دیں وہی پتھر کی لکیر بن جاتا ہے اور دنیا کی ساری قومیں اندھی بہری ہو کر اسی کے پیچھے دوڑنے لگتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا لے انسانیت ہلاکت کے مہیب غار پر آ کھڑی ہوئی ہے۔

ہم مشرقی قوموں کا فرض ہے کہ ان انسانیت دشمن لوگوں کی حقیقت کو سمجھیں اور اپنی حفاظت کی فکر کریں نہ یہ کہ ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر ہم بھی انھیں کی بولی بولنے لگیں اور ان اصولوں اور فطری ضابطوں کی تعلیم دینے والے افراد و مراکز کو دہشت گرد اور دہشت گردی کا اڈہ ہونے کا الزام دیں جن لوگوں اور جگہوں سے انسانیت کی فلاح و بہبودی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ٭

وقت کی سب سے نایاب جنس مردان کار اور مخلص عاملین

ضیاء الحسن فاروقی سابق پروفیسر جامعہ ملیہ دہلی علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب سے ان کو مخلصانہ تعلق تھا مرحوم کو بڑی محبت و احترام کی نظر سے دیکھتے اور ان کی سادگی و بے لوث خدمت سے بے حد متاثر تھے، مولانا سے متعلق تعمیر حیات میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر اور مولانا عبدالقیوم صاحب کی نظم پڑھ کر انھوں نے ایسے تاثرات کا اظہار کیا جو اپنے اندر ایک پیغام رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کا خط افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ادارہ)

محترم و مکرم جناب مولانا شمس الحق صاحب ندوی، مدیر تعمیر حیات۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے مزاج عالی بخیر ہوں گے!

۱۰ رمئی ۱۹۹۶ء کا شمارہ ملا، دیکھا اور اس سے مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی، اس میں ایک مضمون بصورت ٹیپ کی ہوئی ایک بہت اچھی اور ہمت افزا تقریر ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب قبلہ کا عنوان ہی ایک آشنائے راہ و منزل کی صدائے دردناک ہے: "وہ وقت کی سب سے نایاب جنس مردان کار اور مخلص عاملین" مولانا مرحوم کے فرزند ارجمند عزیزم سید سعید حسن کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ٹیپ سے نقل کر کے ریاض سے یہ تقریر بھیجی اور آپ نے خلوص و محبت سے اسے شائع کیا۔ جزاکم اللہ خیرا۔ حضرت مولانا مدظلہ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مولانا مرحوم کی شخصیت کا جو سب سے زیادہ آبدار موتی تھا اس کی چمک دمک کو اور روشن کیا، یعنی ان کی لگن، محنت، خلوص اور دلسوزی۔ اپنے خاص اسلوب میں بعض تاریخی حقائق کے بیان کے سہارے حضرت مولانا نے ان اخلاقی قدروں کو اجاگر کیا جو حیات انسانی کا نمک ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آدمی تو بہت ہیں لیکن مردان کار کہاں ہیں۔

گوئے توفیق سعادت درمیاں افگندہ اند   کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد   (حافظ)

عاملین کی کثرت ہے، مگر مخلصین کیا ہوئے؟ ہمارے معاشرہ اور اداروں کو اس خوفناک کمی، اس زیاں قومی کا احساس جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، ورنہ متاع کارواں گم اور ناکامی ہی ناکامی ہے۔

تعمیر حیات کی اسی اشاعت میں مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر تاثرات کے عنوان سے محمد عبدالقیوم شاکر صاحب کی ایک اچھی نظم ہے۔ محمد القیوم شاکر صاحب کی یہ نظم ان کے خلوص اور مولانائے مرحوم سے ان کے گہرے تعلق خاطر کی آئینہ دار ہے۔ ان کے اس شعر میں

شاکر خستہ جگر تھا ان کا اک ادنیٰ غلام   جس کے باعث تا فلک پہونچی کلاہ دہقاں

گاؤں گاؤں قیام مکتب و مدارس، ان کی دیکھ بھال اور ان کی بقاء و ترقی کے لیے مخلصین کی جد و جہد جس میں بہت سے اللہ کو پیارے ہوئے، غرض ایک تاریخی کیفیت بیان ہو گئی ہے۔ غور کیجئے تو کتنے اللہ والوں کی جگر سوز آہیں اس ایک شعر میں سموئی ہوئی ہیں۔ سچ کہا ہے:

جو خدا کی راہ میں مرتے ہیں وہ مرتے نہیں۔

ان کی یاد مختلف شکلوں میں آتی رہتی ہے۔ اور اس طرح جیسے وہ زندہ ہوں!

غرض مولانا مرحوم کی یاد میں لکھی جانے والی نظموں میں یہ نظم اپنے حقیقی، پر خلوص اور گہرے تاثرات کے سبب نمایاں ہے اور شاید نمایاں رہے گی۔

آپ کا مخلص
ضیاء الحسن
دہلی۔

ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ملک کے موجودہ حالات میں ہم کو جائزہ لینا پڑے گا کہ وہ کون سی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہمارے سماج میں نفوذ کرکے اسے کھوکھلا، مفلوج اور ملک کی تعمیر و ترقی کی کوششوں کو بے اثر بنا رہی ہیں، اس ملک کے لیے جو حقیقی خطرات ہیں ان کی نشاندہی نہ کی جائے تو یہ ایک بہت بڑی خیانت ہوگی، میں میدان سیاست کا کوئی شہسوار نہیں، مذہب و تاریخ اور اخلاقیات کا ایک طالب علم ہوں، اس طرح کے آدمی کی زبان سے تنقید و اصلاح کی کوئی بات نکلے تو اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے.

ہمارے ملک کے لیے پہلا خطرہ

اس ملک کے لیے اولین اور اہم ترین خطرہ یہ ہے کہ یہاں انسان کی صحیح قدر و قیمت اور انسانی شرف و عزت کا پورا احساس نہیں، اس سلسلے میں میرا نقطۂ نظر اور تاثر ایک عملی انسان کا ہے، میری قسمت اس ملک سے وابستہ ہے، میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، میں زندگی کی منجدھار میں ہوں، میں ایسی جگہ کھڑا ہوں جہاں کا ہر مسئلہ مجھ پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے، میں بیرون ملک اگر یہ بات کہتا تو اس کی حیثیت دوسری ہوتی، حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت کو نہ پہچاننا کسی سماج کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے بلکہ انسانی جان کا بے قیمت ہو جانا تہذیب و تمدن اور انسانیت کے مستقبل کے لیے پیام موت ہے ؎

غارت گر اقوام ہے یہ صورت چنگیز

برادر کشی زوال کی علامت ہے۔

کسی ملک کی آبادی خواہ کتنی کثیر ہو اس کے پاس قدرتی وسائل کی کتنی ہی بہتات ہو، وہ ملک کتنا ہی زرخیز اور دولت مند ہو، اس میں تعلیم کیسی ہی اعلیٰ مدارج تک پہونچ چکی ہو، کوئی چیز ایسے ملک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی جو برادر کشی کے مرض میں مبتلا ہو۔

یہ بڑی حسرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے کبھی زمانۂ قدیم میں پریم کی سُریلی بانسری بجائی تھی اور دلکش لے میں ہندی، سنسکرت، فارسی، اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا، اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا، اور جس سرزمین سے گاندھی جی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں انسان دوستی کا وسیع لٹریچر ہے اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا پورا احساس نہیں۔

ہر چیز انسان ہی کے تعلق سے بامعنیٰ اور قیمتی ہوتی ہے

یہ احساس و خیال اس ملک میں رچ بس جانا چاہیئے تھا کہ زبانوں کے مسائل، کلچر و تہذیب کے مسائل، رسم الخط کے مسائل، انسان کے مسائل ہیں اور اس کے تابع ہیں۔ انھیں انسانوں نے پیدا کیا ہے، ان کے اندر جو کچھ کشش اور معنویت ہے، وہ انسان کی نسبت سے ہے، اگر انسان کی جان محفوظ نہیں تو کیسی زبان، کہاں کا کلچر، کہاں کے دریا، کیسے پہاڑ کیسا ادب و لٹریچر، کہاں کی شاعری، ان چیزوں میں کوئی معنویت نہیں، معنویت تو انسان میں ہے، میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا، آپ بخوبی واقف ہیں اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس ملک میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا جتنا عمیق احساس ہونا چاہیئے، وہ نہیں ہے، انگریزوں کی تفرقہ انگیز سیاست، فرقہ پرستی اور جذبۂ احیائیت (REVIVALISM) کا اس میں کتنا حصہ ہے اس کا تعین مؤرخ کا کام ہے۔

معمولی واقعات پر قتل و غارت گری کا طوفان

بعض اوقات ایک درخت یا جانور کے خاطر یا کسی قدیم چیز کو زندہ کرنے کے جوش میں یا احیائیت کے جذبہ سے سیکڑوں انسانوں کا خون کر دیا جاتا ہے، اور ایسے ناخوشگوار، دل آزار اور شرمناک واقعات ظہور میں آتے ہیں جن سے ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں، ایک لہر اٹھتی ہے اور وہ انسانوں کے متاع، جان و مال کو بہالے جاتی ہے جن سے دنیا کی آبرو قائم ہے، جن کی خاطر اس کائنات کا حسن، فلسفہ، شاعری، ادب و ثقافت اور زندگی کی چہل پہل ہے، وہ انسان ظلم و بربریت کا شکار ہوتا ہے جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے اور جس کے ساتھ ہم رہتے بستے ہیں، اور جن کے ساتھ پوری زندگی گزرتی ہے، یہ صورت حال ملک کے لیے بڑی خطرناک ہے کہ یہاں کسی انسان کا وجود برداشت نہ کیا جائے۔

اس ملک میں بڑے بڑے دانشور ہیں، یونیورسٹیوں کی تعداد شاید کسی ملک میں اتنی ہو جتنی یہاں ہے، مگر یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ یہاں کبھی کبھی ایسی ذہنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان سے بڑھ کر یہاں کوئی گردن زدنی اور کشتنی نظر نہیں آتا، بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ اس ملک میں انسان کی

قیمت کا پورا پورا احساس ہو، یہ عقیدہ ہو کہ سب چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان کسی کی خاطر نہیں۔

ایک فلسفی کا قول

میں نے کہیں ایک فلسفی کا قول نقل کیا تھا کہ "جو بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے، وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں لیکن ہم انسان اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اعلان کرتے ہیں کہ نسل انسانی زندہ رہنے کی مستحق نہیں، انسان کے اس دنیا میں آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے زندہ رہنا چاہئے خوش و خرم رہنا چاہئے، اور پروان چڑھنا چاہئے۔ خدا نے جب اس پر اعتماد کیا ہے تو ہم کیوں اس پر بے اعتمادی کریں"۔

انسانی دستور کی پہلی اور اہم دفعہ

آج ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے مضمون نگاروں، شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی ضرورت ہے جو سارے مسائل بالائے طاق رکھ کر گھر گھر، محلے محلے، گلی کوچے اس کی تبلیغ کریں کہ دستور ہند کی پہلی دفعہ چاہے جو کچھ ہو مگر ہمارے دستور زندگی کی سب سے اہم اور پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے، ہم اپنی سوسائٹی کے خوش نما چہرے پر بدنما داغ دیکھ رہے ہیں، اور ہم خاموش ہیں۔

اسلام میں انسان کا مقام

اب میں آپ سے کہوں گا کہ اسلام کی تعلیمات اس سلسلے میں ہماری بڑی مدد کر سکتی ہیں، اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ انسان قدرت کا شاہکار ہے اور اس دنیا کے باغ کا سب سے حسین پھول۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (سورۂ والتین) — ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پر تعظیم و تکریم کا تاج رکھا ہے:-

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل-۷۰) — اور ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت بخشی۔

اور اس کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعزاز اور اعتماد کے اظہار کا طریقہ نہیں۔

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (سورۂ بقرہ-۳۰) — بیشک میں زمین میں (آدم کو) اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

خدا نے فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم دیا جس سے اس کا اظہار ہو کہ اب اس کے لیے خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی اور طاقت نہیں ہے جس کے سامنے اس کو جھکنے کی ضرورت ہو۔

انسان کے قدر و قیمت کی انتہا یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کو خدا کا کنبہ کہا گیا ہے، "اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ" (صحیح حدیث)

انسان کا خدا کے ساتھ اور خدا کا انسان کے ساتھ جو نازک تعلق ہے اس کے لیے وہ پیرایۂ بیان اختیار کر گیا ہے، جس سے زیادہ طاقتور اور دلنشیں پیرایۂ بیان نہیں ہو سکتا، ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ قیامت میں انسان سے کہے گا کہ میرے بندے میں بیمار تھا تو عیادت کو نہیں آیا وہ کہے گا کہ پروردگار تیرے مرض اور عیادت کا کیا سوال؟ تو تو سارے جہاں کا پروردگار ہے، ارشاد ہوگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو اسے دیکھنے نہیں گیا، اگر تو اس کو دیکھنے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، پھر ارشاد ہوگا اے انسان! میں نے تجھ سے غذا طلب کی تھی، تو نے مجھے غذا نہیں دی، وہ کہے گا کہ پروردگار میں تجھے غذا کیا دیتا تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے چاہا تھا کہ تو اس کا پیٹ بھر دے اسے کھانا نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ ویسے ہی جواب دے گا ارشاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ یاد رکھ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا" (صحیح مسلم)

پھر خدا نے انسان کی جان کی قیمت اتنی بڑھا دی کہ وہ فرماتا ہے:-

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (سورۂ مائدہ-۳۲) — جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔

انسانی زندگی کی حرمت و عظمت کے مسئلہ میں ایک اور سو، قلت و کثرت، فرد اور جماعت میں کوئی فرق نہیں ایک ایک فرد قیمتی اور ایک ایک جان انسانیت کی عزیز متاع ہے، ایک فرد کو پوری سوسائٹی کا قائم مقام بنانا کسی انسانی ذہن میں نہیں آسکتا۔

ملک کے لیے دوسرا خطرہ

ملک کے لیے دوسرا عظیم خطرہ جو اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، تنگ نظری اور تہذیبی، لسانی اور علاقائی عصبیت ہے۔ اسی بیماری نے ہمارے ملک کو ماضی میں ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ اور باہر کی طاقتوں کو یہاں آنے کی دعوت دی یہ عفریت اب بھی موجود ہے جسے بعض بیرونی اور اندرونی حالات نے دبا رکھا ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ الف لیلہ کے افسانوی دیو کی طرح کسی بھی وقت بوتل سے باہر آسکتا ہے۔

اس ملک میں جنوب و شمال میں بڑی بیگانگی اور بے اعتمادی ہے، جو کسی وقت رنگ لا سکتی ہے، پھر برادریوں اور ملک کے مختلف طبقوں کے درمیان بڑی بڑی دیواریں کھڑی ہیں، ہر طبقہ اور برادری ایک مستقل دنیا ہے، ایک برادری دوسری برادری کے افراد کو اسی غیریت اور اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، جیسے ایک قوم دوسری قوم کو

اپنی برادری کے لیے وہ ہر طرح کی ناانصافی اور حق تلفی کو روا رکھتی ہے اور اس کو نہ صرف جائز سمجھتی ہے بلکہ ایک بڑی خدمت اور عبادت سمجھتی ہے۔ اگر کسی محکمے میں کسی برادری کا کوئی فرد پہونچ جاتا ہے تو سارے محکمے کو اپنی برادری کے لوگوں سے بھر دیتا ہے اور اس میں کسی اہلیت اور نااہلیت اور مستحق اور غیر مستحق کا لحاظ نہیں رکھتا ہماری سوسائٹی کا یہ وہ روگ ہے جو اسے گھن کی طرح کھا رہا ہے، اور جس نے تمام انتظامیہ کو کھوکھلا اور کمزور بنا دیا ہے۔

اسلام ہی رہنمائی کرسکتا ہے

تنگ نظری اور لسانی و نسلی اختلافات کو دور کرنے اور فراخ دلی و بے تعصبی اور انسانی وحدت کا خیال و جذبہ پیدا کرنے میں بھی اسلام ہی بیش قیمت مدد اور صحیح رہنمائی کرسکتا ہے، حب الوطنی کے صحیح جذبے کے تحت یہ دیکھے بغیر کہ یہ اصول و نظریہ اور یہ بات کہاں سے آئی ہے اور اس کا کہنے والا کون ہے؛ صحیح اور مفید بات کو اپنائیے اگر کسی مکان میں آگ لگ جائے تو اسے بجھاتے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بالٹی کس کی ہے اور پانی کہاں کا ہے، کسی مکان یا بستی کی تباہی سے کہیں زیادہ ملک و قوم کی تباہی ہے، ملک کو خطرات سے بچانے، اسے سالمیت اور استحکام بخشنے کے لیے یہ نہ دیکھیے کہ ملک کے لیے مفید نظریات قرآن مجید یا حدیث نبوی سے ماخوذ ہیں، اسلام بلاشبہ ملک کو درپیش اس دوسرے خطرے کو رفع کرنے کے لیے بہترین رہنمائی کرسکتا ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا اصول اسلامی تعلیمات کا اولین اصول ہے، اسلام نے بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ نسل انسانی کا خالق بھی ایک ہے اور ان کا مورث اعلیٰ بھی ایک ہے، اسی لیے سب ایک ہی کنبے کے افراد اور ایک ہی ہستی کے پیدا کئے ہوتے ہیں، اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ (سورہ حجرات ۱۳) لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم میں قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت میں آسانی ہو۔

ملک کے لیے تیسرا اہم خطرہ

ہمارے ملک پر دولت پیدا کرنے کا ایک ایسا بھوت سوار ہو گیا ہے جس نے ملک کے حالات اور اقتصادی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے، ہر شخص اس فکر میں ہے کہ وہ راتوں رات دولتمند بن جائے، دولت حاصل کرنا برا نہیں، مگر جلد از جلد دولت مند بن جانے اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا شوق سخت خطرناک اور تباہ کن ہے، یہ شوق ایک لاوے کی طرح بہہ پڑا ہے۔ اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا ہے اس مرض کا شکار شہر، قصبات اور دیہات سب ہیں، دولت پرستی کا یہ جنون دیکھ کر بعض مرتبہ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز دم توڑ چکی ہے، صرف دو چیزیں زندہ ہیں ایک باہمی نفرت اور دوسرے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کی ہوس، جیتی، جاگتی حقیقتیں یہی دو ہیں اور باقی سب کچھ فلسفہ اور شاعری ہے باہمی منافرت کے واقعات آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں، کبھی اس نفرت کا رخ کسی فرقے کی طرف ہوتا ہے، کبھی کسی برادری کی طرف کبھی کسی کلچر، زبان یا علاقے کی طرف تو کبھی کسی سیاسی پارٹی کی طرف ہے۔

سیاسی پارٹیوں کا اختلاف اپنی جگہ، سوسائٹی میں اخلاقی خرابیاں ہر دور میں رہی ہیں مگر دولت پرستی کا اس طرح اعصاب پر سوار ہو جانا کہ اپنے مفاد کے لیے ملک کے مفادات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو یہ کس قدر تشویشناک بات ہے ۔

ہمارے یہاں مختلف تعمیری منصوبوں، پل، باندھ وغیرہ میں اتنی مقدار کا سیمنٹ اور مسالہ استعمال نہیں ہوتا جو اس کی پختگی کے لیے ضروری ہے ٹھیکیدار اور عملے کی ملی بھگت اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ ان کے اس عمل سے اس شہر کو نقصان پہنچے گا، کوئی محکمہ ایسا نہیں، جس میں رشوت کا بازار گرم نہ ہو، اس بات کو ذمہ دار بھی جانتے ہیں کہ دولت پرستی کا ایسا جنون جو ملک کے مفادات سے آنکھیں بند کرلے بہت بڑا خطرہ ہے، ایک شخص اپنی زندگی کو خوشحال بنانے اور اپنے گھر کی خواہشیں پوری کرنے کے لیے ملک کے عوام کو کس قدر نقصان پہنچاتا ہے چھوٹے سے چھوٹا کام ایمانداری اور سادگی کے ساتھ کرنا مشکل ہو گیا ہے ہر ایک کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور ہر قدم پر رشوت دینی پڑتی ہے، خود شہری زندگی کی آسائشوں اور حکومت کے انتظامات کے فائدوں سے محروم ہوتے جاتے ہیں، ہر شخص کی نظر دوسرے کی جیب پر ہے اور وہ اس کی ضرورت و مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اور کہیں انسانی ہمدردی اور سچی حب الوطنی کا نام نہیں۔

اس خطرے کا علاج

اس خطرے کا علاج صرف خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا خطرہ ایسی دانا و بینا ذات کا تصور ہے، جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ دیکھ رہی ہے، حب الوطنی بھی کسی حد تک اس کا علاج کرسکتی ہے، آپ میں سے بہت سے لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ہوگا، مغرب کے لوگ ان رکیک باتوں سے بچتے ہیں یورپ کے خاص طور مشہور ممالک میں استحصال اور ملکی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر دولت اندوزی کا رجحان نہیں پایا جاتا اور یہ جذبہ حب الوطنی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے مگر اس مرض کا صحیح علاج آخرت کا تصور، خدا کا خوف اور اس کی باز پرس کا خطرہ ہے ۔

(ماخوذ از ایک بہتر ہندوستانی سماج کی تشکیل الخ۔)

ـــه وہ حدیث جس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

تحریر: ڈاکٹر عماد الدین خلیل
ترجمہ: مطیع الرحمٰن عوف ندوی

(قسط اول)

علوم و فنون پر اسلام کی چھاپ

اسلامی عقیدہ نے قرآن و سنت کے چشمۂ فیض ے علم کے حصول اور اس کی اشاعت کا مناسب ماحول یار کیا۔ اور اس نے اس کے اندر اضافہ کے لئے محرکات ور دواعی پیدا کئے اور اس کو قابلِ افادہ و استفادہ نایا، یا بالفاظِ دیگر اسلامی عقیدہ نے اس نئی نسل کے لئے جو داخلی اور خارجی بہت سے چیلنجوں کا سامنا رنے میں مصروف تھی علم کی بنیاد ڈالی ساتھ ہی اس و مستحکم کیا تاکہ بنیادی دعوتی کاموں سے فارغ ہو کر ئی نسل اس کاروانِ علم و فن کو آگے بڑھا سکے حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ اولین کوششیں نہ ہوتیں جو اولین عہد میں کی گئیں، تو ممکن تھا کہ ان علوم و فنون کی بساط ہی الٹ دی جاتی۔ اس کے بعد اگلی نسل آئی تاکہ وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے علوم و معرفت کی بزم سجائے اس دور میں عقائدی اور سیاسی چیلنجوں کے انخلا کے بعد مسلمانوں نے خود کو ایک نئے قسم کے چیلنج کے مقابل پایا یہ ان علوم و معارف کا چیلنج تھا جو فتح اور غلبہ کے نتیجہ میں ان کے سامنے آیا اور نئے مفتوحہ ممالک میں انھیں نئے نئے علوم سے سابقہ پڑا ایسے وقت میں دوسری قوموں کے علوم و فنون کے سیلاب کے سامنے ان کو اپنا ثقافتی تشخص برقرار رکھنا تھا یہ بہت نازک اور اہم مسئلہ تھا اس کے لئے نہ تو انھوں نے عزلت نشینی کو اپنایا جس کا انجام علاحدگی پسندی اور تنگ نظری کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی انھوں نے ان تمام علوم و فنون کو مکمل طور پر بعینہٖ سینے سے چمٹا لیا جو ایک قوم کو دوسری قوم کی ثقافت اور فکر میں ضم کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اس سے استفادہ کرنے والے کا تشخص ختم ہو جاتا ہے انھوں نے اس بارے میں پوری ہوشمندی اور زیرکی کے ساتھ ذاتی تشخص کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اعتدال کی راہ اپنائی یعنی کشادہ ذہنی کے ساتھ استفادہ اور استفادہ کے ساتھ افادہ اور قبول کے ساتھ انکار۔

جس آسمانی صحیفہ کا آغاز اور جس کی وحی کے سب سے پہلے بول "اقرا" ہوں اور جس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے قیدیوں کو صرف اس بات پر ضمانت دے کہ وہ امیوں کو تعلیم دیں جس سے وہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو جائیں یہ وہ مذہب ہے جو اپنے مومن پیروؤں کی روزِ اول سے علمی تربیت کی فکر کرتا ہے تاکہ وہ اس قابل ہو سکیں کہ جب حالات سازگار ہوں اور ان کو موقع ملے وہ علم کے کاروان کو آگے بڑھا سکیں اور پوری دنیا کو علم کی روشنی سے روشن کر دیں۔

یہ فکر یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ علمی اور تاریخی کوششوں نے صرف مسلمانوں کے ثقافتی معیار میں ہی اضافہ نہیں کیا بلکہ انھوں نے عام علم اور دوسری قوموں کے علمی معیار کو بلند کیا ساتھ ہی علم کو ایک نیا رخ دیا اور اس کے لئے رہنما خطوط متعین کئے جس کی بنیادی خصوصیات اس دین سے ماخوذ تھیں جس کے سرچشمہ سے علوم نکلے تھے اور اس ماحول سے جو اس دین کے ذریعہ تیار کیا گیا تھا جس سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ثقافتی سرگرمی حاصل ہوتی ہے اور اسی کی بنیاد پر بعد کے علمی نتائج سامنے آئے اس مناسب ماحول نے اپنے بنیادی خصائص کے سلسلے میں مذہب ہی سے کسبِ فیض کیا۔ [۱]

ہو سکتا ہے اسلامی عقائد، نظام اور شریعت کے ذریعہ علمی ماحول کی تشکیل کے سلسلہ میں گفتگو کو خالص عقائدی مسئلہ سمجھا جائے لیکن جلد ہی اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے جب ہم غور کرتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں جو کارنامے انجام پائے اور علم و فکر کے میدان میں جو ترقیاں ہوئیں ان کی بنیاد اگرچہ یہی عقیدہ تھا لیکن اس سے زندگی کے مختلف شعبوں پر گہرا اثر پڑا۔ آغازِ اسلام کے وقت پائے جانے والے فکری، دینی ورثہ میں جو تحریف کا شکار تھا بنیادی تبدیلیاں وجود میں آئیں اور ان کو نیا رخ ملا، اسلام نے علم و فکر کے دائرہ کو جو وسعت دی عقلِ انسانی مجرد کی اس کے حدود تک رسائی صدیوں بعد ہو پائی۔

ہم صرف اتنا ذکر کر کے اس بات کی وضاحت کر سکتے ہیں کہ اسلام نے علوم و فنون کے سیاق میں جو رول ادا کیا وہ ہر حیثیت سے ایک تاریخی رول تھا اور ہر زمانہ میں اسلام کی اس علمی تحریک میں اسلامی اقدار سے مسلسل تال میل رہا اور ان دونوں کے جوڑ اور اشتراک سے ایک ایسی علمی ذہنیت وجود میں آئی جو تاریخِ انسانی کی تمام ثقافتوں سے وزن اور تاثیر اور فعالیت میں ممتاز تھی۔

ہماری پوری تاریخ میں علمی سرگرمی پر اسلام کی چھاپ رہی جس کی وجہ سے اس کو دوام اور پائیداری حاصل ہوئی، اور اس کے اندر ایسی عظیم صلاحیت پیدا ہوئی کہ وہ علوم و فنون، موجودہ تہذیب کی علمی سرگرمیوں پر اثر انداز بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے اندر مستقبل میں حصہ لینے کی بھی پوری صلاحیت پائی جاتی ہے جسے ہم اس بحث کے آخر میں پیش کریں گے۔

اس سے قبل کہ ہم اس کے نتائج پر گفتگو کریں بہتر ہوگا کہ اس موقع پر علمی سرگرمی پر اسلامی چھاپ

کے ثبوت کے لئے بعض مغربی اسکالرس کے اقوال کو پیش کردیا جائے، جس سے مغربی اسکالرس کے خیالات ونظریات پر روشنی پڑتی ہے۔

اسلامی علوم وفنون اور اس اسلامی ماحول کے درمیان جو ان علوم وفنون کے نتیجہ میں پیدا ہوا، فصل اور تفریق ناممکن ہونے کی وجہ سے یہ ایک علمی ضرورت بن گئی ہے، ان دونوں کے درمیان فصل یا تعارض کا تصور گمراہ کن ہے اور بے حقیقت اور یہ ہماری علمی تاریخ کے مطالعہ کا نقص بھی ہے، اور اس کا انجام اوہام وخرافات کے ایک انبار کے سوا اور کچھ نہیں نیز یہ علمی انداز بحث کے یکسر خلاف ہے۔

ان خصوصیات کے سلسلہ میں قبل اس کے کہ خود مسلمانوں کے اقوال اور ان کی جد وجہد کا تذکرہ کریں ہم دیکھیں کہ غیر اس سلسلے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

بورڈو اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان وثقافت کے استاد رابرٹ برنشفک اس جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "دین اسلام کی تاثیر کی قوت انسانی علوم وفنون کے متعدد عناصر میں نمایاں نظر آتی ہے مثلاً زبان، علوم وفنون، ادب اور اخلاق وسیاست، معاشرتی زندگی اور اس کی سرگرمیاں اور قانون وغیرہ ۔۔۔ اگر ہم پوری صورتحال پر نظر ڈالیں تو ہم کوئی ایسی مستقل تہذیب نہیں پاسکتے جس میں صرف اسلامی عناصر پائے جاتے ہوں بلکہ اسلامی محرک بھی پایا جاتا ہو۔[۲]

دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دوران اسلامی عقیدہ نے مختلف علاقوں میں ایک مستقل نظام کی صورت اپنالی اور ہر مکتب فکر اور ہر رجحان نے اپنے اپنے دائرہ کار میں شدت سے اس کے ساتھ اپنی رغبت اور دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس طرح اسلام نے مختلف ثقافتی میدانوں میں اپنا ایک عملی مقام بنالیا، یہ مؤثر بھی تھا اور متاثر بھی، اس کا رویہ اخذ کا بھی تھا اور عطا کا بھی، اور یہ ایک ایسا امتزاج ہے کہ اس کو صرف نارواطریقہ پر اپنا کر ہی اس کے دونوں حصوں کو جدا کیا جاسکتا ہے۔[۳]

برنشفک اپنے تجزیہ میں آگے تحریر کرتے ہیں کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی عقیدہ ایک اہم عامل ہے صرف ان خاص حالات میں نہیں جو اتفاقاً پیش آجائیں اور اس کے خاص چشمۂ فیضان سے نیا حل تلاش کرلیں اور جلد یا بدیر ہم نیا مستقل حل پیش کریں بلکہ اسلام اپنے نظام کے اندر ہر صورتحال کے لئے تمام داخلی وخارجی حل پیش کرتا ہے اور اس کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس کا حصول اور اس کو اپنانا آسان ہے کتنے ایسے امور ہیں جن میں بنیادی طور پر اسلامی رنگ نہیں تھا اسلام نے اس کو اپنے رنگ میں ایسا رنگا کہ اس کے اندر امتیازی شان پیدا ہوگئی۔ اور یہ محض منقول اسلامی تربیت کے اوپر اعتماد کی وجہ سے ہوا، کبھی ایک ثقافتی عنصر اسلامی رنگ کے بعد بھی اپنی اس اصل سے جہاں اس کی مشابہت ہوئی پوری طرح منقطع نہیں ہوا جو امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام نے مذکور عنصر کو اپنے رنگ میں ڈھال دیا ہے یا اس کو دوسرے منبع سے حاصل کیا ہے اور ترمیم کے ساتھ اپنا لیا ہے۔[۴]

معاصر فرانسیسی عالمی قانون داں مارسیل بوازار اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام نے دوسرے عناصر سے استفادہ کیا ہے لیکن بنیادی طور پر اس نے اس حقیقت کو سامنے رکھا ہے کہ اس کو اپنے رنگ میں کیسے رنگے اور اس پر اپنے نقش کیسے مرتب کرے اس کی تمام ثقافتی بنیادیں، اخذ وقبول اثراندازی واثرپذیری پر قائم ہیں اس کے ساتھ ساتھ مذہب نے اسے خاص رنگ عطا کیا ہے اور یہ خاص رنگ اسلام کی عظمت اور اس کے اشتراک سے پیدا ہوا ہے اس طرح اسلام نے اس کو ایک الگ وحدت بنادیا اسلام کا ثقافتی حصہ تاریخ میں بہت زیادہ ہے۔[۵] (جاری)

---

[۱] مضمون نگار کی تالیف سلسلہ کتاب الامۃ بحلا میعصہ (حول المادۃ تشکیل العقل المسلم) کے اندر اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مطبوعہ دوحہ ۱۴۰۳ھ۔

[۲] الوحدۃ والتنوع فی الحضارۃ الاسلامیۃ از گروینم ترجمہ ڈاکٹر صدقی حمدی، دارالمتنبی بغداد۔ ۱۹۶۶ ص۷۴

[۳] حوالہ سابق ص۷۹-۸۰

[۴] حوالہ سابق ص۸۰-۸۱

[۵] انسانیۃ الاسلام، ترجمہ ڈاکٹر عفیف دمشیقہ دارالآداب، بیروت۔ ۱۹۸۰ء ص۴۲۵

قرآن کریم کی تلاوت نے

ایک عیسائی مبلّغہ کو اسلام کی طرف کھینچ لیا

محمد احمد ندوی

اسلام کے دین فطرت ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ دشمنانِ اسلام کے سارے پروپگنڈوں اور سازشوں کے باوجود اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے اور مختلف طبقات و گروہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بکثرت پیش آ رہے ہیں اور اخبارات میں اس کی تفصیلات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اخبار العالم الاسلامی مکۃ المکرمۃ کی ایک تازہ اشاعت میں ایک اسٹریلوی عیسائی مبلغہ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل شائع ہوئی ہے جو ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ "اوتاولیا سنر" کی ایک اسٹریلوی عیسائی خاتون جو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے سرگرم عمل تھی اور اس میدان کی بہت کامیاب مبلغہ مانی جاتی تھی، عیسائیت کی تبلیغ کرتے کرتے اسلام کی مبلغہ بن گئی اس زبردست تبدیلیٔ حال میں ایک معمولی واقعہ کا دخل ہے جس نے اس کی زندگی کے رُخ دھارے کو موڑ کر اسلام کی طرف پھیر دیا، واقعہ دیکھنے میں تو بڑا سادہ اور معمولی ہے مگر اپنی اثر آفرینی دقوت کے اعتبار سے بڑا ہی نتیجہ خیز اور سبق آموز ہے۔

یہ خاتون ایک مصری انجینئر حسین زید سے عیسائیت کی تبلیغ کے مقصد سے ملنے گئیں، بڑی گرمجوشی کے ساتھ انھوں نے ان کا استقبال کیا اور ان کی آمد پر بڑی بشاشت انبساط کا مظاہرہ کیا وہ پہلے ان کے اخلاق سے متاثر ہوئیں جس کا ان کو اس سے پہلے تجربہ نہ تھا۔ ادیان کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہوئی تو موصوفہ نے عیسائی مذہب کی برتری و فوقیت کے بارے میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی اور اسلام کے بارے میں اپنے شبہات اور اعتراضات بیان کئے کچھ دیر کے بعد انجینئر صاحب نے تھوڑی دیر کے لیے اجازت لی اور پھر واپس آگئے۔ موصوفہ نے ان سے استفسار کیا کہ آپ کہاں گئے تھے اس پر انھوں نے کہا کہ میری تلاوت کا وقت ہے میں اس کے لیے تیاری کرنے گیا تھا۔ طہارت کے بعد وضو کر کے آیا ہوں محترمہ کے لیے طہارت اور وضو انوکھی بات تھی انھوں نے پوچھا کہ تلاوت کے لیے وضو کے کیا معنی۔ انجینئر موصوف نے وضو کی اہمیت اور افادیت بتائی اور تلاوت کے لیے اس کی ضرورت، انھوں نے کہا کہ پھر تلاوت کیجئے ہم سنیں گے۔ انھوں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی تلاوت سنتے ہی خاتون پر ایک خاصی کیفیت طاری ہوئی وہ محو ہو کر سننے میں مصروف ہوگئیں تلاوت اور قرآن مجید کے معانی و مطالب کچھ بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ مگر لہجہ اتنا پُر کشش اور شیریں تھا اور خشوع و خضوع کی وہ کیفیت تھی اس کی حلاوت ان کے دل میں اثر کر گئی۔ اور ان کو زندگی میں پہلی بار اس کا تجربہ و احساس ہوا کہ آج انھوں نے خدا کا کلام سُنا ہے۔ تلاوت ختم ہونے کے بعد انجینئر صاحب کی بیگم نے تلاوت کردہ سورت کی (حسن اتفاق یہ کہ سورۃ مریم تھی) تشریح و توضیح کی اور بڑے دلنشیں پیرائے میں اس کے معانی و مطالب بیان کئے جس کو سن کر آنکھیں نم ہوگئیں۔

اخبار العالم الاسلامی کے سوال پر وہ اپنا قصہ خود بیان کرتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ جب میرے سامنے سورۂ مریم کی تشریح بیان کی گئی اور اس کے حقائق میرے اوپر منکشف ہوئے تو ایسا محسوس ہوا جیسے کہ میرے ذہن و دماغ پر بجلی گر پڑی، بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، میں نے کہا کہ یہ سچا کلام ہے اور اسی ڈوبی ہوئی کیفیت کے ساتھ اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق مجھے پیدا ہوا۔ میں کتابوں کی ایک طویل فہرست لیکر روانہ ہوئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد میں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا اور رفتہ رفتہ میرے قلب میں نور اسلام کی شعاعیں داخل ہوتی چلی گئیں جبکہ میری نشو و نما اسلام دشمن ماحول میں ہوئی تھی اور میرا تعلق ایسے گروہ و جماعت سے ہے جو مؤمن کہلاتا ہے اور یہ گروہ اپنی اسلام دشمنی اور ماسونیت و صیہونیت نوازی میں بہت مشہور ہے۔ یہودیوں کے بارے میں اس کے افکار بڑے جانبدارانہ ہیں۔ اس گروہ کے اندر مسلمانوں خاص طور سے عربوں کی نفرت اور ان کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گروہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے میدان میں بڑے زور و شور کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ میں بھی اس طرح کے افکار و اقتدار کی علمبردار تھی اور پندرہ سال تک مسلسل بڑی جانفشانی کے ساتھ مسلمانوں کو عیسائیت کے

سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی اور بہت سے نوجوانوں کو میں نے اس کام کے لیے تیار کیا۔ اس میدان میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی اور بڑا نام کمایا۔ ان کے بے شمار شاگرد اور تربیت یافتہ مختلف ممالک میں اس مہم کو انجام دے رہے ہیں. لیکن خدا کو ــــ کچھ اور ہی منظور تھا اس لیے اس نے اسلام کی دولت سے ہمکنار کیا اس سلسلہ میں مطالعۂ قرآن نے میری بڑی رہنمائی کی خاص طور سے میں نے سورۂ مریم کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا' اس مطالعہ سے اسلام اور مسلمانوں اور حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السّلام کی سچی تصویر اور سچے خدو خال سامنے آئے.

اس کے بعد وہ کہتی ہیں کہ جب مجھے اسلام سے اطمینان حاصل ہوگیا اور اس کی حقانیت و صداقت کا پورا پورا یقین ہوگیا تو میں نے کلیسا کا رخ کیا اور بغیر کسی خوف و ڈر کے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا، میرا یہ اعلان کلیسا کے راہب و راہبات پر بلکہ عیسائیت کے قلب پر بجلی بن کر گری لیکن میں نے کسی کی کوئی فکر و پرواہ نہ کی بلکہ مجھے اس کا بھی اندیشہ نہیں ہوا کہ میرے گھر والے اس کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک و برتاؤ کریں گے۔ اسی اعلان کے بعد پانچ سال تک بڑی لگن و عرق ریزی کے ساتھ میں نے مختلف ادیان و مذاہب کے عقائد کا تقابلی مطالعہ کیا لیکن روز اول میرے دل میں اسلام کی جو محبت جاگزیں ہوگئی تھی بال برابر بھی اس کے اندر کمی نہیں آئی بلکہ روز بروز اسلام کی ابدیت پر یقین اور مستحکم ہوتا گیا، پھر وہ مرحلہ آیا کہ اب مجھے سرکاری طور پر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہیے. چنانچہ اسی مقصد کے لیے سڈنی کے اسلامک سنٹر میں حاضر ہوئی اور وہاں اپنے اسلام کا اعلان کیا. اس کے بعد میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ شرعی علوم اور اسلامی دعوت کے اصول و آداب سے واقفیت حاصل کر دوں چنانچہ اس تکمیل کے لیے مصر جانے کا میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے. تاکہ شرعی علوم اور دعوت کے اسلوب و انداز اور اس کے ضوابط سے آگاہی کے بعد اپنے ماضی کی تلافی کرسکوں.

ان سے پوچھا گیا کہ اسلام سے پہلے و بعد کی زندگی میں کیا آپ نے کوئی فرق محسوس کیا؟ انھوں نے کہا ہاں! اتنا ہی فرق جتنا کہ رات و دن کا محسوس کیا جاتا ہے اور اب الحمد للہ میں بہت مسرور و خوش ہوں. اسلام نے مجھے روحانی و قلبی اطمینان و سکون عطا کیا جو دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے.

یورپ کی اسلام دشمنی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس نے تعدد ازدواج جیسے مسائل کو لیکر اسلام کے خلاف خوب واویلا مچایا لیکن اب خود انھیں مغربی ممالک سے اس کی حمایت اور جواز کے بارے میں صدائیں بلند ہو رہی ہیں جیسا کہ جنگ عظیم ثانی کے بعد جرمنی نے اس کی اجازت دیدی تھی۔

ویسے شریعت اسلامیہ نے تعدد کے بارے میں جو شرطیں اور حدود مقرر کئے ہیں ان کی پوری رعایت کرتے ہوئے ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ تعدد کے دھاگے میں اپنے کو پروسکے. درحقیقت تعدد ازدواج انسانوں کے لیے سعادت و رحمت کا باعث اور معاشرہ کو تباہ کاریوں اور آلائشوں سے محفوظ رکھنے کا ایک خوبصورت فطری حل ہے.

معاشرہ میں عورتوں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ عورت ہی وہ بنیادی پتھر اور ستون ہے جس پر شوہر کے ایمان و اطاعت و تقویٰ، پرہیزگاری، نیکی و صلاح کی عمارت کھڑی ہوتی ہے وہ خیر کے کاموں میں شوہر کا تعاون کرتی ہے اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے اچھے کاموں کی تحسین کرتی ہے. زندگی کے دشوار گذار و پر پیچ مقامات پر اس کا سہارا بنتی ہے پھر ستون کی تعمیر و تشکیل اور ان کی ترقی میں اس کا پورا دخل ہوتا ہے موجودہ زمانے میں جبکہ ہر غلط افکار کی تند و تیز ہوائیں چل رہی ہیں عورت کی ذمہ داری اس حیثیت سے دوچند ہو جاتی ہے کہ وہی بچوں کی حقیقی اور پہلی معلمہ و استانی ہوتی ہے اس لیے اس پر ضروری ہے کہ وہ خود دینی تعلیم اور اسلامی ثقافت کے زیور سے آراستہ ہو اور پھر بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائے تاکہ اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والے بچے اسلامی عقائد اور اسلامی زندگی کے سانچے میں پروان چڑھیں. اور اگر وہ اس سے پہلو تہی برتے گی اور اہمال و غفلت سے کام لے گی تو پورا انسانی معاشرہ تباہی کے گڑھے میں گر سکتا ہے.

عورت کی تزئین و آرائش کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ عورتوں کی تزئین اس وقت صحیح ہے جبکہ شوہروں کو خوش کرنے کے لیے ہو لیکن اگر تفاخر کی نیت سے ہو اور ریا و دکھاوا مقصود ہو تو میں نہیں سمجھتی کہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش ہے.

مسلم خواتین کا تاریخی کردار

تحریر: مولانا عبد اللہ حسنی ندوی
ترجمہ:۔ محمد طارق اقبال متعلم ندوۃ العلماء

زمانۂ قدیم سے لوگ عورت کے بارے میں طرح طرح کی خام خیالیوں، تصورات اور معتقدات میں مبتلا ہیں۔ بعض اس کی فطری، ذہنی اور تخلیقی صلاحیت کے متعلق مشکوک نظر آتے ہیں۔ اور شک وشبہ کی بھول بھلیاں میں پڑے ہوئے ہیں، اور ان کے ذہن میں بار بار یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا وہ انسانی معاشرہ میں کوئی نمایاں کردار بھی ادا کرسکتی ہے۔ اور کچھ نے اسے مردوں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ اور ان کا ہم پلہ اور ہمسر بنا دیا ہے۔ لیکن تاریخی شہادت موجود ہے کہ اگر اسے اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کے مطابق مواقع میسر ہوں تو وہ نمایاں کارنامہ اور کردار ادا کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے مختلف ادوار میں عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اور وہ تخلیقی کمزوری وضعف کے باوجود مضبوط و مستحکم پہاڑوں کی طرح اٹل اور ثابت قدم رہتی ہے، اور کم عقلی و کم فہمی کے ساتھ ایسے ایسے نمایاں اور محیر العقول کام انجام دیتی ہے جو عقلاء ودانشوروں کو انگشت بدنداں اور ششدر کردیتے ہیں۔ اور خارق العادت چیزوں کو وجود میں لاتی ہے۔ اور اگر یہ تعبیر صحیح ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ سمندر نہ سہی لیکن سمندر کا ایک قطرہ ہے جو مضبوط وثقیل پتھر میں بھی سوراخ کردیتا ہے اگر وہ اس پر مسلسل اور لگاتار گرتا رہے۔ اگر وہ پہاڑ نہیں تو پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے اور کبھی ٹکڑا وہ کام کرجاتا ہے جس کو پہاڑ انجام نہیں دے سکتا۔

عورت اپنی فطرت وبناوٹ کے اعتبار سے کمزور سہی لیکن عزم محکم کے ہتھیار سے لیس ہے اور ارادہ وعزم کی دھنی ہے۔ وہ اپنی ذات تک محدود رہتی ہے لیکن انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے، اور انقلاب برپا کرتی ہے۔ وہ نان ونفقہ کی محتاج اور کسی ذمہ دار وکفیل کی دست نگر ہوتی ہے لیکن پوری نسل کی تربیت کرنے والی، انسانی، اخلاقی قدروں کی پاسبان ومحافظ ہوجاتی ہے بلکہ ایسا بھی بارہا دیکھا گیا ہے کہ اس کے کفیل اور ذمہ دار اس کی ہدایت ورہنمائی سے گراں بار اور اس کی انقلابی صفت سے دوچار ہوجاتے ہیں، تاریخ کے صفحات اس کے گہرے نقوش سے منور ہیں۔ اور آج بھی عورت وہی تاریخ دہرا کر وہ کردار پیش کرسکتی ہے جو ماضی میں اس کی پیشانی کا جھومر رہا ہے، مگر کسی بھی خاتون کے لئے یہ کام اس وقت تک آسان نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے کو ایمان کامل اور یقین محکم کے زیور سے آراستہ نہ کرلے اس لئے حالات سے نبرد آزمائی، زمانہ سے مقابلہ اور جان کو جوکھم میں ڈالنے کے لئے ایمان ویقین بھی زبردست اور طاقتور ذریعہ اور آلہ ہے جو ہمیشہ ماضی میں بھی سب سے بڑا پشت پناہ رہا ہے تاریخ کے اوراق الٹ کر آپ بھی کچھ نمونے دیکھ لیجئے۔

عورت بحیثیت ماں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تنہا مکہ کے بے آب وگیاہ سنسان وادی میں سکونت اختیار کرتی ہیں۔ جہاں نہ کوئی آدم نہ کوئی آدم زاد سوائے ان کے ننھے منے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے۔ لیکن وہ خدا پر کامل اعتماد اور غیر متزلزل یقین رکھتی تھیں۔ چنانچہ وہ نہ کوسوں پھیلے ہوئے لامتناہی اور زمین کا احاطہ کئے ہوئے پہاڑوں سے ڈریں۔ اور نہ باہم سرگوشی کرتے ہوئے لق ودق صحرا وبیابان انھیں خوف وہراس میں مبتلا کرسکے۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔ وہی ان کا محافظ ونگراں ہے، اور ان کی صیانت وحفاظت کرے گا۔ وہ ہر چیز کا پالنہار ہے۔ بھلا وہ ان کو کیسے رزق وروزی مہیا نہیں کرے گا۔ اور وہ کیسے ان کو ضائع اور ہلاک کرسکتا ہے، جس کی وہ مطیع اور فرمانبردار بندی ہیں۔ اس زاویۂ نگاہ اور نظریہ کو سامنے رکھ کر اپنے جگر گوشہ کی تربیت رب ذو الجلال والکریم کی نگرانی ونگہبانی میں شروع کرتی ہیں۔ اور بچہ خوب اچھی طرح نشو ونما پاتا ہے، اور تہذیب وتربیت کے سانچے میں ڈھل کر نوعمری کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے۔ جس کی تصویر کشی قرآن اپنے بلیغ انداز میں یوں کرتا ہے: "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ" (جب وہ دوڑنے کی عمر کو پہونچے تو (حضرت ابراہیم) نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کررہا ہوں تو غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ انھوں نے جواب دیا اے میرے والد جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے اسے کرگذریئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔) ؎

"سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی"

یہ اس صالح وپاکیزہ تربیتی شجر کا میٹھا اور پاکیزہ پھل ہے جسے ایک مشفق ماں نے کشت صالح

اور زرخیز پاکیزہ زمین میں لگاکر آبیاری کی تھی ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

وہ اس ثمر بار شجر کے شیریں اور میٹھے پھل کا فائدہ اٹھا رہی ہیں، اور اس سے لطف اندوز ہو رہی ہیں، یہ اس طاعت اور کامل خود سپردگی، عظیم قربانی اور بے لوث ایثار کا نتیجہ ہے جس نے ان کے فرزند ارجمند کو قیامت تک کے لئے زندہ جاوید کر دیا۔ اور یہ محض اس یکتا اور تنہا ایمانی تربیت کا اثر تھا جسے ایک نیک و صالح خاتون نے انجام دیا تھا جو دنیا کے شور و ہنگامہ سے دور بہت دور اور کنارہ کش تھی۔ اور نصرت خداوندی پر اعتماد و بھروسہ کا نمونہ تھی۔

ایک ماں اپنے جگر گوشہ کو سمندر میں ڈال دیتی ہے

حضرت موسیٰؑ کی ماں اپنے ہر دلعزیز محبوب ترین اور دل و جان سے عزیز نومولود دودھ پیتے بچہ کو آنکھ بھر کر دیکھ (کر خوش بھی نہ ہو پاتی ہے) بھی نہیں پاتی ہے کہ فرعون اور اس کے کرتوت کا گھناؤنا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، رنج والم، اور ملال واندوہ کے کالے سیاہ بادل ان کے دل ودماغ پر چھا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں اور لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا، اور عورتوں اور بچیوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔ لیکن بہت جلد یہ کثیف بادل چھٹ گئے، اور تاریکی کے دبیز پردے چاک ہو گئے، روشنی کی کرن نمودار ہوئی۔ وحی الٰہی اور الہام خداوندی سے سپیدہ سحر اپنے تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نمودار ہوئی جس نے ان کے دل کو مضبوط اور توانا بنا دیا۔ اور اندرونی تسلی سے ہمکنار کیا۔ اور عزم وارادہ میں پختگی عطا کی۔

"وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ"

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس کو دودھ پلاتی رہو۔ اور جب تم کو اس پر اندیشہ ہو تو اسے سمندر میں ڈال دو، خوف نہ کرو اور غم نہ کرو (غمگین اور ناشاد نہ ہو) ہم اسے تمہارے پاس لوٹا دیں گے، اور اسے رسولوں میں سے بنائیں گے۔

جب وہ اپنے لخت جگر اور نور چشم پر فرعون کے سپاہیوں سے خائف ہوئیں اور ڈریں تو وحی الٰہی پر ایمان کامل اور راسخ اعتقاد ویقین نے ان کو آمادہ کیا کہ وہ بچے کو بغیر کسی خوف و تردد کے سمندر میں ڈال دیں۔ (ایسا ہی ہوا) چنانچہ موسیٰ صرف زندہ ہی نہیں رہے بلکہ وہ انبیاء و مرسلین میں ہوئے، اور ان کے ذریعہ اللہ نے مظلوم اور فرعون کے ظلم و بربریت کی چکی میں پستی ہوئی قوم بنی اسرائیل کو نجات دلائی۔ یہ نتیجہ تھا محض اس ایثار اور قربانی کا جسے ایک شفیق ماں نے کیا تھا۔ جو زبردست اور طاقتور ایمان کی حامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں رنج والم کا خیال آیا۔ اور نہ آسمانی الہام پر ان کو شک وشبہ لاحق ہوا۔ جو ساتوں آسمان کے اوپر سے نازل ہوا تھا (اور نہ وہاں تردد کا گذر ہوا۔ اور نہ خوف وہراس نے راہ پائی) جس میں ان کے اور اس محبوب ترین بچے کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی تھی۔

حمد وثنا کا سزاوار

یہ حضرت خنساءؓ ہیں جن کا نام ادبی دنیا میں ان کے بے مثل مرثیہ کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا ہے، اس مرثیہ نے ان کے بھائی کے نام کو ہمیشہ کے لئے تاریخ محفوظ کر دیا۔ اور زندہ جاوید بنا دیا۔ جس کی محبت والفت ان کے دل میں جاگزیں اور پیوست ہو گئی تھی۔ اور یہ واقعہ بھائی سے محبت کے اظہار کے لئے ضرب المثل بن گیا۔ اور انھوں نے اپنے بھائی کی موت کے غم میں ایسی آہ وزاری کی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اور یہ مرثیے لٹریچر میں منفرد اور ادب عالی کا مقام رکھتے ہیں اس لئے کہ اس کے اندر لطیف انسانی جذبات کی عکاسی اس میں دلی احساس اور کیفیات کی ترجمانی اور تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے اسے ادب عربی میں ممتاز مقام عطا کیا ہے۔

لیکن جب وہ ایمان ویقین کے زیور سے آراستہ ہوئیں، اور ایمانی حلاوت، یقین کی شیرینی اور اعتماد کا ذائقہ چکھا۔ اور راہ خدا میں متاع قلب ونظر پیش کرنے پر ان کا دل مطمئن ہو گیا۔ پھر کیا تھا انھوں نے راہ خدا میں اپنے چار لڑکے قربانی کے لئے پیش کر دیئے۔ اس وقت ایسی قربانی اور فدیہ کی ضرورت تھی، اور اس کار خیر سے ان کا دل مطمئن تھا۔ اور خدا سے ثواب کی امید تھی، اور بشاشت ان کے چہرے پر کھیل رہی تھی۔ تاریخ کی زبانی یہ قصہ سنو!

حضرت خنساء کے چار لڑکے تھے۔ جب فتح فارس کے لئے ١٦ھ میں مسلمانوں کو آمادہ کیا جا رہا تھا، اس وقت اپنے بچوں کو ان الفاظ میں نصیحت اور وصیت کر رہی تھیں۔ اے میرے بچو! تم نے برضا ورغبت اسلام قبول کیا، اور تم نے بخوشی ومسرت ہجرت کی۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں، تم ایک ہی باپ کے فرزند ہو جیسے کہ تم ایک ہی ماں کی اولاد ہو۔ جس نے تم کو مخلوط النسب نہیں پیدا کیا، اور نہ تمہارے حسب ونسب کو تبدیل کیا۔ یاد رکھو! دار آخرت دار فانی سے بدرجہا بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

جب تم دیکھو کہ گھمسان کا رن پڑ رہا ہے۔ اور جنگ عین شباب پر ہو، اور اپنی چنگاریاں روئے زمین پر بکھیر رہی ہے۔ تم اس گھمسان کی جنگ میں کود پڑو، اور تلوار کے جوہر دکھا کر اس کے اثر کو زائل کر دو، اور دار الخلد اور ہمیشگی کی رہائش سے عزت وشرف حاصل کرکے کامیاب

ہوجاؤ۔ چنانچہ جب سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ وہ جلد از جلد اپنے مرکزوں کو ہولئے، اور یکے بعد دیگرے آگے بڑھے۔ اس حال میں کہ وہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ جن میں بوڑھی ماں کی وصیت کا تذکرہ تھا جسے وہ بار بار پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ سبھوں نے جام شہادت نوش کیا۔ جب یہ خبر ان کے پاس پہونچی تو فرمایا "الحمد للہ الذی شرفنی بقتلھم وأرجو من ربی ان یجمعنی بھم فی مستقر الرحمة" تمام تعریفوں کی سزاوار وہی ذات ہے جس نے مجھے ان کی شہادت سے سرفراز کیا۔ اور مجھے اپنے پروردگار سے امید ہے کہ وہ مجھے جوار رحمت میں ان کے ساتھ جمع کر دے گا۔

سخت محاصرہ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت سے دس روز قبل محاصرہ جب بہت زیادہ سخت اور شدید ہوگیا۔ وہ اسی حال میں اپنی ماں حضرت اسماء کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ مجھے موت میں اپنی راحت کا سامان نظر آتا ہے۔ ماں نے کہا ایسا لگتا ہے کہ موت کی تمنا تم نے میرے لئے بھی کی ہے، مجھے موت پسندیدہ نہیں جب تک کہ تمہاری ایک آنکھ جاتی نہ رہے، یا تم شہید کر دیئے جاؤ۔ تو مجھے ثواب کی امید اور توقع ہے، اور اگر کامیابی سے دشمن کے خلاف ہمکنار ہوئے تو میری آنکھ کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ ان باتوں سے حضرت عبداللہ مسرور اور خوش ہوئے اور مسکرائے۔ اور شہادت کے روز پھر ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ماں نے یہ وصیت فرمائی۔ اے میرے بیٹے! ان کی طرف (دشمن کی طرف سے) سے ہرگز ہرگز کسی ایسی پیشکش کو قبول نہ کرنا جس میں خوف قتل سے تمہارے اوپر ذلت کا داغ لگے، اور تمہارے لئے باعثِ ننگ و عار ہو۔ بخدا عزت کی موت بدرجہا بہتر ہے ذلت کی موت سے۔ چنانچہ انھوں نے سخت حملہ کیا۔ اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے، حجاج نے ان کی نعش سولی پر لٹکا دی جو کئی دن لٹکی رہی اسی اثنا میں ان کی ماں آئیں اور حجاج سے مخاطب ہو کر سوال کیا، کیا اس سوار کے لئے اترنے کا وقت نہیں آیا؟ حجاج نے کہا، یہ تو منافق ہے؟ جواب دیا، ہرگز نہیں وہ کبھی منافق نہیں تھا، وہ قائم باللیل اور صائم بالنہار، اور میدان جنگ میں داد شجاعت دینے والا تھا۔

یہ زوردار کلام ان کے طاقتور ایمان ویقین اور خدا سے ثواب کی امید وتوقع پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ انھوں نے اپنے جگر گوشہ اور لخت جگر کو جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ اور شعلہ فشاں معرکہ میں ڈال دیا۔ چشم فلک نے بھی ایسا منظر نہ دیکھا ہوگا کہ صدق وصفا اور راہ حق میں ایک ماں نے اپنے محبوب ولائق ترین فرزند کی قربانی پیش کر دی اور اللہ کے راستہ میں اس کو قربان کر دیا۔ خدا ان کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے۔ اسلام اور خواتین اسلام کی طرف سے بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے، جو اپنے جگر گوشوں کو راہ حق میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بیوی کا کردار

"وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا" حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ مطہرہ تیرہ وتار ماحول، ناگفتہ بہ فضا اور بت پرستانہ حالات میں ایک فرمانبردار، اور مطیع بیوی کے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ جو سفر وحضر میں آپؑ کا ساتھ دیتی ہیں۔ اور پسند ناپسند میں ان سے سرتابی نہیں کرتی ہیں، اور رفاقت کا حق ادا کر دیتی ہیں۔ جب حضرت ابراہیم انھیں بے آب وگیاہ سنسان وادی میں چھوڑ آتے ہیں۔ وہ کامل اعتماد، اعلی انقیاد وطاعت کا بہترین نمونہ اور خدا پر بھروسہ اور توکل علی اللہ کی جیتی جاگتی تصویر نظر آتی ہیں، جہاں نہ خوف ودہشت کا اندیشہ ہے اور نہ ڈر کا وہم وگمان ہے۔ یہ کلمہ کی صورت میں وہ انمٹ نقوش ہیں جن سے مؤرخوں نے تاریخی صفحات کو زینت بخشی ہے، اور محدثین عظام نے اپنے دل ودماغ میں جگہ دی ہے۔ ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو اور صاحبزادے اسماعیل کو لے کر آئے جبکہ وہ شیرخوار تھے۔ اور ان کو مسجد کے قریب بئر زمزم کے اوپر ایک برگد کے درخت کے نزدیک خانہ کعبہ کے پاس ٹھہرایا۔ اس وقت مکہ میں کوئی ذی نفس نہیں رہتا تھا۔ اور نہ وہاں پانی کا معقول انتظام تھا، پھر بھی دونوں کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور ان دونوں کے پاس ایک تھیلا تھا جس میں کھجور اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا چھوڑ کر حضرت ابراہیمؑ لوٹنے لگے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے دوڑیں اور پکارنے لگیں، اے ابراہیمؑ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور ہمیں ایسی وادی میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ جہاں نہ کوئی آدم ہے اور نہ کوئی آدم زاد، اسی بات کو بار بار دہراتی رہیں۔ لیکن آپؑ ان کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے، پھر یہ سوال کیا، کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں! اس وقت ان کی زبان سے نکلا "إذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا" پھر وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا اور لوٹ گئیں، اور حضرت ابراہیمؑ چلے گئے، اور حکم خداوندی سے انھیں بعد سکون واطمینان نصیب ہوا۔ یہ ایسا کلمہ ہے جو ان کے دل کی ایمانی کیفیت اور ان کے اندرونی سکون واطمینان اور کمال اعتماد کا آئینہ دار ہے، اور اس سے ان کے طاقتور ارادہ اور غیر متزلزل یقین پر بھی روشنی پڑتی ہے، جس نے ان کو راہِ خدا میں مصائب برداشت کرنے اور پریشانی جھیلنے کے لئے تیار کر دیا تھا۔

دعائے مغفرت

مولانا کمالی صاحب (رہبر بخ) کے بڑے بھائی جناب حاجی زاہد علی صاحب ہالاآنی کا حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ۵ار مئی ۱۹۹۶ء کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند اور بڑے نیک دل تھے۔ اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عوام کے لیے تقلیدِ محض کی ضرورت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

ذیل کے مضمون میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے "تقلید کی شرعی حیثیت" میں عوام کے لیے تقلید کا مفہوم اور اس کی ضرورت کو بہت ہی آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے (ادارہ)

تقلید کا سب سے پہلا درجہ "عوام کی تقلید"

یہاں "عوام" سے ہماری مراد مندرجہ ذیل اقسام کے [illegible] ہیں:

۱۔ وہ حضرات جو عربی زبان اور اسلامی علوم سے ناواقف ہوں خواہ وہ دوسرے فنون میں وہ کتنے [illegible]لیم یافتہ اور ماہر و محقق ہوں۔

۲۔ وہ حضرات جو عربی زبان جانتے اور عربی کتابیں [illegible]سکتے ہوں، لیکن انھوں نے تفسیر و حدیث و فقہ [illegible]ملقہ دینی علوم کو باقاعدہ اساتذہ سے نہ پڑھا ہو۔

۳۔ وہ حضرات جو رسمی طور پر اسلامی علوم سے [illegible]التحصیل ہوں، لیکن تفسیر، حدیث، فقہ اور ان [illegible]ولوں میں اچھی استعداد اور بصیرت پیدا نہ ہوئی ہو۔

یہ تینوں قسم کے حضرات تقلید کے معاملے میں "عوام" [illegible]صف میں شمار ہوں گے، اور تینوں کا حکم ایک ہے۔ اس [illegible]ے عوام کو "تقلیدِ محض" کے سوا چارہ نہیں کیونکہ ان میں اتنی [illegible]ادار اور صلاحیت نہیں ہے کہ وہ براہِ راست کتاب [illegible]ت کو سمجھ سکیں یا اس سے متعارض دلائل میں تطبیق و [illegible] کا فیصلہ کر سکیں۔ لہٰذا احکامِ شریعت پر عمل کرنے [illegible]یے ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ [illegible]مجتہد کا دامن پکڑیں اور اس سے مسائلِ شریعت [illegible]لوم کریں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ [illegible]رماتے ہیں:

اما من یسوغ لہ التقلید فھو العامی الذی لا یعرف طرق الاحکام الشرعیۃ فیجوز لہ ان یقلد عالمًا ویعمل بقولہ...... ولأنہ لیس من اھل الاجتہاد فکان فرضہ التقلید کتقلید الاعمی فی القبلۃ فانہ لما لم یکن معہ آلۃ الاجتہاد فی القبلۃ کان علیہ تقلید البصیر فیھا [1]

"رہی یہ بات کہ تقلید کس کے لیے جائز ہے؟ سو وہ عامی شخص ہے جو احکامِ شرعیہ کے طریقوں سے واقف نہیں، لہٰذا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے اور اس کے قول پر عمل پیرا ہو...... (آگے قرآن و سنت سے اس کی دلیلیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں) نیز اس لیے کہ وہ (عامی آدمی) اجتہاد کا اہل نہیں ہے لہٰذا اس کا فرض یہ ہے کہ وہ بالکل اس طرح تقلید کرے جیسے ایک نابینا قبلہ کے معاملے میں کسی آنکھ والے کی تقلید کرتا ہے، اس لیے کہ جب اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ اپنی ذاتی کوششوں کے ذریعہ قبلہ کا رُخ معلوم کر سکے، تو اس پر واجب ہے کہ کسی آنکھ والے کی تقلید کرے۔"

اس درجے کے مقلد کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ دلائل کی بحث میں اُلجھے اور یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ کون سے فقیہ و مجتہد کی دلیل زیادہ راجح ہے؟ اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کسی مجتہد کو متعین کر کے ہر معاملہ میں اسی کے قول پر اعتماد کرتا رہے۔ کیونکہ اس کے اندر اتنی استعداد موجود نہیں ہے کہ وہ دلائل کے راجح و مرجوح ہونے کا فیصلہ کر سکے بلکہ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام و مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ سکا، یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض کوئی قوی دلیل ہوگی۔

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد کے مسلک کو قبول کر لیا جائے اور حدیث میں تاویل کا راستہ اختیار کیا جائے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس درجہ کے مقلد کا بیان ہو رہا ہے اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دیدیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پاکر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اس لیے کہ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط ایک ایسا وسیع و عمیق فن ہے کہ اس میں عمریں کھپا کر بھی ہر شخص اس پر عبور حاصل نہیں کر سکتا، بسا اوقات ایک حدیث کے ظاہری الفاظ سے ایک مفہوم نکلتا ہے، لیکن قرآن و سنت کے دوسرے دلائل کی روشنی میں اس کا بالکل دوسرا مفہوم ثابت ہوتا ہے، اب اگر ایک عام آدمی صرف ایک حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھ کر اس پر عمل کرے تو اس سے طرح طرح کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، خود راقم الحروف کا ذاتی تجربہ ہے کہ قرآن و سنت کے علوم میں گہری استعداد کے بغیر جن لوگوں نے براہِ راست احادیث کا مطالعہ کر کے اُن پر عمل کی کوشش کی ہے وہ غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہوتے بڑے درجہ کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

راقم الحروف کے ایک گریجویٹ دوست مطالعے کے شوقین تھے، اور انہیں بطور خاص احادیث

---

[1] الفقیہ والمتفقہ، للخطیب البغدادیؒ ص۶۸ مطبوعہ دار الافتاء سعودیہ ریاض ۱۳۸۹ھ

کے مطالعہ کا شوق تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی ان کے دماغ میں سمائی ہوئی تھی کہ اگرچہ میں حنفی ہوں لیکن اگر حنفی مسلک کی کوئی بات مجھے حدیث کے خلاف معلوم ہوئی تو میں اسے ترک کر دوں گا۔ چنانچہ ایک روز انھوں نے احقر کی موجودگی میں ایک صاحب کو یہ مسئلہ بتایا کہ ریح خارج ہونے سے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ ریح کی بدبو محسوس نہ ہو یا آواز نہ سنائی دے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بیچارے اس غلط فہمی میں کہاں سے مبتلا ہوئے ہیں۔ میں نے ہر چند انھیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن شروع میں انھیں اس بات پر اصرار رہا کہ یہ بات میں نے ترمذی کی ایک حدیث میں دیکھی ہے، اس لیے میں تمہارے کہنے کی بناء پر حدیث کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر جب میں نے تفصیل کے ساتھ حدیث کا مطلب سمجھایا اور حقیقت واضح کی تب انھوں نے بتایا کہ میں تو عرصۂ دراز سے اس پر عمل کرتا آرہا ہوں اور نہ جانے کتنی نمازیں میں نے اس طرح پڑھی ہیں کہ آواز اور بو نہ ہونے کی وجہ سے میں یہ سمجھتا رہا کہ میرا وضو نہیں ٹوٹا۔

دراصل وہ اس سنگین غلط فہمی میں اس لیے مبتلا ہوئے کہ انھوں نے جامع ترمذی میں یہ حدیث دیکھی کہ:

عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا وضوء الا من صوت او ريح

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو اسی وقت واجب ہے جبکہ آواز ہو یا بدبو ہو۔[1]

اس کے ساتھ جامع الترمذی میں یہ حدیث بھی انھیں نظر پڑی کہ:

اذا كان احدكم في المسجد فوجد ريحا بين اليتيه فلا يخرج حتى يسمع صوتا او يجد ريحا

اگر تم میں سے کوئی شخص مسجد میں ہو اور اسے اپنے سرینوں کے درمیان ہوا محسوس ہو تو وہ اس وقت مسجد سے (بہ ارادۂ وضو) نہ نکلے جب تک اس نے خروج ریح کی آواز نہ سنی ہو یا اس کی بدبو نہ محسوس کی ہو۔

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے انھوں نے یہی سمجھا کہ وضو ٹوٹنے کا مدار آواز یا بو پر ہے، حالانکہ تمام فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان وہمی قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔ جنھیں خواہ مخواہ وضو ٹوٹنے کا شک ہو جاتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب تک خروج ریح کا ایسا یقین حاصل نہ ہو جائے جیسا آواز سننے یا بو محسوس کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ چنانچہ دوسری روایات میں حدیث کا یہ مطلب صاف ہو گیا ہے مثلاً ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

اذا كان احدكم في الصلوة فوجد حركة في دبره احدث او لم يحدث فاشكل عليه فلا ينصرف حتى يسمع صوتا او يجد ريحا[2]

اگر تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور اسے اپنی پشت میں حرکت محسوس ہو جس سے اس کو یہ شبہ ہونے لگے کہ ریح خارج ہوئی ہے یا نہیں تو اس کو چاہیے کہ اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سن لے یا بو نہ پالے۔

نیز ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے واضح فرما دیا ہے کہ یہ جواب آپ نے ایک ایسے شخص کو دیا تھا جو اس معاملے میں اوہام و وساوس کا مریض تھا۔

لیکن حدیث کے مختلف طرق اور الفاظ کو جمع کر کے ان سے کسی نتیجہ تک وہی شخص پہونچ سکتا ہے جو علم حدیث کا ماہر ہو۔ محض ایک کتاب میں کوئی حدیث یا اس کا ترجمہ دیکھ کر تو انسان اسی گمراہی اور غلط فہمی میں مبتلا ہوگا جس میں وہ صاحب مبتلا ہوئے تھے۔

اسی طرح اگر ہر شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کسی حدیث کو اپنے امام کے مسلک کے خلاف دیکھ کر امام کا مسلک چھوڑ سکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ جامع ترمذی[3] میں اس کو یہ حدیث نظر پڑے کہ:

عن ابن عباسؓ قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر، قال فقيل لابن عباسؓ ما اراد بذلك؟ قال اراد ان لا تحرج امته۔[4]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں کسی خوف یا بارش کی حالت کے بغیر ظہر اور عصر کو نیز مغرب اور عشاء کو اکٹھا کر کے ایک وقت میں پڑھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اس سے حضورؐ کا مقصد کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی امت تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

اس حدیث کی بنا پر ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں اکٹھا کر کے پڑھنا بغیر کسی سفر کے اور عذر کے بھی جائز ہے اور چونکہ میرے امام مجتہد کا مسلک اس حدیث صریح کے خلاف ہے اس لیے میں مجتہد کا مسلک ترک کر کے حدیث پر عمل کرتا ہوں حالانکہ اس حدیث کا مطلب ائمہ اربعہ اور اہل حدیث میں سے کسی کے نزدیک بھی یہ نہیں ہے کہ جمع بین الصلوتین بغیر عذر کے جائز ہے، بلکہ اس کو قرآن و سنت کے دوسرے دلائل کی روشنی میں صرف حنفیہ ہی نے نہیں بلکہ شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ بلکہ اہل حدیث حضرات نے بھی جمع صوری کے معنی پر محمول کیا ہے۔[5] (یعنی یہ کہ آپ نے ظہر کی نماز بالکل آخر وقت میں اور عصر کی بالکل اول وقت میں پڑھی اور اس طرح ظاہری اعتبار سے دونوں کی ادائیگی ایک ساتھ ہوگئی)۔

یہ دو مثالیں محض نمونے کے طور پر پیش کر دی گئیں، ورنہ ایسی احادیث ایک دو نہیں بیسیوں ہیں، جن کو قرآن و سنت کے علوم میں کافی مہارت کے بغیر انسان دیکھے گا، تو لامحالہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگا۔ اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے علم دین باقاعدہ حاصل نہ کیا ہو اسے قرآن و حدیث کا مطالعہ ماہر استاد کی مدد کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔

پھر یہ بات بھی پیچھے عرض کی جا چکی ہے کہ کسی امام و مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں قرآن و سنت کے دلائل میں تعارض محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا

---

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۱ باب ما جاء فی الوضوء من الریح
[2] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۴ باب من شک فی الحدث
[3] جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۴ [4] ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی للمبارک پوریؒ ج ۱ ص ۱۶۶، ۱۶۷۔

اگر ایک مسئلے کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے تو ان میں سے کوئی بھی دلیل سے خالی نہیں ہوتا تقلید کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ جو شخص ان دلائل میں راجح و مرجوح کا فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہے وہ ان میں سے کسی ایک کا دامن پکڑلے، اب اگر امام ابوحنیفہؒ کا دامن پکڑنے کے بعد اسے کوئی ایسی حدیث نظر آجاتی ہے جس پر امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے تو اس کا کام یہ نہیں کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ دے کیونکہ یہ تو پہلے ہی معلوم تھا کہ امام شافعیؒ کی بھی کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہوگی، لیکن ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس دلیل کو کسی اور دلیل کی بنیاد پر چھوڑا ہے جو ان کے نزدیک زیادہ مضبوط اور قوی تھی۔ اس لیے ان کے مسلک کو حدیث کے خلاف نہیں کہا جاسکتا اور جس درجے کے مقلد کی بات ہو رہی ہے اس کے اندر چونکہ دلائل کا مقابلہ کرنے کی اہمیت نہیں ہے اس لیے وہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ کس کی دلیل قوی ہے؛ چنانچہ اس کا کام صرف تقلید ہے اور اگر اسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے تب بھی اسے اپنے امام کا مسلک نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ حدیث کا مفہوم یا اس کا صحیح محمل میں سمجھ نہیں سکا۔

اس کی مثال بالکل یوں سمجھئے کہ دنیا میں آج جب بھی کسی شخص کو قانون کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنی ہوتی ہے تو وہ کسی ماہر قانون کی طرف رجوع کرتا ہے قانون کی کتابیں براہِ راست دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اب اگر بالفرض وہ کسی ایسے ماہر قانون کے پاس جاتا ہے جس کی علمی مہارت اور تجربہ مسلّم ہے اور جس کے بارے میں اسے یقین ہے کہ یہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا اور وہ ماہر قانون کسی قانونی نکتے کی وضاحت کرتا ہے تو اس کا فرض یہ ہے کہ اس کی بات پر اعتماد کرکے اس پر عمل کرے پھر اگر بالفرض اسے اتفاقاً قانون کی کوئی کتاب ہاتھ لگ جاتی ہے اور اس کا کوئی جملہ اسے بظاہر اس ماہر قانون کی بتائی ہوئی بات کے خلاف محسوس ہوتا ہے تب بھی اس کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ماہر قانون کی بات کو رد کردے بلکہ اس کو عمل اسی ماہر قانون کی بات پر کرنا ہوگا اور کتاب کے بارے میں یہ سمجھنا ہوگا کہ اس کا صحیح مطلب کچھ اور ہے جو میں نہیں سمجھ سکا۔ وجہ یہ ہے کہ قانون کی کتابوں سے کوئی نتیجہ نکالنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے اس فن کی مہارت اور وسیع تجربہ درکار ہے، یہ بات اس سے کہیں زیادہ صحت کے ساتھ قرآن وسنّت پر صادق آتی ہے کہ اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط ان علوم کی زبردست مہارت کا متقاضی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ عوام کو براہِ راست قرآن وحدیث سے احکام شریعت معلوم کرنے کے بجائے علماء و فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کسی عام آدمی کو کوئی مفتی غلط فتویٰ دیدے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا، عام آدمی کو معذور سمجھا جائے گا لیکن اگر کوئی عام آدمی کوئی حدیث دیکھ کر اس کا مطلب غلط سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ معذور نہیں ہے کیونکہ اس کا کام کسی مفتی کی طرف رجوع کرنا تھا خود قرآن وسنّت سے مسائل کا استنباط اس کا کام نہ تھا۔

مثلاً سینگی، پچھنے لگوانے سے جمہور علماء کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر کسی عام آدمی نے کسی مفتی سے مسئلہ پوچھا اور اس نے غلطی سے یہ مسئلہ بتادیا کہ روزہ ٹوٹ گیا، اور اس کے بعد اس شخص نے یہ سمجھ کر کچھ کھا پی لیا کہ روزہ تو ٹوٹ ہی چکا ہے تو ہدایہ میں لکھا ہے کہ اس پر صرف قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا،[2] صاحب ہدایہ اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: "لان الفتوىٰ دليل شرعي في حقه" (اس لیے کہ عام آدمی کے لیے مفتی کا فتویٰ دلیل شرعی ہے) لیکن اگر کسی شخص نے ابوداؤد یا ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث دیکھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایک شخص کے پاس سے گزرے جو سینگی لگوا رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا: افطر الحاجم والمحجوم[1] (سینگی لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) اور اس حدیث سے اس نے یہ سمجھ کر کہ سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کچھ کھا پی لیا تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ اس کا فرض یہ تھا کہ وہ کسی مفتی سے مسئلہ پوچھتا اور اس نے یہ فرض ادا نہیں کیا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

لان على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه الى معرفة الاحاديث[2]

عام آدمی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ فقہاء کی اقتدا کرے اس لیے کہ وہ احادیث کا علم حاصل کرکے صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عوام کے لیے تقلید کا پہلا درجہ متعین ہے یعنی ان کا کام یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے امام مجتہد کے قول پر عمل کریں اور اگر انھیں کوئی حدیث امام کے قول کے خلاف نظر آئے تو اس کے بارے میں یہ سمجھیں کہ اس کا صحیح مطلب یا صحیح محمل ہم نہیں سمجھ سکے، اور جس امام کی ہم نے تقلید کی ہے۔ انھوں نے اس کے ظاہری مفہوم کو کسی دوسری قوی دلیل کی بناپر چھوڑا ہے، عوام کے لیے اس طرز عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے ورنہ احکام شریعت کے معاملے میں جو شدید افراتفری برپا ہوگی اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] یہ حدیث سنداً صحیح ہے لیکن بخاری میں ایک دوسری حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روزے کی حالت میں سینگی لگوائی ہے۔ اور نسائی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپؐ نے روزہ دار کو سینگی لگوانے کی اجازت دی۔ ان احادیث کی بنا پر امام شافعیؒ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ "افطر الحاجم والمحجوم" کا حکم یا تو منسوخ ہے یا آپؐ نے ان خاص آدمیوں کو کوئی اور ایسا کام کرتے دیکھا ہوگا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس حدیث کی اور بھی متعدد توجیہات کی گئی ہیں، دیکھیے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۶۳ و ۶۵)

[2] ہدایہ جلد ۱، ص ۲۲۲، باب مایوجب القضاء والکفارۃ۔

ایک مُطالعہ

سیرت سیّد احمد شہیدؒ

قسط نمبر ۹

پروفیسر وصی احمد صدیقی

دو جاسوسوں کا قبولِ اسلام

دو سکھ پنجتار میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے آنے کا مقصد پوچھا۔ انھوں نے کہا صرف ملاقات۔ حضرت ان سے کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں کی وضع اختیار کی۔

چونکہ اس وقت فرصت تھی اس لئے مجاہدین کے لئے مکانوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ مجاہدین نے اس میں بڑی دلچسپی لی اور خود تعمیر میں شریک ہوئے۔ ایک قصاص کا مقدمہ بھی پیش ہوا۔ حضرت کے مقرر کردہ قاضی نے کوئی رو رعایت نہیں کی گو مدعی کے سامنے عفو اور درگذر کے منافع بتائے۔ شاید اس کے دل میں معاف کرنا تھا مگر اس کو اس نے بالکل آخری وقت کے لئے اٹھا رکھا جب سزا کے نفاذ کا وقت آیا، حضرت نے اس معاف کر دینے کی بڑی قدر کی اور مظلوم کے لئے دعائے خیر کی۔

تربیلا کی دعوت

سید صاحب نے پائندہ خاں حاکم امب کے دو معزز مصاحبین کے کہنے پر اور دوسرے صاحب الرائے حضرات کے صاد کرنے پر تربیلا پر چھاپہ مار کر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ بڑی مختصر فوج نے پانچ چھ ہزار کے لشکر سے مورچہ لیا۔ ہری سنگھ ان کا سردار تھا۔ کھبل میں بڑی حکمت عملی سے لڑائی ہوئی۔ اس دوران سید صاحب کی سید اکبر شاہ اور دوسرے چند معزز لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ سید صاحب ان کی فرمائش پر لشکر کو کھبل میں چھوڑ کر تھانے جو کھبل سے پانچ کوس دور ہے تشریف لے گئے۔ سید صاحب نے سید اکبر صاحب سے پائندہ خاں سے ملاقات کا مشورہ لیا۔ انھوں نے اچھی رائے ظاہر نہیں کی اور دو سال خوردہ اور جہاں دیدہ اشخاص سید نادر شاہ اور سید مروان سے مشورہ کے لئے کہا۔ انھوں نے بتایا کہ پائندہ خاں کو اس کے باپ نے مشورہ دیا ہے کہ کسی کے خلوص پر اعتبار نہ کرنا اور کبھی کسی سے صاف دلی سے نہ ملنا۔ سید صاحب نے آزمائش کرنی چاہی۔ پائندہ خاں کا پیام آیا کہ اگر آپ کم لوگوں کے ساتھ آئیں تو فلاں نالے کے نزدیک بڑے درخت کے نیچے ملاقات ہوسکتی ہے۔ سید صاحب کے رفیقوں نے سید صاحب کی لاعلمی میں ایسا انتظام کیا کہ پائندہ خاں کسی شرارت پر قابو نہ پا سکے۔ پائندہ خاں پورے سازشی انتظام کے ساتھ زرہ پہنے۔ چہار آئینہ اور خود لگائے ہوئے آیا، اس کی سازش کا توڑ ہو گیا اور اس کے اوپر مردنی چھا گئی۔ سید صاحب نے اس کو ہوش باختہ دیکھ کر تسکین دی، اپنی دستار تحفہ دی اور وعدہ کیا کہ ایک ضرب توپ اور ہاتھی بھی دیں گے۔ وہ لوٹ گیا۔

درانیوں کا قلعہ ہنڈ پر حملہ

سردار سلطان محمد خاں کو اس کی ماں نے غیرت دلائی کہ تیرا بھائی یار محمد خاں مارا گیا اور تو کوئی تدارک نہیں کر سکا۔ ایک فرنگی کیول نامی کے مشورہ سے قلعہ والوں کو پیغام بھیجا گیا کہ کیوں اپنی جان ضائع کرتے ہو، قلعہ خالی کر دو، ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ انھوں نے قلعہ خالی کر دیا، مگر سلطان محمد خاں نے بدعہدی کر کے انھیں گرفتار کر لیا اور اپنا بندوبست کیا۔ اخوند ظہور اللہ جو کہ ضامن تھے کسی صورت سے نکل گئے اور کیول بدعہدی پر ناخوش ہو کر نوشہرے چلا گیا۔

سید صاحب نے زبردست حکمت عملی اختیار کی۔ اعلان کیا کہ وہ پشاور پر لشکر کشی کر رہے ہیں، دہشت کھا کر سلطان محمد خاں اور درانیوں نے قلعہ چھوڑ دیا۔ وہ لوگ بھی جو قلعہ میں قید ہو گئے تھے رہا ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے ایک حجرے سے قید خانہ کی کچی دیوار کاٹی تھی اور نکل گئے۔

سید صاحب نے سکھ لشکر کے مسلمان عہدیداروں کو خطوط لکھے۔

اب خبریں آنے لگیں کہ خادی خاں کا بھائی امیر خاں اپنی مدد کے لئے حضرو سے سات سو سکھ لایا ہے اور اب قلعہ ہنڈ میں ان کا بندوبست ہے۔ ملک سمہ کے اکثر ملک اور خوانین سکھوں سے مل کر ان کے تابعدار ہو گئے۔ پائندہ خاں سید صاحب کی اطاعت میں پس و پیش کرنے لگا۔ لوگوں نے سید صاحب کو ملک کشمیر کی طرف رخ کرنے کا مشورہ دیا۔ پائندہ خاں نے لکھا کہ آپ ہماری عملداری سے ہو کر نہ جائیں ورنہ لڑائی ہوگی۔

سید صاحب نے حجت شرعی قائم کرنے کے لئے پھر اسے خط لکھا لیکن وہی جواب پایا۔ آپ نے توپوں کو زمین میں دبوایا اور پنجتار سے کوچ کیا۔ پائندہ خاں کو اطلاع ملی کہ دگیڑہ اور فروسہ میں سید صاحب اپنی فوج کے ساتھ آ گئے ہیں، مخبر پائندہ خاں کے ارادوں کی خبر لاتے رہے اور ان کا توڑ ہونے لگا۔ پائندہ خاں نے بڑی زبردست سازش رچی۔ رسالدار اور سید اکبر صاحب نے فریب کو پہچان لیا مگر سید احمد علی صاحب نے سید صاحب کے حکم کے خلاف کچھ کرنے سے اتفاق نہیں کیا۔ مگر مجاہدین نے کوتلہ بھی لے لیا اور امب میں ڈیرا کیا۔

امب میں لڑائی نے عجب کیفیت اختیار کی۔ ریات غیر یقینی نظر آ رہی تھی، پھر لڑائی میں مجاہدین اپلہ بھاری ہوا تنولی بھاگنے جاتے تھے اور کہتے اتے تھے کہ خاں چل گئے (چلے گئے)۔

اللہ نے فتح دی، خوش خبری سید صاحب کی دمت میں بھیجی گئی۔ حضرت نے قاصد کو اپنا جبہ عنایت ا مولانا دوسرے دن صبح کو اپنے آدمیوں کے ساتھ ب میں داخل ہوئے۔

سید صاحب نے توپیں منگوائیں۔ مجاہدین سے پھتر بائی کی گڑہی کی کیفیت پوچھی۔ پھر فرمایا کہ شاء اللہ وہ گڑہی بغیر لڑائی کے خالی ہو جائے گی۔

ایک مجاہد حافظ عبد اللطیف صاحب نے ودرانی سے کام لیا اور کئی مجاہدین کی شہادت کا عث بنے، شیخ بلند بخت کے بھائی بھی شہید ہوئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ تمہارے بھائی نے اپنا مقصد پالیا۔ ن کے لئے دعا کی۔ حافظ عبد اللطیف صاحب کو ملامت ی گئی۔

پائندہ خاں نے پھر فریب کا جال بچھایا۔ کہا کہ سید صاحب اپنا لشکر کھبل بھائی سے ہٹالیں تو پھتر بھائی کی گڑھی خالی کر دوں اور اپنا بیٹا بھی سید صاحب کے پاس ضمانت میں بھیج دوں۔

سید صاحب نے کچھ لوگ گفتگو کے لئے اس کے پاس بھیجے مگر ان لوگوں نے فریب کو بھانپ لیا۔ دس پندرہ دن کے بعد لڑکا جہاندار آیا۔ سید صاحب نے اس کی بڑی خاطرداری کی۔ پھر اس کی ماں نے ایک جذباتی خط سید صاحب کو لڑکے کو دیکھنے کے لئے لکھا۔ سید صاحب نے اسے بھیج دیا مگر رات میں وہ دفینہ جو اس کی کوٹھری میں دفن تھا کھود کر ساتھ لیتا گیا۔

اب سید صاحب کو کشمیر کی طرف بڑھنے کا خیال ہوا۔ بیچ میں تنولیوں کا علاقہ اور پائندہ خاں کی ریاست واقع تھی۔ سلیمان شاہ والی چترال کا وعدہ تھا کہ وہ گلگت کے راستہ مدد پر آئے گا۔

سید احمد علی صاحب اپنی فرمائش پر اس مہم پر مامور ہوئے۔ سید صاحب نے تین لشکروں کو دریائے اٹک کو تین گھاٹوں سے عبور کرنے کا حکم دیا۔ گڑھی کی طرف سے کچھ مزاحمت ہوئی مگر توپ کے گولوں کی مدد سے مجاہدین نے دریا پار کر لیا۔ سید احمد علی صاحب آدھی رات کو شاہ کوٹ پہونچے اور یکبارگی گڑھی کا محاصرہ کر لیا۔ گڑھی والے امان مانگ کر اپنے ہتھیار لے کر نکل گئے۔

پائندہ خاں نے ہری سنگھ سے مدد مانگی مگر اس نے کہا کہ تم بے وفا اور فریبی شخص ہو۔ پائندہ خاں نے اپنا بیٹا ضمانت میں دیا۔ اس دوران سید احمد علی صاحب نے پھولڑہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

تینوں لشکر پھولڑے کے مقام پر یکجا ہوئے۔ میر فیض علی نے وسیع میدان جنگ کے لئے چنا اور اس کا مشورہ سید احمد علی صاحب کو دیا۔ یہ مشورہ صائب نہ تھا اور سید صاحب کی ہدایت کے خلاف تھا مگر ایسا ہی طے ہو گیا۔ لڑائی فجر کے وقت شروع ہوئی، مجاہدین تتر بتر سے ہو گئے۔ سید احمد علی صاحب اور فیض علی صاحب، مولوی محمد حسن رامپوری اور رحیم بخش جراح شہید ہو گئے۔ مجاہدین کا سامان لوٹ کر لوگ لے جانے لگے جس میں سید صاحب کا گھوڑا بھی تھا۔ محمد خاں نشان بردار کو بڑی غیرت محسوس ہوئی اور پھر زبردست مقابلہ کیا۔ اس اچانک حملے میں مجاہدین کی جوانمردی اور شجاعت اور شہادت کے واقعات بہت ولولہ انگیز ہیں۔

جب سید احمد علی کی شہادت کی اطلاع سید صاحب کو پہونچی تو فرمایا الحمد للہ جس مراد کو وہ گئے تھے وہ پوری ہوئی اور کافی دیر تک سکوت اختیار کیا۔ شاہ اسمٰعیل صاحب جو فتح کی خبر کے انتظار میں تھے ان کو سید احمد علی صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی انھوں نے گڑھی کا انتظام کر کے مراجعت کی۔

اس لڑائی میں پائندہ خاں اپنی زنبورکیں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ سید صاحب نے ان کو اٹھوا لیا۔

پائندہ خاں کی مصالحت

پائندہ خاں نے ایک اقرار نامہ تحریر کیا جس میں لکھا کہ مخالفین اسلام کے ساتھ تعلقات نہیں قائم کئے جائیں گے اور مسلمانوں اور لشکر اسلام کی بد خواہی نہیں ہو گی۔ مدو خاں کا علاقہ اس کے حوالہ کر دیا جائے گا اور کشمیر کی فوج کشی میں حصہ لیا جائے گا۔ سید صاحب نے لکھا کہ اگر پائندہ خاں اپنی شرائط پوری کرے گا تو اس کی سرداری برقرار رہے گی بلکہ بڑے درجہ کا سردار بنا لیا جائے گا۔

اب نظام قضا کے نفاذ اور اصلاح اخلاق کی بھرپور تدبیریں کی گئیں۔ قاضی، مفتی اور محتسب مقرر ہوئے۔ سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل ایسے کام میں شریک ہوئے بلکہ ابتدا کی جو جسمانی محنت اور خدمت گاری سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی کام سے عار نہ تھا اور عام مجاہدین کے لئے یہ بات بڑی ہمت افزائی کا باعث ہوتی۔ پانی لائے۔ صفائی کی۔ بوجھ اٹھایا، ملبہ صاف کیا۔

ایک انتہائی سیاہ کار رہزن جس کو سکھوں کی مدد حاصل تھی، پھلیلہ نام کا عوام کے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ اس کو سید صاحب نے اصلاح کے لئے خط لکھا، وہ ملنے آیا۔ سید صاحب اس کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ اس نے بداعمالیوں سے توبہ کی اور اپنی کارگذاری دکھائی۔ دشمن کے رسد کے قافلے پر حملہ کیا۔ سید صاحب نے مدد کی، سب رسد اور مال غنیمت مجاہدین کے ہاتھ لگا۔

ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی، آم کا ایک درخت جو پھلتا نہیں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ حاکم کے ظلم اور زیادتی کی بے برکتی ہے۔ سید صاحب نے دعا کی، اس میں پھل آئے۔ اس کے پھل توڑ کر پال رکھوا دیئے گئے، کئی ٹوکرے پنجتار گئے اور غازیوں میں تقسیم کئے گئے۔

سکھوں کی سعی مصالحت اور مسلمان سفیروں کی حق گوئی اور جرأت

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو یہ خیال آتا رہا کہ سید صاحب ایک فقیر منش درویش صفت بزرگ ہیں۔ سرحد و افغانستان میں بارہا ایسا ہوا کہ کسی شیخ طریقت یا صاحب جمعیت بزرگ نے علم جہاد بلند کیا اور مریدین اور مخلصین کی جمعیت اپنے گرد جمع کر لی لیکن پھر حکومت نے ان کو کوئی علاقہ یا جاگیر دے کر یا وظیفہ اور نذرانہ مقرر کر کے گوشہ نشینی، یاد الٰہی اور خدمت خلق پر آمادہ کر لیا اور شورش رفع ہو گئی۔ مہاراجہ نے اپنے مشیر خاص اور معتمد حکیم عزیز الدین کو اپنا وکیل بنا کر سید صاحب کی خدمت میں امب بھیجا۔ وزیر سنگھ جو مہاراجہ کا برادر نسبتی تھا ہمراہ تھا۔ مہاراجہ نے اپنے خط میں لکھا کہ آپ سید، حاجی اور غازی اور اللہ والے ہیں۔ اگر ہندوستان سے اس ملک میں ملک گیری کے ارادہ سے آئے ہیں تو آپ دریائے اٹک سے اس پار کی نو لاکھ روپیہ کی آمدنی کی جاگیر ہم سے لے لیں اور دریا کے اس پار جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں اس ملک کی نعل بندی ہم لیتے آئے ہیں وہ ملک بھی ہم آپ کے نذر کریں۔ آپ بفراغت اپنے صاحب کی بندگی میں مشغول رہیں اور اگر آپ لاہور میں ہمارے پاس چلے آئیں تو ہم آپ کو اپنی کل فوج کا افسر بنا دیں۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ ہم محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں۔ اگر وہ اپنا تمام ملک ہمیں دیدیں ہمیں اس سے غرض نہیں، البتہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ہمارا بھائی ہے۔ حکیم صاحب اس جواب سے بہت متاثر ہوئے۔

وینتورا اور الارڈ نے ۱۲ ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ پشاور کی نعل بندی کے لئے کوچ کیا۔ وینتورا نے خود اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ لشکر مجاہدین سے کوئی قابل اعتماد اور فہیم شخص آ کر گفتگو کرے۔

سید صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کو اس کام کے لئے چنا۔ کئی لوگ بشمول حاجی بہادر شاہ خاں ساتھ ہو لئے۔ وینتورا نے بڑی صلح کن اور سمجھداری کی لیکن اپنے مطلب کی الزام آمیز گفتگو کی۔ مولوی صاحب نے جہاد کو عبادت بتایا، شہید کے رتبہ سے آگاہ کیا اور بڑی مبلغانہ گفتگو کی۔

وینتورا نے یہ بھی کہا کہ آپ اتنی بڑی طاقت سے کیسے جیت سکتے ہیں۔ مولوی صاحب نے اس کا تاریخ کے حوالے سے معقول جواب دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ امب میں آپ کی فوج کشی آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ سید صاحب کی موجودگی اور جغرافیائی حصار کی اطلاع دی۔ پھر وینتورا نے تحائف کے تبادلہ پر اصرار کیا اور گھوڑے کا تحفہ مانگا۔ مولوی صاحب نعل بندی کے نکتہ کو سمجھ رہے تھے اس لئے انکار کر دیا۔

مولوی صاحب واپس آ گئے۔ وزیر سنگھ نے خفیہ اطلاع دی کہ پنجتار کی طرف فوج کشی ہو گی۔ دونوں ولایتی افسر اور خادی خاں کا بھائی امیر خاں کھڑک سنگھ کے ڈیرہ پر اکٹھا تھے۔ سید صاحب نے مولانا اسماعیل صاحب کو اس کی اطلاع بھجوائی اور یہ بھی ہدایت دی کہ راہ میں جو دیہات پڑے اسے دشمن کے حملہ کی اطلاع دیں تاکہ وہ اپنے جان و مال کی حفاظت کر سکیں۔

غروب آفتاب تک مشہور ہو گیا کہ آج رات غازی سے پنجتار سے غنیم پر شب خوں ماریں گے۔ لشکر میں اضطراب پیدا ہو گیا اور ہر شخص بھاگنے کے لئے مستعد ہو گیا۔ ولایتی افسر حیرت میں کہ آخر یہ ہراس کیوں، افسروں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ دریا کو عبور کر کے پل توڑ دیا اور اٹک کی طرف کوچ کر گئے۔

مولوی خیر الدین صاحب پنجتار روانہ ہوئے۔ ان کے متعلق مشہور ہو گیا کہ کھڑک سنگھ قید کر کے لے گیا ہے اس لئے ان کی آمد سے لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ سید صاحب نے وینتورا سے ملاقات اور وہاں کا سارا ماجرا سنا اور مولوی صاحب کے اس جواب سے کہ گھوڑا تو کیا ہم گدھا بھی نہیں دیں گے بہت محظوظ ہوئے۔

ملک سمہ کی دوبارہ تسخیر و انتظام اور جنگ مروان

قاضی حبّان نے سید صاحب سے درخواست کی کہ سوار اور پیادوں کو ان کے ہمراہ انھیں امیر بنا کر روانہ کریں تاکہ وہ ملکِ سمہ میں جو بغاوت کی سی فضا ہے اس وعظ و نصیحت سے ٹھیک کریں اور جو نہ مانیں ان کو بزور راہ پر لائیں۔ انھوں نے اختیار کلی مانگا اور فرمائش کی کہ مولانا اسماعیل کو ہمراہ کر دیں۔

قاضی صاحب نے فتح خاں کے مشورے سے کچھ اہم لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ ملک سمہ میں جہاں جہاں دشمنوں نے زمین دبالی ہے ان پر لشکر کشی کی جائے اور ملک ان سے خالی کرا لیا جائے۔ فتح خاں نے کہا کہ ہم قاضی صاحب کو عشر بھی دلوائیں گے۔ علماء نے کچھ قیل و قال کی مگر پھر قائل ہو گئے۔

قاضی صاحب چھوٹے چھوٹے قلعوں کو تسخیر کرتے اور ان کا انتظام کرتے آگے بڑھے۔ غنیم نے خوف کھا کر ہُنڈ کے قلعہ کو خود ہی خالی کرا دیا۔ خاں ہوتی نے سرکشی کی۔ (جاری)

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات، اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

شاہ عبدالعزیز آلِ سعود کا حجاج کرام سے خطاب

بعض لوگ ہمیں اور ہماری تحریک کو ایک علاحدہ گروپ سمجھ کر وہابی قرار دیتے ہیں۔ یہ چند مفاد پرست عناصر کا غلط پروپیگنڈہ ہے جب کہ ہم نہ کسی مسلک کے دعویدار ہیں اور نہ ہی کسی اجنبی عقیدے کے حامل۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کوئی نئی بات نہیں کہی، ہم سلفِ صالحین کے عقیدے پر عامل ہیں جو کتاب وسنت کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ ہم چاروں ائمہ کرام کو قابلِ احترام قرار دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور ابوحنیفہ عزت واحترام میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ یہی وہ عقیدہ اور دعوت ہے جو امام محمد بن عبدالوہاب لے کے اٹھے تھے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو تمام بدعات سے پاک وصاف خالص توحید کی بنیاد پر قائم ہے۔ ہم اسی عقیدۂ توحید کی دعوت دیتے ہیں اور یہی وہ عقیدہ ہے جو ہمیں موجودہ مصائب اور مشکلات سے نکال سکتا ہے۔

بعض تجدد پسند مسلمان جس جدت پسندی کی دعوت دیتے ہیں اس کو اپنانے میں ہماری ترقی کا راز ہے۔ حقیقت میں یہ خام خیالی ہے کیونکہ اس قسم کی فکر نہ ہمیں کسی منزل پر پہونچا سکتی ہے نہ ہی اخروی سعادت سے ہمیں ہمکنار کرسکتی ہے۔ مسلم امت اس وقت تک فائدے میں رہے گی جب تک کہ وہ کتاب وسنت کو تھامے رہے گی۔ مسلمان صرف اور صرف کلمہ توحید ہی کے ذریعہ اپنی دنیوی اور اخروی سعادت میں اضافہ کرسکتے ہیں۔

وہ جدت پسندی ہمیں منظور نہیں جس کو اپنا کر ہم اپنے دین اور عقیدے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ ہم تو اللہ کی مرضی کے طلب گار ہیں اور جو اللہ کی مرضی کا طلب گار رہے گا اللہ رب العزت اس کے لئے کافی ہے۔ وہی اس کا مددگار رہے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو جدت پسندی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی چیز انھیں فائدہ دے سکتی ہے تو صرف ان کا اپنے دین اور صحیح عقیدے کی طرف لوٹنا ہے جس پر سلف صالحین کاربند تھے۔ جو کتاب اللہ اور سنت کے عین مطابق ہے۔ موجودہ مسلمانوں نے اس عقیدے سے اپنے آپ کو دور کرلیا اور مختلف غیر دینی مصروفیتوں میں گم ہوگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل کردیا۔ اگر وہ کتاب وسنت پر کاربند ہوتے تو یہ مصائب اور مشکلات ان کا مقدر نہ بنتیں اور نہ ہی وہ اپنی عزت وحشمت گنواتے۔

آج مسلمان کتاب وسنت سے منہ موڑ کر اختلاف اور انتشار کا شکار ہوگئے اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ اپنے اختلافات اور مشکلات کا سبب غیروں کی سازشوں کو قرار دیتے ہیں جب کہ ہمارے اپنے اعمال ہی ہماری مصیبتوں کا سبب ہیں کیونکہ ایک مضبوط عمارت کو باہر کی ہوائیں اس وقت تک نقصان نہیں پہونچا سکتیں جب تک کہ کوئی اندرونی طور پر اس میں سوراخ نہ کردے۔ اگر مسلمان خود متفق اور متحد ہوتے تو کسی باہر والے کی کیا مجال کہ ان کے درمیان افتراق برپا کرے۔ مسلمان آپسی اتحاد ہی سے مضبوط اور ناقابل شکست بن سکتے ہیں اور یہ اتفاق صرف کتاب وسنت پر عمل کرکے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ دعوت توحید ہمارے اس اتفاق کو توانائی عطا کرتی ہے۔ اگر ہم نے اس کسوٹی کو چھوڑ دیا تو کوئی چیز ہمارے اندر اتحاد پیدا نہیں کرسکتی۔

(بشکریہ صراط مستقیم۔ برمنگھم)

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

تو اس میں نسبتاً وزن زیادہ ہوجاتا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی قبیل سے ہے، میں کسی حوالے میں الجھانے کے بجائے پوری کتاب پڑھنے اور رائے قائم کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر مکمل نام وپتہ کے ساتھ خریداری نمبر کا حوالہ دینے سے کارروائی میں جلدی اور آسانی ہوتی ہے۔

ردولی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خطاب

محمد ابراہیم ندوی

بروز دوشنبہ ١٥ / ٤ / ١٩٩٦ء مطابق ٢٦ / ١١ / ١٤١٦ھ زیر اہتمام اقراء ایجوکیشنل سوسائٹی ردولی میں بعد نماز مغرب ایک جلسۂ زیر صدارت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم منعقد ہوا جس کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دو بڑے اساتذہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی نے خطاب کیا (جلسہ میں مولانا محمد ابراہیم ندوی نے بھی شرکت کی۔)

تلاوت قرآن کریم سے جلسے کا آغاز ہوا۔ اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریری پروگرام شروع ہوا۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اپنے اہم خطاب میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ وحی کی ابتداء ہی لفظ اقراء سے ہوئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم اور اولین حکم تحصیل علم ہے جس کے بغیر کوئی قوم نہ ترقی کر سکتی ہے نہ اپنا مقام بنا سکتی ہے کیونکہ تعلیم کا اصل مقصد زندگی کو بامعنی اور مفید بنانا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب علم کا بنیادی تعلق اللہ کے نام سے ہو، آپ نے فرمایا کہ علم و ثقافت کی رہنما اور تہذیب و تمدن کی علمبردار قومیں آج خدا بیزاری کی وجہ سے اخلاقی اور روحانی امراض میں مبتلا ہیں حضرت مولانا نے شاہ معین الدین احمد ندوی ردولوی کے تعلق سے بھی ایک تعلیم گاہ کے قیام کی اہمیت واضح کی حضرت مولانا کی تقریر میں توحید خالص اور تصحیح عقیدہ کے سلسلہ میں بڑی دلسوزی تھی آپ نے حاضرین کو اسپین کی تاریخ یاد دلائی جیسا کہ وہاں پر اسلامی سلطنت کے زوال اور اس کے اسباب کی طرف اشارے کئے آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اسپین کی تاریخ سے واقف ہیں ان کو خوب معلوم ہے کہ وہاں بچوں کو دینی تعلیم دینا بھی جرم تصور کیا جاتا تھا اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دلانے والا شخص سزاؤں کا مستحق قرار پاتا تھا آج ملک کی حالت سے اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس ملک کو بھی اسپین بنانے کے لیے کچھ طاقتیں سرگرم عمل ہیں۔ حضرت مولانا کی بصیرت افروز تقریر سے سامعین بہت متاثر ہوئے۔

مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازی پوری نے علم و آگہی کی اہمیت و ضرورت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک بصیرت افروز تقریر کی نیز ردولی کے مشہور بزرگ شاہ احمد عبدالحق ردولوی کی صفات اور کارناموں پر روشنی ڈالی نیز بزرگوں کی للہیت، خدا ترسی، توحید و اخلاص دین پر استقامت کے پہلو اجاگر کئے۔

مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی نے مجمع کے سامنے ایک پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی، مولانا موصوف نے توحید خالص کے عنوان سے قرآنی آیات کی روشنی میں ایک مدلل، پر مغز اور اثر انگیز تقریر میں ——— احیاء کتاب و سنت کی دعوت دی اور ان تمام نام و نہاد رہنماؤں لیڈروں اور قوم کے مسیحاؤں کو ہدف بنایا جو سادہ لوح عوام کو اپنے شخصی مفاد اور ارزاں مقاصد کے لیے گمراہ کر رہے ہیں اور حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جلسے میں اقراء ایجوکیشنل سوسائٹی کے منیجر ڈاکٹر اطہر علی صاحب نے سوسائٹی کا تعارف کرایا اور اس کے پانچ نکاتی منصوبے بیان کئے جو۔

١۔ دارالعلوم اقراء، (٢) اقراء انگلش میڈیم اسکول
٣۔ بیت المال (٤) بلا سودی بینک (٥) ٹیکنیکل اسکول

پر مشتمل ہے۔

درحقیقت یہ جلسہ دارالعلوم اقراء سوسائٹی کا پہلا منصوبہ ہے کے سنگ بنیاد کی تقریب کے طور پر عمل میں آیا۔ جو نہایت کامیاب رہا۔ یہ پُر رونق تقریب حضرت مولانا کی دعاء پر ختم ہوئی واپسی میں حضرت مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاخ مدرسہ دعوۃ الحق بھلسر اور مدرسہ سید امیر علی شہید حلیم نگر تشریف لے گئے۔ اور دونوں مدرسوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور دعاء بھی کی۔

اعلان غائب غیر مفقود الخبر

مقدمہ نمبر ٢١ / ٢٩٧ سنہ ١٤١٦ھ

مدعیہ: شادیہ بانو بنت محمد یوسف انصاری، مقام دیلنا نورہ، ڈاک خانہ چوک ضلع لکھنؤ

بنام

مدعی علیہ: حسیب الدین ولد محمد محسن مقام حیات گنج ڈاک خانہ پیپر گاؤں نوادہ ضلع ہردوئی

اطلاع بنام مدعی علیہ

مقدمہ ہذا میں مدعیہ نے دارالقضاء میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے جس کی تاریخ پیشی ٢٨ صفر ١٤١٧ھ مطابق ١٥ / جولائی ١٩٩٦ء بروز دوشنبہ بوقت ٣ بجے دن مقرر کی گئی ہے۔

لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں تاریخ مذکور پر حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ بصورت عدم حاضری مقدمہ ہذا کی کارروائی مکمل کر کے فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے اور بعد صدور حکم چارہ جوئی کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

فقط

قاضی شریعت

مرکزی دارالقضاء اتر پردیش

ندوۃ العلماء

مختصر

عالمی خبریں

محمد شاہد ندوی

● گذشتہ دنوں برٹن آن ٹرنٹ جامع مسجد میں ایک ۲۲ سالہ انگریز عورت نے کشمیر اسلامک کونسل برطانیہ کے چیئرمین مولانا قاری طاہر طیب کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور اپنا نام زینب رکھنا پسند کیا، بعد ازاں قاری صاحب نے انھیں اسلامی ارکان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ اور اس نومسلمہ زینب کے لیے دین پر استقامت کے لیئے دعا بھی کی۔

● برازیل کے شہر گوارد ہوس میں ہر سال قومی تقریبات کے موقع پر مقامی چرچ کے پادریوں اور عیسائی علماء کو قوم سے خطاب کرنے اور انھیں دینی رہنمائی فراہم کرنے کی خصوصی دعوت دی جاتی ہے مگر اس سال عیسائی علماء کے علاوہ مقامی حکومت نے مسلمان علماء کرام کو بھی معاشرہ میں پھیلی ہوئی مختلف قسم کی برائیوں کو ختم کرنے میں تعاون کرنے کی دعوت دی ہے، چنانچہ وزارت اسلامی اور سعودی عرب کے نمائندوں نے ان تقریبات میں شرکت کی اور برائیوں کے استیصال میں اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کیا۔ قومی تقریبات میں مسلمان علماء کو شامل کرنے کا مقصد یہ بتلایا جاتا ہے کہ برازیل میں روز بروز نشہ آور اشیاء کا استعمال نوجوان طبقہ میں زور پکڑتا جا رہا ہے۔ نیز عورت و مرد کے آزادانہ اختلاط کی وجہ سے پھیلنے والی جنسی بیماریوں پر قابو پانا حکومت کے لیے مشکل ہو چکا ہے اس لیے حکومت برازیل اسلامی طریقہ کار کو اپنا کر برائیوں کے خاتمے میں کوشاں ہے۔

مقام عبرت ہے کہ ان نام نہاد مسلم ملکوں کے لیے جو دین اسلام جیسی انمول چیز اپنے پاس رکھتے ہوئے بھی اپنے قوانین اور آئین میں ابھی تک دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں جبکہ عیسائی ملکوں میں دینی تعلیمات کو نجات دہندہ تصور کیا جا رہا ہے۔

● اسلامی بینک جدہ کی جانب سے مختلف ملکوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۳،۲،۷ مسلمان طلباء کو وظائف جاری کئے گئے ہیں جن میں گیارہ سو مسلم طلباء بحیثیت ڈاکٹر اور انجینئر فارغ التحصیل ہو چکے ہیں جبکہ ۱۹۸۴ء سے اب تک نادار طلباء پر بیس ملین ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ یہ وظائف بطور قرض حسنہ جاری کئے جاتے ہیں۔

● ایک امریکی ادارے کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں مساجد کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ کچھ عرصہ قبل پورے امریکہ میں صرف چھ سو مسجدیں تھیں لیکن اب ۱۲۵۰ مساجد تعمیر ہو چکی ہیں اور امریکہ کے ایک چھوٹے سے شہر "لاڈو" میں ۱۹۸۹ء تک صرف ایک مسجد تھی مگر اب وہاں پانچ مسجدیں بن چکی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ میں مسلمان انتہائی تیزی سے دین اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔

● جامع ازہر مصر کی جانب سے آذربائیجان کے دارالخلافہ "باکو" میں عنقریب ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی جا رہی ہے جہاں وسط ایشیا کے اسلامی ملکوں میں دعوت اور تعلیم کے لیے علماء اور ائمہ تیار کئے جائیں گے، جس کا نصاب جامع ازہر کی نگرانی میں پڑھایا جائے گا۔

● مشرق بعید کے مسلم ملک برونائی کی سرکاری ائیر لائن آر بی اے کے نشریہ میں کہا گیا ہے کہ عنقریب داخلی اور خارجی پروازوں میں عملے کے لیے اسلامی لباس اور خواتین کے لیے پردہ کا تعین کیا گیا ہے اور پرواز کی اڑان سے قبل سفر کی مسنون دعاؤں کا اہتمام کیا جائے گا نیز قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ایک اسلامی چینل کا اضافہ کیا جائے گا۔

● تنظیم احیاء التراث الاسلامی (کویت) نے مختلف ملکوں میں اب تک ۳۳۴ داعی مقرر کئے ہیں جس کا مقصد اسلامی دعوت کا فروغ و اشاعت اور ایشیائی ملکوں کے مسائل و مشکلات کا جائزہ لے کر مناسب بندوبست کرنا ہے، تنظیم اسلامی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مسلم طلباء کو وظائف بھی دیتی ہے، اور اس نے ۹۳ ایسے مبلغ اور داعی مقرر کیے ہیں جو ہندوستان نیپال، انڈونیشیا، تھائی لینڈ و فلپائن میں اسلامی دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل ہیں، یہ تنظیم مختلف ملکوں میں یتیم خانوں اور تعلیمی اداروں اور مساجد کی تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر تعاون کرتی ہے۔ واضح ہو کہ تنظیم کے منصوبہ میں ۸۱۶ مساجد کی تعمیر شامل ہے جن میں کچھ مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں۔

● افغانستان کی خانہ جنگی میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا ہے کہ گلبدین حکمت یار کے حزب اسلامی نے صدر برہان الدین ربانی سے ہاتھ ملا لیا ہے اور اب دونوں پاکستان کی حمایت میں سرگرم طالبان فورسس کے خلاف کارروائی کریں گے۔

مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ

چند اصلاحی مکتوبات

۱۳۹۱-۹۲ھ میں جب میں مدرسہ مظاہر العلوم
یر تعلیم تھا۔ مدرسہ میں غالباً امتحان سہ ماہی کے بعد
ں ہوئی تو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حضرت مولانا
ح اللہ خاں کی خدمت میں جلال آباد پہنچ گیا اس
حضرت ایک چھوٹے سے مگر بہت صاف ستھرے
میں تشریف فرما تھے کمرہ میں ہر چیز انتہائی سلیقہ
اتھ رکھی ہوئی تھی فرش نہایت عمدگی کے ساتھ سجا ہوا
س پر نہ کہیں شکن اور نہ کہیں کوئی زائد چیز تھی
، وجمال کی باہم یاریاں دیکھیں دریافت فرمایا
ہاں سے آنا ہوا؟ عرض کیا مظاہر علوم کا طالب علم ہوں
ھتے ہیں؟ عرض کیا دورۂ حدیث شریف، اس
ایا کہ "دورہ" اصل میں "دَوْرَہ" ہے یعنی اب یہاں
دراستے ہو رہے ہیں ان میں سے ایک راستہ آپ کو
ار کرنا ہے اور اس پر کچھ تفصیل سے ارشاد فرمایا پھر
ں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

مدرسہ واپسی کے بعد احقر نے ایک عریضہ
جس میں اصلاحی تعلق اور بیعت کی درخواست
ی تھی۔ مسیح الامتؒ نے اس عریضہ کے جواب میں
رقم فرمایا وہ ان کی شانِ مسیحائی کا ترجمان،
ارشادی کا پرتو اور شیخ کامل کی توجیہ وہدایت
ل آئینہ دار ہے لیجئے آپ بھی پڑھ لیجئے اور قلب
یت کی وادی سیراب کر لیجئے، جنچے تلے حشو و
ئد سے پاک جملے لفظ لفظ پر مغز اور پُر معنی
مبتدی سالک کو راہِ سلوک کی ضرورت د
ت اور شریعت میں اس کے درجہ ومقام
سے روشناس کرایا جا رہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں!

"تزکی وتزکیہ فرض ہے جس طرح تعلیم وتعلم فرض ہے اور جس طرح تعلیم وتعلم کے لیے مدارس میں داخلہ باقاعدہ وبا ترتیب حصول علم کے لیے فرض ہے اسی طرح تزکیہ وتزکی کے لیے خانقاہ میں داخلہ فرض ہے، حقیقتاً ہو یا حکماً۔ حقیقتاً قیاماً، حکماً مکاتبتاً ومطالعتاً بندہ کو خدمت سے عذر نہیں ہے لیکن بیعت سے قبل جو کہ وہ بیع کا معاملہ ہے پرکھنا چیز کا کھرا کھوٹا ہونا ضروری ہوتا ہے اس لیے یہاں پرکھنے کی صورت یا مقیم ہو کر مشاہدۃً ہو، مخاطبتہً ہو یا پھر مکاتبتہً ہو۔ جب نفع عمدہ ہونا معلوم ہو کہ حالات حالیہ وسابقہ میں حالات حسنہ عقبیٰ میں قربات وحسنات وصلوات من حیث التغیر محسوس ومبصر ہونے لگیں تب بیعت ہو کر بیع ہونا خوش مزہ نباہنا بمناسبت ہو کر مطلوب کا حاصل ہونا سہل ہو جاتا ہے والسلام۔"

ان چند جملوں میں ایک طرف تو تصوف کی حقیقت واہمیت اور بیعت کی ماہیت بیان کر دی گئی جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے کیسے کیسے اہل علم بھی اس فریضہ سے غافل ہیں اور دوسری طرف شیخ ومرشد کے انتخاب کا صحیح طریق اور اس کی علامات ونشانیوں کی طرف بھی رہنمائی فرما دی گئی اپنی بے نظیر تصنیف "شریعت وتصوف" حصہ اول میں حقیقت تصوف کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک اور وہ جز جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔" (ص ۹۶)

آگے چل کر اصلاح باطن کی فرضیت پر کلام فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"جس طرح قرآن میں واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ موجود ہے اسی طرح یاایھا الذین آمنوا اصبروا یعنی اے ایمان والو صبر کرو اور واشکروا للہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کُتِبَ علیکم الصیام اور للہ علی الناس حج البیت پاؤ گے تو دوسرے مقام پر یُحِبُّھُمْ ویُحِبُّونَہ اور والذین آمنوا اشدُّ حُبًّا للہ بھی دیکھو گے۔ جہاں اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کُسالیٰ اس کے ساتھ ہی یُراؤُنَ النّاس بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارک نماز وتارک زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر وعجب کی برائی موجود ہے" (ص ۹۸-۹۹)

یہی علم وعمل اور پھر اعمال میں اعمال ظاہری واعمال باطنی میں جامعیت کی شان ہمارے مدارس کی امتیازی خصوصیت تھی جس کا اول قدم تصحیح نیت اور اخلاص للہ تھا جس کے فیضان سے آج تک یہ گاڑی کسی نہ کسی طرح چلی جا رہی ہے پہلے مکتوب گرامی کا مضمون آپ ملاحظہ

(باقی ص ۳۰ پر)

مطالعہ میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

"لآلی منثورۃ" (بکھرے ہوئے موتی) ملفوظات حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عربی ترجمہ از مولانا نور عالم خلیل امینی۔

سائز ١٨×٢٢/٨ صفحات مع کور ٢٩٢ قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر شیخ الہند اکیڈمی۔ جامعہ دارالعلوم دیوبند 247554

ریاض میں قیام کے دوران ایک شیخ کے بارہ میں معلوم ہوا کہ وہ دس سال تک تبلیغی جماعت سے جڑے رہے اور اب علاحدہ ہو گئے، میں ان سے ملا اور علاحدگی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلانے کے بجائے صوفیاء کے اقوال کی طرف بلاتے ہیں۔ میں نے برجستہ کہا آپ کا یہ جملہ آپ کا قول ہے یا قرآن و حدیث کی بات ہے؟ بہر حال شیخ صاحب کی مزید گفتگو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، ان کو کسی نے پڑھا دیا کہ یہ لوگ حدیث پڑھنے کے بجائے مولانا محمد الیاس صاحب کے ملفوظات کی تعلیم کرتے ہیں لیکن کسی نے یہ وضاحت نہ کی کہ ان کے ملفوظات کتاب و سنت کی تشریح و تفسیر ہی ہوتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا عربی زبان میں آجانا ایسے عربوں کی غلط فہمیاں دور کرنے میں ممد و معاون ہوگا جو اپنی ناواقفیت کے سبب یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمارے بزرگ دین سے الگ کوئی فلسفہ پیش کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مشاہیر کے ملفوظات کتاب و سنت کی تعلیمات سے عاری محض عقلی فلسفہ ہیں لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں ہیں جن کی کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ کتاب و سنت کی تفسیر ہوتی ہے۔

موجودہ کتاب کے فصلوں کے عناوین ہی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتاب میں کیا ہوگا ملاحظہ ہو۔ تفسیر آیات، شرح احادیث، امور فقہیہ، حکم و نوادر، لایعنی باتوں میں پڑنا، مختلف موضوعات۔

آج کل ہمارے ملک کے مسلمانوں کے تعلقات عرب عوام و خواص سے بہت بڑھ چکے ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ پڑھے لکھے عربوں تک یہ کتاب پہونچائیں، اس سے ان کی غلط فہمیاں دور ہوں گی اور ان کو اس کا اعتراف کرنا ہوگا کہ علمائے ہند کی کتاب و سنت کی تفہیم میں کتنی گہری نظر رہی ہے۔ مدارس عربیہ کے اونچے درجات کے طلبہ کے لئے بھی یہ کتاب بہت مفید ہے، اس کے پڑھنے سے جہاں بہت سے دینی مسائل حل ہوں گے ساتھ ہی عربی زبان میں اپنی بات ادا کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوگا۔

"یونیفام سول کوڈ مسلم پرسنل لا اور عورت کے حقوق" از مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ ١٨×٢٢/٨ سائز مع کور ٥٢ صفحات کا یہ کارآمد پمفلٹ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، صدر کیمپ آفس لکھنؤ کی جانب سے شائع ہوا ہے، قیمت پندرہ روپیہ ہے۔ پمفلٹ کا مضمون پہلے قومی آواز اور تعمیر حیات میں شائع ہو چکا ہے لیکن اس کی افادیت کے پیش نظر کچھ اضافوں کے ساتھ اب پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے، اس کتابچہ کو حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم صدر مسلم پرسنل لا بورڈ نے بھی بہت پسند فرمایا وہ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ رسالہ جو قارئین کے پیش نظر ہے بروقت اور برمحل اور ایک موزوں ترین اور اہل فاضل کے قلم سے قارئین کے سامنے آرہا ہے، امید ہے کہ مختلف تحریکوں کے قائدین، قانون ساز ایوانوں کے ارکان، اور ملک کے مفاد میں کام کرنے والے اس سے استفادہ کریں گے اور یہ نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ ملک کے مفاد میں ہوگا۔"

اپنے موضوع کے لحاظ سے پمفلٹ بہت جامع اور وقت کے لحاظ سے بہت اہم کارآمد اور مفید ہے، ہر پڑھے لکھے کی نظر سے یہ پمفلٹ گزرنا چاہئے۔

"تاریخ درس نظامی" از مولانا محمد شاد علی قاسمی صاحب

سائز: ١٨×٢٢/٨، صفحات مع ڈسکور ١٧٠۔ قیمت: ٣٠ روپے

اس میں شک نہیں کہ ملا نظام الدینؒ کے بنائے ہوئے درس نظامیہ سے ان گنت مدارس، دارالعلوم، علماء اور طلباء نے فائدہ اٹھایا اور فائدہ اٹھاتے چلے آرہے ہیں اور اسی درس کو پڑھ کر مایۂ ناز علماء و صلحاء تیار ہوئے، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ یہ نصاب جو ایک وقت کے لئے تیار کیا گیا تھا اب اس میں بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں مختلف لوگ مختلف پہلوؤں سے لکھتے رہے ہیں اور بڑا معتدل مضمون مولانا سید عبد الحی الحسنیؒ کا "درس نظامی" ہے، اس میں بھی شک نہیں کہ اب بھی بعض حضرات کو اس نصاب سے ایک عقیدت سی ہو گئی ہے اور وہ اس کے خلاف کچھ بھی سننے کے لئے قطعاً تیار نہیں، لیکن جب اسی درس نصاب کا فارغ التحصیل اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتا ہے

باقی ص ٢٤ پر

بقیہ: درس حدیث

اسی سانچہ میں ڈھل گئیں۔ اسلام نے جن لوگوں نے اسلام کو اچھی طرح سمجھا اور ان کو اس میں مزا آیا ان پر یہی اثر ڈالا شوہر و بیوی دونوں نے ایک دوسرے کا حق ادا کیا، محبت و رحمت کے جذبات کے ساتھ ادا کیا، سعادت سمجھ کر خوش دلی کے ساتھ ادا کیا، محض ادائگی فرض اور انتظامی طور پر نہیں، تاکہ گھر کا ماحول دعوت و تربیت کے لئے پورے طور پر ساز گار رہے، اور خلافت کو عملی شکل دینے کے لئے تیار و ہموار رہے، اس حدیث کی روشنی میں جو بہت وسیع معنی رکھتی ہے، قرآن کریم بندۂ مؤمن کو آگاہ کرتا ہے، متنبہ و ہوشیار کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے گھر کے اندر تربیت و یاد دہانی کرانے کے فریضہ کو ادا کرنے کی پوری فکر کرے جس سے خود کو بھی آگ (نار جہنم) سے بچائے اور اپنے گھر والوں کو بھی، ذمہ داری مرد و عورت دونوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ اداروں اور مدارس میں ذمہ داریاں الگ الگ تقسیم ہوتی ہیں کہ جدید نسل کی تربیت مکمل اسلامی طریقہ پر ہو۔ اس تربیت کی ابتدا ماں کی نگرانی اور باپ کی رہنمائی سے شروع ہوتی ہے ماں اپنے چھوٹے بچوں کی تربیت، پیار و محبت، لطیف مسکراہٹ اور مکمل دیکھ بھال کے ذریعہ کرتی ہے۔ کمسن بچوں کی مناسبت سے ان کو اچھے قصے سناتی ہے حسن اخلاق کے نمونے دکھاتی ہے ادب و شائستگی کا خیال رکھتی ہے، جب بچے اس پیار بھرے ماحول میں پروان چڑھیں گے تو اگلے مرحلے میں باپ اپنا فریضہ ادا کرے گا۔ ان کی اچھی تعلیم و تربیت کا نظم کرے گا۔ بندۂ مؤمن کا کام اپنے بارے میں، اپنی اولاد کے بارے میں، اپنے متعلقین کے بارے میں بہت نازک اور جان جوکھم میں ڈال کر کرنے کا ہے۔

بچے عمر کے ابتدائی مرحلہ میں بڑی شفقت و محبت کے محتاج ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی کو بوسہ دیا۔ وہاں اقرع بن حابس بھی موجود تھا اس نے کہا اللہ کے رسول ہمارے دس بیٹے ہیں ہم نے ان میں سے کسی کو بھی آج تک بوسہ نہیں دیا، راوی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا، جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

یہ حدیث چھوٹے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں نبوی تربیت کا بڑا خوبصورت نمونہ اور توجہ نامہ ہے۔

حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو پکڑتے اور اپنی ران مبارک پر بٹھاتے اور حضرت حسن کو اپنی داہنی ران پر بٹھا لیتے پھر ہم دونوں کو چمٹا لیتے اور فرماتے "اللھم ارحمھما فانی ارحمھما" اے اللہ تو ان دونوں پر رحم فرما، میں ان دونوں پر مہربان ہوں، اس طرح سے اور بہت سی حدیثیں آئی ہیں، جو خاص طور سے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ہمارے سامنے بڑی واضح تصویر پیش کرتی ہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہونچ جائیں تو وہ شخص قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ ہم دونوں اس طرح (ساتھ) ہوں گے، آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر فرمایا اس طرح ساتھ ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کے بھی تین بیٹیاں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ شخص ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ تعالی کی رضا کو پیش نظر رکھے، کوتاہی سے ڈرتا ہے اور حسن سلوک کرے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ [1]

اس مشفقانہ تربیت کا اجر و ثواب شوہر و بیوی دونوں کو ملے گا، لہٰذا دونوں پر فرض ہے کہ خود اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچائیں، اور دونوں فکر مند رہیں کہ تربیت کا یہ موقع ضائع نہ ہو جائے کہ بعد میں کف افسوس ملنا پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت کی مدت کو جو مطلوب و ضروری ہے مناسب وقت و عمر کے ساتھ متعین فرما دیا ہے لہٰذا اس مدت میں خصوصاً تربیت اولاد کی پوری فکر رکھنی چاہئے۔

حضرت سبرہ بن معبد جہنی سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز چھوڑنے پر اس کو سزا دو)۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر ان کو سزا دو، ایسے ہی جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر بھی الگ کر دو یعنی الگ الگ سویا کریں)۔

اس مشترکہ ذمہ داری ہی کی وجہ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا" [1] اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ یہ ذمہ داریاں گھر اور متعلقین سب پر مشتمل ہیں، محض ماں باپ ہونا ہی اس ذمہ داری کا متقاضی ہے، دوسری کسی اور صفت و بات کی قید نہیں۔

یہ وصیت و حکم اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے، احادیث شریفہ میں بھی بار بار ذکر و تاکید آئی ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید تو بار بار آتی ہے لیکن اولاد کے ساتھ والدین کے سلوک کا ذکر خال خال آیا ہے

---

[1] آداب للبیہقی

[1] احقاف۔ ۳۴

ں کی وجہ یہ ہے کہ فطرت یعنی اولاد سے فطری تعلق و محبت
دہی والدین کو محبت و شفقت پر آمادہ کرنے کے
، کافی ہے۔ یہ ذمہ داری اور اولاد کی فکر خداداد ہے
والدین کو اس پر مجبور کرتی ہے اس کے لئے کسی ترغیب
شویق کی ضرورت نہیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک
، کے تقاضہ سے فرمایا گیا کہ آدمی اپنے باپ کے
ل کا نگراں و ذمہ دار ہے اس کے متعلق اس سے
ر پرس ہوگی، والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ایک
بہترین صورت یہ بھی ہے کہ ان کے مال کو بڑھایا
جائے اور ان کے مالی معاملات کی فکر و نگرانی رکھی
جائے، ان کے چھوٹے بچوں کی معاشرتی و تربیتی فکر
بھی کی جائے کہ وہ حقیقی بھائی بہن ہیں، نوخیز و کمسن
ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام خاندان کو اپنی عمارت
کی پہلی اینٹ قرار دیتا ہے۔ گھر وہ پناہ گاہ و قلعہ ہے
جہاں نوخیز پلتے اور پروان چڑھتے ہیں اور محبت
و تعاون، ایک دوسرے کی کفالت و تعمیر ذات کا مشترکہ
اور مثبت تعاون اپنے بڑے بھائی، اس کی بیوی اور بچوں
سے حاصل کرتے ہیں۔

بقیہ: اصلاحی مکتوبات

فرما چکے جس میں مدرسوں کی اصطلاح میں شرائط داخلۂ خانقاہ کا مختصر الفاظ میں مفصل بیان تھا۔ اب لیجئے معاً اس کے بعد کا دوسرا مکتوب گرامی بھی پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ داخلہ کے بعد پہلا سبق کیا ہے؟ یہ دھیان رکھئے کہ صرف مرشد کی تعلیم اور طرز تعلیم پر نظر رہے اور مخاطب کی حالت و کیفیت پر از راہ کرم نظر نہ ہو کہ یہاں تو اپنی بے استعدادی نے پورا تسلط جما رکھا ہے، اللھم احفظنا و وفقنا لما تحب و ترضیٰ۔ تحریر فرماتے ہیں:-

" مکرم بندہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

یوں تو عموماً لیکن باب اصلاح و تربیت باطنی میں خصوصاً عدم اختلاط اوّل شرط ہے۔ دوم باعتماد کامل و باعتقاد جازم بخلوص و صدق اطلاع کا اہتمام اتباع کا التزام لازم طریق ہے، سہولت کے لیے کتاب "شریعت و تصوف" کا بغور مطالعہ ہو۔ والسّلام"

افسوس کہ وہی عدم اختلاط جو عموماً سب ہی کے لیے اور خصوصاً طالبانِ علم و دین کے لیے شرط اول تھا آج عوام تو عوام طلباء اور فضلاء سب ہی کی نظر میں صد عیب بن چکا ہے اور اس کی ضد یعنی کثرت اختلاط کو کلید کامیابی اور حسن اخلاق کا معیار گردان لیا گیا ہے۔

یہ دونوں مکتوب گرامی بالکل ابتدائی ہیں اور مفصّل و مطوّل ہیں اب ذرا ان مکتوبات کی بھی سیر کرتے چلیں جنھیں کہیں ایک جملہ میں اور کہیں دو جملے میں علم و معرفت کو دریا بکوزہ کر دیا گیا ہے کہیں معاشرت کی اصلاح، کہیں تشجیع اور حوصلہ افزائی، کہیں مقصود حقیقی کی طرف رہنمائی، کہیں سستی اور کاہلی پر قدغن لیکن بطرز احسن اور کہیں چپکے سے ناسور دل پر مرہم کا پھاہا رکھ دینا کہ سوزش معصیت جل کر "برداً و سلاماً" کا منظر پیش کر دے مگر پہلے اس مکتوب گرامی کو ملاحظہ کرلیں جس میں ذاتیات سے متعلق چند سوالات کیے گئے ہیں کہ طالب زیر تربیت کی دنیوی و تعلیمی حالت پیش نظر ہو کر طریق تربیت اختیار ہو کہ مربی اور مرشد مجتہد ہوتا ہے اور وہ ہر طالب کے ساتھ اس کے حال کے مناسب جدا جدا معاملہ کرتا ہے کہ ایک ہی لکڑی سے سب کو ہانکنا طریق تعلیم و تربیت کے خلاف ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

" خیال نہ رہا۔ شاید دریافت بھی نہ کیا ہو
۱۔ عمر کیا ہے ۲۔ شادی ہوگئی ۳۔ بچے ہیں ۴۔ گھر
بدکوئی کاشتکاری کا سلسلہ ہے ۵۔ تعلیم کہاں
تک ہے ۶۔ کہاں تک کتابیں پڑھائی ہیں۔
والسّلام "

یہ سلوک و تصوف کا سبق ہو رہا ہے۔ دیکھیں وہ لوگ جو تصوف کو محض سر ہلانے اور گردن جھٹکنے کا ایک دھندا سمجھتے ہیں۔ جبکہ تصوف و سلوک کی حقیقت ظاہر و باطن کی درستگی ہے تو پھر ایک مربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ طالب کی ان نجی باتوں سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتا ہو تاکہ علی وجہ البصیرت اس کی رہبری کا فریضہ انجام دے سکے۔ (جاری)

ڈاکٹر محمد یونس صاحب کو صدمہ
(ہند آپٹیکلس لکھنؤ)

محمد یوسف صاحب مرحوم کی اہلیہ اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب (ہند آپٹیکلس لکھنؤ) کی والدہ محترمہ کا ۸۲ سال کی عمر میں ۲۳ رمئی ۱۹۹۶ء کو انتقال ہو گیا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم و صلوٰۃ کی پابند، بڑی نیک اور مخیر خاتون تھیں۔ پسماندگان میں دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ادارۂ تعمیر حیات مرحومہ کے پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتا ہے



پندرہ روزہ **تعمیرِ حیات** لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شمارہ نمبر ۱۶	۲۵ جون ۱۹۹۶ء ـ مطابق ـ ۸ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ	جلد نمبر ۳۳

زرِ تعاون

سالانہ ــــــ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ــــــ پانچ روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک:-
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
ــــــ ۲۵ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک،
بحری ڈاک جملہ ــــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ــــ منیجر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پارکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد



اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زرِ ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.25/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TH - U.K.

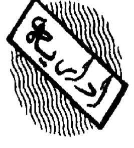
ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)





ہندوستان کی نئی مرکزی حکومت

خطرات سے نیک توقعات تک۔

ہندوستان میں گذشتہ دو ماہ بہت غیر یقینی فضا میں گزرے، ایک طرف ہندو فرقہ پرست جماعت کے عزائم و منصوبے تھے جن کا اس کے ذمہ دار ببانگ دہل اعلان کر رہے تھے اور ان کے پیش نظر سب سے زیادہ مسلمان باشندے تھے جن کا پرسنل لاء، عبادت گاہیں مذہبی شعائر ان کے نزدیک سب سے زیادہ قابل تغیر و تبدیلی تھے۔ ان کی فرقہ پرست جماعت اقتدار حاصل کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کے قائدین جو کچھ زبان سے کہتے ہیں وہ سب بذریعہ حکومت عمل میں لاسکیں۔

دوسری طرف مختلف جماعتیں تھیں جو ہندوستان کے سیکولر ڈھانچہ کو باقی رکھنا چاہتی تھیں تاکہ دستور کے مطابق ملک کے باشندے اپنے اپنے مذہبوں اور مذہبی رسموں اور مذہبی حقوق میں پوری خود مختاری کے ساتھ ملک و قوم کے مشترک مفادات کی تکمیل میں حصہ لیں۔ یہ فرقہ پرستی اور سیکولرزم کی کشمکش اس ملک میں یوں تو عرصہ سے قائم تھی لیکن گذشتہ پانچ سال جو ملک کی بنیادی سیکولر جماعت کانگریس کی حکومت کی بالادستی میں گذرے وہ سیکولرزم کو مضبوط کرنے کے بجائے ہندو فرقہ پرست طاقتوں کو ان کے مقاصد کے حصول کے قریب کرنے میں گزرے۔ چنانچہ الکشن کے قریب بالآخر یہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ برسر اقتدار حکمرانوں کی طرف سے کی جاتی رہی رعایتیں ہندو فرقہ پرست طاقت کو برسر اقتدار آنے تک نہ پہونچادیں۔ لیکن غیر کانگریسی سیکولر جماعتوں نے فرقہ پرستوں کی کامیابی کو روکنے میں زبردست رول انجام دیا۔ اور ان کے منصوبہ کو بالآخر ناکام بنادیا اور ملک کی غیر یقینی صورت حال اور فرقہ پرستی کی کامیابی کے کھلے احکامات سے گزرنے کے بعد سیکولر طاقتوں کا متحدہ محاذ شاندار کامیابی تک پہونچا۔ اور ہندو فرقہ پرست مذہبی حکومت کا فوری خطرہ ٹل گیا اور اقتدار سیکولر اور اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے حقوق کی حفاظت کی داعی جماعتوں کے متحدہ محاذ کو مل گیا جس میں سماج وادی پارٹی جنتادل پیش پیش ہیں۔

ہندوستان میں مذہبی حکومت کا قیام ہندو اکثریت کے مذہبی فائدہ کا تو ہوسکتا ہے لیکن ملک کی مذہبی اقلیتوں کو یقیناً اس سے نقصان پہونچتا۔ اس ملک میں جبکہ اقلیتوں کی کثرت ہے جن میں بعض اقلیتیں اپنی تعداد اور مذہبی خصوصیات کے اعتبار سے خاص حیثیت کی مالک ہیں، یہاں اکثریت کی مذہبی حکومت سے ان کو جس کشمکش کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور ملک میں تناؤ اور بے اطمینانی کی جو فضا پیدا ہوسکتی ہے وہ خود اس ملک کی ترقیات میں رکاوٹ کا باعث بن سکتی ہے اور تناؤ اور کشمکش کی فضا خود نظام حکومت کو ملک کی اندرونی بے اطمینانیوں کو دور کرنے میں بلاضرورت اپنی توانائیاں صرف کرنا پڑ سکتی ہے اور اس کی خاطر تشدد ظلم و بربریت کا سہارا لینا پڑ سکتا ہے۔ اور یہ ملک کے لیے قطعاً بھلائی کی بات نہیں ہوسکتی۔ مذہبی حکومت اسلام کی سرپرستی کے علاوہ کسی بھی دیگر مذہب کی ہو اس میں دیگر مذاہب کے ساتھ رواداری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسلام اس سلسلہ میں اس لیے مختلف ہے کہ اس میں اصولوں کی پابندی ہے جن سے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو بھی ان کا مذہبی حق پورا ملتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول ہے لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا جس کی رو سے کسی غیر مذہب والے پر مذہبی معاملہ میں کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا اور اس کو اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے اسلام کی تعلیم کے مطابق اقتدار حاصل کیا وہاں انھوں نے اہل ملک کو اپنی کسی مذہبی بات کو چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا اور نہ ان کی عبادت گاہوں کو نقصان

پہونچایا۔ سوائے اس کے کہ کسی عبادت گاہ کو خود اس کے ماننے والوں نے غلط کاموں کا اڈا سمجھا اور اس کے ازالہ کے لیے اس کو ختم کرنے کی خود فرمائش کی، یا کسی عبادت گاہ کے لوگ سب کے سب اپنے مذہب کو بدل کر دوسرے مذہب میں چلے گئے اور انھوں نے اپنی عبادت گاہ کو اپنے نئے مذہب کے مطابق کرانا چاہا۔ اسلام میں اسی لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے حکم کی بناء پر کوئی بھی مسلمان کسی غیر مسلم کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کر سکتا خود رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ ایک موقع پر آپؐ ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے دوپہر کا وقت تھا۔ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے، آپؐ کی تلوار درخت کی ایک شاخ سے لٹک رہی تھی کہ اتنے میں ان کے ایک دشمن نے آکر ان کی تلوار پر قبضہ کر لیا اور آپؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپؐ نے پورے اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ فرمایا، اللہ، آپ کا اللہ کہنا ایسے لہجہ اور اعتماد کے ساتھ تھا کہ وہ شخص گھبرا گیا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپؐ نے تلوار اٹھالی اور سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تم کو کون بچا سکتا ہے تو اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا کہ آپ تلوار کو ایک مہربان شخص کی طرح لیجیے آپؐ نے پوچھا کہ اسلام لاتے ہو اس نے کہا نہیں لیکن اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ سے دشمنی کا کام نہ کروں گا۔ آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا نہ قتل کیا اور نہ اسلام لانے پر مجبور کیا۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ بھی مذہب بدلنے پر مجبور کرنے سے منع کرتے ہوئے کہا گیا کہ

اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔

کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں یہ تو اسلامی احکامات ہیں اور مثالیں دیکھیے تو وہ بھی جگہ جگہ اسلامی تاریخ میں ملیں گی جن سے کھلی وضاحت ہوتی ہے کہ کسی غیر مسلم کو مذہب بدلنے یا مذہب پر عمل کرنے پر مجبور کرنا اسلام میں نہیں ہے ہاں اسلام کا تعارف کرانے اور اس کی اچھی باتوں کو ماننے کی ترغیب دلانے اور دعوت دینے کا حکم ہے ماننے پر مجبور کرنے کا حکم نہیں ہے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کافر دشمن سے جو آپؐ کے سامنے تنہا کھڑا تھا دریافت کیا کہ کیا مسلمان ہوتے ہو۔ آپ کو طاقت حاصل تھی آپؐ اس کو بآسانی مجبور کر سکتے تھے لیکن آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اسلام میں یہ رعایت ہے اسلام کی یہ رواداری ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے پیش آتی ہے۔ جہاں رعایت کرنا اپنی موت کو بلانا ہوتا ہے لیکن اسلام میں جنگ کرنے کے لیے اصول مقرر کر دیئے گئے ہیں جس کی رو سے ہر ایک سے اور ہر جگہ لڑنے کی اجازت نہیں چنانچہ اسلام میں جنگ حاکموں کے اپنے ذاتی جذبہ و مقصد سے نہیں کی جا سکتی پہلے اسلام کا پیغام بھیجا ہوتا ہے اگر وہ قبول نہیں کیا جاتا تو معاہدہ اور صلح کی بات کی جاتی ہے۔ اگر معاہدہ اور صلح پر بھی دشمن راضی نہ ہو اور لڑنے پر آمادہ ہو تو اسلامی فوج اس چیلنج کو قبول کرے گی۔ اور لڑے گی اور لڑائی ہونے پر بھی لڑائی میں عورتوں بچوں کو مارنا، مذہبی لوگوں کو پریشان کرنا عبادت گاہوں کو نقصان پہونچانا اسلامی فوج کو منع ہے کسی کو بغیر اس کے جرم کئے مارنا یا ستانا اسلام میں نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس پر امن رہنے والوں کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس طرح اسلام کے اصول کے رو سے نہ کسی ایک فرد کے ساتھ زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کسی قوم کے ساتھ، اسلامی اقتدار میں نہ صرف یہ کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر پوری طرح عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ ان کی ضرورت میں اسلامی حکومت مدد کرتی ہے اور ان کی حفاظت کرتی ہے اور جنگ میں لڑائی کا بوجھ بھی ان پر نہیں ڈالتی۔ اور اگر کسی معاملہ میں کسی مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے تو اسلامی جج انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے مسلمان کو بچاتا نہیں ہے چنانچہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اور ایک یہودی شہری کے درمیان ایک زرہ کے معاملہ میں نزاع ہوا۔ دونوں جج کے سامنے پیش ہوئے جج نے خلیفہ کو جو ملک کا حاکم اعلیٰ تھا اچھی جگہ نہیں بٹھایا بلکہ یہودی کے ساتھ کھڑا کیا۔ دونوں کے دلائل سُنے اور فیصلہ یہودی کے حق میں کیا۔ حالانکہ زرہ حضرت علیؓ ہی کی تھی لیکن ان کے پاس ثبوت پورا موجود نہ تھا۔ یہودی اس انصاف سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے عدالت سے نکل کر نہ صرف یہ کہ زرہ حضرت علیؓ کو دے دی بلکہ اسلام بھی لے آیا کہ جس مذہب میں ایسا انصاف ہو اس سے گریز کرنا صحیح نہیں۔

مسلمان حاکم جب بھی اسلام کے اصولوں کے خلاف کرتا ہے اس کو اسلام کے خلاف عمل کرنے کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے اور اس کا یہ عمل مسلمانوں میں قابل مذمت قرار دیا جاتا ہے اور علماء اس کو برا کہتے ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض مسلمان حکمرانوں نے بعض موقعوں پر اپنی ذاتی مصلحت کے لیے اسلام کے اصولوں کے خلاف کرتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ بعض وقت بے انصافیاں بھی کی ہیں جس کو خود مسلمانوں نے برا کہا ہے لیکن اکثر و بیشتر مسلمان حاکموں نے اس کا خیال رکھا ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ بے انصافی نہ ہو اور نہ اس کو اپنے مذہب سے ہٹنے پر مجبور کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے سات سو سال تک پوری شان و شوکت سے حکومت کی پھر بھی ملک کی آبادی کا تھوڑا حصہ ہی مسلمان ہوا کیونکہ ان کو کہیں مجبور نہیں کیا گیا جو مسلمان ہوئے وہ

مسلمان صوفیوں اور مسلمان داعیوں کی اچھی اچھی باتیں سن کر اور ان کے اخلاق دیکھ کر ہوئے، سات سو سال میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی اولاد کا تناسب ہندوستان میں آبادی کا ⅓ بھی نہیں ہو سکا یہ اسلام کی رواداری کے حکم کی وجہ سے ہوا۔ ورنہ طویل مدت تک رہنے والی حکومت کیا نہیں کر سکتی تھی۔

غیر مسلموں کے سلسلہ میں اسلام کی طرف سے صرف دین حق کی وضاحت کرنے اور اخلاق و انصاف کے کاموں سے متأثر کرنے کا حکم ہے۔ اسلام لانا نہ لانا سننے والوں کا کام ہے، چنانچہ قرآن مجید میں کئی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم کیوں کڑھے جاتے ہو کہ یہ مسلمان نہیں بن رہے ہیں۔ اور ایک جگہ کہا گیا کہ تمہارا کام تو دین حق کو پہنچا دینا ہے یعنی مسلمان ہونے والا خود سے سمجھ بوجھ کر اسلام لائے تو لائے اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام وہ مذہب ہے جس سے کسی کو خطرہ نہیں۔ اس میں تو غیر مسلموں کو مسلمانوں سے زیادہ راحت ملتی ہے کیوں کہ ان کو مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ ملک قوم کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس کے حل کے لیے کوشش کرنے پر بھی ان کو مجبور نہیں کیا جاتا خود ان کے مذہبی معاملات میں ان کے عمل کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں بھی کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاتا۔ اور زکوٰۃ جو مسلمان دولتمندوں پر اسلام کا مذہبی ٹیکس ہے وہ صرف مسلمانوں سے لیا جاتا ہے غیر مسلموں سے نہیں لیا جاتا البتہ ان سے ایک سیکورٹی ٹیکس لیا جاتا ہے جس کی بنیاد پر ان کو جنگ میں شرکت کی ذمہ داری سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے جس کو جزیہ کہتے ہیں کیونکہ دفاع و جنگ کا بوجھ مسلمانوں پر ڈالا گیا ہے۔ اور ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنے پر سزا بھی دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرے مذاہب میں مذہبی حکومت حاکموں کے مذہب کی حکومت ہوتی ہے اس میں دوسروں کے مذہب کے ساتھ پوری رعایت نہیں کی جاتی چنانچہ ہندوستان میں مذہبی کٹر پسند ہندو جب بھی حکومت کی بات کرتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ مسلمانوں کی فلاں فلاں باتیں روک دیں گے۔ مسلمانوں اور اقلیتوں کو آزادانہ طریقہ سے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی نہ ہوگی۔ اور نہ ان کی عبادت گاہوں کو موجودہ حالت میں رہنے دیا جائے گا۔ پرسنل لا بدل دیں گے۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے تعلق قائم کرنا ممنوع قرار دے دیں گے۔ وہ غلاموں کی طرح رہیں تو رہنے دیا جائے گا۔ ورنہ کہا جائے گا کہ چلے جاؤ یہاں سے یہ ملک تمہارا نہیں ہے۔

یہ وہ بات ہے جس کی وجہ سے مسلمان تو مسلمان انصاف پسند ہندو بھی ہندوستان میں مذہبی حکومت کی مخالفت کرتے ہیں جس کا مظاہرہ حالیہ حکومت سازی کے موقع پر دیکھنے میں آیا کہ تمام سیکولر ذہن کے لوگ ایک طرف ہو گئے اور مذہبی حکومت کے خیالات رکھنے والوں کو برسر اقتدار آنے نہیں دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔

ہندوستان میں مذہبی حکومت ہوگی تو ظاہر ہے کہ ان مذہبی احکام کی پابندی پر مبنی ہوگی۔ جو اسلام کے بنیادی قانون سے متضاد ہیں لہٰذا ان کے ماننے کے بعد مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا لیکن سیکولر حکومت میں ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کا اختیار رہتا ہے اور حکومت آزادی کی بنیاد پر ملک کے باشندوں کے مفاد کے لیے جو رائے طے ہوگی جس کو بطور معاہدہ مانا جائے گا۔ اور اس کی پابندی کی جائے گی جس میں کوئی حرج نہیں اس کی حیثیت ایک عہد و پیمان کی ہے جس کو پورا کرنا اخلاقی و انسانی فریضہ اور ایفائے عہد ہے۔

لہٰذا ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے سیکولر حکومت ہی سازگار ہے اور اسی میں ان کے حقو[ق کی] آزادی اور انفرادی و اجتماعی عزت کی حفاظت ہے۔

ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو اپنا ملک سمجھ[تے] ہیں اور اس کی ترقی اور کامیابی کو اتنا ہی عزیز سمجھ[تے ہیں] جتنا ملک کے اکثریتی مذہب کے لوگ، البتہ وہ ا[پنے] مذہب پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ قبول نہیں کر س[کتے] اور نہ اپنی عبادت گاہوں کے ساتھ کسی زیادتی کو بر[داشت] کر سکتے ہیں وہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کے بارے [میں] کسی اہانت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ملک کے باشن[دے] ہونے کی بناء پر ان کو جو دستوری حقوق حاصل [ہیں] وہ ان کو لینا چاہتے ہیں وہ دوسروں کی طرح آزا[د اور] باعزت رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جو بھی پارٹی ان [کے] ان حقوق کو نظر انداز اور پامال کرنا چاہے گی وہ [اس کا] نہ صرف یہ کہ ساتھ نہیں دے سکتے بلکہ اس کی پور[ی] مخالفت کرتے ہیں اسی لیے انھوں نے سیکولرز[م] کو پسند کیا کیونکہ وہ "بی۔ جے۔ پی" کے اقتدار کو م[لک] کے لیے مضر سمجھتے ہوئے اس کو روک رہے تھے ان کے اقتدار سے ملک کی اقلیتوں کی عملی آزادی اور عزت خطرہ میں پڑتی ہے اور مختلف فرقوں کے ما[بین] تناؤ اور دشمنی کی فضا بنتی ہے جو ملک کی آزاد[ی] وحدت اور ترقی کے لیے نقصان دہ ہے۔

لہٰذا ہم کسی حکومت کا جو ہندو جارحانہ فرقہ پر[ستی کا] مخالف ہے خوش آمدید کہتے ہیں اور امید کرتے ہ[یں کہ] دستور ہند کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق ملک [کے] تمام شہریوں کو برابری اور انصاف کے ساتھ حقو[ق حاصل] ہوں گے۔ تاکہ سب شہری اپنے اپنے مذہب اور فرقہ کے باوجود شانہ بشانہ ملک کی ترقی میں حصہ لیں او[ر] آزادی کے ساتھ پروان چڑھیں، سماج وادی پا[رٹی] کے لیڈر ملائم سنگھ کی ان کوششوں کو ہم [خاص] طور پر سراہتے ہیں جنھوں نے اقلیتوں کو م[لک] میں ان کے مساویانہ حقوق دیئے جانے [کے] سلسلے میں جرأت مندانہ اقدامات کیئے۔

ایمان جان سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ذیل کے مختصر مگر نہایت جامع واہم مضمون کو موجودہ حالات میں جبکہ اسلام دشمن طاقتیں ہماری نئی نسل کو دین وایمان سے محروم رکھنے پر تلی ہوئی ہیں، بار بار پڑھنے سوچنے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی وہ تقریر ہے جو چند سال قبل ضلع بستی میں دینی تعلیمی کونسل کے جلسہ میں کی گئی۔ جو مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب (صدر مدرس دار العلوم اسلامیہ) کے شکریہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے

(ادارہ)

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ اور ایمان کی قدر وقیمت

مجھے صرف چند باتیں عرض کرنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر میں آپ سے کوئی معاہدہ کرتا تو یہ کرتا کہ آپ اس احساس وشعور کو زندہ رکھیں کہ ایمان جان سے زیادہ پیارا ہے اور ہم یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ بچہ کی جان سے اس کی صحت سے اس کا ایمان زیادہ عزیز ہے، ایمان زیادہ قیمتی ہے اس کے لیے میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کرتا ہوں اور جب بھی پڑھتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے اور وہ حیرت ختم نہیں ہوتی، لیکن مجھے اندیشہ بلکہ میرا احساس یہ ہے کہ بہت کم لوگوں نے اس سے صحیح نتیجہ نکالا ہے۔ اسلاف کرام اور مفسرین عظام کا ذہن بیشک ان چیزوں کی طرف گیا ہوگا۔ جہاں ہمارا نہیں جاسکتا لیکن آج کے پڑھنے والے بہت کم نتیجہ نکالتے ہیں قرآن مجید کی سورۂ کہف میں آخر یہ قصہ کیوں بیان کیا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کی جان لے لی اور وہ بھی ایک اولوالعزم اور ایک عظیم الشان پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی اور رفاقت میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے جب پوچھا کہ آپ نے بچہ کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا؟ اس کا کیا جرم تھا؟ اور کیا وہ جرم ایسا تھا کہ اس کی جان لے لی جائے؟

حضرت خضرؑ نے کہا کہ اس کے ماں باپ دونوں صاحب ایمان اور نیک تھے اور یہ بچہ فتنہ بننے والا تھا، اگر یہ زندہ رہ جاتا تو اپنے ماں باپ کے ایمان کے لیے خطرہ بنتا تو میں نے اس لیے ان کو اس خطرہ سے بچالیا اور اس کی جان لے لی کہ اللہ اور اولاد دے گا، آج کہیں پوری دنیائے اسلام میں بڑی سے بڑی آزاد حکومت اور شرعی حکومت بھی اس پر عمل نہیں کر سکتی، آپ سب جانتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا بالکل حرام اور ناجائز ہے کہ محض اس خطرے سے کہ یہ بچہ کبھی فتنہ بن جائے گا۔ (اور بہت سے بچے فتنہ بن رہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں) اس کی جان لینے کی اجازت نہیں، اور جان لینا تو جان لینا ہے کوئی اور بہت بڑی سزا معصومیت کی حالت میں نہیں دی جاسکتی، اور یہاں سوال پیدا ہوگا کہ پھر قرآن کریم نے قیامت تک کے لیے اس قصہ کو سورۂ کہف میں داخل کرکے اسے زندہ جاوید کیوں بنا دیا؟ کہ یہ قیامت تک پڑھا جائے گا، تو اس نے ایسا اس لیے کیا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ایمان کی یہ قیمت ہے۔ اگرچہ آج اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اور تشریعی طور پر اس پر عمل کرنا حرام بھی ہے اور قتل ناحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے قرآن مجید کی سورۂ کہف میں بیان فرما رہا ہے اسے ایک پیغمبر اور اس کے رفیق کا (جن کا کم سے کم درجہ اولیاء اللہ کا ہوگا) فعل بتایا جارہا ہے آخر اس کی حکمت کیا ہے؟ حکمت یہی ہے کہ ہم آپ سوچیں کہ ایمان وہ قیمتی چیز ہے کہ اس کے لیے حضرت خضر علیہ السلام نے جو بڑے فقیر بڑے عارف باللہ اور بڑے صاحب بصیرت اور مقبول عند اللہ تھے) انھوں نے یہ کام کیا کہ اس بچہ کی جان لے لی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ سنایا اور قرآن مجید میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرادیا تاکہ پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ ایمان اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے لیے جو چیز خطرہ بننے والی ہے اس خطرہ کو بھی دور کرنا چاہیے چاہے وہ کیسی ہی پیاری اور عزیز کیوں نہ ہو۔ مگر ہم لوگ اس طرح نہیں سوچتے، قرآن کریم کا یہ اعجاز اور الہامی نکتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں بیان فرمایا ہے، کہ حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام ایک بستی میں گئے، اور انھوں نے دیکھا کہ ایک دیوار مسمار ہونے والی ہے اس موقع پر وہ زبان حال سے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم پردیسی ہیں اور ہماری ضیافت ہونی چاہیے اور زبان قال سے بھی جیسا کہ قرآن مجید سے اشارہ معلوم ہوتا ہے لیکن پوری بستی میں کسی نے خبر نہیں لی، اور کھانا پیش نہیں کیا، اور وہ بھوکے رہے، مگر دیوار جو گر رہی تھی حضرت خضر علیہ السلام اس کے سنبھالنے میں لگ گئے اور آپ جانتے ہیں کہ گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنا کتنا مشکل ہوتا ہے حیرت کی بات ہے کہ وہ کہاں سے مسالہ

ے اور کتنی محنت کی ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عجیب تضاد ہے جنھوں نے کھانے تک کی خبر نہیں لی، سے کھانے کو نہیں پوچھا، ان کا کہاں سے یہ حق تھا اور ا احسان تھا کہ آپ نے اس دیوار کو جس کی مرمت ، وہ مزدور لگاتے تو پیسے خرچ کرتے اور خود توجہ کرتے پ نے اس دیوار کو سنبھال دیا تو انھوں نے کہا۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔

یہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جن کا باپ نیک ، یہ دیوار اگر گر جاتی تو جو خزانہ اندر دبا ہوا تھا وہ ل جاتا، سامنے آجاتا اور لوگ لوٹ لے جاتے اور کو غربت کا سامنا کرنا پڑتا اور ان کے پاس کچھ نہ ہتا۔ ایک طرف جان لی ایمان کے خطرے سے اور ایک ف دیوار سنبھالی ایمان کی فضیلت کی وجہ سے یعنی وہ د بھی نہیں بلکہ ان کے باپ نیک تھے۔ معلوم نہیں ان انتقال کو کتنا زمانہ ہو گیا تھا۔

لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے اس ایمان کی ں قیمت جانی کہ اس دیوار کو سنبھالا، اور اس کو کھڑا ر ٹھیک کر دیا۔ اور وہ خزانہ دبا رہا۔ یہ دونوں واقعے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سورت میں اور اوپر لے بیان کیے تاکہ آپ کو ایمان اور کفر کا فرق معلوم ہو ، طرف ایمان کی یہ قیمت کہ جو بچہ خطرہ بننے والا تھا ں کو ختم کر دیا اور ایک طرف ایمان کی یہ قیمت کہ نکا باپ نیک تھا ابھی ان کا وقت نہیں آیا تھا ابھی و سن بلوغ کو نہیں پہونچے تھے۔ اور وہ دو یتیم بچے تھے ن کا باپ چونکہ صاحب ایمان تھا اور نیک تھا، تو للہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کی قدردانی میں دیوار نبھالنے کا انتظام فرمایا اور الہام کے ذریعہ حضرت خضر لیہ السلام نے وہ دیوار سنبھال لی۔

ایمان کو جان پر مقدم سمجھنا ایمان کا تقاضا ہے

بس میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے آپ ایمان کی قیمت سمجھئے اب یہ حکم نہیں ہے کہ جس کو آدمی قابل خطرہ سمجھے اس کو اس طرح ختم کر دے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر خطرہ سمجھے تو اس کو اس دیوار کی طرح سنبھالے، جو گر رہی تھی۔ ویسے ہی اپنی اولاد کو اور آئندہ آنے والی نسل کو گرتی ہوئی دیوار کی طرح کھڑا کر دے، اس کو مضبوط بنائے، مستحکم کرے، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اگر ہمارے ذہن اور ہمارے عقیدے نے اس کو قبول کر لیا کہ ایمان جان سے زیادہ عزیز ہے تو پھر علاج و معالجہ اور کپڑے بنانے اور اس کی پوشاک کا خیال کرنے اور پھر آگے بڑھ کر اعلیٰ تعلیم دلانا ان سب سے زیادہ ضروری یہ ہوگا کہ ان کے دل میں ایمان بٹھایا جائے۔ ان کے علاج و معالجہ سے، کپڑے بنانے سے، انہیں دعائیں دینے سے، اور انھیں دیکھ دیکھ کر خوش ہونے سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان کے ایمان کا تحفظ کرے، اور ایسا انتظام کرے کہ ایمان جانے نہ پائے، آخری بات میری طرف سے یاد رکھیے کہ ایمان جان سے زیادہ عزیز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

دوزخ کی آگ سے کس طرح بچا سکو گے، ایمان کے ذریعہ سے بچا سکو گے، سب سے پہلا اور اہم ترین فریضہ ہے اپنی آئندہ نسل کے ایمان کی حفاظت کا سامان کرنا اور اسے ان جھگڑوں، ان ناکوں، اور ان ٹھکانوں سے بچانا یہاں تک کہ ان تعلیم گاہوں سے بچانا، جہاں ایمان کا خطرہ ہو۔ اور اس کا بدل مہیا کرنا کہ بے علم بھی نہیں رہ سکتے۔ اس دنیا میں نہ پہلے اس کا جواز تھا اور نہ اب جواز ہے، تو تعلیم ضروری ہونی چاہیے، لیکن تعلیم اس طرح نہیں ہونی چاہیے کہ ایمان خطرے میں پڑ جائے پھر چاہے آدمی آسمان پر اڑے، اور دریا پر چلے اور سائنس میں اور علم جدید میں اور دوسرے فنون میں کتنی ہی ترقی کرے، اور بڑے سے بڑا سرمایہ دار قارون وقت بن جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اور اس کے پیغمبروں کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی حقیقی قیمت سمجھنے اس کو دنیا کی ہر چیز، ہر دولت پر، ہر نعمت پر، ہر ترقی پر، ہر لذت پر اس کو ترجیح دینے کی توفیق عطا فرمائے، کہ اپنے ایمان کی بھی فکر کریں اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی فکر کریں، اور ہم پوری امت مسلمہ کے ایمان پر قائم رہنے کی فکر کریں۔

سب سے بڑھ کر نسل کشی عقیدے اور ایمان کی نسل کشی ہے کہ یہ نسل رہے اور ایمان نہ رہے دین کا امتیاز اور دین کا فرق نہ رہے اور باقی تہذیب اور کلچر اور رسم الخط اور دوسری چیزیں تو اپنی جگہ پر ہیں اس کا پورا ایک منصوبہ تیار ہے کہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ملت اسلامیہ ہندیہ کو اس ملک میں اپنے تمام تشخصات کے ساتھ اپنے تمام امتیازات کے ساتھ سب سے بڑھ کر دین و ایمان اور عقیدہ کے ساتھ حمیت دینی اور حمیت اسلامی کے ساتھ اور نہ صرف یہ کہ ایمان کے باقی رہنے کی ضمانت کے ساتھ اور اس کے اسباب و ذرائع کی موجودگی کے ساتھ بلکہ اس کو ترقی کرنے اور دنیا کے دوسرے اسلامی ملکوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے، اور یورپ و امریکہ تک اسلام کا پیغام پہنچانے، مسلمان بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مدد فرمائے۔

دین کے اس باغ کی قدر کیجئے

مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی

وسط اپریل ۱۹۹۶ء میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء دارالعلوم تاج المساجد کی مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے بھوپال تشریف لے گئے، یہاں سے فارغ ہو کر مولانا قاضی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کے ایما پر اندور تشریف لے گئے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا محمد خالد ندوی و مولانا محمد رضوان ندوی بھی تھے۔ اہل اندور نے وقت سے فائدہ اٹھا کر مختلف مدارس و اداروں میں مولانا کا پروگرام رکھا، مدرسۃ الفلاح کے جلسۂ استقبالیہ کی تقریر ہدیۂ ناظرین ہے جس میں دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت پر...... دو دو چار کی طرح سمجھ میں آنے والی روشنی ڈالی گئی ہے یہ تقریر مدرسۃ الفلاح کے ہال میں ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۸ ر اپریل ۱۹۹۶ء کو طلبہ و اساتذہ نیز شہر کے معززین کے بڑے مجمع میں ہوئی۔

ادارہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
سیدنا محمد الامین خاتم النبیین و
آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم
ـسان الی یوم الدین۔ اما بعد !

بزرگو! اور دوستو! اور عزیز طلباء! آپ نے
ولانا محمد خالد صاحب کی پر زور اور پر اثر تقریر
ی، اس سے آپ لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہوگا،
نشاء اللہ اس سے فائدہ پہونچا ہوگا، وہ تقریر
ں کافی ہے، دلوں میں گرمی پیدا کرنے کے لئے
حساس پیدا کرنے کے لئے، اور اصلاً تو اس
ریکے بعد کسی تقریر کی ضرورت نہیں ہے اور یوں
س کے اثر کو کم کرنا بھی مناسب نہیں ہے لیکن
نام پکارا گیا، پہلی بات تو میں یہ عرض کروں گا،
ی اور میرے رفقاء کی تعریف میں جو باتیں کہی
ں اور سپاسنامہ پیش کیا گیا، میں سن رہا تھا،
مجھے یہ خیال ہو رہا تھا کہ تعلق اور محبت یہ باتیں کہلوا رہی ہے ورنہ حقیقت میں، میں ایک عام خادم علوم اسلامیہ کہا جا سکتا ہوں، اس لئے کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک مدت سے تدریس اور تعلیم کا کام کر رہا ہوں، اور ظاہر ہے جو بھی تعلیم و تدریس کا کام انجام دے گا اس کے بہت سے شاگرد بھی ہو جائیں گے، اور اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہونچا ہو، یہ کوئی بڑی عظمت یا خصوصیت کی بات نہیں ہے۔ الحمد للہ بہت سے مدارس قائم ہیں، اور وہاں لوگ درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں، ان سب کو یہ فضیلت حاصل ہے، باقی جہاں تک اس مدرسہ کا تعلق ہے یہ مولانا معین اللہ صاحب ندوی کی دلچسپی کا مرکز ہے ان کا قائم کیا ہوا ہے، اور مولانا مدظلہ سے میرا تعلق بہت زمانہ کا ہے۔ جس کو میں کہہ سکتا ہوں کہ شاید نصف صدی اب ہو رہی ہے، جب سے میرا ان کا تعلق ہے اور ایسا تعلق ہے جیسے ایک خاندان کے دو افراد کا ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے بڑے ہیں، مجھ سے وہ ۸۔۹ سال بڑے ہیں، میرے لئے وہ بزرگ ہیں، لیکن میرا ان کا ساتھ خاصا رہا اور بے تکلفی بھی رہی، اور خیالات میں نظریات میں بڑی یکسانی رہا، تو ان کی ہر چیز سے مجھ کو تعلق ہے، اور جو ان کے پیش نظر ہے اور جو مقصد ہے، اس مقصد کو میں بہت عزیز سمجھتا ہوں، اور وہ مقصد بہت صحیح مقصد ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان بنایا جائے، اس لئے کہ مسلمان اپنے راستے سے بہت ہٹ گئے ہیں اور وہ نام کے مسلمان ہو کر رہ گئے ہیں، اور اس کے ساتھ ان میں بڑا جذبہ و فکر بھی نہیں کہ ان کے ہونے والی نسلیں نام کی بھی مسلمان رہ سکیں گی یا نہ رہ سکیں گی۔ مسلمان کھانے پینے میں لگے ہوئے ہیں اپنے ذاتی اور دنیاوی منافع کے حصول میں سارا وقت صرف کرتے ہیں، اور سارا اپنا ذہن اس میں لگائے ہوئے ہیں، ان کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ ان کے بچوں کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے اور بچے کیا ہونے والے ہیں، چنانچہ آپ دیکھیں گے، جہاں کوئی غفلت کا بہت زیادہ وجود آپ کو ملے گا، وہاں نئی نسل کو آپ بالکل دین سے دور دیکھیں گے بلکہ بعض وقت ان کو مسلمان سمجھنا اور ماننا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ بات بڑھتی چلی گئی اور چھا گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلمان باقی نہ رہ جائیں گی، ان کو مسلمان باقی رکھنے کے لئے سب سے مؤثر ذریعہ اور کامیاب ذریعہ یہ مدارس ہیں، اور خاص طور پر یہ مکاتب اور ابتدائی تعلیم کے جو مدارس ہیں ان کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے، اگر مسلمانوں نے ان مدارس کی حفاظت کی اور ان کو فروغ دیا، اور ان کو پھیلایا اور پھر ان کی حفاظت کی اور ان کو تقویت پہونچائی، اور ان کو جاری رکھنے کے جو طریقے ہیں، ان کو اختیار کیا، تو انشاء اللہ آنے والی نسلیں خاصی حد تک محفوظ ہو جائیں گی۔ اور

وہ کم سے کم اتنا دین سے تعلق رکھنے والی ہوں گی جیسے آپ اور ہم رکھتے ہیں، اور اگر ہم نے دلچسپی نہیں لی تو پھر خدا حافظ ہے یعنی پھر نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان رہیں گے یا نہیں، اس لئے کہ اسلام دشمن طاقتیں پوری طرح اپنا کام انجام دے رہی ہیں، آپ سب لوگ نہیں جانتے، جو لوگ اندر سے واقف ہیں، جو اعداد و شمار دیکھتے ہیں، وہ بڑی تشویش میں مبتلا ہیں، اور بہت پریشانی میں ہیں، اس خیال سے کہ جو صورت حال چل رہی ہے، اسلام دشمنی کی اور اسلام کے اثرات کو مٹانے کی اس صورت حال میں اگر مسلمانوں نے غفلت کی تو اسلام کے مٹ جانے کا خطرہ ہے، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو بالکل ناممکن ہو، آپ نے ابھی تقریر میں سنا ہوگا، اندلس میں مسلمان ختم ہوگئے حالانکہ مسلمانوں نے اندلس میں سات سو سال تک حکومت کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور انھوں نے ایسے ایسے عظیم آثار چھوڑے ہیں کہ دنیا میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے، ایسی ایسی مسجدیں وہاں بنائیں کہ وہ اپنی حسن تعمیر کے لحاظ سے اور فنی خصوصیات سے بالکل نادر ہیں، اور ابھی وہ آثار موجود ہیں مٹ نہیں سکے ہیں وہ آثار نمونہ ہیں، لوگ دیکھتے ہیں اور عش عش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود مسلمان وہاں نہیں رہ سکے، اس لئے کہ انھوں نے وہ طریقہ نہیں اختیار کیا جس سے ان کی آئندہ آنے والی نسلیں محفوظ ہوسکیں، اور یہ چیز حقیقت میں اس وقت ہوتی ہے کہ جب ہمیں دین کی غیرت ہو، احساس ہو، ہم کو کم سے کم وہ احساس ہو جو احساس ہم کو اپنی اولاد کے اقتصادی کامیابی کے سلسلہ میں ہوتا ہے کہ ہمارا لڑکا کیا کرے گا، کیسے کمائے گا، کیسے کمائے گا، کیسے رہے گا، اس کا کیا ہوگا جس طرح ہم کو اس کی فکر ہوتی ہے، اگر اسی طرح ہم کو اس کے دین کی بقا کی فکر نہیں ہے تو اس کا دین باقی رہنا مشکل ہے، خاص طور پر جبکہ دشمن طاقتیں لگی ہوئی ہوں تب تو اور مشکل ہے، اور نہ جو خطرناک نتیجہ نکلنے کا خطرہ ہے، وہ اور جلدی نکل آئے گا، اس لئے بھائی ان مدرسوں کی قدر کیجئے اور اس کو فروغ دیجئے اور اس پر اپنی فکرمندی اور اپنی توجہ کا ایک حصہ لگائیے، اس لئے کہ یہ کس کے لئے ہو رہا ہے کرنے والے صرف اپنی اولاد کے لئے نہیں کر رہے ہیں، بلکہ آپ سب کی اولاد کے لئے کر رہے ہیں، یہ انتظامات سب کے لئے ہیں، آپ کے لئے ہیں، آپ کے دوستوں کے لئے ہیں، آپ کے بھائیوں اور عزیزوں کے لئے ہیں، آپ کے یہ ہمدرد کارکن اخلاص کا معاملہ کر رہے ہیں، ہمدردی کا معاملہ کر رہے ہیں، آپ ان کی ہمدردی نہ صرف یہ کہ قبول کیجئے بلکہ ان کی ہمدردی کی قدر کیجئے اور ان کی اس ہمدردی میں شریک ہو جائیے، اس لئے کہ معاملہ خود آپ کی ذات کا ہے، ایک باپ کیسے اس بات کو قبول کرسکتا ہے کہ جن چیزوں پر اس کا عقیدہ ہے، اور جن چیزوں کو وہ قطعی اور صحیح سمجھتا ہے، اور وہ اس کے نزدیک عزت اور کامیابی کے اسباب میں ہے وہ چیزیں اس کی اولاد کو حاصل نہ ہوں، اور اس کی اولاد کسی اور کی جھولی میں چلی جائے، بجائے آپ کی جھولی میں رہنے کے، اور آپ کے خاندان کی جھولی میں رہنے کے، اور آپ کے مذہب کی جھولی میں رہنے کے کسی دوسرے اہل مذہب کی جھولی میں چلی جائے کس طرح ایک باپ اس کو گوارا کرسکتا ہے۔

لیکن جو صورت حال ہم کو نظر آرہی ہے اس میں یہ ہو رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو اس کا احساس نہیں ہے، اور ہم کو اپنے دین کی غیرت نہیں، اپنے مذہب کی غیرت نہیں، اور اپنے آباء و اجداد کے اس ورثہ کی غیرت نہیں جو ہم کو ان سے ملا ہے

تو بھائی اس ملک میں جہاں سیکولر حکومت قائم ہے اگر آپ خود اپنی فکر نہیں کریں گے، اپنے مذہب کے بقا کی فکر نہیں کریں گے، تو اس مذہب کو باقی رکھنے کے لئے کوئی دوسری طاقت موجود نہیں ہے، حکومت یا اکثریت سے آپ کو کوئی توقع نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اس کو اپنے فرض کے طور پر آپ کو کرنا چاہئے وہ اس کو مٹانے کی کوشش کریں گے، اس لئے کہ وہ سیکولر ہیں اور دوسرے مذہب کے لوگ ہیں لہٰذا اپنے دین کی حفاظت ہم کو خود کرنی ہے، اور ہم جس طرح دین سے تعلق رکھتے ہیں، وہ رکھتے ہی ہیں، اب مسئلہ ہماری اولاد کا ہے، یہ کہ ہم گہرے جڑے دین سے وابستہ ہیں اگر دین سے وابستہ نہ ہوتے تو یہاں بیٹھے نہ ہوتے، اور مسجدوں میں نہ آتے، اتنا دین سے ہم کو تعلق ہے۔ لیکن یہ تعلق ہماری اولاد کو رہے گا یا نہیں، اس کو ہمیں سوچنا چاہئے۔ اگر اس کے لئے ہم کچھ کرسکتے ہیں تو کرنا چاہئے، اگر نہیں کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بالکل بے غیرت ہیں، ہم کو نہ اپنی قدروں کی غیرت ہے، نہ دین کی غیرت ہے، نہ اس دینی و اخلاقی ورثہ کی غیرت ہے جو ہم کو ہمارے اسلاف سے ملا ہے، اور جب کوئی شخص اس طرح مدرسہ قائم کرتا ہے تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل دین سے آشنا رہے، دین پر قائم رہے، یہ لوگ اسی کے لئے مدرسہ قائم کرتے ہیں چندہ دیتے ہیں، اور اس کے لئے محنت کرتے ہیں وقت صرف کرتے ہیں، تو آپ کا کم سے کم فریضہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعاون کریں، اور ان جیسا کام اور پھیلائیں اور عام کریں۔ ان اداروں کی قدر کیجئے۔

مجھ کو مولانا معین اللہ صاحب ندوی مدظلہ نے حکم دیا کہ میں یہاں حاضر ہوں میں ان کی اس محنت کی قدر میں یہاں حاضر ہوا، انھوں نے یہ باغ لگایا ہے ان کے دل سے یہ بات لگی ہوئی ہے کہ یہ باغ ہرا بھرا رہے اور ترقی کرے اور پھیلے۔ ایک بڑا باغ ہمارے مولانا ابوالبرکات صاحب نے لگایا ہے آپ کے اسی اندور میں، اور ایک یہ باغ ہے، جو باغ بھی اس سلسلہ میں لگایا جائے جس سے آپ کی نئی نسل کو غذا پہونچے گی، جس سے آپ کی نئی نسل اپنے مذہب پر باقی رہے گی، اس باغ کی قدر کیجئے، اور اس کی جو کچھ مدد کرسکتے

...مد کیجئے، اور ان لوگوں کا ہاتھ بٹائیے جو اس کوشش ...گے ہوئے ہیں، اس لئے کہ وہ آپ کی خاطر یہ ...ش کر رہے ہیں، آپ کے اخلاص میں آپ کی ... میں اور اس احساس میں یہ کوشش کر رہے ... جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے، اور ہم کو ...اسبہ کرنا چاہئے، اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ یہ احساس ...یں کتنا ہے، اگر نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے۔ میں ...دہ وقت لینا نہیں چاہتا، آپ نے بہت مفید تقریر ...، اس سے آپ فائدہ اٹھائیں، اور میں نے اسی ...ح کو مزید بیدار کرنے کے لئے چند الفاظ کہے کہ ...مدرسوں کی قدر کیجئے، اور جتنے زیادہ یہ مدرسے ... ہو سکیں، میرے نزدیک تو ہر محلہ میں ایک نہ ...مکتب، ایک نہ ایک ابتدائی مدرسہ ہونا چاہئے۔ ...ی ضروری نہیں کہ آپ بہت بڑا جامعہ قائم کریں ...تو بہت ہا ہمت لوگ جیسے مولانا معین اللہ صاحب ...ظلہ اور مولانا ابو البرکات صاحب جیسے لوگ قائم ...تے ہیں۔ لیکن آپ ابتدائی مدارس تو قائم کرسکتے ...، مکاتب قائم کرسکتے ہیں، ہر محلہ میں ایسے مکتب ...نے چاہئیں، ہر محلہ میں چھوٹے چھوٹے مدرسے ہونے ...ہئیں، جن میں بچوں کی تعلیم ہو سکے، بچوں کو دین ...ھایا جاسکے، باقی رہی دنیا تو وہ آپ سیکھ ہی لیں ...۔ راستے اس کے بہت کھلے ہوئے ہیں، اس کے ...بہت وسائل اور امکانات پائے جاتے ہیں، لیکن ...مدارس بہت کم ہیں، اگر آپ نے فکر نہیں کی تو دین ...علم بچوں کو نہیں ہو سکے گا، اور یہ نہ "اللہ تعالیٰ" کے ...ظ سے واقف ہوں گے اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ...نام سے واقف ہوں گے۔ ان کے سامنے محمد صلی اللہ ...یہ وسلم کا نام لیا جائے گا۔

خدانخواستہ ہم نے دینی علم حاصل نہ کیا تو — ...یں گے کہ ہاں ہمارے فلاں عزیز کا نام محمد ہے، ...سے زیادہ نہیں جانیں گے، ان کو بتانا پڑے گا، ...ر آپ نہیں بتاتے تو خدانخواستہ اسی طرح کے نتائج نکلیں گے، جو میں نے آپ سے کہا، دین یوں محض آسمان سے ٹپک نہیں پڑے گا، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ نہیں ہے کہ دین آسمان سے ٹپک پڑے اس نے اپنے رسول کے ذریعہ اپنے دین کو بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اس کو آپ پھیلائیں، اور ایک جاننے والا دوسرے جاننے والے کو پہونچائے، اگر جاننے والا نہ جاننے والے کو نہیں پہونچائے گا تو نہیں پہونچے گا۔ اگر آپ کے بیٹے کو نہیں بتایا جائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون تھے، اور اللہ تعالیٰ کی کیا عظمت ہے اور کیا اس کی وحدانیت ہے تو کچھ نہیں جانے گا، چاہے آپ کو رنج ہو یا خوشی ہو، بچہ نہیں جانے گا، بتانے پر جانے گا، کون بتائے گا؟ اگر یہ مکتب نہ ہوئے، اور یہ مدرسے نہ ہوئے، اور یہ تعلیم کا سلسلہ نہ ہوا، چاہے صرف ابتدائی تعلیم ہو لیکن اس کا انتظام ہونا چاہئے، اگر ابتدائی تعلیم کے مکاتب قائم کر لیتے ہیں تو بہت بڑا فرض انجام پا جائے گا، بچے کے دل میں اسلام کی اور دین کی محبت پیدا ہو جائے گی، وہ اللہ اور رسول کے نام سے واقف ہو جائے گا، وہ ضروری عقائد تو جان جائے گا، وہ ضروری اخلاق جو مسلمان کے اخلاق ہیں وہ تو اسے معلوم ہو جائیں گے، یہ بہت بڑی جیت ہے، بہت بڑی کامیابی ہے، لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب مکاتب قائم کئے جائیں گے، جہاں جا کر بچے سیکھ سکیں، اور پڑھ سکیں ورنہ محض تمنا سے یا خواہش سے یہ کام نہیں ہوگا۔

تو بھائیو! اس کی فکر کیجئے، اور قدر کیجئے اس مدرسہ کی اور جو مدرسے بھی قائم ہیں وہ بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں، کس کی؟ آپ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی نئی نسلوں کے لئے یہ انتظام کر رہے ہیں، آپ ان کا ہاتھ بٹائیے اور خوش ہوئیے، اور بڑی قیمتی چیز سمجھئے، اگر آپ قدر کریں گے تو قدر یہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو ہم تم کو اور زیادہ دیں گے شکر کا مطلب کیا ہے، یہ کہ اس کی قدر کیجئے، قدر کرنا ہی شکر ہے، آپ کو کوئی ہدیہ ملے، آپ خوش ہو کر لیں اور کہیں کہ آپ کا شکریہ آپ نے ہم کو ہماری بڑی ضرورت کی چیز ... عنایت فرمائی۔ ہم آپ کے بڑے مشکور ہیں! اور اس کو لے کر بہت خوشی خوشی گھر جائیں، تو معلوم ہوا کہ قدر کی آپ نے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیز حاصل ہو رہی ہے آپ اس پر خوش نہ ہوں اور اس کو قدر سے نہ لیں اور اس کو حاصل کرنے کی فکر نہ کریں تو یہ اس کی ناقدری ہے، اور اس کی ناشکری، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو ہم اور زیادہ دیں گے۔ اور "وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" اور اگر تم نے ناشکری کی تو ہمارا عذاب بہت سخت ہے۔

تو میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جو باتیں کہی گئی ہیں اس سے مجھ کو بھی فائدہ ہو، اور آپ کو بھی فائدہ ہو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اسلام کو اور اس کے مسلمان ہونے کو باقی رکھے اور اس ملک میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ رہیں، اور اللہ تعالیٰ جو اسلام دشمن طاقتیں ہیں ان کی کوششوں کو ناکام کرے

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

آنسوؤں سے بادشاہ کے کئی رومال تر ہوگئے

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اکبر شاہ ثانی کے دربار میں

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

شاہان مغلیہ کے عہد زوال کے ایک بادشاہ اکبر شاہ ثانی گذرے ہیں۔ ان کی بادشاہت کے دور میں جب کہ انگریزوں کا دہلی اور دہلی کے نواح واطراف میں قبضہ ہو چکا تھا۔ لال قلعہ اور جامع مسجد وغیرہ پر ان کا تسلط نہیں تھا اسی دوران ایک دن مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے اصحاب ارادت وعقیدت کو وعظ ونصیحت فرما رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں مجاوروں نے جامع مسجد کے ایک حجرہ سے تبرکات کے نام سے کچھ چیزیں نکالیں وہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب موئے مبارک اور نعلین شریف تھیں اس کو مجاوروں نے ہاتھ میں لیا اور باہر نکلتے ہی حاضرین میں جن جن لوگوں نے دیکھا سلام کیا۔ ادب واحترام سے سرو قد کھڑے ہوگئے۔ لیکن جب مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے پاس سے گذرے تو نہ انھوں نے کھڑے ہوکر احترام کیا اور نہ ان کے اصحاب مجلس نے تکریم کی۔ جب یہ مجاور حضرات تبرکات کو لے کر لال قلعہ تک پہنچے تو اکبر شاہ ثانی کے ملاحظہ میں ان تبرکات کو پیش کرتے ہوئے رونے لگے۔ دوبارہ استفسار پر کہنے لگے، ان تبرکات کی توہین ہوگئی۔ واقعہ کے طور پر کہا کہ ان تبرکات کو لے کر ہم لوگ جامع مسجد سے نکلے تو ہر ایک نے تکریم وتعظیم کی لیکن مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے حلقے کے لوگ جامع مسجد میں بیٹھے رہ گئے اور ان تبرکات کی کوئی تکریم ہی نہیں کی تو بادشاہ نے ان کو انعام دے کر رخصت کیا اور کہا کہ ہم مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو بلا کر ان سے دریافت کریں گے اور ہرکارہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے پاس ہرکارہ پہنچا تو انھوں نے خط کے جواب میں لکھا میں وقت مقررہ پر حاضر ہو جاؤں گا، اور سلام مسنون کرکے آپ کے پاس بیٹھ جاؤں گا میں جھک جھک کر سات مرتبہ فرشی سلام کو نہیں اختیار کروں گا جو آپ کے سامنے علماء وحاضرین دربار کیا کرتے ہیں۔ مشورہ کے لیے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے انھوں نے فرمایا تم کو جانے سے انکار کرنا چاہیے ہم لوگ کسی تقریب کے موقع پر بلائے جاتے ہیں، ہاتھ کے ہاتھ نہیں بلائے جاتے، تو مولانا نے کہا میں نے تو جانے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ جب تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو جاؤ لیکن انگریز ایزیڈنٹ کو خبر دو، تاکہ بادشاہ کوئی غلط قدم تمھارے معاملے میں نہ اٹھائے، فرمایا میں انگریز ریزیڈنٹ کے پاس نہیں جاؤں گا، میرا توکل صرف اللہ پر ہے اور شاہ عبدالعزیز کو یہ آیت کریمہ سنائی:

قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا وھو مولٰنا وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔

ترجمہ: یعنی ہمیں کوئی ضرر نہیں پہونچے گا مگر یہ کہ تقدیر الٰہی میں کچھ پہلے سے لکھا ہو وہ ہمارا آقا ہے اور اہل ایمان اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

چنانچہ آپ لال قلعہ میں تشریف لے گئے اور اکبر شاہ ثانی لال قلعہ سے اٹھ کر شاہی محل میں چلا گیا، پھر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ شاہی محل میں پہنچ گئے۔ اکبر شاہ ثانی جہاں بیٹھے تھے وہیں آپ بھی السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے کہا: آپ حضرات کی زیارت وملاقات کا شرف بہت کم مل پاتا ہے۔ آج آپ کی تشریف آوری سے ہمیں بڑی سعادت حاصل ہوئی۔ ہم چاہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر آپ ہمیں کچھ سنائیے۔ آپ نے وعظ فرمانا شروع کیا اور سیرت پاک کے ان واقعات کو بیان کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دعوت وتبلیغ کے موقع پر ابوجہل وغیرہ سے تکلیف پہنچی تھی اور جو تکلیف طائف کی تبلیغ کے موقع پر وہاں کے شریر اوباش لڑکوں نے حضورؐ کو پہنچائی اور بالو، ریت اور کنکر کی بوچھار کیا تھا۔ اور تیر اندازوں نے تیروں کی بارش کرکے آپؐ کے بدن کو زخمی کر دیا تھا۔ آپؐ کے جسم سے خون بہہ کر ایڑیوں میں پہونچا جو جوتے سے چپک گیا تھا۔ زید بن حارثہ نے آپ کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن آپ بھی زخمی ہوئے، جب وہاں سے مایوس ہونے لگے تو ایک حوض کے کنارے زخموں کو دھونے کے لیے زید نے پاؤں سے آپ کے جوتے کو نکالنا چاہا، تو ہاتھ سے نکل نہ سکا۔ زید بن حارثہ نے اپنے دانت سے جوتے کو کھینچا، زید کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا، پھر جوتا پاؤں سے الگ ہوا۔ اسی دوران آپ کو اشارہ ہوا کہ کوئی فرشتہ کہہ رہا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو طائف والوں کو انھیں دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دیا جائے تو اس مظلومیت کے وقت بھی آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ایسا نہ کر میری

م کو ہدایت دے ابھی اپنے نبی کو نہیں پہچانتی شاید
ان کی ذرّیت اور آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ
یدا ہوں جو اسلام قبول کریں، ایمان باللہ اور
یمان بالرّسول کے شرف سے مشرف ہوں حضورؐ
اس دعوت و تبلیغ کے ایسے پُردرد و پُرتاثیر
اقعات کو بیان فرمایا کہ اکبر شاہ ثانی رونے لگا۔
ور مولانا اپنی پُرکشش اور پر تاثیر باتیں بیان
ماتے رہے، کئی رومال اس کے آنسوؤں سے تر
ہو گئے۔ جب مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے سمجھا کہ اب
ہت رو چکا تو اپنی تقریر کے لب و لہجہ کو ہلکا کیا
دھیرے دھیرے بادشاہ کی سسکیاں باقی رہ
ئیں، مولانا نے بھی اپنے وعظ کی گرمی کو مدھم کیا۔
در اخیر میں وعظ ختم کرکے بیٹھ گئے۔

اس پر اکبر شاہ ثانی نے کہا اس نبیؐ کی محبت
یں اور اس کی دعوت و تبلیغ کے پر تاثیر واقعات
کے بیان میں آپ خود بھی روتے ہیں اور دوسروں
کو بھی رلاتے ہیں تو اس نبیؐ کے تبرکات سے آپ
نے کوئی محبت کیوں نہیں فرمایا۔ اور ان کی تکریم و
تعظیم آپ نے کیوں نہیں کی، مولانا نے فرمایا وہ تبرکات
کیسے ہوں گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین
اور موئے مبارک کا ثبوت کہاں سے ملا، کہ وہ حضورؐ
ہی کی چیزیں ہیں تو بادشاہ نے کہا ہمارے دادا بابر شاہ
کے عہد سے یہ تبرکات آئی تھیں اور وہیں سے دہلی
لائی گئیں، مولانا نے فرمایا بادشاہوں کے پاس تبرکات
کے نام سے چیزیں لانے والے لاتے ہیں اور بادشاہ
ان کو انعام دے کر رخصت کر دیتا ہے۔ اور تبرک
کی چیزوں کو قبول کر لیتا ہے، لیکن ان کی کون
سی سند ہے، کہ ان کی لائی ہوئی چیزیں اصلاً حضورؐ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں پھر مولانا نے فرمایا کہ آپ
کے یہاں صحیح بخاری شریف ہو تو منگوائیے بادشاہ
کے حکم سے صحیح بخاری شریف کتب خانہ سے نکل کر
آگئی۔ اکبر شاہ ثانی اور مولانا بدستور بیٹھے رہے

مولانا نے صحیح بخاری کو ہاتھ میں لیا، اور کہا صحیح
بخاری کی تمام احادیث رسولؐ کی طرف صحیح نسبت
رکھتی ہیں۔ آپ کے تمام اقوال اور آپ کے تمام افعال
آپ کے سامنے کئے گئے صحابہؓ کے افعال سب کے سب
اس میں اصلی نسبت کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ گنجینۂ
عامرہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نسبتوں کا
مجموعہ ہے لیکن آنجناب نے اس کی کوئی
تعظیم نہیں کی۔ اور ان مشکوک نعلین اور
موئے مبارک کی جو آپ نے تعظیم کی جن کا کوئی
ثبوت نہیں کہ یہ چیزیں رسولؐ کی طرف واقعی
نسبت رکھتی ہیں؟

علاوہ ازیں اگر وہ تبرک کی چیزیں تھیں
تو ان کی زیارت آپ کو وہاں جاکر کرنی تھی نہ یہ کہ
وہ چیزیں آپ کے پاس لائی جاتیں، مثل ہے
کہ پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے کنواں پیاسے
کے پاس نہیں لایا جاتا۔

اگر وہ چیزیں خیر و برکت کی تھیں تو آپ
کو وہاں جانا چاہئے۔ اس کے بعد اکبر شاہ ثانی
لاجواب ہو گیا۔ اور مولانا نے اکبر شاہ ثانی سے۔
مزید کہا کہ اپنے جس نانا جان کی محبت میں ابھی آپ
رو رہے تھے ان کا فرمان آپ کو کیا نہیں معلوم کہ یہ
سونے کا کنگن جسے آپ پہنے ہوئے ہیں، آپ کے
نانا جان نے مردوں پر حرام کیا ہے۔ اکبر شاہ ثانی نے فوراً
جواب دیا کہ میرے نانا جان نے جب اس کو حرام
ٹھہرایا ہے تو اس کو میں فوراً نکالتا ہوں۔ آپ بھی اس
کنگن کو ہاتھوں سے نکالنے میں مدد فرمائیے۔

جب دونوں کنگن نکل گئے تو اکبر شاہ ثانی نے
کہا کہ میرے دربار میں پچاسوں علماء آج بھی موجود ہیں
جن کی پوری طرح خبر گیری اور کفالت کرتا ہوں لیکن
کسی نے یہ نہیں بتایا کہ میرے نانا جان نے سونے کو
حرام کیا ہے ورنہ میں کب کا نکال چکا ہوتا پھر مولانا
سے اکبر شاہ ثانی نے کہا کہ میرے دونوں کنگن ہمراہ لیتے
جائیے گا۔ اور فقیروں کو دے دیجئے گا۔ مولانا نے
فرمایا کہ آپ اسے بطور خود اپنے ذریعہ سے صدقہ
کیجئے اگر میں اسے لے جاؤں گا تو آپ کے درباری
علماء یہی کہیں گے کہ اسمٰعیل آیا تھا اور بادشاہ کے
سونے کا کنگن اینٹھ کر لے گیا۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ
آپ اس کو فقراء میں تقسیم کرا دیں۔ اکبر شاہ ثانی نے
مولانا کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا
سواری کے لیے گھوڑا دیا، سات پارچہ خلعت دیا
اور شاہی خوان غلاموں کے ساتھ گھر بھیج دیا۔

اکبر شاہ ثانی نے مولانا کی بہت عزت و تکریم
کی تھی یہ اس کی علم دوستی اور علمائے اسلام کی قدردانی
اور سرپرستی کا ایک نادر واقعہ تھا اس طرح اور بھی
علماء نوازی اور معارف پروری کے واقعات کا اندازہ
کیا جاسکتا ہے [1]

[illegible]

---

[1] تذکرہ سید احمد شہیدؒ سے منقول ہے جو مولانا رئیس احمد جعفری کی تصنیفات میں سے ہے۔

صفر المظفّر حدیث نبویؐ کے آئینے میں

محمد شاہد ندوی (بابہ بنکوی)

صفر کا مہینہ اسلامی کلینڈر کے لحاظ سے دوسرا مہینہ ہے جس کو اسلام نے مظفر یعنی کامیاب اور مبارک مہینہ سے موسوم کیا ہے اس مہینہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث شریف میں مخصوص انداز میں صفر کا تذکرہ آیا ہے جس کے ذریعہ ایک غلط اور موہوم عقیدہ کا ازالہ کیا گیا اور ماہ صفر سے متعلق بُرے تصورات اور عقائد کی نفی کرکے ایک صالح عقیدہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں کبھی اس ماہِ صفر میں فتنوں، وباؤں، امراض، مصائب اور حادثات کا وقوع ہوا تھا، جس کو لوگ نحوست سے تعبیر کرنے لگے اور عقیدہ یہ بنا لیا کہ صفر کا مہینہ منحوس اور رنج وغم کا مہینہ ہے جو اسلامی تعلیم کے خلاف ایک غلط اور فرضی عقیدہ ہے۔

درحقیقت پروردگارِ عالم نے زمین وآسمان عرش وکرسی، لوح وقلم، جنت وجہنم چاند وسورج، ستارے وندی نالے، پہاڑ وسمندر حتیٰ کہ دنیا کی تمام مخلوق کو اپنی مشیت اور مصلحت سے پیدا فرمایا ہے اور اسی کی حکمت وکرشمہ سازی ان چیزوں میں کارفرما ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رات ودن ہفتے اور مہینے اور سال وزمانے کو بھی پیدا فرمایا ہے اور ان کی خصوصیات بھی بیان فرمائی ہیں۔

جہاں تک مہینوں کا تعلق ہے تو اس میں کچھ ایسے مہینے بھی ہیں جن کو دوسرے مہینوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح بعض دنوں کو دوسرے دنوں پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن کو تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح سال کے تمام مہینوں پر رمضان المبارک کو بزرگی حاصل ہے اور اسی طرح دیگر مہینوں کے مقابلہ میں رجب المرجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام کو حرمت وعظمت حاصل ہے لیکن حرمت وعظمت اور فضیلت اور بزرگی حاصل ہونے سے یہ ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا ہے کہ دوسرا ایام یا مہینے منحوس، نامقبول اور غیر مسعود ہیں اور نہ ہی کسی دن یا کسی مہینے میں نازیبا واقعات، اور حادثات کے برپا ہونے سے اس میں خیر وفلاح ختم ہو جاتی ہے۔

دورِ جاہلیت میں ماہ صفر کو ناکامی اور نامرادی کا پیش خیمہ کہا جاتا تھا، لیکن اسلام نے صفر کے ساتھ مظفر کی صفت لگاکر یہ بتا دیا کہ یہ مہینہ ظفر وسعادت اور کامیابی وکامرانی کا مہینہ ہے نہ کہ بدشگونی وبدفالی کا باعث ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ماہ صفر میں بیماری، بدشگونی، شیطانی گرفت اور نحوست کے اثرات کوئی چیز نہیں ہیں۔

مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ بیماری شیطانی گرفت، ستاروں کی گردش اور نحوست کا ماہِ صفر سے کوئی تعلق نہیں اور مسلم شریف ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ بھوت، پریت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں نسئی کا عقیدہ بھی پایا جاتا تھا جس پر قرآن کریم نے اس طرح سخت گرفت فرمائی ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (سورہ توبہ-۳۷)

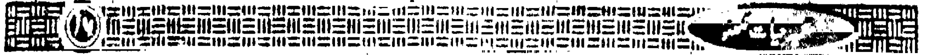
ترجمہ:- امن کے کسی مہینے کو ہٹاکر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کئے ہیں، گنتی پوری کرلیں۔ اور جو خدا نے منع کیا ہے اس کو جائز کرلیں۔ اُن کے بُرے اعمال بھلے دکھائی دیتے ہیں۔ اور خدا کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

"لفظ نسئی" نسئی کہتے ہیں کسی چیز کے گھٹانے اور بڑھانے کو۔

واقعہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین عام طور پر محرم کے مہینے میں حرمت وعظمت کے پیش نظر جنگ نہیں لڑا کرتے تھے اور اگر پہلے سے جنگ جاری ہوتی تو بند کر دیا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی شدت پسندی اور جہالت کے سبب ماہ صفر کو محرم کے مہینے پر مقدم کرکے محرم کو مؤخر کر دیتے اور کہتے کہ امسال صفر کا مہینہ مقدم رہے گا، پھر اس کے بعد کفار ومشرکین خون آشام کارروائیاں جاری کر دیتے تھے اور یہ معاملہ خاص طور پر محرم اور صفر کے ساتھ کیا کرتے تھے، جس کو قرآن کریم نے آیتِ بالا کے ذریعہ عمل کفر قرار دیا ہے۔ مذہبِ اسلام نے اس پر سختی کے ساتھ نفی کی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر واضح انداز میں نکیر فرمائی ہے۔

"نہایہ" میں مذکور ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صفر سے مراد "نسیئی" ہے، یعنی ماہ محرم کے ایام کو بڑھاکر صفر کا مہینہ اس میں شامل کرلینا اور ماہ صفر کو ماہ محرم ٹھہراکر اسے ایک معزز مہینہ بنا لینا۔"

یقیناً مہینوں کے ساتھ یہ ایک بے انصافی



اور ظلم ہے جسے اسلام نے باطل قرار دیا ہے۔ امام مغازی محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ "قلمس" کنانی نے سب سے پہلے یہ رسم جاری کی۔ اس کے بعد اس کی نسل میں بھی ہوتا چلا آیا۔ اور اسی کی نسل سے وابستہ ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال ایام حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حج میں داخل رہے گا یا صفر۔

علامہ ابن اثیر نے بھی "نہایہ" میں لکھا ہے "قیل اراد بہ النسیئ وھو تاخیر المحرم الی صفر" جس کا مطلب ہے محرم کو صفر تک مؤخر کرنا۔ مذہب اسلام نے اس لغو اور باطل عمل کی کھل کر تردید کی ہے۔

اسی طرح صفر کے متعلق ایک یہ بھی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان کے معدہ میں پرورش پاتا ہے اور بھوک کی شدت کے وقت جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا رہتا ہے اور صفر کی آمد سے انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ اس کے تخیلات میں ایک ہلچل اور کھلبلی مچ جاتی ہے۔ یہ عقیدہ بھی شریعت اسلامیہ کے خلاف اور تعلیمات نبوی کے منافی ہے۔ اسی لئے مذکورہ بالا غلط عقیدوں کی نفی وضاحت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ "لَا صَفَرَ" سے فرما دی ہے جس کا مقصد اور مدعا مسلمانوں کو ان بُرے مراسم اور توہمات وخرافات سے بچا کر ایک صالح معاشرے کی تشکیل دینا تھا تاکہ مسلمان شریعت الٰہی اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں صحیح اور صالح زندگی گزاریں شرک و بدعت، کفریہ عقائد، بے جا رسموں، توہمات اور چھوت چھات سے گریز کریں۔

ارشاد نبوی ہے: لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا ھَامَۃَ وَلَا صَفَرَ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا ہے بلکہ جس طرح پہلے اللہ تعالیٰ کسی کو مریض بناتا ہے اسی طرح دوسرے کو بھی اپنے تصرف اور فیصلے سے مریض کر دیتا ہے۔ میل ملاپ آپس میں نشست و برخاست سے کوئی مرض کسی کو نہیں لگ جاتا ہے۔ یہ سب وہم و خیال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری نحوست اور شیطان وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا یہ سن کر ایک اعرابی نے کہا۔ ریت کے میدان کا وہ اونٹ جو ہرن کی طرح تیز ہے یہ خارشی اونٹ دوسرے اونٹوں میں گھس کر ان میں خارش پیدا کر دیتا ہے یہ کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا یہ بتاؤ کہ پہلے والے اونٹ کو خارش کیسے ہوئی؟ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شگون، تکلیف ایذا اور چھوت کسی پر اثر انداز نہیں ہوتے نیز کوئی مہینہ کبھی ساٹھ دن کا نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کے قبول کرنے سے عہد شکنی کرے تو جنت کی خوشبو اسے میسر نہ ہوگی۔ (معجم کبیر از طبرانی)

اور نہ جانور یا پرندے کے اڑنے اڑانے سے بدشگونی لینے کی کوئی حقیقت ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں میں مشہور ہے کہ داہنی طرف سے پرندہ اڑے تو اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور بائیں طرف سے اڑے تو منحوس سمجھتے ہیں جو بالکل بے اصل اور خام خیالی ہے اور نہ اُلّو کی منحوسیت کی کوئی حقیقت ہے۔ جس کو عام طور پر لوگ نحوست سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ ماہ صفر میں کوئی منحوسیت ہے جیسا کہ لوگ صفر کے مہینے کو منحوس تصور کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً نفی فرمائی۔ اور جس کو لغو اور خرافات سے تعبیر کیا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ یَتَشَاءَمُوْنَ بِدُخُوْلِ صَفَرَ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَفَرَ (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ صفر کے مہینے سے بدشگونی لینے سے تعبیر کرنا سراسر غلط اور بے اصل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ۔ بدفالی اور بدشگونی شرک ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے۔

اور فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ (نساء ـ ۱۱۶)

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا وہ راستے سے دور جا پڑا۔

معلوم ہوا کہ شرک کی معافی ہرگز نہیں ہوگی اور جو دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا۔ اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو تو یہ بھی شرک ہے اگرچہ بظاہر وہ شرک نہ کرے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (آل عمران ـ ۸۵)

ترجمہ:۔ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہوگا۔ وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا

شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

اور فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران - ۱۹)

بیشک دین تو خدا تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی (پسندیدہ) ہے۔

بہرکیف قرآن و حدیث کی تصریحات سے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ تمام چیزوں کا رخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی جانب ہی کرنا چاہئے اسلام کی ان روشن تعلیمات کے باوجود مسلمان بالخصوص مسلم خواتین میں جاہلیت کی بہت سی مشرکیہ رسمیں اب بھی پائی جاتی ہیں انھیں رسموں میں سے صفر المظفر میں "تیرہ تیزی" کی ایک وہمی رسم بھی مردوں میں تو کم لیکن عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، یعنی صفر کے شروع کے تیرہ دن انتہائی منحوس خیال کیے جاتے ہیں جن میں شادی بیاہ کی تقریبیں تک روک دی جاتی ہیں، کوئی نیا کام شروع کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

ان ایام میں بچہ کی پیدائش کو بھی بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی غیر مناسب واقعہ پیش آجاتا ہے تو اس کو فوراً دھیان سے جوڑ کر اس کو نحوست سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سراسر جاہلی اور وہمی تصور ہے۔ بلاشبہ سعد ونحس کا تصور قطعاً اسلامی نہیں ہے، مسلمانوں کو ایسے تصورات اور وہمی تخیلات سے گریز کرنا چاہئے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے، بغیر اس کے حکم و منشا کے کوئی چیز کسی کو نفع و ضرر نہیں پہونچا سکتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (مائدہ - ۷۶)

کہو کہ تم خدا کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں۔

بلاشبہ اللہ پاک دنیا کی ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ اس کی قدرت اور کرشمہ سازی و حکمت و مصلحت میں کسی بھی مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہ

صفر کا آخری چہار شنبہ (بدھ)

بعض لوگ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کو خوشی کے طور پر مناتے ہیں بعض اسکولوں اور مدرسوں میں تعطیل بھی رکھی جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو مرض سے شفا پائی اور غسل فرما کر سیر و تفریح فرمائی تھی تو یہ رسم بالکل بے اصل اور بے دلیل ہے۔ اس دن خوشی منانا جائز نہیں شمس التواریخ میں مذکور ہے کہ ۲۶ر صفر سنہ ۱۱ھ کو یوم دوشنبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ اور ۲۷ر صفر کو اسامہ بن زیدؓ کو امیر لشکر بنایا گیا۔ ۲۸ر صفر چہارشنبہ کو اگرچہ آپ بیمار ہوچکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کرکے اسامہؓ کو دیا۔ ابھی کوچ کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ آخر روز چہارشنبہ اور اول شب پنجشنبہ میں آپ کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ مچ گیا۔ اسی دن عشاء کے وقت آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ دن خوشی کا تو بالکل ہے ہی نہیں اور اس دن تہوار اور خوشیاں منانا، مدارس میں تعطیل رکھنا وغیرہ سب امور خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔ ان سے اجتناب اور پرہیز کرنا لازمی ہے۔ (تفصیل ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص۱۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مرد مسلم کی شان یہ ہو کہ اس کا عقیدہ قرآن و حدیث اور اسلامی شریعت کے مطابق ہو موجودہ وہمی رسم و رواج اور غلط تصورات سے اس کا باطن پاک ہو اور اس کا ظاہر طاعت ربانی پر شاہد ہو۔

خداوند قدوس تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہر قسم کے باطل خیالات اور وہمی تصورات سے نکال کر اعمال صالحہ اختیار کرنے کی توفیق دے (آمین)

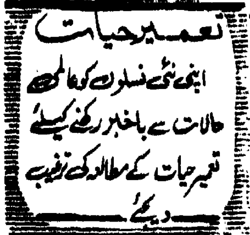
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

(بقیہ) سیرت سید احمد شہیدؒ

کرنے کے لئے انتظامات کئے، پنجتار پہونچنے پر سیکڑوں مرد و عورت آپ کے خاندان کی تعریف میں چار بیت کہتے ہوئے اور تبل بجاتے ہوئے آئے اور انعام کے خواستگار ہوئے، سید صاحب نے سب کو خوش کیا۔

جمعہ میں سید صاحب نے بعد نماز وعظ کہا جس کا آخری ٹکڑا یہ تھا کہ جس طرح اللہ کو غلبہ اور اقبال دیتے دیر نہیں لگتی اسی طرح چھیننے میں بھی دیر نہیں لگتی۔ لوگوں کو دھکا سا لگا کہ سید صاحب نے یہ کیا فرمایا۔ پھر حضرت نے مولوی رمضان صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا۔

مولوی خیر الدین صاحب کو سوات کے سرحدی علاقہ میں احکام شرعی کے اجرا کے لئے مامور کیا۔ انھوں نے زراعت کا عشر طلب کیا۔ بکریوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔ لڑکیوں کو گھر پر بٹھائے رکھنے اور بغیر لڑکے والوں سے روپیہ وصول کئے شادی نہ کرنے سے منع کیا۔ (جاری)



مسلم خواتین کا تاریخی کردار

قسط ۲

...ریر: مولانا عبد اللہ حسنی ندوی
ترجمہ: محمد طارق اقبال متعلم ندوۃ العلماء

...د تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا

حضور اکرمؐ کی پہلی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ ہیں ...عقل و دانش اور معاملہ فہمی میں اپنے زمانہ کی ممتاز ترین ...تین میں سے تھیں اس کے ساتھ ساتھ اخلاق و ...دار اور تہذیب و ثقافت کے نتائج اور اثرات ...بخوبی واقف تھیں وہ آپ کی فکر مندیوں میں ...شریک ہوگئیں اور آپؐ کو جرأت کا غم تھا ...بانٹ لیا۔ راہ نبوت اور کار نبوت کی رکاوٹیں ...دور کرنے لگیں۔ اچانک وحی کے نزول اور حضرت ...جبرئیلؑ کی آمد سے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ...ہوئی کہ آپؐ کی زبان مبارک پر یہ بات آئی ...مجھے اپنے بارے میں خوف محسوس ہوتا ہے حضرت ...خدیجہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ہرگز نہیں! ...اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیوں کہ ...آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور بوجھوں کو اٹھاتے ہیں ...اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور مہمان ...نوازی کرتے ہیں۔ ناگہانی مصیبتوں اور آسمانی ...حوادث میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ اور ان کی ...اعانت کرتے ہیں۔

اس کا ایک ایک جملہ اپنے اندر سمندر کی گہرائی رکھتا ہے اور بے پناہ وسعت کا حامل ہے جس سے ان کی علم الاخلاق اور علم النفس میں کامل مہارت اور دقت نظر کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے آپ کی تسلّی کا سامان کیا اور آپؐ کے ڈر کو دور کیا۔ اس طرح آپؐ فارغ فارغ البالی کے ساتھ سکون و اطمینان کے ساتھ دعوت الی اللہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں لگ گئے۔

"آپ اپنی قربانی کیجئے اور کسی سے کلام نہ فرمایئے"

حضور اکرمؐ کی دوسری زوجۂ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ ہیں وہ صلح حدیبیہ کے سفر میں آپؐ کی رفیق سفر تھیں اور صلح کا وہ واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ اور ان کے لیے ناقابل برداشت ہو رہا تھا (بخاری کی روایت ہے) کہ جب حضورؐ معاہدہ نامہ سے فارغ ہوگئے تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: کہ تیار ہو جاؤ اور قربانیاں کرو اور سروں کا حلق کراؤ آپؐ انہی کلمات کو بار بار دہراتے رہے لیکن ان میں سے کوئی تیار نہیں ہوا جب ان میں سے کوئی شخص تیار نہ ہوا تو آپؐ ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کی جانب سے پیش آنے والے واقعہ کا تذکرہ کیا حضرت ام سلمہؓ نے کہا! اے اللہ کے رسولؐ اگر آپ کی خواہش اور چاہت یہی ہے تو تشریف لے جایئے اور کسی سے گفتگو تک نہ کیجئے اور اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کیجئے اور حجام کو بلوا کر اپنا سر مبارک حلق کروایئے۔ آپ باہر تشریف لائے کسی سے آپ نے گفتگو نہیں کی اور آپ نے ویسا ہی کیا کہ اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ اور حجام کو بلوا کر حلق کروایا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی قربانی کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے۔

انھوں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے ایسی حکمت اور دانائی سے کام لیا جس سے بڑھ کر حکمت اور دانائی نہیں ہوسکتی ہے جو موقع و محل کے عین مناسب اور صحابۂ کرام کے جذبۂ اطاعت اور سر تسلیم خم کر دینے سے واقفیت کی دلیل ہے چنانچہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔

"عورت بحیثیت داعی"

"کُلُّ مصیبۃ بعدک جلل" تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں، بقول شاعر

"میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم"

مسلمان مدینہ لوٹے راستہ میں ان کا گذر بنی دینار کی ایک عورت کے پاس سے ہوا جس کے شوہر بھائی اور والد رسولؐ کے ہمراہ جہاد کے لیے نکلے تھے اور سب کے سب راہ حق میں کام آچکے تھے جب ان کی شہادت کی خبر اس کو دی گئی تو اس نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا کہ آقا کا کیا حال ہے، صحابہؓ نے جواب دیا۔ اے ام فلاں وہ بخیر و عافیت ہیں اور بحمد اللہ تمہاری چاہت کے مطابق ہیں۔ اس نے کہا مجھے دکھایئے تاکہ میں ان کا دیدار کرلوں۔ پھر آپ کی طرف اشارہ کیا گیا جب اس نے دیکھ لیا بے اختیار پکار اٹھی "کل مصیبۃ بعدک جلل" آپ کے دیدار پر انوار کے بعد کوئی مصیبت مصیبت نہیں۔"

اس لیے کہ ان کو پاکیزہ محبت کے جذبہ اور حقیقی الفت کا وافر حصہ ملا تھا جب یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور گوشت پوست کا حصہ بن جاتی ہے تو مٹی کو سونا اور خاک کو اکسیر بنا دیتی ہے۔ یہی وہ محبت خالص اور جذبۂ صادق ہے

جو کمزور کو توانا اور طاقت ور کو جان لڑا دینے والے بہادروں کی صف میں لاکھڑی کرتی ہے اور عورت کو غضبناک اور دھاڑتا ہوا شیر ببر کی قوت عطا کرتی ہے۔ یہ صحابیہ کمزور تھیں لیکن ان کا دل حب خالص اور پاکیزہ محبت کے جذبات سے لبریز تھا وہ آزمائش سے دوچار اور بلامیں گرفتار تھیں لیکن دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ساری مصیبت کافور کردی اور قلب دماغ پر غم واندوہ کے جو پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے وہ دور کردیئے حتیٰ کہ ان کی زبان سے وہ عجیب وغریب بات نکلی جو پاکیزہ محبت کے لطیف جذبات کی عکاس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں حضور اکرمؐ کی کس قدر عظمت ووقار تھا اور فداکاری وقربانی کے عظیم جذبات پر روشنی پڑتی ہے کہ راہ حق میں باپ شوہر بیٹا۔ اور بھائی کام آچکے ہیں اور زبان پر کل مصیبۃ بعدک جلل کا کلمہ ہے

"یہ اللہ کی طرف سے بخشش واکرام ہے"

ابن سعد طبقات کبریٰ میں رقمطراز ہیں کہ ام شریک کے شوہر نے اسلام قبول کیا ام شریک کا نام غزیہ بنت جابر دوسیہ ہے، جن کا تعلق قبیلہ ازد سے ہے اور ان کے شوہر ابوالعکر ہیں۔ حضرت ابوالعکرؓ نے حضرت ابوھریرہؓ کی معیت میں تمام لوگوں کے ساتھ ہجرت کی۔

ام شریکؓ فرماتی ہیں کہ ابوالعکر کے خاندان کے لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایسا لگتا ہے کہ تم بھی اسی کے دین پر ہو میں نے جواباً عرض کیا ہاں ہاں بخدا میں نے اسی کے دین کو اختیار کرلیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ پھر ہم تمھیں ضرور بالضرور سخت اور دردناک سزا دیں گے پھر وہ ہمیں لے کر مقام ذی الخلصہ سے منزل کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے ہمارے شوہر صنعاء یمن میں اس وقت قیام پذیر تھے) اور مجھے اپنا سب سے بدترین، ناکارہ اور ایک بہت ہی سست رفتار اونٹنی پر سوار کردیا۔ وہ مجھے روٹی شہد کے ساتھ کھلاتے تھے لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی پینے کو نہ دیتے تھے یہاں تک کہ دن چڑھ آیا دھوپ سخت ہوگئی اس کی تمازت میں تیزی آگئی تھی ہمیں سخت پیاس کا احساس تھا۔ گرمی شباب پر تھی اس کی حدت وسختی عروج پر تھی۔ اتنے میں انھوں نے پڑاؤ ڈالا، خیمے نصب کیے اور مجھے دھوپ ہی میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ میرے ہوش وحواس جواب دے گئے۔ اور قوت سماعت وبصارت جاتی رہی۔ میرے ساتھ مسلسل تین دن تک ان کا یہی رویہ رہا اور وہ ایسا ہی کرتے رہے، تیسرے دن مجھ سے کہنے لگے کہ اس دین کو چھوڑ دو جس پر تم ہو۔ لیکن میں کچھ بھی نہ سمجھ سکی صرف مجھے یہ محسوس ہوا کہ وہ بار بار کچھ کہہ رہے ہیں۔ میں نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر توحید کا اشارہ کیا۔ کہ بخدا میں اسی دین پر قائم ہوں۔ اس حال میں کہ میرا پیاس، گرمی کی شدت اور تھکن سے برا حال تھا۔ اچانک میں نے اپنے سینے پر ڈول کی ٹھنڈک محسوس کی، اس کو لے کر میں نے ابھی چند قطرے ہی پیے تھے کہ ڈول اوپر کو اٹھ گیا اب میں دیکھنے لگی تھی کیا دیکھتی ہوں کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے میں اس کو لینے پر قادر نہیں ہوں۔ دوبارہ ڈول آیا پھر میں نے چند گھونٹ لیے کہ ڈول اوپر چلا گیا جب تیسری دفعہ ڈول آیا میں پی کر سیراب ہوگئی، میرے ہوش بحال ہوگئے اور میں پانی سے اپنے سر اور چہرے کو دھونے اور کپڑے کو تر کرنے لگی تھی کہ اچانک وہ لوگ نکلے۔ یہ ماجرا دیکھ کر پوچھنے لگے۔ اے اللہ کی دشمن یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا۔ میں نے جواب دیا اللہ کے دشمن وہ لوگ ہیں جو اس دین کے مخالف ہیں، رہا تمہارا یہ سوال کہ یہ کہاں سے آیا تو جان لو کہ اللہ رب العزت کی طرف سے مجھے بطور انعام ورزق ملا اور عطا ہوا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ وہ دوڑ کر اپنے مشکیزوں اور پانی کے برتنوں کو دیکھنے گئے۔ انھیں اپنی جگہ پر جوں کا توں ٹکا اور محفوظ پاکر کہنے لگے کہ تمہارا ہی رب ہمارا پروردگار ہے جس نے تمھیں اس حالت میں ہر اس نعمت سے نوازا حالانکہ ہم نے تمہارے معاملے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اس نے اسلام کو شروع اور جاری کیا اور تمام کے تمام لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے انھوں نے حضور اکرمؐ کی طرف ہجرت کی، وہ میرے احسان شناس اور منت گذار تھے۔ اور میرے ساتھ اللہ نے جو خاص معاملہ فرمایا تھا۔ اس سے واقف تھے۔

یہی حضرت ام شریکؓ ہیں جو اپنے ہی وطن اور دیار میں غریب الوطن ہوگئیں وہاں کی فضاان کے حق میں اجنبی ہوگئی۔ جس نے انھیں نشوونما ورچاؤ سے پالا تھا۔ اور اپنے گہوارہ میں جگہ دی تھی۔ وہ خود قبیلہ ان کا دشمن ہوگیا۔ حالانکہ اس نے انھیں الفت ومحبت دی تھی اور شادی کرائی تھی محض اس وجہ سے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں تھیں اور کلمۂ توحید کا ہار اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اور حق کی گواہی دی تھی۔ توحید کا اقرار اور اعلان کیا تھا سب کے سب ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بے آب وگیاہ میدان میں بھوکا پیاسا چھوڑ دیا۔ لیکن وہ راہ حق اور صراط مستقیم پر جمی رہیں اللہ نے اس صلہ میں ان پر ساتویں آسمان سے انعام واکرام کی بارش کی اور ان کے قبیلہ کا دل ان کے لیے نرم اور گداز ہوگیا۔ وہ اللہ کی طرف مائل اور جھک گیا اور یک لخت دین اسلام میں داخل ہوگئے۔

لہٰذا ایک بے یار ومددگار تنہا عورت

(باقی ص ــ پر)

راہ حق میں مضبوط پہاڑوں کی طرح جمی رہ سکتی ہے وہ تنہا تاریخ کے دھارے، زندگی کے رخ کو موڑ سکتی ہے اور معاشرہ میں انقلاب عظیم برپا کرسکتی ہے۔ خواہ معاشرہ اندھی جاہلیت پر مبنی اور قائم کیوں نہ ہو۔

عورت کا طبقہ زمانۂ قدیم سے افراط و تفریط کے پیمانوں میں تولا جاتا رہا ہے۔ اور وہ برابر افراط و تفریط کا شکار رہی ہے کسی نے اسے کلنک کا ٹیکہ سمجھا، کسی نے جہل اور من گھڑت چیزوں کی علامت قرار دیا۔ کسی نے حماقت و جہالت کا نمونہ اور کسی نے تخریب اور فساد و بگاڑ کا ذریعہ قرار دیا۔ یہاں تک اسلام اپنے نور کی تابانیوں عدل و انصاف کی ترازو کے ساتھ ظاہر ہوا اور طبقہ نسواں کا مقام و مرتبہ بتایا اور اس کا چھینا ہوا حق اس کو واپس دلایا۔ اس کی عزت و ناموس، عظمت و تقدس کو بحال کیا۔ اس کی لطافت و نزاکت اور حسن و جمال کو اجاگر کیا اور مردوں کو ان کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور تعلیم و تربیت کے انجام دہی پر آمادہ کیا اور اسے ماں کا تقدس دیا اور اس کے وقار و عظمت کو زبان نبیؐ نے الجنۃ تحت اقدام الامہات سے واضح کیا (کہ ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے) ایک شخص نے حضور اکرمؐ سے سوال کیا۔ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق اور حقدار کون ہے فرمایا تمہاری ماں، یہ تین بار مکرر فرمایا، پھر فرمایا کہ تمہارے باپ اور اس کے بعد تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں۔ (متفق علیہ) مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۱۸

اور تمام لوگوں کو اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید استوصوا بالنساء خیراً ''ان کی (عورتوں کے ساتھ بہتر معاملہ کرو) اس کی فطری نزاکت اور طبعی لطافت پر نظر رکھتے ہوئے نرمی اور رفق کا حکم دیا اور فرمایا أرفق یا انجشۃ بالقواریر'' اے انجشہ ان آبگینوں پر رحم کرو اور ترس کھاؤ جیسا کہ ان کے ذمہ داروں کو حکم دیا کہ ان کی اچھی تربیت کریں ان پر مال خرچ کریں فرمایا جس کے تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو لڑکیاں اور دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرکے خیر خواہی سے پیش آئے اور ان کے سلسلے میں تقوی اختیار کرے اور خوف خدا سے کام لے تو اس کے لیے جنت کی بشارت و خوشخبری ہے، مزید فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں میں اور وہ قیامت کے دن قریب قریب ہوں گے۔ اور اپنی دونوں انگلیوں سے (جنت میں) قربت کا اشارہ کیا (مسلم) عورت کے بارے میں بہت سی روایات ہیں جو احادیث کی کتابوں میں محدثین نے بڑی دقت و امانت سے محفوظ کیا ہے



غزل

نشور واحدیؒ

ہستی کبھی شرار ہوگئی ہے
مستی کبھی خمار ہوگئی ہے
ساحل پہ رہزنوں کا خطرہ
کشتی ہے کہ پار ہوگئی ہے
سب نقد خریدتے ہیں دوزخ
جنت جو ادھار ہوگئی ہے
بدلی ہوئی اس نظر کو دیکھا
بے قول و قرار ہوگئی ہے
کیا لکھوں کہ چشم ترا ہی مری
افسانہ نگار ہوگئی ہے
خوشیوں کی برات چلتے چلتے
اشکوں کی قطار ہوگئی ہے
اس دور کی زندگی نہ پوچھو
تلوار کی دھار ہوگئی ہے
تھی پھول کی اک کلی محبت
کانٹوں میں شمار ہوگئی ہے
شیشے کی پری نشور توبہ
دل لے کے فرار ہوگئی ہے

ہمارے بچے اور ٹیلی ویژن

محمد ارشد اعظمی ندوی (مکہ مکرمہ)

ذرائع ابلاغ اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن. آجکل ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکے ہیں، کوئی گھر چاہے خانہ، دکان، اس سے خالی نہیں ہے خاص طور سے ٹیلی ویژن نے تو بڑے چھوٹے سب کو بیحد متاثر کیا ہے. وہ اب ایک ایسی ضرورت بن گیا ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں. لیکن افسوس ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں ہی اب تک اس وسیلۂ ابلاغ پر غالب و اثر انداز رہی ہیں، براہ راست یا بالواسطہ وہ اپنے خیالات، بے حیائی، جرائم، اخلاقی فساد کو نشر کرتے رہتے ہیں، جس سے مسلمانوں کا نوجوان طبقہ خاص طور سے بہت متاثر ہوتا ہے. اس کے والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ ان کے بچے کیا دیکھتے ہیں اور اس سے کیا سیکھتے ہیں؟

ٹیلی ویژن چونکہ آنکھ اور کان دونوں کو اپیل کرتا ہے آدمی سننے کے ساتھ ساتھ مناظر کو بھی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے. اس لیے اس کی تاثیر دوسرے ذرائع سے بہت زیادہ قوی ہو جاتی ہے، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں ہی طبقے اس میں بڑی ہی جاذبیت اور کشش محسوس کرتے ہیں. عام گھروں میں بڑے افراد اور چھوٹے بچے روزانہ دو تین گھنٹے اوسطاً ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں، چھٹی کے ایام میں تو چار گھنٹے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ وقت ٹیلی ویژن کے سامنے گذارا جاتا ہے. اتنی دیر تک ٹیلی ویژن دیکھنے سے کئی نقصانات بچوں کو ہو سکتے ہیں مثال کے طور پر اگر پروگرام بچوں کے مزاج ان کی عقلی سطح، ان کے شعور کے مناسب نہ ہوں تو اس سے وہ ذہنی پیچیدگی کا شکار ہو سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ ٹیلی ویژن سیٹ سے نکلنے والی شعاعیں ان کی آنکھوں کو بھی متاثر کر سکتے ہیں.

ٹیلی ویژن پر جو پروگرام نشر کئے جاتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں اور یہ دونوں بچوں کے لیے زیادہ مفید نہیں ہیں، ایک وہ پروگرام جو بڑے افراد کے لیے تیار کئے جاتے ہیں جن میں ٹی وی سیریل اسٹیج ڈرامے، خبریں، اسپورٹس وغیرہ ہوتے ہیں ان میں ٹی وی سیریل اور ڈرامے زیادہ وقت لیتے ہیں اور ان کے اکثر قصے اسلامی مزاج کے مطابق نہیں ہوتے، عادۃً اس میں عشق و محبت کی داستانیں، خوبصورت خواتین کی مسحورکن ادائیں، اور مرد و زن کا باہمی اختلاط ہوتا ہے یا پھر تشدد، دہشت گردی کے مناظر ہوتے ہیں. دوسرے وہ پروگرام جو بچوں ہی کی خاطر تیار کئے جاتے ہیں ان میں عام طور سے صرف تسلی، تفریح اور وقت گذاری کا مادہ ہوتا ہے.

کارٹون کی فلمیں جو بچوں میں بہت مقبول ہیں ان کے قصے جنگ و جدال، تشدد و کشمکش کے گرد گھومتے ہیں اور بعض میں عشق و محبت کی داستانیں ہوتی ہیں، جو جانوروں کے درمیان چلتی ہیں. ان دونوں ہی طرح کے پروگراموں میں اسلامی اخلاق و اقدار کا فقدان ہوتا ہے جس کی وجہ سے بچوں کے ذہن و مزاج پر غیر اسلامی اثرات پڑتے ہیں.

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مسئلہ کا حل کیا ہے؟ ٹیلی ویژن کے فوائد بھی ہیں کہ اس سے بچوں کو جدید معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں. ان کے ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے لیکن موجودہ پروگراموں کی صورت میں اس کے نقصانات بھی بہت ہیں! اس لیے بعض ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ ٹیلی ویژن کا استعمال حتی الامکان کم کیا جائے اور صرف مفید پروگرام ہی دیکھے جائیں. نامناسب پروگرام کے وقت کسی اور مشغلہ و تفریح کی طرف بچوں کی توجہ موڑ دی جائے. مثلاً کسی ورزش کی طرف یا ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ کسی مفید پروگرام یا کمپیوٹر گیمز سے کھیلنے کی طرف وغیرہ وغیرہ، کمپیوٹر کے تعلیمی پروگرام کی ڈسک اب بازار میں مناسب قیمت پر دستیاب ہیں، جن سے بچے ٹیلی ویژن کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر جدید تعلیمی خواندہ بھی حاصل کر سکتے ہیں.

بچوں کے کچھ بڑے ہونے کے بعد انھیں واضح طور پر بتایا جا سکتا ہے کہ ٹیلی ویژن کے کون سے پروگرام اچھے ہیں اور کون سے برے اور کیوں؟ تاکہ وہ اس کا صحیح استعمال کر سکیں.

والدین کے لیے مناسب ہے کہ وہ بچوں کی تربیت میں صبر اور نرم خوئی سے کام لیں اور مرحلہ وار ان میں تبدیلی لانے کی کوشش کریں، صرف حکم جاری نہ کریں. بلکہ یہ دیکھیں کہ اس پر کتنا عمل کیا جاتا ہے.

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کو صدمہ

جناب مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری استاذ حدیث جامعۃ العین (ابوظبی) اور بانی جامعہ اسلامیہ مظفر پور تلندر پور اعظم گڑھ کے پھوپھا جناب محمد حنیف صاحب ۱۰ رمئی ۱۹۹۶ء کو رحلت فرما گئے.

انا للہ وانا الیہ راجعون.

مرحوم بڑے نیک، متقی پرہیزگار، عبادت گذار با اخلاق اور صاحب خیر انسان تھے، اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت کرکے ان کے درجات بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے. قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے.

جواں سال مولوی محمد اسحٰق پٹیل ندوی کا انتقال پُر ملال

شمس الحق ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک نیک خو اور خوش اطوار فرزند مولوی محمد اسحٰق پٹیل ندوی کا حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کے وطن بمبئی میں ۸ر جون کو اچانک انتقال ہوگیا"

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ ان دنوں بمبئی میں مقیم تھے، مرحوم کی نماز جنازہ مولانا مدظلہ ہی نے پڑھائی۔ مولوی اسحٰق صاحب ندویؒ دار العلوم کے ان فرزندوں میں تھے جنھوں نے پوری طالب علمی نہایت سنجیدگی، محنت و شوقِ طلب کے ساتھ گذاری، اساتذہ اور بزرگوں کا ادب و احترام ان کی گھٹی میں پڑا تھا، ساتھیوں کو بھی ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی، ان کی سنجیدگی و متانت کے سبھی قائل تھے۔

دار العلوم سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے دوکاردہار میں اپنے پدر بزرگوار کے تعاون کے ساتھ مدرسہ امدادیہ جو نا بھٹی میں اعزازی طور پر عرصۂ دراز تک درس و تدریس کا بھی سلسلہ جاری رکھا، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے فکر اور ان کی تصنیفات سے عشق تھا، حضرت مولانا کی تمام تصنیفات خریدتے اور پڑھتے تھے، تبلیغی اسفار بھی کیا کرتے تھے۔

مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے کے بعد اس سے برابر تعلق قائم رکھا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا اس لئے دار العلوم کی مالیات میں بڑا تعاون فرماتے تھے، اس کی تعمیرات میں ان کا خاطر خواہ حصہ ہے جب بھی کوئی نیا تعمیری منصوبہ سامنے آتا اپنے پدر بزرگوار کو اس میں حصہ لینے کی تحریک کرتے اور حصہ لیتے، ان کے پدر بزرگوار ایک ذاکر و شاغل، جماعت تبلیغ سے گہرا تعلق رکھنے والے اور ضعف پیری کے باوجود اس کے لئے سفر کرنے والے فرشتہ صفت انسان ہیں، ایک تبلیغی سفر ہی میں تھے کہ گر گئے اور کمر میں ایسی چوٹ آئی کہ صاحبِ فراش بنا دیا، اس معذوری میں جب بھی حاضر ہوا شکر گذار پایا اور بیٹھنے کی طاقت نہ ہونے کے سبب لیٹے لیٹے تلاوت کلام پاک میں مصروف پایا۔ نہایت خلیق و پر وقار انسان ہیں۔ ان کی معذوری و مسلسل علالت کے سبب ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کسی وقت بھی کوئی ناخوش گوار خبر سننی پڑے گی مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و شان بے نیازی کہ بے سان و گمان ان کے ہونہار و لائق فرزند کی خبر وفات سننی پڑی جس کی اطلاع مولوی عطاء الرحمٰن ندوی صدیقی نے حضرت مولانا مدظلہ کی قیام گاہ سے بذریعہ فون دی۔ مرحوم کا ان کی ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ چونکہ بچپن ہی سے مجھ سے بڑا گہرا تعلق و لگاؤ تھا، مجھ سے پڑھا بھی تھا اور مطالعہ کے سلسلہ میں برابر مشورہ بھی لیتے رہتے تھے اسی لئے اس خبر سے قلب پر ایسا اثر پڑا جیسے کسی قریبی عزیز کے حادثہ سے پڑتا ہے بمبئی جب بھی جانا ہوتا بچپن ہی کی نیازمندانہ اداؤں کے ساتھ ملتے اور دار العلوم کے سلسلہ میں بشاشت و خوشدلی کے ساتھ دامے درمے، قدمے سخنے ہر طرح سے حصہ لیتے، کیا خبر تھی کہ اپنی نیکیوں کا صلہ لینے کے لیے اتنی جلد بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو جائیں گے۔ مگر ؎

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

مرحوم ہم سے جدا ہو گئے مگر سیرت و کردار، نجابت و سعادت مندی کی ایسی یادیں چھوڑ گئے جو ہمنا ہر ان کی یاد دلاتی رہیں گی۔ ؎

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

وہ تعمیر حیات کے بھی بڑے قدرداں تھے، ادارہ تعمیر حیات مرحوم کے پسماندگان خصوصاً ضعیف والدین، اہلیہ و بچوں کو دلی تعزیت پیش کرتا ہے اور قارئین کرام سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کی درخواست کرتا ہے ان کی خبر وفات سے ان کے تمام اساتذہ و احباب کو بڑا صدمہ ہوا اور سب کے دل سے ان کے لئے دعائے مغفرت نکلی۔

خبر سے مہتمم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء کو رنج

مہتمم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے خبر سنکر ان الفاظ میں اظہار رنج کیا۔

"مولوی اسحٰق پٹیل ندوی میرے شاگرد رہ چکے ہیں۔ ایام تعلیم میں ان کو ان کے درجہ میں ممتاز دیکھتا تھا وہ سنجیدگی کے ساتھ حصول تعلیم میں مشغول رہتے تھے اساتذہ کے ساتھ بہت مؤدب اور ان سے استفادہ کے خواہاں رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے اساتذہ ان سے تعلق محسوس کرتے تھے۔ جن میں میں بھی تھا۔ مجھے ان کی صرف قدر ہی نہ تھی بلکہ مستقبل میں مجھے ان سے اچھی توقعات تھیں کہ وہ علم و دین کے کاموں کے لئے ایک مفید تر کارگذار اور ممتاز عالم ہوں گے۔ افسوس کہ وہ کم عمری ہی میں ہم سے جدا ہو گئے، ان کی وفات سے ان کے معذور والد صاحب پر جو اثر پڑا وہ بھی خاصا شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ضعف پیری اور علالت میں اس غم کو جھیلنے کی طاقت عطا کرے اور ان کو ان کے نامۂ اعمال میں بہت قیمتی اضافہ بنائے۔ (آمین)"

نماز میں مساوات کے منظر نے مجھے مسلمان بنا دیا

امریکہ میں ٹیلی ویژن ڈائریکٹر نے اسلام قبول کر لیا

ترجمہ: محمد شاہد ندوی

امریکہ کے صوبہ "کنتاکی" کے ٹیلی ویژن ڈائریکٹر "رُون سمیث" کو اسلامی مساوات کے طریقۂ نماز اور اس کے نظام مساوات نے اسلام کی طرف کھینچ لیا۔

وہ کہتے ہیں کہ میری نشو و نما اور پرورش خالص عیسائیت کے ماحول میں ہوئی چنانچہ جب میں نے شعور و آگہی کی آنکھیں کھولیں۔ اور کچھ سمجھنے کے قابل ہوا۔ تو برابر میرے ذہن میں یہ خیال ابھرتا کہ آخر زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور کائنات عالم کا خالق کون ہے؟ بسا اوقات اس تصور میں میری راتوں کی نیند حرام ہو جاتی اور برابر مجھے مذکورہ سوالات کے جوابات کی تلاش و فکر دامن گیر رہتی۔

وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں میری معلومات کوئی زیادہ نہیں تھیں بس اتنا جانتا تھا کہ مسلمان شب و روز میں پانچ بار نماز ادا کرتے ہیں۔ اور یہ نماز اُن کے دین اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ لیکن ایک دن میں نے ٹیلی ویژن پر ایک عرب بادشاہ کو خشوع و خضوع اور اطمینان سے تمام نمازیوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے دیکھا اس جیسا منظر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس منظر کو دیکھ کر میرے دل میں یہ بات جاگزیں ہو گئی کہ دین اسلام میں چھوٹے بڑے اور غریب و امیر کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

میری بیوی چونکہ ایک پاکستانی خاتون تھیں تو ان کے ذریعہ سے اور دیگر مسلمانوں سے تعلق کی بنیاد پر مجھے اسلام کو اچھی طرح سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ کہ اسلام صلہ رحمی، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک عدل و انصاف اور بھلائی کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہ صرف مذہب اسلام کی خصوصیت اور اس کا منفرد امتیاز ہے جس سے دنیا کے دیگر ادیان و مذاہب یکسر خالی ہیں۔ جب میں نے امریکہ کے صوبہ "کنتاکی" میں اپنے اسلام قبول کر لینے کا اعلان کیا اور اس نعمت عظمیٰ کے ملنے پر اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے تاریکی اور گمراہی سے نکال کر روشنی کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہدایت سے نوازا۔ (من الظلمت الی النور) تو اس موقع پر میرے خاندان کے لوگوں نے باوجود اس کے کہ وہ عقائد اور مذہب میں مجھ سے مختلف تھے لیکن میرا بھرپور تعاون کیا، جبکہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص مذہب تبدیل کرتا ہے تو اس کے گھر کے لوگ اس کی شدید مخالفت کرتے ہیں اس کو میں اپنے لیے نصرت الٰہی اور غیبی مدد تصور کرتا ہوں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلی آگئی ہے۔ اور میں حرام و ناجائز چیزوں سے اجتناب کرتا ہوں حلال و جائز چیزوں کو اختیار کرتا ہوں اور نماز کا وقت آتے ہی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد چلا جاتا ہوں میں اپنے مالک و خالق، خداوند قدوس کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں کہ اس نے میری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اور اسلام کی خدمت کے لیے مجھے قبول کر لیا۔

"رون سمیث" کی جہاں تک علمی اور دعوتی سرگرمیوں کا تعلق ہے تو وہ مسلمان ہونے کے بعد ٹیلی ویژن کی خبروں کے ذریعہ علمی، اصلاحی، دعوتی اور سنجیدہ اسلامی پروگرام نشر کرتے ہیں تاکہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خصوصیات کو لوگ جان سکیں، کیونکہ امریکہ کی اکثر آبادی اسلام کی سچی تصویر اور مسلمانوں کے صحیح اقوال و کوائف سے بالکل ناواقف ہے اور اس بات سے وہ بالکل نابلد ہے کہ اسلام کی عظمت اور اس کی خصوصیات کیا ہیں۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ ان دعوتی پروگراموں کے ذریعہ دین اسلام کی اشاعت ہو گی۔ اور لوگ اسلام کی طرف راغب بھی ہوں گے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنا فرمانبردار بندہ بنائے اور اپنی رضامندی سے نوازے اور اسلام کا داعی بنائے۔ (آمین)

(ماخوذ: المسلمون (جدہ))

دعائے مغفرت

مولانا کمالی صاحب (علی آباد) کا اپنے بڑے بھائی بلالی صاحب کے انتقال کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ ان کے دوسرے بھائی جمالی صاحب بھی ۵ مئی ۱۹۹۶ء کو انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم بڑے سخی، غریب پرور، نیک، عبادت گزار اور علم دوست انسان تھے اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

یک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

پروفیسر وصی احمد صدیقی

قسط نمبر

قاضی حبان صاحب نے ہوتی کے حالات خفیہ
پر معلوم کئے اور ایک دن اچانک ہوتی کی طرف
ہو گئے، قاضی صاحب نے، مولوی مظہر علی صاحب
در رسالدار عبدالحمید خاں نے الگ الگ سمتوں
حملہ کیا۔ سب لوگ گڑھی میں چلے گئے۔ مولوی مظہر علی
ب کو بندوق کی گولی لگی اور وہ گر گئے۔ شمالی
ل کی طرف سے چند لوگوں نے امان مانگی جو انھیں
ی گئی۔ ان کا سامان مال غنیمت میں نہیں شمار
یا۔ (مستامن)۔

مولانا اسماعیل صاحب اور قاضی حبان صاحب
ان تشریف لے گئے۔ برج سے گولی لگی اور حافظ
ب شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کو راز رکھا گیا۔
ج کے سامنے ایک مکان سے شاہینوں سے مقابلہ
ع ہوا مگر برج سے بندوقیں موقوف نہیں ہوتی
ں، ملا لعل محمد قندھاری نے پشتو میں کہا "اندر یا یہ
زہ" (سیڑھی لاؤ) برج والے سمجھے کہ اب غازی
ھی پر چڑھ کر برج پر آجائیں گے انھوں نے امان
ب کی۔ اس وقت احمد خاں کا بھائی رسول خاں گڑھی
تبہ خانے میں ناچ دیکھ رہا تھا اس نے چادر ہلائی
امان طلب کی۔ مولانا نے رسول خاں کو تو امن دیا
ر احمد خاں کو باغی گردان کر اس کے مال کو مال غنیمت
رانا۔ کچھ لوگوں نے امن پائے ہوئے لوگوں کا سامان
جسے واپس کیا گیا۔ ہوتی والوں نے بھی یہی چاہا۔
انا نے واپسی کا حکم دیا جس کو چند ولایتیوں اور
ھاریوں نے ناپسند کیا۔ مولانا اسماعیل صاحب
نے اس سلسلہ میں وعظ دیا۔ پھر عشر کی وصولیابی کے لئے
انتظام کیا اور اب واپس آ گئے۔ قاضی صاحب کی
شہادت کی اطلاع سے سید صاحب بہت غمگین ہوئے۔

سلطان محمد خاں کی لشکر کشی

احمد خاں درانیوں کا لشکر لئے ہوئے پشاور
سے چلا۔ سلطان محمد خاں نے لشکر کشی کی اس کی اطلاع
سید صاحب کو دی گئی اور انھیں بلایا گیا۔ سید صاحب
نے رسالدار صاحب کو اماں زئی کے گڑھی میں ڈیرہ
ڈالنے کو کہا اور خوانین جنھوں نے انھیں بلایا تھا ان
کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ سید صاحب نے پنجتار
پہونچ کر اپنے قدیم برج میں قیام کیا اور سب خوانین
کو پنجتار طلب کیا۔ درانی چمکنی سے کوچ کر کے چارسدے
آ گئے تھے۔ وہاں سے اماں زئی کی گڑھی میں داخل
ہونا چاہتے تھے مگر جب پتہ چلا کہ سید صاحب وہیں
اترے ہوئے ہیں تو وہ موضع ہوتی میں آکر اترے۔
آپ تورو تشریف لے گئے اور وہاں ڈیرہ کیا۔ جناب
نے سلطان محمد خاں کو پیغام بھیجا کہ ہم ہندوستان
سے اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے لئے
یہاں آئے ہیں۔ تم نے کافروں اور باغیوں کی رفاقت
اختیار کی۔ تم کو چاہئے کہ ہم مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرو۔
ہم نے حجت شرعی تم پر قائم کر دی۔

سلطان محمد خاں نے کہلایا کہ ہم سید صاحب
کی دینداری اور پرہیز گاری کی باتوں کو کیونکر مانیں۔
انھوں نے ہمارے بھائی یار محمد خاں کو قتل کیا اور
مسلمانوں کے لشکر کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ محمد
خاں کے موضع مروان اور ہوتی کو تاراج کیا۔ جہاد
فی سبیل اللہ اسی کا نام ہے، یار محمد خاں پر انھوں نے
رات کو چھاپہ مارا تھا۔ اب ہم سے دن میں مقابلہ ہوگا
تب ان کی للہیت اور شجاعت کا حال معلوم ہوگا۔

سید صاحب نے اتمام حجت کے لئے پھر ایک خط
لکھا اور گزری ہوئی کو یاد دلایا۔ اس نے درشتی سے جواب
دیا۔ سید صاحب نے مولانا محمد اسماعیل کو طلبی کا خط
لکھا۔ وہ تشریف لائے۔

مایار کی جنگ

توارو اور ہوتی کے درمیان مایار نام کا ایک
مقام تھا۔ اس کے قریب ایک چشمہ دار پانی کا نالا
تھا۔ مولانا اسماعیل صاحب کے مشورہ سے اس نالہ
پر مورچہ قائم کیا گیا اور سخت تاکید کی گئی کہ نالہ نہ چھوڑا جائے
سید صاحب نے بڑی گریہ وزاری اور عجز و انکساری
کے ساتھ دعا کی۔ آپ کی اہلیہ کے خالہ زاد بھائی سید
ابو محمد صاحب نصیر آبادی نے یہ کہہ کر کہ وہ ماضی میں
صرف عروج کی خاطر ساتھ آئے تھے۔ اب وہ اخلاص
کے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ یہ ایک عجب مبارک ساعت
معلوم ہوتی تھی، جنگ کی ابتدا ہوئی۔ یہ اندیشہ ہوا کہ نالہ
پر ملا لعل محمد کے ساتھ کم لوگ ہیں۔ کہیں نالہ نہ چھوٹ جائے
حضرت نے لڑائی کی حکمت عملی اختیار کی اور لشکر
اور سرداروں کو ہدایتیں دیں۔ جب درانیوں کے لشکر
سے گولے آنے لگے تو وہ ملکی جو درپردہ سلطان محمد خاں
سے ملے ہوئے تھے خوف کھا کر بھاگنے لگے۔ صرف آپ
کے وفادار دو ہزار کے قریب رہ گئے۔

کالے خاں قوم آفریدی کو گولہ لگا اور وہ گر گئے
یہ وہ ہیں جو داڑھی نہیں رکھتے تھے سید صاحب نے
ایک مرتبہ ان کی ٹھڈی کو چھوا، اس دن سے انھوں
نے داڑھی مونڈنا بند کر دیا، توپیں چل رہی تھیں، عظیم
کے چار غولوں میں سے ایک "سید کجاست" کہتے ہوئے

آگے آیا۔ غازیوں نے ان کو اسلحوں کی باڑھ پر رکھ لیا، پر بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوسرا غول آیا، سید صاحب بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کررہے تھے، دوسرا اور تیسرا غول بھی اسی طرح تتر بتر ہوگیا۔ تیرہ چودہ برس کے ملکی لڑکے نے بھی بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا، مولانا محمد اسماعیل اور شیخ ولی محمد صاحب نے توپوں پر قبضہ کرلیا۔ سید صاحب کے مجاہد شاہینیں اور توپ چلاتے رہے، درانیوں کو شکست نصیب ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تعداد اور اسلحوں کے لحاظ سے دونوں فوجوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ درانی بہت بڑھے ہوئے تھے مگر اللہ نے ان کو ہزیمت دی۔

لوگ صبح سے بھوکے تھے مگر فتح کی خوشی میں کھانے سے بے پروا اور آسودہ تھے۔ سب لوگ پڑکر سو گئے۔ جراح آدمی رات تک زخموں کے سینے اور مرہم پٹی میں لگے رہے۔ کالے خاں نے فتح کی خبر سن کر الحمدللہ کہا اور اسی دم ان کا دم نکل گیا۔

شجاعت اور استقامت کے ایسے ایسے نمونے اس لڑائی میں دیکھے گئے تاریخ جن کی نظیر مشکل سے پیش کرے گی۔ اس جنگ میں چالیس کے قریب مجاہدین شہید ہوئے۔ سید صاحب نے میدان جہاد کا غبار جھاڑنے نہیں دیا۔ سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں ایسا اطمینان اور سکینت دی تھی کہ انھوں نے فرمایا کہ ایسا لگتا ہے کہیں دعوت کھانے گئے تھے حضرت نے ایک عجب پیشین گوئی کی جو آگے چل کر بالکل صحیح ثابت ہوئی کہ ہمارے پہلت بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ انشاء اللہ ان کا گنج شہیداں کہیں اکٹھا ہوگا۔ (جنگ بالاکوٹ میں ایسا ہی ہوا سوائے شیخ ولی محمد اور شیخ وزیر صاحب کے سب شہید ہوگئے)۔

پشاور کا قصہ

مایار کی جنگ کے بعد سید صاحب نے پشاور کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ ہو ضع تورو سے اس طرح چلے کہ گھوڑے پر سوار پیادوں کی حمایت میں تھے۔ سواروں کا لشکر آگے تھا۔ دو نشان پیادوں میں تھے اور ایک سواروں میں اور تینوں کے پھریرے کھلے ہوئے تھے۔ شتری نقارہ بجتا تھا اور مولوی رحمان علی، مولوی خرم علی کا لکھا ہوا رسالہ نظم جہادیہ باآواز بلند خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے۔

سید صاحب نے مولانا اسماعیل سے فرمایا کہ سو آدمیوں کے ساتھ جاکر ہوتی اور مردان میں درانیوں کے چھوڑے ہوئے سامان پر قبضہ کرلیں۔ گڑھی سے احمد خاں کے ملازمین نے گولیاں چلائیں مگر مولانا کے توپ چلانے کی دھمکی سے خوف کھاکر رک گئے پھر احمد خاں کے بھائی رسول خاں نے اطاعت قبول کرلی مگر درخواست کی کہ لشکر قصبے میں داخل نہ ہو۔ سید صاحب اور مولوی عبدالوہاب قاسم غلّہ کے استثناء کے ساتھ درخواست قبول کرلی گئی۔ پھر مولانا نے احتیاطاً مکانات کی تلاشی لینی شروع کی کہ کہیں بارود بھی ہوئی نہ ہو۔ ابھی تلاشی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کسی ملکی نے سید صاحب سے کہا کہ آپ گڑھی تشریف لے چلیں۔ جب آپ داخل ہوئے تو لشکر والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جب مولانا اسماعیل صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناخوش ہوئے۔ سید صاحب سے جاکر کہا کہ آپ نے تو مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرے بلائے بغیر ہم نہیں آئیں گے۔ بہتر ہوگا اسی وقت آپ یہاں سے تشریف لے جائیں اور کئی مرتبہ کہا۔ یوں غصہ ہوکر سید صاحب سے کلام کرنا لوگوں کو ناگوار ہوا مگر کسی نے دم نہ مارا۔ آپ نے فرمایا میں جاتا ہوں۔ آپ درختوں کے نیچے تشریف لے گئے اور ہمراہی بھی باہر آگئے، جو لوگ گڑھی میں رہ گئے تھے ان کو تلاش کرکے مولانا نے باہر کردیا۔

سید صاحب کو اس کی وجہ بتائی گئی کہ مکانات کی تلاشی اور سامان کے جاتے رہنے کے اندیشہ سے یہ درخواست کی گئی تھی (مولانا نے فرمایا کہ ڈر سے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ لشکر ہے اس کو میدان میں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ پیرزادوں کا قافلہ نہیں کہ دیہات میں گھس آئے (منظورہ)

مولانا کا غصہ فرو ہوگیا اور سید صاحب کے پاس آکر دوزانو مؤدب بیٹھ گئے سید صاحب نے مقامی لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا کہ ہمارے لشکری کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے۔ تمہیں مولانا سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر مولانا سے کہا کہ حضرت مجھے اس معاہدہ کی اطلاع نہ تھی۔ پتہ چلا کہ اخوند فیض محمد مولانا کا یہ پیغام سید صاحب تک پہونچا نہیں سکے تھے۔

اب سید صاحب نے مردان سے کوچ کیا۔ کشتیاں درانیوں نے ڈبو دی تھیں اس لئے لنگی سے جہاں دریائے سوات ایک جگہ سے پایاب تھا عبور کیا۔ مٹرے سے چل کر شب قدر پر پڑاؤ ہوا۔ سید صاحب نے انتظام اس طرح فرمایا کہ رعایا پیداوار کا تہائی حصہ نقد کی صورت میں ادا کرے باقی سارا خرچ امام کے ذمہ ہے جیسی کہ گماشتے دو تین سو غازی اگر لشکر کی طرف آ پہنچے

خیر القرون کے زمانہ کے مجاہدین کی طرح یہ حضرات آگے بڑھتے گئے۔ پیر تاریک کے قبر کے قریب قیام ہوا۔ سلطان محمد خاں نے معافی کے لئے ارباب فیض اللہ خاں کو وکیل بناکر بھیجا۔ بڑی عاجزی ظاہر کی اور درخواست کی کہ سید صاحب لوٹ جائیں۔ منظورہ کے الفاظ ہیں" سلطان محمد خاں توبہ کے لئے حاضر ہے۔ کوئی کافر بھی آپ کی خدمت میں آکر ایمان لائے تو آپ اسے قبول کریں گے۔ میں تو مسلمان اور مسلمان زادہ ہوں۔ اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں اب کبھی مجھ سے ایسی تقصیر نہ ہوگی۔ مدۃ العمر آپ کا تابع رہوں گا۔"

سید صاحب نے سلطان محمد خاں کی معذرت کو اخلاص پر مبنی نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اسے اپنے عہد پر پکا رکھو۔ ہم انشاء اللہ آج پشاور داخل ہوں گے۔

لشکر بڑی مسرت کی فضا میں پشاور داخل ہوا۔ تمام باشندے بے حد خوش تھے۔ لشکر کا قیام مختلف جگہوں پر ہوا۔ حفاظتی انتظام کئے گئے۔ دکانداروں نے بڑے اطمینان سے دکانیں کھولیں۔ نٹ کی دکانیں بند ہوگئیں اور زنانِ بازاری روپوش ہوگئیں۔ لشکر نے دو دن کھانا نہیں کھایا کیونکہ غلہ کا انتظام نہ تھا۔ ارباب بہرام خاں نے مہاجن سے روپیے لے کر آٹا خریدا، تنور پر پکوایا، لشکری پہلے کہتے تھے کہ پشاور چل کر انگور، بہی، سیب انار، ناشپاتی وغیرہ خوب کھائیں گے اور باڑے کا چاول اور دنبے کا گوشت پکائیں گے، کھانا کھاتے ہوئے لشکری (بطور تفنن) کہہ رہے تھے کہ بھائیو! یہ تیسرے روز جو روٹی ملی ہے اس خام خیالی کی سزا ہے۔

سلطان محمد خاں نے پھر ارباب فیض اللہ خاں کو بھیجا، انھوں نے کہا کہ سلطان محمد خاں نے کہا ہے کہ ہم نے اپنی خام خیالی سے آپ کے اوپر لشکر کشی کی۔ معافی کے خواستگار ہیں، سید صاحب نے اس کی بدعہدیوں کو بیان کر کے پھر معافی قبول نہیں کی۔ سلطان محمد خاں نے دوبارہ پیغام بھیجا، تمام قصوروں کا اعتراف کیا۔ بہت سے روپئے دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ سید صاحب نے عشا کی نماز کے بعد مولانا محمد اسماعیل اور دوسرے صاحب الرائے حضرات سے مشورہ کیا، خبر پھیل گئی کہ حضرت صلح کے لئے راضی ہوگئے ہیں، اس خبر سے لشکریوں اور مقامی آبادی کو بڑی وحشت ہوئی، انھوں نے ارباب بہرام خاں کے ذریعہ اپنی تشویش سے سید صاحب کو باخبر کیا، درانیوں کی بدعہدی پر زور دیا اور سید صاحب کے جانے کے بعد ان کے ظلم و زیادتی کا اندیشہ ظاہر کیا، سید صاحب نے سارے اندیشوں کو ایک ایک کر کے گنا کر اس کا رد کیا اور تالیف قلوب کیا، سید صاحب کی تقریر بہت زیادہ اثر انداز ہوئی۔ لوگ بہت روئے مگر باشندگان شہر کو اطمینان نہیں ہوا، انھوں نے شہر کے سیٹھوں ساہوکاروں کی ذریعہ پھر پیغام بھجا کہ سید صاحب پشاور کو داگزار نہ کریں مگر وہ بھی قائل ہو کر واپس ہوگئے۔

سردار سلطان محمد خاں اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کی ملاقات

سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے ملنا چاہا مگر سید صاحب نے فرمایا کہ پہلے مولانا اسماعیل صاحب سے ملاقات کریں۔ پہلے تو وہ اس پر راضی نہ ہوا اور تضیع اوقات گردانا مگر پھر سید صاحب نے فرمایا کہ یہ اطاعت سے تعلق رکھتا ہے اور ایسا ہی ہوگا۔ مولانا ہزار خانی کے قریب اپنی جماعت کے ساتھ پہونچ گئے مگر سردار کو اطمینان نہ تھا اس لئے اس نے ملاقات دوسرے دن کے لئے مؤخر کر دی، دوسرے روز سردار سو مسلح آدمیوں کے ساتھ ہزار خانی کی گڑھی میں داخل ہوا، دونوں طرف سے پوری حفاظتی تدابیر اختیار کر لی گئی تھیں۔ ملاقات میں سلطان محمد خاں نے نیازمندانہ گفتگو کی، گزشتہ افعال سے توبہ اور خدمت دین اور شرکت مجاہدین کا عزم کیا۔ دورانِ ملاقات درانیوں کی طرف سے ایک بندوق سر ہوئی مولانا کے رفیقوں نے اپنے اسلحہ پر ہاتھ رکھے، سلطان محمد خاں کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا کہنے لگا خیر است، خیر است، مولانا نے کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے خیریت ہے آپ بھی اطمینان رکھئے اس فعل کے مرتکب نے اس کو اضطراری اور اتفاقیہ گردانا۔ مولانا لوٹ آئے۔ ارباب نے کھانا پیش کیا جسے مولانا نے وہاں تناول نہیں کیا۔ دوسرے دن بھی اسی طور سے ملاقات ہوئی، اب وہ سید بادشاہ (سید صاحب) سے ملنے کا خواہش مند ہوا۔

سید صاحب نے شہر اور جوارِ شہر کے لئے دینی احتساب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام کیا۔ سید صاحب نے سردار کو کہلایا کہ اپنی پوری فوج کے ساتھ آؤ، ہم بھی اپنا لشکر لائیں گے تاکہ ایک دوسرے کی طرف اندیشہ نہ رہے۔ مولانا اسماعیل صاحب نے اس سلسلہ میں بڑی احتیاط کی۔

سید صاحب نے بدعہدیوں کی وجہ پوچھی، اس نے ایک محضر دکھایا جس پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور پیرزادوں کی مہریں لگی تھیں، خلاصہ مضمون یہ تھا کہ تم سرداروں اور خوانین کو اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سید احمد نام کا ایک شخص چند علمائے ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے ملک میں گئے ہیں، وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں مگر یہ صرف ان کا مکر و فریب ہے۔ وہ ہمارے اور تمہارے دین و مذہب کے مخالف ہیں۔ انھوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہے وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے، وہ انگریزوں کے بھیجے ہوئے ہیں۔ عجب نہیں کہ تمہارا ملک چھنوا دیں۔ تم ان کے وعظ و نصیحت کے دام میں نہ آنا.....

سید صاحب یہ مضمون پڑھ کر حیرت زدہ رہ گئے، انھوں نے دنیادار علماء اور مشائخ کی پیر پرستی اور قبر پرستی کا حال بتایا اور افسوس کیا کہ اس مضمون سے پہلے آگاہ کیوں نہ کیا۔ محضر لپیٹ کر مولانا اسماعیل کو دیا فرمایا کہ ہر کسی کو نہ دکھلائے گا۔ سردار موصوف سے روپیہ لینے سے انکار کیا۔ کہا کہ ہم نے معاف کیا۔ پھر سردار کی درخواست پر مولوی مظہر علی کو قاضی مقرر کیا اور لوٹ آئے۔

سارا علاقہ احکام شریعت کو قبول کر چکا تھا مگر اہل سوات اپنے یہاں آنے سے مانع ہوئے اور ناکہ بندی کی، مولانا اسماعیل صاحب نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ احکام شریعت پر عمل کرنا ہمارے لئے شاق ہے۔ سید صاحب نے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی اس لئے مولانا واپس ہوئے۔

سید صاحب نے بہت سے جاہلی رسوم کی اصلاح کی۔ لڑکیوں کے نکاح اور رخصتی کو شرعی طور پر

باقی صفحہ پر

سوال وجواب

* محمد طارق ندوی *

س:۔ ایک شخص نے ایک ماہ قیام کرنے کا ارادہ کیا لیکن فون آنے کی بنا پر چار دن قیام کرکے گھر آنے کی نیت کرلی، اب وہ ان چار دنوں میں قصر کرے گا یا نہیں؟

ج:۔ جب پندرہ دن سے کم رہنے کا ارادہ ہوگیا ہے تو اب وہ مسافر کے حکم میں ہوگا اور قصر کریگا۔

س:۔ ایک شخص داڑھی کترواتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ج:۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جو داڑھی منڈواتا ہے یا کترواتا ہے (جبکہ ایک مشت سے کم ہو) مکروہ تحریمی ہے۔

س:۔ کیا چائنیز رسٹورنٹس میں گوشت کھا سکتے ہیں؟

ج:۔ چائنیز رسٹورنٹس میں گوشت وغیرہ نہیں کھانا چاہئے اور دیگر کھانوں میں بھی احتیاط کرنا چاہئے کیونکہ ان ہوٹلوں میں پاک وناپاک اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کی جاتی ہے؟

س:۔ غیر مسلم جب کہ مرجائے تو اس کے بعد مرحوم لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ غیر مسلم کو مرنے کے بعد مرحوم نہیں لکھنا چاہئے اس لئے کہ مرحوم کے معنیٰ ہیں کہ اللہ کی اس پر رحمت ہو، اور غیر مسلم اللہ کی رحمت سے دور ہے۔

س:۔ ناپاک شخص جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! ایسے شخص کا جنازہ کو کندھا دینا مکروہ ہے۔

س:۔ ایک شخص کا عقیقہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں نے کردیا تو کیا عقیقہ ہوگیا؟

ج:۔ ہاں! عقیقہ درست ہونے کے لئے صاحب عقیقہ کی موجودگی ضروری نہیں ہے، اگر اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والے اس کی طرف سے عقیقہ کردیں تو عقیقہ ہوجائے گا۔

س:۔ اگر کوئی مسجد کسی خاص نام سے موسوم ہے تو کیا اس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

ج:۔ ہاں! مذکور مسجد میں نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

س:۔ کیا کسی مسلمان پر بے بنیاد الزامات لگانے سے اللہ تعالیٰ کے یہاں باز پرس نہ ہوگی؟

ج:۔ کسی شخص پر بے بنیاد الزامات لگانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسا کرنے پر گناہ کا مرتکب ہوگا، اور عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

س:۔ لڑکیوں کو میراث کا حصہ یہ کہہ کر دینا کہ تم اپنے حصوں کو لے کر بھائیوں کو دیدو کیا یہ جائز ہے؟

ج:۔ میراث میں جتنا حصہ لڑکیوں کا ہے وہ ان کا شرعی حق ہے، ان پر کسی قسم کا کوئی دباؤ ڈالنا کہ وہ لینے کے بعد بھائیوں کو دیدیں جائز نہ ہوگا، البتہ وہ اگر اپنی خوشی سے بھائیوں کو اپنے حصہ میں سے کچھ یا سب دیدیں تو یہ ان کا اپنا حق ہے، شرعاً ممانعت نہ ہوگی۔

س:۔ کیا قرآن پاک پر کاپی رکھ کر لکھ سکتے ہیں؟

ج:۔ نہیں! یہ قرآن پاک کے آداب کے خلاف ہے۔

س:۔ کیا عورت نماز جنازہ میں شرکت کرسکتی ہے؟

ج:۔ نماز جنازہ مردوں کو پڑھنا چاہئے، عورتوں کو نہیں، تاہم اگر جماعت کے پیچھے کوئی عورت کھڑی ہوگئی تو اس کی نماز درست ہوجائیگی۔

س:۔ قبرستان میں زیادہ تر قبریں ملی ملی ہوتی ہیں ایک مخصوص قبر تک پہونچنے کے لئے قبر پر چلنا پڑے گا، ایسی صورت میں کیا کرے؟

ج:۔ قبروں پر چلنا جائز نہیں ہے اگر کسی طریقہ پر مخصوص قبر تک بغیر دیگر قبروں کو روندے ہوئے جاسکتا ہے تو جائے، ورنہ دور ہی سے قرآن مجید پڑھ کر بخش دے۔

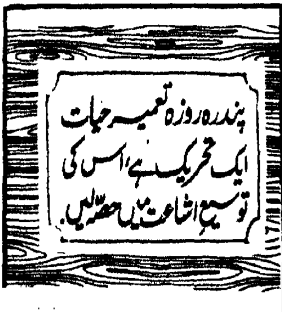
س:۔ کیا زکوٰۃ ادا کرتے وقت کوئی دعا منقول ہے؟

ج:۔ ہاں! دعا منقول ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم زکاۃ ادا کرو تو اس کا ثواب نہ بھولو اور اس کا ثواب یہ ہے کہ تم کہو "اللھم اجعلھا مغنماً ولا تجعلھا مغرماً۔ اے اللہ تو اسے فائدہ مند بنا، اسے جرمانہ نہ بنا۔ (ابن ماجہ)

س:۔ کیا دوشنبہ اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی کوئی فضیلت ہے؟

ج:۔ ہاں فضیلت ہے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا انتظار کرکے ان دنوں کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کئے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں۔ (احمد، ترمذی)



تحریر: ڈاکٹر عماد الدین خلیل

ترجمہ: مطیع الرحمٰن عوف ندوی

دوسری قسط

علوم وفنون پر اسلام کی چھاپ

مشہور فرانسیسی مفکر موریس بوکائے کہتے ہیں کہ "اسلام نے مذہب اور علم کو ایک دوسرے کالازم وملزوم قرار دیا ہے، آغاز اسلام سے ہی علم کی طرف ایسی توجہ تھی کہ گویا وہ اسلام کے واجب کردہ امور میں سے ایک امر اور محض اسی بنیاد پر اسلامی تمدن کے دور میں اسلام کو زبردست فروغ حاصل ہوا یہی وہ چیز تھی جس کو اختیار کرنے سے یورپ میں نشأۃ ثانیہ ہوئی (۶)"

معاصر برطانوی مورخ آرنلڈ ٹوئن بی جائزہ لیتے ہیں کہ کس طرح اسلام نے اس چیز کو جوڑنے کی کوشش کی جس کے جوڑنے میں سابقہ مذاہب ناکام رہے وہ کہتا ہے "کہ اسلام نے شام سے ہیلینزم کو نکالا. اس کے بعد اس کو عربی خلافت میں ضم کر لیا، سکندر اعظم نے اس کی حیثیت کو پہلے محدود کر دیا تھا اور کئی صدیوں کے جمود کے بعد اس کی اپنی الگ حیثیت ختم کر دی اور اسلام کے اثر سے دو نئی تہذیبیں وجود میں آئیں، ایک عربی تہذیب دوسری ایرانی تہذیب" (۷)

فرانسیسی مستشرق ڈومینک سورڈیل اسلامی فن کو تاریخی وجغرافیائی دونوں حیثیتوں سے دیکھتے ہیں ان کے خیال میں "اسلامی فن اسلام کے اثر کی وجہ سے تجریدی فن اور یکساں ہونے کے باوجود ایک شاندار اسلامی ثقافت کی علامت بن گیا ہے ایسی شاندار ثقافت جو اپنے متضاد رجحانات کے باوجود ایک اکائی ہے، اسلام ہمارے سامنے صرف ایک مذہب یا ایک امت نہیں بلکہ وہ ایک عظیم تہذیب کا ایک اہم رکن ہے جس میں دینی اور فنی وفکری مظاہر پائے جاتے ہیں یا کم ازکم یہ چیزیں اس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔" (۸)

سابق لیوپولڈویس، نومسلم مفکر محمد اسد مرحوم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ "تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جس قدر اسلام نے علم کے حصول پر زور دیا ہے کسی بھی مذہب نے علمی ترقی پر اتنا زور نہیں دیا، اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے نیز علوم وفنون کی جو ہمت افزائی اسلام کی جانب سے ہوئی وہ واضح ثقافتی اور علمی ترقی اموی اور عباسی دور حکومت نیز اندلس میں عربوں کی بالادستی تک جاری رہی اور خود یورپ کو اس کا کلی اعتراف ہے اس لیے کہ اس کی اپنی ثقافت جو قرون مظلمہ کے بعد [illegible] اسے حاصل ہوئی، اسلام ہی کی مرہون منت ہے۔" (۹)

"یہ ایک عجیب طاقت ہے جو نئے عقیدہ سے وجود میں آئی" یہ قول ہے فرینسکو گیبریلی کا جو اٹلی (روم) یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کے ایک عظیم استاد ہیں وہ مزید کہتے ہیں "اور اس حکومت سے جو اس عقیدے پر قائم ہوئی اور سارے شعبوں پر محیط ہوتی اس سے ایسی تہذیب وجود میں آئی جو محیر العقل ہے جس میں مختلف ماحول اور متعدد ثقافتی وتہذیبی عناصر پر مشتمل ہونے کے ساتھ یگانگت پائی جاتی ہے (۱۰) بقول شاعر ؎

گلہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

گیبریلی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "یہ واضح ہے کہ اسلام سے ہماری مراد وہ اسلامی تہذیب ہے جو منفرد خصوصیات کے ساتھ وجود میں آئی اور بہت کم مدت میں پوری آب وتاب کے ساتھ ایشیا سے بحر اٹلانٹک تک پھیل گئی۔ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کی بنیاد پر قائم ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مذہبی عقیدہ نے اس تہذیب کو فروغ دینے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے اور اس نے اس کا فروغ محض مشترک تعامل کے ذریعہ ہی نہیں کیا بلکہ اپنے بنیادی محور اور مظہر کے ذریعہ بھی کیا۔ اور زندگی کے دیگر تمام مظاہر خواہ وہ مادی ہوں، روحانی وسیاسی یا ادبی، اقتصادی ومعاشرتی ہوں، سبھی اس مذہبی عنصر کی چھاپ رکھتے ہیں اور اسی مذہب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور انھوں نے اس کے زیر اثر تدریج ترقی کی بلند چوٹیوں کو چھوا ہے ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام دوسرے مذہب کے مقابلہ میں ایک وسیع اور کامل عالمی مذہب ہے اور پورے طور پر انسان پر اثر انداز ہونے والا ہے وہ صرف اس کے دینی شعور کی حد تک محدود نہیں۔" (۱۱) گیبریلی آخر میں کہتا ہے کہ جب کسی قوم پر اسلامی رنگ چھا جاتا ہے اور اس کے دل ودماغ میں اسلامی اثرات نقش ہو جاتے ہیں تو اس کے نقوش کو کو مٹانا ممکن نہیں رہتا۔ (۱۲)

امریکی مستشرق ایڈوین کہتا ہے کہ مسلمانوں نے ہیلینی فلسفہ اور علوم کو ہضم کر لیا۔ پھر اس نے قرآنی عقیدہ کی روح اور جدید علوم کے مابین نسبت اور ربط پیدا کرنے کے لیے کوششیں کیں۔ (۱۳)

مشہور برطانوی مستشرق ہیملٹن گب

کی رائے ہے کہ متعدد ثقافتی عناصر جو چین کی سرحدوں سے جنوبی روس کے بارڈر، انڈونیشیا اور برصغیر ہند سے مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور اسپین تک پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں چاہے اجتماعی شکل میں ہوں یا انفرادی ہمیشہ اسلامی چھاپ کے تابع رہے۔ اور انھیں آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا ہے۔ (۱۴) آسٹریا کے مستشرق کران بوم کے خیال میں اس کا سبب اس بات میں مضمر ہے کہ اسلام کی ثقافت کے اندر ایسی صلاحیت اور قدرت پائی جاتی ہے کہ وہ مختلف علاقائی ثقافتوں میں یکجہتی پیدا کر دے یہ صلاحیت خاص طور سے اجتماع میں مضمر ہے جس سے کسی عمل کے مشروع قرار دینے یا کسی جماعت کے اختیار کردہ کسی عقیدہ کے سلسلے میں فیصلہ کرنا ممکن ہوتا ہے (۱۵) وہ مزید کہتے ہیں "اسلامی دائرہ یا اسلامی تعبیرات کے اندر جب اجنبی نقطہائے نظر داخل ہو جاتے ہیں تو ان کے خالص اسلامی ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے اور دوسری جانب دین کے ابتدائی حقائق کی تدریجی وضاحت ثقافتی اشتراک کے ساتھ مل کر اس بنیاد کو وسیع کرتی ہے جس پر مختلف تہذیبوں کی عمارتیں قائم ہوتی ہیں، اس طرح عباسی تہذیب کی ترقی کو ہم اسلامی تہذیب کی دوسری شکل تسلیم کرتے ہیں اس طرح انھوں نے علاقائی رسم و رواج کی گنجائش پیدا کر لی ہے جس کا ایک حصہ ان کتابوں سے ماخوذ ہے جبکہ اس کی اکثر چیزیں عملی زندگی کی حقیقتوں کے راستہ میں اسکی نئی ترکیب میں شامل ہو گئی ہیں۔ (۱۶)

فرانسیسی مفکر ڈاکٹر گستاؤ لی بان کی رائے یہ ہے کہ عربوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں کو بڑی وسعت دی اور ان کو ترقی کرنے کے مواقع فراہم کئے ہر علاقہ جس پر پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پرچم بلند ہو جاتا اس میں بڑی تیزی سے تبدیلی آتی اور علوم و فنون، ادب و صناعت اور زراعت کو تیز رفتار ترقی نصیب ہوتی۔ (۱۷) وہ مزید لکھتے ہیں کہ عربوں نے دنیا کو سب سے پہلے سکھایا کہ دینی استقامت اور آزادیٔ فکر کے مابین کس طرح ربط قائم کیا جا سکتا ہے۔ (۱۸)

جرمنی کی ایک اسکالر سیگریڈ ہونکہ مغرب میں پھیلی ہوئی جہالت (جو پچانوے فیصد کے تناسب تک پہنچی ہوئی تھی اور جس میں امراء و حکمراں بھی شامل تھے) ان لاکھوں بچوں اور بچیوں کے درمیان موازنہ کرتی ہیں جو کتاب اللہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کرتے ہیں اور علوم و فنون کی بلند سیڑھیوں پر اپنے قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

ان تمام چیزوں کا محرک مسلمانوں کے اندر سچے مسلمان بننے کی تڑپ ہے جیسا کہ مسلمان ہونے کا تقاضا ہے۔ ان کو اس کام کے لیے کوئی مجبور نہیں کرتا تھا بلکہ وہ اپنے شوق اور ایمانی جذبہ سے اس میں خود مشغول ہو جاتے تھے اس لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت کرے اور اس میں غور کرے اس سے مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے کیونکہ کتاب مقدس کا حاصل کرنا اور پڑھنا سوائے پادریوں کے کسی کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اور ان کے یہاں عوام کی تعلیم اور تہذیب کا کوئی شوق نہیں پایا جاتا تھا (۱۹) جبکہ اندلس میں "ہر فکری و مادی محاذ پر اسلام کے اثرات ہی وہ بنیاد تھے جن پر وہاں کی تہذیب قائم تھی" (۲۰)

گوبلر نیگ جو پرنسٹون یونیورسٹی کے مشرقی علوم و آداب کے شعبہ کے صدر ہیں اسلام کی ثقافت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ "وسیع معنی میں وہ تنوع کو قائم رکھتے ہوئے ایسی وحدت کی جانب رہنمائی کرتی ہے جس پر تیرہ صدیوں سے زیادہ دین اسلام کا کنٹرول رہا اور وہی اس کا محرک اصل تھا۔ (۲۱)

۶۔ القرآن الکریم والتوراۃ والانجیل ص۱۳ (دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف الحدیثۃ)

۷۔ مختصر دراسۃ التاریخ ترجمہ فواد محمد شبل جلد اول ص۲۳۱

۸۔ الإسلام۔ ترجمہ ڈاکٹر خلیل جبر ص۱۰۲،

۹۔ الاسلام علی مفترق الطرق، ترجمہ ڈاکٹر عمر فروخ چھٹا ایڈیشن ص۷۰-۸۱،

۱۰۔ تراث الاسلام، تصنیف شخت الوکاوات ترجمہ سھوری اور دیگر جلد اول ص۱۰۱

۱۱۔ الوحدۃ والتنوع فی الحضارۃ الاسلامیہ ص۱۲۳

۱۲۔ حوالہ سابق ص۱۴۱

۱۳۔ الشرق الادنیٰ مجتمعہ و ثقافتہ، تحریر گوبلر نیگ: ترجمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن محمد ایوب ص۱۷۴، ص۱۷۵۔

۱۴۔ دراسات فی حضارۃ الإسلام: ترجمہ ڈاکٹر احسان عباس ورفقاء ص۳-۴

۱۵۔ الوحدہ والتنوع فی الحضارۃ الاسلامیۃ ص۵۳،

۱۶۔ حوالہ سابق ص۳۸ ص۳۹۔

۱۷۔ حضارۃ العرب، ترجمہ عادل زعیتر تیسرا ایڈیشن ص۳۱۸

۱۸۔ النفسیۃ السیاسیہ (PSYBHOLEGIE. POLITIYUE) (از: محمد کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیۃ تیسرا ایڈیشن جلد اول ص۵۴

۱۹۔ شمس العرب تسطع علی الغرب (اصل میں: شمس اللہ تسطع علی الغرب) ترجمہ: بیضون اور دسوقی ص۳۹۳، ص۳۹۴،

۲۰۔ حوالہ سابق۔ ص۵۳۰

۲۱۔ الثقافۃ الاسلامیہ والحیاۃ المعاصرۃ (بحوث و دراسات اسلامیہ) تالیف، محققین کی ایک جماعت جمع و تقدیم محمد خلف اللہ۔ دوسرا ایڈیشن ص۲۳۲۔



بقیہ :- درس حدیث

اور اس کی حفاظت وخرچ کے سلسلہ میں امانت دار رہے، اس میں کوئی کوتاہی نہ کرے اس سلسلہ میں اپنے بھائی ہونے میں، وفاداری اور امانت داری کا پورا پورا خیال رکھے، مالک کے مال کو اپنا مال سمجھے اور اس کی دیکھ بھال کا اپنے کو سب سے زیادہ ذمہ دار وحقدار سمجھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد مبارک میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر خادم اپنے آقا کا ہمدرد وبہی خواہ ہو اور اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اس کو دہرا اجر ملے گا۔" (بخاری)

حدیث کا فقہی پہلو

۱۔ (آدمی اپنے متعلقین کا ذمہ دار ہے) اس کی رو سے ان لوگوں کا کپڑا مہیا کرنا بھی اس کے ذمہ ہوگا جو اس کی حیثیت واستطاعت کے بقدر واجب ہوگا خوشحالی ہے تو اس معیار سے، تنگی ہے تو اس کے اعتبار سے بقدر گنجائش، دونوں صورتوں میں جو معیار ہو اس کی رعایت رکھے۔

۲۔ اسی طرح سے عرف ومعیار کے مطابق ان کے سونے کے لئے بستر، لحاف اور تکیہ کا انتظام کرے۔

۳۔ اسی طرح سے ان کے رہنے کے لئے مکان مہیا کرنا بھی اس پر واجب ہے جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ملتا ہے،

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) معروف میں یہ بھی ہے کہ حیثیت کے مطابق رہائش کا نظم کرے اگر بیوی ایسی ہو کہ خود اپنا کام نہ کر سکتی ہو کہ وہ باحیثیت ہے یا بیمار ہے تو اس کے لئے خادم کا نظم کرنا واجب ہے اس لئے کہ حسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ اس کے لئے خادم رکھے۔

۴۔ شوہر ہی کے اوپر خادم کے بھی اخراجات کھانا کپڑا بھی ہے۔

۵۔ اگر شوہر بیوی کے اخراجات حسب حیثیت نہیں ادا کرتا، یا اس کی ضرورت سے کم دیتا ہے تو بیوی کو حق پہونچتا ہے کہ شوہر کے مال میں جتنا شوہر پر واجب ہے لے لے، خواہ اجازت دے یا نہ دے، اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ملتا ہے جو آپ نے حضرت ہندؓ سے فرمایا تھا: (تم (ابوسفیان کے مال سے) اتنا لے لو جو تمہارے اور تمہارے بچے کے لئے کافی ہو)۔

آپ کے اس ارشاد سے عورت کو اپنی اور اپنے بچے کی ضرورت کے بقدر شوہر کے مال میں سے لے لینے کی اجازت ثابت ہوتی ہے شوہر اجازت دے یا نہ دے۔

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی پر غلام کا وہ نفقہ بھی ضروری ہے جس کی اس میں استطاعت نہ ہو، اسی طرح اس کا کپڑا بھی، جس کا ثبوت اوپر مذکور حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے ملتا ہے۔

موجودہ حالات میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے

۱۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ اہم کاموں اور شعبوں کے لئے مناسب افراد کا انتخاب کرے، اس انتخاب میں ان کی امانتداری سچائی اور اخلاص کو مدنظر رکھے۔

۲۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی کے سلسلہ میں مسلمان نیک بیوی کے انتخاب کی کوشش کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد رکھے "بھلے آدمی بیوی کی دینداری کو دوسری چیزوں پر ترجیح دو" اللہ تعالیٰ نے ان بیویوں کی اس طرح تعریف کی ہے:۔

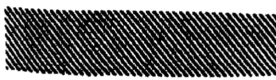
" فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله " (نساء۔۳۴)

تو جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے بیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال وآبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔

نیک مومن بیوی کی خصوصیت ومزاج یہ ہوتا ہے کہ اپنے فرائض کے حدود کو اچھی طرح سمجھتی ہے، اور اپنے ایمان ونیکی کی وجہ سے بیوی ہونے کے معانی کو پوری طرح جانتی ہے، شوہر بیوی کے مقدس رشتہ کی اس کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں صورتوں میں حفاظت کرتی ہے۔

۳۔ حدیث سے شوہر کی خدمت، بچوں کی تربیت ونگرانی کے بوجھ کو اٹھانے کی رہنمائی ملتی ہے عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں وذمہ دار ہے۔ اس لئے کہ اس میں نرم دلی، مہربانی، تاثر اور بچے کی ضروریات کو قبول کرنے اور پورا کرنے میں امتیازی شان پائی جاتی ہے۔

۴۔ حدیث نوکروں اور غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک کی تعلیم دیتی ہے، ایسا سلوک کہ ان کو بھائی کے مرتبہ کو پہونچا دے اور انھیں اپنی ذمہ داری کو مال اور گھریلو کام میں امانت کے ساتھ ادا کرنے پر آمادہ کرے حتیٰ کہ وہ اپنے کو اس خاندان کا ایک فرد تصور کریں اور یہ سمجھیں کہ ان پر گھر کے نظام کو ترقی دینے کی ایسی ہی ذمہ داری ہے جیسے دوسرے افراد خاندان پر۔



پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۱۰ر جولائی ۱۹۹۶ء ـ مطابق ـ ۲۳ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ | شمارہ نمبر ۱۷

زرِ تعاون

سالانہ ـــــــ ۱۰۰ روپئے

فی شمارہ ـــــــ پانچ روپئے

۱۔ بیرونی ممالک فضائی ڈاک :۔

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

ـــــــ ۲۵ ڈالر

۲۔ بیرونی ممالک بحری ڈاک :۔

بحری ڈاک جملہ ـــــــ ۱۰ ڈالر

گذارش

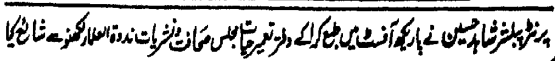
خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ـــــ مینجر

اِس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

خط وکتابت کا پتہ

مینجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں



پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/= روپئے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.25/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

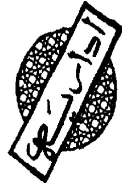
ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

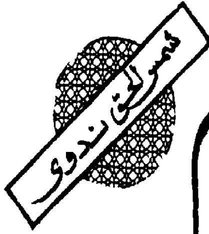
قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)





ربیع الاوّل کا پیغام

ربیع الاول کا مہینہ قمری سال کا تیسرا مہینہ ہے تاریخ انسانی میں یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں بھولی بھٹکی اور گم کردہ راہ انسانیت کو فلاح و صلاح کی راہ دکھانے والا وہ دستور حیات ملا جو ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کے لیے، ہر زمانہ و ہر دور کے لوگوں کے لیے نسخۂ کیمیا ہے اس دستور حیات میں نہ کالے گورے کا فرق رکھا گیا ہے نہ عربی و عجمی کا، نہ امیر و غریب کا، نہ بادشاہ و فقیر کا۔ کرۂ زمین پر جہاں کہیں بھی انسانی آبادی پائی جاتی ہے یہ دستور حیات سب کی رہنمائی کرتا ہے وہ کہتا ہے۔ کلکم ابناء آدم وآدم من تراب۔ تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اس دستور حیات میں عزت و شرف کا معیار امیری، غریبی اور قوم و قبیلہ کو نہیں بلکہ حسن کردار کو بتایا گیا فرمایا:

یا أیها النّاس إنا خلقناکم من ذکرٍ و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند اللّٰہ أتقاکم

"اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ و خاندان خاندان صرف اس لیے بنا دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"

دنیا کی قومیں جس عظیم الشان غلطی کا شکار رہی ہیں وہ ہے ۱۲ ربیع الاوّل کو پیدا ہونے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو نہ ماننا جو دنیا کی ساری قوموں کے لیے نسخۂ شفا ہے اس پیغام میں جو سب کے لیے ہے سب جگہ کے لیے ہے اس میں مرد و عورت بوڑھے جوان، کنبہ و خاندان حاکم و محکوم سب کے لیے راحت و آرام اور سکون و اطمینان کا سامان ہے، اور اس کا عملی نمونہ بھی خلافت راشدہ کے زمانے میں پورے ۳۶ سال تک دنیا دیکھ چکی ہے۔ اور اس کا میٹھا پھل کھا چکی ہے۔

بارہ ربیع الاوّل کو آنے والے رسولؐ کو انسانوں کے لیے جو دستور حیات دیا گیا وہ صرف دستور کی حد تک نہیں رہا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک ایک حکم پر عمل کر کے اور عملی طور پر نافذ کر کے دکھا دیا حتیٰ کہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو کوئی اس دستور کا عملی نمونہ دیکھنا چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دیکھ لے اور اس کی روشنی میں چلے۔

لقد کان لکم في رسول اللّٰہ أسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ والیوم الآخر۔

تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو۔

اس وقت دنیا جن حالات سے گزر رہی ہے اور انسانی آبادی ساری ترقیوں اور سہولتوں کے باوجود جن خطرات میں گھری ہوئی ہے، ظلم و زیادتی کی جو گرم بازاری ہے اور انسانی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اس کا علاج اگر کہیں مل سکتا ہے تو اسی پیغام اور اسی دستور حیات میں جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

اس پیغام و پیغمبر کا تعلق صرف ربیع الاوّل کے میلادی جلسوں سے نہیں کہ جب یہ مہینہ آئے تو اس کی یادگار منائی جائے، جلسے جلوس کیے جائیں اور بس بارہ ربیع الاوّل کی آمد تو تجدید عہد کا ایک موقع ہوتا ہے لیکن بدقسمتی سے جن لوگوں نے اس پیغام کو سینے سے لگایا اور دل میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت کو بسانے کا دعویٰ کیا وہی اس کو جشن کے طور پر منا لینے ہی پر اکتفا کرنے لگے ہیں۔ آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو اب گویا سیرت کے جلسوں اور مشاعروں تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کی آپ کی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی کر کے میلہ اور بے حجابی کا ماحول بنا دیا

کیا اچھا ہوتا کہ ہم مسلمان دوسری قوموں کے سامنے پیغام محمدیؐ کا وہ عملی نمونہ پیش کرتے جس کو دیکھ کر ان کے منھ میں پانی آجاتا اور وہ اس کی طرف بے تابانہ بڑھتیں اور اس کا کلمہ پڑھنے لگتیں۔ آج کی بے چین و سرگرداں دنیا کو معلوم ہوتا کہ ہمارے درد کا درماں اس دستورِ حیات میں ہے جس کو ان انسانوں کے پیدا کرنے والے اس خالق نے اتارا ہے جو ان کے مزاج و طبیعت ضرورت و تقاضوں اور ان کی ان کمزوریوں کو بھی خوب جانتا ہے جو انھیں آمادۂ شر کرتی ہیں "أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" کیا وہ نہ جانے گا جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔

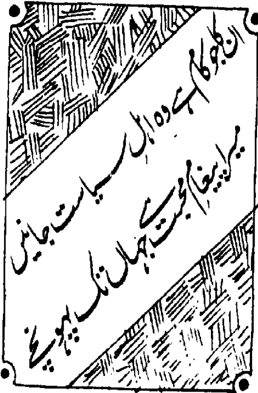
اسی لیے اس خالق نے اس کو وہ اصول و ضابطے بتائے ہیں جو اس کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔

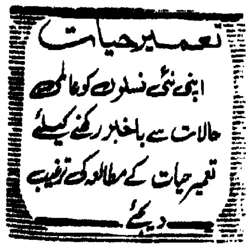
انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین تو برابر بدلتے رہتے ہیں مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے انسانوں کو جو دستورِ حیات ملا ہے اس میں کسی تبدیلی اور ردّ و بدل کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ ہاں چونکہ یہ ایسا خدا کا بنایا ہوا دستورِ حیات ہے جو مستقبل میں پیش آنے والے تغیرات کو بھی جانتا ہے اور تغیرات پیدا بھی اسی کی قدرت و مرضی سے ہوں گے۔ اس لیے اسلامی دستورِ حیات میں وہ لچک رکھ دی ہے جو اس کے ماہرین اصول سے فروع اور کلیات سے جزئیات کا استنباط کرکے آسانی پیدا کردیں اور کہیں کسی زمانہ میں دشواری نہ پیش آئے۔ چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ نے اس بات کا کھلا ہوا ثبوت پیش کردیا ہے۔ جب انسان ایسے اعلیٰ اور اٹل قانون اور ضابطۂ حیات سے روگردانی کرے گا۔ اور اپنے عقلی گھوڑے دوڑائے گا۔ اور اپنی بیجا نہ خواہش و چاہت کے مطابق قانون بنائے گا۔ تو یقینی بات ہے کہ دنیا میں فساد و بگاڑ پیدا ہو اور انسان اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان پیدا کرے جس کو اس وقت کھلی آنکھوں دیکھا جاسکتا ہے۔

اسلام نے بندوں کا تعلق براہِ راست خدا سے جوڑ دیا ہے۔ وہ ان تعلیمات کی روشنی میں جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں تک پہنچائی گئیں بلا کسی واسطہ کے اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرسکتا ہے۔ رو دھو کر براہِ راست اپنی خطائیں معاف کراسکتا اور اس کی رحمت و عنایت کو اپنی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔ اس میں برابری اور مساوات ایسی رکھی گئی ہے کہ ہر شخص جو مسلمان ہے وہ مسائل سے واقف ہے تو نماز کا امام بن سکتا ہے، روزہ ہر ایک رکھ سکتا ہے، اس میں امیر و غریب اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی فرق نہیں، نماز میں ایک غریب وادنیٰ درجہ کا مسلمان اور ایک بادشاہِ وقت دونوں کاندھے سے کاندھا ملاکر کھڑے ہوسکتے ہیں۔ اسلامی مساوات کا یہ وہ نمونہ ہے جس کو دیکھ کر بہت سی سعید روحوں کو اسلام اور ایمان کی دولت نصیب ہوگئی۔ ابھی قریبی زمانہ کی بات ہے کہ امریکہ کے صوبہ "کنتاکی" کے ٹیلی ویژن ڈائرکٹر "رون سمیت" نے نماز میں مساوات کا منظر دیکھ کر اسلام قبول کرلیا۔ وہ کہتے ہیں ایک دن میں نے ٹیلی ویژن پر ایک عرب بادشاہ کو خشوع و خضوع اور اطمینان سے تمام نمازیوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے دیکھا تو میرے دل میں یہ بات اتر گئی کہ اسلام میں چھوٹے بڑے امیر و غریب کا امتیاز نہیں" اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔

پیغام محمد یعنی اسلامی تعلیمات کے وسیع و ہمہ گیر دفتر کو بطور خلاصہ ایمان اور عمل صالح دو لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدی پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انھیں دونوں چیزوں پر انسانی نجات کا مدار ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو ہم ربیع الاول کے جشن اور جلسوں کے وقت اپنا جائزہ لیں کہ ہمارے اندر تعلیمات نبوت محمدی کا عملی حصہ کتنا پایا جاتا ہے۔





حلیۂ شہر مدینہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ کچھ حجاز کی ،کرد، جو کچھ وہاں دیکھا ہے وہ ہمیں بھی ،، مجھے یہ فرمائش بسر و چشم قبول ہے کہ

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

مجھے وہ دن یاد نہیں جب مکہ اور مدینہ کا نام ے لیے نیا تھا۔ اور وہ پہلا دن تھا جب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہدائش اور اسلام کے گہوارے، رسولؐ شہر دارالہجرۃ کے بارے میں کچھ سنا ہو، میں نے تمام مسلمان بچوں کی طرح ، ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں حجاز ن دونوں متبرک شہروں کا تذکرہ ہوتا ہی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لوگ تیزی اکثر "مکہ مدینہ" کہتے تھے، گویا وہ ایک ہی رکا نام ہے، وہ لوگ جب بھی ان میں سے شہر کا ذکر کرتے تو دوسرے کا بھی ضرور رتے، انھیں باتوں سے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ ں ایک شہر کے نام ہیں، مجھے اس فرق کی س وقت ہوئی جب میں کچھ بڑا ہوگیا اور مجھے ، گئی، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دونوں الگ منقل شہر ہیں اور ان کی درمیانی مسافت کچھ کم ہیں ہے۔

میں نے بچپن میں جس طرح لوگوں کو جنت ں کی نعمتوں کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہوئے سی طرح حجاز اور اس کے دونوں شہروں کا ، بھی سنا تھا، جنت کو حاصل کرنے اور حجاز دیکھنے کی تمنا اسی وقت سے میرے دل میں کروٹیں لینے لگی تھی۔

جب میں کچھ بڑا ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ جیتے جی جنت کو دیکھنا ممکن نہیں ہے ہاں حجاز تک رسائی ممکن ہے حجاج کے قافلے برابر آتے جاتے ہیں تو میں نے کہا کہ پھر ایمان کی اس جنت کی سیر کیوں نہ کی جائے، دن پر دن گزرتے گئے اور میں بڑھتا گیا۔ جب میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو میرا پرانا شوق تازہ ہوگیا، تھپکی دے دے کر سلائی ہوئی تمنائیں جاگ گئیں اور میں دن و رات حج و زیارت کی تمنا میں رہنے لگا۔

پھر ایسا ہوا کہ میں اس جگہ آ پہونچا جس کی زمین پر نہ تو سبزہ کا فرش ہے اور نہ اس کی گود میں ندیاں کھیلتی ہیں۔ اس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑ کھڑے پہرہ دے رہے ہیں لیکن بقول حفیظ

نہ اس میں گھاس اگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

جب میں نے حسن ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے ۔۔۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اگر یہ شہر جس کا دامن گلکاریوں سے خالی ہے۔ روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجرا ہوتی اور انسان محض قیدی! ۔۔۔ یہی وہ شہر ہے جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا، انسانیت کو اس کی کھوئی ہوئی سرداری اور چھینی ہوئی آزادی دلائی۔ اسی شہر نے انسانیت پر لدے ہوئے بھاری بوجھوں کو اتارا۔ اس کے طوق و سلاسل کو جدا کیا جو ظالم بادشاہوں اور نادان قانون سازوں نے ڈال رکھے تھے۔

جس وقت میں نے یہ سوچا۔ اگر یہ شہر نہ ہوتا، اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں دنیا کے بڑے بڑے شہروں کا اس شہر سے موازنہ کروں اور دیکھوں کہ اگر یہ شہر نہ ہوتے تو دنیا میں تمدن اور انسانیت میں کیا کمی ہوتی! ۔۔۔ میرے سامنے ایک ایک شہر آئے اور میں نے دیکھا کہ یہ تمام شہر مٹھی بھر انسانوں کے لیے زندہ اور آباد تھے، انھوں نے انسانیت کے سرمایہ میں کسی بڑی چیز کا اضافہ نہیں کیا یہ مختلف زمانوں میں انسانیت اور تمدن کے مجرم رہے ہیں۔ اپنے ذرا سے فائدہ کے لیے بارہا ایک شہر نے سیکڑوں شہروں کو بے چراغ کر دیا۔ ایک قوم نے بہت سی قوموں کو اپنی خوراک بنالیا، کتنی بار چند آدمیوں کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسان برباد کر دیئے گئے یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے نقشہ پر اگر یہ شہر نہ ہوتے تو انسانیت و تمدن کا کچھ نہ بگڑتا اور دنیا میں کوئی بڑی کمی نہ ہوتی۔

لیکن اگر مکہ نہ ہوتا تو انسانیت ان معانی و حقائق، اخلاق و عقائد اور علوم و فضائل سے تہی دست ہوتی جو اس کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا محسن ہے اسی کی بدولت دنیا نے ایمان کی اس لازوال دولت کو پھر سے پایا جسے لوگ ضائع کر چکے تھے، عالم نے اس صحیح علم کو پایا جو ظن و تخمین کے پردوں میں چھپ چکا تھا، وہ عزت دنیا کو دوبارہ ملی جو سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں پامال ہو چکی تھی ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں انسانیت نے

نیا جنم لیا اور تاریخ نئے سرے سے ڈھل کر نکلی۔

لیکن مجھے ہوا کیا ہے جو میں کہتا ہوں، اگر مکہ نہ ہوتا ___؟ اگر مکہ نہ ہوتا تو کیا ہو جاتا؟ مکہ تو اپنے خشک پہاڑوں، ریتیلے ٹیلوں بلکہ خانہ کعبہ اور زمزم کے متبرک کنویں کو اپنی گود میں لئے ہوئے جھلکی صدی عیسوی تک برابر سوتا رہا ہے۔ اور انسانیت سسکتی اور دم توڑتی رہی ہے، لیکن اس نے مدد کا کوئی ہاتھ نہ بڑھایا، مکہ اس وقت تک خشک پہاڑوں اور ریتیلے ٹیلوں سے گھرا ہوا دنیا سے الگ تھلگ اس طرح زندگی کے دن کاٹ رہا تھا گویا انسانیت کے کنبوں سے اس کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ دنیا کے نقشہ سے الگ تھا۔

اس لیے مجھے یہ کہنا چاہئیے کہ مکہ نہیں بلکہ مکہ کا وہ عظیم الشان فرزند اگر نہ ہوتا جس نے تاریخ کے رُخ کو بدل دیا، زندگی کے دھارے کو موڑ دیا۔ اور دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ تو دنیا کا یہ نقشہ نہ ہوتا۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھوں کے سامنے چند مناظر پھر گئے، مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے قریش کا سردار تن تنہا خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے، لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اس سے بدزبانی کر رہے ہیں لیکن وہ انتہائی اطمینان کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔

جب وہ طواف ختم کرتا ہے تو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے لیکن خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ اسے سختی سے روکتے ہیں، سردار صبر سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے "عثمان! وہ دن بھی کیا ہوگا، جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا؟" ___ عثمان کہتے ہیں ___ اس دن کیا قریش ختم ہو چکے ہوں گے؟ ___!" وہ جواب دیتا ہے "نہیں بلکہ اس دن انھیں حقیقی عزت ملے گی"۔

پھر میں نے دیکھا کہ وہی سردار فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے اس کے وہ ساتھی جنھوں نے اپنے کو..... اس پر قربان کر دیا تھا اس کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہو رہے ہیں، اس وقت وہ کعبہ کے کلید بردار کو بلاتا ہے اور کہتا ہے "عثمان! لو یہ تمھاری کنجی ہے، آج کا دن نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے"۔

تاریخ شاہد ہے کہ وہ شخص صرف اس کنجی کا مالک نہیں ہوا جس سے وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کو کھول سکتا تھا بلکہ اس کے پاس وہ کنجی بھی تھی جس سے وہ انسانیت کے ان تالوں کو بھی کھول سکتا تھا جو کسی حکیم اور فلسفی سے اس وقت تک نہیں کھل سکے تھے ___ یہ کنجی قرآن کریم ہے جو اس پر نازل کیا گیا ___ رسالت ہے جو اسے سونپی گئی جو انسانیت کی ساری گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے اور ہر زمانہ کی مشکلات کا حل پیش کر سکتی ہے۔

حج کے بعد میں اپنے شوق کے پروں پر اڑتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف چلا محبت اور وفا کی کشش مجھے مدینہ منورہ کی طرف بے ساختہ کھینچ رہی تھی راستہ کی زحمتوں کو میں رحمت سمجھ رہا تھا اور میری نگاہ کے سامنے اس پہلے مسافر کا نقشہ گھوم رہا تھا جس کا ناقہ اسی راستہ سے گیا تھا اور اس نے اس راستہ کو اپنی برکتوں سے بھر دیا تھا۔

جب میں مدینہ منورہ پہونچا تو سب سے پہلے میں نے مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کی اور سعادت کے نصیب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر میں آپ کے سامنے حاضر ہوا، میں آپ کے ان احسانات کے نیچے دبا ہوا تھا، جن سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، میں نے آپ پر درود و سلام پڑھا اور گواہی دی کہ بیشک آپ نے اللہ کا پیغام کما حقہ پہونچا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت کو پورا پورا ادا کیا امت کو سیدھی راہ دکھائی اور اللہ کی راہ میں دم واپسیں تک پوری پوری کوشش کی، اس کے بعد میں نے آپ کے دونوں محترم دوستوں کو سلام کیا، یہ دونوں ایسے دوست ہیں جن سے بڑھ کر مصاحبت کا حق ادا کرنے والا تاریخ انسانی میں نظر نہیں آتا اور نہ کوئی ایسا جانشین دیکھائی دیتا ہے جس نے ان سے زیادہ اچھی طرح جانشینی کے فرائض کو ادا کیا ہو

درود و سلام سے فارغ ہو کر میں جنت البقیع کی طرف گیا یہ زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ ہے جہاں صدق و صفا، مہر و وفا کا انمول خزانہ دفن ہے۔ ع

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

یہیں وہ لوگ سو رہے ہیں جنھوں نے آخرت کے لیے دنیا کی زندگی کو تج دیا، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے یقین اور اپنے دین کی خاطر وطن پر غریب الوطنی کو ترجیح دی انھوں نے رسولؐ کے قدموں پر پڑے رہنے کے لیے رشتہ داروں اور دوست احباب کے پڑوس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا۔

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا

یہاں سے فارغ ہو کر میں احد کی طرف گیا، احد وہ پاک اور دلکش سرزمین ہے جہاں محبت و وفاداری کا سب سے دلکش منظر دیکھنے میں آیا اسی میدان میں انسانی تاریخ نے ایمان و یقین کو جیتے جاگتے کرداروں کی شکل میں دیکھا یہیں سے بہادری اور شجاعت کے الفاظ لغت کو میسر ہوئے اسی خطہ نے پاک محبت اور نادر دوستی کا نمونہ دنیا کو دکھایا۔ یہاں پہونچکر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں ___ "مجھے اُحد پہاڑ کے اسی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے ___" مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت سن کر کہہ رہے ہوں ___ "اب آپ کے بعد جنگ و جہاد کا کیا لطف؟ ___" اور انس بول اٹھے ہوں،

ــــ لیکن آپ کے بعد زندگی کا بھی کیا مزا؟ــــ"

اسی احد پہاڑ کی گود میں حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنادیا تھا، تیر ابودجانہؓ کی پشت کو چھید رہے تھے، لیکن انھیں جنبش بھی نہ ہوتی تھی، اسی جگہ حضرت طلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر برسنے والے تیروں کو اس طرح اپنے ہاتھ پر لیا کہ ہاتھ شل ہوکر رہ گیا، اسی میدان میں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے گئے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، جو قریش کے بڑے نازبروردہ نوجوان تھے اسی جگہ اس حالت میں شہید ہوئے کہ ان کے لیے کفن بھی میسّر نہ تھا، ایک کمبل تھا جس سے اگر سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے پیر ڈھانکے جاتے تو سر برہنہ ہوجاتا۔

اے کاش! احد دنیا والوں کو اپنے اس محبت کے خزانے سے کچھ دے دیتا کاش آج دنیا کو اس کچھلے ایمان اور یقین کا کوئی ذرّہ بھی نصیب ہو جاتا۔ اگر ایسا ہوجائے تو اس دنیا کی قسمت بدل جائے اور یہ دنیا جنّت بن جائے۔

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے ہمیں قاہرہ کی سیر کرائی اور وہاں کی اہم شخصیتوں سے تعارف کرایا تم نے دمشق اور اہل دمشق کی باتیں سنائیں اور وہاں کے ادباء و علماء سے ملایا، تم ہمیں شرق اوسط لے گئے اور وہاں کی سیر کرائی اب حجاز اور حجاز کی نمایاں شخصیتوں کا بھی تعارف کراؤ ــــ لیکن میں کیا کروں حجاز کی تو ایک ہی ہستی ہے جس کی باتیں کئے جائیے جس کی وجہ سے حجاز، حجاز ہے اور عالم اسلام، عالم اسلام ہے

آبروئے مازنام مصطفےٰ است

سورج کے سامنے تاروں اور چراغوں اور اس کی روشنی سے روشن ہونے والے ذروں کا کیا ذکر، بس یہی حجاز کی کہانی ہے اور یہی حجاز کا تعارف!

ما انچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

ـــــ (ماخوذ۔ از کاروان مدینہ) ـــــ

(بقیہ) مطالعہ کے میز پر

سفر کرنے اور سفرنامہ لکھنے کے ساتھ ساتھ جغرافیائی علمی، فکری، ثقافتی اور تمدنی دنیا کی تاریخ کا کتنا مطالعہ کیا ہے اور اس سے کتنا فائدہ اٹھایا اور اس کو مختلف کتابوں کے سانچے میں ڈھالا ہے اس کا ثبوت ان کی ذیل کی تصنیفات جغرافیہ جزیرۃ العرب، مقامات مقدسہ، دو مہینے امریکہ میں۔ سماج کی تعلیم و تربیت اردو میں، اور عربی میں النقد الادب العربی۔ تاریخ الادب العربی مختار الشعر العربی اور الثقافۃ الاسلامیہ سے ملتا ہے۔ ایک مختصر سے سفرنامہ پر اس انداز کا تبصرہ قاری کے ہاتھ میں اعتماد کی قندیل دے کر پڑھنے کا شوق دلانے کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ حالانکہ وہ علمی دنیا میں معروف ہیں کسی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سفرنامہ خود ان کا تعارف کراتا چلے گا جس کا پڑھنا ہر صاحب علم اور خصوصاً بندۂ مؤمن اور بالاخص علماء و طلبہ کے لیے ضروری اس لیے کہ سفرنامہ میں ان مایۂ ناز شخصیتوں کا ذکر ہے جن کا ذکر مقدمہ نگار نے اس طرح کیا ہے۔

مہذب انسانی تاریخ کے کسی دور نے ایسی یادگاریں نہیں چھوڑی ہیں یہاں کے ذرّے ذرّے میں شمس و قمر خوابیدہ ہیں وہ خاکی جن کی نہاد نوری تھی وہ بندے جو مولا صفات تھے

اعلان

منجانب: کلیۃ التربیۃ دارالعلوم ندوۃ العلماء

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فضلاء کو تدریس کی مشق کرانے کے لیے ایک پندرہ روزہ تربیتی کیمپ اس سال جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندرپور اعظم گڑھ میں ۱۰ جولائی سے ۲۵ جولائی تک قائم ہوگا۔ اس کیمپ میں شرکت کے لیے دوسرے مدارس کے فارغ التحصیل اور مدارس اسلامیہ کے مدرسین بھی شرکت کرسکتے ہیں۔

باھتمام۔ مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری
بانی مدرسہ اسلامیہ مظفرپور قلندرپور اعظم گڑھ استاذ حدیث جامعۃ العین (الوظبی)

دین اسلام میں بیوی کا مرتبہ

اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ ....

وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

ہجرت کے بعد کا زمانہ ہے سرور کائنات مدینہ منورہ میں رونق افروز ہیں۔ ایک بار چودہ شعبان کو شب میں بستر مبارک سے آہستہ سے اٹھتے ہیں۔ روایت بیان کرنے والی حضرت صدیقہؓ ہیں۔ وہ بھی وہیں آرام فرما تھیں۔ ردائے مبارک آہستہ سے اٹھاتے ہیں۔ حجرہ کا دروازہ آہستہ سے کھولتے ہیں اور چپکے سے قبرستان بقیع میں مومنین کے حق میں دعائے مغفرت کرنے تشریف لے جاتے ہیں ام المومنین روایت کرتی ہیں۔ حضور انورؐ کی ہر جنبش کے لئے رُوَیدا استعمال کرتی جاتی ہیں۔ "قام رویداً اخذ رداءہٗ رویداً" وغیرہ۔ معنی آہستہ کے ہیں۔ یہ اس وقت ہر عمل میں آخر آہستگی کا اہتمام کیوں؟

جواب دنیا سنے گی؟ شوہروں کو تمام تر خدائے مجازی اور بیویوں کو تمام تر باندی سمجھنے والی دنیا سنے گی؟ آہستگی کا اہتمام اس لئے اور محض اس لئے کہ پاس لیٹی ہوئی عائشہ صدیقہؓ کی راحت میں بلا ضرورت خلل نہ پڑے! اللہ اکبر! آج بڑے بڑے نرم مزاج شوہروں میں بھی ہیں کوئی صاحب رفیقۂ حیات کی راحت و آسائش کا اس درجہ اہتمام رکھنے والے؟

جس نے اپنی ازدواجی زندگی اس معیار کے مطابق گزار دی حق پہونچتا تھا اسی کو کہ کھلے لفظوں میں اعلان کرے اور دنیا میں پکار دے کہ:۔

"خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی"

تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو مجھے دیکھو میں اپنے گھر والوں میں بہتر ہوں۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

یا پھر یہی پکار دوسرے لفظوں میں:۔

"خیارکم خیارکم لنساءھم" (ابن ماجہ)

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔

نیکی اور بزرگی کا معیار آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ یہ نہیں کہ دفتروں اور کچہریوں میں دوستوں کے مجمع میں قومی جلسوں میں کون کیسا نظر آتا ہے بلکہ یہ کہ بیوی کے ساتھ برتاؤ کس کا نرم ہے۔ گھر کے اندر صبر و تحمل کا ثبوت کون دیتا رہتا ہے اور جلوت میں نہیں خلوت میں کون کیسا ہے؟

سسرال جیل خانہ کا نام نہیں اور نہ لڑکی شادی کے بعد بیوی سے باندی بن جاتی ہے آسان تھا کہ جاہلے خطبہ کی ان تصریحات کے محض اتنا کہہ کر لڑکی کا ہاتھ پکڑا دیا جاتا کہ "میاں لڑکی نہیں خدمت کو کنیز دی جا رہی ہے"۔ ان الفاظ سے دل، جو پہلے سے بھرنے کے لئے تیار ہیں ضرور بھر آتے۔ لیکن حقیقت کی ترجمانی نہ ہوتی۔ اسلام میں بیوی کنیز نہیں ہو جاتی بیوی ہی رہتی ہے تو کیا اپنے حقوق پر جم کر سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے حاکم کا یہ فرمان کسی مسلمان تک نہیں پہونچا ہے۔ کہ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ بصیغۂ امر بطور حکم ارشاد ہو رہا ہے کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ حسن معاشرت قائم رکھو اور قید کسی خاص حالت کی نہیں۔ جوانی میں بھی اور بڑھاپے میں بھی وہ حسین و جمیل ہو تو اور حسن و جمال ظاہری سے محروم ہو تو۔ ڈھیروں مال لے کر آئے جب بھی اور خالی ہاتھ آئے جب بھی۔ عزت رکھتی ہے۔ شوہر کی آمدنی پر حق رکھتی ہے۔ حیثیت و مرتبہ رکھتی ہے۔ لازم ہے کہ لحاظ اس کی عزت کا، حیثیت کا مرتبہ کا رہے "ولھن مثل الذی علیھن" جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمہ ہیں ویسے ہی تو عورت کے بھی مرد کے ذمہ ہیں۔ اور کیوں نہ ہوتے جب خلقت دونوں کی ایک رکھی گئی اور خلقت کی یکسانی کا گواہ کوئی دوسرا نہیں خود خالق کائنات ہے۔

"وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا"

اللہ نے تمہاری بیویاں تمہیں میں سے پیدا کیں۔

تمہاری جنس سے اس کی فطرت تمہاری فطرت اس کی خلقت تمہاری خلقت ہے تمہیں اگر سیم و زر کی طلب ہے تو وہ بھی احتیاج مال سے بے نیاز نہیں رکھی گئی ہے۔ تم اگر اپنی راحت و آسائش کے بھوکے ہو تو اس کا جسم بھی خستگی اور تھکن کے اثرات کو قبول کرنے والا بنایا گیا ہے تمہیں اگر غصہ آتا ہے تو وہ بھی بے حس نہیں پیدا کی گئی ہے۔ تم اگر اپنی جاہ و عزت کے طالب ہو تو وہ بھی اپنی توہین و رسوائی سے خوش نہیں حاصل کرتی۔ تم اگر حکومت چاہتے

ہو تو وہ بھی غلامی کے لئے خلق نہیں ہوئی۔

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔ (نساء)

اے انسانو! ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تمہیں ایک نفس واحد سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے اتنے سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام سے ایک دوسرے کے مطالبات حقوق کرتے ہو، اللہ سے ڈرو حقوق قرابت کا لحاظ کرنے سے بھی یقیناً اللہ تمہارا ہر حال میں نگراں ہے۔

الفاظ پر غور ہو سارے انسانوں کی، مرد ہوں یا عورت اصل ایک ہی ہے۔ ایک جوڑے سے مردوں اور عورتوں کی ساری نسلیں چلی ہیں۔ جذبات کی یکسانی کے اظہار کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ پھر حقوق پر صراحت سے ڈرایا ہے۔ اور حقوق قرابت کے لئے غایت اہتمام یہ ہے کہ ان کے ذکر کا عطف خود اپنے ذکر پر کیا ہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے۔

"وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ (روم۔ ع ۳)

تمہیں میں سے، تمہاری ہی جنس سے، یہیں سے رد ہو جاتا ہے ان مذاہب باطلہ کا جنھوں نے مدت تک عورت کو بغیر روح کے مانا۔ ارشاد ہوتا ہے اور اسے بطور اپنے نشان قدرت کے پیش کرتے ہیں کہ عورت تو تمہاری جنس کی چیز ہے۔ تم سے فروتر، پست تر، کوئی دوسری جنس نہیں۔ اس کی آفرینش سے یہ غرض نہیں کہ تم اسے باندی بنا کر رکھو بلکہ وہ تو اس لئے ہے کہ،

"لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً"

تم اس سے تسکین و راحت، سکون خاطر حاصل کرو اور دونوں کے درمیان رشتہ اور تعلق آقائی اور کنیزی کا نہیں محبت و الفت کا قائم کر دیا گیا ہے۔

الفاظ اس قدر صاف و واضح ہیں کہ حاجت نہ کسی تشریح کی نہ حاشیہ آرائی کی اصل مقصود زندگیوں کو محبت و اخلاص سے شیریں بنا دینا ہے۔ اور جن لوگوں کی فطرت سلیم ہے وہاں بحمد اللہ یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے پر فریفتہ ہیں۔ لیکن جہاں بدقسمتی سے مذاق فاسد ہو چکے ہیں وہاں کے لئے ارشاد ہوتا ہے: فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ـــ اگر تمہیں صورت، سیرت میں کوئی عیب بھی معلوم ہو تو تمہیں کیا خبر کہ جو شے ناپسند ہو رہی ہو اللہ نے اس میں کوئی بڑی مصلحت کوئی بڑی منفعت نہ رکھ دی ہو؟ آیت کے اس ٹکڑے کے مراقبہ کے بعد شوہر کے دل میں کچھ کشیدگی بیوی کی طرف سے باقی رہ سکتی ہے؟

حق افسری مرد کو یقیناً حاصل ہے "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" یہ مرد کی فضیلت و برتری بالکل مسلم و برحق، "وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ"۔ لیکن جو افسر ہے وہ اپنے حق کا استعمال کیوں کر کرے؟ اس کا جواب بھی قرآن لانے والے کی زبان سے سنیے۔ ابوہریرہؓ صحابی معلم کائنات کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"استوصوا بالنساء خیراً فانهن خلقن من ضلع فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء خیراً۔ (صحیح بخاری)

نصیحت قبول کرو عورتوں کے باب میں نرمی کی اس لئے کہ ان کی خلقت پسلی سے ہوئی ہے اگر تم اس کو ہموار کرنے کی فکر میں لگے رہے تو اسے توڑ کر رہوگے اور اگر اس کے حال پر اسے رہنے دوگے تو کجی بدستور رہے گی، پس نصیحت قبول کرو عورتوں کے باب میں نرمی کی۔

خیال کر کے دیکھئے کہ عورت کے ساتھ بھلائی اور ملائمت کی تاکید کس درجہ ہے۔ حکم شروع بھی اسی سے ہوا اور ختم بھی اسی پر۔ درمیان میں ارشاد کی حکمت بیان ہوتی ہے۔ ٹیڑھی پسلی کو کوئی سیدھا کرنے کے درپے ہو جائے تو پسلی بھلا سیدھی ہو سکتی ہے البتہ ٹوٹ کر رہ جائے گی۔ لیکن اگر کجی کی طرف سے توجہ نہیں کی جائے گی تو خرابی جوں کی توں رہے گی۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اصلاح کی کوشش میں لگے رہو۔ لیکن ہمیشہ نرمی اور سہولت سے محبت سے۔

آج مغربیت کے اثر سے، ہدایت کے تسلط سے، فخر اس پر کیا جاتا ہے کہ ہم بیوی سے دبتے نہیں، دبا کر رکھتے ہیں لیکن رسول اسلام کو اس پر فخر نہ تھا وہاں بیوی کی حیثیت، ماما اصیل کی، پیش خدمت کی لونڈی باندی کی نہیں اللہ کی بخشی ہوئی بہترین نعمت کی تھی۔

"عن ابی امامة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یقول ما استفاد المومن بعد تقوی الله خیراً له من زوجة صالحة" (ابن ماجه)

ابوامامہ صحابیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم فرمایا کرتے تھے کہ مومن کے لئے تقوی الٰہی کے بعد کوئی نعمت نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

مبارک ہیں وہ نعمت والے جو نعمت کی قدر پہچانیں۔ ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے کہ اس فانی و ناپائیدار دنیا کی نعمتوں میں کوئی نعمت نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

"عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلعم قال انما الدنیا متاع ولیس من متاع الدنیا شیئ افضل من المرأة الصالحة۔ (ابن ماجه)

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دنیا چند روزہ ہے...... لیکن اس چند روزہ عیش دنیا میں کوئی شئے نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

رسولؐ کو رسولؐ ماننے والے سبق لیں حیات طیبہ کے ان دو اہم ترین واقعات سے حضورؐ پر جب اول وحی نازل ہوئی تو قلب مبارک کی اس وقت قدرتی بے چینی تھی اس وقت ذات مبارک کو تسکین دینے والی اور رسالت پر سب سے پہلی ایمان لانے والی ہستی کسی دوست و عزیز کی نہیں ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کی تھی۔ اسی طرح جب روح مبارک کسی کے دیدار کے لئے بے چین اس جسدِ ظاہری سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی تھی تو عین اس وقت سر مبارک کس کے زانو پر تھا؟ رفیقوں، عزیزوں میں سے کسی مرد کے نہیں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے ــــ یہ ہے اسلام میں بیوی کا مقام!

سسرال میں بیوی جو کچھ کھاتی ہے اپنے حق سے جو کچھ پاتی ہے اپنے حق سے۔ بھک منگی نہیں کہ خیرات سمجھ کر ترس کھا کر دو چار پیسے اس کے آگے ڈال دیئے سائل گدا گر نہیں کہ رات کی باسی روٹی کے ٹکڑے اس کے دامن میں پھینک دیئے۔ علم و حکمت کی اسی کان میں جس کا نام حدیث نبوی ہے۔

"عن حکیم بن معاویۃ عن ابیہ ان رجلاً سأل النبی صلعم ما حق المرأۃ علی الزوج قال ان یطعمہا اذا طعم و ان یکسوھا اذا اکتسیٰ۔ (ابن ماجہ)

ایک روایت حکیم بن معاویہ کے حوالہ سے آئی ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں آکر عرض کی کہ شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے فرمایا کہ شوہر جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے۔

اس کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں۔

"ولا یقبح ولا یھجر الا فی البیت"

اس میں عیب نہ نکالے (یعنی صورت سیرت کی ہجو نہ کرے) اور نہ یہ ہو کہ اسے چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے (رکھے بہرحال اسے اسی مکان میں) (ابن ماجہ)

ایک دوسری طویل حدیث کے آخر میں اس سے زیادہ تاکید و تصریح کے ساتھ آتا ہے۔

"الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن" (ترمذی، ابن ماجہ)

خبردار رہو کہ بیویوں کا حق یہ ہے (لفظ "حق" یاد رہے۔ کوئی رعایت اور احسان نہیں) کہ کھانے اور لباس میں ان کے ساتھ بہتر سے بہتر طریقہ برتو۔

بیوی اپنے شوہر کے گھر میں حاکم و مختار ہوتی ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب کا مستقل عنوان ہی یہی رکھا ہے۔ المرأۃ راعیۃ بیت زوجھا اور اس کے تحت جو حدیث درج ہے خود اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:۔

المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا۔

عورت حاکم ہے اپنے شوہر کے گھر پر۔

یہ شاعری نہیں حقائق ہیں۔ انشاپردازی نہیں خدا و رسولؐ کے احکام ہیں۔

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات، اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

چھو سکو گے علم سے ہی تم ثریا کہکشاں

قاری ہدایت اللہ صدیقی ہدایت لکھنوی

آئے ہو تم چھوڑ کے ماں باپ بھائی اور مکاں
علم حاصل کرنا ہوگا جی لگا کر اب یہاں

علم کی تحصیل میں گر تم رہو گے مستعد!
تم پہ نازاں ہوگا اک دن دیکھ لینا آسماں

شمع کی مانند ہوگا جاگنا اب رات بھر
چھو سکو گے علم سے ہی تم ثریا کہکشاں

سربلندی کا سبب ہے خدمتِ مادر پدر
خدمت استاذ سے کوشش سے ہوگے کامراں

دوستو! مقصد کو اپنے بھول جانا نا کہیں
شیطنت کا ہر طرف ہے دور دورہ بے گماں

ان سے پوچھو داخلہ ندوے میں جن کا نا ہوا
آبدیدہ کتنا ہیں وہ! تم ہو کتنے شادماں

بلکہ لازم ہے رکھو تم لمحے لمحے کا حساب
مل گیا ہے خوش نصیبی سے تمہیں موقع یہاں

ہر نفس پیشِ نظر ہو نظم و ضبط و انتظام
تا نہ ہو بس فیصلوں میں وقت سارا رائیگاں

گامزن رہنا ہدایت بس یونہی با ذوق و شوق
ہے دعا پہونچائے منزل تک خدائے مہرباں

سیرۃ النبی ﷺ کے جلسے اور جلوس

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (کراچی)

آپ کا ذکر مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک انسان کی عظیم ترین سعادت ہے اور اس روئے زمین پر کسی بھی ہستی کا تذکرہ اتنا باعث اجر و ثواب، اتنا باعث خیر و برکت نہیں ہو سکتا جتنا سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔ لیکن تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان سیرت طیبہ کی محفلوں میں ہم نے بہت سی ایسی غلط باتیں شروع کر دی ہیں۔ جن کی وجہ سے ذکر مبارک کا صحیح فائدہ اور صحیح ثمرہ ہمیں حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ

ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک صرف ایک مہینے یعنی ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اور ربیع الاول کے بھی صرف ایک دن اور ایک دن میں بھی صرف چند گھنٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑا ظلم سیرت طیبہ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگی میں کہیں یہ بات آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ اور نہ آپ کو اس کی ایک مثال ملے گی کہ انھوں نے ۱۲ ربیع الاول کو خاص جشن منایا ہو۔ عید میلاد النبی ﷺ کا اہتمام کیا ہو، یا اس خاص مہینے کے اندر سیرت طیبہ کی محفلیں منعقد کی ہوں۔ اس کے بجائے صحابہ کرامؓ کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں دو صحابہ ملے انھوں نے آپؐ کی احادیث اور آپ کے ارشادات، آپ کی دی ہوئی تعلیمات کا، آپ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اس لئے ان کی ہر محفل سیرت طیبہ کی محفل تھی۔ ان کی ہر نشست سیرت طیبہ کی نشست تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور تعلق کے اظہار کے لئے رسمی مظاہروں کی ضرورت نہ تھی کہ عید میلاد النبی منائی جا رہی ہے اور جلوس نکالے جا رہے ہیں، جلسے ہو رہے ہیں۔ چراغاں کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کے کاموں کی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعین کے زمانے میں ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

اسلام رسمی مظاہروں کا دین نہیں

بات درحقیقت یہ تھی کہ رسمی مظاہرہ کرنا صحابہ کرامؓ کی عادت نہیں تھی، وہ اس کی روح کو اپنائے ہوئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے؟ آپ کا کیا پیغام تھا؟ آپ کی کیا تعلیم تھی؟ آپ دنیا سے کیا چاہتے تھے؟ اس کام کے لئے انھوں نے اپنی ساری زندگی کو وقف کر دیا۔ لیکن اس قسم کے رسمی مظاہرے نہیں کئے۔

اور یہ طریقہ ہم نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ غیر مسلم اقوام اپنے بڑے بڑے لیڈروں کے دن منایا کرتی ہیں۔ اور ان دنوں میں خاص جشن اور خاص محفل منعقد کرتی ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہم نے سوچا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے لئے عید میلاد النبی منائیں گے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کے نام پر کوئی دن منایا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کے تمام لمحات کو قابلِ اقتداء اور قابلِ تقلید نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ یا تو وہ سیاسی لیڈر ہوتا ہے۔ یا کسی اور دنیاوی معاملے میں لوگوں کا قائد ہوتا ہے، تو صرف اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے اس کا دن منایا گیا لیکن اس قائد کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قابلِ تقلید ہے۔ اور اس نے دنیا میں جو کچھ کیا، وہ صحیح کیا ہے، وہ معصوم اور غلطیوں سے پاک تھا لہٰذا اس کی ہر چیز کو اپنایا جائے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا۔

آپ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے

لیکن یہاں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ آپ انسانیت کے سامنے ایک مکمل اور بہترین نمونہ پیش کریں، ایسا نمونہ بن جائیں، جس کو دیکھ کر نقل اتاریں۔ اس کی تقلید کریں، اس پر عمل پیرا ہوں، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ آپ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہمارے لئے ایک مثال ہے، ایک نمونہ ہے۔ اور ایک قابل تقلید عمل ہے۔ اور ہمیں آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی نقل اتارنی ہے۔ اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ ہے، لہٰذا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو دنیا کے دوسرے لیڈروں پر قیاس نہیں کرسکتے کہ ان کا ایک دن منالیا اور بات ختم ہوگئی بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو ہماری زندگی کے ایک ایک شعبے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نمونہ بنادیا ہے۔ اور سب چیزوں میں ہمیں ان کی اقتدا کرنی ہے، ہماری زندگی کا ہر دن ان کی یاد منانے کا دن ہے۔

ہماری نیت درست نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ سیرت کی محفلیں اور جلسے جگہ جگہ منعقد ہوتے ہیں، اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ کام کتنا ہی اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو۔ مگر جب تک کام کرنے والے کی نیت صحیح نہیں ہوگی جب تک اس کے دل میں داعیہ اور جذبہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس وقت تک وہ کام بے کار، بے فائدہ، بے مصرف، بلکہ بعض اوقات مضر، نقصان دہ اور باعث گناہ بن جاتا ہے، دیکھئے! نماز کتنا اچھا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور قرآن وحدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص نماز اس لئے پڑھ رہا ہے تاکہ لوگ مجھے نیک متقی اور پارسا سمجھیں ظاہر ہے کہ وہ ساری نماز اکارت ہے بے فائدہ ہے بلکہ ایسی نماز پڑھنے سے ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"من صلی یرائی فقد اشرک باللہ"

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶)

جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے تو گویا کہ اس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرایا ہے۔

اس لئے کہ وہ نماز اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں پڑھ رہا ہے۔ بلکہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور مخلوق میں اپنا تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کے لئے پڑھ رہا ہے، اس لئے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا، اتنا اچھا کام تھا، لیکن صرف نیت کی خرابی کی وجہ سے بیکار ہوگیا اور الٹا باعث گناہ بن گیا۔

یہی معاملہ سیرت طیبہ کے سننے اور سنانے کا ہے۔ اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح جذبے سے سنتا اور سناتا ہے تو یہ کام بلاشبہ عظیم الشان ثواب کا کام ہے اور باعث خیر وبرکت ہے۔ اور زندگی میں انقلاب لانے کا موجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح نیت سے نہیں سنتا، اور صحیح نیت سے نہیں سناتا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ اور اغراض ومقاصد دل میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور جن کے تحت سیرت طیبہ کے جلسے اور محفلیں منعقد کی جارہی ہیں۔ تو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے، اس لئے کہ ظاہر میں تو نظر آرہا ہے کہ آپ بہت نیک کام کررہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ الٹا گناہ کا سبب بن رہا ہے۔

نیت کچھ اور ہے

اس نقطہ نظر سے اگر ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں اور سچے دل سے نیک نیتی کے ساتھ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان تمام محفلوں میں جو جگہ جگہ منعقد ہورہی ہیں، کیا ان کے منتظمین اس بنا پر محفل منعقد کررہے ہیں کہ ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے؟ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقصود ہے؟ کیا اس لئے محفل منعقد کررہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات ان محفلوں میں سنیں گے اس کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے؟ بعض اللہ کے نیک وصالح بندے ایسے بھی ہوں گے جن کی یہ نیت ہوگی۔ لیکن ایک عام طرز عمل دیکھئے تو یہ نظر آئے گا کہ محفل منعقد کرنے کے مقاصد کچھ اور ہیں نیتیں ہی کچھ اور ہیں، یہ نیت نہیں ہے کہ اس جلسے میں شرکت کے بعد ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے، بلکہ نیت یہ ہے کہ محلے کی کوئی انجمن ہے، جو اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے جلسہ منعقد کررہی ہے، اور یہ خیال ہے کہ جلسہ سیرت النبی کرنے سے ہماری انجمن کی شہرت ہوجائے گی، کوئی جماعت اس لئے جلسہ سیرت النبی منعقد کررہی ہے کہ اس جلسہ کے ذریعہ ہماری تعریف ہوگی کہ بڑا شاندار جلسہ کیا اونچے اعلیٰ درجے کے مقررین بلائے، اور بڑے مجمع نے اس میں شرکت کی اور مجمع نے اس کی بڑی تحسین کی۔ کہیں جلسے اس لئے منعقد ہورہے ہیں کہ اپنی بات کہنے کا کوئی اور موقع تو ملتا نہیں ہے، کوئی سیاسی بات ہے یا کوئی فرقہ وارانہ بات ہے جس کو کسی اور پلیٹ فارم پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے سیرت النبی کا ایک جلسہ منعقد کرلیں، اور اس میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں چنانچہ اس جلسے میں پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف کے دو چار جملے بیان ہوگئے اور اس کے بعد پوری تقریر میں اپنے مقاصد بیان ہورہے ہیں اور فریق مخالف پر گولہ باری ہورہی ہے۔ اس غرض کے لئے جلسے منعقد ہورہے ہیں۔

مقرر کا جوش دیکھنا مقصود ہے

کوئی شخص اس لئے جلسے میں شرکت کررہا ہے کہ اس میں فلاں مقرر صاحب تقریر کریں گے۔ ذرا جاکر دیکھیں کہ وہ کیسی تقریر کرتے ہیں، سنا ہے کہ بڑے جوشیلے اور شاندار مقرر ہیں۔ بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں۔ گویا کہ تقریر کا مزہ لینے کے لئے جارہے ہیں تقریر کے جوش وخروش کا اندازہ کرنے کے لئے جارہے ہیں۔ اور یہ دیکھنے کے لئے جارہے ہیں کہ فلاں مقرر کیسے گا گاکر شعر پڑھتا ہے کتنے واقعات سناتا ہے۔

ہر شخص سیرتِ طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ:۔

"لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ"

تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اور آپ کی حیات طیبہ مشعل راہ ہے۔

یہ ایک پیغام ہدایت ہے، اور یہ ایک اسوۂ حسنہ ہے، ایک مکمل نمونہ ہے، لیکن ہر شخص کے لئے نمونہ نہیں ہے، بلکہ اس شخص کے لئے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہو۔ اور اس شخص کے لئے جو یوم آخرت کو سنوارنا چاہتا ہو۔ اور یوم آخرت پر اس کا پورا ایمان اور یقین اور بھروسہ ہو۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔ لہٰذا جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اس کے لئے سیرت طیبہ ایک پیغام ہدایت ہے۔

لیکن جس شخص کے اندر یہ اوصاف موجود نہیں اور جو اللہ کو راضی کرنا نہیں چاہتا، اور جو یوم آخرت پر بھروسہ نہیں رکھتا، اور یوم آخرت کو سنوارنے کے لئے یہ کام نہیں کرتا۔ اور وہ اللہ کو کثرت سے یاد نہیں کرتا، اس کے لئے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اس کے لئے ہدایت کا پیغام بن جائے گی۔ سیرت طیبہ تو ابوجہل کے سامنے بھی تھی، اور ابولہب کے سامنے بھی تھی، امیہ بن خلف کے سامنے بھی تھی۔ لیکن وہ سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یعنی وہ زمین ہی بنجر تھی۔ اور اس بنجر زمین میں ہدایت کا بیج ڈالا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ بار آور نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر نہیں، اور آخرت کو سنوارنے کی فکر نہیں، اور اللہ کی یاد اس کے دل میں نہیں ہے تو پھر کسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے وہ شخص اپنی زندگی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

لہٰذا یہ سارے مناظر جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں بسا اوقات ہماری نیتیں درست نہیں ہوتیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں تقریریں سن لیں، اور ہزاروں محفلوں میں شرکت کر لی لیکن زندگی جیسے پہلے تھی ویسی آج بھی ہے، جس طرح پہلے ہمارے دلوں میں گناہوں کا شوق اور گناہوں کی طرف رغبت تھی وہ آج بھی موجود ہے اس کے اندر کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

تیسری بات یہ ہے کہ انہی سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والی محفلوں میں عین محفل کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں جو سرکار دو عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے۔ آپ کی تعلیمات آپ کی سنتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان ہدایات کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

سیرت کے جلسے اور بے پردگی

چنانچہ ہمارے معاشرے میں اب ایسی محفلیں کثرت سے ہونے لگی ہیں جن میں مخلوط اجتماع ہے اور عورتیں اور مرد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اور سیرت طیبہ کا بیان ہو رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کو فرمایا کہ اگر تمہیں نماز بھی پڑھنی ہو تو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھو، اور گھر میں صحن کے بجائے کمرے میں پڑھو، اور کمرے سے بہتر یہ ہے کہ کوٹھری میں پڑھو عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دے رہے ہیں۔ لیکن انہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو رہا ہے۔ جس میں عورتیں اور مرد مخلوط اجتماعات میں شریک ہیں، اور کسی اللہ کے بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ سیرت طیبہ کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے، پوری آرائش و زیبائش کے ساتھ سج دھج کر بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں، اور مرد بھی ساتھ موجود ہیں۔

سیرت کے جلسے میں نمازیں قضا

پہلے بات صرف جلسوں کی حد تک محدود تھی کہ سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے، اس میں شریعت کی چاہے جتنی خلاف ورزی ہو رہی ہو، کسی کو پرواہ نہیں، لیکن اب تو بات اور آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ اور ان انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں، کسی شخص کو نماز کا ہوش نہیں، پھر رات کے دو بجے تک تقریریں ہو رہی ہیں۔ اور صبح فجر کی نماز جا رہی ہے۔ جب کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ تھا کہ جس شخص کی ایک وقت کی نماز فوت ہو جائے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس کے تمام مال اور تمام اہل و عیال کو کوئی شخص لوٹ کر لے گیا اتنا عظیم نقصان ہے لیکن سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کوئی فکر نہیں، اس لئے کہ ہم تو ایک مقدس کام میں لگے ہوئے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی جو تاکید بیان فرمائی تھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سیرت کے جلسے اور ایذائے مسلم

اور سنئے! سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ جس میں کل پچیس تیس سامعین بیٹھے ہیں۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر اتنا بڑا لگانا ضروری ہے کہ اس کی آواز پورے محلے میں گونجے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک جلسہ ختم نہ ہو جائے اس وقت تک محلے کا کوئی بیمار، کوئی ضعیف کوئی بوڑھا اور معذور آدمی سو نہ سکے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو یہ تھا کہ آپ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہو رہے ہیں، لیکن کس طرح بیدار ہو رہے ہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی

ہیں کہ: فقام رویداً، آپ دھیرے سے اٹھے کہیں ایسا نہیں ہو کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی آنکھ کھل جائے۔

"فتح الباب رویداً" آہستہ سے دروازہ کھولا کہیں ایسا نہ ہو کہ عائشہ رض کی آنکھ کھل جائے (رضی اللہ عنہا) اور نماز جیسے فریضے کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچے کے رونے کی آواز سن کر اس کی ماں کسی مشقت میں مبتلا ہو جائے... لیکن یہاں بلا ضرورت، بغیر کسی وجہ کے، صرف ۲۵، ۳۰ سامعین کو سنانے کے لئے اتنا بڑا لاؤڈ اسپیکر نصب ہے کہ کوئی ضعیف، بیمار آدمی اپنے گھر میں سو نہیں سکتا، اور انتظام کرنے والے اس سے بے خبر ہیں کہ کتنے بڑے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ اس لئے (نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب الغیرۃ، حدیث نمبر ۳۹۶۳) کہ ایذا مسلم کبیرہ گناہ ہے، اس کا کسی کو احساس نہیں۔

دوسروں کی نقالی

ہمارا یہ سارا طرز عمل اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ درحقیقت نیت درست نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی نیت نہیں ہے بلکہ مقاصد کچھ اور ہیں، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلے صرف جلسوں کی حد تک بات تھی، اب تو جلسوں سے آگے بڑھ کر جلوس نکلنا شروع ہو گئے۔ اور اس کے لئے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فرقہ فلاں مہینے میں اپنے امام کی یاد میں جلوس نکالتا ہے تو پھر ہم اپنے نبی کے نام پر ربیع الاول میں جلوس کیوں نہ نکالیں گویا کہ اب ان کی نقل اتاری جا رہی ہے کہ جب محرم کا جلوس نکلتا ہے تو ربیع الاول کا بھی نکلنا چاہئے بزعم خود یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اور آپ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

لیکن اس پر ذرا غور کریں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جلوس کو دیکھ لیں جو آپ کے نام پر نکالا جا رہا ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گوارا اور پسند فرمائیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ اس امت کو ان رسمی مظاہروں سے اجتناب کی تلقین فرمائی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظاہری اور رسمی چیزوں کی طرف جانے کے بجائے میری تعلیمات کی روح کو دیکھو، اور میری تعلیمات کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری حیات طیبہ میں کوئی شخص ایک نظیر یا ایک مثال اس بات پر پیش کر سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نام پر ربیع الاول میں یا کسی مہینے میں کوئی جلوس نکالا گیا ہو؟ بلکہ پورے تیرہ سو سال کی تاریخ میں کوئی ایک مثال کم از کم مجھے تو نہیں ملی کہ کسی نے آپ کے نام پر جلوس نکالا ہو۔ ہاں! شیعہ حضرات محرم میں اپنے امام کے نام پر جلوس نکالا کرتے تھے، ہم نے سوچا کہ ان کی نقالی میں ہم بھی جلوس نکالیں گے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"من تشبه بقوم فهو منهم"

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ، حدیث نمبر ۴۰۳۱)۔

جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہو جاتا ہے اور صرف جلوس نکالنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہو رہا ہے کہ کعبہ شریف کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں، روضہ اقدس کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں۔ گنبد خضراء کی شبیہیں بنائی جا رہی ہیں ....

---- اور دنیا بھر کی عورتیں، بچے، بوڑھے اس کو متبرک سمجھ کر برکت حاصل کرنے کے لئے اس کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہاں جا کر دعائیں مانگی جا رہی ہیں، منتیں مانی جا رہی ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے نام پر یہ کیا ہو رہا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک کو، بدعات کو، اور جاہلیت کو مٹانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ اور آج آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر یہ ساری بدعات شروع کر دیں، روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گنبد سے کوئی مناسبت نہیں جو آپ نے اپنے ہاتھوں بنا کر کھڑا کر دیا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو مقدس سمجھ کر تبرک کے لئے کوئی اس کو چوم رہا ہے، کوئی اس کو ہاتھ لگا رہا ہے۔ شرعاً یہ درست نہیں۔

(ماخوذ از: اصلاحی خطبات)

(بقیہ) علوم و فنون

کئے مگر انھوں نے دین اور اس کے حقائق سے کبھی اپنا منہ نہیں موڑا بلکہ انھوں نے اس عمل میں ایک دوسرے کو باہم ممد و معاون قرار دیا نہ کہ ایک دوسرے کے لئے کوہ گراں۔ [6]

---

۱ الشرق الأدنی۔ مجتمعہ وثقافتہ ص۷
۲ تاثیر الاسلام علی أوربا فی العصور الوسطی ص۸۲، ۹۱ و ص۱۰
۳ ایضاً ص۱۲۴
۴ الاسلام والعرب طبع دوم ترجمہ منیر بعلبکی ص۲۸۰-۲۸۱
۵ ایضاً ص۲۴۶ ۶ ایضاً ص۲۸۹

(بقیہ) "کاروان ادب"

پروفیسر خلیق احمد نظامی، پروفیسر یاسین مظہر صدیقی ڈاکٹر عبد الباری (شبنم سبحانی) ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، پروفیسر حبیب الحق اور دوسرے اہل قلم ہیں، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ اس مجلہ کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدیر ہیں۔

"کاروان ادب" کے مضامین میں علم کا معیار اور ادب کا وقار ہے۔ یہ مجلہ ادب کے چمن میں ایک تازہ فرحت بخش جھونکے کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب (بصائر)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تازہ تصنیف بصائر ہندوستان کی اسلامی، علمی، اور دینی تاریخ کا ایک منصفانہ جائزہ

پروفیسر وصی احمد صدیقی

یہ مختصر تحریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف "بصائر" کے تعارف میں ہے۔ لفظ تعارف کے استعمال کی جسارت کے لیے میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں؟ ایاز قدر خود بشناس کی ہدایت سے واقف ہوں مگر میں نے سوچا کہ مناسب لفظ ڈھونڈھنے میں وقت لگانے کے بجائے میں کتاب "اولی الابصار" کی نظروں کے سامنے رکھ دوں۔ کتاب اپنے زعیموں کی داستان ان کے کارنامے، ان کا دبستان فکر، ان کے بنا کردہ اعلیٰ دینی مدارس۔ تربیتی مراکز۔ ان کی لائی ہوئی اصلاحی تحریکات کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ یہ اختصار ایک بحر ناپیدا کنار کو ایک جوئے خوش آب میں تبدیل کرنا ہے جس کا سلیقہ ہر کس و ناکس کے قابو میں نہیں، بیان میں جذبات کا ایک ہم آہنگ تواتر ہے اور سطروں کے بیچ سے یہ بات اُبھرتی نظر آرہی ہے کہ جن کا بیان ہے ان کی خوبی اور محبوبی سے مولانا کا دل سرشار ہے، حضرت مولانا کے قلم میں جو ہمہ گیری اور وسعت ہے وہ سب پر ہویدا ہے کوئی بھی ذکر ہو اس کا رشتہ مذہب سے ہوتا ہے، یہ مذہبی جذبہ دل کی گہرائیوں سے بروئے کار آتا ہے اور کوئی شک نہیں ابدیت کا احساس دیتا ہے۔

یہ کتاب مولانا نے کیوں لکھی اس کا بیان آگے آئیگا ابھی تو کتاب میں ذکر کردہ ان قدسی صفات عالی نفوس کا بیان ہے جو احیائے دین کے بانی مبانی تھے جن کا نقش بادِ وقت کے سینہ پر ثبت ہے۔ یہ وہ مبارک لوگ ہیں جنھوں نے مذہب کی تجدید کے ساتھ معاشرے کی تجدید بھی کی ہے حضرت مولانا نے مجدّد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے ابتدا کی ہے اور علامہ سیّد سلیمان ندویؒ پر خاتمہ کیا ہے بیچ میں دیگر جلیل القدر ہستیوں کا بیان آتا ہے، گو زیادہ فاصلہ نہیں لیکن زمانے بدلے ہوئے ہیں مگر ان زعیموں کی قوتیں اپنے اپنے مرتبہ اور اہمیت کے مطابق ایک دوسرے کے شریکِ عمل ہیں۔ یہ شیرازہ بندی مکان اور زمان کی پابندیوں سے آزاد ہے، یہاں تخیل کی کارفرمائی نہیں بلکہ حقیقت کا بیان ہے ان بزرگوں نے اپنے پیش رووں کے افکار میں ردّ و بدل نہیں کیا ہے بلکہ حکمت و بصیرت کے خزانے کو بانٹتے چلے گئے ہیں وہ خزانہ جو کبھی خالی نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ کوئی زمانہ (خیر القرون کو چھوڑ کر) گناہ سے بری معصوم لوگوں کا زمانہ نہیں رہا ہے، ہر زمانہ کو مصلح اور مجدّد کی ضرورت رہی ہے ان بزرگوں نے جو قدریں پیش کی تھیں وہ ازلی اور ابدی قدریں ہیں، اسلامی معاشرہ کے عناصر ترکیبی یہی قدریں ہیں۔ ان بزرگوں کو خیر کا بے مثال شعور تھا۔ ان کا اول اور آخر قرآن اور حدیث تھا جن سے شریعت بنی ہے، سنتِ رسولؐ سے ذرا سی بھی روگردانی ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

ادھر ایک طبقہ نے جماعتی مفاد یا شخصی مصلحت یا ایک خاص مشرب اور طریقہ کو فائدہ پہونچانے کے لیے ان بزرگوں کی بنا کردہ دینی تحریکوں، دعوتی سرگرمیوں اور اصلاحی کوششوں کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے اور تعلیمی مرکزوں کے سلسلے میں شکوک اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش شروع کی ہیں۔ یہ کتاب اس کے ازالہ کے لیے لکھی گئی ہے۔

مصنف کتاب نے اس رکاکت۔ اس شماتت کے توڑ کے لیے کوئی الزام نہیں لگایا ہے ان کی تحریر خالص ایجابی ہے۔ خیالات اور احساسات کا طلسم پیچ و تاب نہیں۔ کہیں شک اور ناامیدی نہیں۔ ایسی حقیقتوں کا بیان جو خود اپنی سچائی کی گواہ ہیں۔ بہت ضروری مقصد کو سامنے رکھ کر کتاب لکھی گئی ہے۔ حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ انھوں نے غیر جانبدارانہ طریقہ پر تاریخ کے صحیح واقعات کی روشنی میں پوری دیانت داری کے ساتھ ان دعوتی و اصلاحی تحریکوں، تعلیمی اداروں اور فکری اور تربیتی مراکز کا مختصر تعارف پیش کرنے اور عقائد کی تصحیح کرنے۔ قرآن اور حدیث سے عوام کا رشتہ جوڑنے اور شرک و بدعت کی نفرت اُن کے دلوں میں بٹھانے میں ان دینی مدرسوں اور دعوتی تحریکوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان پر روشنی ڈالی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کو پڑھ کر قارئین اُن عالمگیر دعوتی اور اصلاحی تحریکوں، تعلیمی اور تربیتی اداروں اور ان سے نسبت رکھنے والی قابل احترام شخصیتوں کی دینی خدمات سے واقف ان کی اصلاحی کوششوں سے آگاہ۔ اور عقائد کو صحیح کرنے میں ان کی قربانیوں اور حیرت انگیز کامیابیوں سے روشناس ہوں گے

اِن بزرگانِ دین کے احوال کا بیان حضرت مولانا نے جس طرح کیا ہے وہ یاد دلاتا ہے کہ مومن مومن کا آئینہ ہے فلسفیانہ انشاء ابدی صداقتوں پر ضوافگنی۔ ان بزرگوں کے فکر اور عمل کے

روپ میں حسن کے مظاہر کا بیان مسلمانوں کی زندگی اور مذہب میں جاندار تعلق پر زور، غرض یہ وہ کتاب ہے جو ایسا کوئی شخص نہیں لکھ سکتا جس کا علم بے پناہ اور مزاج غیر معمولی حساس نہ ہو، مرے پر خامہ نوائے سروش ہے میں نے لکھا ہے کہ کتاب اولی الابصار کے لیے ہے۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہ نکالا جائے کہ یہ صرف برائے خواص ہے۔ ایک عامی کے لیے بھی غالب کا یہ مصرعہ حسب حال ہوگا" میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے" میرا مطلب نگاہ کی نہیں بلکہ دل کی بصارت اور بصیرت سے ہے۔

جن کا بیان ہے ان پر پہلے بھی حضرت مولانا بڑے شاندار مضامین اور کتابیں لکھ چکے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ پر تاریخ دعوت و عزیمت کی دو ضخیم جلدیں تصنیف کی ہیں جو دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ پر مولانا کی تصنیف وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس کے ٹکر کی کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے کارنامے کا مفصل بیان ہے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے حوالے حضرت مولانا کی بیشتر کتابوں میں مل جائیں گے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ حضرت مولانا محمد الیاسؒ۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ پر مولانا کے لکھے ہوئے بہترین اسکیچ پرانے چراغ میں شامل ہیں یہ کراماتی اسلوب ہے کہ اس کتاب میں ان بزرگوں کے سوانح اور کارناموں کا بیان اختصار سے ہے مگر سرسری نہیں، ان بزرگوں کی عظمت کا پورا حق ادا ہوگیا ہے بقول حضرت مولانا ان حضرات نے آدم گری، مردم سازی اور روحانی تزکیہ اور تربیت کا کارنامہ انجام دیا۔ ایسے مردان کار تیار کیے جو حمایت شریعت اور محو بدعت کا عظیم الشان کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

پھر دینی علوم کی بقا اور شریعت اسلامی کے تحفظ کے لیے دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم جیسے شاندار مدارس کا قیام عمل میں آیا۔ ندوۃ العلماء جس کی تاسیس حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی جن کے رفیق علامہ شبلی نعمانی تھے۔ یہ ادارہ قدیم اور جدید دونوں میں اپنا اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ اس کے عالی شان فرزندوں کی تصانیف کے حوالے سے لوگ سند اعتبار حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اُن کو نیک ہدایت دے جو بقول حضرت مولانا کے بے مقصد جہاد اور بغیر دشمن کی جنگ لڑنے پر آمادہ ہیں کیا یہ زمانہ انہی باتوں کا ہے۔

یہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی اس کا ترجمہ میاں جعفر مسعود حسنی نے کیا ہے ایسی سلیس عبارت لکھنا کچھ ان ہی کا حصہ ہے۔ مولانا واضح رشید ندوی جیسے ادیب شہیر کے فرزند نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے نہ اس کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے، اس لئے کہ تم میں سے جس کا انتقال ہو جائے گا۔ اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور یہ کہ صاحب ایمان کا اپنی زندگی سے (خیر ہی) میں اضافہ کرے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث ۲۶۸۲)

تصحیح فرمالیں :- تعمیر حیات

شمارہ ۲۵ مئی ۱۹۹۶ء

ص ۱۰ کالم ۲ سطر ۱۰ کی عبارت اس طرح پڑھئے۔ "حتیٰ کہ جو شخص شہادت کی تمنا رکھے اور اپنے بستر پر مرے وہ بھی شہید"۔



حاصل تصوف حصول رضائے الٰہی ہے جس کا طریق شریعت کے تمام شعبوں (عقائد، عبادات معاشرت، معاملات اور اخلاق ظاہرہ و باطنہ) میں نفس کو تابع شریعت بنانا ہے، مشائخ کرام جو اذکار واشغال تلقین فرماتے ہیں درحقیقت ان سے مقصود نفس کے اندر یہی استعداد اور ملکہ پیدا کرنا ہے کہ احکام شریعت پر عمل اور نفس کا مقابلہ آسان ہو جائے جو بغیر تقویٰ، خدا ترسی اور جوابدہی کے احساس کے نہیں ہو سکتا. غرض یہ کہ صرف ذکر و عبادات پر اکتفا نہ ہو بلکہ اسی اہتمام کے ساتھ معاشرت و معاملات کی طرف بھی توجہ ہو، اگر شریعت کے ان شعبوں میں سے کسی شعبہ میں معتدبہ کوتاہی ہوگی تو یہ مانع طریق ہے. تصوف و طریقت کے اس پہلو کو خانقاہ تھانہ بھون نے جس صراحت اور تفصیل و تشریح کے ساتھ واضح کیا ہے وہ وہاں کی ایک ایک امتیازی خصوصیت اور نشان بن گیا ہے. ذیل کے اقتباس میں چند مختصر لفظوں میں اسی طرز اصلاح کا رنگ اور مقصود حقیقی کی طرف رہبری اور ایک کم ہمت شخص کی حوصلہ افزائی کی شان ملاحظہ فرمائیں. اپنی کاہلی، سستی اور غفلت کا شکوہ کیا گیا ہے اس پر ارقام فرمایا ہے:-

"حسب فرصت لگے رہیں گو قلیل معمولات ہوں لیکن معاملات صاف رکھنے کا اہتمام ہو. کسی کو اپنے سے رنج نہ ہو تقویٰ کا خیال آنکھ، زبان، کان، کی نگرانی."

ایک اور عریضہ میں اپنی سستی کا شکوہ کیا گیا تھا تو ارشاد ہوا کہ "طلب اور سستی جمع نہیں ہوتی" اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت، واقعی طلب ہی مفقود ہے اب یہ منزل ہے جہاں یاس و ناامیدی بسا اوقات اپنے بھیانک بازو پھیلا کر راستہ تاریک کر دیتی ہے اور سالک اس تاریک بھنور میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے، شیخ کامل ایسے ہی موقع پر اس وادی پر خار سے اس طرح ہنستا کھیلتا نکال لیجاتا ہے کہ رہرو کو اس خطرہ کا احساس تک نہیں ہو پاتا. چنانچہ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مفقود نہیں مستور ہو جاتی ہے اسی لیے پھر موجود ہو جاتی ہے."

عرض کیا گیا تھا اب کیا کروں؟ تحریر فرمایا:-

"لگے رہیئے کبھی کھڑے کبھی پڑے ایک دن اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہو ہی جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ."

ذکر و شغل اور ریاضت و مجاہدہ کے سبب بعض اوقات طرح طرح کے خواب نظر آنے لگتے ہیں

یہ خواب اگر خوش کن ہوں تو یقیناً "مبشرات" میں سے ہیں لیکن مقصود کسی درجہ میں بھی نہیں اور نہ شرعاً کسی طرح حجت اور دلیل خوابوں کے سلسلے میں غلو اور بے اعتدالی کے سبب بہت سی کمزوریاں عقائد و اعمال میں در آئی ہیں اسی لیے مجدد تھانوی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں جب کوئی سالک اپنا خواب لکھتا تو آپ جواب میں اکثر یہ شعر تحریر فرما دیا کرتے تھے ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بہر حال یہ عرض کرنا ہے کہ اسی طرح کا ایک خواب بہت خوش خوش حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں لکھ بھیجا اور بزعم خویش اپنی نادانی کی بنا پر اس کا منتظر رہا کہ جواب عمدہ تعبیر اور مبارکبادی کا آتا ہوگا لیکن جواب آپ ملاحظہ فرمالیں کہ نہ کوئی تعبیر بتائی گئی اور نہ مبارکبادی دی گئی بلکہ انتہائی حکیمانہ اور مشفقانہ طریق سے اس طرح کے مزعومات کی بیخکنی ہی فرمادی گئی تحریر فرمایا.

"خوابوں کی طرف التفات ہی کیوں ہو. اعمال کا اہتمام ہو. وحی کسوٹی ہو"

کہ درحقیقت جس طرح "فقہ ظاہر" کا معیار وحی الٰہی ہے اسی طرح "فقہ باطن" یعنی احسان و تصوف کا معیار بھی وحی ربانی ہی ہے کہ اول میں انسان کے ظاہری احوال کے احکام بیان کیے جاتے ہیں اور ثانی میں انسان کے باطنی احوال و کیفیات کے احکام و قوانین کی تفصیل بیان کی جاتی ہے. اوّل میں اگر نماز کے فرائض و واجبات اور جواز و عدم جواز کی صورتوں سے بحث ہوتی ہے تو ثانی میں خشوع و خضوع اور حضوری و استحضار پر کلام ہوتا ہے. "فقہ ظاہر" پڑوسی کے ظاہری حقوق (مثلاً اس کی ایذا رسانی نہ کی جائے اس کو تنگ نہ کیا جائے، بوقت ضرورت اس کی مدد کی جائے) کے احکام بتاتا ہے تو "فقہ باطن" پڑوسی کے باطنی حقوق (مثلاً دل میں اس کو حقیر نہ سمجھے، اس کی طرف سے کینہ و حسد وغیرہ نہ رکھے) کا حکم دیتا ہے. اور ان دونوں ہی قسم کے احکام کا سرچشمہ اور اصل وحی الٰہی، کتاب و سنت ہی ہے.

آیئے اور اصلاح و ارشاد کی یہ شان بھی دیکھتے چلئے اور یہ خیال میں رہے کہ یہ شیخ خانقاہ کی تعلیم ہے کسی دارالافتاء کا فتویٰ نہیں. عریضہ

جب بھی ارسال خدمت کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جوابی ہی کیا جاتا، ایک عریضہ کا جواب کافی انتظار کے بعد بھی نہ ملا تو اپنی نافہمی اور نادانی کے سبب یہ لکھ بھیجا کہ شاید حضرت والا نے کسی مصلحت کے سبب جواب نہیں عنایت فرمایا۔ اس پر تحریر فرمایا کہ :-

"یہ کس طرح جائز ہے کہ جوابی خط کسی مصلحت سے روانہ نہ کیا جائے"

آپ کو یہ بات چاہے کیسی ہی ہلکی معلوم ہو لیکن اس واقعہ سے انکار مشکل ہے کہ آج کتنے لوگ ہیں جو اس حق تلفی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں اور یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں یہی عریضہ لسبتہً ایک بڑے کاغذ پہ لکھا گیا تھا۔ حالانکہ مضمون اس کے نصف حصّہ میں آجاتا۔ اس پر تنبیہ فرمائی گئی اور ارشاد ہوا۔

"اگر یہ کاغذ دہرا کرکے لکھا جاتا تو نصف کاغذ بچ جاتا پھر کام آتا۔ نصف فضول خرچ ہوا"

ہمارے ذہنوں میں عام طور سے اسراف اور فضول خرچی کا تصور ہی نرالا ہے حالانکہ جو چیز بھی اور جتنی بھی زائد از ضرورت خرچ ہو وہ اسراف میں داخل ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ شکم سیری کے بعد کھانا بھی اسراف میں داخل ہے اسلئے اگر لکھنے میں زائد از ضرورت کاغذ خرچ ہوگا تو وہ بھی اسراف ممنوع ہی ہوگا۔ ان اہم باتوں کو معمولی سمجھ لینے اور اس پر عمل نہ کرنے کے سبب آج کتنے مسائل ہیں جو ہم نے اپنے سر منڈھ لیے ہیں اعاذنا اللہ منہا۔

ایک عریضہ میں غصہ زیادہ آنے کا ذکر کیا گیا تھا اور ساتھ ہی نفس شاطر نے اس کی توجیہ بھی کر دی تھی کہ حرکت بیجا ہی پر غصہ آتا ہے یعنی ناحق نہیں آتا، دیکھئے اس پر کیسی گرفت فرمائی ہے اور نفس کا چور کس خوبی سے پکڑا ہے، فرماتے ہیں :-

"غصہ تو بیجا ہی پر آتا ہے لیکن غصہ کرنے کا محل بھی تو دیکھا جاتا ہے"

پھر آگے اس کا علاج تحریر فرماتے ہیں جو ہم جیسے مغلوب الغضب اور مقہور النفس لوگوں کے لیے ہر وقت دھیان رکھنے کا ہے، ارقام فرماتے ہیں :-

"یہ سوچا کہ خلاف حکم الٰہی مجھ سے بھی کچھ ہوتا ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ درگذر فرماتے ہیں"

اسی عریضہ میں طلبہ کی کم استعدادی، بدمحنتی کی شکایت اور ان کے طرز تفہیم کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں تحریر ہے :-

"اسی طرح کہ بلہجۂ خیر خواہانہ الفاظ خیر خواہانہ استعداد علمی مطالعہ پر ہے۔ اور علم کا اس وقت دور دورہ ہے اس لیے کمال پیدا کرنا چاہیئے اس لیے فہمائش کی جاتی ہے کہ توجّہ خاص ہو۔"

حضرت مسیح الامتؒ کو اس طرف بہت توجہ تھی کہ طلبا علم میں کمال اور مہارت حاصل کریں اور اپنے اندر تحقیق وخود اعتمادی کی شان پیدا کریں۔ خاکسار نے ایک مجلس میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ یہ زمانہ ایسا نہیں ہے کہ دوسروں کے علم پر اعتماد کیا جائے۔ اس لیے خود کمال علمی حاصل کرنے اور تحقیق تک پہونچنے کی سعی کرنی چاہیئے۔

خرابیٔ صحت کے سبب خاکسار ایک عرصہ سے رات کو جلد سو جاتا ہے اور پچھلے پہر سویرے اٹھنے میں دقت ہوتی ہے یا جس کی وجہ سے معمولات بلکہ لکھنے پڑھنے کے کام بھی پڑے رہ جاتے ہیں۔ راہ سلوک ہو یا راہ علم دونوں ہی سراسر ریاضت و مجاہدہ اور محنت و جدوجہد کے راستے ہیں، اس خیال نے اپنے تعطل کی کیفیت دیکھ کر کچھ ملال اور اداسی پیدا کر دی۔ حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں اپنا یہ حال لکھا تو تحریر فرمایا :-

"کچھ ملال خیال نہ چاہئے حسب فرصت وصحت وسہولت جو ہو جاوے بس کافی ہے، صرف سستی مانع نہ ہو، البتہ نفس کی نگرانی بشدت ہو۔ خاص کر۔ آنکھ۔ زبان کی رکاوٹ۔ کان۔"

دیکھا آپ نے ان چند جملوں میں پورے تصوف کی تعلیم فرما دی کہ "لایکلف اللہ نفساً الاوسعھا" فرائض وواجبات کی ادائیگی کے بعد اوراد ومعمولات حسب صحت وفرصت ہوں، البتہ سستی اور کاہلی کا دخل نہ ہو اور نفس کی نگرانی سے غفلت نہ ہو کہ یہ اسپ شوخ بیماری وضعف میں بھی شوخی سے باز نہیں آتا اور ذرا چوکے تو قعر معصیت وہلاکت میں گرا کر ہی چھوڑتا ہے اور بالخصوص آنکھ، زبان، اور کان، کو ہی اپنا آلۂ کار بناتا ہے کہ یہ تینوں اعضائے انسانی۔ اگر انکی پوری نگرانی نہ رکھی جائے تو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی کے تلف کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں اس لیے ارشاد ہوا کہ خاص کر ان کی نگرانی ضروری ہے۔

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

قسط نمبر ۱۱

پروفیسر وصی احمد صدیقی

حکومت شرعیہ کے عمال اور غازیوں کا قتل عام

پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک منصوبہ بنایا گیا کہ حکومت شرعیہ کے ان عمال محصلین، قضاۃ و محتسبین اور ان غازیوں کو جو پنجتار کے علاوہ پورے علاقہ میں جابجا متعین اور مقرر تھے ایک ہی وقت میں قتل کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کا سب سے بڑا سبب اور محرک سرداروں خوانین اور ملاؤں کے ذاتی اغراض اور مصالح تھے سید صاحب کے سبب سے ان کے فوائد پر زد پڑی اور نظام شرعی کی مضبوطی سے وہ اندیشناک ہوئے۔ مال کی محبت جاہ و منصب کا شوق ان کے رگ رگ میں تھا۔ ذاتی اغراض کے سامنے دین ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا (مسلمانوں کی تاریخ اغراض پرستی کے ایسے افسوسناک واقعات سے داغدار ہے)۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ صوبہ سرحد اور افغانستان میں شریعت اسلامی کے بالکل متوازی ایک دوسرا آئین اور قانون صدیوں سے رائج تھا جس پر وہاں کے لوگ آسمانی شریعت کی طرح عامل و راسخ تھے۔ عنایت اللہ سواتی کا اعلان جو اس نے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے جواب میں لکھا۔

تم کتاب و سنت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے۔ قرآن و سنت اور علما سب تمہاری طرف ہیں لیکن وہی احکام جو کتاب اور سنت سے ثابت ہیں ہمارے اوپر شاق ہیں، ہم جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہم غالب آئے تو اپنے رسوم افغانی پر قائم رہیں گے۔ اگر تم غالب آئے تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے۔

یہ وہاں کی عام ذہنیت تھی۔ اسی نے ایسی قساوت اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرایا جس نے میدان کربلا اور واقعہ حرّہ کی یاد تازہ کر دی۔ مولانا خیرالدین صاحب شیرکوٹی نے اس قتل عام کا بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا۔ یہ سب ان کے غیر اسلامی رسومات کے بند کرنے سے ہوا اور اس عُشر نے جس کا ذکر پہلے آیا ہے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ یہ بات بھی تھی کہیں کہیں عمال کی طرف سے بدعنوانی اور تعدی کے واقعات بھی پیش آئے۔

مجاہدین کے ساتھ جنگ کرنے میں جو بعض مسلمان سردار اور باغی قتل ہوئے اور ان کے علاقہ پر جو قبضہ ہوا اس کو وہاں کے نام نہاد علماء نے بالکل دوسرا رخ دیا۔ کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے جان و مال کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور بلا وجہ شرعی دست درازی کرتے ہیں۔ انھوں نے مجاہدین کو باغی اور باغی مقتولین کو شہید کہا۔ سید صاحب کے متعلق مشہور ہوا کہ نہایت درشت مزاج، زود رنج اور غضبناک آدمی ہیں ان الزامات کی تردید کے لئے سید صاحب نے علمائے پشاور کے نام ایک پرزور اور مدلل خط لکھا اور ہر الزام کا نہایت مناسب جواب دیا۔

فتنے کا آغاز

ایک دن مولوی مظہر علی عظیم آبادی کا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ چند روز سے یہاں پشاور میں اور سردار محمد خاں کے دربار میں ملک سمہ کے خوانین کے آدمیوں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے۔ یہ معلوم نہیں اس کا سبب کیا ہے سید صاحب نے جواب لکھا کہ اس سے پہلے سمہ کے خوانین اور درانیوں میں نا اتفاقی تھی۔ اب اتفاق ہو گیا ہے۔

پھر سید مظہر علی صاحب سے سلطان محمد خاں کے دربار میں علماء سے سوال و جواب ہوئے۔ یار محمد خاں کے قتل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے سید مظہر علی صاحب کو دلائل دینے پڑے۔ امامت اور بغاوت کے مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ علمائے دربار نے حضرت علی کا قول نقل کیا کہ منافقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ تک تھی۔ اس کے بعد یا تو کھلا کفر ہے یا اسلام۔ دوسرے یہ کہ منافقین کا قتل بھی ممنوع ہے۔ عبداللہ بن ابی کو مثال میں پیش کیا۔ سید مظہر علی صاحب نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے رجوع کیا۔

ایک مخلص جو پنجتار کے قریب کی مسجد کے امام تھے اطلاع دی کہ خوانین سب کافر ہو گئے ہیں پروگرام یہ بنا ہے کہ آج کے چھٹے روز سارے غازیوں کو جو یہاں متعین ہیں قتل کر دیا جائے۔ سید صاحب نے اس خبر کو صحیح نہیں سمجھا۔

پھر شہادتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا سب سے پہلے مولوی مظہر علی اور اسباب فیض اللہ کو چار غازیوں کے ساتھ شہید کیا۔ سید صاحب نے سمہ کے دیہات میں جو مجاہدین متعین تھے ان کو بلانے کے لئے اور اکٹھا کرنے کے لئے فرمایا، مگر لوگوں نے اس بلانے کی صحیح وجہ نہیں سمجھی اور اطمینان سے چلنے کا پروگرام بنایا۔ وقت سے پہلے ہی ان لوگوں نے

ہدین پر حملہ کر دیا اور تقریباً سب شہید ہو گئے۔ حاجی
در شاہ، مولوی رمضان شاہ اور ان کے ساتھی سب
ہید کر دیئے گئے۔ مینسلی میں مسجد میں مجاہدین کا
صرہ کر لیا۔ علما اور سادات اور عورتوں نے بڑی
نامد کی کہ ان کو نہ مارا جائے۔ ہندوؤں نے سفارش
مگر قتل عام سے کوئی نہیں بچا۔ ملاؤں نے بڑی
اُت سے کام لیا اور اپنے گھروں میں مجاہدین کو
پایا۔ اس سلسلہ میں استقامت اور وفاداری کے
ت اچھے نمونے دیکھے گئے۔ حاجی محمود خاں اور
ن کے ساتھ موضع سُدُرم میں شہید کر دیئے گئے
رض قتل و غارتگری کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولوی
ہر الدین صاحب لونڈ خور میں تھے۔ ان تک اطلاع
ونچی۔ انھوں نے بڑی حکمت عملی سے کام لیا۔ بلوائیوں
د دہشت میں مبتلا کیا اور پڑاں غار کی طرف جانے کا
ادہ کیا۔ اخوند گل ایک پشاوری مخلص عالم نے راہ
نشاندہی کی۔ ایک مہینہ تک وہاں قیام رہا۔ پھر ایک
الب علم کے ذریعہ سید صاحب تک پیغام پہنچا اور
نھوں نے آدمی بھیج کر سب کو جو چلنے کے لائق تھے
بلوالیا۔ چھتر بائی اور امب کے مجاہدین بخیر رہے۔
پائندہ خاں نے امب پر آ کر اپنے مکانات کو خالی کرنے
کے لئے کہا۔ مجاہدین نے یہ بات منظور نہیں کی اور
۲۷ دن تک مجاہدین اور پائندہ خاں کے لشکر کے
ساتھ جنگ چلتی رہی۔

سکھوں نے پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری قدر کریں گے اور ملازم رکھیں گے۔ اس پیغام کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔ اس طرح پائندہ خاں نے بھی پیغام بھیجا۔ اسے بھی رد کر دیا گیا، پھر سید صاحب کے حکم سے گڑھی خالی کر دی گئی۔

جا بجا سے سید صاحب کے پاس غازیوں کی شہادت کی خبریں آرہی تھیں۔ ایک روز سردار فتح خاں کی قوم کے لوگ آئے اور فتح خاں کے حجرے میں اترے۔ پھر متواتر ایسی جماعتیں آتی رہیں اس کی وجہ ان لوگوں نے سید صاحب کی مدد بتائی لوگ فتح خاں کو اس خرابی کا بانی سمجھ رہے تھے اور حملہ کر کے سب کو زیر کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ سید صاحب نے اس کی اجازت نہیں دی مگر فتح خاں سے گفتگو کی۔ فتح خاں (دل میں) بہت نادم ہوا اور ان لوگوں کو رخصت کیا۔ فتح خاں پنجتاری بھی آیا اور مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ علما اور سادات کو سید صاحب نے جمع کیا اور اس فساد کی وجوہات کی تحقیق کی۔ ان لوگوں نے مجلس سے اٹھ کر آپس میں کئی روز گفتگو کی اور سید صاحب سے آکر کہا کہ ہمیں اس کشت و خون کی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا سبب وہی لوگ جانتے ہوں گے جنھوں نے یہ معاملہ کیا۔

ان لوگوں سے جب گفتگو کی گئی تو وہی الزامات لگائے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور وہ خطوط دکھلائے جو اس محضر کی نقل تھے۔

حضرت نے اعلان کیا کہ وہ ہجرت کریں گے نماز جمعہ کے بعد تقریر کی۔ تمام سامعین پر حال سا طاری تھا اور اکثر کے آنسو جاری تھے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے جہاد کے لئے نوکر رکھنے کی مصلحتیں بتائیں مگر سید صاحب نے اسے قبول نہیں کیا، پھر مولوی صاحب نے ہجرت کو نامناسب کہا اور اس کے لئے وجوہات بتائیں مگر سید صاحب نے کہا کہ اب یہاں قیام کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ مخلص تھوڑے ہیں اور مفسد بہت ایک بار ان سے دھوکہ کھا کر پھر ان میں رہنا دینداری اور ہوشیاری سے بعید ہے (مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا)۔

ہجرت کا دوسرا سفر

چار مشہور سردار اس بات کے داعی تھے کہ سید صاحب سمہ سے ہجرت کر کے ان کے پاس آجائیں سلطان زبردست خاں ملک کھکھا میا کا سردار، دوسرا ناصر خاں سواتیوں کا سردار، تیسرا حبیب اللہ خاں خیل پکھلٹی کا سردار، چوتھا سردار عبد الغفور خاں ملک اگروڑ کا خان۔ جب آپ کے ہجرت کی خبر مشہور ہوئی تو جو عالم، مخلص اور معتقد موجود تھے آئے اور سمجھانے لگے کہ آپ ہجرت نہ کریں۔ فتح خاں بھی اسی درخواست کے ساتھ آیا۔ ملا شریعت نے کہا کہ یہ اسلامی ملک ہے۔ جو بد عہدی ان سے ہوئی ہے گناہ کبیرہ سے زیادہ نہیں اس لئے اس ملک سے ہجرت از روئے شریعت جائز نہیں۔ سید صاحب نے انھیں عقلی دلیل سے سمجھایا۔ وہ شریک ہجرت ہوئے۔ سید صاحب نے ان مستورات کے لئے جو ہجرت کر کے آئی تھیں حرمین شریفین تک پہونچانے کی خوانین سے درخواست کی۔ فتح خاں سے کہا کہ وہ توپوں کے ساتھ ہجرت کریں گے مگر راستہ میں پڑنے والے علاقہ کے خوانین اس پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر فتح خاں نے ایک بہت دشوار گزار راہ تجویز کی۔

سید صاحب نے سردار فتح خاں کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو شخص بھی ایک نامعلوم منزل تک ہمارے ساتھ چل رہا ہے وہ راستہ کی صعوبتیں سہنے کے لئے اپنے کو تیار رکھے۔ پھر سفر شروع ہوا۔ شہزاد خاں وغیرہ افسوس کا اظہار کرنے آئے۔ سید صاحب نے اسے بچھیرے کا تحفہ دیا گو اس کی منافقت سے آگاہ تھے۔

مجاہدین کی تر و تازگی اور نشاط

سفر سے پہلے آپ نے بہت دیر تک ہجرت و جہاد کے فضائل اور مجاہد اور شہدا کے بلند مراتب کا بیان کیا۔ یہ وعظ سن کر حاضرین کے قلوب از سر نو ترو تازہ ہو گئے۔ جیسے مرجھائی ہوئی کھیتی پانی دینے سے لہلہا اٹھے۔ راستہ بہت دشوار گزار تھا۔ نشیب و فراز اور پیچ و خم سے گزرتے ہوئے پہاڑ عبور کرکے موضع

"کرنا" میں قیام ہوا۔ فتح خاں یہاں سے رخصت ہوا۔ دریائے سندھ سے اتر کر موضع کابل گرام میں پڑاؤ ہوا، آپ نے شکرانہ کا دوگانہ ادا کیا کہ اللہ نے بھیڑوں کے چھتے سے صحیح وسلامت نکالا۔ بلوہ کے متعلق اپنی رائے دی کہ سب فتح خاں کی شرارت تھی، مجاہدین نے الاؤ جلایا۔ پھر وعظ فرمایا کہ یہ ساری صعوبتیں صرف اللہ کے لئے ہیں پھر آگے بڑھ کر موضع راج دواری میں قیام کیا۔ پھر دو بھائیوں میں مصالحت کرائی۔ لشکر کے کھانے کا انتظام موضع کے سرداروں کو روپیہ دے کر کرایا۔

سمہ کا عبرتناک انجام

حضرت کے تشریف لانے کے بعد ملک سمہ والوں کی بڑی خرابیاں اور بے عزتیاں ہوئیں، ہری سنگھ بیس پچیس ہزار فوج کے ساتھ در آیا۔ لوٹ مار کی اور عورتوں اور لڑکیوں کو ساتھ لے گیا۔ صرف ان لوگوں کو جو سید بادشاہ کے باغی نہ تھے بخشا۔ وہاں کے لوگ بھاگ کے حضرت کے پاس آئے مگر حضرت نے پھر فرمایا کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ ماہ شعبان کی تیسری شب کو آپ کے یہاں صاحبزادی کی ولادت ہوئی، ہجرت کی مناسبت سے حضرت نے ہاجرہ نام رکھا۔

سید صاحب کا مقصد ومنشا صرف اللہ کی راہ میں جہاد تھا۔ اکثر غازیوں نے آپ کے ہاتھ پر اصحاب صفہ کی بیعت کی۔ یہاں خدا بخش رامپوری نے اس بیعت کے متعلق علم حاصل کرنا چاہا پھر اس خیال سے کہ مولوی اسماعیل جیسے بزرگوں نے بیعت کی ہے، حضرت سے بیعت کی۔

اس زمانہ میں دادی کاغان کے رؤسا کی امارت سکھوں کے حملہ اور آپس کے نفاق سے تزلزل میں تھی۔ یہ سب لوگ سید صاحب کی اعانت کے طالب تھے۔ ان سب کو مدد دینے اور فوجی قوت حاصل کرنے اور کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے کے لئے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ تھا۔ آپ نے مولوی خیر الدین اور مولانا اسماعیل کو بالاکوٹ جانے کا حکم دیا۔ سب رئیسوں نے وجوہات بتا کر مظفر آباد پر حملہ کرنے کے لئے کہا مگر مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں مولانا کا فرمانبردار ہوں خود مختار نہیں، آپ لوگ مولانا سے ملیں اور اپنے مقاصد بیان کریں۔ پھر چند لوگوں نے سکھوں کی عملداری میں جو بستیاں تھیں ان کو لوٹنے کے لئے اجازت چاہی مگر انھوں نے فرمایا کہ وہاں کی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ وہ کفار کے غلبہ کے سبب سے ان کے محکوم ہو گئے ہیں یہ سند بن جائے گی کہ مسلمانوں کو مسلمانوں کا لوٹنا درست ہے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب بالاکوٹ روانہ ہوئے۔ پہاڑ کی چڑھائی آئی۔ ظہر کے وقت سب نے چشموں سے وضو کر کے نماز پڑھی، ناصر خاں چند گوجروں کے ساتھ آگے آگے چل رہے تھے۔ سخت برف باری ہو رہی تھی۔ عصر کی نماز اکیلے باجماعت سے پڑھی گئی۔ پھر رمضان المبارک کا چاند نظر آیا۔

مولانا اسماعیل اور چند غازی گر پڑے۔ ناصر خاں نے اپنی بولی میں گوجروں کو آواز دی وہ آئے اور سب کو اپنی پشت پر سوار کیا اور سب کو اتار کر اپنے گھر لائے۔ ان گوجروں نے آگ جلائی، غازیوں کو گرم گرم دودھ پلایا اور کئی بکرے ذبح کر کے بھون کر کے دو دو تین تین تکے تقسیم کئے اور کہا کہ اس وقت یہی تمہاری دوا ہے۔

پھر سفر شروع ہوا، یہ نیچے اترنا تھا۔ یہ بہت ہی تکلیف دہ تھا۔ بہر صورت سب لوگ بالاکوٹ میں داخل ہو گئے، سید صاحب نے سرداروں کے مشورہ سے سچوں میں قیام کیا۔ مولانا سے پھر مظفر آباد کی مہم کے لئے درخواست کی گئی۔ مولانا نے ان کو زبان دیدی اور لشکر کا ایک چھوٹا حصہ ساتھ جانے کے لئے مامور کر دیا مگر سلطان زبردست خاں کو بڑے حصہ پر اصرار تھا۔ مولانا نے اس میں منافقت محسوس کی۔ مولوی خیر الدین نے اس لشکر کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ مجاہدین دریا میں بسم اللہ کہہ کر داخل ہو گئے۔ قدرت الٰہی سے دریا اس دن پایاب ہو گیا۔ سکھ گولیاں چلاتے رہے مگر مجاہدین نے پرواہ نہیں کی، بازار اور سلطان مظفر خاں کے مکانات پر قبضہ کر لیا۔ سکھ گڑھی اور چھاؤنی پر قابض رہے۔ اس دوران سید صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کو بھی حکم دیا کہ وہ مظفر آباد جائیں۔

زبردست خاں در پردہ سکھوں سے مل گیا غازیوں کو اس کے نفاق کا اندازہ ہو گیا اور اس سے اصرار کیا کہ چھاؤنی پر قبضہ کریں۔ وہ ٹالتا رہا۔ پھر حملہ کر کے مجاہدین نے چھاؤنی پر قبضہ کر لیا۔ سکھ چھاؤنی چھوڑ کر گڑھی میں گھس گئے۔ مولوی خیر الدین صاحب نے مجاہدین کو اس خودرائی پر زجر و توبیخ کی پھر لوگوں کی سفارش سے معافی دیدی۔ حالات ایسے ہوئے کہ مولوی صاحب کو ایک مہینہ مظفر آباد میں قیام کا اتفاق ہوا۔

شیر سنگھ سلطان نجف خاں کے ساتھ بالاکوٹ کے درّے میں آگیا۔ زبردست خاں نے بڑی بزدلی کا مظاہرہ کیا، سکھ لوٹ مار میں لگ گئے۔ مولوی صاحب وہاں سے روانہ ہوئے۔ برف باری کے سبب سے بالاکوٹ کا راستہ بند تھا۔ پھر مولوی صاحب تپ ولرزہ میں مبتلا ہو گئے۔ سید صاحب کے حکم کے مطابق مولوی صاحب رک گئے اور باقی لوگ روانہ ہو گئے۔ (مولوی صاحب جب چکر کاٹ کر بالاکوٹ کے شمالی پہاڑوں پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ معرکہ ختم ہو چکا ہے اور ان کے اکثر ساتھی شہادت سے سرخ رو ہوئے)۔

ایک روز سچوں میں سید صاحب نے وعظ دیا۔ مسلمانوں کی حالت کو ایک گرتے ہوئے مکان

ے تشبیہ دی اور فرمایا کہ اس کی مرمت اور قائم
کھنے کے لئے سب کے ہاتھوں کی ضرورت ہے،
نظ اتنا دل پذیر تھا کہ حسن علی خاں ایسا رو دیا کہ
م داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس نے کہا کہ
ں جہاد کو اہمیت نہیں دیتا تھا مگر جب اس سید
الی مقام کے چہرے پر میری نظر پڑی تو مجھے یقین
گیا کہ ایسا آدمی اگر ہفت اقلیم کی تسخیر کا ارادہ کرے
اللہ اس کا ارادہ پورا کرا دیگا۔

اب کشمیر کی طرف جانے کا ارادہ ہوا مولانا
ے سید صاحب کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے خط
ھا۔ آپ نے حسن علی خاں اور حبیب اللہ خاں سے
شورہ کیا انھوں نے کہا کہ پہلے آپ دشمن کو شکست
یدیں پھر اس کا ارادہ کریں۔ سید صاحب نے مولانا
سماعیل صاحب کو یہ بات لکھ دی۔ وہ اس سے متفق
تھے مگر سید صاحب کی الفت اور احترام میں
اضی ہو گئے۔ شیر سنگھ کی نقل و حرکت کی اطلاع مل
ہی تھی۔ اس نے بالا کوٹ جانے کے لئے راستہ
لاش کیا۔ مولانا نے شیر سنگھ کے لشکر پر شب خوں
مارنے کا ارادہ کیا مگر سید صاحب کی طلبی کا خط
آ گیا۔ سید صاحب کی فرمائش پر مولانا ظہر اور عصر
ے بیچ مشکوٰۃ شریف کا درس دینے لگے۔ ایک مہینہ
ک یہ سلسلہ چلا۔ درہ کا غاخاں کے رئیس سید ضامن
شاہ آئے اور بیعت کی۔

پھر سید صاحب نے جہاد کی ترغیب کے لئے
تقریر کی۔ پھر سید صاحب نے دعا کا پروگرام بنایا،
سید صاحب ایک کمرے میں تنہا اور مولانا اسماعیل
غازیوں کی جماعت کے ساتھ عصر کے بعد دعا میں
مشغول ہونے لگے، گوجر لوگ ملنے آئے۔ سید صاحب
نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی۔

(جاری)

نعت

ناز الاعظمی، پرتاب گڑھ

ذکر اس کا ہے اور با چشم پُرنم — نازاں ہے جس پر تاریخ آدم
ایمانِ مطلق ارشادِ محکم — نورِ مجسم جانِ دو عالم

روحِ ہدایت احمدؐ بہ نامے
یثرب مقامے، بطحیٰ خرامے

ابھرا ہے جب سے رحمتی کا تارا — طوفاں بکف ہے عالم ہی سارا
بے سود کشتی، چھوٹا کنارا — ختمِ رسل کا بس اک سہارا

ذاتِ رفیقش، خاصے بہ عامے
کہنہ گلیمے، تازہ پیامے

ہوتا نہیں گر فیضِ الستی — دنیا اجڑ کر شاید نہ بستی
ظلِ نبی سے یہ نورِ ہستی — جس نے مٹائی باطل پرستی

مہتاب دستے خورشید گامے
صبحش چہ صبحے، شامش چہ شامے

نغمہ جنوں نے گایا نہیں تھا — رمزِ نبوت پایا نہیں تھا
خلوت میں کوئی آیا نہیں تھا — جلوہ تھا لیکن سایا نہیں تھا

صدیق اکبرؓ قائم مقامے
در دینِ احمد، اوّل امامے

خاموشیوں میں اعلانِ ایماں — کوئے طلب میں سروِ چراغاں
شمشیرِ عریاں تدبیرِ رخشاں — تقویمِ عالم قیومِ دوراں

فاروق اعظمؓ مردِ عوامے
حرفِ جدیدے نقشِ دوامے

عثمانیت سے غم کوش رہنا — صبر و رضا میں پرجوش رہنا
جس نے سکھایا ذی ہوش رہنا — خنجر کے نیچے خاموش رہنا

خوں در گلوئے قرآں بہ کامے
محوِ کلام و خود لا کلامے

جسمِ علیؓ میں تھی جانِ کامل — علم و عمل کی اک شانِ کامل
ایمانِ کامل عرفانِ کامل — نانِ جویں اور انسانِ کامل

جذبِ عظیمے فکرے تمامے
مولیٰ بہ جیب و کوثر بہ جامے

پھر شمعِ ایماں ضو بار رہی ہے — بزمِ سیاست تھرا رہی ہے
تاریخِ ماضی دہرا رہی ہے — کعبے کی جانب خلق آ رہی ہے

منزل بہ منزل گامے بہ گامے
عالم مسافر، کعبہ مقامے

تحریر۔ ڈاکٹر عماد الدین خلیل
ترجمہ۔ مطیع الرحمٰن عوف ندوی

نمبر ۳

علوم وفنون پر اسلام کی چھاپ

ظہور اسلام کے وقت ثقافتی دھارا جس رخ پر بہہ رہا تھا اسلام نے اس کو اس کے مخالف سمت کی طرف پھیر دیا اور یہ انقلاب ظاہری طور پر اچانک آیا لیکن باریک بیں مؤرخ یہ جان سکتا ہے کہ اس کے اسباب تدریجی طور پر مہیا ہوتے رہے یہاں تک کہ یہ ایک ثقافتی دھارا بن گیا۔ اور جزیرۃ العرب سے ان سامیوں کا جوش وجذبہ مع اپنے دین اور زبان کے مشرق میں چین کی حدود تک اور مغرب میں پیرانس کے پہاڑ تک پھیل گیا۔[1]

معاصر برطانوی مستشرق منٹگمری واٹ دیگر ثقافتوں پر مسلمانوں کے احتوا اور ان کے غلبہ کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے: "اس کا اصل سبب ان کا یہ یقین ہے کہ وہ دوسروں سے افضل ہیں اس احساس برتری کا تعلق بڑی حد تک اسلام سے ہے جس کو مسلمان اللہ کی عبادت کی سب سے پاکیزہ اعلیٰ قسم تصور کرتے ہیں، برتری کا یہ تصور شور وہنگامہ کے ساتھ نہیں پھیلایا گیا کہ اس سے شک وشبہ پیدا ہو بلکہ یہ آہستہ آہستہ غالب آتا رہا۔ دوسروں کے علوم اور ان کی حکومتوں پر حاوی ہونے کا عمل بڑا عمیق اور وسیع تھا جو لوگ پہلے دوسرے افکار ورسوم پر کاربند تھے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اسلامی تعلیم اور تصور کے مطابق ان کو قرآنی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھالیں۔ اس طرح ان کے علوم وافکار اسلامی فکر کے بنیادی دھارے میں شامل ہو گئے اور ایک مستقل اسلامی تہذیب پروان چڑھی[2]، واٹ کا خیال ہے کہ ان مستقل اسلامی علوم نے یورپ کو اس عالم کا ایک نیا مفہوم دیا اس کے ذریعہ علمی سرگرمیوں میں وسعت پیدا ہوئی اور کائنات کا وسیع تر ماوراء الطبیعی نظریہ وجود میں آیا اور باوجودیکہ مذہبی مطالعہ (عیسائیت) کائنات کے مطالعہ کا سہارا نہیں لیکن انسان زیادہ مدت تک اس کائنات اور اپنے معتقدات کے درمیان جس میں وہ زندگی گزار رہا ہے تناقض برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے یورپ کے مذہبی رہنماؤں نے عیسائی مذہب اور جدید اسلامی علوم کے درمیان مطابقت شروع کردی۔[3]

آخر میں ان قیمتی آراء کا ذکر کرنا مناسب ہوگا جن کو برطانوی مفکر روم لانڈو نے اس موضوع سے متعلق پیش کیا ہے وہ مغرب اور اسلام کی علمی تحریک کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مغربی علم نشاۃ ثانیہ کے عہد میں مذہب سے پوری طرح جدا ہو گیا بالفاظ دیگر علم نے جو راستہ اپنایا وہ اخلاقی مطالبات اور علم اخلاق کی طرف رخ نہیں کرتا، مغربی انسان نے سائنسی علوم کے بارے میں جس قدر معلومات حاصل کیں اور اس کے بارے میں اس نے غلبہ حاصل کیا اسی کے ساتھ اس کی اخلاقی پیش قدمی میں کمی آتی گئی۔ یورپ نے قرون وسطیٰ میں کلیسا کے اقتدار سے آزاد ہو کر محض علم کو دینی عقائد سے الگ نہیں کیا بلکہ انھیں ایمان اور اخلاقی قیود سے بھی جدا کر دیا لیکن اسلامی علوم کبھی بھی دین سے جدا نہیں ہوئے بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دین ہی اس کی بنیادی اور الہامی قوت ہے اسلام میں فلسفہ وعلوم اس کی دلیل بنے اور اس کی عظمت کا ثبوت؟ اس لئے یہ کہنا عجب نہیں کہ اسلامی علوم مغرب کی طرح انسانی صفات سے کبھی خالی نہیں رہے بلکہ وہ ہمیشہ انسان کے خادم رہے۔[4]

رانڈو اسلام سے پہلے عربوں کی ابتدائی تعلیم کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف دو سو سالوں کے بعد کس طرح یہ ثقافتی ترقی حاصل کی جو ہمہ جہت بھی ہے اور گہری بھی، اسی کے ساتھ وہ اس بات کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ عیسائیت کو اس ماحول کو پیدا کرنے کے لئے جس کا مذہبی تہذیب تقاضہ کرتی ہے ڈیڑھ ہزار سال لگے پھر اس اسلامی رجحان کے بنیادی اسباب وعوامل تلاش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں، اس کا بڑا سبب مسلمانوں کا یہ شوق وجذبہ ہے کہ اللہ نے جس عالم کو پیدا کیا اس کو وہ سمجھیں اور ان حقیقتوں کے بارے میں زیادہ وسیع واقفیت حاصل کریں، دوسرے مادی دنیا کو روحانی دنیا کے بغیر اس کے اوصاف کے ساتھ قبول نہ کرنا بلکہ اس کو ایک دوسرے کے لئے متلازم سمجھنا صحت اور پختگی کے اعتبار سے" ان کے خیال میں کائنات کا ہر عمل اللہ کے حکم سے صادر ہوتا ہے اور اس کی قدرت سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے وہ غور وفکر اور مطالعہ کا مستحق ہے، اس کے بعد رانڈو مندرجہ ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں:۔

> "اسلام میں مذہب اور علم ایک دوسرے کے مخالف نہیں اور اس نے متضاد راستے نہیں اپنائے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دین علم کا بنیادی سبب ہے"۔[5]

آخر میں اس کا اعتراف ضروری ہے کہ ایک تاریخی حقیقت کے طور پر جس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے پوری پانچ صدیوں تک مختلف علوم وفنون کی اشاعت میں فیصلہ کن اقدامات

باقی صفحہ ۱۶ پر

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س :۔ کیا اذان اور اقامت کے درمیان دعا کرنے کی کوئی فضیلت ہے ؟

ج :۔ ہاں ! اذان اور اقامت کے درمیانی وقت میں دعا جلد قبول ہوتی ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی (ابو داؤد، نسائی) ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ حضرت انسؓ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم کیا دعا کریں ؟ فرمایا' اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت طلب کرو"

س :۔ مسجد جانے اور اس میں بیٹھنے کی کیا فضیلت ہے؟

ج :۔ ہاں ! اس کی بڑی فضیلت ہے' حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! " جو شخص مسجد گیا اور آیا' تو جب وہ گیا اور آیا' اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بطور مہمان ایک باغ تیار کرایا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" جب تم کسی آدمی کو بار بار مسجد جاتے اور آتے دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :" اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ" (اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہیں)۔

(احمد، ترمذی)

س :۔ کیا قرآن مجید ہاتھ میں لے کر لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں؟

ج :۔ قرآن مجید ہاتھ میں لے کر لیٹ کر پڑھنا آدابِ قرآنی کے خلاف ہے۔

س :۔ کیا بلا وضو مکمل قرآن مجید ہاتھ میں لے کر یا قرآن مجید کی بعض آیات کو ہاتھ میں لے کر پڑھ سکتے ہیں؟

ج :۔ نہیں ! مکمل قرآن مجید یا قرآن مجید کی بعض آیات کو ہاتھ میں لے کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :" لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ" قرآن مجید کو صرف پاک ہی لوگ چھو سکتے ہیں اور مکمل پاکی انسان کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ باوضو ہو۔

س :۔ کیا بلا وضو اس کیسٹ کو چھو سکتے ہیں جس میں قرآن مجید ریکارڈ کیا گیا ہو ؟

ج :۔ ہاں ! مذکور کیسٹ کو چھونا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

س :۔ زید کے والد کا انتقال ہوگیا' کیا زید اپنے والد کی طرف سے جب کہ اس نے حج نہیں کیا ہے' حج بدل کرسکتا ہے ؟

ج :۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل ایسا شخص کرے جس نے حج کیا ہو' ویسے جس نے حج نہیں کیا ہے اگر حج بدل کرتا ہے تو بھی حج بدل ہو جائے گا۔

س :۔ ایک شخص نے جب سے حج کیا ہے اپنے کو حاجی لکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اسے حاجی کہیں شرعاً اس کا یہ عمل کیسا ہے ؟

ج :۔ لوگوں سے حاجی کہلوانا ریاکاری ہے ہاں اگر خود سے لوگ حاجی صاحب کہہ رہے ہیں تو مضائقہ نہیں ہے۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے ایک قدردان محمد ضیاء اختر صاحب کے والد جناب حاجی محمد مسعود صاحب (بہار) کا ماہ جون ۱۹۹۶ء میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین حضرات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

شمس الحق ندوی۔

سمرقند وبخاری کی بازیافت: از مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء صفحات۔ ٨٣ سائز ١٨×٢٢ ناشر مکتبہ حرا، پوسٹ بکس ٢٣٢٢ ٹیگور مارگ لکھنؤ ٢٢٦٠٠٧

سمرقند وبخاری کی بازیافت کے بعد امام بخاری کی یاد میں انکی آخری آرام گاہ پر ایک بڑی درس گاہ اور مسجد کی تعمیر کے سنگ بنیاد کی تقریب کے موقع پر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کا سفر ہوا۔ مولانا کے رفیق سفر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے سفر سے واپسی کے بعد اس مردم خیز علاقہ کا سفر نامہ لکھا جو ٧٥ سال تک پردہ کے پیچھے رہا، ٧٥ سال تک کفر والحاد کے کہر میں چھپے رہنے والے ان مسلم دیار کے ماضی و حال کو جاننے کے لیے ہر پڑھے لکھے بندۂ مومن کا مشتاق و وارفتہ ہونا عین ایمانی تقاضا تھا، لہٰذا مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے مخلص احباب و دوستوں کے تقاضے سے اپنے اسلوب خاص میں ——— دلکش ——— سفر نامہ لکھا جو بہت پسند کیا گیا اور احباب کے اصرار سے کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔

سفر نامہ کے مقدمہ نگار پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب (سابق پرنسپل پوسٹ گریجویٹ کالج شاہجہانپور اور حال معتمد مالیات ندوۃ العلماء) اپنے قلم کو اس طرح حرکت میں لاتے ہیں۔

"سفر نامہ اگر تاریخ نویسی سے مرکب ہو اور مسافر کو اپنی راہ معلوم ہو تو پھر اس کی تحریر ایک فلسفیانہ عمل بن جاتی ہے۔ اس فلسفیانہ عمل کے لیے ضروری نہیں کہ اس میں تخیل کی کارفرمائی ہو، ہاں اس کے اثر میں مصنف کی جذباتی قوت سے اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر بیان میں وہ جلیل القدر ہستیاں بھی آتی ہوں جن کی تخلیقات اپنے علاقہ اور اپنے زمانہ سے ماوراء ہوں جن کی بلند و بالا شخصیتیں حقیقت اور جمال کا آئینہ دار ہوں، اور جو مثالی اور آفاقی ہوں تو پھر یہ سفر عقد ثریا کے نیچ میں ہو جاتا ہے، ان حضرات کے فیضان قدسی سے ہر دور متاثر رہا ہے۔ ان کے کارناموں میں نیکی اور حکمت، وہبی اور اکتسابی صلاحیتوں کے ساتھ شامل تھی اللہ نے جس بے مثال علم وفضل سے ان کو نوازا تھا اسے اپنی کتابوں سے انھوں نے ہر خاص و عام تک پہونچایا۔ یہ لوگ وہ جوئے خوش آب تھے جن کے کناروں پر نرگس، لالہ، یاسمین سبھی ہی کھلے ہوئے اس خطہ کو پری خانہ بنائے ہوئے تھے۔

در راہ رو بہار پری خانہ آفرید
نرگس دمید لالہ دمید و سمن دمید (اقبال)

بہترین علاقہ اور بہترین لوگوں کی سرنوشت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی کے قلم سے کتنی دل آویز ہو گئی ہے اس کا احساس پڑھنے والے کو کتاب شروع کرتے ہی ہو جائے گا۔

مقدمہ نگار اس دیار کی دل آویز شخصیتوں کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں۔

اقبال کے "نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل" کے مصداق دیکھئے۔ اس آشنا بستی سے نورانی چہرے ابھرتے ہیں اور اپنے متعلق بتاتے ہیں میں محمد بن اسمٰعیل بخاری ہوں تم مجھ سے واقف ہو گے میری ساری زندگی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع کرنے میں گذری ہے، اللہ نے مجھے جتنی صلاحیتیں دی تھیں، میں نے ساری کی ساری ان اقوال کی صحت کی جانچ پر لگادی، دیکھو یہ کتاب میرے علم اور میری زندگی کا نچوڑ ہے تم کہتے ہو کہ یہ کتاب باری کے بعد سب سے صحیح کتاب ہے تم ٹھیک کہتے ہو، میری کتاب الجامع الصحیح البخاری ایسی ہی ہے۔

میں ہدایہ کا مصنف برہان الدین بن علی بن ابو بکر ہوں اگر تم علوم دینیہ کے طالب علم رہے ہو تو میری کتاب تم نے ضرور پڑھی ہوگی، میں فتاویٰ قاضی خاں کا مصنف فخر الدین حسن ہوں میں کشاف کا مصنف محمود بن عمر زمخشری ہوں، میں اصول الشاشی کا مصنف نظام الدین شاسی ہوں، میں مفاتیح العلوم کا مصنف خوارزمی ہوں، میں ابو اللیث سمرقندی ہوں، میں عبید اللہ احرار ہوں، میں تفتازانی ہوں، میں سرخسی ہوں، میں بہاء الدین سمرقندی ہوں، میں ابو النصر فارابی ہوں، میں ابو ریحان البیرونی ہوں، میں ابن سینا ہوں، کیسی کیسی نادرۂ روزگار شخصیتوں کی جھلک مولانا نے دکھائی ہے۔ سب کا بیان نہیں کر سکتے ہیں، کتنے پھولوں کا رنگ مولانا دکھلاتے کتاب جس دیار کے ذکر میں ہے وہ چمنستان ہے۔۔۔

مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے اپنے خال معظم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی معیت میں دنیا کے مختلف خطوں کا

مجلّہ "کاروانِ ادب" ایک تعارف

ڈاکٹر محسن عثمانی، استاذ شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی

اس وقت کچھ رسالے ادب اسلامی کی تحریک کے زیر اثر شائع ہونے لگے ہیں۔ ادبی تحریکات میں ایک ادبی تحریک اس وقت اسلامی ادب کی تحریک ہے اس تحریک کا مقصد عرض ہنر کے آداب کی رعایت کے ساتھ معروض کو بھی احساسات کے لیے مفید تر اور حسین تر بنانا ہے یعنی اسلوب اور ہیئت کے ساتھ مضمون اور فکر بھی درست ہو جس میں خدا اور مذہب کے ساتھ شوخیاں نہ ہوں اباحیت نہ ہو، معاشرہ کو بگاڑنے کی تحریک نہ ہو۔ اسلام کا نظام حیات دراصل عقیدہ اور عمل کی جمالیات کا نام ہے اس نے حسن جمال کو فروغ دیا ہے جس سے ذوق کی پاکیزگی اور نفاست پیدا ہوتی ہے اس سے جو ادب پیدا ہوتا ہے وہ حیات آمیز حیات آموز اور حیات افروز ہوتا ہے۔

اس تحریک کا نام اسلامی ادب رکھا جائے یا نہ رکھا جائے اس پر گفتگو کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن یہ نقطۂ نظر ہے بہت طاقتور یعنی یہ نقطہ نظر کہ ادب کو عقیدہ اور اخلاق سے معرا اور مادر پدر سے آزاد نہیں ہونا چاہیئے۔ مریضانہ ذہنیت کو چھوڑ کر باشعور اہل قلم کی اکثریت اسی نقطۂ نظر کی حامی ہے اور اب تو اس نقطۂ نظر کے مؤیدین کی استنبول، لندن، قاہرہ، ریاض، مراکش اور ڈھاکہ میں بڑی بڑی کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں خود ہندوستان میں دارالمصنفین اعظم گڑھ، لکھنؤ، جے پور، بھوپال اور حیدرآباد میں متعدد سیمینار منعقد ہو چکے ہیں عرب دنیا سے نکلنے والا مجلہ "مجلۃ الادب الاسلامی" کا ترجمان ہے جو معیار اور ظاہری دیدہ زیبی دونوں اعتبار سے ہر ادبی عربی مجلہ سے بہتر ہے۔

برصغیر میں اس عالمی تحریک کا ترجمان مجلّہ "کاروان ادب" ہے، جس کا نام ابھی بہت زیادہ معروف نہیں۔ ۱۹۹۴ء سے یہ مجلّہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ مجلّہ رابطۂ ادب اسلامی کی طرف سے شائع ہوتا ہے جس کا دفتر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہے۔ عرب دنیا سے شائع ہونے والے "مجلۃ الادب الاسلامی" میں "کاروان ادب" کے مضامین کے ترجمے اور خلاصے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں اس اعتبار سے "کاروان ادب" اردو کا واحد مجلّہ ہے جس کے مشتملات کو عرب ادبا بھی عربی میں پڑھ لیتے ہیں۔

کاروان ادب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دو تہائی مضامین کے اعتبار سے موضوعاتی مجلّہ ہے یعنی کسی ایک موضوع پر آٹھ دس وقیع تحقیقی ادبی مضامین ہر شمارہ میں شائع ہوتے ہیں ایک تہائی حصہ عام غیر موضوعاتی مضامین افسانوں، انشائیوں غزلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ایک سہ ماہی مجلّہ ہے حجم ضخامت معیار کتابت طباعت ہر اعتبار سے وقیع اور بھاری بھرکم ہے۔ اعزازی طور پر یہ مجلّہ کسی کو بھیجا نہیں جاتا اور نہ مفت کسی کتب خانہ میں آتا ہے چونکہ یہ موضوعاتی مجلّہ ہے اس لیے ریسرچ اور تحقیق کے کام کے لیے مفید ہے اس کی مکمل فائل ہر لائبریری میں رہنی چاہیئے مثال کے طور پر ایک شمارہ کے مندرجات دیکھئے اور مجلّہ کے انداز اور نوعیت کا اندازہ لگائیے:

موضوع: سید احمد شہید کی تحریک کے اثرات اردو زبان اور ادب پر۔

۱. شہداء بالاکوٹ کا مقام اور پیغام مولانا ابوالحسن علی ندوی
۲۔ سید احمد شہید اور ان کی تحریک اصلاح، پروفیسر خلیق احمد نظامی۔
۳۔ زبان وادب پر تحریک کے اثرات، مولانا عبداللہ عباس ندوی۔
۴۔ تحریک کا اثر پشتو ادب پر، پروفیسر محمد اشرف سلیمانی۔
۵۔ معروف اہل قلم کی تصنیفات میں تحریک کی بازگشت۔ محمد راشد ندوی۔
۶۔ کلام اقبال میں شہادت کا رنگ، ڈاکٹر محسن عثمانی

اس شمارہ کے عمومی مقالات

دانتے کی کامیڈی پر اسلامی اثرات۔ پروفیسر حبیب الحق، کاروان عصر نشور واحدی۔ رضوان اللہ فاروقی حضرت عبداللہ بن رواحہ، مولانا سعید الرحمن اعظمی۔

جولائی تا دسمبر ۱۹۹۵ء کا ایک شمارہ سامنے ہے اس کی فہرست ملاحظہ کیجئے

موضوعاتی مقالات "تحریک آزادی اور اصلاح عوام میں ادب کا حصہ۔

حالی اور شبلی، خلیق احمد نظامی۔
ابوالکلام آزاد، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی۔
محمد علی جوہر، محمد خالد ندوی
اکبر الٰہ آبادی، پروفیسر تحسین فراقی۔
ظفر علی خاں، محمد اجتباء ندوی
مولانا حسرت موہانی، مسعود الرحمن خاں ندوی
تعلیمی آزادی اور جامعہ ملیہ، ضیاء الحسن ندوی

عمومی مقالات:۔

اردو افسانہ، ڈاکٹر عبدالباری
ادب اسلامی کی تازہ مطبوعات: محسن عثمانی
اس رسالے کے مستقل مضامین نگار پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی۔

(باقی ص ۱۶ پر)

بقیہ: درسِ حدیث

عبارتوں میں ابھارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "جس بندہ کو بھی اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم بناتا ہے تو اگر وہ اس حال میں مرتا ہے کہ اپنی رعیت کی حق تلفی کی ہے، اس کو دھوکا دیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے"۔ اس فرمان نبوی کی رو سے اسلام ہر فرد کو شریعت الٰہی اور سنتِ رسولؐ کا امین بنا دیتا ہے، اس کے دین و ایمان کا امین بنا دیتا ہے، اپنے نفس و عقل کا امین بنا دیتا ہے، اس کی جماعت و ماتحتوں کا امین بنا دیتا ہے۔ دنیا و آخرت کے انجام کا امین بنا دیتا ہے۔ یہ حدیث بہترین توجہ ناموں میں سے ایک توجہ نامہ ہے۔ معقل مزنی جلیل القدر مشہور صحابی ہیں، وہ بہت سخت بیمار پڑے تو فکرمند ہوئے کہ قول و فعل کی امانت کے بارے کس طرح سبکدوش ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی امانت کو حکام تک کس طرح پہونچائیں، وہ اسی فکر میں تھے، اسی اثنا میں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں بصرہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد، ان کے پاس آئے تو ان کو یہ امانت پہونچا دی۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے ان سے (عبیداللہ بن زیاد) سے کہا کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر میں حالت موت میں نہ ہوتا تو تم سے یہ حدیث نہ بیان کرتا (پھر حدیث بیان فرماتے ہیں)۔ "ما من أمیر یلی أمر المسلمین ثم یجهد لهم وینصح إلا لم یدخل معهم الجنة" جو شخص بھی مسلمانوں کے معاملہ کا ذمہ دار بنے پھر ان کے لئے محنت و مشقت نہ اٹھائے ان کا بہی خواہ نہ ہو تو وہ ان کے ساتھ جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

حضرت معقل کا یہ کہنا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ابھی زندہ رہوں گا تو تم سے یہ حدیث نہ بیان کرتا، شاید اس اندیشے سے ہو کہ ان کو اس صورت حال سے قبل اپنی جان کا خطرہ ہو، انھوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے پاس جو علم ہے اسے لوگوں کو بتا دیں تاکہ وہ اس علم کے ضائع ہو جانے کا سبب نہ بنیں، صورت حال ادائگیٔ امانت کی فکر و اہمیت کی تصویرکشی کر رہی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرض موت میں اس حدیث کے بیان کرنے کا سبب عبیداللہ بن زیاد کی سفاکی تھی جس کو حضرت حسن بصری نے بیان کیا کہ وہ بڑا ظالم تھا اور اس حدیث میں ظالم حاکم کی مذمت ہے، لہٰذا خطرہ تھا کہ اس حدیث کے بیان کرنے والے کی گردن اڑا دے، گویا معقل اس کی گرفت و ظلم سے خائف تھے، اور جب موت کا وقت آگیا تو چاہا کہ اس طرح مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائیں۔

یہ حدیث حاکم کی امانت و ذمہ داری کے حدود کو واضح کرتی ہے، اس سلسلہ میں دوسری حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس موضوع پر (السیاسۃ الشرعیۃ فی إصلاح الراعی والرعیۃ) کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ (جس نے مسلمانوں کے کسی معاملہ کا کسی کو ذمہ دار بنایا) ایسی صورت میں کہ اس کام کے لئے اس سے بہتر شخص موجود تھا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی، اس حدیث کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، بعض لوگوں نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عمر سے فرمایا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا! "جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا گیا پھر اس نے کسی شخص کو محض اپنی دوستی یا رشتہ کی وجہ سے کوئی عہدہ دے دیا تو اس نے اللہ، اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے عہدوں کے اہل اور مستحق لوگوں کی تلاش شہروں کے ان حکام کے ذریعہ سے ضروری ہے جو خلیفہ اور قاضیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں، وہ لشکروں کے کمانڈر ہوں کہ فوجی دستوں کے سپہ سالار، ایسے ہی صیغۂ مالیات کے وزرا و سکریٹری وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ جو بہتر سے بہتر شخص ملے اس کو نائب و عامل بنالے، حتیٰ کہ ائمۂ مساجد اور موذنوں قرا، اساتذہ، حج کے امیر وغیرہ سبھی کے تقرر میں اس کا لحاظ کرنا ہوگا۔

جو شخص بھی مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنے اس پر لازم ہے کہ اپنے ماتحتوں کی تقرری میں اس کا خیال رکھے، کسی شخص کو اس کی درخواست و مطالبہ کی بنا پر نہ مقرر کرے اگر وہ کسی رشتہ، دوستی یا اپنے ہم خیال ہونے کی وجہ سے یا اپنے ہم مسلک یا ہم جنس مثلاً عربی یا فارسی، ترکی و رومی ہونے کی وجہ سے اہل اور مستحق پر ترجیح دے گا یا رشوت کے سبب خواہ وہ مال کی شکل میں ہو یا کسی اور نفع وغیرہ کی صورت میں، یا دل میں اہل کی طرف سے کینہ و ناراضگی کی وجہ سے غیر مستحق کو ترجیح دے گا تو یہ اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمان کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوگا، اور اس کا شمار اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالفین میں ہوگا۔

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ"

اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔

بعض مثالیں

خلفائے بنو عباس میں سے کسی نے علما سے کہا کہ اس ذمہ داری کے سلسلہ میں کوئی عملی نمونہ ہو تو

بیان کریں، انھوں نے جواب دیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان سے کسی نے کہا امیر المومنین خلیفہ ہونے کے بعد تو آپ نے اپنے گھر والوں کو فاقے میں ڈال دیا، ان کو آپ نے فقیر بنا کر رکھ دیا ان کے لئے کچھ بھی باقی نہ رکھا، یہ سنکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ان کو ہمارے پاس لاؤ، جب وہ لائے گئے تو دس کم عمر اہل خاندان تھے جب ان کو دیکھا تو آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور ان سے کہا، اے میرے پیارے بیٹو! ہم نے تم سے تمہارا کوئی حق روکا نہیں ہے اور لوگوں کا جو مال میں لے رہا ہوں اس کو تمہیں دوں اس کا مجھے کوئی حق نہیں، تم لوگ دو قسم کے لوگوں میں سے ایک ہو، یا تو نیک ہو اور اللہ تعالیٰ نیکوں کا نگہبان ہوتا ہے، یا نیک نہیں ہو تو ایسے شخص کے لئے جو نیک نہ ہو ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑ سکتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مدد لے، تم ہمارے پاس سے چلے جاؤ، واقعہ بیان کرنے والے صاحب کہتے ہیں کہ اس تقویٰ اور رعیت کے ساتھ عدل وانصاف اور احساسِ ذمہ داری کی برکت سے ہم نے دیکھا کہ ان کے بعض لڑکوں کے پاس سو گھوڑے تھے، یہ نقد فائدہ تو دنیا میں حاصل ہوا اور آخرت کا معاملہ بے نیاز وکریم آقا کے پاس ہے جو ہمیشہ بہار جنت کی صورت میں حاصل ہوگا۔

حاکم وذمہ دار کو ان احادیث وآیات پر عمل کرنے کی کتنی شدید ضرورت ہے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ اپنے اندر کتنا اعلیٰ ومثالی نمونہ رکھتا ہے جس پر ہر سوجھ بوجھ رکھنے والے حاکم کو غور کرنا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ حکومت وامارت ایک امانت ہے جس کی ادائگی اس کے موقع ومحل پر ضروری ہے جیسا کہ بیان ہوچکا۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امانتیں ضائع کی جائیں تو قیامت کا انتظار کرو آپ سے پوچھا گیا اللہ کے رسول امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا، آپ نے فرمایا: "جب ذمہ داریاں اور معاملات نااہلوں کے حوالہ کئے جانے لگیں"۔

ایک دوسرا قصہ بھی قابل ذکر ہے جو نگرانی وحکومت کی حقیقت کو واضح کرتا ہے، ابومسلم خولانی حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے تو اے مزدور کہہ کر سلام کیا ــــ "السلام علیك أیها الأجیر" حاضرین نے کہا امیر کہہ کر سلام کرو (السلام علیك أیها الأمیر) اس تنبیہ کے بعد بھی انھوں نے اے مزدور کہہ کر سلام کو دہرایا انھیں پھر کہا گیا کہ اے امیر کہہ کر سلام کرو، تین مرتبہ اس سلام وتنبیہ کی تکرار ہوئی تب حضرت امیر معاویہ نے کہا، ابومسلم کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اس کو زیادہ جانتے ہیں، امیر معاویہ کے الفاظ سن کر انھوں نے کہا، تم مزدور ہو تمہیں اللہ تعالیٰ نے رعیت کی نگرانی کے لئے مزدور رکھا ہے۔ جیسے وہ اپنے ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو یاد دلا رہے ہوں "کوئی بھی ایسا حاکم جس کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا نگراں بنائے اور وہ اس کو دھوکہ دے تو اللہ تعالیٰ موت کے بعد اس پر جنت کو حرام کردے گا"۔

یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ مخلوق اللہ کی غلام ہے اور حکام اس کے غلاموں پر اس کی طرف سے نائب ہیں وہ اللہ کے غلاموں کی جانوں کے وکیل وذمہ دار ہیں ایسے ہی جیسے دو شریک کار ایک دوسرے کے نائب وذمہ دار ہوتے ہیں، پھر یہ حاکم وکیل جب کسی کو اپنے فرائض وکاموں کا نائب بنائیں گے اور اس میں زیادہ بہتر اور مناسب آدمی کو بنانے کے بجائے کہ جو کاروبار کی لائن کے لئے موزوں اور مناسب ہوں، کسی نااہل وناموزوں کو بنائیں گے تو وہ اس حدیث کے خلاف ہوگا۔ [1]

حدیث کا فقہی پہلو

۱۔ حاکم کا فرض ہے کہ وہ رعیت کا ہمدرد ہو خواہ ہو وہ دین ودنیا دونوں کے لئے ان کی بھلائی کا کوشاں ہو۔

۲۔ موت سے پہلے علم کا دوسروں تک پہونچانا فرض ہے تاکہ وہ علم کا ضائع کرنے والا نہ بنے۔

۳۔ حاکم یا وکیل جب اہل کو چھوڑ کر کسی ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو تجارت وجائداد وغیرہ کی نگرانی کا اہل نہ ہو یا مال کو اس کی لاگت پر بیچ دے گا باوجودیکہ اس سے بہتر قیمت دینے والا موجود ہے تو یہ اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوگا۔

موجودہ حالات میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے

۱۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ منصب وحکومت ایسی امانت ہے جس کا اہل حق تک پہونچانا واجب ہے امارت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوذر سے فرمانا کہ "وہ ایک امانت ہے جو شخص ذمہ دارانہ طور پر اس بار کو سنبھالے گا وہ تو کامیاب ہے ورنہ یہ امارت قیامت کے روز ندامت ورسوائی کا سبب بنے گی"۔ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۲۔ حدیث یہ بتاتی ہے کہ مخلوق اللہ کا بندہ اور غلام ہے اور حکام اللہ کے بندوں اور غلاموں پر اللہ کے نائب ہیں، وہ وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا حاکموں کو چاہئے کہ بہت دیکھ بھال کر اپنے نائب اور وکیل مقرر کریں اور حتی الامکان نفس کے تقاضہ پر عمل کرنے سے بچیں۔ اللہ ھو الموفق۔

[1] السیاسۃ الشرعیۃ فی الاسلام الخ لابن تیمیہؒ



پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۳ | ۲۵ر جولائی ۱۹۹۶ء مطابق ۸ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ | شمارہ نمبر ۱۸

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— پانچ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک :-

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک :-

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ——— مینیجر

حامد

خط و کتابت کا پتہ

مینیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر و پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.i.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

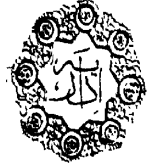
ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)



شمس الحق ندوی

مردِ مسلمان کا کردار

ہر بندۂ مومن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اس کائنات کی خالق و مالک بس ایک ہی ذات ہے وہ کسی کی محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، پوری کائنات پر اسی کی فرمانروائی ہے وہ ہر ہر چیز کو جانتا اور ہر ہر عمل و حرکت کی پوری خبر رکھتا ہے کسی آن اور کسی لمحہ بھی وہ غافل نہیں ہوتا، اسی کے ساتھ مسلمان یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آکے رہے گا جب یہ دنیا مٹا دی جائے گی اور انسان کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔
مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا کی کتاب قرآن کریم سچی کتاب ہے اور اس کو لانے والے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے اور آخری رسول ہیں، انھوں نے جو کچھ بتایا اور خبر دی وہ سب سچ ہے اس کے خلاف جو کچھ کہا یا بتایا جائے سراسر غلط ہے۔

ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتا اور اور اپنے غلط عمل پر خدا کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہے غلطی کرکے پچھتاتا اور شرماتا ہے۔

اپنے اس عقیدہ کی روشنی میں مسلمان اپنی قوم اور ملت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی سے بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیتا ہے اس لئے کہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اس وقت دین و قوم سے غداری کرکے کوئی دنیاوی فائدہ اٹھایا تو آخرت میں کل خدا کے سامنے اس کا بڑا بھیانک بھگتان بھگتنا پڑے گا اور اس کی تلافی کی ساری راہیں بند ہو چکی ہوں گی۔

اگر کوئی مسلمان نفس و شیطان کا شکار ہو کر قوم و ملت کے خلاف کسی پیش کش کو قبول کر لیتا ہے اور اس سے قوم کو نقصان پہونچتا ہے تو وہ عملی منافق ہوتا ہے آخرت میں اس کو ملت فروشی کی جو سزا ملے گی وہ تو ملے گی ہی اس دنیا میں بھی وہ جعفر و صادق کہلائے گا اور ہر مسلمان اس کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھے گا ؎

جعفر از بنگال، صادق از دکن　　ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

ہمیں ان سطروں کے لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موجودہ مادہ پرستانہ ذہنیت سے متاثر ہو کر معمولی سے مفاد کے لئے خواہ وہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہو یا عہدہ اور منصب کی صورت میں۔ اس پر دین و ملت کے مفاد کو بھینٹ چڑھا دیتا ہے جو اس کے ایمان و عقیدہ، دینی و ملی غیرت و حمیت کے سراسر خلاف ہوتا ہے اور اس سے قوم و ملت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچ جاتا ہے قوموں کی زندگی میں بعض ایسی نازک گھڑیاں بھی آتی ہیں جن میں بہت سوچ سمجھ کر اہل علم و دانش اور بہی خواہان قوم کے رائے و مشورہ سے اقدام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں کوتاہی سے پوری قوم کو اس کا نقصان پہونچتا ہے، کبھی کبھی ایک شخص کی نادانی پوری قوم کو ذلت و رسوائی کے غار میں ڈھکیل دیتی ہے ؎

چو از قومے یکے بے دانشی کرد　　نہ کہ را عزتے ماند نہ مہ را[1]

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے بھی اپنے معمولی سے فائدہ کے لئے قوم و ملت کو نظر انداز کیا ہے انھوں نے اپنی ذلت و رسوائی کے ساتھ قوم کو بڑے خطرے میں ڈال دیا ہے۔

---

[1] جب کسی قوم کا ایک فرد غلطی کر بیٹھتا ہے تو قوم کے معمولی اور معزز سبھی لوگوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔

اس وقت ملت اسلامیہ جن خطرات سے دوچار ہے ان خطرات میں بڑے غور و فکر اور عقل و ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے، نہایت سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ قوموں کی زندگی میں کچھ ایسے نازک لمحات بھی آتے ہیں کہ ان لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا کا دروازہ کھول دیتی ہے اور شاعر کو دل پر ہاتھ رکھ کر کہنا پڑتا ہے ؎

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

جب مومن کا ایمان و عقیدہ وہ شے ہے جس کا اوپر ذکر ہوا تو اس کے سامنے آج کی موجودہ دنیا جس میں چھن چھن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، گھڑی گھڑی میں انقلاب اور عروج و زوال کا سین سامنے آتا رہتا ہے، کیوں ایک بندۂ مومن قوم کے مفاد کو نظر انداز کرکے، غدارِ قوم بن کر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دے، وہ رزق، وہ منصب جو بندۂ مومن کے ایمان پر داغ لگائے، پاؤں سے روند دینے کے قابل ہے نہ کہ اس کے سامنے سر جھکا یا جائے۔ جس رزق سے ایمان کے بال و پر کٹتے ہوں اسے یہ کہہ کر ؎

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لات مار دینا چاہئے، یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہوگی کہ کسی صاحب ایمان کو خرید لیا جائے اس کا سودا کر لیا جائے، یہ تو ممکن ہے کہ ایک مسلمان اپنے مخلصانہ عمل اور جد و جہد کے بعد دھوکہ کھا جائے، مگر یہ بات ناممکن ہونی چاہئے کہ وہ بک جائے، اس کو خرید لیا جائے، مگر یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت اس باغیرت قوم کی خرید و فروخت کا جال بچھا دیا گیا ہے اور وہ اس کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہو رہی ہے جس کے نتیجہ میں ایسے مناظر سامنے آتے ہیں جہاں دل تھام کر کہنا پڑتا ہے ؎

حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

قوم کی آنکھوں کا تارہ وہی شخص بنتا ہے جو ہر حال میں قومی اور ملی مفاد کو مقدم رکھتا ہے اور اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار رہتا ہے، کوئی پیش کش اور لالچ اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں پیدا کر سکتی اس کی قومی حمیت مال و زر کے ڈھیر کو ریت کے ٹیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اقبال نے مردِ خدا کے بارے میں کہا ہے ؎

قوموں کی قسمت وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈھی سلطاں کی درگاہ

موجودہ حالات اور فساد و بگاڑ کا چھایا ہو کہر دیکھ کر کم ہمت لوگ مایوسی کی بات کرنے لگتے ہیں اور مایوسی ایسا روگ ہے جو شیر دل انسانوں کو گیدڑ اور لومڑی کی زندگی گذارنے پر آمادہ کر دیتی ہے یقین و اعتماد اور ہمت و حوصلہ جس میں ایمان کی روح کارفرما ہو، وہ جوہر ہے جو مایوسیوں کی شبِ تاریک کو سفیدیٔ صبح میں تبدیل کر دیتی ہے ؎

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

حالات کتنے ہی مایوس کن ہوں بندۂ مومن کے لئے مایوسی کفر ہے۔ بندۂ مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان کے ان تقاضوں کو پورا کرے، جس کو قرآن کریم نے اللہ کی مدد سے تعبیر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا یہ وعدہ پورا فرمائے گا کہ بندۂ مومن کی مدد کرے اور سخت طوفانوں میں اس کے قدم جمائے، اس کا وعدہ ہے:

"یَآ أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ"

اے اہل ایمان اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

یہ خدائی وعدہ کسی خاص عہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ خاص عمل "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ" کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب بھی یہ عمل پایا جائے گا خدا کی مدد بھی اپنا جلوہ دکھائے گی اور اس وقت بھی اپنا جلوہ دکھا سکتی ہے ؎

اس دور میں بھی مردِ خدا کو ہے میسر
جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی

زبردست چیلنج اور دور رس نتائج کے

حامل خطرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

۳۰؍صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۷؍جولائی ۱۹۹۶ء کو ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ کے موقع پر جس میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد سالم صاحب مہتمم دارالعلوم وقف کے علاوہ مدارس بنگلور، کلکتہ، پٹنہ، بھوپال وغیرہ کے اراکین موجود تھے حضرت مولانا مدظلہ نے درج ذیل تقریر فرمائی جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی اہم وچشم کشا ہے اور مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کو خاص طور پر پڑھنے اور ان خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ أما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً، فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ" (التوبہ:۱۲۲)

حضرات! اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا قرآن مجید میں مدارس دینیہ کا تذکرہ ہے، کیا ان کے فرائض اور واجبات کا ذکر ہے؟ تو میں کہوں گا کہ قیامت تک کے لئے اس آیت میں مدارس کے فرائض اور ذمہ داریوں کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ اس آیت میں مدارس کی ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "ایسا کیوں نہیں ہوا کہ مومنوں کی ہر جماعت میں سے ایک جماعت دین میں سمجھ پیدا کرنے کے لئے گھروں سے نکل کھڑی ہوتی، تاکہ جب یہ لوگ دین سیکھ کر اور اس میں سمجھ پیدا کرکے اپنے ملک وقوم میں واپس جائیں تو انھیں عصر حاضر کے فتنوں سے ڈرائیں اور باخبر کریں، تاکہ ان کی قوم ان فتنوں سے چوکنا ہوجائے اور ان سے بچنے کی کوشش کرے۔" حقیقت میں مدارس کا کام یہی ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کریں جو اپنے زمانے کے نئے نئے فتنوں اور سازشوں سے واقف ہوں اور ان کے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔

حضرات! تاریخ کے ایک طالب اور مشرق ومغرب کو قریب سے دیکھنے اور ایک تجربہ کار وواقف کار کی حیثیت سے میں عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں دو بڑے عالمگیر خطرات پیدا ہوئے، ایک تو صلیبی حملہ تھا، جس کا مقصد صرف بیت المقدس پر قبضہ کرنا نہ تھا، بلکہ ان کے پیش نظر حرمین شریفین پر قبضہ کرنا بھی تھا، اگر سلطان صلاح الدین ایوبی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ کھڑا کیا ہوتا تو خدا نخواستہ آج عالم اسلام کا وجود ختم ہوگیا ہوتا۔ ایک مرد غیب پیدا ہوا، اس نے مسلمانوں کی منتشر طاقتوں کو یکجا کیا اور پوری قوت سے صلیبیوں پر ضرب لگائی اور ان کو ایسی شکست دی کہ پھر دوبارہ عالم اسلام پر یورش کی جرأت انھیں نہ ہوسکی، اس یورش کے پیچھے کوئی دعوت وتحریک اور فلسفہ نہیں تھا۔

دوسرا خطرہ تاتاری یورش کی صورت میں سامنے آیا۔ تاتاری جیسی وحشی قوم نے عالم اسلام پر زبردست حملہ کیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ان کا نشانہ اگرچہ عراق، ایران اور ترکستان تھے، اور انھوں نے انھیں پوری طرح تاراج کرکے رکھ دیا تھا۔ لیکن ان تاتاریوں کی ہیبت اور غیر معمولی دھاک دلوں پر ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی "اذا قیل لك ان التتر قد انهزموا، فلا تصدق" اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوگئی تو اس بات پر یقین نہ کرنا، اس طرح کہاں عراق وایران اور کہاں انگلستان کا ساحل۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ تاتاریوں کی ہیبت سے انگلستان کے ساحل پر مچھیرے عرصہ تک شکار کھیلنے نہیں نکلے۔ اس زمانہ میں یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ عالم اسلام سیاسی ومادی لحاظ سے ختم ہوجائے گا۔ ان کے حملہ کی نوعیت فوجی تھی، جسمانی اعتبار سے مسلمانوں کو قتل کرنا تھا، ان کی اس یورش کے ساتھ کوئی دعوت نہیں تھی اور نہ کوئی فلسفہ اور تحریک اس کے پس پردہ کام کر رہی تھی اور نہ ہی کوئی کلچر اور تہذیب اور ثقافت کو غالب کرنے کا جذبہ ان تاتاریوں کے اندر کارفرما تھا، اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو بھی ختم کرنے کے لئے مصری جنرل الظاہر بیبرس کو کھڑا کیا جس نے تاتاریوں کو شکست فاش دی، اور وہ بے اثر ہوکر رہ گئے، روحانی اعتبار سے بھی اسلام کی دعوت نے اس پوری قوم کو مسخر کرلیا۔

حضرات! لیکن آج کے دور میں جو زبردست چیلنج اور غیر معمولی دور رس اثرات ونتائج کے حامل

خطرات ہیں وہ پچھلے دو خطرات اور چیلنجوں سے کہیں زیادہ سنگین حد تک مضر اور نقصان دہ ہیں۔ آج جدید تعلیم یافتہ اور حکمراں طبقہ کے دل و دماغ میں یہ بات پوری طرح راسخ کرنے کی کوشش سیاست واقتدار اور صحافت کے ذریعہ کی جارہی ہے کہ آج کے دور میں اسلام کا کوئی کردار نہیں، اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں اسلام کا کوئی پیغام نہیں، وہ ایک پرانی یادگار ہے، وہ جدید دور کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کی آج کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے ایک زمانہ میں اچھا کردار ادا کیا تھا، اس نے دختر کشی ختم کردی تھی، علم کو اس نے فروغ دینے میں بڑا رول ادا کیا تھا۔ قدیم یہودی اور عیسائی مذاہب کی طرح اسلام بھی ایک بے جان مذہب ہے، اس وقت یورپ و امریکہ کی پوری طاقت اسی پر صرف ہورہی ہے، آج اسرائیل کی موروثی ونسلی ذہانت وشطارت (چالاکی) اس میں تخریبی ذہانت بھی شامل ہے)۔ اور امریکی وسائل وذرائع، اس کی اعانت اور اثر ونفوذ سب اس بات پر صرف ہورہے ہیں کہ عالم اسلام کے تمام ممالک حتیٰ کہ حرمین شریفین بھی اسی سازش کا شکار ہوجائیں۔ ان مغربی طاقتوں نے عالم اسلام کے حکمرانوں اور وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ پوری طرح باور کرادیا ہے کہ اس وقت سیکولرازم اور قوم پرستی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، مغرب کی مکمل تقلید ہی میں ان کی ترقی اور کامیابی مضمر ہے۔ یہ اتنا خطرناک اور عالم اسلام کے خلاف اتنی گہری سازش ہے کہ اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس کے دوررس اثرات ونتائج کا اندازہ کرنے سے راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔ نشر واشاعت کے تمام ذرائع کے ساتھ ساتھ سیاسی اور مادی اثر ونفوذ کو بھی استعمال کیا جارہا ہے، ہمارے پاس اس کے دلائل وشواہد ہیں کہ ان تمام سازشوں کا مرکز اسرائیل ہے اور وہی اس کی قیادت کررہا ہے۔ اس زبردست فتنہ کا مقابلہ مدارس دینیہ ہی کرسکتے ہیں۔

حضرات! مدارس دینیہ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ نصابی کتابیں سمجھ لی جائیں، اور مسئلے مسائل بتادیئے جائیں۔ ہم ان کی ناقدری نہیں کرتے، اس نظام تعلیم کا ہم احترام کرتے ہیں، لیکن صرف اتنا کافی نہیں، موجودہ فتنوں کو سمجھنا، ان سے اچھی طرح باخبر ہونا اور ان کا مؤثر وطاقتور زبان اور دلکش اسلوب میں مقابلہ کرنا وقت کا بنیادی تقاضا ہے۔ ہمارے طلبہ واساتذہ عربی زبان میں مہارت پیدا کریں، انگریزی زبان میں کمال پیدا کریں اور ایسا لٹریچر تیار کریں جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کرسکے۔ ہمارے اساتذہ اور طلبہ کا مطالعہ وسیع، متنوع اور اپٹوڈیٹ ہو، ندوۃ العلماء نے عرب قوم پرستی کے خلاف جو زبردست محاذ قائم کیا تھا اور اس کے فرزندوں نے جس طرح پوری تیاری اور قوت کے ساتھ طاقتور اور مؤثر اسلوب میں اس فتنہ پر ضرب کاری لگائی تھی اس کا عام طور پر عالم عربی میں اعتراف کیا گیا۔

حضرات! آپ نے طویل سفر کرکے یہاں آنے کی زحمت کی ہے، آپ نے اتنا طویل سفر کرکے یہاں آکر غلطی نہیں کی۔ آپ ایسے مرکز میں آئے ہیں جس نے دین کی خدمت کا ایک گوشہ سنبھال رکھا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ندوی فرزند عرب ممالک کو اپنی طاقتور تحریروں سے متاثر کرسکتے ہیں انھوں نے عرب قومیت کے فتنہ کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی وہ رائیگاں نہیں گئی، اس وقت بھی ندوۃ العلماء ایسے محاذ پر کھڑا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے موت وزندگی کا محاذ ہے، اس وقت تمام مغربی طاقتوں کی یہ زبردست کوشش اور سازش ہے کہ اسلام کسی طرح گوشہ نشین ہوکر رہ جائے، وہ قصۂ ماضی کی طرح بن جائے۔ زندگی سے سارے رشتے اس کے ختم ہوجائیں۔ اس وقت اس فتنے کے خلاف صف آرا ہونے کی ضرورت ہے، یہ اہم ترین اور مفید ترین محاذ ہے، یہ اسلام کی زندگی اور موت کا محاذ ہے اسی محاذ پر ندوۃ العلماء کھڑا ہے۔

بقیہ: مسلم خواتین کا تاریخی کردار

میں نائٹ کلبوں، اخلاق سوز اجتماعات میں بے حیائی کے اڈوں میں برباد نہ کرو کہ متاعِ بے مایہ بن کر رہ جاؤ، جس سے صرف جنسی خواہشات کا ہی تعلق ہو اور ایک گیند کی طرح کھیلنے والے اس کے ساتھ کھیلتے رہیں۔

اے نوجوان خاتون! جو کل ماں بننے والی ہے، نئی نسل کی تربیت کا تاج جس سر پر رکھا جانے والا ہے کب تک متاعِ حقیر بنی رہوگی۔ خوابِ خرگوش سے بیدار ہو، غفلت کی چادر اتار پھینکو اور اپنے دشمنوں سے چوکنا اور ہوشیار رہو جو تمہارے پاس دوست کی شکل میں آتے ہیں اور جھوٹی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں اور آزادی کا سبز باغ دکھاتے ہیں اللہ کے رسولؐ نے بالکل سچ فرمایا جب یہ فرمایا جو شخص اللہ کے روبرو پاکیزہ تن اور پاکیزہ من حاضر ہونا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ آزاد عورتوں سے شادی کرے، اس لیے کہ آزاد عورتوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ پاک دامن، پاکیزہ صفات، باحجاب اور عزت وناموس کی حامل ہو، لیکن آج معیار اور پیمانہ بدل گیا ہے، چنانچہ آزاد عورتیں ان عورتوں کو سمجھا جانے لگا ہے جو کپڑا زیب تن کرتے ہیں لیکن حقیقتاً بے پردہ ہوتی ہیں۔ بد باطن ہوتی ہیں، سڑکوں پر آوارہ پھرتی ہیں اور مردوں کو پھسلاتی اور بہکاتی ہیں۔ اور خود مردوں کے جال میں پھنستی ہیں۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اے میری بہنو! ہوش میں آؤ۔ حقائق سے واقف ہو، اور ان کھوکھلے نعروں اور ظاہری چمک دمک سے دھوکہ نہ کھاؤ جس سے سیدھے سادے لوگ اور سادہ لوح حضرات کی نگاہیں

(باقی ص ۲۷ پر)

اپنے باعزت بقا کی تدبیر

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی کرم ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ان کو ہندو اکثریت کے اس ملک میں متعدد بار سخت ہندو فرقہ پرستانہ دباؤ کے زد میں آنا پڑا جس سے ان کا اس ملک میں باعزت وجود خطرہ میں پڑ پڑ گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حالات کو اپنے فضل وکرم سے ہر بار پلٹ دیا اور مسلمان خطرہ سے نکل آئے۔ لیکن یہ فضل وکرم مسلمانوں کا اجارہ نہیں ہے کہ ہر حال میں ہوتا رہے، بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جب حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل دور ہو جاتا ہے بلکہ بعض وقت سخت پکڑ آ جاتی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں پر اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا جو فضل ہے وہ ان کے نیک اور برگزیدہ اسلاف، علماء وصوفیاء کی برکت سے ہے، اس کو باقی رکھنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے اعمال کو خدا کی پسند اور مرضی کا زیادہ سے زیادہ پابند بنانا ہوگا اور اس کی نافرمانیوں سے زیادہ سے زیادہ اجتناب کرنا ہوگا، لیکن افسوس ہے کہ اس پہلو سے مسلمانوں میں کوتاہی بڑھتی جا رہی ہے اسی کے تدارک کے لئے اصلاحِ معاشرہ جیسی کوششیں کی جا رہی ہیں جن کا اثر لینے اور ان کو مزید بڑھانے کی بڑی ضرورت ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا پہلو عام دستوری تدابیر کو بھی اختیار کرنے کا ہے اور اس کا بھی حکم ہم کو قرآن وحدیث سے ملتا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ" (کہ ان کے لئے یعنی اپنے دشمنوں کے لئے تیار کر دو وہ قوت جو تمہارے بس میں ہو اور گھوڑوں کو باندھنا جس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو اور ان کو بھی جو ان سے پیچھے ہیں۔)

ہندوستان کے سیکولر جمہوری نظام حکومت میں جس کے دائرے میں ہندوستانی مسلمان رہ رہے ہیں دستور پر عمل کرانا، انتخابات میں اپنے ووٹ کی طاقت کو صحیح طور پر استعمال کرنا بھی "أَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" کے حکم میں آ جاتا ہے اور خاص طور پر جب کہ یہاں کے مسلمان اپنے اس ملک میں اقلیت کی صورت میں ہیں تو ان کے لئے تیاری وتدبیر کی یہ شکل اہم قابلِ عمل شکل بن جاتی ہے، اور اس میں کوتاہی وبے توجہی نقصان رساں ثابت ہوتی ہے اس کا تجربہ اس ملک میں جگہ جگہ ہوا ہے اس لئے اس کو اپنے دھیان میں رکھنا، اور بصیرت وحکمت سے کام لینا ضروری ہے۔

انسانی نفسیاتی کمزوری اور اجتماعی سطح پر ایک نقصان رساں پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حکایت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک حاکم وقت نے ایک حوض بنوایا اور رعایا کو حکم دیا کہ رات میں ہر ایک شخص ایک پیالہ دودھ اس میں ڈالے چنانچہ رعایا نے حاکم کے حکم کی بجا آوری میں پیالے بھر بھر کر لیجا کر اس میں ڈال دیئے، صبح حوض کھولا گیا، تو اس میں دودھ کی ایک ہلکی رمق کے ساتھ سب پانی ہی پانی بھرا ہوا ملا، معلوم ہوا کہ سوائے دو چار آدمیوں کے سب نے یہ سمجھ کر کہ کون دیکھتا ہے اور سیکڑوں لیٹر دودھ میں ایک پیالے پانی سے کیا اثر پڑے گا پانی ڈالا، چنانچہ سوائے دو چار پیالے دودھ کے سیکڑوں پیالے پانی کے نکلے۔ یہ حکایت یوں تو تفریح کی ہے لیکن موجودہ جمہوری نظام میں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد الکشن آنے پر ایسی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا ہر فرد یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ایک ووٹ نہ ڈالنے سے کیا اثر پڑے گا۔ چنانچہ کئی جگہ دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ہزاروں ووٹ منفی ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کا کوئی بدخواہ بلکہ آمادۂ فتنہ شخص کامیاب ہو جاتا ہے جو پھر ووٹ نہ ڈالنے والوں کے لئے بھی مصیبت ثابت ہوتا ہے اور بعض وقت صرف اس ایک شخص ہی کو نہیں بلکہ اس کی پوری جماعت کو ان منفی ووٹوں کا نفع پہونچتا ہے اور وہ توقع کے خلاف برسر اقتدار آ جاتی ہے اور مسلمان افسوس کرتے رہ جاتے ہیں۔

لہٰذا ایسے حالات میں جبکہ کھلا ہوا دشمن سامنے ہو اپنے ایک ووٹ کو بھی بے اثر سمجھ لینا خطرناک بات ہے، اسی طرح یہ بھی خطرناک بات ہے کہ ووٹ کسی ایسے شخص کو دے دینا جو اپنے تعلق کا ہو لیکن اس کو دیگر اتنے ووٹ نہ مل سکتے ہوں کہ وہ سب ملا کر بھی اس کو کامیابی تک نہ پہونچا سکتے ہوں ایسے کو ووٹ دینا بھی ووٹ کو منفی بنا دینا ہے جس کے معنیٰ ہیں کہ کامیابی کے لائق اپنے ہمدردوں کے ووٹ بھی کم ہو جائیں اور بدخواہ نمائندہ کو اس کی کمی سے فائدہ پہونچ جائے، اور بجائے ہمدرد کے بدخواہ کو اول نمبر مل جائے اور وہ کامیاب ہو جائے۔ یہ وہ شکلیں ہیں جن سے الکشن کے نتائج بنتے اور بگڑتے ہیں، ابھی پارلیمنٹ کے حالیہ الکشن میں ہندوستان کے کئی صوبوں میں سب سے زیادہ نقصان دہ نتیجہ مسلمانوں کے حق میں نکلا، کیونکہ

ایک طرف تو ان کی ایک تعداد نے ووٹ دینے کو ایک کار بیکار سمجھ کر نظر انداز کیا اور بعض نے کہا کہ سب ہی برے ہیں لہٰذا کسی کو بھی ووٹ نہ دیں گے کسی نے کہا ہمارے ایک ووٹ کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، کسی نے کہا فلاں کو اگرچہ جیتنا مشکل ہے مگر کیا کیا جائے اس سے تعلقات ہیں ہم تو اسی کو ووٹ دیں گے، اس طرح دسیوں نمائندے جن کا جیتنا مسلمانوں کے حق میں مفید تھا مسلمانوں کی اس بے توجہی سے نمبر اوّل کے بجائے نمبر ۲ پر آگئے اور مسلمانوں کی بد خواہ جماعت کا نمائندہ نمبر اول پر آکر کامیاب ہوگیا، اور یہ صورت ایسی ہے کہ مخالف جماعت کے لوگ اس کو بھی اپنی کامیابی کے لئے ذریعہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ مسلمانوں ہی میں سے کسی مزید شخص کو جو مجموعی طور پر اتنے ووٹ حاصل نہیں کر سکتا کہ جس سے جیت جائے کھڑا کروا دیتے ہیں اس کی مدد بھی کروا دیتے ہیں اور اس کو سبز باغ بھی دکھوا دیتے ہیں کہ تم تو بالکل جیت جاؤ گے۔ چنانچہ وہ خود تو کیا جیتتا وہ دوسرے ہمدرد کے ووٹ کاٹ کر اس کو جیتنے سے محروم کر دیتا ہے، اور اس طرح منتشر کر مخالف کے جیتنے کی راہ ہموار کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے دوست نما دشمن کو بھی پہچاننا چاہئے۔

خود یو پی کے اکثر ان اضلاع میں جہاں مسلمانوں کی آبادی نصف سے بھی زیادہ یا نصف کے لگ بھگ ہے مسلمان ووٹ کئی کئی نمائندوں میں تقسیم ہو کر بے اثر ہوگئے اور تیسرے یا دوسرے درجہ پر آنے والا مسلمان دشمن شخص پہلے درجہ پر آگیا۔

یہ کہیں پر تو سازشی طور پر کرایا جاتا ہے اور کہیں مسلمان خود اپنی نا فہمی سے ایسا کرتے ہیں اور اس طرح خود اپنے کو سخت نقصان پہونچاتے ہیں، اور اس طرح کی لاپرواہیوں سے ان کو نقصان پہونچانے کے عزائم کا اعلان کرنے والے خاصی تعداد میں کامیاب ہو کر آجاتے ہیں۔

پانچ سال قبل پارلیمانی الیکشن میں رام مندر کی فضا گرم ہونے کے باوجود مسلمانوں کے بدخواہ اتنے کامیاب نہ ہو سکے تھے جتنے اس حالیہ پارلیمانی الکشن میں باوجود رام مندر فضا کے کمزور ہونے کے مسلمانوں کی بد تدبیری کے سبب کامیاب ہوئے، اور مسلمان اپنے اس نقصان کو اٹھانے کے بعد سمجھے، مسلمانوں کو صورت حال کو سمجھنا چاہئے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اس وقت ہمدرد پارٹی، ہمدرد آدمی سے زیادہ کار آمد ہے اور اصل اثر وہی ڈال پاتی ہے۔

مسلمانوں کے ووٹ اس ملک میں بڑا وزن رکھتے ہیں اور بہت سے انتخابی حلقوں میں تو وہ جدھر جھک جائیں اس کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے، لیکن جب وہ اپنا وزن مختلف پلڑوں میں بانٹنے لگتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ کسی پلڑے کو بھی جھکا نہیں پاتے اور بے اثر ہو جاتے ہیں، ان کو سمجھنا چاہئے کہ اس جمہوری نظام میں ووٹوں کی لڑائی ہے، اس لڑائی میں نقصان سے بچنے کے لئے اپنے نقصان اور فائدے کے پہلوؤں کو سمجھ کر ان کے مطابق عمل کرنا پڑے گا۔ الا پیا ہی یا کسی کی محض دلجوئی کی خاطر اپنے پورے معاشرے کو نقصان پہونچا دینے سے پوری طرح گریز کرنا ہوگا ورنہ .... بڑے چھوٹے نقصانات کا سامنا کرنا یقینی ہے۔

(بقیہ) سیرت سید احمد شہیدؒ

فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائل ظاہری مراتب باطنی، روشن دلی۔ صفائی قلب جو کچھ حاصل ہے وہ سب اتباعِ شریعت کی برکت اور پیروی سنّت کی سعادت سے "صراطِ مستقیم" کے دوسرے باب میں آپ نے سالک کو ان تمام بدعات اور رسوم سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے جو مسلمانوں کی زندگی میں مختلف راستوں سے داخل ہوگئی تھیں۔ آپ نے ایمان اور احتساب کو مکمل سلوک بنا دیا تھا۔ اور چاروں طرق کے ساتھ آپ اس میں بھی بیعت لیتے تھے۔ یہ طریقِ نبوت کا تزکیہ اور تربیت تھی، آپ اس کو طریقہ محمدیہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ حضرت کے کن کن صفات کا ذکر کیا جائے۔

جن جائے سراپا پہ نظر پڑتی ہے اس کے
آتا ہے میرے جی میں یہیں عمر بسر ہو۔ (میر)

اس سارے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے ہاتھ پر اس کے دین کی بلندی اور اس کے دین کے فتح مندی کے لیے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ مٹا دینے کا عہد کیا تھا۔ جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے اور بالآخر اپنے خونِ شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مہر لگادی۔ وہ خلعتِ شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے نہ کوشش کے نتیجہ کا مطالبہ نہ شکست و ناکامی پر عتاب ہے نہ کسی سلطنت کے عدم قیام پر محاسبہ۔ وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ صدق و اخلاص۔ اس لحاظ سے شہدائے بالاکوٹ اس دنیا میں بھی سرخرو ہیں۔ اور دربار الٰہی میں بھی باآبرو۔ یہ فقیرانِ بے نوا جنھوں نے عالمِ مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی جب اپنے خوں چکاں کفن کے ساتھ روزِ محشر صاحبِ محشر کے سامنے آئیں گے تو وہ فرمائیگا کہ تمہارا یہ خاک و خون میں لتھڑنا تو خالص میرے لیے تھا۔ تم نے اپنا عہد پورا کیا۔

ختم شد

سیرتِ نبویہ کا

ہر پہلو درخشاں اور نفع رساں

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر پہلو منور و درخشاں اور سارے عالم کے لیے منارۂ نور ہے۔ آپ کی زندگی کے وہ افعال جنھیں عموماً عادت کے قبیل کا سمجھا جاتا ہے اُن میں بھی آفاقیت یعنی ساری انسانیت کے لیے راہ نمائی اور افادیت کا سامان ہے۔ اور وہ بھی تمام لوگوں کے لیے قابل تقلید اور لائق اتباع ہونے کے ساتھ دینی و دنیاوی مصالح و منافع کے حامل ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول داہنی کروٹ پر لیٹنے اور اسی پہلو پر سونے کا تھا، بائیں کروٹ پر نہیں۔ اس معمول کے طبی اور جسمانی بے شمار فوائد اصحاب فن نے بتائے ہیں۔ جن کا ذکر شراحِ حدیث نے بھی کیا ہے اور اس کے دینی فوائد بھی بہت ہیں مثلاً قلب کا غافل نہ ہونا سحر خیزی میں آسانی ہونا، کہ جو ذکر اللہ کا بہترین وقت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں رات کے وقت نرم گرم بستروں سے اٹھ کر خدا کی یاد میں مشغول ہو جانے والوں کا تذکرہ ایسے شوق انگیز انداز میں کیا گیا ہے کہ پڑھ کر قلب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، فرمایا: "تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورہ الم السجدہ آیت ١٦) ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے پہلوؤں کو بستروں سے اٹھا کر خدا سے امید و بیم کے ساتھ لو لگا رکھی ہے۔ ان کے خوش کرنے کے لیے جو سامان چھپا کر (تیار رکھا) گیا ہے۔ اسے اس دنیا میں کوئی نہیں جان سکتا۔ اور وہی ان کے حسنِ عمل کا بدلہ ہوگا،

اسی طرح کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے "اِبْدَؤُا بِالْمَيَامِنِ" (داہنی طرف سے شروع کرو) مثلاً مجمع زیادہ ہو اور کوئی چیز تقسیم کرنا ہو تو داہنی طرف جو شخص ہو پہلے اُسے دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی خود کس درجہ پابندی فرمائی! اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا (جو صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے) کہ ایک مرتبہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داہنی طرف ان کے مقابلہ میں ایک بہت معمولی شخص بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پہلے ان ہی کو دیا، اور اس میں انھیں ترجیح دی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہیں۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متوجہ بھی کیا کہ حضور! یہ ابوبکر بیٹھے ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ نے اصول کی خلاف ورزی نہیں فرمائی، ہاں اگر وہ شخص جو داہنے ہاتھ پر ہے اجازت دے دے تو اس کی اجازت کے بعد دوسرے کو دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ ایک مرتبہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی صورت میں جبکہ داہنی طرف ایک کم عمر صاحبزادہ (حضرت عبداللہ بن عباس) بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے بعد ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) تھے آپ نے صاحبزادہ سے اجازت مانگی کہ ان سے پہلے ان دونوں حضرات کو دودھ کا پیالہ دے دیا جائے! مگر انھوں نے اجازت دینے، اور اس کے نتیجے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پس خوردہ کے براہ راست استعمال کرنے کی نعمت سے محروم ہونے، سے انکار کر دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان صاحبزادہ کو ہی دودھ کا پیالہ عنایت فرمایا اس کے بعد ان بزرگوں کو دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے افعال و اقوال کی پابندی اگرچہ فرائض اور واجبات کے درجہ میں تو نہیں آتی، لیکن ان کا اتباع بھی دینی و دنیاوی خیر و برکت کا باعث ہے اور ان کے استخفاف و تحقیر سے ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہے (اعاذنا اللہ منہ) حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کی داہنی جانب سے ابتدا کرنے جیسی ہدایات نبوی کی کیا عجیب اور دور رس نتائج کی حامل حکمت بتائی ہے۔ موصوف نے اسے قطع ضغائن (تعلقات بہتر کرنے اور کشیدگی سے بچانے) کا ایک اہم ذریعہ بتایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ عموماً لوگ اپنے مقابلہ میں ایسے مواقع پر، دوسرے کی برتری کے قائل نہیں ہوتے۔ اگر تقسیم کے مواقع پر اشخاص کے مراتب سامنے رکھ کر ترجیح کا اصول اختیار کیا جائے تو جسے ترجیح دی جائے گی اسے شکایت ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے یہ شکایت کینہ کی شکل اختیار کر لے، لیکن داہنی جانب سے شروع کرنے کی ہدایت اور اس اصول کی پابندی سے ایسی شکایات نہ ہوں گی، پھر نتیجۃً کینہ پروری کے مواقع بہت کم ہو جائیں گے، جس کی اہمیت سے کوئی بھی صاحب ہوش و خرد انکار نہیں کر سکتا، مقام غور ہے کہ اس سنتِ نبوی کے اتباع کا تنہا یہ فائدہ کیا کم ہے؟ کیا حرص و آرزو کی دنیا میں کینہ و حسد کی آگ بجھا دینا یا اس کی شدت میں کمی کر دینا کسی بھی عقل و خرد والے کے نزدیک کمتر درجہ کی چیز ہے؟!

ان دونوں مثالوں کے سامنے آجانے کے بعد شاید اب یہ بات محتاج دلیل نہیں رہ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ یعنی آپ کا ہر قول و فعل اور آپ کی ہر ادا۔ عالمگیر افادیت اور بے شمار فوائد و مصالح کے حامل ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ سیرت نبوی کے بعض پہلو دوسرے بعض کے اعتبار سے زیادہ اہمیت رکھتے ہوں، سیرت مبارکہ میں ایسے پہلو بھی بکثرت ہیں جن کی اہمیت کا اعتراف مسلمانوں ہی نے نہیں۔ غیر مسلموں۔ بلکہ اسلام دشمنوں تک نے کیا ہے، اور کچھ تو "بین الاقوامی چارٹر" کے اندر نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں، ان میں مساوات انسانی، اور حقوق نسواں سے متعلق آپ کے طرز عمل و ہدایات کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی منصف مزاج کے لئے اس حقیقت کا انکار حقائق سے چشم پوشی کے بغیر ممکن نہیں کہ رحمت عالم ہی کی تعلیمات کے نتیجہ میں دنیا ان اصول سے واقف ہوئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے دنیا میں اتنی روشنی نہیں پھیلی تھی جس سے ان جیسی حقیقتوں کے حسن کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اب یہ بدیہی حقیقتیں معلوم ہونے لگی ہیں، لیکن اس سے پہلے صدیاں نہیں ہزاروں سال اس طرح بیتے ہیں کہ عورت کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسے جینے کا حق بھی حاصل نہیں تھا بلکہ وہ حق مرد کے اختیار میں سمجھا جاتا تھا۔ (کبھی باپ کے، کبھی شوہر کے ہاتھ میں)

اور یہ تو گویا کل کی۔ گذشتہ صدی کے آخر کی بات ہے کہ یورپ کے فرانس، جیسے ترقی یافتہ ملک (جس کے روشن خیال اور ترقی یافتہ ہونے کے لیے، انقلاب فرانس، کے پرشور غلغلے آسمانی سر پر اٹھایا گیا تھا) کا گذشتہ صدی تک یہ حال تھا کہ اس میں عورت کے انسان ہونے نہ ہونے کی بحثیں عوام میں نہیں، خواص: بعض دانشوروں اور مقنّنوں تک کے حلقوں میں جاری تھیں اور انسانی برابری اور مساوات کا تو اسی مہذب علاقہ۔ یورپ وغیرہ میں صرف ابھی نام ہی سنا جا رہا یا سنا جا سکا ہے، اور عملاً کیا حال ہے اس کی داستان امریکہ کے۔ ریڈانڈ ینس اور جنوبی افریقہ کی گوری سرکار اور صدیوں تک غلام رہنے والے وہاں کے اصل باشندوں کالوں سے سنیئے! دوسری طرف سیرت طیبہ کی پرچھائیں پڑ جانے والوں کو دیکھیے کہ ان کے عوام نہیں خواص، اور خواص بھی کس درجہ کے؟ امیرالمؤمنین اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ جیسے رعب و داب کے حامل حبشہ سے کبھی پکڑ کر لائے جانے والے غلام کو جب وہ دولت ایمان سے سرفراز اور محبت نبوی سے سرشار ہو گئے تو پھر انھیں "سیدنا بلالؓ" کہکر پکارتے ہیں اور یہ صرف زبانی ہی نہیں، بلکہ ان کے ساتھ معاملہ بھی، سید۔ جیسا ہی کرتے ہیں چنانچہ انھیں دربار خلافت میں داخلہ کی ہمہ وقت اجازت تھی جبکہ، سردار کہے جانے اور عالی نسب سمجھے جانے والے۔ متاخرالاسلام۔ لوگوں کو گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اور وہی عورت جسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اور جسے تہذیب سکھانے کے دعویدار ملکوں میں کل تک انسان نہیں سمجھا جاتا تھا وہ کہیں "ام المؤمنین" کا لقب پاتی، اور کہیں سیدہ کہلاتی، اور کبھی اسے فقیہہ کا خطاب دیا جاتا، (جیسا کہ علّامہ کاسانی کی اہلیہ اور فقیہہ سمرقندی کی دختر کو) اور کبھی ممتاز اولیاء اللہ میں شمار کی جاتی ہے (جیسا کہ رابعہ بصریہ) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے قدموں کے نیچے جنّت بتائی جاتی ہے اور بتانے والا کون؟ جس کی زبان ہمیشہ حق و صداقت کی ہی ترجمان رہی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس سے بھی بڑی سند درکار ہو تو احکم الحاکمین کے کلام جس سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں۔ میں اس طرح ملتی ہے

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" (عورتوں کے حقوق و ذمہ داریاں (مردوں کے) برابر ہیں) اور یہ کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ مساوات بنی آدم اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں اب تک جو کچھ کیا گیا یا آئندہ کیا جائے گا، وہ صاحب سیرت (علی صاحبہا ألف ألف تحیۃ وسلام) کی صدائے حق کی بازگشت ہے اور ہوگی، اور مشہور شاعر متنبیؔ کا (اپنے بارے میں یہ کہنا ؎

"وما الدهر إلا من رواة قصائدي"

تو محض شاعرانہ ڈینگ تھی، البتہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا حقیقی مصداق صاحب اسوۂ حسنہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور عجب نہیں کہ شاعر نے ؎

"گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے برعکس حدیث خویش، میں، دیگراں کی حکایت بیان کر دی ہو!

مذکورہ بالا سطروں میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بآسانی یہ بات ظاہر و ثابت ہو جاتی ہے کہ اس مقدس ذات) کی سیرت کے وہ گوشے بھی جنھیں نجی، یا غیر آفاقی سمجھا، یا کہا گیا، یا کہا جا سکتا ہے وہ بھی آفاقیت رکھتے ہیں اور ہمہ گیر افادیت کے حامل ہیں، پھر اس کے کن گوشوں کو لیا جائے اور کن سے صرف نظر کیا جائے؟ یہ سوال ہر واقف کے سامنے سنگ گراں کی طرح آکر کھڑا ہو جاتا ہے کیوں کہ یہاں معاملہ وہ ہے جو ایک شاعر نے کسی کے بارے میں کہا تھا: ؎

"کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است"

اس لیے آخر میں بس ایک اور مثال دے کر بات ختم کی جاتی ہے لیکن اس سے پہلے ایک نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کی بعض حالتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں اس کا اندرون پوری طرح جھلکتا بلکہ چھلکتا نظر آتا ہے کہ: وہ اپنے باطن کو اگر چھپانا چاہے

بھی تو چھپا نہیں سکتا۔ ان میں سے ایک حالت وہ ہے جبکہ اپنے رب کے حضور مصروف دعا ہوتا ہے دعا میں ایسی ہی چیز طلب کی جاتی ہے جو اس کے نہاں خانۂ قلب میں بلند جگہ رکھتی ہو۔ اور جس کے حاصل ہونے پر غایت درجہ آسودگی ہو بلکہ اسے نمایاں کامیابی سمجھتا ہو۔ اس تمہید کے بعد سیرتِ نبوی سے وہ مثال پیش کی جا رہی ہے جس کا ابھی سطور بالا میں وعدہ کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں وہ خود اپنی جگہ ایک ایسا عظیم سرمایۂ ہدایت ہیں جس سے سیرت نبوی کے طالبِ علم کو بڑی روشنی مل سکتی ہے اور اس طیبِ سیرت کے بہت سے وہ گوشے سامنے آسکتے ہیں جو دوسری قسم کے ذخیرۂ روایات سے نہیں معلوم ہو سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور دعاؤں میں ایک مشہور دعا یہ ہے: اللّٰھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی أعین الناس کبیرًا (اے میرے رب مجھے میری اپنی آنکھوں میں تو چھوٹا کر دے، لیکن اور تمام لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے) واقعہ یہ ہے کہ اس متبرک دعا کے الفاظ و مطالب میں جتنا غور کیا جائے گا معانی کے دفتر کھلتے چلے جائیں گے اور اہمیت آشکارا ہوتی جائے گی۔ اس دعا میں جس چیز کی طلب ہے، سچ تو یہ ہے کہ اس کے حاصل ہونے کے بعد (جسے بھی وہ میسر آجائے) خوش بختی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جائے گی۔ اور شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اگر کسی معاشرہ کو یہ نعمت حاصل ہو جائے جو اس دعا میں مانگی گئی ہے تو وہ معاشرہ پاکیزہ ترین اور معیاری انسانی معاشرہ کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہوگا، کیونکہ اگر دیکھا جائے تو معاشرہ کے بگاڑ کا بنیادی سبب یا بنیادی اسباب میں سے ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان باوجود کسی ایسے کمال سے خالی بلکہ عاری ہونے کے جس کی بنا پر لوگ اس کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں، خود کو باعظمت سمجھنے لگتا ہے اور پھر بزبانِ حال بلکہ بسا اوقات بزبانِ قال بھی اس کا دوسروں سے مطالبہ کرنے لگتا ہے کہ اس کی عزت کی جائے، اور ہر اس منصب کا اہل سمجھا جائے جس کا یہ شخص خود، باوجود نااہلی کے اپنے آپ کو اہل سمجھتا ہے۔ اور یہ جذبہ کبھی تو ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی خواہش کو ٹھکرانے والے ظلم وستم کا نشانہ بنائے جانے لگتے ہیں اس کے برخلاف اگر صورتحال یہ ہو کہ دوسرے تو اسے کسی منصب جلیل کا پوری طرح اہل سمجھ کر اسے منصب سونپنے پر اصرار کریں اور وہ خود کو اس کا اہل نہ خیال کر کے اس سے گریز کرے تا اینکہ اس کی ذاتی خواہش کے علی الرغم وہ منصب اس پر لاد دیا جائے تو اس میں جتنا خیر ہے وہ کسی عاقل سے مخفی نہیں۔

یہی وہ حقیقت ہے جو اس پاکیزہ دعا میں طلب کی گئی ہے اور سیرت نبوی کا یہی وہ پہلو ہے جسے صحابۂ کرام کے حالات میں، در اصل پر تو تھے اسوۂ نبوی کا (علی صاحبھا التحیۃ) اس طرح دیکھا گیا کہ انھیں خلافت جیسے جلیل و عظیم منصب کی پیش کش ہو رہی تھی مگر وہ خود کو اس کی اہلیت سے عاری سمجھ کر گریزاں نظر آرہے تھے بلکہ اس پیشکش سے ایسے خائف معلوم ہوتے تھے جیسے کسی بہت ہی ناگوار اور مہلک شئی سے ڈرایا جا رہا ہو۔ مصر کے مشہور و ممتاز اہلِ قلم استاذ عباس محمود عقاد نے اپنے شہرۂ آفاق سلسلۂ "عبقریات" میں سے "عبقریۃ الصدیق" میں بیعت ابی بکرؓ کے سلسلہ میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے ان ہی کی طرف بیعتِ خلافت کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ اور دلیل یہ دی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں "أمین ھٰذہ الأمۃ" کہا ہے۔ اس کا جواب اُمّت کے اس امین نے جو دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ ان کی صفت امانت (وسیع معنی میں) کا پوری طرح آئینہ دار ہے انھوں نے حضرت عمرؓ کا اپنی طرف بیعت کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا: عمر! اس سے پہلے تو میں نے کبھی ایسی سخت لغزش تم سے سرزد ہوتی نہ دیکھی تھی، بھلا ثانی اثنین (ابوبکرؓ) کے ہوتے ہوئے کسی اور کی بیعت کا کیا سوال!

یہ ہے اسوۂ نبوی اور سیرتِ طیبہ کا ایک اہم سبق جس کی ضرورت آج سے زیادہ شاید کبھی نہ تھی کیونکہ آج ہر ایک اپنی آنکھوں میں خود کو بڑا نظر آرہا ہے جبکہ دوسروں کے نزدیک اس کی حیثیت بونوں جیسی ہے، حالانکہ ضرورت ایسے حضرات کی ہے جو اپنی آنکھوں میں تو صغیر ہوں، لیکن دوسرے انھیں بجا طور پر کبیر سمجھ کر آنکھوں میں جگہ دیتے ہوں!

اللّٰھم وفقنا لما تحبہ وترضاہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

لہ ساری دنیا مجھے قصیدۂ دعا کی صدائے بازگشت ہے۔

(بقیہ) مطالعہ کی میز پر

ہے جس کی ضرورت سب کو ہوا کرتی ہے۔ کتاب کے شروع میں دعاؤں کے متعلق حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم کا ایمان افروز مقدمہ اور جناب مولانا عبداللہ عباس ندوی زید عنایتہ معتمد تعلیمات دار العلوم کی مفید ترین تقریظ ہے۔ البتہ کچھ پروف کی غلطیاں ہیں جن کو اگلے ایڈیشن میں درست کرنے کی ضرورت ہے۔

سیرت النبیؐ اور ہماری زندگی

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (کراچی)

۱۲ ربیع الاول ہمارے معاشرے ہمارے
اور خاص کر برصغیر میں باقاعدہ ایک جشن اور
ہوار کی شکل اختیار کر گئی ہے جب ربیع الاول
آتا ہے تو سارے ملک میں سیرت النبیؐ اور
نبیؐ کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا
اہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر
ور سعادت نہیں ہو سکتی. لیکن مشکل یہ ہے کہ
ے معاشرے میں آپ کے مبارک تذکرہ کو
ربیع الاول کے ساتھ بلکہ صرف ۱۲ ربیع الاول
تھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور یہ کہا ہے کہ چونکہ
بیع الاول کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
ت ہوئی اس لیے آپ کا یوم ولادت منایا جائے
ور اس میں آپ کی سیرت اور ولادت کا
ہو گا.

لیکن یہ سب کچھ کرتے وقت ہم یہ بات
جاتے ہیں کہ جس ذات اقدس کی سیرت کا بیان
ہے اور جس ذات اقدس کی ولادت کا یہ جشن
جا رہا ہے. خود اس ذات اقدس کی تعلیم کیا ہے؟
تعلیم کے اندر اس قسم کا تصور موجود ہے یا نہیں؟

یخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا
ضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف
ار یخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس
یادہ عظیم، اس سے زیادہ مسرت، اس سے زیادہ
مبارک اور مقدس واقعہ اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا، انسانیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصیت کی برکات نصیب ہوئیں، یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور کوئی واقعہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا، اور اگر اسلام میں کسی کی یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کو منایا جائے، اور اس کو عید قرار دیا جائے. لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے، اور ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو یوم پیدائش نہیں منایا، بلکہ آپ کے کسی صحابیؓ کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں گزرا کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول آپ کی پیدائش کا دن ہے اس لیے اس کو کسی خاص طریقے سے منانا چاہیے.

۱۲ ربیع الاول اور صحابہ کرامؓ

اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے. اور تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرامؓ کو اس دنیا میں چھوڑ گئے. وہ صحابہ کرام ایسے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سانس کے بدلے اپنی پوری جان نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے. آپ کے جانثار آپ کے فداکار آپ کے عاشق زار تھے. لیکن کوئی ایک صحابیؓ ایسا نہیں ملے گا جس نے اہتمام کر کے یہ دن منایا ہو، یا اس دن کوئی جلسہ منعقد کیا ہو، یا کوئی جلوس نکالا ہو، یا کوئی چراغاں کیا ہو، یا کوئی جھنڈیاں سجائی ہوں، صحابہ کرامؓ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لیے کہ اسلام کوئی رسموں کا دین نہیں ہے جیسا کہ دوسرے اہل مذاہب ہیں کہ ان کے ہاں چند رسومات ادا کرنے کا نام دین ہے جب وہ رسمیں ادا کر لیں تو بس پھر چھٹی ہو گئی. بلکہ اسلام عمل کا دین ہے. اور یہ تو جنم روگ ہے. یہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک ہر انسان اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں لگا رہے.

کرسمس کی ابتدا

یوم پیدائش منانے کا یہ تصور ہمارے یہاں عیسائیوں سے آیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش "کرسمس" کے نام سے ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے، تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ کے حواریین میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کر دی اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منائیں گے. اس وقت بھی جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انھوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ شروع کیوں کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے. انھوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے. بس ہم اس

دن جمع ہو جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات کو یاد دلائیں گے۔ اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوگا اس لئے ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں، چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

کرسمس کی موجودہ صورتحال

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵ر دسمبر کی تاریخ آئی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا، ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کر دیتے۔ اس کے بعد اجتماع برخاست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انھوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے اس لیے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہئیے۔ تاکہ لوگوں کے لیے دل کش ہو۔ اور اس کو دلچسپ بنانے کے لیے اس میں موسیقی ہونی چاہئیے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انھوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے اس لیے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہئیے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس میں شامل ہو گیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں، چنانچہ ہنسی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے۔ چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا۔ اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں موسیقی اس میں شراب نوشی اس میں قمار بازی اور جوا اس میں، گویا کہ اب دنیا بھر کی ساری خرافات کرسمس میں شامل ہو گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی تعلیمات پیچھے رہ گئیں۔

کرسمس کا انجام

اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے۔ تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے، اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی۔ اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے حادثات نہیں ہوتے، اس ایک دن میں عورتوں کی عصمت دری اتنی ہوتی ہے کہ پورے سال اتنی نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

میلاد النبی کی ابتداء

(اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ اگر اس کو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہاں سے کہاں بات کو پہونچائے گا۔ اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا) جس طرح "کرسمس" کے ساتھ ہوا اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ بادشاہ کے دل میں خیال آگیا کہ جب عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہہ کر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہوا، اور کچھ نعتیں پڑھی گئیں، لیکن اب آپ دیکھ لیجئے کہ کہاں تک نوبت پہونچ چکی ہے۔

یہ ہندوانہ جشن ہے

یہ تو حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود الحمد للہ وہاں تک ابھی نوبت نہیں پہونچی ہے جس طرح عیسائیوں کے ہاں پہونچ چکی ہے لیکن اب بھی دیکھ لو کہ سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے۔ کس طرح روضۂ اقدس کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح کعبہ شریف کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح لوگ اس کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں، کس طرح اس کے چاروں طرف ریکارڈنگ ہو رہی ہے، کس طرح چراغاں کیا جا رہا ہے اور کس طرح جھنڈیاں سجائی جا رہی ہیں (معاذ اللہ) ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا کوئی جشن نہیں ہے بلکہ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کے جشن عام ہوتے ہیں اس طرح کا کوئی جشن ہے اور رفتہ رفتہ ساری خرابیاں اس میں جمع ہو رہی ہیں۔

یہ اسلام کا طریقہ نہیں

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر ہو رہا ہے، اور سب کچھ یہ سوچ سمجھ کر ہو رہا ہے کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ آج ۱۲ر ربیع الاول کو چراغاں کر کے اور اپنی عمارتوں کو روشن کر کے اور اپنے راستوں کو سجا کر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ دین پر عمل نہیں کرتے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو میلاد النبی ہے، ہمارے یہاں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش پر چراغاں ہوتا ہے اس طرح دین کا حق ادا ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ طریقہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے، آپ کے صحابہ کرام کا طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر اس طریقے میں خیر و برکت ہوتی تو ابو بکر صدیق، فاروق اعظم،

عثمان غنیؓ، اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس سے چوکنے والے نہیں تھے۔

آپ کا مقصد بعثت کیا تھا؟

صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ نہ جلوس ہے، نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے نہ جھنڈی ہے۔ اور نہ سجاوٹ ہے۔ لیکن ایک چیز ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ زندگیوں میں رچی ہوئی ہے ان کا ہر دن سیرت طیبہ کا دن ہے۔ ان کا ہر لمحہ سیرت طیبہ کا لمحہ ہے۔ ان کا ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے خالی ہو، چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اپنا دن منوائیں اور اپنی تعریفیں کرائیں، اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں خدا نہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو اس وقت کفار کہ نے آپ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنانے کے لیے تیار ہیں، اگر آپ مال و دولت کے طلبگار ہیں تو مال و دولت کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لانے کے لیے تیار ہیں اگر آپ حسن و جمال کے طلب گار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمال آپ کی خدمت میں نذر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ آپ اپنی تعلیمات کو چھوڑ دیں اور یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیتے سرداری بھی ملتی، روپیہ پیسہ بھی مل جاتا اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو جاتیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک ہاتھ میں ماہتاب لا کر رکھ دوگے، تب بھی میں اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ دنیا میں اس لیے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی منائیں؟ بلکہ آپ کے آنے کا منشا وہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم ان کی نقل اتارو اور اس شخص کے لیے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

انسان نمونے کا محتاج ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمادی تھی ہم اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کر لیتے؟ بات دراصل یہ ہے کہ نمونے بھیجنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ صرف کتاب اس کی اصلاح کے لیے اور اس کو کوئی فن، کوئی علم و ہنر سکھانے کے لیے کافی نہیں ہوتی بلکہ انسان کو سکھانے کے لیے کسی مربی کے عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک نمونہ سامنے نہیں ہوگا اس وقت تک محض کتاب پڑھنے سے کوئی علم اور کوئی فن نہیں آئے گا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں داخل فرمائی ہے۔

تعلیمات نبوی کا نور درکار ہے

قرآن کریم نے ایک اور جگہ کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (سورہ مائدہ: ۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تو کھلی کتاب یعنی قرآن آیا ہے، اور اس کے ساتھ ایک نور آیا ہے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اگر کسی کے پاس کتاب موجود ہے اور کتاب میں سب کچھ لکھا ہے لیکن اس کے پاس روشنی نہیں ہے، نہ سورج کی روشنی ہے، نہ دن کی روشنی ہے، نہ بجلی کی روشنی ہے، نہ چراغ کی روشنی، بلکہ اندھیرا ہے۔ اس لیے اب روشنی کے بغیر اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح اگر دن کی روشنی موجود ہے، بجلی کی روشنی موجود ہے لیکن آنکھ کی روشنی نہیں ہے تب بھی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا جس طرح روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اسی طرح ہم نے قرآن کریم کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور بھیجا ہے جب تک تعلیمات کا یہ نور تمہارے پاس نہیں ہوگا تم قرآن کریم نہیں سمجھ سکو گے۔ اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ تمہیں نہیں آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا نور ہیں

اب بعض نااہل اور ناقدرشناس لوگ اس آیت کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی اعتبار سے بشر نہیں تھے۔ بلکہ "نور" تھے ارے بھائی یہ تو دیکھو کہ یہ بجلی کا نور، یہ ٹیوب لائٹ کا نور، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے "نور" کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ درحقیقت اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تعلیم.... دے رہے ہیں۔ یہ وہ نور ہے جس کے ذریعہ تم کتاب مبین پر صحیح صحیح عمل کر سکو گے اور اس نمونے کے بغیر تمہیں صحیح طرح عمل کرنے میں دشواری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ آپ کی تعلیمات کا نور کتاب اللہ کی عملی تشریح کرے گا یہ تمہیں تربیت دے گا۔ اور تمہارے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کر کے دکھائے گا کہ یہ دیکھو، اللہ کی کتاب پر

(باقی صفحہ ۳ پر)

عالم اسلام

(قسط ۱)

ترکی کے نئے وزیر اعظم

پروفیسر نجم الدین اربکان

پروفیسر محمد اجتباء ندوی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

ترکی کا نام آتے ہی عظیم الشان عثمانی خلافت اسلامیہ، شکوہ ترکمانی، اس کے کارنامے، خدمات، اور تابندہ نقوش دل و دماغ کے گوشوں میں نورانی کرنیں بکھیر دیتے ہیں، جن نورانی کرنوں نے ایک عرصہ دراز تک تین براعظموں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بڑے حصہ کو روشن و تابناک بنایا تھا، لیکن چند ظلمت پسند اندرونی و بیرونی عناصر اس چراغ کو گل کرنے یا اس کی روشنی کو مدھم و محدود کرنے کے درپے ہو گئے، جس میں صلیبیت، صہیونیت اور ماسونیت پیش پیش تھی، ہر ایک کو اپنے ذاتی مقاصد و مفادات کے ساتھ ساتھ عثمانی خلافت اور امت مسلمہ کی مثالی و بے نظیر خدمات اور انسانیت نوازی سے چڑھ تھی، چنانچہ ان عناصر نے متحد ہو کر خالص انتقامی جذبہ کے زیر اثر انیسویں صدی کے اوائل سے دنیا کی اس سب سے بڑی سلطنت پر یلغار کر کے کمزور و بے بس کرنا شروع کیا، ہر جانب سے حصار (ناکہ بندی) کھینچنے کا آغاز کیا، ان کے ذرائع ابلاغ اور پروپیگنڈہ دلالوں نے اسے (مرد بیمار) کا نام دے کر موت سے ہم کنار کرنے کی سازش کی، جس سے اس کا رقبہ مختصر سے مختصر تر ہوتا چلا گیا، خلافت کے خاتمہ کے لئے ایک ڈونمہ یہودی نژاد شخص کو عثمانی وردی پہنا کر اور مسلمان نام (مصطفیٰ کمال) رکھ کر سپاہی سے جنرل کے عہدہ تک پہونچا دیا، اسے بلقان کی جنگ میں ایک دو معرکوں میں فتح دلا کر ہیرو، کامیاب جنرل اور امت مسلمہ و خلافت عثمانیہ کے محافظ و مشکل کشا کے روپ میں پیش کر دیا، کام وہ کرتا تھا اور احکام ان تینوں عناصر (صلیبی، صہیونی اور ماسونی (فری میسن) کی جانب سے آتے تھے، بالآخر مصطفیٰ کمال نے اتنی فوجی طاقت و مقبولیت حاصل کر لی کہ ١٩٢٤ء میں خلافت اسلامیہ کو ختم کر کے اس کے ایک چھوٹے سے حصہ ترکی کو جمہوریت میں بدل دیا، خود صدر جمہوریہ بن گیا اور ایک پارٹی "عوامی جمہوری" کے نام سے تشکیل دی، جو ١٩٤٦ء تک ملک کی اکلوتی پارٹی رہی اور وہی ترکی پر حکومت کرتی رہی۔

مصطفیٰ کمال کو "اتاترک" کا خطاب بھی اسی صلہ میں مل گیا کہ اس نے خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے پہلو بہ پہلو ایسے دستور کی ترتیب دلوائی کہ جس کی اساس الحاد و لادینیت تھی، سیکولر ریاست کا اعلان کر کے اسلام کے سوا ہر دین والوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی، جبکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے پورے ملک میں بمشکل دو فیصد ٪۲ ہوں گے اور اٹھانوے فیصد ٪۹۸ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اسلام، اذان، نماز، اسلامی شعائر، مساجد، عربی زبان اور عربی رسم الخط پر پابندی عائد کر دی گئی، مصطفیٰ کمال نے (۱۴) چودہ سال حکومت کی، اس دوران بڑی بے رحمی سے ترک قوم کو مغربیت اور لادینیت کے زیر سایہ زندگی گذارنے پر مجبور کیا، اور انتہائی دردناک ظلم و ستم ڈھائے۔ مگر ترکی میں اسلام اور مسلم تہذیب نہ صرف باقی رہی بلکہ اسلامی تشخص و بقاء کے لئے کوششیں بھی جاری رہیں۔ اس کے عہد ہی میں شیخ بدیع الزماں سعید نورسی نے جماعت نوریہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کر لی تھی، اور قید و بند، ظلم و ستم کو برداشت کرتے ہوئے ان کے مدارس و حلقے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

مصطفیٰ کمال اتاترک کے انتقال کے آٹھ سال کے بعد ١٩٤٦ء میں ایک دوسری سیاسی پارٹی "ڈیموکریٹک" عدنان مندریس مرحوم اور جلال بائر نے قائم کی، ان دونوں کو ترکی عوام کے جذبات و مزاج کا اندازہ تھا، انھوں نے کسی حد تک ترکی عوام کو مذہبی آزادی دیئے جانے کے اعلان سے الیکشن میں کامیابی حاصل کی، عوام نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا، اسی دوران ایک ممتاز، ہوش مند، دانش مند، زیرک، اسلام پسند اور خداداد علمی و دینی صلاحیتوں کے مالک انجینئر کا ذکر سنا جانے لگا، جو استنبول یونیورسٹی کے انجینئرنگ کالج میں میکینیکل انجینئرنگ کا پروفیسر تھا اور اس کا نام نجم الدین اربکان تھا، جس نے پرائمری سے لے کر مغربی جرمنی کی آخن یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی تعلیم تک امتیازی کامیابیاں حاصل کیں، اور جرمنی سے میکینکس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر کے ترکی آئے تو انھیں یونیورسٹی اور صنعتی دنیا میں گرانقدر پیش کش ہوئی اور بہت جلد مقبولیت اور ناموری حاصل کر لی۔

ڈاکٹر نجم الدین اربکان ترکی کی شمالی سرحد پر بحر اسود کے ساحلی شہر "سینوب" میں ١٩٢٦ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد محمد صبری بک سلجوقی سرداروں کے قبیلہ (بنو اوغلو للبری) سے تعلق رکھتے تھے، ان کے

دادا سلجوقی کابینہ کے آخری وزیر خزانہ تھے، اسی بنا پر ان کا گھرانہ (ناظر زادہ) یعنی ابن وزیر کہلاتا تھا، جب ترکی میں خطابات کا قانون صادر ہوا تو انھیں "اربکان" کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔

پروفیسر نجم الدین اربکان کے والد محمد صبری بک نے استنبول سے قانون و شریعت کی ڈگری حاصل کی تھی اور "اناضول" کے علاقہ میں چالیس برس تک سول اور شرعی جج کے منصب پر فائز رہے تھے، اپنے صاحبزادہ نجم الدین کی تعلیم و تربیت کی براہ راست نگرانی کی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ تعلیمی و اخلاقی اعتبار سے فائق تھے، ثانوی تعلیم ۱۹۴۳ء میں مکمل کرکے استنبول کے انجینیرنگ کالج کے ٹسٹ میں بیٹھے تو اتنے نمبر حاصل کر لئے کہ انھیں انجینیرنگ کے دوسرے سال میں داخلہ دیدیا گیا، ۱۹۴۸ء میں فرسٹ ڈویژن سے کامیابی حاصل کی، یونیورسٹی نے انھیں انجینیرنگ کالج میں لیکچرر متعین کیا، ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۱ء تک یونیورسٹی میں تدریس کے ساتھ ساتھ کئی تحقیقی مضامین لکھے اور اپنی پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تیار کرکے پیش کیا، اور ڈگری لی، ان کی امتیازی صلاحیت اور حسن کارکردگی کی بنا پر اسی سال یونیورسٹی نے انھیں مغربی جرمنی کی آخن یونیورسٹی میں ٹینک سازی اور اس کی میکنک میں تخصص کے لئے روانہ کیا، ۱۹۵۳ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری لے کر ملک واپس آئے اور تھوڑے عرصہ میں معاون پروفیسر اور پھر پروفیسر منتخب کئے گئے۔

پروفیسر اربکان ۱۹۶۹ء تک استنبول یونیورسٹی سے وابستہ رہے اور اس دوران ان کے تحقیقی مضامین، صنعتی اور ٹکنیکل سرگرمیاں اور کامیابیاں عوام و حکومت کے ایوانوں میں خراج تحسین حاصل کرتی رہیں۔ انھوں نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ کئی صنعتی ادارے اور کارخانے بھی قائم کئے جس نے نوجوانوں کو روزگار بھی مہیا کئے اور حوصلے بھی بڑھائے، ڈاکٹر اربکان ان کارخانوں کے ذریعہ ترکی کو صنعتی طور سے مستحکم اور خودکفیل بنانا چاہتے تھے، اور قوم کا یہ مزاج بھی بنانے کا کام کر رہے تھے کہ وہ اغیار کے محتاج و دست نگر نہ رہیں بلکہ اپنی محنت سے صنعتی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی کرکے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا اعتماد پیدا کرلیں۔

یونیورسٹی کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ وہ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۳ء تک صنعتی شعبہ کے ڈائرکٹر رہے، ۱۹۶۷ء میں چیمبر آف کامرس اور انڈسٹریز کے سکریٹری جنرل مقرر کئے گئے، ۱۹۶۸ء میں چیمبر کی صدارت (CHAIMBARSHIP) کے لئے ایک ممتاز ترقی پسند سری انور باتور کے مقابلہ میں زبردست اکثریت سے منتخب ہوئے، اس اعلیٰ اور حساس منصب کے لئے ان کی کامیابی اور چیمبر کی سربراہی ترقی پسند مشرقی (کمیونسٹ روس) اور ترقی یافتہ امریکی، مغربی اور صہیونی "طبع نازک" پر گراں گذری، اور بات اس وقت کے وزیر اعظم (موجودہ صدر مملکت) جناب سلیمان دیمیرل کے واسطے صدر محترم تک پہونچی اور پرزور مطالبہ کیا گیا کہ پروفیسر نجم الدین اربکان کو چیمبر کی سربراہی سے فوری طور پر برخاست کردیا جائے، اس وقت ہونے والے ایک کمیونسٹ صحیفہ (آنٹ) نے اپنے شمارہ نمبر ۱۲۷ بتاریخ ۳/۶/۱۹۶۹ء کو ایک مقالہ "استنبول سرمایہ داروں کے رحم وکرم پر" کے زیر عنوان تحریر کیا، چند سطروں کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

"ان دنوں دنیائے تجارت وصنعت میں دو فریقوں کے درمیان شدید کشمکش ہے، وزیر اعظم سلیمان دیمیرل کے زیر سرپرستی ماسونی کامریڈوں اور نجم الدین اربکان کی قیادت میں اخوان مسلمین کے درمیان آیا اس کشمکش کی حقیقت کیا ہے؟"

مقالہ میں اس سوال کے جوابات دیئے گئے ہیں، جن میں دونوں فریقوں کو امریکہ کا ایجنٹ قرار دیا گیا لیکن نجم الدین اربکان کو زیادہ خطرناک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھا کہ ان کی جماعت اخوان مسلمین کا مرکز سعودی عرب ہے؟ اور یہ جماعت امریکہ کے مفاد میں کام کرتی ہے تاکہ سعودی پٹرول پر اس کا حق اور اثر ورسوخ قائم رہے؟

واضح رہے کہ اس وقت تک پروفیسر نجم الدین اربکان نے نہ تو کوئی پارٹی بنائی تھی، نہ کسی جماعت سے وابستہ ہوئے تھے اور نہ ہی سیاست اور پارلیمنٹ سے ان کا کوئی سروکار تھا۔

وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے تعلیمی، علمی، ٹکنیکل اور صنعتی میدان میں غیر معمولی محنت کرکے عوام و نوجوانوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا تھا اور ملک میں ایک بیداری سی پیدا ہو چلی تھی۔

ہاں ایک بات اور بھی تھی جس نے نجم الدین اربکان کی طالب علمی کے دور سے ہی مشرقی و مغربی سامراج اور ترکی کی سیکولر خفیہ ایجنسیوں نے محسوس کرلیا ہوگا کہ وہ دیندار اور تعلیم میں فائق و ممتاز ہیں وہ تعلیم کے دوران ہی سے دو چیزوں کے بہت زیادہ پابند تھے:۔ نماز اور اسکیم و منصوبہ سازی۔

بقول استاذ فتحی یکن (ترکی کی سلامہ پارٹی) اربکان کو ترکی کے قضیہ، تاریخ اور اس سے متعلق حقائق کا مکمل ادراک تھا ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ اسلام ہی وہ کشتی نجات ہے جو نہ صرف ترکی کو بلکہ پوری انسانیت کو امن وامان اور کامرانی وسلامتی کے ساحل سے ہم کنار کرسکتی ہے۔

چنانچہ پروفیسر نجم الدین اربکان کو چیمبر آف کامرس کی سربراہی سے نہ صرف علاحدہ کردیا گیا بلکہ ان سے بذریعہ پولیس فوری طور سے دفتر خالی کرالیا گیا، یا دوسرے لفظوں میں چیمبر سے نکال دیا گیا۔

جناب سلیمان دیمیرل سے اس وقت لوگوں کو اس معاملہ کی توقع نہیں تھی، خود پروفیسر اربکان کو بھی اس سخت کارروائی کا اندیشہ نہ تھا کیونکہ جناب

سلیمان دمیریل، مرحوم عدنان مندریس کے جانشین تھے، ۱۹۶۰ء میں فوجی انقلاب اور ۱۹۶۱ء میں عدنان مندریس کے پھانسی دیئے جانے کے بعد انھوں نے پارٹی کا نام تبدیل کرکے (عدالت پارٹی) کے نام سے الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی، اور مصطفیٰ کمال اتاترک کی جنتا پارٹی کے برعکس اسلامی شعائر اور دینی مدارس کے تئیں اعتدال پسند رویہ کا اظہار کیا تھا، جس کا آغاز مرحوم عدنان مندریس نے کیا تھا اور ترکی فوج نے ان کو اسی کی سزا دی تھی۔

مگر پروفیسر اربکان کے ساتھ اس غیر قانونی، غیر انسانی اور غیر اخلاقی سلوک کے بعد اندازہ ہوگیا کہ دونوں پارٹیاں درحقیقت ترکی کو اس کے مقدس ورثہ سے دور اور محروم رکھنے میں یکساں ہیں۔

اس ناانصافی نے پروفیسر نجم الدین اربکان اور ان کے رفقاء کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ وطن کے تحفظ، ترقی وفلاح، رفاہ وبہبود کے لئے اور اغیار کے فکری، ذہنی، سیاسی اور عسکری تسلط سے آزادی کی جنگ سیاست وقانون کے ذریعہ لڑی جائے۔

۱۹۶۹ء کا الیکشن ہونے والا تھا، ڈاکٹر اربکان نے "عدالت" پارٹی کے ٹکٹ پر "قونیہ" حلقے سے انتخاب میں شریک ہونے کی گذارش کی، لیکن پارٹی قیادت نے ٹکٹ دینے سے انکار کردیا، مجبوراً آزاد امیدوار کے طور سے حلقہ (قونیہ) سے کھڑے ہوئے ان کا انتخابی شعار (عزیز وطن ترکی کے مقدس ورثہ کے تحفظ کے لئے) تھا، تاریخ ساز کامیابی حاصل کی، جلد ہی پارلیمنٹ میں ان کے ہم خیال اراکین کا ایک محاذ بھی بن گیا، پھر باہم مشورہ سے ۲۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو "نظام وطن" نام سے اپنی پارٹی تشکیل دی، اس کا نشان مٹھی تھا جس کی شہادت کی انگلی ہوا میں لہراتی ہوئی روشن مستقبل کی نشاندہی کررہی تھی۔

پارٹی کی جانب سے ایک اعلانیہ نشر کیا جس میں ترکی کے ماضی، حال اور پھر مستقبل کا جائزہ اور تجزیہ پیش کیا گیا، اور واضح الفاظ میں صراحت کی گئی کہ اس پارٹی کا رکن صرف وہی ہوسکتا ہے جو پنج وقتہ نماز کا پابند ہو، اور اس کے صلاح، تقویٰ اور استقامت کے بارے میں اطمینان کرلیا گیا ہو، پارٹی کا اولین مقصد ملک میں نظم وضبط، خوش حالی ترقی اور خیر وفلاح کا عام کرنا ہے، اس اعلانیہ کے آخری الفاظ کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"نظام وطن پارٹی کا مقصد اپنی امت کی عظمت رفتہ کا احیاء ہے، یہ امت اخلاق وفضائل کے زبردست ذخیرہ کی مالک ہے اس کی تاریخ تابناک ہے، دور حاضر میں اس کا صاحب ایمان نوجوان یہ حوصلہ رکھتا ہے کہ وطن عزیز اور اس کے مسائل ومشکلات کو سمجھ کر اس کا مداوی کرسکے۔"

اس پارٹی کے قیام کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا، اور مختلف شہروں اور دیہی علاقوں میں اس کی شاخیں قائم ہونے لگیں، دبے کچلے، سانس روکے ہوئے، خوف ودہشت کی فضا میں شب وروز گذارنے والے دیندار حلقے، مدارس، خانقاہیں، مسجدوں کے ائمہ نے کسی قدر اطمینان محسوس کیا اور اپنے اندر ہمت وحوصلہ پایا، اور آزادی سے دینی گفتگو اور اسلامی فریضے ادا کرنے کی راہ کھلتی نظر آئی، کیونکہ سابق وزیر اعظم عدنان مندریس مرحوم کی پھانسی کے بعد از سر نو سختیاں شروع ہوگئی تھیں، نظام وطن پارٹی کے سربراہ اور کارکنوں نے بڑی حکمت عملی سے عوام اور نوجوانوں میں قومی، ملی اور اسلامی بیداری کے پہلو بہ پہلو ملک کو فساد اور اغیار کی دست نگری سے نجات اور وطن کو خود کفیل بنانے کا جذبہ پیدا کرنا شروع کیا۔ میٹنگ، نشست اور مختصر جلسے اور اجتماعات بھی ہوئے، ایک سال میں پارٹی کو ترکی کے تمام علاقوں میں امید افزا تائید حاصل ہوئی۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں پارٹی نے ایک سال پورے ہونے کی تقریب سے عمومی کانفرنس منعقد کی، جس میں ملک کے گوشہ گوشہ سے نمائندے شریک ہوئے اور بہت بڑا غیر معمولی مجمع اکٹھا ہوا، کانفرنس کی کارروائی ریڈیو، میڈیا اور رسالوں واخبارات نے نشر کی، پارٹی کے صدر پروفیسر نجم الدین اربکان نے کانفرنس سے خطاب کیا اور ترکی کے ماضی وحال کا جائزہ لیتے ہوئے مستقبل کا منصوبہ پیش کیا۔

خطاب ایمان افروز اور باطل شکن تھا، اور ترکی عوام کی امنگوں، جذبات اور آرزوؤں کا سچا وصحیح ترجمان تھا۔

اس کانفرنس نے حکومت، اس کے سرپرستوں اور ترکی فوج (جو اتاترک کے دور سے آج تک مغرب نواز رہی ہے) کو چونکا دیا اور جس کا خطرہ تھا وہی ہوا، اس کانفرنس کے ٹھیک چار ماہ کے بعد ملک کی عدالت عالیہ نے پارٹی کے توڑنے اور اس کی تمام املاک کے ضبط کرنے اور پارٹی کے کسی فرد کو اگلے پانچ سال تک کوئی نئی پارٹی بنانے اور الیکشن میں حصہ لینے پر پابندی لگادی، پارٹی صرف سولہ مہینے قائم رہی، وقت کے لحاظ سے یہ مدت بہت مختصر تھی لیکن ترکی کے اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لحاظ سے بڑی اہم تھی۔

(جاری)

استنبول میں اسلامی کانفرنس

ترجمہ: محمد احمد ندوی

ہر سال ٢٩ر مئی کو ترکی کے باشندے فتح استنبول کی یادگار مناتے ہیں. اس تاریخ میں وہ اپنی مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں اور مجاہدوں کا سپاہیانہ لباس زیب تن کرکے فتح کا ترانہ گاتے ہوئے ٹولیاں بنا بنا کر جلوس کی شکل میں سڑکوں پر آجاتے ہیں. ان کے اس جلوس کا سماں بڑا دلکش ہوتا ہے۔ اس سے اسلامی شان وشوکت اور ان کے جاہ وجلال کا پورا اظہار ہوتا ہے۔ وہاں کے باشندوں میں از سر نو اب یہ شعور بیدار ہو رہا ہے کہ اس شہر کو پھر اسلام کا پایۂ تخت بنایا جائے جیسا کہ ماضی میں ایک عرصہ دراز تک وہ مسلمانوں کی عظمت اور ان کے شکوہ کا جلوہ گاہ رہ چکا ہے۔

سمندروں کی گود میں پلنے والا یہ شہر وہ شہر ہے جس کو فتح کرنے میں بڑے بڑے جیالوں کے جان کے لالے پڑ گئے، چاروں طرف سے اس کو مضبوط و مستحکم فصیلیں گھیرے ہوئے ہیں اس لیے اس شہر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا علاوہ ازیں یہ شہر یورپ سے بالکل متصل بلکہ جغرافیائی اعتبار سے اس کا کچھ حصہ یورپ میں بھی پڑتا ہے پھر عیسائیوں کا وہ آماجگاہ تھا اس وجہ سے ہمیشہ یورپی طاقتیں مسلمان فاتحین کی راہ میں مزاحمت کرتی رہیں تاہم اس شہر کو فتح کرنے کے لیے بڑے بڑے سورماؤں نے قسمت آزمائی کی لیکن خوش قسمتی کہ اس کا عظیم الشان فتح کا سہرا عثمانی نوجوان سلطان محمد فاتح کے سر بندھتا ہے اس جواں سال نے جس حکمت و تدبر اور عالی ہمتی سے اس شہر کو فتح کیا وہ اسلامی تاریخ کا ایک تابندہ باب ہے چنانچہ اس گوناگوں اہمیت کے حامل شہر کو فتح کرنے کے بعد سلطان محمد فاتح نے اپنے سپہ سالاروں سے پوچھا کہ دشمنوں کے مکروفریب اور ان کی چالبازیوں سے اس شہر کی حفاظت کیسے کی جاسکتی ہے تو کسی نے اس کے چاروں طرف مزید اور فصیلوں کے بنوانے کے متعلق کہا. کسی نے کہا کہ القرن الذہب کے اندرون میں مضبوط آہنی زنجیریں ڈلوادی جائیں۔ اور کسی نے وہاں کے توپ خانے کو زیادہ بہتر بنانے کے بارے میں مشورہ دیا، سب کی باتیں سن کر محمد فاتح ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے یوں گویا ہوا. کہ یہ ساری چیزیں تو پہلے ہی سے موجود تھیں اس کے باوجود خدا نے ہم کو اس شہر پر غلبہ نصیب کیا، ہاں اگر اس شہر کو دشمنوں کی یلغار سے بچایا جاسکتا ہے تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تمام دنیائے اسلام کے مسلمان مجاہدین کو لاکر اس شہر میں بسایا جائے تاکہ وہ اپنے طاقتور ایمان اور بلند ہمتی کے ذریعہ اس کی حفاظت کرسکیں۔

سلطان محمد فاتح کے فتح کرنے سے قبل اس کا نام قسطنطنیہ تھا لیکن فتح کے بعد اس کا نام اسلام بول پڑا، جس کے معنی دارالاسلام کے ہیں پھر رفتہ رفتہ اسلام بول سے استنبول ہوگیا۔

ایک عرصہ دراز تک یہ شہر عثمانیوں کا پایۂ تخت رہا، علمی و ثقافتی اعتبار سے بڑی ترقی کی، بڑے بڑے مدرسے اور عظیم الشان کتب خانے تعمیر کیے گئے حتیٰ کہ کتب خانوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کتب خانے بنائے گئے۔ وہاں کی عالی شان مسجدیں اور دیگر عمارتیں اسلامی فن انجینیرنگ اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بڑی اچھی یادگار ہیں ہر سال وہاں اس شہر کی فتح کی یادگار منائی جاتی رہی ہے. مگر اب اس کی نوعیت میں تبدیلی آگئی ہے اور اس نے ایک اسلامی کانفرنس کی شکل اختیار کرلی ہے جس کا نظم و نسق ترکی کی اسلام پسندوں کی پارٹی رفاہ کے ذمہ ہے اس سالانہ کانفرنس میں دنیا کے تمام براعظموں ایشیا، یورپ، امریکا، آسٹریلیا، افریقہ کے بیشتر ممالک کے مسلم قائدین شریک ہوتے ہیں اس وجہ سے دنیا کے اتنے ممالک کے مسلم قائدین کا اجتماع بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کے مسائل اور ان کی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی مشکلات کے بارے میں سر جوڑ کر بیٹھ کر غور و خوض کرنے کا سنہرا موقع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سال کانفرنس میں جو مسائل زیر بحث لائے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں

١۔ **تعلیم و تربیت**: اس ضمن میں کانفرنس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ان تمام وسائل کا اختیار کرنا لازم ہے۔ جس سے وہ دین کو صحیح طور پر سمجھنے پر قادر ہوسکیں۔

٢۔ **ذرائع ابلاغ**: اس کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا گیا کہ موجودہ زمانے میں ذہنوں کو بنانے اور بگاڑنے میں اس کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے ہمارے دشمن اس کے ذریعہ سے اسلام کو بدنام کرنے اور اس کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرنے میں بہت کامیاب نظر آتے ہیں اس کے برعکس مسلمانوں کا میڈیا اتنا کمزور اور غیر اطمینان بخش ہے کہ

(باقی ص ٢٧ پر)

ایک مطالعہ

سیرت سید احمد شہیدؒ

قسط نمبر ۱۲

پروفیسر وصی احمد صدیقی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

ترجمہ:۔ ان ایمان والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ پھر ان میں کچھ وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو (شہادت کے) مشتاق ہیں اور انھوں نے ذرا بھی رد و بدل نہیں کیا (ترجمہ سورہ احزاب۔ ۲۳)

حضرت کو اطلاع ملی کہ شیر سنگھ مظفر آباد آتا ہے۔ سردار حبیب اللہ خاں نے اطلاع بھیجی کہ شیر سنگھ بالاکوٹ سے ڈھائی کوس کے فاصلے تک پہنچ چکا ہے۔ حضرت مع لشکر بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب راہ میں وعظ کہتے گئے۔ ایک جگہ وادی میں قیام کیا۔ کھانے کی ظاہرا کوئی صورت نہیں تھی۔ کچھ مقامی لوگ دودھ کا ایک گھڑا لے آئے تھے۔ طبیعت پر عجیب اثر تھا۔ مارنے اور مغلوب کرنے کی باتوں کو روک دیتے تھے۔ حضرت فجر کے وقت بالاکوٹ میں داخل ہوئے۔ شیر سنگھ کے ڈیرے خیمے نظر آرہے تھے۔ سید صاحب نے لڑائی کی حکمت عملی تجویز کی۔ ملا لعل محمد کو اس پہاڑی پگڈنڈی کی حفاظت پر مامور کیا جو نیچے مٹی کوٹ آتی تھی۔ دس بارہ قندھاری ملا لعل محمد کی جماعت کے لیے چھوڑے تاکہ اگر سکھوں کا دباؤ ہو تو وہ بندوقیں چلائیں۔ اسی طرح اور لوگوں کو مختلف جگہوں پر مامور کیا۔ آپ نے بالاکوٹ سے نواب وزیر الدولہ مرحوم کو ۱۳؍ ذیقعدہ ۱۲۴٦ھ کو ایک خط لکھا جو آخری خط تھا۔ اہل سمہ کے لیے لکھا کہ وہ بدبخت ازلی تھے اس لیے ان کی حرکتوں کو دیکھ کر وہ جگہ چھوڑ دی اب لوگوں کی دعوت پر بالاکوٹ پہنچ گئے ہیں اور دشمن تین چار کوس کے فاصلہ پر ہیں اب جنگ ہونی ہے۔ ایک جاسوس پکڑا گیا جس کا مجاہدین نے منہ سیاہ کر دیا۔ سید صاحب نے یہ بات ناپسند کی۔ اس سے کہا کھل کر آؤ یہاں کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ سلطان نجف خاں نے لکھا کہ شیر سنگھ لڑنے پر تلا ہوا ہے اور اس سے لڑنا غیر ضروری ہے۔ آپ بالاکوٹ چھوڑ کر پچھلے پہاڑ پر چلے جائیں۔ یہ اپنا سر مار کر چلا جائے گا۔ یا پھر آپ سب کو لیکر رات کو دریا کے پار چلے جائیں میں اس وقت سب کا افسر ہوں۔ آپ آئیں گے تو میں آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے اس خط کو مکر گردانا مگر اس بات کا یقین ہو گیا کہ شیر سنگھ کے ساتھ دس بارہ ہزار بندوقیں ہیں اور پیچھے پہاڑ پر چلا جانا نامناسب نہیں۔

سید صاحب نے فیصلہ کیا کہ میدان میں لڑنا ہے لوگوں کا مشورہ صرف وقتی طور پر کارآمد تھا شیر سنگھ نے ساری بالاکوٹ کی بستی کو پھونک دیا۔

اب شہادت کی تیاری شروع ہو گئی آخری انتظامات ہوئے۔ سید صاحب نے رات کا کھانا تناول کیا اور اپنے کپڑے اور ہتھیار منگائے، کچھ کپڑے منشی خواجہ محمد اور حکیم قمرالدین پھلتی کو دیئے۔

رات اتنی وحشتناک تھی کہ اس کا بیان مشکل ہے اس بستی کے لوگ کہتے تھے کہ اندھیری اور ابر آلود راتیں تو بہت دیکھیں مگر ایسی اداس اور خوفناک رات دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

۲۴؍ ذیقعدہ (۱۲۴٦ھ) کو صبح کی اذان ہوئی عجب واقعہ سے لڑائی کی ابتداء ہوئی ایک مجاہد لشکر سے نکل کر سکھوں سے جا ملا۔ اور ایک سکھ لشکر مجاہدین میں آکر مسلمان ہو گیا۔ دونوں کشتہ ہوئے مگر دونوں کا انجام ظاہر ہے۔ ایک صاحب سید چراغ علی کھیر پکا رہے تھے۔ ان کو نظر آیا کہ حور چلی آتی ہے۔ انھوں نے چمچہ دیگچی پر مارا اور کہا کہ اب تمھارے ہاتھ کا کھائیں گے۔ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور شہید ہو گئے۔

حضرت کو بے حد اطمینان نصیب تھا۔ آپ نے لبیں کتروائیں اور داڑھی میں کنگھی کی۔ حبیب اللہ خاں سے کہا کہ فتح و شکست کا تعلق تعداد سے نہیں یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ ملا لعل محمد نے کہا کہ دشمن بہت قریب آگئے ہیں۔ آپ نے کہا کہ ابھی ہلہ نہ بولنا آپ ایک حجرے میں جاکر دعا کرنے لگے تین مرتبہ آپ کو احساس ہوا کہ جیسے کوئی بلا رہا ہے مگر کوئی بلانے والا نہ تھا۔ آپ بالاکوٹ کے نیچے اترے اور ایک مسجد میں جو نیچے اتار پر تھی نمازیوں کے ایک مورچہ میں شامل ہو گئے۔ گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں قرابین اور لمبی بندوقوں والوں کو لے کر آگے بڑھے اور تکبیر کہہ کر حملہ آور ہوئے۔

حافظ وجیہ الدین صاحب باغپتی اور میاں حفیظ اللہ دیوبندی نے سید صاحب کی شہادت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔

اب لڑائی تلوار سے شروع ہوئی۔ مجاہدین کا غلبہ تھا۔ اس دوران لوگوں کو سید صاحب نظر نہیں آئے سب نے ان کی تلاش شروع کی جب مخالف فوج کے لشکری پسپا ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو مولانا اسمٰعیل صاحب رائفل کاندھے پر لگائے ہوئے آئے اور پوچھا کہ

سید صاحب کہاں ہیں۔

غازی تعاقب کر رہے تھے شیر سنگھ نے بھاگنے والوں سے کہا کہاں جا رہے ہو، لاہور بہت دور ہے۔ بھر تر م بجنے لگا سکھ واپس پلٹ کر بندوقیں چلانے لگے۔ سید صاحب برق وباراں کی طرح ایک دلدل کو پار کرتے ہوئے دشمنوں کے سر پر پہونچ گئے سکھ بے تحاشہ گولیاں چلا رہے تھے۔ نہ اپنوں کو چھوڑ رہے تھے نہ بیگانوں کو مجاہدین بہت کم ہوگئے تھے اور سید صاحب کو ڈھونڈنے میں تتر بتر ہوگئے تھے، پانی کے چشمہ کے پاس اکٹھا ہوگئے۔ اب شکست ہوگئی تھی۔ شہدا کی تدفین اس طرح ہوئی کہ مولانا اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کی لاشیں الگ الگ دفن ہوئیں، باقی لاشوں کو ایک جگہ دفن کیا اور گنج شہیداں بنا دیا۔

ارباب بہرام خاں کے بھتیجے نے چھ مہینے کے بعد اپنے چچا کی لاش کو نکال کرلے جانا چاہا۔ لوگ مانع ہوئے کہ اب وہاں سوائے ہڈیوں کے اور کیا ہوگا۔ مگر جب قبر کھود کر لاش نکالی تو وہ بالکل ترو تازہ برآمد ہوئی۔

سید صاحبؒ کی شہادت

آج سے چالیس پچاس سال پہلے (وقت کا تعین کتاب کی تصنیف سے کیا جائے ۱۹۲۹ء) سید صاحب کے معتقدین میں اس کا بڑا چرچا تھا کہ سید صاحب کی شہادت ہوئی یا آپ مصلحتاً روپوش ہوگئے اور ابھی بقید حیات ہیں ایک بڑا گروہ سید صاحب کے غیبتؒ کا قائل اور آپ کے ظہور کا منتظر تھا۔ اس سلسلے میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی رسالہ دعوت میں لکھتے ہیں "آج تک جتنے اولوالعزم انبیاء گذرے ہیں کوئی شکست کا صدمہ اٹھائے بغیر نہیں رہا۔ ہمارے حضرت کو بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی نیابت نصیب کی ہے ان کے لشکر پر شکست کیوں نہ آئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کو چلّہ گزاری اور دعا و زاری کے لیے پہاڑوں میں بلایا۔ اور دشمنوں کی آنکھ سے بچایا۔۔۔ ۔۔۔ انشاء اللہ عزّ مہٗ قریب میں خورشید درخشاں کے مثال ظاہر ہو کر عالم کو اپنے انوار ہدایت سے منوّر فرمائیں گے۔"

تذکروں میں متعدد واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے سید صاحب کو کسی مقام پر دیکھا اور پہچانا۔ خود سید صاحب نے بعض کلمات ایسے فرمائے تھے جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی تھی مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی پھانسی گھر میں اکثر نہایت درد سے درد کی یہ رباعی سید صاحب کے اشتیاق میں پڑھا کرتے تھے ؎

اتنا پیغام درد کا کہنا
جب صبا کوئے یار سے گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے
دن بہت انتظار میں گزرے

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے حکیم عبد الحی صاحبؒ (مصنف کے والد محترم) کو ایک خط میں لکھا "مجھ کو حضرت مرشدنا کی حیات و ظہور کا ایسا یقین ہے جیسے اپنی موت کا" (مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۹۲ء)

حضرت کے زندہ رہنے کی روایات گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے یا جوشِ محبت میں کچھ دن قائم رہیں پھر بُعدِ زمانہ کے ساتھ یہ خیال لوگوں کے دل سے محو ہوتا گیا۔

آپ کے مکاتیب آپ کی تقریریں اور آپ کی مجلس کی گفتگوئیں شوقِ شہادت کے جذبہ سے لبریز ہیں آپ کی صحبت نے ہزاروں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی کا شعلۂ بیتاب اور شہادت کا ایسا جذبۂ صادق پیدا کر دیا تھا کہ ان کو اپنی جان وبال جان اور اپنا سر وبال دوش معلوم ہونے لگا تھا۔ اس پوری جماعت کا جس کے آپ امام تھے عقیدہ اور نظریہ یہ تھا ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

مؤرخ کہتا ہے اور قرائن اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ جن کے سبب سے سیکڑوں بندگانِ خدا کو شہادت کی لازوال دولت نصیب ہوئی وہ خود اس نعمت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ سے ہرگز محروم نہیں رہا۔

خفر خاں کی روایت ہے کہ جنگ کے اختتام پر سکھوں اور مسلمانوں کی لاشیں اکٹھا پڑی تھیں، شیر سنگھ نے بعض غازیوں کو جو زندہ گرفتار ہوگئے تھے اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ ان لاشوں میں سے خلیفہ کا جسم مبارک کون سا ہے انھوں نے لاشوں میں سے ایک جسم کو دیکھا جس کا سر نہ تھا۔ اس جسم کو انھوں نے آپ کا جسم قرار دیا شیر سنگھ نے اس پر دو شالہ ڈال دیا اور خاصے کے دو تھان اور ۲۵ روپئے خیرات کے لیے دیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں۔

آپ کا مدفن

تمام روایتوں اور بیانات کو جمع کرنے کے بعد جو بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا جسم اور سرِ مبارک جمع کرکے اس قبر میں دفن کیا گیا جو دریائے کنہار کے قریب ہے اور آپ کی طرف منسوب ہے پھر وہ نعش نکالی گئی اور دریا میں ڈال دی گئی۔ سر اور جسم الگ الگ بہتے ہوئے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور دو علیحدہ مقامات پر دفن کیئے گئے۔ ممکن ہے سر اس جگہ دفن کیا گیا ہو جو گڑھی حبیب اللہ میں آپ کے سر کے مدفن کی حیثیت سے مشہور ہے اور جسم تلہٹہ میں مدفون ہو جہاں آپ کی قبر بتائی جاتی ہے۔

بہرحال آپ کی یہ دعا مقبول اور یہ تمنا پوری ہوئی کہ میری قبر کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ

اسی شہید بالاکوٹ میں اسی تاریخ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ

کو مولانا محمد اسمٰعیلؒ نے بھی شہادت پائی۔ اکثر ساتھیوں نے آپ کو جس وقت دیکھا پیشانی سے خون جاری تھا۔ داڑھی خون سے تر تھی بھری ہوئی بندوق کاندھے پر اور ننگی تلوار ہاتھ میں تھی سر برہنہ تھا سید صاحب کو دریافت فرماتے تھے اور شوق شہادت میں سرشار پروانہ وار پھر رہے تھے۔ بالآخر اس دلی مراد کو پہونچے۔ جہد جہاد کی اس طویل و مسلسل حیات طیبہ کا خاتمہ ہوا جس میں شاید ایک دن بھی فراغت و راحت اور ایک رات بھی غفلت اور استراحت کی نہ تھی۔ جنگ کی تدابیر و انتظامات اور جنگی مہموں کی قیادت میں سب سے بڑا حصہ آپ ہی کا تھا۔ اس مدت میں میدانِ جنگ کے سب نشیب و فراز اور حالات کے سب تغیرات پیش آئے۔ فتوحات بھی ہوئیں۔ علمداری بھی قائم ہوئی۔ ایک دینی ریاست کا انتظام بھی کرنا پڑا شکستیں بھی ہوئیں۔ فتح کیا ہوا علاقہ بار بار ہاتھ سے نکل گیا ایک ایک وقت میں بیسوں کی تعداد میں برسوں کے ساتھیوں کی اچانک شہادت کی خبر بھی سنی، جن توقعات کے ساتھ ہندوستان سے رخصت ہوئے تھے۔ ان میں سے بہت کم پوری ہوئیں جن سے مدد کی امید تھی۔ انھوں نے مدد کے بجائے دھوکہ دیا۔ برسوں کی کھیتی دنوں اور گھنٹوں میں لٹ پھنک گئی۔ تنگی ترشی۔ مسلسل فاقے اور مسلسل آزمائشیں رہیں لیکن اس مجاہد کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ بارہا سید صاحب سے رائے کا اختلاف ہوا لیکن اطاعت اور محبت میں فرق نہیں آیا، عین میدانِ کارزار میں اپنے محبوب مقصد کے لیے اپنے محبوب رفیق کے ساتھ راہ خدا میں سر دے کر ثابت کیا۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم۔
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے۔

یہ کتاب ایک ایسے مجاہد کی داستانِ حیات ہے جن کو آنحضرتؐ سے مناسبت تامہ اور مزاج نبوی سے طبعی و ذوقی اتحاد تھا۔ حضرت اتباع سنت اور اقتدائے کامل کے اعلیٰ درجات پر تھے صدہا سال سے ایسی عالی ہمت شخصیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ آپ کا استغنا اور بے نیازی، سخاوت اور دریا دلی ایسی تھی جو بڑے کاملین میں ملتی ہے۔ دنیا کی دولت کو آپ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ کسی کا سوال رد کرنا آپ جانتے ہی نہ تھے آپ کی شجاعت اور اعتماد علی اللہ کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئے جس کی نظیر نہیں ملے گی۔ ساتھ ہی ساتھ عفو و حلم کا بے مثال نمونہ تھے۔ معاف کرنے کی ایسی مثالیں سامنے ہیں جسے پڑھ کر آدمی حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص کو آپ نے خیمہ۔ گھوڑا اور بہت سا سامان عطا کیا۔ وہ لشکر اسلام سے ساز و سامان سمیت بھاگ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جب حالات نے اُسے مجبور کیا تو پھر وہ آن کی خدمت میں آیا تو آپ نے پھر اُسے سامان عطا کیا۔ فرمایا کہ میں شرم کے مارے اس کے چہرہ پر نگاہ نہیں ڈالتا۔ کسی کو ایذا پہنچانا خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کے مسلک میں ناجائز اور آپ کے افتاد طبع سے بعید تھا۔

کلمہ گو کا اس قدر احترام دل میں تھا کہ آپ نے مولانا اسمٰعیلؒ کو ان کی شکایت پر ایک سمجھانے کا خط لکھا۔ ایک افغانی سردار نے کہا تھا کہ اس کے قوانین اس کے علاقہ کے رسوم و رواج ہیں اور اگر ان پر عمل کرنے پر آپ سے قابو نہیں ہوا تو وہ کسی غیر مسلم کی علمداری میں چلا جائے گا، مولانا اسمٰعیلؒ نے سید صاحب کو اس کی اطلاع دی آپ نے لکھا کہ یہ لوگ آخر مسلمان ہیں۔ اس وقت جہالت اور قومی عادات کے سبب سے ایسے کلماتِ کفر اس کی زبان سے نکلے ہیں کیا عجب کہ یہ راہِ راست پر آجائیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حمیّتِ شرعی اور غیرت دینی آپ میں بدرجہ اتم تھی یہ پوری تحریک اسی جذبہ کی پیداوار تھی۔ مذہب کے زوال اور کفر کے تسلط نے آپ کو سکون سے بیٹھنے نہیں دیا۔ اور دنیا کا کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ حمیت صرف مخالفین اور دشمنانِ اسلام ہی کے مقابلہ میں نہیں تھی۔ کسی قریب ترین عزیز اور رفیق کی زبان سے بھی کوئی کلمہ ایسا نکل جاتا جس سے شریعت کی تحقیر یا جنابِ الٰہی میں بے ادبی کا پہلو نکلتا تو آپ کی حمیت جوش میں آجاتی۔ مولوی سید کرامت علی بہاری نے آپ کے خط کو وحی سے تشبیہ دی آپ انتہائی ناخوش ہوئے اور خط کو چاک کر دیا۔

سید صاحب نے پشاور فتح کر کے سلطان محمد خاں کو واپس کر دیا۔ یہ بات خود آپ کے لشکر کے اہل اخلاص کے سمجھ میں نہیں آرہی تھی آپ نے ایک خط میں اس کی وضاحت کی کہ ہم کو صرف اللہ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل مقصد ہے نفع و نقصان سے کوئی بحث نہیں، اس معاملہ میں سلطنت آنے جانے کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہاں پر ایک ملک گیر فاتح اور ایک فرمانبردار مجاہد کے بیچ میں فرق نظر آتا ہے اوّل الذکر کو ملکی مصالح اور سلطنت کے حصول سے تعلق ہے۔ دوسرے کو طاعت اور بندگی سے۔

کسی انسان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے کہ اس سے غلطی کا صدور ہی نہیں ہوتا اور وہ نبی کی طرح معصوم ہے بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ غلطی کے صدور پر اس کی بندگی کا پورا ظہور ہوتا ہے۔ وہ اپنی تقصیر کا اعتراف کرتا ہے اور استغفار کرتا ہے، سید صاحب کی سیرت میں ایسے واقعے ملتے ہیں جس کی کیفیتِ انابت کا پورا اظہار ہوتا ہے بچی کو دودھ نہ پلانے پر ملازمہ کو جھڑکی اور پھر اس سے معافی مانگنا، باورچی کے گوشت جلانے پر ناپسندیدگی کا کلمہ کہنا اور پھر سب کے سامنے اُس سے معافی مانگنا اس کی تین مثالیں ہیں گو ایسے واقعات بہت شاذ ہیں۔

آپ مجسم شریعت اور سراپا اتباع سنت تھے

(باقی ص۱ پر)

مسلم خواتین کا تاریخی کردار

(تیسری و آخری قسط)

(تسلسل کے لیے ۲۵؍جون کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں)

تحریر: مولانا عبد اللہ حسنی ندوی

ترجمہ: محمد طارق اقبال متعلم ندوۃ العلماء

عورت اور بیسویں صدی

بیسویں صدی کی جاہلیت نئے نعرے اور جدید لباس میں سامنے آئی اور اس نے عورت کی آزادی و حریت کا نعرہ بلند کیا اور ایسا تأثر دینے کی کوشش کی کہ وہ کال کوٹھری میں قید اور وہاں کی گھٹن والی فضا سے زار و نزار ہے اس کا سب سے بڑا علمبردار اور داعی یورپ ہے جس کا ظاہر خوشنما اور حسین و جمیل ہے اور اندرونی نہایت ہی تیرہ و تار اور تاریک ترین جس کے لبوں پر مسکراہٹ اور دل میں بے چینی اور اکتاہٹ ہے اس نے اس کو مناصب عہدوں نوکری، سروس کے لیے اکسایا اور مردوں کے اختلاط اور آپسی برابری کا نعرہ دیا چنانچہ عورت بے حجابانہ آفسوں اور دفاتر میں داخل ہوئی اور بڑے بڑے مناصب اور عہدوں پر فائز ہوئی اور سڑکوں پر مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ چلنے لگی اور ہر کام میں اس کے دوش بدوش رہی اور اس جاہلیت سے دھوکہ کھا گئی اور مغرب کی اس چمک دمک (فیشن) کی پیروی اس نے کی جس کا اس نے اعلان کیا اور معاملہ اس حد تک پہونچ گیا کہ عورتوں کی بڑی تعداد شادی سے بیزار ہونے لگی۔ اس لیے کہ شادی آزادی اور حریت کی راہ میں زبردست روڑا اور پتھر ہے جس کا فطری اور عملی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ان عورتوں کی تعداد جو امریکہ میں جنسی حوادث کا شکار ایک سال میں ہوتی ہیں لگ بھگ چھ لاکھ یا سات لاکھ ہو گی، جیسا کہ امریکی خبر رساں ایجنسی نے خبر دی ہے، جہاں تک اخلاقی انارکی و گراوٹ جنسی بے راہ روی کا تعلق ہے تو یہ موجودہ زمانہ کا فیشن بن چکا ہے اور اس کے نتیجہ میں ایسے معاشرے اور سوسائٹی نے جنم لیا جہاں سسکتی بلکتی انسانیت کی راہ کے سوا کچھ نہیں افراد اس کا شکار، مرد و عورت، بچے، بوڑھے لڑکے لڑکیاں سب ہی اس میں مبتلا ہیں۔

یہ لوگ خواب آور گولیوں، نشہ آور چیزوں سے غم غلط کرنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں۔ منشیات کا عام رواج ہو گیا ہے، یہ کیوں نہ ہو ان کی بیویاں ان کی بہنیں نفسانی خواہشات کی بندیاں ہو چکی ہیں اور خواہش و لذت کی تسکین کے لیے انھوں نے دوسرے مردوں کی آغوش میں پناہ لے لی ہے۔ ایسی عورتوں کی اس سے زیادہ کوئی قیمت نہیں کہ وہ اس گیند کی طرح ہو کر رہ جاتی ہے جو ہاکی کھیلنے والوں کی ہاکیوں کے رحم و کرم پر رہتی ہے یا فٹ بال کی طرح ہو جاتی ہیں جو کھیلنے والوں کے پیروں کے درمیان گھومتا رہتا ہے پھر پرانا اور بوسیدہ ہونے پر اسکوردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں نہ ان کے دل میں اس کے لیے سچی محبت ہوتی ہے اور نہ رحم کا پہلو اور نہ اس کے لیے اس کے اندر نرمی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی ہوس، لذت اور مادہ پرستی کے بندے اور غلام ہیں ان کے دل نہایت سخت ہیں ماں کے دل انسانی لطیف جذبات سے خالی ہو چکے ہیں جن میں نہ انسانیت کا درد ہے نہ کمزوروں پر شفقت۔

یہ چھوٹے اور بڑے بچے جو پارکوں اور راستوں میں پڑے ملتے ہیں یا انھیں ان کی ماؤں نے ہاسپٹلوں میں چھوڑ دیا ہوتا ہے یا وہ ویران گھروں میں زندگی گذارتے ہیں نہ ان کو ماں کی ممتا ملتی ہے اور نہ باپ کا پیار و محبت، نہ وہ خاندانی تعلقات و مراسم سے واقف ہوتے ہیں اور نہ قرابت داروں کا قرابت در روابط کو جانتے ہیں۔ جہاں تک یونیورسٹیز اور کالجوں میں نام درج کرانے والے لڑکے اور لڑکیوں کا تعلق ہے تو وہ شتر بے مہار، آزاد و بے لگام ہوتے ہیں ان کے جی میں جو آتا ہے کرتے ہیں۔ اور نفس کی پیروی میں ہر گناہ اور جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور کم سے کم وقت میں اس چیز تک پہنچ جانا چاہتے ہیں جہاں بڑے لوگ طویل مدت میں رسائی پاتے ہیں اور اس کو بہت جلد حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کے تحصیل میں بڑوں کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔

یہ پستیاں جہاں مغربی معاشرہ پہونچ گیا ہے وہاں سے واپسی ایک وہم و خیال ہے بلکہ محال ہے۔ چنانچہ اس سے دوچار مغربی طبقہ اپنی بیماری کو پورے عالم میں پھیلانے کی انتھک اور غیر معمولی کوشش کر رہا ہے اس مقصد کی تکمیل اور اپنی تمنا برآری کے لیے انھوں نے دو کانفرنسیں ایک مصر اور ایک چین میں منعقد کی ہے اور ان دونوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور ان کے حسین خوابوں اور لذیذ تمناؤں کی فی الحال تکمیل نہ ہو سکی

"باحجاب عورت کا کردار بے حجاب عورت سے عظیم تر ہے"

یقیناً موجودہ بیسویں صدی کی بے پردہ عورت اس صدی پر اس اعتبار سے فخر کر رہی ہے کہ یہ دور ترقی اور عروج کا ہے روشن خیالی اور آزادی کا ہے، لیکن اب یہ فریب کھل رہا ہے انگاہوں سے پردہ اٹھنے لگا ہے اس طرح عورت نے اپنے دھوکہ کھانے کو تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے اس لیے کہ موجودہ صدی کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عصر حاضر کی عورت کا کردار افراد سازی اور تاریخ سازی میں بہت کمزور ہے اور اس راہ میں اس کی روشنی بہت کمزور ہے۔ وہ کارزار حیات میں کوئی نمایاں اور زبردست کردار ادا کر سکی نہ وہ ان اعلیٰ انتظامی عہدوں تک رسائی حاصل کر سکی جو مردوں کے ساتھ خاص سمجھے جاتے رہے ہیں اور ان ملکوں میں بھی اس پر مرد ہی قبضہ جماتے ہیں جہاں سے عورت کی آزادی اور حریت کا علم اور جھنڈا بلند کیا جا رہا ہے، جو عورت کی ترقی اور مساوات مرد و زن کے سب سے بڑے وکیل بنے ہوئے ہیں۔

رہی وہ عورتیں جنھوں نے دور جاہلیت کے ناز و انداز (چاہے وہ کتنے خوشنما لباس میں سامنے آئے) اور اپنی ظاہری زیب و زینت سے کنارہ کشی کو اختیار کرنے سے انکار کر دیا، اپنی عزت و ناموس پر آنچ آنے نہیں دیا عفت و حیا، شرافت و وفا کو گلے کا ہار بنائے رکھا۔ انھوں نے خاتون نسل اور طبقۂ نسواں کے لیے انمٹ نقوش چھوڑے جو آج بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ ایسی مثالیں قائم کیں جو آج بھی منارۂ نور بنی ہوئی ہیں۔ اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور بغور دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ مردان کار کی تیاری، بہادروں کی ثابت قدمی عورت ہی کی مرہون منت ہے، مجاہدین کی حوصلہ مندی و ہمت، اولیاء اللہ کی عبادت و ریاضت اور بے لوثی، اور اہل علم و فن کی علمی پختگی اور مہارت فن کے پیچھے مقدس و محترم ماں کا ہاتھ نظر آئے گا۔

"عورت بحیثیت قوت دفاع"

عورت معاشرۂ انسانی میں مدافعاتی قوت اور ڈھانچۂ انسانی میں بنیادی قوت کی حیثیت رکھتی ہے جس سے امراض و بیماریاں دور ہوتی ہیں، اور وہ فاسد مادہ ختم ہوتا ہے جو انسانی معاشرہ کو کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔ ان بیماریوں اور امراض کے حق میں یہ زبردست طاقتور بند اور مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جب انسان کی یہ مدافعاتی قوت ختم ہو جاتی ہے اس وقت انسانی جسم بیماریوں اور امراض کا آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اور ہر چہار جانب سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور پھر اسے بری قوت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کیا آپ ایڈس کو نہیں دیکھتے جو دن بدن دنیا میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ وہ نام ہی ہے جسم انسانی میں مدافعاتی قوت کے نقدان کا۔ یہ قوت اہم ہتھیار اور اہم دفاعی آلہ ہے، جو انسانی بدن کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتا ہے اور ان بنیادی حملوں کا مقابلہ کرتا ہے جو وقتاً فوقتاً اس پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ڈاکٹروں کی کوششیں اور دواؤں کے فائدے کمک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اور حقیقتاً عورتوں کا اپنے مقام و منزل کو چھوڑ کر آوارہ گردی اختیار کرنے کے نتیجہ میں یہ وبائی مرض پھیلانا شروع ہوا ہے۔

وہ ملک کے لیے بھی ایسی قوت دفاع کی حیثیت رکھتی ہے جو سرحدوں کو خالی نہیں چھوڑتی ہے بلکہ وہ سرحدوں پر ہمیشہ نگرانی کرنے والے سپاہی کی طرح جمی رہتی ہے۔ اگر وہ ان سرحدوں کو خالی چھوڑ دیں تو کسی بھی طاقت کے شب خون مارنا، ملک میں داخل ہونا اور گھسنا اور رعایا کو غلام اور محکوم بنانا آسان ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ حکمت اور دانائی کی بات نہیں کہ فوجیوں اور لشکروں کو دوسرے ممالک میں منتقل کر دیا جائے اور دوسروں کے رحم و کرم پر اپنی سرحدوں اور ملک کو خالی چھوڑ دیا جائے۔

یقیناً عورت سڑکوں اور بازاروں میں گشت کرنے اور گھومنے اور بے پردگی کے لیے پیدا نہیں کی گئی، نہ حکومتی عہدے اور نہ سرکاری مناصب کے حصول کے لئے اس کی تخلیق عمل میں آئی اور نہ ذریعہ معاش، نہ حرفت و پیشہ اور نہ کسب معاش کے لیے وجود میں لائی گئی (سوائے یہ کہ اس کے لئے مجبور ہو جائے) وہ صالح نسل، جدید نسل کو پیدا کرنے کے لیے اور تربیت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس لیے کہ اس سے سکون حاصل کیا جائے اور مردوں کی صلاحیت و استعداد میں جلا پیدا کرنے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ وہ عظیم قوت دفاع ہے جو زندگی اور نشاط سے بھرپور ہے اور ترقی و عروج اور نیک نامی اور نیک توقعات کو مہمیز کرتی اور ابھارتی ہے۔

"نوجوان خواتین سے خطاب"

دنیا کی ہر نوجوان خاتون اور عالم کی ہر عورت کو یہ پیغام ہے اے بہنو! اپنی قدر و قیمت سے واقف ہو اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی صلاحیت اور فطری استعداد سے آشنا ہو اسے انسانیت کے مفاد اور اس کی بھلائی کے لیے استعمال کرو اور اسے ہوٹلوں، پارکوں، سر راہ سڑکوں پر ضائع نہ کرو۔ اور اسے محفل رقص و سرود

(باقی ص ۸ پر)

وزیر اعظم مسٹر دیوگوڑا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے

ملک کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں دعا لینے کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حاضر ہوئے!

محمد شاہد ندوی۔ بارہ بنکوی

۳؍جولائی ۱۹۹۶ء کو وزیر اعظم مسٹر دیوگوڑا اترپردیش کی راجدھانی شہر لکھنؤ میں پہلی بار بحیثیت وزیر اعظم تشریف لائے جہاں انھوں نے بیگم حضرت محل پارک میں ایک عظیم جلسۂ عام سے خطاب کیا جس میں کئی اہم مرکزی وزرا، ذمہ داران حکومت اور بڑی تعداد میں عوام وخواص نے شرکت کی۔

اس موقع پر وزیر اعظم مسٹر دیوگوڑا ہندستان میں عالمی شہرت کا حامل ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء دیکھنے اور اس کے ناظم اعلیٰ اور عالم اسلام کی معروف شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم سے ملاقات کرنے اور دعائیں لینے کے لیے آئے۔ اس ملاقات کے دوران حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ملک اور سماج میں اخوت و رواداری اور امن وامان کی ضرورت پر زور دیا۔ اور کہا کہ ہر ایک کو بنی نوع انسانی کی بہبود کے لیے کام کرنا چاہیئے۔

ملاقات کی خبر کو اخبارات نے ملک میں چلنے والے مسلم معاملات و مطالبات سے جوڑنے کی کوشش کی اور یہ شائع کیا کہ بابری مسجد مقدمہ کے سلسلے میں بھی بات ہوئی حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

موجود لوگوں نے بصراحت بتایا کہ ملاقات صرف اخلاقی رہی اور کوئی سیاسی بات دونوں میں سے کسی نے نہیں کی۔ ملاقات کے دوران گفتگو براہِ راست انگریزی میں ہوئی۔ اور کسی ترجمان کی خدمات نہیں حاصل کی گئیں۔ اس موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب، اترپردیش کے گورنر جناب محمد شفیع قریشی صاحب، متحدہ محاذ کے لیڈر اور مرکزی وزیر ریلوے مسٹر رام بلاس پاسوان، مسٹر سی۔ ایم۔ ابراہیم اور مسٹر وسیم احمد بھی موجود تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کا جو درد عطا فرمایا ہے اس نے حضرت مولانا کی مقبولیت اور عظمت کو اوج ثریا پر پہونچا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کا دل ان کی طرف کھنچتا ہے حضرت مولانا کوئی سیاسی آدمی نہیں ہیں بلکہ انسانیت کے لیے بے چین رہنے والے ایک عظیم انسان ہیں اس لیے وہ جب بڑے سے بڑے شخص سے بھی بات کرتے ہیں تو کسی خاص طبقہ یا جماعت کے مخصوص اور عارضی فوائد سے بہت بلند ہو کر انسانیت اور ملک کے مفاد کی اور اس کی سالمیت کی باتیں کرتے اور اسی کی نصیحت بھی کرتے ہیں۔ ان کی یہ باتیں بے غرض اور مخلصانہ ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ مخاطب کی نفسیات کی رعایت اور اس کی سطح کا خیال رکھتے ہیں اور اسلامی دعوت کے مطابق اصولی انداز اپناتے ہیں۔

مولانا عبدالقادر صاحب رضا ندوی گجراتی کو صدمہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث مولانا عبدالقادر صاحب ندوی گجراتی کے حقیقی بھائی احمد میاں عبداللہ میاں صاحب ۴؍جولائی ۱۹۹۶ء کو تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند علم دوست، با اخلاق اور صاحب خیر انسان تھے۔ موصوف اپنے دس سالہ قیام جدہ کے دوران حجاج کرام کی خدمت سعادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ اور زکوٰۃ حساب لگا کر پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

ادارۂ تعمیر حیات مرحوم کے پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● محمد شمس الدین متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے والد بزرگوار جناب محمد ایمانی صاحب ۳؍جولائی ۱۹۹۶ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

* محمد طارق ندوی *

سوال وجواب

س:۔ کیا تمام تلاوت کے سجدے قرآن مجید ختم کرکے ایک ساتھ کرسکتا ہے؟

ج:۔ تلاوت کرتے وقت جو سجدہ آئے حتی الامکان اسے جلد سے جلد ادا کرلے تاہم اگر تمام سجدے ساتھ کئے جائیں تو ادا ہو جائیں گے۔

س:۔ ایک شخص چارپائی پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کررہا ہے، دوران تلاوت آیت سجدہ آگئی تو کیا کرے؟ سجدۂ تلاوت فوراً ادا کرلے یا تلاوت پوری کرنے کے بعد سجدہ کرے۔؟

ج:۔ فوراً سجدۂ تلاوت کرلینا افضل ہے، تلاوت ختم کرکے کرنا بھی جائز ہے، اگر چارپائی سخت ہو کر اس پر پیشانی دھنسے نہیں تو چارپائی پر سجدہ ادا ہو سکتا ہے، ورنہ الگ ہٹ کر زمین وغیرہ پر سجدۂ تلاوت ادا کرے۔

س:۔ کیا ٹیپ ریکارڈر پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے؟

ج:۔ نہیں! ٹیپ ریکارڈر پر آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔

س:۔ کسی نے لاؤڈ اسپیکر پر سجدۂ تلاوت سنا تو کیا اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے؟

ج:۔ ہاں! جس شخص کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ کی آیت ہے اس پر سجدہ واجب ہو جائے گا۔

س:۔ کیا قبر پکی بنوانا شرعاً جائز ہے؟

ج:۔ حدیث شریف میں پکی قبروں کے بنانے کی ممانعت آئی ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے سے، ان پر لکھنے سے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔

س: کیا قبر پر شناخت کے لئے پتھر لگوا سکتے ہیں؟

ج:۔ ہاں! شناخت کے لئے پتھر لگانا درست ہے، مگر اس پر آیات وغیرہ نہ لکھی جائیں شناخت کے لئے نام لکھ سکتے ہیں۔

س:۔ میت کی قبر تیار ہونے پر پانی چھڑکا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے؟

ج:۔ ہاں! جب قبر تیار ہو جائے، تو اس پر پانی چھڑکنا مستحب ہے، حضرت جعفر بن محمدؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیمؓ کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر کنکریاں رکھیں اور اس کو ایک بالشت اونچا رکھا۔ (بیہقی)

س:۔ قبرستان میں کچھ درخت لگے ہوئے ہیں کیا اس کی آمدنی سے مسجد کی مرمت کروا سکتے ہیں؟

ج:۔ نہیں! مسجد کی تعمیر اور مرمت میں قبرستان کے درختوں سے حاصل شدہ رقم نہیں لگا سکتے ہیں۔

س:۔ کیا غیر مسلم کے برتن میں کھانا پینا جائز ہے؟

ج:۔ اگر پاک وصاف ہوں تو جائز ہے۔

(بقیہ) استنبول میں کانفرنس

وہ معمولی معمولی کام انجام دینے سے بھی قاصر ہے اس لیے تمام مسلمانوں کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے اس لیے اس وقت اسلامی میڈیا کو تیز تر کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

۳۔ **سیاست**:۔ اس میدان میں آج کل جو بے اعتدالی و بے اصولی پائی جارہی ہے اس نے اس کی مقصدیت کو بالکل زائل کر دیا ہے اس لیے اسکو عالمی طور پر اسلام کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے حق میں نافع اور مفید بن سکے۔

۴۔ **اقتصادیات**:۔ یہ نہایت ہی افسوسناک پہلو ہے کہ دنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی حصہ عالم اسلامی پر محیط ہے جو نوع بنوع معدنی ذخائر سے لبریز ہے۔ ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے تاہم اس کے باوجود دنیائے اسلام اقتصادیات کے میدان میں دوسری طاقتوں کی محتاج ہے اس لیے اسلامی ممالک کو چاہیئے کہ وہ اپنی اقتصادی حالت مضبوط کریں تاکہ وہ اپنی تمام ضرورتوں میں خود کفیل ہوں۔ (ماخوذ: مجلۃ المجتمع)

صفحہ ۸ کا بقیہ

خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ دھوکہ میں پڑ جاتی ہیں۔

اس نکتہ کو وقت کے گذرنے اور فوت ہونے سے پہلے سمجھو اور ایک اچھے مثالی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں مدد اور تعاون کرو جس کی ہر زمانہ میں انسان اور انسانیت کو ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام بھائی بہنوں نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ انسانیت کی بھلائی، خیر خواہی اور اس کی صحیح رہنمائی کرسکیں، بیشک اللہ تعالیٰ قریب ہے سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

درود وسلام ہو محمدؐ پر اور ان کی آل اور اصحاب پر۔

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر مکمل نام و پتہ کے ساتھ خریداری نمبر کا حوالہ دینے سے کارروائی میں جلدی اور آسانی ہوتی ہے

مطالعہ میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ھارون رشید صدیقی

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

"خصائلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" از جناب مولانا محمد سلیمان صاحب قاسمی خوشحال پوری۔
سائز $\frac{۲۲\times۱۸}{۸}$، صفحات مع کور ۲۱۲، کتابت وطباعت اوسط۔ قیمت درج نہیں، ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ حمیدیہ خوشحال پور، پوسٹ مرزا پور، ضلع سہارنپور ۲۴۷۱۲۱

جمال وحسن کی الفاظ میں تعبیر ناممکن
مجسم نور کی کھینچے کوئی تصویر ناممکن

جہاں جبریلِ امیں ہوں پر سمیٹے ششدر وحیراں
وہاں جرأت کرے کیا ایک بے مایہ حقیر انساں

کوئی لغزش نہ ہوجائے الٰہی اس سے ڈرتا ہوں
بھروسے پر ترے اس کام کا آغاز کرتا ہوں

ان اشعار سے مؤلف نے ذکر خیر الامم صلی اللہ علیہ وسلم شروع کیا ہے، سب سے پہلے حلیہ مبارک ہے، پھر آپ کے جسم اطہر کے مختلف اعضا کا ذکر ہے، قد، رنگ، ساخت بدن، سر مبارک، چہرۂ انور، دہن مبارک، دندانِ مبارک، پیشانی مبارک، بینی مبارک، چشم مبارک، پلکیں، رخسار، ریش، شوارب، بھنویں، بالوں کی لمبائی، گردن، مونڈھے، سینۂ نورانی، بغلیں، کلائیاں، بازو، دست، انگلیاں، بغلیں، ایڑی، پنڈلی، قدمین، پاؤں کی انگلیاں، تلوے غرض کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عضو کا دلائل و حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے پھر آپ کے ایک ایک لباس کا ذکر ہے، موزوں اور جوتوں کا بیان ہے، آپ کی نعلین مبارک کا نقشہ ہے، تکیہ، خوشبو، خاتم، آپ کے خطوط کے نقشے، آپ کے جنگی لباس، تیر کمان، تلوار اور ڈھال کا ذکر ہے، پھر آپ کی عادات اور معاشرت کی ایک ایک چیز کا مبارک تذکرہ ہے، پھر آپ کی بیماری اور رحلت کا بیان ہے، آپ کی اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبروں کی ترتیب کا نقشہ ہے، آخر میں ایک مفید ضمیمہ ہے جس میں کتاب کے بعض اشارات کی توضیح ہے۔

کتاب ہم محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نادر تحفہ ہے، تنہائی میں پڑھئے، مجلسوں میں پڑھئے، سنئے اور سنائیے ثواب آخرت کمائیے اور آپ کے ہر ہر بیان پر درود بھیجئے "اللّٰہم صل وسلم وبارک علی محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ بیشک کتاب میں بعض ضعیف روایات ملیں گی، مگر فضائل میں کمزور روایات مقبول ہیں بس کسی عقیدہ سے ٹکراؤ نہ ہو۔ موضوع اور کتاب کی عظمت کے لحاظ سے کھلی کتابت اور اچھی طباعت کا اہتمام چاہئے تھا۔ بعض جگہ تو آفسٹ کی چھپائی لگ ہی نہیں رہی ہے، بعض جگہ حروف اور نقطے اڑ گئے ہیں، آئندہ ایڈیشن میں اور بہتری لانے کا مشورہ ہے۔

"منتخب و مسنون دعائیں"

مرتب:۔ مولانا محمد خالد صاحب ندوی، استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء۔
ناشر:۔ ضیا پبلیکیشنز، ٹیگور مارگ ندوہ روڈ لکھنؤ
سائز:۔ $\frac{۲۶\times۲۰}{۱۶}$، صفحات:۔ ۱۳۲
طباعت:۔ آفسیٹ، قیمت:۔ درج نہیں۔
ملنے کا پتہ:۔ ندوی بک ڈپو، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اپنے رب سے مانگنے میں نہ کسی زبان کی پابندی ہے نہ وقت اور جگہ کی، جب بھی مضطر ہوکر، آنسو بہاکر ہاتھ پھیلائے گا پائے گا، لیکن بہر حال کتاب وسنت کی دعاؤں میں ایک خاص برکت ہے اور حدیث سے ثابت شدہ، دعاؤں کے لئے مقبول اوقات میں قبولیتِ دعا کی قوی امید ہے۔

اس کتاب میں قبولیت دعا کے اوقات بھی بتائے گئے ہیں اور دعا کے آداب بھی، اور یہ کہ کن لوگوں کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں، پہلے اسمائے حسنیٰ دیئے گئے ہیں پھر صبح وشام پڑھی جانے والی دعائیں جمع کی گئی ہیں، مختلف مواقع کی دعائیں وضو، اذان اور نماز سے متعلق دعائیں، سفر سے متعلق دعائیں، مریض سے متعلق دعائیں، آگ بجھانے کی دعا، دفع سحر کی دعا، آیات شفا، نماز جنازہ، قنوت وتر، قنوت نازلہ غرض کہ ضرورت کی بہت سی دعائیں کتاب وسنت کے حوالے سے مع ترجمہ درج ہیں، بہت ہی کارآمد اور مفید مجموعہ ہے، البتہ اگلی طباعت میں ترتیب اور عناوین پر نظر ثانی کا مشورہ ہے۔

ص ۸۳ پر دعائے نصف شعبان المکرم کو دیکھ کر کسی کو خیال آسکتا ہے کہ یہ تو کسی حدیث سے ثابت نہیں لیکن پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ دعاؤں میں بندہ کو اختیار ہے کوئی بھی جائز دعا اپنے رب سے مانگ سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی بزرگ نے کسی دعا میں اچھے الفاظ میں اچھے مقاصد متعین کر دیئے ہوں تو یہ دعا مانگنے والے کے حق میں اور بہتر ہے، البتہ جو خاص دعا کسی خاص موقع کے لئے کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو اس موقع کے لئے وہ دعا سب کے لئے ضروری نہ جانے کتاب کے آخر میں نماز کے اوقات کی دائمی جنتری

(باقی ص ۱۳ پر)

بقیہ: درس حدیث

پنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ دل نہ ہوں بلکہ س کو خوشی سے مان لیں۔ تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں مختلف اقع پر لوگوں کے دلوں میں اتارتے رہے، چنانچہ ہ ارکر بیان فرمادیا "کہ جس کسی کو بھی کسی کام پر تعین کیا اور اس میں سے اس نے ایک سوئی یا اس سے بھی کم درجہ کی چیز بھی ہم سے چھپالی یہ خیانت ہوگی اور قیامت کے دن اس کو لے کر ئے گا۔" غلول یہ ہے کہ محصل کوئی چیز لے کر اپنے سامان میں رکھ لے، یوں غلول کے اصل معنی مطلق یانت کے ہیں جس طرح کی بھی خیانت ہو لیکن یہ پھر ال غنیمت میں استعمال کے لئے خاص ہو گیا چنانچہ س بلیغ لفظ کا ذمہ داروں اور حاکموں کے دلوں پر ڑا اثر پڑا اور کیوں نہ ہو جبکہ خیانت کا وبال اتنا خت ہے جو بیان ہوا، چنانچہ گھبرا کر ایک انصاری نے جو کالے رنگ کے تھے، اٹھے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ اپنا دیا ہوا کام ہم سے واپس لے لیجئے، آپ نے فرمایا کیوں کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا ہم نے آپ کو ایسا ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا ان انصاری صحابی کے فہم سے یہ بات بالاتر تھی کہ یہ بار امانت اس احتیاط کے ساتھ اٹھانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے جبکہ موجودہ معاشرہ ادائیگی امانت کے بارے میں تساہلی کا شکار چلا آرہا ہے، الغرض جلیل القدر صحابی نے محسوس کیا کہ وہ اس میں ناکام ثابت ہوں گے لہٰذا ارادہ کیا کہ اس سے سبکدوش ہو کر مطمئن ہو جائیں۔

لیکن مربی کامل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیوں کیا بات ہے؟" ان کی ہمت و [redacted] ابھارا اور اس کی مزید تاکید کی، امانت کا تقاضا اور فریضہ وہی ہے جو ہم نے کہا تم جیسوں کو امانت کے قدیم مفہوم کو اب بدلنا چاہیئے، اور اس قرآنی مفہوم کے سانچے میں ڈھالنا چاہئے اس طرح سے آپ گویا پوری امت مسلمہ سے یہ مطالبہ فرمارہے ہیں کہ وہ ان امور اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے چنانچہ آپ نے صاف صاف فرمادیا" میں اس وقت بھی وہی بات کہتا ہوں کہ تم میں سے جس کسی کو ہم عامل بنائیں وہ کم زیادہ جو کچھ بھی ہو لا کر حاضر کرے" قرآن بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا" (سورۂ نساء - ۵۹)

مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔

اسلام نے غلول (یعنی خیانت) کو اس کی مختلف صورتوں اور مناسبتوں سے مکمل تدبیر کی ہے اور اس پر زور دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسعودؓ انصاری نے فرمایا کہ "مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل (یعنی محصل) بنا کر بھیجا پھر فرمایا، "ابو مسعود جاؤ! ایسی تم سے قیامت کے دن اس طرح نہ ملوں کہ تم آؤ تو تمہاری پیٹھ پر چلاتا ہوا صدقہ کا وہ اونٹ ہو جس کو تم نے خیانت کرکے اپنا لیا ہو، (یہ سن کر) ابو مسعودؓ نے عرض کیا اللہ کے [redacted] نہیں جانیں گے، تو آپ نے فرمایا کہ "پھر تم کو مجبور بھی نہ کریں گے۔" لہ

اس تربیت نبوی میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے لہٰذا جہاں اتنی شدت ہے وہیں ذمہ داروں کو کچھ اقتصادی خصوصیات و امتیازات بھی دیئے گئے ہیں، حضرت مستورد بن شدادؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جو ہمارا عامل ہو وہ شادی کرلے، اور اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو ایک خادم لے لے، رہنے کے لئے گھر نہ ہو تو گھر لے لے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا مجھے بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس سے زیادہ لے وہ خائن یا چور ہے۔"

یہ حدیث حاکم کی تربیت کے سلسلے میں جو امور حکومت و رعیت کا جوابدہ ہے یا اپنی خاص ذمہ داری کا جوابدہ ہے بڑا اچھا توجہ نامہ ہے جو امانت کے وسیع معنی کو سمجھنے اور منصب کی ذمہ داری کو بہ اعتبار سے جانے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی رہنمائی بھی کرتی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ حاکم کے معاشی معیار زندگی کو بلند کرنے کے ساتھ غرور و گھمنڈ پیدا کرنے والی چیزوں سے بچانے اور لغزش کے دروازوں کو بند کرکے عند اللہ لوگوں کی نظروں میں اس کا مرتبہ بلند کرتی ہے انھیں تربیتی وسائل میں سے ایک بات یہ ہے کہ شریعت نے ہدیہ اور رشوت کے فرق کو واضح کیا ہے۔

ہدیہ اور رشوت کا فرق

حاکم یا ذمہ دار کو ہدیہ کرنا خیانت کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اسی لئے اسلام نے اس پر پوری نظر رکھی ہے کہ ہدیہ کے نام پر رشوت کا دروازہ نہ کھل جائے، اس موضوع پر بحث کی اور شک و شبہ کو دور کیا۔

ہشام نے اپنے والد ابو حمید ساعدیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازد کے ایک آدمی

لہ باب غلول الصدقة سے مختصر سنن ابی داؤد

کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا۔ جب وہ وصولی کے بعد واپس آیا تو آپؐ نے اس کا حساب لیا، اس نے کہا یہ تمہارا مال ہے اور یہ (ہم کو) ہدیہ ہے۔ یہ سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو ایسا کیوں نہ کیا کہ تم اپنے باپ ماں کے گھر میں بیٹھے رہتے اور گھر بیٹھے تمہارا ہدیہ تم کو مل جاتا...، اس کے بعد آپ نے تقریر فرمائی۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا اما بعد! میں تم میں سے کسی آدمی کو ان کاموں کے لئے جن کی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ذمہ داری ڈالی ہے، عامل مقرر کرتا ہوں، جب وہ وصول کرکے واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھ کو ہدیہ کیا گیا ہے، تو اگر وہ سچا ہے تو کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھا رہا اس کا ہدیہ وہیں آجاتا، خدا کی قسم تم میں سے جو شخص بھی اس میں سے کچھ لے گا وہ اس کو قیامت کے دن لے کر حاضر ہوگا، میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے کہ بلبلاتا ہوا اونٹ یا ڈکارتی ہوئی گائے یا چلاتی ہوئی بکری اپنے اوپر لادے ہوئے ہو۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اتنا کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر فرمایا اے اللہ میں نے (تیرا حکم) پہونچا دیا، میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا۔ (صحیح شرح نووی)

یہ وہ عام تربیتی مواقع ہیں، جو مسلمانوں میں بلند قدریں پیدا کرنے کی آپؐ کی تڑپ و بے کلی کو بتاتے ہیں، کام کے اندر اخلاص و امانت داری اور مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں تاکہ حاکم و ذمہ دار مشتبہ چیزوں میں غلطیوں سے محفوظ رہ کر وہ نمونہ بنے جس کی عوام اقتدا کریں اور اس کو قدر و احترام کی نظر سے دیکھیں۔

حدیث کا فقہی پہلو حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ محصلین و عمال کو ہدیہ لینا حرام ہے اس کا شمار خیانت میں ہے اس لئے کہ اس نے اپنی ذمہ داری و امانت میں خیانت کیا ہے، جیسا کہ آپؐ نے ہدیہ کے حرام ہونے کے سلسلہ میں فرمادیا ہے کہ یہ ہدیہ منصب کی وجہ سے مل رہا ہے جو ہدیہ غیر عامل کو ملتا ہے، وہ پسندیدہ ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

یہ حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ عمال کا ہدیہ حرام ہے، اس کا معاملہ دیگر ہدایا کی طرح نہیں ہے جو مباح ہے۔ اس لئے کہ عمال کو ہدیہ اس لئے دیئے جانے کا احتمال قوی ہے کہ عامل وصولی میں رعایت برتے (جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں) یہ اس کی طرف سے خیانت اور واجب شدہ حق میں کمی کا موجب ہے جس کو مستحقین تک پہونچانا ضروری تھا۔

موجودہ حالات میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے

۱۔ حاکم کو رعیت کے بارے میں احساس ذمہ داری دلانا اور متوجہ کرنا اچھی بات ہے جس سے اسلامی معاشرہ کی خدمت ہوگی اور مسلمان حکام کو ترقی حاصل ہوگی۔

۲۔ ان ذرائع اور راستوں کا بند کرنا جن سے حاکم کے کام کو بگاڑنے اور رعیت کو ناجائز کردینے کا راستہ کھلتا ہے۔

۳۔ حدیث سے نفوس کی تربیت ہوتی ہے اور صحابۂ کرامؓ کا اسی صحیح طریقۂ حکومت کے التزام کا نمونہ سامنے آتا ہے جس سے مقصد تک رسائی کی راہ کھلتی ہے۔

۴۔ یہ حدیث خیانت سے نفرت پیدا کرتی ہے اور بندۂ مومن کو مشتبہ چیزوں سے دور رکھتی ہے۔

(بقیہ) سیرۃ النبیؐ اور ہماری زندگی

اس طرح عمل کیا جاتا ہے۔ اور اب ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک مکمل اور کامل نمونہ بنا دیا۔ یہ ایسا نمونہ ہے کہ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے اور یہ نمونہ اس لیے بھیجا کہ تم اس کو دیکھو اور اس کی نقل اتارو، تمہارا کام بس یہی ہے۔

آپ کی ذات ہر شعبۂ زندگی کا نمونہ تھی

اگر تم باپ ہو تو یہ دیکھو کہ فاطمہ کے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو دیکھو کہ عائشہ اور خدیجہ کے شوہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے۔ اگر تم حاکم ہو تو یہ دیکھو کہ مدینہ کے حاکم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح حکومت کی۔ اگر تم مزدور ہو تو یہ دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو یہ دیکھو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی تجارت میں کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ آپ نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، سیاست بھی کی، معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو۔ بس! تم اس نمونے کو دیکھو اور اس کی پیروی کرو۔ اسی مقصد کے لیے ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اس لیے نہیں بھیجا کہ آپ کا یوم پیدائش منایا جائے، اس لیے نہیں بھیجا کہ آپ کا جشن مناکر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے ان کا حق ادا کردیا۔ بلکہ اس لیے بھیجا کہ ان کی ایسی اتباع کرو جیسی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اتباع کرکے دکھائی۔

[redacted] (ماخوذ از اصلاحی خطبات)

عید میلاد النبیؐ کا پیغام
امت مسلمہ کے نام

قمر رام نگری

مسلم باطل شکن اٹھ مسلم احرار اٹھ
حامیِ دینِ مبیں، حق کے علمبردار اٹھ
پھر جہاں میں گرم ہے الحاد کا بازار اٹھ
ہاتھ میں پھر لے کے حق و صبر کی تلوار اٹھ

پھر جہانِ شر میں دینِ حق کا خنجر ہو بلند
پھر فضا میں نعرۂ اللہ اکبر ہو بلند

آدمیت ہو رہی ہے پھر جہالت کا شکار
پھر قبائے امنِ عالم ہو رہی ہے تار تار
ہر طرف فتنوں کے شعلے ہر طرف شر کے شرار
ساری دنیا بن گئی ہے پھر زمینِ کارزار

دامنِ صد چاک گیتی پھر ہے محتاجِ رفو
عالمِ امن و اماں کو پھر ہے تیری جستجو

پھر بدل دے قوتِ ایماں سے باطل کا نظام
دے جہاں کو پھر خداوندی حکومت کا پیام
دولتِ امن و اماں کو پھر جہاں میں کر دے عام
پھر وہی ہو روح پرور کیف آگیں صبح و شام

نغمۂ تسبیح سے معمور ہو ساری فضا
گونجتی ہو ہر طرف "اللہ اکبر" کی صدا

تھام لے پھر پاک ہاتھوں میں عنانِ روزگار
سرد پڑ جائے رگِ ہستی میں خونِ شعلہ بار
پھر بنا دے بزمِ عالم کو سراپا خلد زار
ہر طرف پھر رقص فرمانے لگے موجِ بہار

اختلافِ ملک و ملت یکقلم نابود ہو!
سب ہوں اک خالق کے بندے سب کا اک معبود ہو

اے مسلماں ہاں تجھے بازوئے حیدرؓ کی قسم
غزوۂ بدر و احد اور جنگِ خیبر کی قسم
تیغِ خالدؓ نعرۂ اللہ اکبر کی قسم
ہاں قسم قرآن کی ناموسِ پیمبرؐ کی قسم

پھر دکھا دے اک جہاں کو اپنی ترکِ تاز اٹھ
مسلمِ جانباز اٹھ اے مسلمِ جاں باز اٹھ

آہ کیوں محکوم ہے تو پیروِ باطل ہے کیوں؟
اے مسلماں اپنی عز و قدر سے غافل ہے کیوں؟
کیوں ہے تو گم کردہ رہ ناواقفِ منزل ہے کیوں؟
بحرِ ہستی میں سفینہ تیرا بے ساحل ہے کیوں؟

کیوں ہے تاریکی میں تو نور آفریں ہوتے ہوئے
کیوں ہے گمراہی میں قرآنِ مبیں ہوتے ہوئے

بند تجھ پر رحمتِ باری کا کیوں دروازہ ہے؟
ہر گھڑی تجھ پر یہ نازل کیوں عذاب تازہ ہے
اس طرح بکھرا ہوا عالم میں کیوں شیرازہ ہے
یہ تری ہی غلطیوں کا بالیقیں خمیازہ ہے

چھوڑ دے پچھلی روش اور کام لے ایمان سے
اپنا رشتہ جوڑ لے سنت سے اور قرآن سے

یاد کر ہاں سیرتِ صدیق اکبرؓ یاد کر
یاد کر ہاں اسوۂ فاروقؓ و حیدرؓ یاد کر
یاد کر کردارِ عثمانؓ و ابوذرؓ یاد کر!
یاد کر قربانیٔ سبطِ پیمبرؓ یاد کر!

اے امامِ حریت! مردانہ جرأت لے کے اٹھ
اٹھ زمانہ بدل! شمشیرِ ہمت لے کے اٹھ

کیوں ہے تو گم سم پڑا کیوں رنگ ہے چہرے کا فق
اٹھ زمانے کو دکھا تاریخِ ماضی کے ورق
پھونک دے کاشانۂ باطل کو بن کر برقِ حق
دے جہاں کو جاں سپاری سرفروشی کا سبق

شانے سے شانہ ملا کر آہنی دیوار بن
اتحادِ باہمی کا اک نیا معیار بن!

رہ چکا اب تک اسیرِ تنگ دامانی بہت
ہو چکی پامال تیری شانِ سلطانی بہت
جھک چکی باطل کے در پر تیری پیشانی بہت
تیرے حق میں زہر ہے یہ اشک افشانی بہت

نام کے مسلم مسلماں بن کے سرافراز ہو
آسمانِ حریت میں صاحبِ پرواز ہو

اے مسلماں آہ کب تک یوں رہے گا محوِ خواب
اٹھ زمانے پر برس تو بن کے رحمت کا سحاب
بخش پھر میخانۂ ہستی کو الفت کی شراب
پھر دکھا دے چشمِ عالم کو وہ دورِ کامیاب

جبکہ آئینِ الٰہیہ کے سر پر تاج تھا
ہر طرف جب عدل حق انسانیت کا راج تھا۔

بادۂ توحید سے لبریز تیرا جام ہے!
کل جہاں کے واسطے رحمت کا تو پیغام ہے
پیروِ اسلام تو ہے، تیرا مسلم نام ہے
فتنہ و شر کو مٹانا تیرا پہلا کام ہے

تیرا نعرہ "اتحادِ عالمِ اسلام" ہو
"ایک ہوں مسلم جہاں بھر کے" ترا پیغام ہو

Fax No. : (0522) 380570

Principal 37233
Guest House 73864

TAMEER-E-HAYA

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) R